نئی تعلیم

(ہندوستانی تعلیمی سنگھ کا پرچہ)

قیمت سالانہ عہ	دہلی۔ ماہ جنوری ۱۹۳۹ء	جلد ۱، نمبر ۱

"نئی تعلیم کا نیاپن سمجھنا ضروری ہے۔ پرانی تعلیم میں جتنا اچھا ہے وہ نئی تعلیم میں رہے گا، لیکن اس میں نیاپن کافی رہے گا۔ نئی تعلیم اگر سچ مچ نئی ہوگی تو اس کا نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ ہمارے اندر مایوسی ہے، اس کی جگہ امید ہوگی، کنگالیت کی جگہ روٹی کا سامان تیار ہوگا، بے کاری کی جگہ دھندا ہوگا، جھگڑوں کی جگہ ایکا ہوگا اور ہمارے لڑکے لڑکیاں لکھنا پڑھنا جانیں گے اور ساتھ ساتھ ہنر بھی جانیں گے جس کے معرفت وہ اکشر گیان حاصل کریں گے۔"

اتمان زائی ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۸ء — م۔ ک۔ گاندھی

بدن اور دماغ کی تعلیم

آدمی کے بدن اور دماغ کی قوتوں میں ایک رشتہ ہے جو ٹوٹ نہیں سکتا۔ یہ دونوں جب مل کر کام کریں تب ہی سب قوتیں پوری طرح پھلتی پھولتی ہیں۔

اگر بدن کی تربیت بھی ساتھ ساتھ نہ ہو تو دماغ بھی پوری طرح ترقی نہیں کرتا۔ مدرسے کے درجوں میں بہت سے بچے ہوتے ہیں، جس ٹھس اور کند۔ بات یہ ہوتی ہے کہ ان کے بدن کی تربیت پر دھیان نہیں دیا جاتا، بدن کے حق پورے نہیں ہوتے تو دماغ بھی ٹوٹے ہی رہتے ہیں۔

بدن کی تربیت سے میرا مطلب ورزش اور کھیلوں سے نہیں ہے۔ میرا مطلب کام کی ان قوتوں سے ہے جو بدن کی ہنرمندی سے سدھتی ہیں۔ اس سدھاؤ سے بدن کی تعلیم ہوتی ہے اور اس کا بھونڈاپن دور ہوتا ہے۔ کام کے وہ تعلیمی طریقے جن سے بدن اور دماغ میں اندرونی رشتے بڑھیں بڑے کام کے طریقے ہوتے ہیں اس لئے کہ ایک سے دوسرے کو مدد ملتی ہے اور دونوں ساتھ ساتھ ترقی کرتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے آشرموں میں ہر لڑکے کو کوئی نہ کوئی ہاتھ کا کام کرنا پڑتا ہے۔ اور اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بس ہاتھ سے کام کرنے کی خاطر ہاتھ سے کام کیا جائے۔ اصل بات یہ ہے کہ بدن کی یہ تعلیم دماغ کو بھی پروان چڑھاتی ہے اور اس کو نئی طاقت بخشتی ہے۔ بہتیرے بچے ہوتے ہیں جنہیں ہم کند اور ٹھس جانتے ہیں مگر سچ یہ ہے کہ ان کی طبیعت کی سوئی ہوئی گہرائیوں میں بس زندگی کی ایک چھیڑ کا انتظار ہے اور یہ اکثر بدن کی تربیت سے ہاتھ آجاتی ہے۔ ورنہ بدن کی تربیت نہ ہو تو دماغ کے سوتے بھی سوکھ جاتے ہیں۔

پھر یہ بھی ہے کہ جس آدمی کے بدن کی تربیت نہیں ہوئی وہ کتنا ہی بڑا پنڈت ہو زندگی کے اکثر حصوں میں دوسروں کے بل پر دن کاٹتا ہے اور ہمیشہ ادھورا آدمی ہی رہتا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ اس ادھورے پن سے ہم ہر طالب علم کو بچائیں۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی کوئی سرپرست ہماری اس بات کو نہ مانیں لیکن ہمیں ان کی مخالفت کو مان نہ لینا چاہیئے۔

یہ میرا پکا عقیدہ ہے کہ دماغ کی تعلیم اور بدن کی تربیت کے درمیان اور ان دونوں کے آزادی سے آگے بڑھنے میں ایک بنیادی تعلق ہے۔ اگر ہم اپنی زندگی کے ان دو تاروں میں ہم آہنگی قائم نہ رکھ سکیں تو زندگی کا گیت بے سرا ہو جاتا ہے۔

رابندر ناتھ ٹیگور

نئی تعلیم۔ نئی زندگی

نئی تعلیم نئی زندگی کا پیام ہے۔ مگر کیسی نئی زندگی ! وہ نئی زندگی نہیں جس کی امید دیس کے قانون قاعدے بدلوانے والے دلاتے ہیں۔ اس سے راستے کی ایک رکاوٹ ضرور دور ہو جائے گی اور آگے چلنا آسان ہو جائے گا پر بہت سے اچھے قانون والے دیس بھی دوسرے دیسوں کو برباد کرتے رہے ہیں اور اپنی آبادی کے لئے اوروں کے گھر اجاڑتے رہے ہیں۔ وہ نئی زندگی بھی نہیں جس میں دولت کمانا آسان ہو جائے گا اس لئے کہ روپے پیسے سے آرام بھی خریدا جاتا ہے اور روگ بھی۔ یہ نئی زندگی خالی پیٹ بھرنے کا انتظام ہی نہیں ہوگی، اس لئے کہ آدمی خالی روٹی سے نہیں جیتا اور یہ بھی ہوتا ہے کہ اپنا پیٹ بھرنے کے لئے دوسرے کا پیٹ کاٹا جاتا ہے۔

یہ نئی زندگی دنیا کو بدلے گی کہ اس کے بدلنے سے آدمی اچھے بن جائیں گے۔ یہ آدمی کو اس طرح بدلے گی اور سنوارے گی کہ پھر اس کی دنیا آپ ہی آپ بدل جائے۔ یہ آنکھ کو وہ روشنی دے گی کہ جدھر دیکھے اجالا کر دے، یہ ہاتھ کو وہ صفائی دے گی جو دل کو بھی صاف بنا دے، یہ محنت کے پسینے کی بوند کو موتی بنا دے گی۔ یہ سچے، اچھے، دھن کے پکے آدمی بنائے گی جو نیکی کے ساتھی ہوں اور برائی کے دشمن، جو اپنی بات مضبوطی سے کہہ سکیں اور دوسرے کی صبر سے سن سکیں، جو اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکیں اور دوسرے کا سہارا بن سکیں۔

میں نے نئی تعلیم کو نئی زندگی کا پیام کہا تو پوری بات نہیں کہی۔ یہ نئی زندگی کا وعدہ بھی ہے، ایسا وعدہ جو پورا ہو جائے تو آسودگی، خودداری، رواداری، آزادی سب ہی نصیب ہو جائیں لیکن یہ وعدہ کس نے کیا اور کس سے کیا؟ یہ وعدہ ہم نئی تعلیم کا کام کرنے والے ایک دوسرے سے کرتے ہیں اور اپنے ملک کی نئی پود سے کرتے ہیں۔ ہم نے اپنے مدرسوں میں آدمی کی صورت کو اس طرح بگڑتے دیکھا ہے کہ رونا آگیا ہے۔ کہیں ہم نے دیکھا کہ سر اتنا بڑھ گیا ہے کہ ہاتھ پاؤں سوکھ گئے ہیں، کہیں ہاتھ پاؤں مضبوط دیکھے تو سر کو خالی اور آنکھ کو اندھا پایا۔ آدمیوں کے یہی روگ زندگی کے اصل روگ ہیں اور ہم نئی تعلیم کا کام کرنے والے ایک دوسرے سے وعدہ کرتے ہیں کہ مل کر اور ایک دوسرے کا ہاتھ بٹا کر سڈول بدن، جاگتا ہوا دل، سوچنے والا دماغ اور اپنی اور سماج کی درستی کا سچا شوق رکھنے والے نوجوان پیدا کریں گے اور اسی وقت دم لیں گے جب ایسے نوجوان تیار ہو کر یہ کام اپنے ہاتھ میں لے لیں اور ہمیں سستانے کی اجازت دیں۔

یہ پرچہ "نئی تعلیم" اس لئے نکالا جا رہا ہے کہ جو لوگ آپس میں یہ وعدہ کرتے ہیں وہ ایک دوسرے کے کام کو جان سکیں، ایک کے تجربے سے دوسرا فائدہ اٹھا سکے، ایک سے دوسرا مدد لے سکے اور سب کو یہ اندازہ ہوتا رہے کہ بنیادی تعلیم کا جو کاروبار سارے ملک میں پھیلا ہے وہ کس طرح چل رہا ہے۔

ذاکر حسین،

جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی۔

نئی اور پرانی تعلیم

ہندوستان میں تعلیم کو عام اور مفید اور قومی ضروریات کے موافق بنانے کا جو کام مہاتما گاندھی نے شروع کیا ہے اس کی اصلی اہمیت کا اندازہ بہت سے لوگوں کو نہیں ہے۔ لیکن اگر اس کام میں کامیابی ہوئی تو تاریخ کے صفحوں میں اس کی یادگار ہمیشہ باقی رہے گی۔ پرانی تعلیم صرف چند اونچے طبقوں تک محدود تھی۔ نئی تعلیم سارے ہندوستانیوں کو خواہ وہ مزدور ہوں یا کاشتکار، سرکاری ملازمت کرنے والے ہوں یا رئیس اپنے دامن میں لینا چاہتی ہے۔ پرانی تعلیم کا رخ ہمیشہ شہر کے باشندوں کی طرف رہتا تھا اور گاؤں کے لوگوں سے جن کی آبادی اسّی پچاسی فی صدی ہے اس کی نظر ہٹی رہتی تھی۔ نئی تعلیم کا رخ گاؤں کی طرف ہوگا اور مدرسوں کا نصاب بنانے اور پڑھانے کے طریقوں میں ان کی ضرورتوں کا خیال رکھا جائے گا۔ پرانی تعلیم صرف لکھنا پڑھنا، نوکریاں ڈھونڈھنا، دولت کی تلاش کرنا سکھاتی تھی۔ نئی تعلیم ہاتھ سے کام کرنا، دوسروں کے ساتھ مل کر کام کرنا اور ان کی خدمت کرنا سکھائے گی۔ پرانی تعلیم لکھے پڑھے اور باقی لوگوں میں فرق پیدا کر دیتی تھی۔ نئی تعلیم سب کو ایک دوسرے کے کام کی قدر کرنا سکھائے گی اور خاص کر کے مزدوروں، کاشتکاروں اور محنت کر کے روزی کمانے والوں کی عزت بچوں کے دلوں میں پیدا کرے گی۔ پرانی تعلیم میں بچوں کو چپ چاپ بیٹھنے اور اپنی قدرتی چستی چالاکی اور حرکت کرنے کی خواہش کو روکنے پر مجبور کرتی تھی۔ نئی تعلیم مدرسوں میں زندگی، حرکت، رونق پیدا کرے گی اور اس طرح مدرسوں کو بچوں کے لئے دلچسپ اور خوشگوار بنائے گی۔ لیکن ایک شرط ہے اور وہ شرط یہ ہے کہ ان نئے مدرسوں میں پڑھانے والے استاد اپنے کام کو اچھی طرح جانتے اور سمجھتے ہوں۔ وہ ان سے محض چرخہ نہ چلوائیں، محض روئی نہ کتوائیں، محض آری نہ چلوائیں بلکہ ان تمام کاموں کو (جو مفید ہیں) بچوں کی تعلیم اور ان کے دماغ کی تربیت اور سدھار کا ذریعہ بنائیں۔ جو کام سمجھ بوجھ کر کیا جائے، ایمان داری اور محنت سے کیا جائے، اس کا آگا پیچھا، اس کا مقصد اور نتیجہ معلوم ہو اس میں بڑی برکت ہے، کتاب پڑھنے سے کہیں زیادہ برکت ہے۔ نئی تعلیم ایسے ہی کاموں کو اور ایسے ہی طریقوں کو اسکول میں داخل کرنا چاہتی ہے۔ اگر یہ طریقے چل گئے تو لوگوں کا یہ اندیشہ غلط ثابت ہوگا کہ اس تعلیم سے ٹیگور اور اقبال اور سر سید جیسے قابل لوگ پیدا نہ ہوں گے۔ ایسے لوگ تو من کے اندر کے تقاضے سے بنتے ہیں، انھیں مدرسہ زبردستی یا کوشش کر کے پیدا نہیں کر سکتا۔ لیکن ہماری نئی تعلیم ان کے راستے میں ہرگز رکاوٹ نہیں ڈالے گی مگر اس کا ایک بڑا مقصد یہ ہوگا کہ وہ جن لاکھوں بچوں کی تربیت کرے وہ سچے ہوں، بہادر ہوں، مستعد ہوں، محنت کرنے کو تیار رہوں، انسانوں کی خدمت کرنا اپنا فخر سمجھیں، ان پر ظلم کرنے کو برا سمجھیں اور ان کی سیوا کے ذریعے خدا کی خوشنودی حاصل کریں۔

خواجہ غلام السیدین،

ڈائرکٹر تعلیمات، کشمیر۔

ذہنی تعلیم کا کیا ہوگا؟

کہا جاتا ہے کہ واردھا تعلیمی اسکیم سے ذہنی تعلیم کا خاتمہ ہوجائے گا۔ ادھر واردھا اسکیم کا دعویٰ ہے کہ یہ اسکیم ذہن کے نشوونما کی کمی کو بھی پورا کرسکے گی۔ سوامی رام تیرتھ کہا کرتے تھے کہ طبیعت میں یکسوئی پیدا ہونے سے انسان کے تنفس میں سکون ہوتا ہے۔ اس سے یہ سمجھنا کہ تنفس کو روکنے سے طبیعت کو سکون ہوگا غلط ہے۔ سوامی رام تیرتھ کا نظریہ صحیح ہو یا غلط، لیکن اتنی بات تو سچ ہے کہ ہم ذہن کی اڑان کے نتیجے کو ادب میں سمو کر رکھتے ہیں اور ذہن کے کام کے نتیجوں کو لفظوں کے روپ میں ظاہر کرتے ہیں لیکن اس سے یہ سمجھنا کہ لفظوں اور ادب کے مطالعے سے عقل تیز ہوتی ہے اور اس میں اضافہ ہوتا ہے غلط ہے۔

بات یہ ہے کہ آج کل کے طریقۂ تعلیم سے ذہن کی نشوونما اتنی نہیں ہوتی کہ آدمی کی کام اور سنگھٹن کی طاقت بڑھے اور وہ قدرت اور انسانی طاقتوں اور اپنے نفس پر قابو پاسکے۔ آج کل تعلیم کے انھیں تجربوں کو سامنے رکھ کر ہم نے طریقۂ تعلیم میں تبدیلی کرنے کی کوشش کی ہے، عقل کی صحیح نشوونما کی ایمانداری سے راہ تلاش کی ہے تب کہیں یہ طریقہ ہاتھ آیا ہے۔

اگر ہمارے طریقۂ تعلیم سے صرف دستکاریوں ہی کو فروغ ہوا اور بچوں کے ذہن کی نشوونما نہ ہوئی تو سب سے پہلے اپنے طریقے کی ناکامی کا اعلان ہم خود ہی کردیں گے۔ اگر ہم یہی چاہتے کہ بچوں کو ہاتھ کی کاریگری دستکاری ہی سکھائی جائے تو دیس میں کاریگروں کی تو پہلے ہی سے کچھ کمی نہیں ہے۔ انھی کی مدد لے لیتے، بڑے بڑے پنڈتوں کو اس بات میں تکلیف دینے کی کیا ضرورت تھی۔

دستکاری کے لئے جو تین سوا تین گھنٹے کی مدت رکھی گئی ہے سچ پوچھئے تو ذہنی تعلیم کے لئے موزوں وقت وہی ہے۔ اگر اس مدت میں ذہنی تعلیم نہیں دی جاتی یا دستکاری کا کام کرتے وقت دماغ کا ساتھ نہیں ہوتا اور کام صرف نقل سے لیا جاتا ہے تو وہ واردھا تعلیمی اسکیم نہیں ہے۔ اگر کوئی استاد دستکاری کے گھنٹے میں ذہنی ماحول نہیں پیدا کرسکتا تو وہ واردھا تعلیمی اسکیم میں ہرگز کامیاب نہیں ہوا۔

اس تین گھنٹے چالیس منٹ میں جو انمول ذہنی تعلیم دی جائے گی اسی کی مدد کے لئے ایک گھنٹہ چالیس منٹ کی کتابی تعلیم بھی رکھی گئی ہے۔ اگر دستکاری کے وقت میں ذہنی تعلیم مطلق نہیں ہوتی تو کتابی تعلیم کے وقت میں وہ ہرگز پوری نہیں ہوسکتی۔

کتابی تعلیم کے سلسلے میں بھی اگر وہی پرانا ادبی تعلیم کا ڈھنگ برتا گیا، تو ہماری تعلیم زندگی بخش نہیں بن سکے گی۔ واردھا تعلیمی اسکیم میں ادب کی جگہ تو ضرور رہے گی لیکن وہ تعلیم کا خاص مقصد نہیں ہوگا۔ سائنس کی تعلیم میں ادب کی جگہ ہوتی ہے لیکن جس طرح مرکزی حیثیت مشاہدے، مطالعے، تجربے اور عمل کو حاصل ہوتی ہے اسی طرح واردھا تعلیمی اسکیم کے ماتحت مشاہدے، تجربے اور عمل کے ذریعے دماغی تعلیم کا انتظام کیا جائے گا کورے الفاظ نہیں بلکہ ٹھوس کام اکتساب علم اور ذہنی ارتقا کی خاص ریاضت ہوگی۔ لفظی منطق سے بہت ہوا تو ہم خیال کی غلطی پکڑ سکتے ہیں مگر قوت فیصلہ اور تنظیم کا شعور تو صرف عینی تجربے اور عملی مشق ہی کے ذریعے بڑھ سکتا ہے۔

کاکا کالیلکر

بنیادی دستکاری: کتائی

(چند مشورے)

دستکاری کے ذریعے تعلیم دینے کے طریقے میں "کتائی" کو خاص حیثیت حاصل ہے۔ ٹریننگ اسکول واردھا میں استادوں کو کتائی کا کام سکھانے کے سلسلے میں جو تجربے ہوئے ہیں ان کی روشنی میں ہم چند مشورے دے رہے ہیں امید ہے کہ ان سے اس تعلیم کا تجربہ کرنے والوں کو کچھ مدد مل سکے گی۔

کتائی کی دستکاری میں سب سے پہلی چیز کپاس اور اس کا اکٹھا کرنا ہے، اس لئے:-

(۱) فصل کے موقعے پر یاد کرکے کافی مقدار میں کپاس لے لینا چاہئے۔

تلسی داس جی نے سادھوؤں کی سیرت کو کپاس سے تشبیہ دی ہے۔

سادھو چرت سبھ سرس کپاسو + نرس بشد گن مے پھل جاسو

کپاس کی خریداری میں ہمیں اسی تشبیہ کو مدنظر رکھنا چاہئے، نرم ہو، سفید، اور کچرے سے پاک ہو، خوب پکا ہوا ہو، خشک ہو، کھلا اور خوب پھولا ہوا ہو، ریشے خوب لمبے لمبے ہوں۔

(۲) دوسرا ضروری کام کپاس کو حفاظت سے رکھنے کا ہے۔ اس کو رکھنے کے لئے کھتا ہونا چاہئے۔ کپاس کے تین بڑے دشمن ہیں، چوہا، آگ اور تری۔ کپاس کو ان تینوں سے محفوظ رکھنے کی ضرورت ہے۔ اس کا کھتا ایسا ہونا چاہئے کہ دیواروں کے اندر کا حصہ اینٹ اور چونے کا بنا ہو اور دروازوں اور کھڑکیوں میں سوراخ نہ ہوں جس سے چوہے اندر آسکیں۔ اس میں ہوا کا بھی کافی گذر ہو، کھڑکیاں ایسی بنائی جائیں کہ ان میں کواڑ کے بجائے لوہے کی باریک جالیاں جڑ دی جائیں۔ روئی کو بوریوں میں بند کرکے زمین سے کچھ اوپر اور دیواروں سے ہٹا کر رکھا جائے، ورنہ (خاص کر بارش میں) روئی میں تری پہنچ جانے کا اندیشہ رہے گا۔

(۳) روئی کو حفاظت سے رکھنے کے بعد اس کو دھنّے کی ضرورت ہوتی ہے۔ دھنّے کی جگہ ایسی ہونی چاہئے کہ وہاں تیز ہوا نہ آسکے مگر روشنی کا کافی گذر ہو۔ اس کے لئے کمرے کی دیوار کی کھڑکیوں میں شیشے کے دروازے اور اگر چھپّر ہو تو اس میں روشن دانوں کا انتظام ہونا چاہئے۔ اگر دیواریں اینٹ کی ہوں تو چھپّر کے پاس ایک فٹ کے حصے میں لوہے کے گز لگا کر ایک پردہ لٹکا دیا جائے تاکہ جب ہوا کو روکنے کی ضرورت ہو تو اسے روکا جاسکے اور ضرورت کے وقت پردے کو ہٹا دیا جائے تاکہ ہوا داخل ہوسکے۔ کھڑکیوں میں بھی لوہے کی سلاخیں لگانی چاہئیں تاکہ دھنائی نہ ہوتی ہو تو ہوا کی آمدورفت کا معقول انتظام ہوسکے۔ زمین کا فرش پختہ ہو تو بہتر ہے۔ اس سے روئی کے گندے ہونے کا اندیشہ جاتا رہے گا۔ ہر طالب علم کے لئے ۳۰ مربع فیٹ جگہ ہونی چاہئے۔ ۲۴ × ۱۰ کے رقبے کے کمرے میں آٹھ لڑکوں کے لئے جگہ نکل سکتی ہے اور بیچ میں آنے جانے کا راستہ بھی رہے گا۔ دروازوں میں اندر اور باہر دونوں طرف شکنی ہونی چاہئے تاکہ اگر کوئی طالب علم باہر جائے یا باہر سے اندر آئے تو فوراً دروازے کو بند کردے اور

تیز ہوا اندر نہ آسکے۔ اس طرح دھننے والوں کے کام میں خلل نہ ہوگا۔

دھنائی کے ہر کارخانے میں ضرورت کے مطابق ایک یا دو ہوشیار دھنے رکھنے چاہئیں' اس لئے کہ بہت سے لوگ بیمار پڑجاتے ہیں' بعض دوسری وجہوں سے دھن نہیں سکتے اور بارش کے زمانے میں پونیوں کو اکٹھا کرلینا ضروری ہوتا ہے۔ دھنوں سے چار گھنٹے سے زیادہ کام نہیں لینا چاہیئے۔ اس سے زیادہ دھنتے رہنے سے بیمار ہوجانے کا ڈر رہتا ہے۔ باقی چار گھنٹے میں مدرسے کو ان کے لئے کوئی دوسرا کام نکال لینا چاہیئے مثلاً مدرسہ ان سے سوت کتائے اور اسے خود خرید لیا کرے۔ دھنے ایسے ہوں کہ ان سے اوسط درجے کی اجرت پر کتائی بھی کرائی جاسکے۔

(۵) کاتنے کے لئے ہر طالب علم کے لئے ۲۰ مربع فیٹ جگہ ہونا چاہیئے۔ جگہ میں کمی کرنے سے طالب علموں کے حوصلے' ترقی اور صحت پر برا اثر پڑنے کا اندیشہ رہے گا۔

(۶) ہر درجے میں ایک گھڑی بھی ہونی چاہیئے۔ گھڑی کے بغیر کام اندھے کے سفر کی طرح ہوگا ساتھ ہی ساتھ کام کی یادداشت رکھنے اور سوت کے نمبر وغیرہ نکالنے کا ضروری سامان بھی ہونا چاہیئے۔

(۷) اوپر لکھی ہوئی باتوں سے یہ بات زیادہ اہم ہے کہ استاد اور طالب علم دونوں کی کمائی بھی ٹھیک ٹھیک حساب سے ہو۔ اگر دستکاری کے ذریعے تعلیم کے طریقے کو کامیابی سے آگے چلانا ہے تو ضرور ہے کہ ٹھیک ٹھیک کمائی پر بھی دھیان رکھا جائے۔ یہ بات کھدر کی کتائی اور بنائی کی دستکاری پر خاص طور سے پوری اترتی ہے۔ دوسرے پیشوں کی سماج میں کچھ عزت ہے اور ان کی معاشی اہمیت بھی ہے مگر کھادی کے پیشے کے معنی تو یہ ہوتے ہیں کہ یہ ہندوستان کے غریبوں کا پیشہ ہے۔ کھدر کی اپنی الگ ایک معیشت ہے اور اس کا فلسفہ بھی الگ ہے۔ کھدر کی معاشی اہمیت تعلیم یافتہ اور شہری لوگوں کی نفاست پسند نگاہوں میں جچنے والی نہیں ہے۔ مگر پھر بھی سب کے لئے کوئی کام ہے تو یہی ہے۔ اس میں انھیں لوگوں سے کام لیا جاسکتا ہے جو کھدر سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ جسے اس سے کوئی لگاؤ ہی نہ ہو' صرف نام کی ہمدردی ہو اس سے کام کی امید رکھنا فضول ہے' جیسے کسی دوڑ میں دس لنگڑے آدمیوں کے ایک تندرست آدمی کے مقابلے میں کامیاب ہونے کی امید۔ اچھے کام (Quality) کی جگہ کو مقدار (Quantity) سے بھرنے کا تجربہ ناکام رہے گا۔

(۸) تعلیم میں پیشے کو جگہ دینا اور وہ بھی کھدر کے پیشے کو بالکل نئی چیز ہے۔ اس لئے اس بات میں کافی تجربے کرنے ہوں گے۔ ان تجربوں کے لئے اس شعبے کے طالب علموں کو مناسب آزادی بھی ملنی چاہیئے۔ کم سے کم ہر صوبے میں اس قسم کے تجربے کے دو ایک مرکز تو ہونے ہی چاہئیں۔

(۹) مدرسے میں دستکاری کا ماحول تو پیدا کرنا ہی چاہیئے' مگر اس کے ساتھ استاد اور طالب علم کی زندگی میں بھی اس ماحول کا اثر نمایاں رہنا چاہیئے۔ فرض کیجئے مدرسے میں کھدر کی دستکاری ہے لیکن سب لوگ کھدر نہیں پہنتے یا رسوئی میں مشین کے چاول اور تیل کا استعمال ہوتا ہے ایسی صورت میں ٹھیک فضا نہیں پیدا ہوسکے گی۔

(۱۰) تقریر کے لئے ہم بڑے بڑے لوگوں کو بلاتے ہیں۔ اگر کوئی صاحب خواہ مخواہ بھی ہمارے اندر آجاتے ہیں تو ہماری خواہش ہوتی ہے کہ ہم ان سے کچھ بول سن ہی لیں۔ یہ چیز کچھ ہماری عادت میں داخل ہوگئی ہے۔ یہ کوئی بری بات نہیں ہے لیکن کیوں نہ اس کی عادت ڈالی جائے کہ بڑے بڑے لوگ اس لئے بھی بلائے جائیں کہ وہ ہمارے ساتھ بیٹھ کر گھنٹہ آدھ گھنٹہ چرخہ چلائیں یا تکلی کاتیں۔ اس کے بعد اگر وہ پسند فرمائیں تو شوق سے تقریر بھی کریں۔ جو بات ان خالی خولی تقریروں سے پیدا بھی نہیں ہوتی ان عملی مثالوں سے دل پر نقش ہوجاتی ہے اور ان طریقوں سے ماحول کو بھی تازہ رکھا جاسکتا ہے۔

(۱۱) اوپر لکھے ہوئے مشوروں کے مطابق کام شروع کرنے کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنے کاموں کی یادداشت رکھنی چاہیئے جس طرح ایک تاجر اپنی بہیوں سے یہ اندازہ لگاتا ہے کہ اس کا کاروبار نفع سے چل رہا ہے یا نقصان سے' ہمیں اپنے کام کے نفع نقصان اور ترقی یا تنزل کا اندازہ اپنی یادداشتوں ہی سے ہوسکتا ہے۔ سوت کے شعبے کی ضروری یادداشتوں کے نمونے نیچے دیئے جاتے ہیں۔

سوت کے متعلق یادداشت

سوت کے شعبے میں کم سے کم نیچے لکھی ہوئی یادداشتیں ہونی چاہئیں۔ اس کے دو حصے ہوں گے۔

(۱) دفتر۔

(۲) جماعت۔

دفتر کے لئے ضروری بہیاں :۔

۱۔ مالیات کی بہی۔

۲۔ روکڑ بہی۔

۳۔ کھاتا بہی۔

۴۔ مزدوری کی بہی۔

۵۔ ترقی کی بہی۔

۶۔ خرچ کی بہی۔

۱۔ مالیات کی بہی :۔ اس میں نیچے لکھی ہوئی باتوں کی یادداشت رکھنی چاہیئے :۔

ا۔ سامان :۔ دستکاری کے سلسلے میں ضروری سامان تکلی' اٹیا۔

ب۔ چالو خرچ :۔ تانت' کاکر' چٹائی وغیرہ۔

ج۔ کچا مال :۔ روئی' پونی' کپاس وغیرہ۔

د۔ آلات :۔ ترازو' قینچی وغیرہ۔

ھ۔ تیار مال :۔ سوت۔

لکھنے کے طریقے کے لئے دیکھیئے نمونہ نمبر ۱ اور اس کے حصے۔

۲۔ روکڑ بہی :۔ ہر کچے مال کے لئے بہیاں الگ الگ ہونی چاہئیں۔ (مشورہ :۔ حساب تولے کی ناپ میں رکھنے سے سہولت ہوگی اس لئے کہ حساب سے تھوڑی زیادہ مقدار میں روئی دینے میں چھٹانک اور سیر کی تول کا لکھنا مشکل ہوتا ہے۔ مثال کے لئے نمونہ نمبر ۲ ملاحظہ ہو۔)

۳۔ کھاتا بہی :۔ ہر طالب علم کو کتنی روئی دی گئی اور اس نے کتنا

سوت دیا۔ یہ باتیں ہر طالب علم کے متعلق الگ الگ رہنی چاہئیں۔ ان کے حوالوں کے لئے تاریخ اور منٹے کے نمبر روکڑ بہی سے اتارے جاتے ہیں۔ مثال کے لئے دیکھو نمونہ نمبر ۳۔

۴۔ مزدوری کی بہی:۔ طالب علم کا سوت آنے پر نمبر، جماعت، مزدوری وغیرہ نکالنے کے کچے حساب ان کے نیچے لکھے رہتے ہیں۔ دیکھئے نمونہ نمبر ۴۔

۵۔ ترقی کی بہی:۔ ہر طالب علم کے متعلق ہر ماہ کے آخر پر یا جو مدت مقرر کی جائے اس کی مزدوری، رفتار، مدت وغیرہ سب معلومات لکھی رہتی ہیں۔ اس طرح طالب علم کی ترقی کی رفتار کا اندازہ ہوتا رہتا ہے۔ دیکھئے نمونہ نمبر ۵۔

۶۔ خرچ کی بہی:۔ کس کام میں کتنا وقت اور کس قدر صرفہ ہوا اور آج تک کل خرچ نیز ہر مد میں کتنا خرچ ہوا۔ یہ باتیں اس بہی سے معلوم کی جا سکتی ہیں۔ دیکھئے نمونہ نمبر ۶۔

جماعتوں کی یادداشتوں کے دو حصے ہوتے ہیں:۔

۱۔ استاد:۔ ا۔ جماعت کی بہی۔

ب۔ گراف۔

۲۔ طالب علم:۔ ا۔ کام۔

ب۔ گراف۔

۱۔ استاد:۔ ا۔ جماعت کی بہی۔ اس میں ہر طالب علم کے روزانہ کے کام، ترقی نیز جماعت کے کل کام اور اوسط ترقی کی تفصیل رہے گی۔ دیکھئے نمونہ نمبر ۷۔

ب۔ گراف۔ انفرادی ہفتہ وار، ماہانہ مجموعی اور سالانہ کام کا گراف تیار کرے گا۔ دیکھئے نمونہ نمبر ۸۔

۲۔ طالب علم:۔ اپنے بج کے کام کا حساب رکھیں گے اور اس کا گراف تیار کریں گے۔ جس جماعت کے طالب علم لکھنا جانتے ہوں گے، کام کا نقشہ اور گراف انھیں کے لئے ضروری ہوگا۔ چھوٹی جماعتوں کے لئے جماعت ہی کی بہی سے کام چلے گا۔

ا۔ کام کا نقشہ:۔ اس میں طالب علم کے روزانہ کام، ترقی، مزدوری وغیرہ کا اندراج رہتا ہے۔ دیکھئے نمونہ نمبر ۹۔

ب۔ گراف۔ طالب علم خود اپنی ترقی کی رفتار کا گراف تیار کرے گا۔

نوٹ۔ اوپر لکھی ہوئی یادداشتیں کم سے کم ہیں۔ ضرورت اور تجربے کے ماتحت ہم دوسری قسم کی یادداشتیں بھی رکھ سکتے ہیں اور رکھنا چاہئے بھی۔

(ولیم بھائی پٹیل، ٹریننگ اسکول، واردھا)

نمونہ نمبر ۱

آلات

تکلی

۳۰۰ مورخہ ۲۰-۶-۳۸ کارخانے سے لائی گئیں۔

۲۰۰ ۔ ۲۸-۶-۳۸، علی گڑھ سے لائی گئیں۔

۵۰۰

۲۰۰ ٹریننگ اسکول میں دی گئیں، مورخہ ۲۲-۶-۳۸

۶۰ جماعت الف مراٹھی

۱۱۰ " ب "

۳۰ " ج ہندی

۲۰۰

۱۴۰ پریکٹسنگ اسکول میں دی گئیں، مورخہ ۲۵-۶-۳۸

۵ جماعت مراٹھی الف میں دیں، مورخہ ۲۹-۶-۳۸

۳۴۵

۱۵۵ تحویل میں

۵۰۰

نمونہ نمبر ۱

چالو خرچ

تانت

۴۰ تین تاری تانت گوپال پور سے لائی گئیں، مورخہ ۲۲-۶-۳۸

۴۰

۱۷ دھنائی کی جماعت میں دی گئیں، مورخہ ۲۷-۶-۳۸

۳ " " " " " " ، ۲۹-۶-۳۸

۲۰

۲۰ تحویل میں

۴۰

نمونہ نمبر ۱

کچا مال

روئی

۸۰۰۰ سرکاری فارم ناگپور سے لائی گئی، مورخہ ۱۱-۶-۳۸

۵۶۰ بازار سے خریدی گئی، مورخہ ۲۱-۶-۳۸

۸۵۶۰

۱۲۲ ½ مورخہ ۲۳-۶-۳۸ کا خرچ

۲۰۵ " ۲۴-۶-۳۸ " "

۲۷۵ " ۲۵-۶-۳۸ " "

۳۰۰ " ۳۰-۶-۳۸ " "

۹۰۲ ½

۷۶۵۲ تحویل میں

۵ ½ کمی گھٹہ

۸۵۶۰

نمونہ نمبر ۱

تیار مال

سوت

۱۶۶۴ ماہ اکتوبر کا سوت
۱۶۰ پریکٹسنگ اسکول
۶۰۰ مراٹھی جماعت الف
۸۰۰ 〃 〃 ب
۱۰۰ ہندی 〃 الف
۱۰۴ 〃 〃 ب
۱۶۶۴
۱۶۶۴

۵۰۰ کپڑا بننے کے لئے تالی واڑے کارخانے کو بھیجا گیا۔ مورخہ ۱۰-۱۱-۳۸
۲۰۰ رسی بنانے کے لئے پریکٹسنگ اسکول میں دیا گیا۔ مورخہ ۱۲-۱۱-۳۸
۶ مہمانوں کے لئے ہار مورخہ ۲۱-۱۱-۳۸
۷۰۶
۹۵۸ تحویل میں
۱۶۶۴

نمونہ نمبر ۲

پیوئی

تاریخ ۱-۱۰-۳۸، دوشنبہ
۳۰۰ تاریخ ۱-۱۰-۳۸

	نام	جماعت
۵	رام چندر جاٹ،	ہندی الف
۵	کرشن تیلی،	〃 〃
۵	اے۔ بی۔ پنت،	مراٹھی ب
۵	اے۔ کے۔ سادھو	〃 الف
۲۰	پریکٹسنگ اسکول، اول ہندی، معرفت ر۔ کھرے	
۴۰		
۲۶۰	تحویل میں	
۳۰۰		

تاریخ ۲-۱۰-۳۸ منگل
۲۶۰ تحویل میں
۸۰ گوبند اپنجاری

نمونہ نمبر ۳

موہن لال گردھاری

صفحہ ۹۰

۲۰ سوت مورخہ ۲-۵-۳۸
۲½ زیادتی (روئی گھٹ[1])
۴ روئی } تحویل میں
۱۵ پیوئی }
۴۰½
۴½ ٹوٹ[2]
۴۵

مورخہ ۱۹-۸ صفحہ ۱ پیوئی ۱۰
〃 ۲۰-۸ 〃 ۲ 〃 ۱۰
〃 ۲۵-۸ 〃 ۳ 〃 ۵
〃 ۲۶-۸ 〃 ۱۰ روئی ۲۰
۴۵

[1] روئی صاف کرنے، دھننے اور اٹیا میں بیٹھ جانے والے کچرے کے لئے کچھ چھوٹ دی جاتی ہے۔ اسے زیادتی (روئی گھٹ) کہتے ہیں۔
[2] روئی گھٹ کے علاوہ آگے کی کمی کو کہتے ہیں۔

نمونہ نمبر ۴

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶
نام	سوت (تولے)	تار	تار (تولے)	نمبر (Count)	پہلا تجربہ (تولے)	دوسرا تجربہ (تولے)	تیسرا تجربہ (تولے)	اوسط	کس ٹکے	مزدوری	سوت کی کمی	ٹوٹ	ٹوٹ کی کمی	اصلی مزدوری	کیفیت
ترڑکے	۲۱	۱۲۴	½	۷¼	۲۳۲	۲۳۳	۴۳۳	۱۶۴	۳۴½	[illegible]	[illegible]	۰	-	[illegible]	
تانوتی	۱۴	۱۱۰	۱¾	۱۴½	۱۵۴	۱۹۴	۱۶۴	۱۶۴	۷۶½	[illegible]	-	۱½	مرہائی	[illegible]	

نمونہ نمبر ۵

دیوی داس پانڈورنگ

تاریخ	سوت تولے	نمبر (Count)	کس (ٹکے)	ٹوٹ (تولے)	باڑھ (تولے)	مزدوری	کل کام گھنٹے	فی گھنٹہ مزدوری	ترقی فی گھنٹے	کیفیت
۷-۵	۷½	۸	۵۸	-	-	[illegible]	۱۰	[illegible] پائی	۹۰	
۱۵-۹	۱۴	۱۲	۵۱	۱	-	[illegible]	۳۰	[illegible] پائی	۷۵	

نمونہ نمبر ۶

تکلی

۱

تاریخ	تگ	قیمت
۲۰-۵-۳۸	۲۰۰	[illegible]
۱۸-۹-۳۸	۹۰۰	[illegible]
۱۰-۷-۳۸	۲۵	[illegible]

۱۲

دھنائی

تاریخ		قیمت
۱۰-۴-۳۸	۴۸۰ تولے	[illegible]
۱۱-۴-۳۸	۸۰۰ 〃	[illegible]

نوٹ: ضرورت کے مطابق ہر کھاتے کے لئے ۴ یا ۵ جتنے صفحے چاہئیں چھوڑے جا سکتے ہیں اور حسب ضرورت نئے کھاتے بھی ڈالے جا سکتے ہیں۔

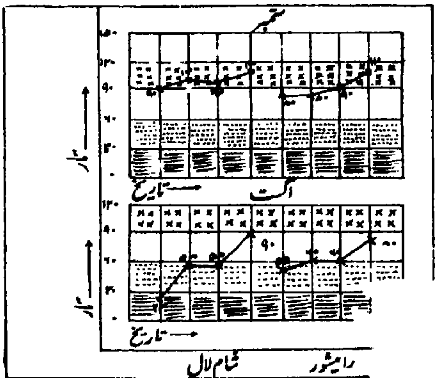
نمونہ نمبر ۷

	۳۸-۹-۱ دایاں	۳۸-۹-۱ بایاں ترقی	۳۸-۹-۱ کل	۳۸-۹-۲ دایاں	۳۸-۹-۲ بایاں ترقی	۳۸-۹-۲ کل	۳۸-۹-۳ دایاں	۳۸-۹-۳ بایاں ترقی	۳۸-۹-۳ کل	۳۸-۹-۴ دایاں	۳۸-۹-۴ بایاں ترقی	۳۸-۹-۴ کل		دایاں زیادہ سے زیادہ	دایاں کم سے کم	بایاں زیادہ سے زیادہ	بایاں کم سے کم
رامیشور	۲۰	۱۵	۶۰	۲۱	۱۴	۶۲	۲۳	۱۶	۷۰	۲۸	۱۸	۸۰		۱۸	۱۲	۱۶	۸
گوبند	-	-	-	۱۲	۸	۳۵	۱۲	۱۰	۴۰	۱۲	۱۱	۵۰		۳۰	۲۰	۲۹	۱۸
عبدل	۱۰	۸	۳۰	-	-	-	۹	۷	۲۵	-	-	-					
شیام لال	-	-	-	-	-	-	۲۸	۲۵	۱۱۰	۳۰	۲۵	۱۲۵					
کل کام	۳۰	۲۳	۹۰	۳۳	۲۲	۹۷	۷۲	۵۸	۲۴۵	۶۶	۵۴	۲۵۵					
اوسط ترقی	۱۵	۱۱½	۴۵	۱۶½	۱۱	۴۸½	۱۸	۱۴½	۶۱¼	۲۲	۱۸	۸۵					

نوٹ:۔ اوسط نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ کل کام کے مجموعے کو جتنے طالب علموں نے ترقی میں حصہ لیا ہے ان کی تعداد سے تقسیم کر دیا جائے۔

نمونہ نمبر ۸ (الف)

جماعت اول کی انفرادی، ہفتہ وار یا ماہانہ ترقی کا گراف



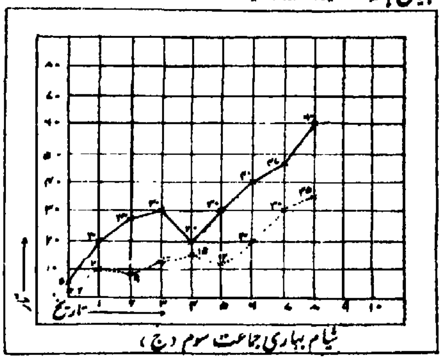
مختلف علامتوں کے بجائے ان کی جگہ رنگ بھرے سے دیجئے کالا، پھر لال، ہرا اور آخر میں نیلا، طالب علموں کو ان کے رنگوں کے ذریعے ان کی اپنی حالت کا علم ہوتا ہے۔

چارٹ نمبر ۱

نمونہ نمبر ۱۰

ماہ نومبر کا گراف

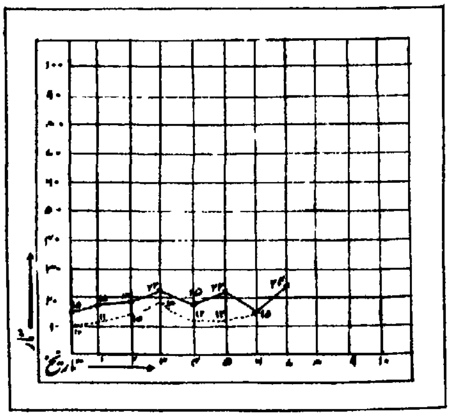
دایاں ہاتھ ———
بایاں ہاتھ ....



چارٹ نمبر ۳

نمونہ نمبر ۸ (ب)

دایاں ہاتھ ———
بایاں ہاتھ ....



چارٹ نمبر ۲

نمونہ نمبر ۹

ٹریننگ اسکول واردھا

سوت کا محکمہ

نام .... پتہ ....

تاریخ داخلہ .... پچھلے ماہ کی سب سے زیادہ ترقی .... ماہ و سال ....

تاریخ	کتائی گھنٹے	کتائی لچی	اوسط ترقی	گھنٹے کی ترقی	دھنائی گھنٹے	دھنائی تولے	مزدوری	کل گھنٹے	کیفیت

کتائی وزن	کتائی تعداد	کتائی کس	کتائی گی	کتائی مزدوری	دھنائی تولے	دھنائی مزدوری	کل مزدوری	فی گھنٹہ مزدوری	گھنٹے %

گذارش

پچھلے ڈیڑھ سال سے ہندوستان میں سات سے چودہ سال کی عمر کے بچوں کے لئے تعلیم عام کرنے کی ایک اسکیم کا چرچا ہو رہا ہے۔ یہ اسکیم عام طور سے 'واردھا تعلیمی اسکیم' کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن جو لوگ اس اسکیم کو عملی جامہ پہنا رہے ہیں وہ اسے بنیادی تعلیم کہتے ہیں' اس لئے کہ ان کی رائے میں بچے کے دل' دماغ اور جسم غرض اس کی پوری شخصیت کے نشو ونما کے لئے یہ تعلیم ایک بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔

اب یہ بنیادی تعلیم بحث و مباحثے کی منزل سے گذر چکی ہے' اس کی تمہید کا باب ختم ہو چکا ہے اور اب اسے عملی صورت میں لانے کا مرحلہ سامنے ہے چنانچہ بنیادی مدرسے کھولے جا چکے ہیں اور ان مدرسوں میں استادوں اور طالب علموں کے ذریعے کام ہو رہے ہیں۔ ان میں ایک نئے طریقۂ تعلیم کی جھلک صاف نظر آسکتی ہے۔ تعلیم کا کوئی نیا تخیل جب آہستہ آہستہ عمل کی شکل میں آنے لگتا ہے تو راستے میں بہت سی مشکلیں بھی پیش آتی ہیں۔ ان مشکلوں کا سمجھنا صرف انھیں لوگوں کے لئے ضروری نہیں جو اس کام میں لگے ہوں بلکہ ان لوگوں کے لئے بھی ضروری ہے جو اپنے طور پر نئی تعلیم کی تلاش میں ہوں یا نئے تجربے کرتے رہتے ہوں۔

صرف ہم ہی نئی تعلیم کے پیاسے نہیں ہیں بلکہ دنیا کے ہر کونے میں سوچ بچار کرنے والے یہ دیکھ رہے ہیں کہ تاریخ کے پچھلے دور سے نکل کر اب ہم انسانی تہذیب کے ایک نئے دور سے گذر رہے ہیں۔ امن کے اس دور میں ہماری سب سے بڑی ضرورت نئی تعلیم ہے۔ ہمیں اپنی موجودہ سماجی اقتصادی اور سیاسی حالت کو ایک نئے ڈھنگ پر ڈھالنا ہے اور یہ کام وہی لوگ کر سکتے ہیں جو تعلیم کی نئی راہیں جانتے ہیں۔

یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمارے درمیان آج ایک ایسی ہستی موجود ہے جو صرف ہمارے قومی سوالوں کے نہیں بلکہ ہر قسم کے سوالوں کے حل کرنے میں لگی ہوئی ہے۔ ہندوستان کی جہالت کے سوال کو حل کرنے کے لئے اس نے ہمیں جو راستہ دکھایا ہے اس سے محض ہندوستان کے بچوں ہی کی تعلیم کا سامان نہیں ہوگا بلکہ دنیا کو تعلیم کی وہ نئی راہ بھی مل جائے گی جس کی تلاش میں وہ سرگرداں ہے۔

اسی اعتماد کے ساتھ ہم اس چھوٹے سے اخبار کو نکال رہے ہیں۔ ہم نے اس کا نام "نئی تعلیم" رکھا ہے۔ ظاہرا طور پر تو یہ بہت معمولی سا رسالہ ہے لیکن اس سے ہماری بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔ انھیں امیدوں کو بر لانے کے لئے ہم دیس کے ان تمام ساتھیوں سے ہمدردی کی توقع رکھتے ہیں جو تعلیم کی نئی راہ کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں' جو تعلیم کے نئے تجربے کر رہے ہیں اور جنھوں نے دیہات کے بچے اور بچیوں کی سیرت کی نشو ونما کے لئے نئی نئی راہیں نکالنا اپنی زندگی کا مقصد بنا رکھا ہے۔

اس چھوٹے سے رسالے کا ایک اور مقصد بھی ہے۔ تعلیم کے اس نئے تجربے کا سارا بوجھ اصل میں ہمارے گاؤں کے مدرسوں کے استادوں پر ہوگا۔ ہندوستان میں اس نئے بوجھ کو اٹھانے کے لئے پانچ جگہ نئے استاد تیار کئے جا رہے ہیں۔ یہ استاد چند دن میں صوبہ متوسط و برار' بہار' اندھرا اور کشمیر کے گاؤوں میں پھیل جائیں گے۔ وہاں جا کر ان کو تن تنہا اپنی ہمت' صبر اور یقین کے بھروسے پر ان مشکلوں کو حل کرنا ہوگا جو ان کی راہ میں آئے دن پیش آتی رہیں گی۔ ان کا فرض بہت کٹھن ہے' انھیں اس فرض کو طرح طرح کی مشکلوں کے درمیان انجام دینا ہے۔ اس نئی تعلیم کا جو چراغ روشن کیا گیا ہے اسے برابر روشن رکھنا بھی انھیں کا فرض ہوگا۔ ہمیں امید ہے کہ اس چھوٹے سے رسالے کے ذریعے ہم ان کا ہاتھ بٹا سکیں گے اور ان کو آپس میں ملا کر ان کو یہ اطمینان دلا سکیں گے کہ وہ اس مہم میں اکیلے نہیں ہیں۔

ہم نہایت خلوص اور عقیدت کے ساتھ اس کام کو اپنے ذمے لے رہے ہیں۔ اگر ہماری نیت میں کھوٹ نہیں ہے تو ہمیں یقین ہے کہ یہ چھوٹا سا رسالہ اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہوگا۔

آشا دیوی

رائے نہیں، مدد

بنیادی تعلیم کی جو اسکیم گاندھی جی نے قوم کے سامنے پیش کی ہے اس پر کافی بحث و مباحثہ ہو چکا ہے۔ تعلیم کا یہ تخیل قوم کے لئے مفید ہے یا مضر' فلسفۂ تعلیم کے مطابق ہے یا غلط' اس مسئلے پر بہت سے ماہرین تعلیم اور قوم اور سماج کے بہت سے بہی خواہوں نے اپنی اپنی رائیں پیش کی ہیں۔

جس وقت اخباروں' انجمنوں اور جلسوں میں اس اسکیم پر شد و مد سے مباحثے ہو رہے تھے اس وقت دوسری جانب دو ایک اداروں میں اس کی بنیادیں قائم کی جا رہی تھیں۔ صوبہ متوسط میں حکومت کی طرف سے واردھا میں جو ٹریننگ اسکول قائم ہوا ہے وہاں اس اسکیم کا پہلی مرتبہ تجربہ شروع کیا گیا ہے۔ ۱۲ اپریل ۱۹۳۸ء کو گاندھی جی نے اس ادارے کا افتتاح کیا اور ۲۰۰ طالب علم ۲۰ سال کے لئے دیہات میں تعلیم پھیلانے کا عہد کر کے اس مدرسے میں داخل ہوئے۔ پچھلے آٹھ مہینوں میں یہ ہونے والے دیہات کے استاد کتائی اور رنگنے کے کام کی بنیادی دستکاری کے ذریعے بچوں کو تعلیم دینے کے لئے تیار کئے گئے ہیں اور جنوری ۱۹۳۹ء سے ناگپور' واردھا' رائے پور اور جبل پور کے چار ضلعوں کے ۱۶۰ دیہاتی مدرسوں میں تعلیم کا کام شروع کریں گے۔

واردھا ٹریننگ اسکول کے قیام کے بعد جامعہ ملیہ دہلی' راشٹری ودیا پیٹھ اندھرا' مچھلی پٹم' حکومت بہار کی طرف سے پٹنے میں' حکومت یو۔ پی کی طرف سے الہ آباد میں اور ریاست کشمیر کی طرف سے سری نگر میں بنیادی تعلیم کے پانچ اور استادوں کے مدرسے قائم ہوئے۔ مدراس' بمبئی اور اڑیسہ کے ٹریننگ اسکولوں کے ہونے والے استاد اس وقت اپنے کام کی تیاری میں مصروف ہیں اور بہت جلد ان صوبوں میں بھی بنیادی تعلیم کے مدرسے قائم کئے جائیں گے۔ ساتھ ہی ساتھ گجرات' ریاست میسور اور صوبہ متوسط کے دو تین دیہاتی مدرسوں میں تجربہ شروع کیا جائے گا۔

اس لئے میرے خیال میں اس اسکیم پر اب اصولی بحث کی ضرورت نہیں رہی۔ اب صبر اور لگن کے ساتھ اس کے تجربے اور آزمائش کا وقت ہے۔ لہٰذا اب استادوں اور قوم کے سیوکوں سے درخواست ہے کہ اس عہد کو پورا کرنے میں ہماری امداد و اعانت کریں۔ امید ہے یہ چھوٹا سا رسالہ اس مدد کو حاصل کرنے کا ذریعہ بن سکے گا۔

آریا نائکم

فہرست مضامین

پرنٹر و پبلشر:۔ حامد علی خاں — مطبوعہ جید برقی پریس — مدیرہ:۔ آشا دیوی

نئی تعلیم

(ہندستانی تعلیمی سنگھ کا پرچہ)

جلد ۱، نمبر ۲	دہلی، ماہ فروری ۱۹۳۹ء	قیمت سالانہ عہ

بنیادی تعلیم کی رفتار

"نئی تعلیم" کے پہلے پرچے میں بتایا گیا تھا کہ وردھا تعلیمی اسکیم یا بنیادی تعلیم پر بحث و گفتگو ختم ہو چکی ہے اور اب اس پر عمل کرنے کا زمانہ شروع ہو رہا ہے۔ عملی دور آٹھ نو مہینے پہلے ہی شروع ہو چکا ہے جب کہ ۲۱ اپریل ۳۸ء کو وردھا میں ٹریننگ اسکول کا افتتاح مہاتما جی کے ہاتھوں سے ہوا تھا۔ ہم اسی وقت سے سمجھتے ہیں کہ اس اسکیم کی بسم اللہ ہو گئی ہے۔ اس کے بعد ۵ جولائی ۳۸ء سے ۳۰ جولائی تک بمبئی، بہار، اڑیسہ اور سرحد ان چار صوبوں سے آئے ہوئے نمایندوں کے لئے ایک چھوٹے ٹریننگ کورس کا انتظام کیا گیا۔ پھر اس کے بعد بہار اور اڑیسہ ان دو صوبوں میں بنیادی تعلیم کا کام شروع کیا گیا۔

بہار کے ٹریننگ اسکول میں ۶۰ استاد تیار کئے جا رہے ہیں تعلیم پانے کے بعد یہ استاد چمپارن ضلع کے موضع بیتیا میں مارچ ۳۹ء سے ۵۰ دیہاتی مدرسوں میں اپنا کام شروع کریں گے۔ بنیادی تعلیم کی ایک کمیٹی اڑیسہ میں گوپ بندھو چودھری صاحب کی صدارت میں بنائی گئی ہے اور اس صوبے کے ۸ نمایندے اس وقت وردھا ٹریننگ اسکول میں تعلیم پا رہے ہیں جو مارچ ۳۹ء سے اپنے اپنے علاقوں میں جا کر بنیادی تعلیم کا کام شروع کریں گے۔ ان کا اپنا ٹریننگ اسکول اپریل ۳۹ء سے کھل جائے گا اور ۴۰ء سے کسی چنے ہوئے علاقے میں وہ ۳۰ بنیادی مدرسے قائم کریں گے۔ اس وقت گوپ بندھو چودھری صاحب اور ان کی کمیٹی کے دوسرے ارکان اپنے صوبے میں گھوم کر بنیادی تعلیم کا کام شروع کرنے کے لئے مناسب علاقے تلاش کر رہے ہیں۔

حکومت بمبئی نے تعلیم کا کام شروع کرنے میں کچھ دیر تو ضرور کی ہے لیکن نئی تعلیمی اسکیم کو ہاتھ میں لینے کے ساتھ ساتھ وہاں کے تعلیمی محکمے نے بھی اس اسکیم کے عملی تجربے کی طرف اپنا قدم بڑھایا ہے۔ چنانچہ اس کام کے لئے وہاں ایک بنیادی تعلیمی کمیٹی قائم کی گئی ہے اور بنیادی تعلیم کے لئے ایک خاص افسر مقرر کئے گئے ہیں۔ تجربے کا پہلا قدم انھوں نے یوں اٹھایا ہے کہ گجرات، مہاراشٹر اور کرناٹک ان تین علاقوں میں انھوں نے تین ٹریننگ اسکول کھولنے کا ارادہ کیا ہے۔ گجرات ودیاپیٹھ میں جنوری ۳۹ء سے ایک ٹریننگ اسکول کھولا گیا ہے جس میں قریب ۴۰ استاد کے تیار کئے جا رہے ہیں۔ مہاراشٹر اور کرناٹک کے باقی دو صوبوں میں بھی ۱۰ فروری ۳۹ء سے ٹریننگ اسکول کھول دئے جائیں گے۔

اوپر ذکر کئے ہوئے تین علاقوں میں جو ٹریننگ اسکول کھولے جا رہے ہیں ان کے استادوں کو بنیادی تعلیم کے اصول اور طریقے سمجھانے کے لئے ہندستانی تعلیمی سنگھ سے یہ درخواست کی گئی تھی کہ وہ ان کے لئے وردھا کے ٹریننگ اسکول میں تین ہفتوں کا ایک چھوٹا کورس دینے کا انتظام کر دیں، چنانچہ ان کی درخواست کے مطابق ہندستانی تعلیمی سنگھ کی طرف سے ۱۶ جنوری ۳۹ء سے ۴ فروری ۳۹ء تک ایک چھوٹا کورس وردھا میں شروع کیا گیا ہے اور ریاست اوندھ، سانگلی، میرج، جام کھنڈی وغیرہ دیسی ریاستوں کے نمایندے اس ٹریننگ کورس میں شریک ہوئے ہیں۔

ادھر سی۔ پی۔ کے ٹریننگ اسکول سے جو ۱۶۰ استاد تیار ہو کر مختلف ضلعوں میں قائم کئے ہوئے مدرسوں میں اس نئی تعلیم کے مطابق کام کر رہے ہیں، ان کی نگرانی کے خیال سے سی۔ پی۔ کی حکومت نے ارادہ کیا ہے کہ صوبے کے تمام ضلعوں کے انسپکٹروں کو اس اسکیم کی عملی تعلیم دلائی جائے۔ چنانچہ سی۔ پی۔ کے محکمے کے ۲۲ نمایندے اس چھوٹے کورس میں شامل ہوئے ہیں۔ علاوہ اس کے کچھ مشنری سوسائٹیوں اور غیر سرکاری قومی مدرسوں سے بھی نمایندے آئے ہوئے ہیں۔ یہ سب مل کر کل تعداد ۶۲ ہو جاتی ہے۔

۱۶ جنوری ۳۹ء کو ۹ بجے صبح کاکا کالیلکر صاحب کی صدارت میں بنیادی قومی تعلیم کے اس مختصر کورس کا افتتاح ہوا۔ اس کورس کا عام پروگرام ایسا رکھا گیا ہے کہ بنیادی تعلیم کے اصول اور تجربے سے اس مختصر وقت میں انھیں زیادہ سے زیادہ واقفیت ہو جائے۔ ان کا روزانہ کا پروگرام یہ ہے:-

صبح ۶½ سے ۹ تک	کتائی اور مشاہدہ
۹ سے ۱۰½ "	لکچر اور مباحثہ

سہ پہر: ۲½ سے ۳½ تک کتائی
۳½ - ۴½ ۔ لکچر اور مباحثہ

مشاہدہ :-

۱۸ جنوری	دیہاتی صنعتوں کی انجمن
۲۱ "	نالواڑی کا آشرم
۲۶ "	سیگاؤں کا دیہاتی مدرسہ اور ہندستانی تعلیمی سنگھ کا صدر دفتر۔
۲۹ "	موضع پونار (جہاں دیہات سدھار کا کام ہو رہا ہے)

لکچروں کا پروگرام :-

	صبح (۹ سے ۱۰½ تک)	سہ پہر (۳½ سے ۴½ تک)
۱۶ جنوری، پیر	افتتاحی تقریر۔ کاکا کالیلکر صاحب۔	مہاتما گاندھی کے کاموں میں ایکتا۔ جے۔ بی۔ کرپلانی صاحب۔
۱۷ " منگل	قومی تعلیم کے بنیادی اصول آریا نائکم صاحب۔	کھدر کا معاشی پہلو۔ جے۔ بی۔ کرپلانی صاحب۔
۱۸ " بدھ	دیہاتی صنعتوں کی انجمن کا مشاہدہ	بنیادی تعلیم۔ آشا دیوی صاحبہ
۱۹ " جمعرات	دیہاتی صنعتوں کی انجمن کے بنیادی اصول۔ جے۔ سی۔ کمارپا۔	دیہاتی صنعتوں کی انجمن کے بنیادی اصول۔ جے۔ سی۔ کمارپا۔
۲۰ " جمعہ	کتائی بحیثیت بنیادی حرفے کے۔ سری کرشن داس جاجو صاحب۔	کتائی بحیثیت بنیادی حرفے کے۔ ولبھ بھائی پٹیل صاحب
۲۱ " ہفتہ	روئی کمانے کے لئے محنت۔ ونوباجی صاحب	کتائی بحیثیت بنیادی حرفے کے۔ ولبھ بھائی پٹیل صاحب
۲۲ " اتوار	...	...
۲۳ " پیر	گتے، لکڑی اور دھات کا کام بحیثیت بنیادی حرفے کے۔ لکشمی ایشور سنگھ صاحب۔	گتے، لکڑی اور دھات کا کام بحیثیت بنیادی حرفے کے۔ لکشمی ایشور سنگھ صاحب۔
۲۴ جنوری، منگل	بنیادی تعلیم میں مادری زبان آشا دیوی صاحبہ۔	بنیادی تعلیم میں ہندوستان کی حیثیت۔ کاکا کالیلکر صاحب۔
۲۵ " بدھ	بنیادی تعلیم میں حساب۔ این۔ کے۔ آینگر صاحب۔	بنیادی تعلیم میں عام سائنس۔ ایم۔ اے۔ بباوالے صاحب۔
۲۶ " جمعرات	سیگاؤں کی سیر	
۲۷ " جمعہ	بنیادی تعلیم میں سماج کا علم۔ آشا دیوی صاحبہ۔	بنیادی تعلیم میں ڈرائنگ۔ نہار انجن چودھری صاحب۔
۲۸ " ہفتہ	مختلف مذہبوں میں عدم تشدد ونوباجی صاحب	بنیادی تعلیم اور اعلیٰ تعلیم۔ کاکا کالیلکر صاحب۔
۲۹ " اتوار	بنیادی تعلیم اپنا آپ خرچ نکال سکتی ہے! ونوباجی صاحب۔	
۳۰ " پیر	زراعت بحیثیت بنیادی حرفے کے۔ ایس۔ آر۔ بھنسے صاحب۔	زراعت بحیثیت بنیادی حرفے کے۔ ایس۔ آر۔ بھنسے صاحب۔
۳۱ " منگل	بنیادی تعلیم پر پیسے عمل ہو سکتا ہے؟۔ آریا نائکم صاحب۔	ٹریننگ اسکول اور ٹریننگ کیمپوں کا پروگرام۔ آشا دیوی صاحبہ۔
یکم فروری، بدھ	بنیادی ٹریننگ اسکولوں اور مشقی مدرسوں کے تجربے۔ یو۔ ایس۔ تومر صاحب۔	بنیادی ٹریننگ اسکولوں اور مشقی مدرسوں کے تجربے۔ یو۔ ایس۔ تومر صاحب۔
۲ " جمعرات	نگرانی اور دیکھ بھال۔ ایم۔ اے۔ بباوالے صاحب	انتظام اور مالیات۔ ڈی۔ کے۔ موہتی صاحب۔
۳ " جمعہ	بنیادی مدرسے۔ آریا نائکم صاحب۔	تعلیم کے متعلق لٹریچر آشا دیوی صاحبہ۔
۴ " ہفتہ	سیگاؤں میں گاندھی جی سے ملاقات	آخری بحث مباحثہ

مدیر

سی۔ پی۔ ڈسٹرکٹ کونسلوں کے لئے دیہاتی استادوں کی تیاری

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ سی۔ پی۔ کے ضلع وردھا میں جو ٹریننگ اسکول کھولا گیا تھا وہیں سے بنیادی تعلیم کا کام شروع ہوا۔ اسی طرح یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ بنیادی تعلیم کے استاد بھی سب سے پہلے سی۔ پی۔ ہی سے تیار ہو کر نکلے۔ اپریل ۱۹۳۸ء میں جو ۱۶۰ استاد داخل کئے گئے تھے انھوں نے وہاں سے فارغ ہونے کے بعد جنوری ۱۹۳۹ء کے پہلے ہفتے سے وردھا، ناگپور، رائے پور اور جبل پور کے چار ضلعوں میں ڈسٹرکٹ کونسلوں کے ۱۶۰ مدرسوں میں کام شروع کر دیا ہے۔ اس میں سے ہر ایک کو اپنا کام شروع کرنے کے لئے یہ یہ چیزیں دی گئی ہیں:-

(۱) تکلیاں	۴۰ عدد	(۲) پیٹے (اٹیرن)	۳۵ عدد
(۳) دھنکی	۱ عدد	(۹) بیٹھنے کا تختہ	۱ عدد
(۴) تانت	۱ "	(۱۰) روئی	۵ سیر
(۵) کانکر پٹی	۱ "	(۱۱) پونیاں	۱½ "
(۶) روئی دھننے کی چٹائی	۱ "	(۱۲) سلائی	۱ عدد
(۷) پونی بنانے کا پٹرا	۱ "	(۱۳) بوری	۱ "
(۸) پونی بنانے کا تھیلا	۱ "	(۱۴) روئی دھننے کا دستہ	۱ "

ان چیزوں کی خریداری کے لئے ہر ایک ڈسٹرکٹ کونسل کے اسکول کو حکومت کی طرف سے ۵۰ روپیے کا گرانٹ دیا گیا ہے۔ یہ استاد ڈسٹرکٹ کونسل کے جن اسکولوں میں کام کرنے گئے ہیں، ان اسکولوں سے ایک ایک استاد وردھا ٹریننگ اسکول میں دو مہینے کی ٹریننگ کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ امید ہے کہ یہ استاد دو مہینے کی تعلیم کے بعد واپس جا کر اپنے اپنے اسکولوں میں بنیادی تعلیم کا کام چلا سکیں گے۔

مدیر

گجرات ودیاپیٹھ میں ٹریننگ سنٹر کا قیام

حکومت بمبئی نے وردھا اسکیم کی بنیادی تعلیم کو آزمانے کی غرض سے اپنے صوبے کے تین علاقوں (گجرات، مہاراشٹر اور کرناٹک) میں تین ٹریننگ اسکول کھولنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس فیصلے کے مطابق سب سے پہلا مرکز ۳۰ جنوری سنہ ۴۹ء کو گجرات ودیاپیٹھ احمد آباد میں کھولا گیا ہے۔ اس کا افتتاح ۱۰ بجے صبح بمبئی کے جی۔ وی۔ ماولنکر صاحب کے ہاتھ سے ہوا۔ اس موقع پر احمد آباد کے بہت سے تعلیم سے دلچسپی رکھنے والے اور دوسرے بڑے بڑے لوگ موجود تھے۔ ودیاپیٹھ کے لائق رجسٹرار مگن بھائی۔ پی۔ دیسائی نے ہندوستان کے متعدد ماہرین تعلیم کے خوشی اور مبارک باد کے پیامات پڑھ کر سنائے جن میں ایک پیام مہاتما گاندھی کا بھی تھا۔ آپ نے اپنے پیام میں اس کام کی ابتدا پر اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کارکنوں کی ان کی اس قدم بڑھانے پر ہمت افزائی کی تھی۔ اس کے بعد رجسٹرار صاحب نے اپنی تقریر پڑھ کر سنائی جس میں گجرات ودیاپیٹھ میں اس مرکز کے کھولنے کی وجہ اور اس کی ترقی اور موضع تھامنا کے تعلیمی تجربے کا ذکر تھا۔ پھر ان کی درخواست پر مرکز کا افتتاح کرتے ہوئے ماولنکر صاحب نے سرکاری ملازمین کے ساتھ مل کر اس نئی اسکیم کا تجربہ کرنے پر مبارک باد دی۔ ودیاپیٹھ کے کارکنوں کو مبارک باد دیتے ہوئے آپ نے ان ہونے والے استادوں کو بھی مبارک باد دی جنھوں نے اس نئی اسکیم کی ذمہ داری کو اپنے کندھوں پر اٹھایا ہے۔ اس ٹریننگ کے لئے سورت ضلع سے ۲۸ اور باقی مختلف ضلعوں اور انجمنوں سے ۱۲ استاد آئے ہیں جنھیں ملا کر کل تعداد ۴۰ ہو جاتی ہے۔ انھیں ودیاپیٹھ کے کارکن اور سرکاری مدرسوں سے منتخب شدہ خاص خاص استاد تعلیم دیں گے۔ امید کی جاتی ہے کہ اس طرح قومی اور سرکاری دونوں جماعتوں کے مل کر کام کرنے سے بنیادی تعلیم کے کام میں بہت کامیابی ہوگی۔

مدیر

دیہات میں بنیادی تعلیم

"بنیادی قومی تعلیم" کے دوسرے اڈیشن کی تمہید میں بنیادی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے گاندھی جی نے کہا ہے کہ اس کا اصل نام تو ہونا چاہئے "دیہاتی قومی تعلیم"۔ یہ نام سننے میں چاہے اتنا اچھا نہ معلوم ہو، لیکن یہی اس کا اصلی نام ہونا چاہئے۔ ان کا کہنا ہے کہ قومی تعلیم کی جس اسکیم کو انھوں نے ملک کے سامنے پیش کیا ہے اس کا نام چاہے جو کچھ بھی رکھا جائے اس کے قومی ہونے کی اصل پہچان اس میں ہے کہ وہ دیہاتی تعلیم کی اسکیم ہو۔ اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ اس سے دیہات کے بچوں کی بے تعلیمی کو دور کیا جائے، دیہاتی لڑکے لڑکیوں کا پورا پورا نشو و نما ہو سکے، اور اس نشو و نما کے ذریعے قومی زندگی کو مضبوط بنایا جائے۔

اس لئے جب تک ہم دیہات میں دیہاتی بچوں کو لے کر اس تعلیمی اسکیم کا پورا پورا تجربہ نہ کریں گے، اس وقت تک ہم اس قومی تعلیمی اسکیم کا اصل منشا حاصل نہیں کر سکیں گے۔ ہماری زندگی اصل میں دیہاتی زندگی ہے۔ اگر ہماری تعلیم اس زندگی کا صحیح عکس ہو تو اس کا قدرتی اور اصل نشو و نما ہمارے دیہاتوں میں دیہاتی استادوں اور بچوں ہی کے ذریعے ہو سکتا ہے۔

لیکن اس نئی تعلیمی اسکیم کے لئے جیسے دیہاتی استاد ہمیں چاہئیں ویسے آج دیہاتوں میں مل نہیں سکتے۔ انھیں ہم کو تیار کرنا ہے۔ اس لئے بنیادی تعلیم کے چلانے میں سب سے پہلی ضرورت ہے دیہاتی استادوں کی تیاری۔ اگر ان ہونے والے دیہاتی استادوں کو ہم دیہات ہی میں دیہاتی طور طریقے سے اور دیہاتی ماحول میں تیار کر سکتے تو ہماری یہ تیاری صحیح تیاری ہوتی اور یہ دیہاتی تعلیم کے ادارے بنیادی تعلیم کی پکی بنیادیں بن سکتے۔

لیکن تعلیم کے نام سے جو خرچ آج ہو رہا ہے، اس کا انتظام اتنا مشکل ہے کہ اس دیہات والے ملک میں تعلیم کا عام رواج، اس کا انتظام، استاد، مدرسے سب کچھ شہر ہی میں سمٹے رہے ہیں۔ اس لئے جب بنیادی تعلیم کے استادوں کی تیاری کا سوال ہمارے سامنے آیا اور جلد سے جلد اس سوال کو حل کرنے کی ضرورت ہوئی، تو ملک کے موجودہ تعلیمی نظام کے ساتھ نئی تعلیمی اسکیم کو ایک سمجھوتہ کرنا پڑا اور موجودہ تعلیمی اداروں اور ذریعوں کی مدد سے اس تجربے کو شروع کیا گیا۔ اس لئے مختلف صوبوں میں بنیادی تعلیم کے اداروں اور ان سے متعلق مدرسوں میں جو کام ہو رہا ہے اس میں کچھ فرق ہے۔ شہر کے ماحول میں جو شہری ذریعے ہمارے پاس موجود ہیں، ان کی مدد سے ہم دیہاتی تعلیم کے استاد تیار کر رہے ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ ایسی دو حالتوں کے بیچ میں یہ ہونا ضروری ہے۔ اس دور کے بعد جب اس نئی تعلیم پر پورے طور سے عمل درآمد ہوگا، اس وقت اس تعلیم کا تمام نظام استادوں کی تیاری سے لے کر بچوں کی تعلیم تک دیہات ہی میں ہوگا۔ اس وقت اس کے باہر اور اندر دونوں کی حالت یکساں ہوگی۔ اس آنے والے زمانے کی تھوڑی سی ابتدا اس سال کے شروع میں سی۔ پی۔ کے صوبے سے ہوئی ہے۔ سی۔ پی۔ حکومت کی طرف سے وردھا کے ٹریننگ اسکول میں جو ۱۶۰ استاد تیار کئے گئے تھے، وہ جنوری کے پہلے ہفتے سے وردھا، ناگپور، جبل پور اور رائے پور کے ۱۶۰ دیہاتی مدرسوں میں بنیادی تعلیم کا کام شروع کر چکے ہیں۔ اس کام کے لئے ان میں سے ہر ایک کو کتائی اور دھنائی کا ضروری سامان بھی دیا گیا ہے۔

یہ "ادہِن امن پسند جنگ کے ہراول ہیں، یہ چیزیں اس جنگ کے ہتھیار اور اسلحہ ہوں گے۔ ان ہتھیاروں کے ذریعے دیہاتوں میں ان دیہاتی بچوں کی ہر طرح سے ترقی اور نشو و نما ان کا سب سے بڑا مقصد ہوگا۔ اس اہم مقصد کے لئے ہم نے آج تک شہروں میں جو تعلیم دی ہے، وہ تعلیم بالکل ناموزوں اور نامکمل رہی ہے۔ لیکن اپنے اپنے حلقوں میں اس نئی تعلیمی اسکیم کا جب وہ تجربہ کریں گے اور ان کو جو مشکلیں پیش آئیں گی ان کے حل کرنے میں انھیں جو تجربہ حاصل ہوگا، وہی ان کی اصل تعلیم ہوگی۔ وہاں روزمرہ کے کام میں یہ تعلیمی اسکیم جو شکل اختیار کرے گی وہی بنیادی تعلیم یا دیہاتی تعلیم کی صحیح شکل ہوگی۔ اس لئے نئی تعلیم کے میدان میں ہمارے یہ دیہاتی استاد رہنمائی کا جو کام انجام دے رہے ہیں، اس میں ہم سب کی دعائیں ان کے ساتھ ہیں۔

حکومت کی طرف سے اس نئی تعلیم کا کام شروع ہونے سے پہلے ہی دو تین گاؤں میں بنیادی تعلیم کا کام شروع ہو چکا تھا۔ سب سے پہلا دیہاتی تجربہ گجرات کے ضلع کھیڑا، موضع تھامنا میں شروع ہوا۔ اس گاؤں میں

گزشتہ تین سال سے گجرات ودیاپیٹھ کی نگرانی میں دیہات سدھار کا کام ہو رہا ہے اور دیہات والوں پر اس کا اثر بھی کافی ہوا ہے، اس لئے دیہات میں تعلیمی تجربہ کرنے کے لئے سب سے پہلے بہی گاؤں چنا گیا اور گاندھی جی کے گزشتہ یوم پیدائش کے موقع پر حکومت بمبئی کی مالی امداد اور گاؤں والوں کے جوش اور اشتراک عمل سے ڈسٹرکٹ بورڈ کے استاد اور طالب علموں کو لے کر اس کام کی بسم اللہ کی گئی۔

اس کام کے لئے اس مدرسے کو ہاتھ میں لینے کے ساتھ ہی مدرسے کے نظام میں کئی تبدیلیاں کرنی پڑیں۔ سب سے پہلے تو مدرسے کی تعلیم مفت کر دی گئی اور لڑکوں پر جرمانہ کرنے کا دستور اٹھا دیا گیا۔ اس کے علاوہ اوپر کی تین جماعتوں میں انگریزی پڑھانے کی بجائے ہندوستانی پڑھانے کا انتظام کیا گیا، اور ہر جماعت میں کاتنے اور دھنکنے کا کام جاری کیا گیا۔

مدرسے کو ہاتھ میں لیتے وقت لڑکوں کی تعداد ۰۰۱ تھی لیکن انگریزی کی پڑھائی بند کرنے کی وجہ سے یہ تعداد کچھ کم ہو گئی۔ پچھلے تین مہینوں میں ننھے بچوں کی پہلی جماعت کو چھوڑ کر اس مدرسے میں پوری سات جماعتیں اور لڑکوں کی اوسط تعداد ۱۵۰ رہی ہے۔ ان میں سے آخر کی تین جماعتوں یعنی پانچویں، چھٹی اور ساتویں میں سر دست نئی تعلیم شروع کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا۔ اس لئے کہ پرانے طریقے سے پڑھے ہوئے بچوں پر یکایک ایک نئی اسکیم کا تجربہ کرنا مناسب نہ تھا۔ صرف یہ کیا گیا کہ ان کے روز مرہ کے نظام اوقات میں بعض کم اہم مضمونوں کو نکال کر ان کی جگہ کتائی کا کام رکھ دیا گیا۔ دوسری، تیسری اور چوتھی جماعتوں میں بنیادی تعلیم کا پورا تجربہ تو کیا گیا ہے لیکن یہاں بھی ذاکر حسین کمیٹی کے بنائے ہوئے نصاب پر پورے پورے طور سے عمل نہیں ہو رہا ہے۔ بلکہ کچھ تو کمیٹی کے بنائے ہوئے نصاب کے مطابق اور کچھ دیہاتی ماحول کا خیال کرکے استادوں کے تجربے کی بنا پر ایک نیا نصاب بنایا گیا ہے لیکن اس نصاب کو بھی بالکل آخری اور قطعی نہیں سمجھنا چاہئے۔ روزمرہ کے تجربات کی بنا پر اس میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہیں گی۔ پہلی جماعت اور ننھے بچوں والی جماعت کے لڑکے زیادہ تر سات سال سے کم عمر کے ہیں، اس لئے ان کا نصاب بنیادی تعلیم کی تمہید کے طور پر رکھا گیا ہے۔

اس مدرسے میں کام کے لئے ۴، ۴۰ منٹ کے ۴ گھنٹے یعنی سب مل کر ۲ گھنٹے ۴۰ منٹ کا وقت رکھا گیا ہے۔ آخری چار جماعتوں میں کتائی چرخے پر اور نیچے کی تین جماعتوں میں تکلی پر سکھائی جاتی ہے۔ مدرسے کے کارکنوں کو امید تھی کہ تین مہینے کے بعد لڑکوں کو خود ان کے ہاتھ کے کتے ہوئے سوت کا ایک ایک جوڑا کپڑا دے سکیں گے لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ یہ ارادہ ابھی تک صرف آدھا ہی پورا ہوا ہے۔

لڑکوں کی کتائی اور دھنائی کے تین مہینے کا پورا پورا حساب رکھا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتائی اور دھنائی میں نقصان نکالنے کے بعد ان کے تین مہینے کی بچت ۱۳۱ ۶ روپئے ہوتی ہے۔ موضع تھامنا کے استادوں کا یہ تجربہ رہا ہے کہ لڑکوں کی مجموعی ترقی کے لئے صفائی اور اچھی عادتوں کی تعلیم سب سے زیادہ ضروری ہے، اس لئے انھوں نے اپنے روزمرہ کے کاموں میں ان چیزوں کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے، اور لڑکوں کے جسم اور کپڑوں کی صفائی، ان کے اٹھنے بیٹھنے اور روزمرہ کے کاموں میں اچھی عادتیں ڈالنے کے لئے سب استاد پوری پوری کوشش کرتے ہیں۔ مدرسے کی تمام صفائی لڑکے اور استاد اپنے ہاتھ سے کرتے ہیں، اور ہفتے میں ایک دن گاؤں کی صفائی کے لئے بھی رکھا گیا ہے۔

اس کے ساتھ لڑکوں کو آس پاس مشاہدہ اور سیر کے لئے لے جا کر انھیں گفتگو اور سوچنے کا موقع دیا جاتا ہے فرصت کے وقت میں پڑھنا لکھنا سکھایا جاتا ہے اور دیہات سدھار وغیرہ کاموں کے لئے ان کو تیار کرکے ان کی مجموعی نشو ونما کی کوشش کی جاتی ہے۔

موضع تھامنا، ریاست میسور کے موضع تگ وڈ، ضلع وردھا کے موضع سیگاؤں، اور وردھا کے ٹریننگ اسکول میں جہاں جہاں بھی لڑکے لڑکیوں کو لے کر اس نئی تعلیم کا تجربہ کیا جا رہا ہے، ان تمام تجربوں سے ہمارے حوصلے اور بڑھے ہیں، گھٹے نہیں ہیں۔ ہماری اس حوصلہ مندی کا سبب سوت کی پیداوار اور اس کی آمدنی نہیں ہیں بلکہ اس کا اصلی سبب کچھ اور ہی ہے۔ ہماری امید اور حوصلے کا سبب یہ ہے کہ تھوڑے عرصے کے اس تجربے نے ہمیں یہ یقین دلایا ہے کہ نئی تعلیم نے بچوں کی زندگی میں ایک نئی دنیا کی خوشی پیدا کر دی ہے۔ ان میں اپنے پیروں پر آپ کھڑے ہونے کا خیال اور مل جل کر کام کرنے کی عادتیں پیدا ہو رہی ہیں۔ ان میں ڈر، غلطیوں کو چھپانا اور جھوٹ بولنے کی عادت کی جگہ نڈر ہو کر سچ بولنے کی عادت پڑ رہی ہے۔ اس تعلیمی اسکیم کی ابتدائی تمہید میں جو دعویٰ کیا گیا ہے اسے ہم یہاں نہایت عاجزی کے ساتھ پھر دہراتے ہیں کہ یہ نئی تعلیمی اسکیم نہ صرف ہمارے طریقۂ تعلیم میں انقلاب پیدا کرے گی بلکہ اخلاق اور سماجی دنیا میں بھی ایک نئی روح پھونک دے گی۔

مدیر

بنیادی تعلیم اور مسلمان

ہمیں بنیادی تعلیم کے بارے میں مسلمان بھائیوں کے مخالف رخ کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ان میں سے بہتوں کو ڈر ہے کہ یہ طریقہ ان کے تمدن کے لئے خطرناک ہوگا ساتھ ہی ہندوؤں کا خیال ہے کہ یہ ایک طرح کی سیاسی رکاوٹ ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم ایک دوسرے کے خیالات کو سمجھیں۔ ہم کو سب سے پہلے اس دیس کی غریبی کی طرف دھیان دینا ہے۔ ہندو اور مسلمان دونوں ہی غریب ہیں اور مسلمان تو ہندوؤں سے بھی زیادہ غریب ہیں۔ بنیادی تعلیم کسی حد تک بے کاری کے سوال کو حل کرنے کا دعویٰ کرتی ہے۔ اس کی کوشش شہریوں کو اپنے پیر پر کھڑا کرنا اور غریب کسانوں کی آمدنی بڑھانا ہے اور جب ہندوؤں اور مسلمانوں کی معاشی حالت میں کوئی فرق نہیں ہے تو ڈر کے بجائے انھیں بنیادی تعلیم سے ہر طرح کا فائدہ ہی ہے۔

اگر دونوں قوموں میں ایکتا نہ ہوتی تو مسلمان اس طرح ساتھ نہ رہ پاتے۔ اور یہ اتحاد بنیادی تعلیم ہی ہو سکتی ہے۔ تمدنی اور دوسرے قسم کے مضامین جو نصاب میں دئے گئے ہیں ان میں بہت گنجائش رکھی گئی ہے اور جہاں تک مذہب کا تعلق ہے اسے بہت عزت سے دیکھا گیا ہے۔ اس لئے کسی کو بھی اس میں کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا ہے۔

تعلیم کے لحاظ سے مسلمان صدیوں سے پیچھے رہے ہیں (اور سر سید احمد خاں کے بغیر وہ اور بھی پیچھے ہو جاتے)، ممکن ہے کہ انگریزوں کے آنے سے

پہلے وہ دوسروں سے آگے رہے ہوں لیکن انگریزوں کی دی ہوئی آسانیوں سے انھوں نے پورا فائدہ نہیں اٹھایا۔

وہ نئی چیزوں کو اپنانے میں ہچکچاتے ہیں۔ یہ صحیح خیال نہیں ہے کہ انگریزوں کا طریقہ سب سے بہتر طریقہ ہے اور یوں تو بنا آزمائے کسی چیز کا بھی اچھا یا برا پن نہیں معلوم ہو سکتا۔ مسلمانوں کو اپنی غلطی پھر نہ دہرانی چاہیے۔ ان کے سیاسی خیالات اتنے الجھے ہوئے ہیں کہ وہ کتائی اور بنائی کو بھی کانگریس کا ہی ایک روپ سمجھتے ہیں لیکن اس کے لئے کسی کو مجبور نہیں کیا جاتا کہ بنیادی حرفہ صرف یہی ہو سکتا ہے۔ کتائی بنائی کو چھوڑ دیں لیکن ایک حصے کے اختلاف سے انھیں پوری چیز کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے۔ یہ خیال تو بالکل غلط ہے کہ کانگریس کا کوئی کام بھی مسلمانوں کے لئے کبھی فائدہ مند نہیں ہو سکتا۔ یہ تو محض پرانا اور بے کار خیال ہے۔

بنیادی تعلیم کے نصاب میں ایک پورا سال اسلامی تاریخ کی پڑھائی کے لئے دیا گیا ہے۔ اس لئے یہ غلط ہے کہ ان کا تمدن اور مذہب خطرے میں ہے۔ ہمارے لئے ایک دوسرے پر بھروسہ کرنا ہی صحیح راستہ ہو سکتا ہے۔ بے شک یہ ان کا فرض ہے کہ وہ اپنی خوبیوں کی حفاظت کریں۔ اگر وہ خود اس سے بھاگتے ہیں تو یہ ان کا قصور ہے۔ ایک کانگریسی ہندو صاحب کہتے ہیں کہ "اس میں تو پورا اسلام بھرا ہے، ہندو تمدن کا تو یہاں نام ہی نہیں ہے۔" وہ ذرا نصاب کو غور سے دیکھتے تو انھیں معلوم ہوتا کہ اس میں کتنا پرانے ہندوستان کا ذکر کیا گیا ہے۔ کیا پرانا ہندوستان ہندو دھرم اور تہذیب کا عکس نہیں ہے؟ ڈاکٹر ذاکر حسین وغیرہ بہت اچھے اور سچے مسلمان ہیں۔ اس بات سے مسٹر جناح بھی انکار نہیں کر سکتے۔ ساتھ ہی مہاتما جی بھی یہ نہیں چاہتے کہ مسلمان اپنی اچھائیوں کو قربان کر دیں۔ اگر انھیں شک ہے تو وہ ان لوگوں کے پاس آکر اسے دور کر سکتے ہیں۔

جہاں تک ہندوستانی زبان کا سوال ہے وہ تو اصل میں مسلمانوں ہی کی زبان ہے۔ وہ ملک بھر میں سمجھی جاتی ہے۔ اس لئے ملکی زبان ہے۔ بھاشا کا پرچار حقیقت میں سب سے پہلے مسلمانوں نے ہی کیا ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو تو یہ فخر ہونا چاہیے کہ غیر مسلمان بھی ہندوستانی کو اپنا رہے ہیں۔ ہندوؤں کی جہاں اٹھارہ مختلف زبانیں ہیں، وہاں مسلمان صرف ایک ہی زبان بولتے ہیں۔ اگر مسلمان یہاں نہ آئے ہوتے تو ہندوستانی کا تو نام بھی سننے میں نہ آتا، اس لئے ہندوستانی کو دیش کی بھاشا مان کر کانگریس نے مسلمانوں پر بڑا احسان کیا ہے۔ اصل میں تو یہ زبان مسلمانوں ہی کی ہے جسے دوسرے لوگوں نے اپنا لیا ہے۔ مسلمان کوئی بھی رسم خط اختیار کر سکتے ہیں، چاہے وہ دیوناگری ہو یا اردو۔ کسی کی بھی زبان اور تمدن کے ختم ہونے کا اس میں ڈر نہیں ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ بنیادی تعلیم کے تجربہ کرنے والوں کو میرے یہ خیالات مدد دیں گے۔

(مختلف صوبوں کے نمائندوں سے بات چیت کا خلاصہ)

سید نور اللہ،
اسسٹنٹ ایجوکیشن ڈائرکٹر،
بمبئی۔

بنیادی تعلیم کے خاص اصول

"گاندھی جی کے پروگرام میں "ایکتا" کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے کل آچاریہ کرپلانی نے یہ بتانے کی کوشش کی تھی کہ گاندھی جی ہماری قومی اور سماجی زندگی میں ایک انقلاب پیدا کرنا چاہتے ہیں، اور اس بڑے انقلاب کے سیاسی، معاشی اور سماجی پہلوؤں میں کس حد تک ایکتا ہے۔ انھوں نے بتایا تھا کہ اس انقلاب کا مقصد ایک ایسے سماج کا پیدا کرنا ہے جو موجودہ سماج سے بالکل نیا ہوگا۔ اس سماج میں سچائی، عدم تشدد اور انصاف یہ نصب العین ہمارے سامنے ہوں گے۔

اب سوال یہ ہے کہ موجودہ طریقوں سے اس نئے سماج کی بنیاد کس طرح ڈالی جائے؟ ظاہر ہے ایسے سماج کی ابتدا نئے قسم کے لوگوں ہی کے ذریعے ہو سکتی ہے۔ اور یہ نئے قسم کے لوگ ایک نئی تعلیم کے ذریعے تیار کئے جا سکتے ہیں۔ گاندھی جی قومی تعلیم کے اس نئے طریقے تک ایک ایک منزل پوری کرکے پہنچے ہیں اور اب ملک کے سامنے اسے پیش کر رہے ہیں۔

انھوں نے سیاسی انقلاب کا جو پروگرام سچائی اور عدم تشدد کے اصول پر تیار کرکے شروع کیا تھا اس میں کھدر کی تحریک چلا کر معاشی پروگرام کو ملا دیا ہے۔ پھر اس کے بعد ہریجن تحریک کی لہر اٹھی جس نے سماجی انقلاب کا بیج ڈالا۔ ہریجن تحریک کے بعد دیہاتی صنعتوں کی انجمن کا وجود ہوا جس نے دیہاتی صنعت کے ذریعے معاشی پروگرام کو بالکل پورا کر دیا۔ یہ منزلیں پوری کرنے کے بعد آخری منزل پر پہنچے۔ یہ منزل بنیادی تعلیم کی تحریک ہے، جہاں ان کے انقلاب کے سارے راستے آکر مل جاتے ہیں، جو ان کی زندگی کا سب سے اعلیٰ مقصد ہے۔

نئی تعلیم کی جو اسکیم گاندھی جی نے سوچی ہے اور جس کے ذریعے نئے لوگوں کا ایک نیا سماج پیدا کرنا چاہتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ اس کے بنیادی اصول کیا ہیں؟

گاندھی جی نے بنیادی قومی تعلیم کی پوری اسکیم کا نچوڑ چند لفظوں میں بیان کیا ہے جو انھوں نے "بنیادی قومی تعلیم" کے دیباچے میں لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

"اس کی ٹھیک ٹھیک پر بہت سادی تعریف یہ ہوگی۔ 'دیہاتی حرفے کے ذریعے دیہاتی قومی تعلیم'۔ دیہاتی تعلیم میں صرف نام ہی کی اعلیٰ تعلیم ہوتی ہے اور انگریزی کی پڑھائی کی تو پرچھائیں بھی نہیں پڑتی۔ "قومی" کا مطلب سچائی اور عدم تشدد ہے۔ اور "دیہاتی حرفے کے ذریعے" تعلیم کا مطلب یہ ہے کہ اس اسکیم کو تیار کرنے والے استادوں سے امید کرتے ہیں کہ وہ اپنے گاؤں کے بچوں کو اس ڈھنگ سے پڑھائیں گے جس سے ان کی تمام چھپی ہوئی قوتیں بغیر کسی باہری دباؤ یا زور کے میٹھی بات چیت اور کسی چنے ہوئے حرفے کے ذریعے ابھر آئیں۔ اس اصول کو سامنے رکھ کر غور کیجیے تو یہ اسکیم دیہاتی بچوں کی تعلیم کے حق میں ایک انقلاب ثابت ہوگی۔ یہ اسکیم کسی صورت سے بھی مغربی خیالات سے نہیں لی گئی ہے۔"

اس اسکیم میں شہر کے مقابلے میں دیہات پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ ہندوستان کی اصل آبادی گاؤں میں رہتی ہے۔ اس لئے قوم کے بچوں کے لئے تعلیم کا جو ڈھانچا بنایا جائے اس کا رنگ روپ دیہاتی ہونا ضروری ہے۔ دھیان دینے کی ایک بات یہ بھی ہے کہ ہماری زندگی اور

ہماری تاریخ کا زیادہ تر تعلق گاؤں ہی سے ہے' اس لئے بھی ہماری تعلیم کا روپ دیہاتی ہونا چاہئے۔ پچھلے دنوں میں اس مرجھائی ہوئی تہذیب کو جان دار تعلیمی اداروں کے ذریعے زندہ رکھنے کی کوششیں ضرور کی گئی ہیں۔ ان کوششوں نے آشرموں' قومی مدرسوں اور گروکلوں کا روپ لیا' پر پھر بھی ان اداروں نے تعلیم کا جو موجودہ ڈھرا ہے' اس سے اپنا تعلق بالکل ہی نہیں توڑا تھا۔ جس طرح کا انقلاب یہ ادارے کرنا چاہتے تھے' ان کی جڑیں کمزور تھیں۔ ان کے طریقے دورا ہے تھے' وہ نئے اصول کو برتنا ضرور چاہتے تھے پر پرانی راہیں بھی نہ چھوڑتے تھے۔ یہی سبب ہے کہ اصلی تہ تک نہ پہنچ سکنے کی وجہ سے ان کی کوششیں پوری پوری کامیاب نہ ہوسکیں؛ اس لئے کہ انھوں نے تہ کی بات کو چھوڑ کر ظاہری رنگ ڈھنگ پر دھیان دیا۔ ان کے تعلیمی طریقے دیہاتی زندگی کی قدرتی طاقتوں کو ابھارنے کے بجائے اوپر سے باہری چیزوں کا بوجھ لاد دیتے تھے۔ ان میں کسی حرفے کو مرکزی حیثیت حاصل نہیں ہوتی تھی۔

اس موقع پر یہ بات سمجھ لینے کی ضرورت ہے کہ تعلیم کی بنیاد میں حرفے سے گاندھی جی کا کیا مطلب ہے۔ اس اصول پر تعلیم دینے کے لئے "ضروری ہے کہ جو کام آج کل صرف پیشے کی حیثیت سے سکھائے جاتے ہیں' ان کو علمی ڈھنگ سے سکھایا جائے یعنی بچوں کو یہ سمجھایا جائے کہ کون سا کام کس لئے کیا جاتا ہے۔"

حرفے کے ذریعے تعلیم دینا تعلیم کی تاریخ میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔ پستالوزی کے زمانے سے نئی تعلیم کے بڑے بڑے ماہروں نے دنیا کے ہر حصے میں برابر یہی اعلان کیا ہے کہ صحیح اور مکمل تعلیم صرف حرفے ہی کے ذریعے دی جاسکتی ہے۔ کچھ لوگوں نے اس اصول پر کسی حد تک عمل بھی کیا ہے۔ لیکن دوسرے لوگوں اور گاندھی جی کے خیال میں فرق یہ ہے کہ گاندھی جی نے تعلیم کے اصول کو اس کے نتیجے تک پہنچا دیا ہے۔ انھوں نے صرف یہی نہیں کہا ہے کہ بچوں کی ساری تعلیم کسی حرفے کے ذریعے دی جائے' بلکہ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ یہ تعلیم اپنا خرچ بھی آپ ہی اٹھائے۔ بنیادی تعلیمی اسکیم کے کسی دوسرے پہلو پر اتنی لے دے نہیں ہوئی ہے جتنی اس کے اس پہلو پر ہوئی ہے کہ وہ اپنا خرچ بھی آپ ہی اٹھائے۔ اس لئے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ اپنا خرچ آپ اٹھانے سے ان کا کیا مطلب ہے اور اسے ہماری تعلیمی اسکیم میں بنیادی حیثیت کیوں دی گئی ہے۔

"اس طرح کی تعلیم میں بہ حیثیت مجموعی غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ اپنا خرچ آپ اٹھانے والی کیسے ہوسکتی ہے اور اسے کیوں ہونا بھی چاہئے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کی یہی خصوصیت اس کے صحیح ہونے کی اصلی کسوٹی ہے۔ اس کی اس خصوصیت کا تعلیمی اور منطقی پہلو اس کی زیادہ سے زیادہ پیداوار کی بہ نسبت کہیں بھاری ہے۔"

آخر میں ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ گاندھی جی کا انسان کی زندگی کے بارے میں جو خیال ہے اور عدم تشدد کے ساتھ اس تعلیمی اسکیم کا کس طرح آپس میں میل ہے۔ "اپنا خرچ آپ اٹھانے والی تعلیم کا خیال عدم تشدد کے اصول سے کسی طرح الگ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ جب تک ہم یہ یاد نہ رکھیں گے کہ اس نئی اسکیم کا مقصد ایک ایسا دور پیدا کرنا ہے جس میں ذاتوں کی آپس کی عداوتیں اور فرقے وارانہ جھگڑے بالکل اٹھا دیے جائیں گے اور غریبوں کا خون چوسنے اور ان کو لوٹنے کھسوٹنے کا دستور سرے سے مٹا دیا جائے گا' اس وقت تک ہم اس اسکیم کو کامیاب بنا ہی نہیں سکتے۔ غرض یہ کہ ہمیں عدم تشدد پر یقین رکھ کر اس کام میں تہ تک جانا چاہئے اور یہ یقین رکھنا چاہئے کہ نئی اسکیم ایک ایسے دماغ کا نتیجہ ہے جو عدم تشدد کو تمام برائیوں کا حکمی علاج سمجھتا ہے۔

لیکن تعلیم کے اس بڑے تجربے کی کامیابی یا ناکامی کا دارومدار جن استادوں پر ہے اور جو اس نئی اسکیم کو عملی جامہ پہنا سکتے ہیں' وہ ابھی ہمارے پاس تیار نہیں ہیں۔ اس لئے اس وقت ہماری سب سے بڑی ضرورت ایسے پڑھے لکھے استاد تیار کرنا ہے جو اس نئی تعلیم کے اصول کو پورا پورا تسلیم کرلیں اور اس کی کامیابی کے لئے اپنی ساری زندگی لگا دینے کے لئے خوشی سے تیار ہو جائیں۔

وردھا
۱۰ر جنوری ۳۹ء

آریا نائکم

بنیادی تعلیم پر لٹریچر

بنیادی تعلیم کے دو نمایاں پہلو ہیں: ایک اس کا عملی اور دوسرے اس کے متعلق ضروری علم۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے ایسے ملے ہیں کہ ایک بغیر دوسرے کے ادھورا رہ جائے گا۔ بنیادی تعلیم کی ترقی اس وقت ہوسکتی ہے جب علم اس کے عمل کو واضح کرتا رہے اور عمل سے وہ علم مکمل ہوتا رہے۔

اس اعتبار سے جب ہم نئی تعلیم کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں اس کی سب سے پہلی جھلک "ہریجن" اور "ہریجن سیوک" کے مضمونوں میں ملتی ہے۔ اس کے بعد گاندھی جی کے تعلیمی مضامین کا مجموعہ جو وردھا کانفرنس کی روداد کے ساتھ شائع ہوا ہے اور جس میں کانفرنس کی موافق و مخالف تقریریں اور اس میں جو تجویزیں پاس ہوئیں سب ہی کچھ دیا ہوا ہے۔ اس مجموعے کا نام جو صرف ہندی میں چھپا ہے "تعلیم میں پُرامن انقلاب" رکھا گیا ہے۔ اس کے بعد وردھا تعلیمی کانفرنس کی بنائی ہوئی کمیٹی کی رپورٹ جو "ذاکر حسین کمیٹی کی رپورٹ" کے نام سے موسوم ہے' اور پھر "بنیادی قومی تعلیم" کے نام سے اس کمیٹی کا تیار کیا ہوا ایک مفصل نصاب بھی شائع ہوا ہے۔ یہ نئی تعلیم کے لٹریچر کا دوسرا اہم حصہ ہے۔ ان دونوں کتابوں کے انگریزی میں تین ایڈیشن نکل چکے ہیں' اور ہندی' اردو اور گجراتی میں ان کے ترجمے بھی چھپ رہے ہیں۔

اس پر اور لٹریچر نکلنے کا کام یہاں آکر ذرا رک گیا اور ملک کے مختلف حصوں میں اس پر عملی تجربے کا کام شروع ہوگیا۔ سب سے پہلے ۲۱ر اپریل ۳۸ء کو وردھا میں بنیادی تعلیم کا پہلا مدرسہ کھولا گیا' اس کے بعد بہار' اندھرا' یو۔پی' کشمیر اور گجرات میں بنیادی تعلیم کے لئے ٹریننگ اسکول اور تھامنا (گجرات) جنگ وروڈ (میسور) اور سیگاؤں (سی۔پی) میں بنیادی مدرسوں کا کام شروع ہوا۔ آج ان ٹریننگ اسکولوں اور بنیادی مدرسوں میں نئی تعلیم کی اس اسکیم کو کسوٹی پر کسا جا رہا ہے اور اگرچہ ابھی بہت وقت نہیں گذرا ہے' پھر بھی اب تک کے تجربے سے اس اسکیم کی ضرورت' اس کا مفید اور کارآمد ہونا بہت کچھ ثابت ہوگیا ہے۔

جیسے جیسے تجربے میں ترقی ہوتی گئی' لٹریچر کی ضرورت بڑھتی گئی۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ہندستانی تعلیمی سنگھ کی طرف سے استادوں

اور تعلیمی کام سے دل چسپی رکھنے والوں کے لئے کچھ مفید مواد بھی تیار کیا جارہا ہے۔

لیکن ہمیں خوشی اس بات کی ہے کہ ہندستانی تعلیمی سنگھ کے علاوہ دوسرے اشخاص اور جماعتیں بھی اپنے اپنے طور پر بنیادی تعلیم یا وردھا تعلیمی اسکیم پر مفید کتابیں لکھنے لکھانے اور شائع کرنے میں لگے ہیں۔ گذشتہ مہینے یعنی ماہ جنوری ۳۹ء میں بنیادی تعلیم کے اصول اور تجربے پر روشنی ڈالنے والی دو نہایت اچھی کتابیں شائع ہوئی ہیں۔

ان میں سے پہلی کتاب کے مصنف حکومت مدراس کے موجودہ وزیر تعلیم سی۔ کے۔ وارکی صاحب ہیں۔ کتاب کا نام ہے The Wardha Schema of Education (وردھا تعلیمی اسکیم)۔ یہ کتاب اکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے شائع ہوئی ہے۔

اس کتاب کے تین خاص حصے ہیں: پہلے حصے میں وردھا تعلیمی اسکیم یا بنیادی تعلیمی اسکیم کی تاریخ اور اس کے خاص خاص اصولوں سے بحث کی گئی ہے۔ ساتھ ہی اس تعلیمی اسکیم پر جو شبہے اور اعتراضات کئے گئے ہیں، ان کا بھی جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

دوسرے حصے میں وردھا تعلیمی اسکیم کا خلاصہ دیا گیا ہے، اور تیسرے حصے میں وردھا ٹریننگ اسکول اور اس سے متعلق مشقی مدرسے میں جو کام ہو رہا ہے اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

وارکی صاحب صرف وزیر تعلیم ہی نہیں بلکہ تجربہ کار استاد بھی ہیں، اس لئے فن تعلیم کے نقطۂ نظر سے انھوں نے اس اسکیم پر جو بحث کی ہے، وہ بہت قابل قدر ہے۔ ساتھ ہی اس کے انھوں نے اپنے خیالات کے سلسلے میں بنیادی تعلیم سے متعلق ضروری لٹریچر کا ذکر کرکے اس کتاب کے مرتبے کو اور بھی بڑھا دیا ہے۔

تعلیم کی یہ نئی اسکیم آج ڈیڑھ سال سے ملک کے سامنے ہے، پھر بھی عوام کے دلوں میں اس کا کوئی خاص نقشہ ابھی تک نہیں جما ہے، اور اس کے برعکس غلط فہمیاں کافی ہیں۔ جیسا کہ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے اس کتاب کے دیباچے میں لکھا ہے ہم امید کرتے ہیں کہ وارکی صاحب جیسے لائق شخص کی یہ کتاب اس اسکیم کے متعلق ناواقفیت کو رفع کرنے میں بہت مدد دے گی۔

دوسری کتاب نرہری پارکھ صاحب کی لکھی ہوئی ہے، جس کا نام "وردھا تعلیمی اسکیم" ہے۔ یہ کتاب نوجیون کاریالیہ، احمد آباد سے چھپی ہے اور قیمت ۶ آنے ہے۔

نرہری بھائی پارکھ گجرات کے ایک اچھے تعلیم سے دل چسپی رکھنے والے اور قومی خادم ہیں۔ آپ کئی سال تک گجرات ودیاپیٹھ کے سکریٹری، استاد اور کارکن رہے ہیں اور اس وقت ہریجن آشرم، سابرمتی کے نگراں ہیں۔ وہ ہندستانی تعلیمی سنگھ کے ایک رکن بھی ہیں۔ ان کی نگرانی میں گجرات کے موضع تھامنا میں گذشتہ تین چار مہینوں سے وردھا تعلیم کا جو تجربہ ہو رہا ہے اس کا تھوڑا سا ذکر اس پرچے میں کیا جا چکا ہے۔

اس کام کے سلسلے میں ان کو اور ان کے ساتھیوں کو جو تجربات حاصل ہوئے ہیں یہ کتاب اسی کی بنا پر لکھی گئی ہے۔ اس کے پہلے حصے میں اس تعلیمی اسکیم پر خود ان کے اپنے عملی تجربے کا ذکر ہے، ساتھ ہی موضع تھامنا کے استادوں نے اپنے تجربے اور ذاکر حسین کمیٹی کی رپورٹ کی مدد سے جو نیا نصاب تیار کیا ہے، وہ بھی اس کے اندر تفصیل سے دیا گیا ہے۔ "وردھا تعلیم اور دیہات" کے عنوان سے ایک مضمون میں ببول بھائی مہتا نے وردھا تعلیمی اسکیم سے گاؤں والوں پر جو اثرات پڑے ہیں، ان کا ذکر کیا ہے۔

اس کے علاوہ اس چھوٹی سی کتاب میں وردھا تعلیمی اسکیم کے بنیادی اصولوں پر بھی دو بہت اہم مضامین ہیں۔

بنیادی تعلیم کے لٹریچر میں اس کتاب کا ہم دل سے خیر مقدم کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ جہاں جہاں بنیادی تعلیم کا کام ہو رہا ہے، وہاں ان کاموں کی بنا پر ایسے اہم مضامین تیار کئے جائیں گے۔ ایسا ہی لٹریچر نئی تعلیم کے لئے آیندہ ترقی میں ہماری راہ نمائی کرے گا۔

مدیر

بنیادی دستکاری: کتائی

(کچھ اصلاح و ترمیم)

پچھلے مضمون میں کتائی کے کام کی رفتار معلوم کرنے کے لئے ہم نے ان کا حساب رکھنے کا جو طریقہ بتایا ہے، اس میں کچھ اصلاح و ترمیم کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔

۱۔ صفحہ ۵ کے پہلے کالم کی چوتھی سطر میں لفظ "جماعت" کے بجائے "مضبوطی" ہونا چاہیئے۔

۲۔ صفحہ ۵ کالم ۲ کی چھٹی سطر میں "دیکھئے نمونہ نمبر ۸" کے آگے "ا اور ب" اور بڑھا دیجئے۔

۳۔ صفحہ ۶ کالم ۲ کے چوتھے خانے میں "(تولے)" کی بجائے "وزن" لکھ دیجئے۔

۴۔ صفحہ ۶ کالم ۲ کے نویں خانے میں "اوسط" کے ساتھ "تولے" کا لفظ ہونا چاہیئے۔

۵۔ صفحہ ۷ پر نمونہ نمبر ۷ میں "دایاں بایاں" کے اوپر "رفتار" ہونا چاہیئے۔ اسی کے ساتھ "کل" کے لفظ کے ساتھ ساتھ "کام" کا لفظ اور بڑھا دیجئے۔ اور وہ خانے صحیح ہونے کے بعد اس طرح ہوں گے۔

تاریخ:- ۱-۶-۳۸		
رفتار		کل کام
دایاں	بایاں	

۱۔ نمونہ نمبر ۹ کے تیسرے خانے میں "اوسط ترقی" کی بجائے "۴۰ منٹ کی اوسط ترقی مع لپیٹنے کے" لکھنی چاہئے۔

۷۔ نمونہ نمبر ۹ کے چوتھے خانے میں "گھنٹے کی ترقی" کی بجائے "آدھے گھنٹے کی ترقی بغیر لپیٹے" لکھنی چاہئے۔

۸۔ نمونہ نمبر ۸ کے ستمبر اور اگست کے گرافوں میں اتنے فاصلے کی ضرورت نہیں ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے ملے ہونے چاہئیں۔ اور اگر یہ دکھانا ہی منظور ہے کہ وہ الگ الگ مہینوں کے ہیں تو بیچ میں ایک پتلی نالی چھوڑ دی جاسکتی ہے۔ مہینوں کے نام گراف کے دائیں یا بائیں طرف لکھے جاسکتے ہیں۔

تشریح:

۱۔ صفحہ ۵ کی آخری سے پہلی سطر میں "۱/۲ ۵ کمی کھتہ" کا جو فقرہ لکھا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ پانچ پانچ دس دس تولے روئی تولنے میں روئی کچھ زیادہ چلی جاتی ہے، یا کھتے میں اکثر جو ہے وغیرہ سے بھی کچھ نقصان ہوتا ہے، یا بازار سے بڑے کانٹے پر روئی تول کر لینے کے بعد اپنے ہاں چھوٹی ترازو سے تولنے میں فرق پڑجاتا ہے، ان وجوہ سے جو کمی یا نقصان واقع ہوتا ہے، اس کے لئے ہم نے "کمی کھتہ" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس کی ضرورت یہ بتانے کے لئے ہے کہ لڑکوں کے کام سے نقصان اور اس طرح کے نقصانات الگ الگ طور پر معلوم ہوجایا کریں۔

۲۔ نمونہ نمبر ۳ کے سلسلے میں "روئی گھٹ" کا مطلب سمجھایا گیا ہے، اس میں ہم نے روئی گھٹ کی شرح ۱۰ فی صدی مانی ہے۔ یہ روئی کی قسم اور اس کی نوعیت پر منحصر ہے۔ جس روئی سے ہمیں کام لینا ہو اس کا تھوڑا تھوڑا دو چار مرتبہ تجربہ کرکے استاد کو معلوم کرلینا چاہئے کہ اس میں "گھٹ" کتنی آتی ہے۔ ہم نے ۱۰ فی صدی تو زیادہ سے زیادہ شرح لگائی ہے۔ اچھی روئی میں اس سے بہت کم آتی ہے، لیکن استاد کو ہر روئی کا تجربہ کرکے اس کی گھٹ مقرر کرلینا چاہئے۔

۳۔ نمونہ نمبر ۹ میں کتائی کے نیچے گھنٹے اور لڑی کے خانے دیے گئے ہیں۔ اس میں "گھنٹے" کے خانے میں گھنٹے اور منٹ اور لڑی کے خانے میں لڑی اور تار دونوں لکھ سکتے ہیں، مثلاً ایک طالب علم نے ۲ گھنٹے ۲۰ منٹ میں ۲۰۰ تار کاتے ہیں، تو وہ اس طرح لکھے گا:۔

کتائی	
گھنٹے	لڑی
۲ - ۲۰ منٹ	۱ - ۴۰ تار

۴۔ ۴۰ منٹ کی اوسط رفتار مع لپیٹنے کے اور آدھے گھنٹے کی بغیر لپیٹنے کی ہے۔ ان دونوں خانوں کو پاس پاس رکھنے سے ہمارا مقصد یہ معلوم کرنا ہے کہ لپیٹنے میں کہیں زیادہ وقت تو نہیں لگ جاتا ہے۔ عام طور سے تکلی پر آدھ گھنٹہ کاتے ہوئے سوت کو لپیٹنے کے لئے ۱۰ منٹ لگتے ہیں۔ اس بنا پر ۴۰ منٹ کی اوسط رفتار نکالی جاتی ہے۔ آدھے گھنٹے کی رفتار یعنی یکسوئی کے ساتھ آدھے گھنٹے تک مسلسل کاتنے کی رفتار حاصل کرنے سے بہت فائدے ہیں، جن کا ذکر ہم آئندہ کسی دوسرے موقع سے کریں گے۔ اس رفتار میں اور پورے دن کے کاتے ہوئے سوت کی اوسط رفتار میں کتنا فرق ہے اسی کو بتانے کے لئے ہم نے دونوں خانے پاس پاس رکھے ہیں۔ ان دونوں خانوں کے ہندسوں میں جتنا کم فرق ہوگا اتنا ہی اچھا ہے۔ اس کے علاوہ آدھے گھنٹے کی رفتار ہم نے بغیر لپیٹنے کے رکھی ہے اس لئے کہ آدھ گھنٹہ کاتنے کے بعد ہم کاتنا بند کرسکتے ہیں، لیکن لپیٹنے میں یہ بات نہیں ہے کہ ۵ یا ۱۰ منٹ کے اندر لپیٹنا ختم ہی ہوجائے۔

اس کے بعد نمونہ نمبر ۴ کی تشریح باقی رہ جاتی ہے، لیکن ہم اس کی تشریح نہایت تفصیل سے کرنی چاہتے ہیں، اس لئے اس کو ہم آئندہ پرچے کے لئے اٹھا رکھتے ہیں۔ باقی باتیں جو لوگ سوت کاتنے کے کاروبار سے کچھ بھی واقفیت رکھتے ہیں، وہ از خود سمجھ لیں گے۔

ولبھ بھائی پٹیل

فہرست مضامین

پرنٹر و پبلشر:۔ حامد علی خاں — مطبوعہ جید برقی پریس — مدیر: آشا دیوی

نئی تعلیم

(ہندستانی تعلیمی سنگھ کا پرچہ)

جلد ۱، نمبر ۳	دہلی - مارچ ۱۹۳۹ء	قیمت سالانہ عہ

دیہات میں بنیادی تعلیم

(گذشتہ کے بعد)

ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ بنیادی تعلیم کی جو دیہاتی شکل ہے، وہی اس کی اصلی حالت ہے۔ اور جب ہم دیہات میں دیہاتی بچوں کو لے کر اس کا تجربہ کریں گے تبھی ہمیں اس تعلیم کی اصلی شکل دیکھنے میں آئے گی۔ اس لئے آج ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ جہاں جہاں بنیادی تعلیم کا دیہاتی تجربہ ہو رہا ہے ان سب تجربوں سے ہم واقف رہیں اور ان سب تجربوں کو اکٹھا کریں۔ ایک کے تجربے میں جہاں کمی رہ گئی ہے اس کو دوسرے کا تجربہ پورا کرے گا، ایک کے تجربے سے دوسرے کی دشواریوں کے حل کرنے کا راستہ ملے گا۔ اسی طرح ٹھیک کام کے تجربے کی مدد سے ہی ہم اپنے آیندہ کے پروگرام کا صحیح اندازہ کر سکتے ہیں۔

گجرات کے تھامنا نامی گاؤں میں گذشتہ تین چار مہینوں سے بنیادی تعلیم کا جو تجربہ ہو رہا ہے اس کا تھوڑا سا بیان اس کے پہلے دیا جا چکا ہے۔ اسی کے ساتھ آج ہم صوبہ متوسط کے ۱۶۰ دیہاتوں میں اس نئی تعلیمی اسکیم کا جو کام شروع ہوا ہے، یہاں اس کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اس سے پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ صوبۂ متوسط کی سرکار کی طرف سے وردھا کے ٹریننگ اسکول میں جو ۱۶۰ استاد تیار کئے گئے تھے وہ جنوری کے پہلے ہفتے سے وردھا، ناگپور، جبل پور اور رائے پور کے ۱۶۰ دیہاتی اسکولوں میں بنیادی تعلیم کا کام شروع کر چکے ہیں۔ ابھی اس تجربے کو دو مہینے بھی پورے نہیں ہوئے ہیں۔ کہیں کہیں ان استادوں کو اپنی تعلیم کے لئے ضروری سامان بھی نہیں ملے ہیں۔ جن دیہاتوں کے ابتدائی مدرسوں میں انھوں نے اپنا کام شروع کیا ہے وہاں کے مقامی لوگوں یا اسکول کے پرانے استادوں سے انھیں کچھ بھی مدد نہیں ملی ہے۔ کہیں کہیں تو انھیں مخالفت کا بھی سامنا کرنا پڑا ہے۔ اس لئے اس نامکمل اور ابتدائی تجربے کو ہم بنیادی تعلیم کا صحیح تجربہ نہیں مانتے۔ پھر بھی ان چند مہینوں کا جو تجربہ ہے وہ ہمارے آیندہ کے کاموں کے لئے نہایت قیمتی ہے۔

وردھا ضلع کی جن ۴۴ ڈسٹرکٹ کونسل کے اسکولوں میں اس نئی تعلیم کا تجربہ ہو رہا ہے، اس سے ہمارا تعلق کچھ زیادہ رہا ہے۔ اس تجربے پر ہم تین نقطۂ نظر سے غور کر سکتے ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ اس نئے طریقۂ تعلیم کا اثر طالب علموں پر کیا پڑا ہے، دوسرے ان بچوں کے ماں باپ اور دوسرے سرپرست اس اسکیم کو کیا سمجھتے ہیں اور تیسرے یہ کہ دیہات میں اس پر عمل کرتے ہوئے خود استادوں کا کیا تجربہ رہا ہے۔

جہاں تک طالب علموں کا سوال ہے ہر ایک مدرسے اور استاد کا یہ تجربہ رہا ہے کہ ہر جگہ اس نئے طریقۂ تعلیم کی وجہ سے بچوں میں ایک نئی زندگی آگئی ہے۔ جہاں مدرسہ ان کے لئے قید اور نفرت کا گھر رہا ہے، آج اس کی جگہ وہ اسے ایک آرام اور روحانی خوشی کا مقام سمجھنے لگے ہیں۔ اسکول کی پڑھائی ان کے لئے کھیل جیسی دلچسپ چیز معلوم ہو رہی ہے۔ اس طرح اس نئے طریقۂ تعلیم سے بچوں کی زندگی میں جو نیا رنگ اور نئی روح آگئی ہے اسے ہم آیندہ کی کامیابی کا سب سے بڑا شگون سمجھتے ہیں۔

بچوں کے ماں باپ نے اتنا ضرور سمجھا ہے کہ یہ ایک نئی چیز ہے۔ اتنا ہی نہیں۔ ان میں سے بعض اپنی سیدھی سادی دیہاتی عقل کے مطابق اس کی بنیاد کو جتنا سمجھ سکے ہیں ہمارے شہر کے استاد اور ماہرین تعلیم بھی شاید اتنا نہیں جان سکے ہیں۔ لیکن یہ انقلاب ان بچوں کے لئے اچھا ہے یا برا اس پر ابھی ان کی کوئی رائے قائم نہیں ہوئی ہے۔ وہ اتنا ضرور مانتے ہیں کہ جب سرکار کی طرف سے یہ رائج ہوئی ہے تو ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ یوں بھی دیہاتی طبیعت کو کوئی سی نئی تحریک قبول کرنے میں ذرا دیر لگتی ہے لیکن یہ یقینی ہے کہ شہر کے سرپرستوں کی طرح دیہاتی سرپرستوں میں اس نئی تعلیم کی طرف سے مخالفت کا کوئی خیال موجود نہیں ہے۔

اگرچہ دیہاتی ماں باپ کی طرف سے اس کی مخالفت نہیں ہوئی ہے پھر بھی دیہاتی مدرسوں کی جانب سے مخالفت ضرور ہوئی ہے۔ آج کل کا جو موجودہ طریقۂ تعلیم ہے اس میں استادوں کو کچھ محنت کی ضرورت نہیں

پڑتی ہے لیکن اس نئے طریقۂ تعلیم سے بچوں کی اچھی زندگی اور خواہش جیسے جیسے بڑھتی جائے گی، ویسے ہی استاد کی ہمت اور حوصلہ بھی بڑھتا جائے گا۔ آنچ ہی نہیں، پرانے طریقۂ تعلیم میں لڑکوں کو اسکول کی طرف سے جو نفرت تھی، وہ استادوں کے آرام کے لئے کافی تھی۔ اس لئے اس نئی تعلیمی اسکیم سے طالب علموں کے بڑھتے ہوئے حوصلے اور ان کی بڑھتی ہوئی تعداد کو یہ لوگ ڈر کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔ ایسا بھی تجربے میں آیا ہے کہ کہیں کہیں پرانے زمانے کے ہیڈ ماسٹروں نے نئے طالب علموں کو داخل کرنا ہی بند کر دیا ہے۔ اگر باہر سے ٹھیک ٹھیک نگرانی نہ رہی تو ڈر ہے کہ نئے استاد اور طالب علموں کا یہ حوصلہ موافق حالات کی کمی کی وجہ سے کہیں دب نہ جائے۔

اور جو استاد خود اس نئے تجربے کی ذمہ داری اٹھا رہے ہیں ان کا تجربہ جب ہمیں پورے طور پر ملے گا تب ہم اسی کی بنیاد پر یہ طے کر سکیں گے کہ آیندہ کے استادوں کی تیاری کس طرح کی جائے۔ ابھی تک جو تھوڑی بہت اطلاعیں ہمارے پاس پہنچی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نئے طریقۂ تعلیم کے لئے جو تعلیم انھیں دی گئی تھی وہ نامناسب اور ناکمل تھی۔ انھیں شاید حرفے کے ذریعے تعلیم کے بنیادی اصول سے واقفیت برائے نام ہوئی تھی اور وقت کی کمی سے انھیں عملاً تجربہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔ یہی وجہ ہے کہ آج بچوں کے ساتھ مل کر کام کرتے ہوئے دوسرے مضمونوں کو بنیادی حرفے کے ساتھ کس طرح جوڑا جائے اور وقت کی تقسیم کس طرح کی جائے، اس کے صحیح تجربے میں انھیں دشواریاں محسوس ہو رہی ہیں۔ آئندہ بنیادی تعلیم کے استادوں کو تیار کرتے وقت ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ یہ تیاری زیادہ سے زیادہ تجربی اور کم سے کم نظری ہو اور ان استادوں کو جو صحیح دشواریاں پیش آئی ہیں انھیں کے اصولوں پر ہمارے بنیادی تعلیم کے آیندہ کے استادوں کے مدرسے میں اسباق تیار کئے جائیں۔

مدیر

وردھا تعلیمی اسکیم کا معاشی پہلو

تعلیمی نقطۂ نگاہ سے وردھا تعلیمی اسکیم پر بہت کچھ سوچا جا چکا ہے اور اس کے فائدے تسلیم بھی کئے جا چکے ہیں لیکن معاشی پہلو سے اس پر ابھی غور نہیں کیا گیا ہے یا بہت ہی کم کیا گیا ہے۔ ہمارا ملک بہت ہی غریب ملک ہے، یہاں تعلیم کا رواج بھی برائے نام ہے۔ اس لئے کوئی تعلیمی اسکیم جس میں بہت ہی زیادہ خرچ کی ضرورت ہو، ہمارے لئے کارآمد نہیں ہو سکتی ہمیں تو ایسی اسکیم چاہئے جس سے کم سے کم خرچ میں ہم زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اچھی سے اچھی اور مفید تعلیم دے سکیں۔ ہمیں وردھا اسکیم پر اس خیال کے تحت میں بھی غور کرنا ہے۔ اس سوال پر میں یہاں مختصر طور سے بحث کرنی چاہتا ہوں۔

اگر ہم بحث کرتے وقت ایک خاص علاقے کو سامنے رکھیں تو غور کرنے میں ہمیں آسانی ہوگی۔ اس لئے میں صوبۂ بہار کو مدنظر رکھ کر اس سوال پر غور کرنا چاہتا ہوں۔ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے مطابق بہار کی آبادی قریب ۳ کروڑ ۲۴ لاکھ کے تھی۔ ہندوستان میں عام طور سے ہر دس برس کے اندر دس فی صدی آدمیوں کا اضافہ ہوتا ہے۔ اس حساب سے آیندہ کی مردم شماری میں بہار میں آدمیوں کی تعداد بڑھ کر تقریباً ۳ کروڑ ۵۰ یا ۶۰ لاکھ ہو جائے گی۔ عام طور سے آبادی کا ۱۵ فی صدی حصہ جس میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں شامل ہیں، اسکول میں پڑھنے کے لائق ہوتا ہے۔ اس حساب سے تقریباً ۵۳ یا ۵۴ لاکھ لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے ہمیں تعلیم کا انتظام کرنا ہے۔ وردھا اسکیم ۷ سے ۱۴ سال کے لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے ہے۔ مردم شماری کی رپورٹوں میں ان عمروں کے لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد الگ نہیں دی ہوتی ہے لیکن ۵ سے ۱۰ اور ۱۰ سے ۱۵ سال تک کی عمروں کے لڑکوں اور لڑکیوں کی جو تعداد دی رہتی ہے اس کے تخمینے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ۱۹۳۱ء میں بہار کے اندر ۷ سے ۱۴ سال کے تقریباً ۵۵ لاکھ لڑکے اور لڑکیاں تھیں۔ اس حساب سے ۱۹۴۱ء میں یہ تعداد تقریباً ۶۰ لاکھ ہو جائے گی۔ اس لئے پہلے اور دوسرے حساب میں بہت ہی کم فرق ہے یعنی ایک حساب سے اسکولوں میں پڑھنے کے لائق لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد تقریباً ۵۴ لاکھ اور دوسرے کے مطابق قریب قریب ۶۰ لاکھ ہوئی ہیں۔ ۶۰ لاکھ کو ہی صحیح تعداد مان کر یہاں اس سوال پر غور کروں گا۔

بہار گورنمنٹ کے محکمۂ تعلیم کی رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدائی اسکولوں میں اس وقت فی کس تقریباً ۶ روپیہ ۵ آنے ۶ پائی خرچ پڑتا ہے۔ جن جگہوں میں ابتدائی تعلیم لازمی ہے وہاں تو اور زیادہ خرچ پڑتا ہے جو فی کس تقریباً ۹ روپیہ ۱۰ آنے ۹ پائی ہے۔ اسی طرح ثانوی اسکولوں میں فی کس تقریباً ۱۴ سے ۱۸ روپیہ تک خرچ پڑتا ہے۔ ۱۴ روپیہ مڈل ورناکیولر اسکولوں میں اور ۱۸ روپیہ انگریزی مڈل اسکولوں میں۔ وردھا اسکیم کے مطابق جو تعلیم ہوگی وہ آج کل کے مڈل اسکولوں کی تعلیم سے اونچے درجے کی ہوگی۔ یہ انگریزی چھوڑ کر دوسرے مضمونوں میں تقریباً میٹریکولیشن کے معیار کی ہوگی مگر وقت کے لحاظ سے یہ بھی سات سال تک ہوگی یعنی اتنے سالوں کی جتنی کہ آج کل مڈل اسکولوں کی تعلیم ہوتی ہے۔ اس لئے خرچ کے معاملے میں اس کے خرچ کا مقابلہ مڈل اسکولوں کے خرچ کے ساتھ ہی کرنا مناسب ہوگا۔ اگر ہم آج کل کے مڈل ورناکیولر اسکولوں کے خرچ کے مطابق ۶۰ لاکھ لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم کا خرچ جوڑیں تو موجودہ اسکیم میں یہ خرچ ۱۴ × ۶۰ لاکھ یعنی ۸ کروڑ ۴۰ لاکھ روپیہ ہوگا۔ اگر معمولی ابتدائی اسکولوں کا ہی معیار مان لیا جائے تو بھی کل خرچ ۶ روپیہ ۵ آنے ۶ پائی × ۶۰ لاکھ یعنی ۳ کروڑ ۸۰ لاکھ روپیہ سے زیادہ ہوگا۔ لازمی تعلیم کے حدود کے ابتدائی اسکولوں کے اسٹینڈرڈ سے ۹ روپیہ ۱۰ آنے ۹ پائی × ۶۰ لاکھ یعنی ۵ کروڑ ۸۰ لاکھ روپیہ ہوگا۔ ان تینوں کا اوسط بھی لے لیا جائے تو ۶ کروڑ روپیہ سالانہ خرچ ہوگا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس وقت جو طریقہ رائج ہو رہا ہے اس کے مطابق اگر بہار کے تمام لڑکوں اور لڑکیوں کو تعلیم دی جائے تو ہمیں ۶ کروڑ روپے سے کم نہیں چاہئے۔ یہ اس وقت ہوگا جبکہ استادوں کی ماہانہ تنخواہ اوسطاً ۹ روپیہ ہو۔ یہ تنخواہ سرکاری یا غیر سرکاری دفتروں کے چپراسیوں سے بھی کم ہے۔ چپراسیوں کو تو شاید ہی کہیں دس روپے سے کم ملتا ہو۔ اکثر جگہوں پر خاص کر سرکاری دفتروں میں تو بارہ تیرہ روپے ملتے ہیں اور آگے چل کر اس میں کچھ بڑھتی بھی ہوتی ہے۔ اس لئے استادوں کی تنخواہوں کو بھی بڑھانے کی ضرورت پڑے گی۔ جب تعلیم لازمی کی جائے گی تو دیہاتی مدرسوں کو لڑکوں کے سرپرستوں سے آج کل جو کچھ مل جاتا ہے

اس کی امید نہیں رہے گی۔ اس لئے ان کی تنخواہ میں اضافے کی ضرورت لازمی طور سے ہوگی۔ ایسی حالت میں چھ کروڑ روپیے سے بھی کام نہیں چلے گا۔ لیکن بہار گورنمنٹ کی آمدنی تقریباً ٥ کروڑ روپیہ ہے۔ یہ آمدنی بھی نشہ بندی کے سبب سے دن بدن گھٹتی ہی جائے گی۔ محکمۂ آبکاری سے اس وقت تقریباً سوا کروڑ روپیے کی آمدنی ہوتی ہے۔ ایک نہ ایک دن یہ بالکل جاتی رہیگی۔ اس وقت بہار گورنمنٹ کی آمدنی ۴ کروڑ سے بھی کم ہو جائے گی۔ ہاں دوسرے طریقوں سے البتہ آمدنی بڑھانے کی کوشش کی جا رہی ہے جیسے اس سال سے کھیتی کی آمدنی پر عام محصول لگایا جا رہا ہے۔ اور بھی دوسرے طریقوں سے آمدنی بڑھانے کی تدبیر کی جا رہی ہے۔ لیکن یہ امید نہیں ہے کہ ان سب نئے ذریعوں سے جو آمدنی ہوگی وہ سب مل کر آبکاری کی آمدنی سے زیادہ ہو جائے گی۔ آیندہ قریبی زمانے میں تو اس کی امید کی ہی نہیں جا سکتی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس وقت حکومت بہار کی جو آمدنی ہے اس سے زیادہ کی بہت دنوں تک امید نہیں کی جا سکتی۔ ایسی حالت میں یہ غیر ممکن ہے کہ اس تعلیمی اسکیم کے مطابق موجودہ پرائمری اسٹینڈرڈ کی تعلیم بھی تمام لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے لازمی کی جا سکے۔

بدری ناتھ ورما، پٹنہ

بنیادی تعلیم کا استاد کیسا ہو؟

بنیادی تعلیم کے استاد کے معنی زندگی کی تعلیم کے استاد کے ہیں۔ تعلیم اگر یہی ہو تو اس کا ایک ہی مطلب ہو سکتا ہے:۔ یعنی زندگی کے لئے تیاری۔ لیکن آج کی جو تعلیمی اسکیم ہے اس کے ساتھ زندگی کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ نئی تعلیم کی ترقی اس لئے ہوتی ہے کہ اس میں تعلیم کے ساتھ زندگی کا گہرا تعلق ہوتا ہے۔

اگر ہم نے مان لیا کہ تعلیم کا مقصد یہی ہے کہ وہ زندگی کے لئے آدمی کو تیار کرے تب تو یہ بات صاف ظاہر ہے کہ زندگی کے سامنے جو مقصد ہے، وہی مقصد تعلیمی اسکیم کے سامنے بھی ہو۔ اس کی صاف مثال آج ہم سامنے دیکھتے ہیں۔ آج کی جو حالت ہے وہ عیش و آرام کی طرف لے جاتی ہے۔ موجودہ سماج کا نصب العین آدمی کی ضروریات اور خواہشات کا بڑھانا ہے۔ جس سماج اور جس حکومت میں آدمی کی ضروریات سب سے زیادہ ہیں اور ان ضرورتوں کے پورا کرنے کی تدبیریں بھی سب سے زیادہ کھلی ہوتی ہیں، وہ سماج اور وہ حکومت سب سے زیادہ ترقی یافتہ سمجھی جاتی ہے۔ اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ موجودہ تعلیمی اسکیم سے آدمی کی خواہشات اور ضروریات تو بڑھتی جاتی ہیں مگر ان کے پورا کرنے کی طاقت اس تعلیمی اسکیم میں نہیں ہے۔ اس لئے اس تعلیمی اسکیم کے ماتحت تعلیم پاکر جو لڑکے لڑکیاں فارغ ہوتے ہیں ان میں نہ تو خودداری ہے اور نہ وہ اپنی آپ مدد کر سکتے ہیں۔ ان کے دل اور دماغ دونوں ہی اپنی ضروریات کو پوری کرنے کے لئے دوسروں پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ ایسے دوسروں پر بھروسہ کرنے والے لوگوں سے جو سماج بنا ہوتا ہے اس میں جتنی کمزوریاں ہو سکتی ہیں وہ سب آج ہماری زندگی میں صاف موجود ہیں۔ بنیادی تعلیم کا اصل مقصد یہی ہے کہ ایسے دوسروں پر بھروسہ کرنے والے غلام اور خواہشات کے بندوں کے بدلے خوددار اور اپنے آپ پر بھروسہ کرنے والے اشخاص پیدا کئے جائیں اور ان اشخاص کے ذریعے ایک نیا سماج آراستہ کیا جائے۔

اس مقصد کے پورا کرنے کے لئے سب سے بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ جسمانی محنت کی طرف سے موجودہ تعلیمی اسکیم نے جو نفرت کا خیال پیدا کیا ہے، اس کی بجائے محنت کی عزت اور وقار کا خیال بڑھایا جائے۔ اسی لئے بنیادی تعلیم کی اسکیم میں دستکاری یا حرفے کو تمام طریقۂ تعلیم کا مرکز بنا کر رکھا گیا ہے۔ اس نئی تعلیمی اسکیم کے استاد کے لئے اتنا ہی کافی نہ ہوگا کہ وہ محض حرفے کا ماننے والا ہو۔ اسے تو خود حرفے کو عملاً کرنا ہوگا، غور و فکر کی کسوٹی سے حرفے کو پرکھنا ہوگا اور اس حرفے کو اور ترقی دینا ہوگا۔ اس طرح اسے سماج کے اندر حرفے کے لئے عزت اور دلچسپی پیدا کرنی ہوگی۔

استاد کے سامنے یہ نصب العین صاف ہونا چاہئے کہ تعلیم محض نوکری یا دولت پیدا کرنے کے لئے نہیں ہے، وہ تو زندگی کی تیاری ہے۔ یہ مقصد اگر اس کے سامنے ہوگا تو وہ زندگی سے تعلق رکھنے والی سبھی چیزوں کو اس تعلیم میں جگہ دے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ زندگی کے لئے جو چیزیں غیر ضروری ہیں وہ آپ سے آپ چھٹتی جائیں گی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ جو کچھ سکھانا ہے وہ کھلی ہوئی مثالوں کے ذریعے سکھانے کا حوصلہ خود ہی پیدا ہوتا جائے گا۔

آج تک طریقۂ تعلیم بہت ہی غیر فطری رہا ہے۔ اس میں بہت سی باتیں ایسی تھیں جن کا بچوں کی زندگی سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس لئے اس کی طرف بچوں کی دلچسپی بھی خصوصیت کے ساتھ نہیں ہوتی تھی۔ انھیں سکھانے کے لئے استاد کو سزا کی مدد لینی پڑتی تھی لیکن بنیادی تعلیم میں اسباق اور ان کے پڑھانے کے طریقے مختلف ہیں۔ نئی تعلیم کا استاد سزا سے نہیں بلکہ محبت سے کام لے گا۔ اس کا ایمان ہوگا کہ کہنے سے کرنے کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ وہ نامکمل بھلے ہی ہو لیکن طالب علم اس کی پیروی کریں گے۔ اس خیال سے اسے مکمل بننے کے لئے ہمیشہ تیار رہنا چاہئے۔ اس کو اپنا کمال دکھانے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے بلکہ طالب علموں کے سامنے اپنی کمزوریوں کو دور کرنے کی تدبیر کرنی چاہئے۔ سچا کیریکٹر ہی بنیادی تعلیم کے استاد کا خاص مقصد ہوگا۔ اس کے دل میں عوام اور طالب علموں کے ساتھ محبت ہونی چاہئے۔ جہاں یہ خیال ہوگا وہاں کے اساتذہ اور طلبا آج کی طرح عوام سے الگ نہ رہ سکیں گے۔ استاد کی رہن سہن سماج کے مطابق سادہ اور درست ہوگی۔ ساتھ ہی تمام گاؤں کے سکھ دکھ کو استاد اور طالب علم اپنا سکھ دکھ سمجھیں گے۔ ایسے اسکولوں سے جو طالب علم پڑھ کر نکلیں گے وہ ماں باپ پر بوجھ نہیں ہوں گے بلکہ ان کے مددگار ہوں گے۔ ماں باپ بھی ایسے مدرسوں اور استادوں کو اپنا سمجھیں گے۔ ایسا استاد محض گاؤں والوں کے لئے محبت کے لائق ہی نہیں ہوگا بلکہ وہ گاؤں کی زندگی کا مصلح اور رہبر بھی ہوگا۔

آج کل کے جو استاد ہیں وہ یونیورسٹی سے نکلنے کے بعد اپنے دماغ کے دروازوں کو بند کر لیتے ہیں جس سے نہ تو ان کا علم بڑھتا ہے اور نہ انھیں زندگی میں نیا راستہ ڈھونڈھنے کی فکر ہوتی ہے۔ بنیادی تعلیم کے استاد کو ملکی اور غیر ملکی حالات و واقعات سے آشنا ہونا چاہئے۔ اس کا علم بہت ہی وسیع ہونا چاہئے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ جو مضمون وہ پڑھاتا ہے، اس کا اسے پورا علم ہونا چاہئے۔ تب ہی وہ حرفہ، علم اور زندگی کو مربوط کر سکے گا۔ اسے طالب علم کا ماسٹر نہیں ہم سبق بن جانا چاہئے اور جب پڑھاتے وقت بچوں کے ساتھ وہ بچہ بن جائے گا تب ہی وہ طالب علموں کو اپنے علم سے فائدہ پہنچا سکے گا۔ بچوں کو صاف ستھرا رکھنے کے لئے

ے خود صاف رہنا ہوگا۔ ان میں خدمت کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے پہلے خود خادم بنا ہوگا۔ اور جب اس کے دل میں محبت وطن کا جذبہ ترقی پائے گا تب ہی وہ بچوں کے دل میں اسے پیدا کر سکے گا۔

دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بنیادی تعلیم کا استاد سماج ایک سچا خادم ہے اور سماج کی زندگی اور اس کی ترقی کی ذمہ داری ی پر ہے۔ اس کا ہر ایک کام سماج کو اپنے مرکز کی طرف آگے بڑھانے والا ہونا چاہیے۔

نئی تعلیم کا یہ نظریہ پڑھ کر کسی کو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ نئی تعلیم کے استاد کی لیاقت چاہے آج ہم میں نہ ہو لیکن اگر ہم اس نئی تجویز کو پسند کرتے ہوں اور سماج کی تحریک میں اپنا ہاتھ بٹانا چاہتے ہوں تو اوپر لکھے ہوئے نظریے اپنے سامنے رکھ کر ہمیں آج ہی اس کی طرف سچے دل سے لگ جانا چاہئے۔

ببل بھائی مہتا، تھامنا (گجرات)

بنیادی تعلیم کے لئے حرفہ کا انتخاب

بنیادی تعلیم کس حرفہ کے ذریعے دی جائے اس پر اکثر بحث ہوا کرتی ہے میری رائے میں اگر نیچے لکھی ہوئی باتوں کو سمجھ لیں تو ہم اس بحث کو بہت کم کر سکتے ہیں:

(۱) حرفہ سے جو چیزیں پیدا ہوں وہ ایسی ہوں جو بڑی تعداد میں لوگوں کی زندگی میں ضروری ہوں اور اس ضرورت کو ہم جائز بھی سمجھتے ہوں۔ یا اگر انھیں لوگ آج بہت ضروری نہ سمجھتے ہوں تو وہ ہماری نگاہ میں ایسی ہونی چاہئیں جن کی ضرورت لوگوں میں پیدا کرنا ان کے لئے مفید ہو۔

(۲) اس کے علاوہ یہ ضرورتیں زندگی کے لئے اتنی اہم ہونی چاہئیں کہ ان کے کاروبار میں لوگوں کی ذاتی نفع خوری کی نیت کو برا سمجھا جائے یعنی ان پیشوں کو یا تو سرکار چلائے یا کوئی اور جماعت یا کوئی ایک شخص ہی اپنی طرف سے کیوں نہ چلائے، ہر صورت میں اس کے نفع پر پابندی عاید کرنا ہم ضروری سمجھیں گے اور ان کو سرکاری صنعت بنانا ہی بہتر ہوگا۔

(۳) ان چیزوں کے بنانے میں بچوں کی طاقت سے کام لینا ممکن ہونا چاہئے۔

(۴) اور اس طرح کام کرنے سے بچوں کے جسم، دل اور دماغ، اخلاق وغیرہ کو نقصان نہ پہنچے بلکہ اس سے اور فائدہ پہنچتا ہو۔

(۵) اس حرفہ کے ذریعے تعلیم دینے میں بچوں کے لئے بہت آسانی ہونی چاہئے۔ چوتھی اور پانچویں شرطوں کا مطلب یہ ہے کہ وہ حرفہ ایسا کام نہ ہو جو بالکل میکانکی[1] ہو۔

(۶) ان ساری شرطوں کے ساتھ اس حرفہ کو چلانے کے لئے اتنی گنجائش ہونی چاہئے کہ بچوں کی بنائی ہوئی چیزوں کو اس نرخ سے بیچنا ممکن ہو جس نرخ سے گزر اوقات کی مزدوری (Living wages) کے اصول پر مزدوری کرنے والے کاریگروں کی ویسی ہی بنائی ہوئی چیزوں کی فروخت ہوتی ہو، اور اس طرح وردھا اسکیم کے مطابق استاد کی تنخواہ نکالنا ممکن ہو۔

ان سب شرطوں کو اکٹھا کرکے غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ بنیادی تعلیم میں بہت سی قسم کے حرفوں کے لئے گنجائش نہیں ہے اور پھر تعلیم میں حرفہ کی کیا حیثیت ہو، اس کے بارے میں اگر ہمارا ذہن صاف ہو تو بنیادی مدرسوں میں طرح طرح کے حرفوں کو جگہ نکالنے کی ضرورت بھی نہ ہو۔

اس وقت جو چھ شرطیں بیان کی گئی ہیں، ان کی بنا پر میں بعض حرفوں کا امتحان لینا چاہتا ہوں:

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو سب سے اونچے تین پیشے نظر آتے ہیں: (۱) کھیتی باڑی (۲) مویشی پالنا اور (۳) کتائی بنائی۔ ان تینوں میں اگرچہ کھیتی باڑی ہماری زندگی کا سب سے بڑا روزگار ہے، پھر بھی اس کے ذریعہ بنیادی مدرسے چلانے میں نیچے لکھی ہوئی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

(۱) کھیتی کا پیشہ ایسا نہیں ہے جسے بہت سے بچے تھوڑے سے بڑی عمر کے لوگوں کی مدد سے کر سکیں، بلکہ اس میں بہت سے بڑوں کے ساتھ مل کر ہی تھوڑے بڑے لڑکے کام کر سکتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اس میں تیسری شرط (بچوں کی طاقت کو کام میں لانے کی گنجائش) اچھی طرح پوری نہیں اترتی ہے۔

(۲) ملک کی موجودہ حالت میں ایسے علاقے بہت کم ہیں جہاں کھیتی کا کام بارہ مہینے چل سکتا ہو۔ ایسا کرنے کے لئے بارہو مہینے پانی کی سہولت ہونی چاہئے لیکن یہ سہولت بہت کم ممکن ہے۔

(۳) جن جگہوں پر یہ سہولت نہیں ہے، وہاں یہ دیکھا جاتا ہے کہ اگر سرکار یا زمیندار کی نفع خوری کو بند بھی کر دیا جائے پھر بھی صرف کھیتی کے سہارے خود کسان کو اپنی گزر کرنا مشکل ہے۔ صرف بارش کے پانی پر کھیتی کرنے والے ہر ایک کسان کو کھیتی کے ساتھ دوسرا کام بھی کرنا ہی ہوگا یعنی جہاں کھیتی کے ذریعہ تعلیم دینا طے ہوا ہو وہاں ایک اور حرفہ سکھانا بھی ضروری ہوگا۔

ان مشکلوں کی بنا پر صرف کھیتی کے ذریعہ پڑھائی کے مدرسے کم ہی چلائے جا سکیں گے۔ بہت سے مدرسے کھیتی کو بنیادی حرفہ نہ بنا سکیں گے۔

[1] "ماڈرن ریویو" کے جنوری کے پرچے میں رامانند چیٹرجی صاحب نے پوچھا ہے کہ مشین کے (Machine) اور میکانکی (Mechanical) کام سے وردھا اسکیم میں کیا مطلب ہے۔ میں میکانکی کا مطلب یہ سمجھتا ہوں جیسے ایک خودعمل (Automatic) چھاپہ خانہ پر ایک طرف کاغذوں کا ڈھیر رکھ کر مشین کو چلاتے رہنے سے دوسری طرف چھپے ہوئے کاغذوں کا ڈھیر لگ جاتا ہے۔ اس مشین سے اور کوئی کام نہیں لیا جا سکتا۔ اسی طرح ایک آدمی کو ایک ہی کام میں لگائے رکھنا اس سے میکانکی کام کرانا ہے، چاہے وہ ہاتھ سے ہوتا ہو یا کسی طاقت سے چلنے والی مشین سے۔ مثال کے طور پر دیاسلائی کی ڈبیہ میں دیاسلائی بھرتے رہنا یا اس کی ڈبیہ پر مہر لگاتے رہنا یا تیار چادروں کو مشین کے اندر دبا دبا کر نکالتے رہنا وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح بھاپ یا بجلی وغیرہ سے چلنے والی کلوں کے لئے مشین کا لفظ استعمال کرنے سے اس بحث کے کم ہونے کا امکان ہے۔

کھیتی کے بعد ہم مویشی پالنے کے کام پر غور کریں گے۔ اس میں اگرچہ بچوں کی طاقت کے استعمال کی زیادہ گنجائش ہے، پھر بھی ایک مدرسے میں جتنے بڑی عمر کے اشخاص رکھے جا سکتے ہیں (یعنی ۲ یا ۳ استاد اور قریباً ۲۰۰ بچے) اتنے سے یہ کاروبار چلانا ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ ساتھ ہی یہ کام ایسا ہے کہ جس کے لئے بہت سویرے اور شام کے بعد بھی کام کرنا ضروری ہوگا۔ اس کے لئے بھی کافی زمین اور پانی کی سہولت درکار ہوگی، اس لئے ایک گروکل کی طرح چلنے والے مدرسہ میں تو اس کی گنجائش نکل سکتی ہے، لیکن عام مدرسوں میں اس کا انتظام مشکل ہے۔

پھر اس کے بعد بڑھئی، لوہار اور کمہار کے کام سامنے آتے ہیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ان پیشوں سے پیدا ہونے والی چیزوں کی کھپت آج کی مانگ سے بڑھ بھی جائے، پھر بھی وہ زندگی کی ایسی ضرورتیں نہیں ہو سکتیں کہ جن میں لاکھوں بچوں کی طاقت لگانا ممکن ہو۔ یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب ایسا قانون بھی بنایا جائے کہ جو چیزیں بچے بنا سکتے ہیں ان کے بنانے کی اجازت بڑوں کو نہ ہو۔ اگر اسے ناممکن مانیں تو ان پیشوں میں بچوں اور بڑوں کی برابری ہو بھی نہیں ہو سکتی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں چھٹی شرط (گھاٹا نہ ہو) پوری نہیں ہوتی ہے، اس لئے ان کے مدرسے بھی کچھ نمونے کے طور پر یا مددگار پیشوں ہی کی طرح چل سکیں گے۔

پھر ان حرفوں کی تلاش کی جا سکتی ہے جن میں بھاپ، بجلی وغیرہ کی طاقت سے یا ہاتھ پاؤں سے چلنے والی مشینوں کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہاں مشین اور بے مشین کی بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم صرف اتنا ہی دیکھیں کہ اوپر لکھی ہوئی شرطیں پوری ہو سکتی ہیں یا نہیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ کپڑے سینے یا خراد (lathe) جیسی مشینوں کے ذریعے چلنے والے کچھ کاموں کی اس میں گنجائش ہے، بشرطیکہ ان کاموں کے چھوٹے چھوٹے حصے کئے بغیر بھی وہ بلا گھاٹے کے چلائے جا سکیں۔ اکثر ایسی مشینوں کے ذریعے چلنے والے کاموں میں چھوٹے چھوٹے کاموں کی تقسیم کے لئے بہت گنجائش رہتی ہے اور اسی طریقے سے خانگی پیشہ والے لوگ انھیں سستا بنا سکتے ہیں۔ لیکن یوں کرنے سے کاریگر صرف میکانکی کام کرنے والا بن جائے گا۔ تعلیمی نقطۂ نظر سے یہ مناسب نہیں ہے، اور ایسا نہ کرنے سے بچوں کی مدد سے چلنے والے کاموں کا بڑی عمر والوں کے دیسے ہی کاموں کے مقابلے میں ٹھہرنا مشکل ہے۔

اس لئے جہاں تک آج ہماری سمجھ میں آتا ہے وہ یہ کہ عام طور پر مدرسوں میں چلانے کے لائق حرفوں میں سب سے پہلا درجہ کھادی کے کام کا ہی آتا ہے۔

کشور لال مشرو والا

بنیادی دستکاری کے سلسلے میں کتائی کی اہمیت

ہم یہ مان لیتے ہیں کہ بنیادی تعلیم محنت و کوشش کے ساتھ دینی سب سے اہم ہے۔ اب ہمیں یہ سوچنا ہے کہ طرح طرح کی بنیادی دستکاریوں میں سے ایسی ایک دستکاری کے سلسلے میں کتائی کا کیا درجہ ہے۔

بعض لوگ کھدر اور کتائی کے نام ہی سے گھبراتے ہیں۔ کئی برس سے کھدر کے رواج کی تحریک کے باعث، جہاں کچھ لوگوں کو اس سے محبت ہو گئی ہے، وہاں کچھ لوگوں کے دلوں میں اس سے نفرت بھی پیدا ہو گئی ہے۔ سرکار بھی اس کے برخلاف رہی ہے۔ بعض ماہرین مالیات بڑی بڑی حکمتوں کے ذریعے اس پراگندگی اور انتشار کے زمانے میں کھادی کو پرانے زمانے کی کبھی زندہ نہ رہنے والی ایک نکمی چیز مانتے ہیں۔ ہمارے تعلیم یافتہ لوگ اسے پاگلوں کا ایک خبط سمجھتے ہیں۔ ان اسباب کی بنا پر اور دیگر وجوہ سے آج ملک میں کھدر کا مخالف ایک گروہ موجود ہے۔ نئی تعلیم کو پسند کرنے والے لوگوں میں بھی بعض لوگ چاہتے ہیں کہ اس کا کام کسی دوسری دستکاری کے ذریعے ہو تو کوئی ہرج نہیں لیکن کسی طرح کتائی کی آفت سے بچنا ہی چاہئے۔ شہری لوگ کہتے ہیں کہ آپ دیہاتی مدرسوں میں اسے بھلے ہی رکھیں لیکن شہری اسکولوں میں تو اسے قطعی جگہ نہیں ملنی چاہئے۔ حکومت ہند کے Central Advisory Board کو بھی یہ لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ تعلیم میں محض کتائی اور بنائی ہی بنیادی دستکاری نہ ہو بلکہ تعلیم کے لائق دیگر دستکاریوں کا رواج بھی دیا جا سکتا ہے لیکن اس بات سے انکار کس نے کیا تھا؟ دوسروں کی بابت کیا کہیں خاص ذاکر حسین کمیٹی نے بھی اپنی رپورٹ میں کتائی کی دستکاری کا ذکر اپنی زبان سے، تھوڑا خلاصہ کرتے ہوئے، یوں کیا ہے: "بطور مثال کے" — دیگر دستکاریوں کا بھی رواج دے سکتے تو بڑی خوشی ہوتی۔ دیگر دستکاریوں کا کچھ گنائی بھی ہیں، (بھی رواج ہو سکتا ہے۔ وغیرہ)۔

خیر آپ کتائی سے اتنے ناراض ہیں، تو وہ بے چاری ڈرتے ڈرتے آپ کے پاس آئے گی۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر وردھا اسکیم کے مطابق ملک بھر میں بڑے پیمانے پر تعلیم کا انتظام کرنا ہے۔ تو بنیادی دستکاری کی شکل میں کتائی کا سہارا لئے بغیر ہمارا کام نہیں چل سکے گا۔ بنیادی اسکیم کے چلانے میں بڑا استقلال اور صبر چاہئے۔ اس خیال سے کھیتی کو پہلا درجہ دینا ہوگا۔ لیکن اسے بہت سے مدرسوں میں داخل کرنا مشکل بلکہ غیر ممکن ہے۔ زراعت کا کام بہت ہی محنت کا ہے، جو چھوٹی عمر کے بچوں سے نہیں لیا جا سکتا۔ پورے مدرسے کے قریباً دو سو لڑکوں کو کام پر لگانے کے لئے بہت زمین چاہئے۔ اس کا ملنا مشکل ہے۔ مکان، اوزار وغیرہ بھی بہت زیادہ چاہئیں۔ جانور، پودے وغیرہ زندہ چیزوں کی رکھوالی کرنا اور ان کا سنبھالنا بھی بہت تردد کا کام ہے۔ جہاں آب پاشی کے ذرائع موجود نہیں ہیں وہاں قدرتی بارش کے بھروسے پر کھیتی کرنا اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنا ہے۔ اس لئے کھیتی کا کام پہلے پانچ درجوں کے لئے ناممکن ثابت ہوگا۔ اور بہت ہی کم مدرسوں میں رواج بھی پا سکتا ہے۔

کچھ مدرسوں میں لکڑی کا کام، چمڑے کا کام، مٹی وغیرہ کے برتن بنانے کا کام اور ایسے کچھ دوسرے کام بنیادی دستکاری کے سلسلے میں رکھے جا سکیں گے۔ مگر ان کا رواج محض تھوڑے سے اسکولوں میں ہو سکے گا۔ ان کے لئے کتائی کے برخلاف سامان بھی کافی چاہئے۔ ان کے استقلال اور صبر کی قوت کو بھی عزت کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے۔ اس کے علاوہ ان دستکاریوں کے بارے میں ایک دوسری بڑی رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ اس نئی تعلیم میں تیار شدہ لڑکا آگے چل کر اپنی بنیادی دستکاری کے علاوہ دوسری کوئی دستکاری بھی آسانی سے سیکھ سکے گا۔ اور آج کل کی نری کتابی پڑھائی کے برخلاف وہ اپنے مبارک ہاتھوں سے دوسری دستکاری کے کاموں میں اور ضرورت پڑنے پر بے شک بڑے بڑے پر حکمت کاموں کے لئے بھی بہت ہی لائق و فائق سمجھا جائے گا۔

ساتھ ہی ساتھ اس نئی تعلیم کا منشا یہ بھی ہے کہ اگر ایسے لڑکے کو کوئی دوسرا مفید کام نہ مل سکے تو اپنی سیکھی ہوئی بنیادی دستکاری کے ذریعے اسے اپنا پیٹ بھر ہی لینا چاہیے۔ ہندوستان کے کروڑوں لوگوں کے لئے اپنا گاؤں چھوڑ کر باہر جانا اور وہاں بس کر دوسرے دوسرے پیشوں کے ذریعے اپنی گذر کرنا غیر ممکن ہے۔ بہتوں کو اپنے گاؤں کے دھندوں میں مصروف رہنا پڑے گا۔ دیہات میں کھیتی کے علاوہ دوسرے کاموں میں مثلاً بڑھئی، لوہاری، کمہاری وغیرہ میں ایسے گنے لوگ ہی رہتے ہیں اور ان میں بہت تھوڑے ہی لوگوں کو کام مل سکتا ہے۔ خرچ کے لحاظ سے بھی دیہاتی اسکولوں میں مختلف دستکاریوں کا انتظام کرنا ناممکن ہے۔ سوچیے کہ اگر کسی ایک مدرسہ میں لکڑی کی یا مٹی کے برتنوں کی یا چمڑے کی دستکاری رکھی گئی تو گاؤں کے سب کے سب پڑھنے والے بڑھئی یا کمہار یا چمار بن کر کیا کریں گے! اتنے لوگوں کو ان دھندوں میں کام کرنے کی گنجائش کہاں ہے؟ اس کے علاوہ ضلع کے سینکڑوں اسکولوں میں ان دستکاریوں سے بہت بڑی تعداد میں گتے کا، لکڑی کا، مٹی کا، چمڑے وغیرہ کا جو سامان بنے گا اس کی کھپت کیسے ہوگی؛ جس چیز کی سماج کو ضرورت نہیں ہے اس کو اتنے بڑے پیمانے پر بنا کر کیا کریں گے، پروجیکٹ میتھڈ میں تو پروجیکٹ کا کام ختم ہو جاتے پر اس سے بنی ہوئی چیز کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ وہ توڑ پھوڑ کر پھینک دی جا سکتی ہے مگر نئی تعلیم میں تو محض مفید ہی چیزیں بنائی ہیں۔ اس لئے اس تعلیم میں ہم کو دیہات میں چل سکنے والے مفید کاموں کا اور بنی ہوئی چیزوں کے استعمال کا خیال کر کے ہی بنیادی دستکاری کا رواج دینا ہوگا۔

ان سب باتوں کو دھیان میں لانے سے یہ صاف ظاہر ہو جائے گا کہ محض کتائی کی دستکاری ہی ایک ایسی چیز ہے جس میں کم سے کم رکاوٹیں ہیں۔ اس میں قوت استقلال اور طرح طرح کے مضمونوں کا تعلق تو ہے ہی لیکن اس میں دوسرے پیشوں کی بہ نسبت سامان بھی کم چاہیے۔ اس سے بنی ہوئی چیز یعنی کپڑا سب کے لئے ضروری ہے۔

اس میں کروڑوں آدمی، مرد عورت، لڑکے لڑکیاں، چھوٹے بڑے، سب کام میں لگ سکتے ہیں۔ دوسرے دھندے والے بھی اسے بطور سہارے کے کر سکتے ہیں۔ اتنی آسانی کسی دوسرے کام میں نہیں پائی جاتی ہے۔ کتائی کی مخالفت میں ماہرین تعلیم کا ایک یہ بھی کہنا ہے کہ ایک ہی دستکاری سے بچے اکتا جائیں گے، مدرسوں میں مختلف دستکاریوں کا رواج ہونا چاہیے تاکہ ان میں سے بچے اپنے میلان اور دلچسپی کے مطابق کام چن سکیں۔ دراصل کتائی کے بارے میں جو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس میں تنوع نہیں ہے غلط ہے۔ کپاس سے لے کر کپڑا بنانے تک اتنے مختلف درجے کے کام ہیں کہ باوجودیکہ یہ ایک سادہ معمولی دستکاری ہے پھر بھی اس میں مختلف شکلیں ہیں۔ اس کے علاوہ کسی ایک بچے کی پڑھائی میں آخر تک بنیادی پڑھائی تو ایک ہی رکھنی ہوگی۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ دیہاتی مدرسوں میں مختلف رجحانات کے لڑکوں کے لئے، خرچ کے لحاظ سے بھی مختلف قسم کی دستکاریوں کا رکھنا غیر ممکن ہے، کیونکہ سات لاکھ دیہاتوں کا سوال ہے۔ ہمیں اپنا کام اپنی غریبی کے ہی حساب سے نبھانا ہوگا۔ ماہرین تعلیم کی تسلی کے لئے ہم یورپ کے دھنی ملکوں کی باتیں اپنے یہاں کیسے چلا سکیں گے۔

میرے خیال میں تو بہت سے دیہاتی اسکولوں میں پہلے پانچ درجوں میں بنیادی دستکاری کتائی ہی رکھی جا سکے گی۔ چھٹے اور ساتویں درجے میں بنائی اور کھیتی کا انتظام بھی کیا جا سکے گا جن میں سے طالب علم اپنے میلان اور ضرورت کے مطابق کوئی ایک حرفہ چن سکے گا۔ کھیتی میں پھل پھول بھی اگانا شامل ہے۔ شہر میں آدمیوں کی تعداد کی زیادتی کے لحاظ سے بہت سے اسکول ہو سکتے ہیں جن میں سے کسی میں کتائی، کسی میں لکڑی کا کام، کسی میں چمڑے کا کام وغیرہ مختلف دستکاریوں کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔

میرے خیال سے دیہاتی پیشوں میں کھدر کے کام کو جو اہمیت اور فضیلت حاصل ہے وہی بنیادی دستکاریوں میں کتائی کو ہے۔ اس لئے اس کی عزت ہونی چاہیے نہ کہ نفرت۔

شری کرشن داس جاجو

بنیادی حرفہ: کتائی

(مزدوری کیسے نکالی جائے؟)

اب نمونہ نمبر ۴ یعنی مزدوری کے نقشے کا خلاصہ کرنا چاہیے۔ نمونہ نمبر ۴ جنوری کے پرچے میں آ چکا ہے۔ اس مضمون کو پڑھتے وقت وہ نمبر اپنے سامنے رکھنے سے سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

نمونہ نمبر ۴ میں ۱۶ خانے ہیں۔ پہلے خانے میں جس کے سوت کی مزدوری نکالی جائے گی اس کا نام لکھا جاتا ہے۔ باقی خانوں میں سوت کی مزدوری نکالنے کے لئے ضروری باتیں جیسے سوت کا وزن، نمبر، مضبوطی وغیرہ اور مزدوری لکھی جاتی ہے۔ سوت کا وزن جاننے کے لئے اس کو تولنے کے علاوہ ہمیں اور کچھ کرنا نہیں پڑتا ہے۔ سوت کا جتنا وزن تولوں میں ہوگا اتنا ہم دوسرے خانوں میں لکھیں گے۔ ۳، ۴، ۵ خانے سوت کا نمبر جاننے کے لئے ہیں۔ سوت کا نمبر جو لمبائی اور وزن سے معلوم کیا جاتا ہے اب سوت کے ماہروں کو معلوم ہے۔ عام طور سے مدرسوں میں تو لچھیاں ۱۶۰، ۳۲۰ یا ۶۴۰ تاروں کی بنائی جائیں گی، اس لئے ان کا وزن کر کے اس حساب سے ہم نمبر نکال سکتے ہیں۔ پھر بھی تار گننے میں غلطی ہو سکتی ہے اور ہمیں تو حرفے کی مزدوری ٹھیک طور پر یعنی بازار میں اس کی جو مزدوری مل سکتی ہے، نکالنی ہے۔ طالب علموں کا کاتا ہوا سوت ہے یا مدرسہ کا حرفہ ہے اس لئے کوئی بڑھیا قیمت یا کم سے کم بھاؤ نہیں لگانا ہے۔ اس لئے چرخہ سنگھ مزدوروں کو مزدوری دینے کے لئے جس طرح مزدوری نکالتا ہے اسی طرح ہمیں مزدوری نکالنی چاہیے۔ جب کوئی مزدور سوت لے کر چرخہ سنگھ کے مرکزوں میں مزدوری لینے کے لئے جاتا ہے تو وہاں اس کا سوت تولا جاتا ہے، پھر اس سوت سے موٹے اور خراب سوت کی لچھی نکال لی جاتی ہے۔ اس لچھی میں سے سو تار لئے جاتے ہیں۔ ان کا وزن کر کے نمبر نکالا جاتا ہے

جو نمبر نکلتا ہے وہی پورے سوت کا نمبر مان کر مزدوری دی جاتی ہے۔ نمبر کے ساتھ ساتھ سوت کی مضبوطی بھی دیکھی جاتی ہے۔ پورے سوت میں سے موٹے اور خراب سوت کی کمی کے نمبر اور مضبوطی کے مطابق مزدوری دینے کا مطلب یہ ہے کہ کاتنے والے یکساں اور مضبوط سوت پر خاص دھیان دیں کیونکہ یکساں اور مضبوط سوت پر ہی کپڑے کا دیر پا ہونا منحصر ہے۔ طالب علموں کے سوت کی مزدوری بھی ان کے سوت میں سے موٹے اور خراب سوت کے حساب سے نکالی جانی چاہئے۔ لیکن شروع کے دو مہینے تک اس میں تھوڑا سا فرق کرنے سے ہرج نہیں ہوگا۔ ایک طرح سے فرق کرنا ٹھیک بھی ہے۔ شروع شروع میں طالب علموں کے سوت میں کافی ناہمواری ہوگی کیونکہ وہ کاتنا ابھی سیکھے ہیں۔ ان کے سوت میں دن بدن ترقی ہوتی رہے گی۔ ایسی حالت میں ان کے سوت سے موٹا اور خراب سوت لے کر مزدوری نکالنی غلط ہوگی۔ مزدور سوت کاتنا جانتا ہے۔ وہ کہیں لاپرواہی نہ کرے اس وجہ سے موٹے اور خراب سوت پر مزدوری دینے کا طریقہ چرخہ سنگھ کو اختیار کرنا پڑتا ہے لیکن جب تک طالب علم سیکھتے ہیں اس وقت تک یعنی پہلے دو ماہ تک ـــ مزدوری کا قانون ان پر اتنی سختی کے ساتھ لگانا مناسب نہ ہوگا۔ اس لئے طالب علموں کے سوت میں بہت خراب سوت لینے کی بجائے معمولی اوسط سوت لے کر اس میں سے ۱۰۰، ۱۲۵ تار گن کر ان کا وزن کر کے نمبر نکالنا چاہئے۔ یہ بات ۳، ۴، ۵ خانوں میں بتائی گئی ہے۔ تیسرے خانے میں ۱۲۴ تار ہیں۔ ان کا وزن چوتھے خانے میں سترہ آنے بھر لکھا ہے۔ ۱۲۴ کو ۱۷ سے تقسیم کرنے پر $7\frac{1}{2}$ کے قریب آئے۔ یہی سوت کا نمبر ہے جس کو پانچویں خانے میں لکھا گیا ہے۔

نمبر کے بعد سوت کی مضبوطی معلوم کرنی چاہئے۔ مضبوطی کے لئے ایک فٹ لمبے چھ پھیرے یعنی کل ۱۲ فٹ سوت ہر عمل میں لیا جاتا ہے۔ ایسے تین عمل کئے جاتے ہیں۔ مضبوطی معلوم کرنے کا مطلب سوت کی طاقت جاننا ہے۔ اس لئے ایک فٹ لمبائی کے ۶ پھیروں کی انٹی میں پلہ لٹکا کر وزن رکھتے جاتے ہیں یہاں تک کہ سوت ٹوٹ جاتا ہے۔ جتنے وزن پر سوت ٹوٹتا ہے وہ وزن تولوں میں لکھا جاتا ہے۔ ۶، ۷، ۸ خانوں میں تینوں تجربوں کا وزن الگ الگ لکھا ہے۔ ان تینوں عملوں کے وزن کو جوڑ کر اوسط نکالا جاتا ہے، وہ اوسط وزن نویں خانے میں لکھتے ہیں۔ مضبوطی کے عمل کے لئے جو ۱۲ فٹ سوت لیا گیا تھا اسی ۱۲ فٹ سوت کا نمبر جاننا اچھا ہوتا ہے۔ ۱۲ فٹ سوت ہی کا نمبر دکھلانے والا ایک آلہ ہوتا ہے جس کو انگریزی میں کاؤنٹر (Counter) کہتے ہیں۔ اس کی قیمت پچاس روپیے کے قریب ہوتی ہے لیکن ہر جگہ کاؤنٹر رکھنا ممکن نہیں ہے اور نہ تو اس کی خاص ضرورت ہی ہے۔ جو ترازو سنار استعمال کرتے ہیں ویسے ہی کانٹے اور باٹ کا استعمال کرنے سے ۱۲ فٹ سوت کا بھی وزن معلوم کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اتنا بھی ممکن نہ ہو تو پانچویں خانے میں جو نمبر ہم نے تیسرے اور چوتھے خانوں پر سے نکالا ہے وہی نمبر مان کر اس حساب سے مضبوطی نکالنی چاہئے۔ جو مضبوطی آئے گی، وہ دسویں خانے میں لکھی جائے گی۔ مضبوطی نکالنے کا پورا طریقہ اور اس کے حساب کی اصولی باتوں میں پڑنا ٹھیک نہیں ہوگا۔ لیکن یہاں مضبوطی کا مروجہ قاعدہ لکھ دینا ہی مناسب ہوگا یعنی :-

$$\frac{\text{وزن تولوں میں} \times \text{نمبر}}{۳۶} = \text{مضبوطی}$$

یہ قاعدہ کلیہ ہے۔ چھٹے، ساتویں اور آٹھویں خانے میں ۲۳۴ + ۱۲۴ + ۱۳۴ ایسے تخمینے ہیں۔ ان کا مجموعہ ۴۹۲ ہوتا ہے۔ ۴۹۲ ÷ ۳ = ۱۶۴ اوسط نکلا۔ وہ نویں خانے میں لکھ دیا گیا ہے۔

$$\frac{\text{۱۶۴ اوسط وزن} \times \text{۷ نمبر (پانچویں خانے کا)}}{۳۶}$$

$$= \frac{۱۱۴۸}{۳۶}$$

$= ۳۱\frac{۳۲}{۳۶}$ یعنی ۳۲ کس یا مضبوطی

وہ دسویں خانے میں لکھا گیا ہے۔ (نمونہ نمبر کے ساتویں خانے میں ۲۳۴ کے بدلے ۱۲۴ چاہئے اور دسویں خانے میں $\frac{1}{2}$ ۳۲ کے بدلے ۳۲ ہونا چاہئے۔) ۳۲ مضبوطی کا مطلب فی صدی مضبوطی کا تیسواں حصہ ہے۔

سوت کا وزن، نمبر اور مضبوطی جاننے کے بعد مزدوری نکالی جاتی ہے۔ سوت کی مزدوری کس شرح سے نکالی جائے یہ سوال پیدا ہونا لازمی ہے کیونکہ آج مختلف صوبوں میں سوت کی مزدوری الگ الگ ہے۔ ہمارے مدرسوں میں جو سوت ہوگا اس کی کھادی اور چرخہ سنگھ کی کھادی کا بھاؤ تو ایک ہی رکھنا ہوگا۔ اس لئے ہر ایک صوبے میں وہاں کے چرخہ سنگھ کی مزدوری کی جو شرح ہوگی اسی کے مطابق مزدوری نکالی جائے۔ یہی تجارتی طریقہ ہے۔

مختلف مدرسوں کے تجربوں کی مثال دینے اور نصاب میں دیے ہوئے کام کی مثال سے ہماری کیا ترقی ہوئی ہے، یہ جاننے کے لئے نصاب میں دیے ہوئے نرخ کے مطابق (صرف واقفیت کے لئے) مزدوری نکالنا اچھا ہوگا۔ نصاب میں دیئے ہوئے نرخ سے ہمارا اشٹر چرخہ سنگھ کے مروجہ نرخ بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ مروجہ نرخ کو نئی شرح اور نصاب میں دیے ہوئے نرخ کو پرانی شرح کہیے۔ ان دونوں کو نیچے درج کیا جاتا ہے :-

سوت کا نمبر	کتائی کی نئی شرح: تیار پونی سے	کتائی کی نئی شرح: روئی خود دھن کر	روئی دھن کر کتائی کی پرانی شرح
۶	۱۲ر	ا۲ر	۱۰ر
۷	۱۵ر	ا۵ر	۱۲ر
۸	ا۲ر	ا۸ر	۱۴ر
۹	ا۵ر	ا۱۱ر	عہ ر
۱۰	ا۸ر	ا۱۴ر	ا۲ر
۱۱	ا۱۱ر	ع۳ر	ا۴ر
۱۲	ا۱۴ر	ع۶ر	ا۶ر
۱۳	ع۱ر	ع۹ر	ا۸ر
۱۴	ع۴ر	ع۱۲ر	ا۱۰ر
۱۵	ع۷ر	ع۱۵ر	ا۱۱ر
۱۶	ع۱۰ر	ے۲ر	ا۱۲ر

نوٹ :- (۱) پہلی دو جماعتوں میں ۱۶ نمبر سے زیادہ کا سوت نہیں کاتا جا سکتا

اس لئے اس سے زیادہ نمبر کے سوت کی مزدوری کی تشریح یہاں نہیں کی گئی۔ کوئی طالب علم ۱۶ نمبر کا سوت کاتے بھی تو اس کی مزدوری ۱۶ نمبر کی شرح ہی سے دینی چاہیئے۔

(۲) ۶ نمبر سے نیچے کے سوت کی مزدوری بھی نہیں دی جاتی ہے کیونکہ پونی کی قیمت اتنی ہوتی ہے کہ اس میں سے ۶ نمبر سے نیچے کے سوت کی کتائی دینے کی گنجائش نہیں رہتی۔

(۳) مزدوری کا حساب لگاتے وقت ½ یا اس سے زیادہ کو پورا نمبر گن جاتا ہے یعنی ½ ۷، یا ¾ ۷ کو ۸ نمبر مان کر مزدوری نکالی جائے گی۔ آدھے سے کم کو چھوڑ دیا جاتا ہے یعنی ¼ ۷ نمبر کو ۷ نمبر کی مزدوری ملے گی۔

گیارھواں خانہ مزدوری کا ہے۔ اس مزدوری کو ہم حسابی مزدوری کہیں گے۔ حساب سے نکالی ہوئی مزدوری کا نام حسابی مزدوری ہے اور اس میں سے خراب سوت لوٹ پھوٹ نکال کر جو مزدوری آئے گی اسے ہم شرحی مزدوری کہتے ہیں۔ نمونہ نمبر ۴ میں پہلے سوت کا وزن ۲۱ تولہ ہے اور نمبر ½ ۷ ہے۔ ۸ نمبر کے سوت کا بھاؤ ۶/۵ سیر ہے۔ حساب سے ۲۱ تولے کی مزدوری ۵/۰ ر ہوتی ہے۔ اس کو گیارھویں خانے میں لکھی گئی ہے۔ حسابی مزدوری یہ سمجھ کر نکالی جاتی ہے کہ سوت سب کا سب اچھا ہے لیکن مضبوطی کے مطابق اس میں کمی ہوگی۔ مضبوطی کے مطابق ترمیم میں مختلف جگہ مختلف طریقے اختیار کئے جاتے ہیں۔ ہر ایک صوبے کے چرخہ سنگھ کی اسکیم کے مطابق اس بارے میں بھی سوچنا ہوگا۔ مہاراشٹر چرخہ سنگھ کے نئے نرخ جہاں رائج ہیں وہاں کے لئے نیچے کی مثالوں میں ترمیم کرنا ٹھیک ہوگا۔ ۶۰ یا ۶۰ سے اوپر جس سوت کی مضبوطی ہو اس کی مزدوری میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ ۵۰ سے ۵۹ تک کی مضبوطی کے لئے ۱۶ کی مزدوری کے ساتھ ۲ ر یعنی ⅛ کمی، ۴۰ سے ۴۹ تک کے لئے ۱۶ کی مزدوری کے ساتھ ۴ ر یعنی ¼ کمی اور ۳۰ سے ۳۹ تک کے لئے ۱۶ مزدوری کے ساتھ ۸ ر یعنی ½ کمی کی جاتی ہے۔ ۳۰ سے نیچے کی مضبوطی والے سوت کی مزدوری نہیں دی جاتی۔ نمونہ نمبر ۴ کے پہلے سوت کی مضبوطی ۳۲ آتی ہے اس لئے مندرجہ بالا اصول کے مطابق ہر روپے میں ۸ ر یعنی ½ کمی کی جائے گی۔ ۵/۰ ر کی آدھی یعنی ۲ ر ۹ پائی کمی ہوئی۔ یہ سوت کمی کے بارھویں خانے میں لکھا گیا ہے۔ جہاں پر نصاب میں دیے ہوئے نرخ کے مطابق مزدوری نکالی جاتی ہے، وہاں اوپر کی کمی کی رو سے آدھی کمی کی جائے یعنی ۵۰ سے ۵۹ تک کے لئے ۱/۱۶، ۴۰ سے ۴۹ تک کے لئے ⅛، اور ۳۰ سے ۳۹ تک کے لئے ¼ کمی کی جائے۔

سوت کی کمی کے بعد ٹوٹ کا خانہ ہے۔ ٹوٹ کا مطلب فروری کے پرچے میں بتلایا گیا ہے۔ جتنے تولے ٹوٹ آئی ہو اتنے تولے تیرھویں خانے میں لکھے جائیں گے اور چودھویں خانے میں ٹوٹ کے لئے جو کمی کرنی چاہیئے وہ لکھی جائے۔ جو ٹوٹ آتی ہے وہ پونی کی ہوتی ہے۔ پونی کی قیمت کے حساب سے ٹوٹ کی کمی کا حساب کیا جاتا ہے۔ عام طور سے ۱۲ - ۱۶ نمبر تک کے سوت کاتنے کے قابل پونی کی قیمت ۱۱/۴ فی سیر (۸۰ تولہ) ہوتی ہے یعنی ایک تولے کا ایک پیسہ ہوا۔ اس حساب سے جتنے تولے ٹوٹ ہوگی اتنے پیسے ٹوٹ کی کمی کے خانے میں لکھے جائیں گے۔ نمونہ نمبر ۴ کے پہلے سوت میں ٹوٹ نہیں ہوئی اس لئے ٹوٹ کی کمی بھی نہیں۔ دوسرے سوت میں ½ ۱ تولہ ٹوٹ ہے تو ٹوٹ کی کمی سوا پیسہ یعنی ۴ پائی لکھی گئی۔ اب گیارھویں خانے کی حسابی مزدوری میں سے سوت کمی + ٹوٹ کمی نکال کر جو مزدوری رہے گی اس کو ہم شرحی مزدوری کہتے ہیں۔ وہ پندرھویں خانے میں لکھی جائے گی۔ نمونہ نمبر ۴ میں پہلے سوت کی حسابی مزدوری ۵/۰ ر میں سے ۲ ر ۹ پائی سوت کمی اور صفر ٹوٹ کمی نکال کر پندرھویں خانے میں ۲ ر ۹ پائی لکھی گئی ہے۔

سولھواں خانہ باقی کا ہے۔ اس میں ضرورت کے مطابق سوت کے بارے میں کچھ لکھ سکتے ہیں۔ باقی کے بارے میں زیادہ کیا لکھیں۔

اوپر لکھا ہوا مزدوری نکالنے کا طریقہ بڑے طالب علموں کے لئے پوری طرح سے عمل میں لایا جا سکتا ہے لیکن پہلی اور دوسری جماعتوں کے بچوں کے سوت کی مزدوری اول کچھ مہینوں تک ذرا کچھ مختلف طریقے سے نکالنے میں آسانی ہوگی کیونکہ شروع میں تو چھوٹے بچوں کا سوت مہینہ بھر میں ۲، ۳ گنڈیوں سے زیادہ نہ ہوگا۔ اُن ۲، ۳ گنڈیوں میں بھی طرح طرح کا سوت ہوگا۔ ایسی حالت میں ہر ایک طالب علم کے سوت کی مزدوری نکالنے کے بجائے پوری جماعت کی مزدوری میں سے ہر ایک لڑکے کی مزدوری نکالی جائے۔ استاد کو کوشش کرنی چاہیئے کہ عام طور سے جماعت کے سب ہی بچے ایک ہی نمبر کا یا اس سے کچھ کم و بیش نمبر کا سوت نکالیں۔ سوت قریب قریب ایک نمبر کا ہو تو ہم اوپر لکھے ہوئے اصول کے مطابق مزدوری نکال سکتے ہیں۔ اگر بچوں کے سوت کے نمبروں میں کافی فرق ہو تو پورے سوت کے نمبر کے خیال سے تین گروہ کر کے ہر ایک گروہ کی اصول بالا کے مطابق مزدوری نکال کر اسے جمع کر لیا جائے۔

پہلی اور دوسری دونوں جماعتوں کے چھوٹے بچوں کی بھی مزدوری اگر الگ الگ نکالنی ہو تو اس قاعدے سے نکال سکتے ہیں:-

ہر ایک طالب علم کے لئے پونی کا ایک ایک بنڈل الگ رکھا جائے اور اٹیرن پر ۱۶۰ - ۳۲۰ ہونے کے بعد لچھی بنائی جائے۔ اس لچھی کا وزن کر کے نمبر نکالا جائے اور حسابی مزدوری نکالی جائے۔ اس کے بعد سوت کو نظر سے دیکھ کر ہی اندازہ لگایا جائے کہ کتنی کمی کرنی چاہیئے۔ ساتھ ہی ساتھ حساب لگایا جائے کہ طالب علم نے کتنا کچرا کیا، اسے ٹوٹ کی کمی میں لکھا جائے۔ حسابی مزدوری میں سے ٹوٹ کی کمی + سوت کی کمی دونوں کو وضع کرنے سے شرحی مزدوری نکلے گی۔ بچوں نے جتنے دنوں میں لچھی کی ہوگی اتنے دنوں میں وہ مزدوری ہوگی۔ اس طرح ہر ایک بچے کی مزدوری نکالنے میں استاد کو نظر سے سوت دیکھ کر سوت کا امتحان کرنے کی مشق ہوگی۔ اس طرح سے بچوں کی نکالی ہوئی مزدوری اور مہینے کے آخر میں پوری جماعت کے سوت سے نکالی ہوئی مزدوری میں جتنا فرق ہوگا اتنا ہی استاد کی (نظر سے سوت کا امتحان کرنے کی) مشق بڑھی ہے۔ ایسا ہم کہہ بھی سکتے ہیں لیکن نظر سے سوت کا امتحان کر کے الگ الگ طالب علم کی نکالی ہوئی مزدوری اندازے کے طور پر ہے۔ تمام جماعت کے سوت سے نکالی ہوئی مزدوری صحیح مزدوری ہے۔

ولبھ بھائی پٹیل

بنیادی تعلیم یعنی تعلیم بذریعہ حرفہ

بنیادی تعلیم کے اصول اور تجربے کو سمجھنے کے لئے ۱۹ جنوری سے ۴ فروری تک تین ہفتوں کے لئے ہندوستان کے مختلف صوبوں سے جو ۵۰ بھائی بہن اکٹھا ہوئے تھے، انھیں تعلیمی پروگرام کے آخری دنوں میں گاندھی جی کے پاس اپنے شکوک کے رفع کرنے کا بھی ایک موقع ملا۔ گاندھی جی کی یہ خواہش تھی کہ ان کے کچھ کہنے کی بجائے یہ اچھا ہوگا کہ جو لوگ تین ہفتوں سے اسی نئی اسکیم پر غور کر رہے ہیں وہ اپنے شکوک اور مشکلات ان کے سامنے پیش کریں اور وہ ان کو دور کریں۔

اس سلسلے میں گاندھی جی کے سامنے بہت سے سوالات پیش کئے گئے۔ ان میں سے اکثر ایسے تھے جو تعلیم سے متعلق نہیں تھے۔ سب سے بڑا سوال جو گاندھی جی کے سامنے پیش کیا گیا وہ بنیادی تعلیم کا تھا یعنی بچوں کو حرفے کے ذریعے تعلیم کیسے دی جائے اور اس نئی تعلیم کے جو استاد بنیں گے انھیں کس طریقے سے تیار کیا جائے۔

ان لوگوں کے ملنے سے پہلے ہی کسی دوست نے گاندھی جی سے کہا تھا کہ عام آدمیوں کا خیال ہے کہ اس تعلیمی اسکیم میں استاد ان باتوں کا طالب علم کے سامنے ذکر بھی نہ کرے گا جو تکلی کے ذریعے سکھائی جانی ناممکن ہوں گی۔ اس کا بیان کرتے ہوئے انھوں نے کہا ـــ یہ تو سراسر میری بدنامی ہے۔ میں نے یہ ضرور کہا تھا کہ جو بھی تعلیم بچوں کو دی جائے وہ کسی حرفے کے ذریعے دی جائے۔ جب ۹، ۱۰ سال کے کسی بچے کو آپ اس طرح کسی حرفے کے ذریعے تعلیم دیں گے تو جن باتوں کا اس حرفے کے ساتھ براہ راست ربط نہیں ہے وہ شروع میں چھوڑ دی جائیں گی، لیکن جب تجربہ بڑھتا جائے گا تو جو باتیں پہلے چھوڑ دی گئی تھیں ان کو بنیادی حرفے کے ساتھ مربوط کرنے کا راستہ ہاتھ آ جائے گا۔ اگر آپ عمل کی ابتدائی منزل میں خارج کرنے کے اس طریقے کے مطابق کام کریں گے، تو آپ کی اور بچوں کی طاقتیں محفوظ رہیں گی۔ یہ بات یاد رکھنی ہے کہ اس نئے عمل میں ہمارا نہ تو کوئی رہنما ہے، نہ معاون اور نہ تو تجربہ۔ لہٰذا آہستہ آہستہ کام کرکے ہمیں اپنی منزل کا پتہ خود ہی لگانا ہوگا۔ بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ استاد اپنے دل کو تازہ رکھے۔ اگر آپ کے سامنے کوئی ایسا مسئلہ آ جائے جس کو حرفے کے ساتھ مربوط نہ کیا جا سکے تو ناامید ہو کر ہمت نہ ہاری جائے۔ اس مسئلے کو سردست چھوڑ دینا مناسب ہے۔ جو مسئلے بنیادی تعلیم کے ساتھ آسانی سے مربوط ہو سکتے ہیں انھیں لے لیا جائے۔ ممکن ہے کہ دوسرے کسی استاد کو کوئی راستہ مل جائے اور وہ آپ کو بتا سکے کہ حرفے کے ساتھ یہ باتیں کیسے مربوط کی جا سکتی ہیں۔ اس طرح جب آپ بہت سے استادوں کے تجربے کا ذخیرہ اکٹھا کر لیں گے تو آپ کو مدد بھی مل جائے گی اور آئندہ آنے والے استادوں کے لئے میدان صاف ہوگا۔ آپ شاید پوچھیں کہ اس تجویز پر عمل کب تک کیا جائے۔ میں کہوں گا ـــ زندگی کے آخر تک ـــ آپ دیکھیں گے کہ جو باتیں ابتدا میں نظرانداز کر دی گئی تھیں ان میں سے بہت سی آپ خود ہی لے چکے ہیں۔ جو کچھ آپ لے سکتے تھے وہ تقریباً سب لے لیں۔ اب جو کچھ باقی ہیں ان کی قیمت تعلیمی نقطۂ نظر سے بہت کم ہے۔ یہ میری زندگی کا تجربہ ہے۔ اگر اسی طرح بہت سی باتیں ابتدا میں نظرانداز نہ کر دی گئی ہوتیں تو جو کچھ آج تک کر سکا ہوں وہ بھی نہ ہوتا۔

نظریۂ تعلیم کو بالکل سرے سے بدلنا ہے۔ ہمیں ہاتھوں کے ذریعے دماغ کو تعلیم دینی ہے۔ اگر میں شاعر ہوتا تو ان پانچوں انگلیوں میں جس قدر طاقتیں موجود ہیں ان پر ضرور قصیدے لکھتا۔ آپ یہ کیوں سوچتے ہیں کہ جو کچھ ہے وہ ذہن ہی میں ہے۔ اور ہاتھ پیروں میں کچھ بھی طاقت نہیں ہے جن کے ہاتھ قوی نہ ہوں اور جو اس موجودہ تعلیم کے پرانے طریقے سے نکلے ہیں، ان کی زندگی میں ہم آہنگی نہیں ہے۔ یہاں میں ہم آہنگی کا بہت گہرا مطلب لے رہا ہوں۔ ان کی تمام قوتوں کی تعلیم نہیں ہوئی اس لئے ان کی زندگی میں ہمواری نہیں ہے۔ محض کتابی تعلیم میں بچوں کو اتنی دلچسپی نہیں کہ ان کا عام خیال اس کی طرف منعطف ہو جائے۔ بے معنی لفظوں سے دماغ اکتا جاتا ہے اور توجہ اِدھر اُدھر بھٹکتی پھرتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جن کاموں سے انھیں محتاط رہنا چاہئے انھیں وہ سرانجام دینا شروع کر دیتے ہیں۔ جن باتوں کو ان کی آنکھیں نہ دیکھیں انھیں دیکھتی ہیں اور جن باتوں کو ان کے کان نہ سنیں انھیں سنتے ہیں۔ غرض جو کچھ کرنا، سننا اور دیکھنا ہوتا ہے وہ الٹا۔ ان کی تعلیم انھیں وہ نہیں سکھاتی ہے جس کے ذریعے سے اچھائیوں اور برائیوں میں فرق معلوم ہو سکے۔ جس تعلیم نے اس کی تعلیم نہ دی وہ تعلیم نہیں بلکہ تجہیل ہے۔ اس لئے یہ تعلیم ان کی بربادی کا سبب بنتی ہے۔

ہاتھ کے کام سے ذہنی تعلیم کس طرح کی جا سکتی ہے، اس کا جواب دیتے ہوئے گاندھی جی نے کہا ـــ حرفے کی تعلیم کا مقصد اب تک یہیں تک محدود تھا کہ پرانے ڈھنگ سے جو تعلیم ہوتی ہے اس کے ساتھ حرفے کی تعلیم کا اضافہ کر دیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ جو عام تعلیم ہوتی ہے اس کے ساتھ حرفے کا کوئی ربط نہ تھا۔ یہ تو مجھے ایک ایسی غلطی معلوم ہوتی ہے، جس سے ساری تعلیم کو نقصان پہنچتا ہے۔ بنیادی تعلیم کے لئے تیار ہونے والا استاد اپنے حرفے کو منتخب کرے، اس میں مہارت حاصل کرے اور اپنی تمام قابلیتوں کو اس میں شامل کرے تب ہی وہ بچوں کو وہ باتیں سکھا سکے گا جو بنیادی حرفے کے ذریعے وہ سکھانا چاہتا ہے مثلاً کاتنے میں اگر مجھے حساب نہ آتا ہو تو یہ بتانا مشکل ہوگا بلکہ ناممکن کہ تکلی پر کتنے گز سوت کاتا گیا، کتنے تار ہوئے اور نمبر کیا ہوا۔ اتنا بتانے کے لئے ہندسے سیکھنے ہوں گے اور ساتھ ہی ساتھ جوڑ، باقی، ضرب، تقسیم سے بھی واقفیت حاصل کرنی ہوگی۔ جب میرے پاس اس سے بھی زیادہ پیچیدہ مسائل آئیں گے تو مجھے مانے ہوئے حرفوں کا استعمال کرنا ہوگا۔ اس طرح سے میں الجبرا کو بھی لوں گا۔ لیکن میں بہ آواز بلند کہوں گا کہ ہندوستانی حروف کا ہی استعمال کیا جائے، رومن حرفوں کا نہیں۔

پھر اس کے بعد علم الحساب کو لیجئے۔ اگر ہمیں دائرے کی مثال دینی ہے تو تکلی کے گھیرے سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے۔ اس طرح اقلیدس کے بغیر ہم دائرے کے بارے میں جو کچھ سکھانا چاہتے ہیں سکھا سکتے ہیں۔ آپ پوچھیں گے کہ میں اپنے بچوں کو کتائی کے ذریعے تاریخ یا جغرافیہ کیسے پڑھاؤں گا؟ کچھ دنوں پہلے "کپاس کی تاریخ" نام کی ایک کتاب میرے ہاتھ میں آئی تھی۔ وہ بہت اچھی کتاب معلوم ہوتی تھی۔ اس میں پرانے زمانے کی کہانیوں سے ابتدا کی گئی تھی۔ پھر کب اور کس طرح کپاس سب سے پہلے بوئی گئی اور اس میں آہستہ آہستہ ترقی ہوئی؟ ایک ملک

سے دوسرے ملک میں کپاس کی تجارت کیسے بڑھی؛ ایسی ہی بہت سی باتیں اس میں تھیں۔ جب میں بچوں کے سامنے اس طرح دوسرے ملکوں کا ذکر کروں گا تب تو یہ بالکل قدرتی ہے کہ ان ملکوں کے نام کے ساتھ ساتھ ان کی تاریخ اور ان کے جغرافیے سے بھی انھیں واقف کرایا جائے گا ساتھ ہی ساتھ اس کی بھی ضرورت ہوگی کہ کس وقت اور کس کے عہد میں تجارت کے کونسے عہدنامے ہوئے ؟ اکثر ممالک باہر سے کپاس کیوں منگاتے ہیں اور کچھ ممالک بنا ہوا کپڑا کیوں خریدتے ہیں، ہر ایک ملک اپنی ضرورت کے مطابق کپاس خود تیار کیوں نہیں کرتا ؛ اسی طرح سے ہم معاشیات اور کھیتی کے بنیادی خیالات سے واقف کرائیں گے۔ ہم کپاس کی قسموں میں تمیز کرنا بھی سکھائیں گے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتلائیں گے کہ کپاس کیسی زمین میں بوئی جاتی ہے، اس کی کاشت کہاں کہاں ہوتی ہے۔ کہاں کہاں کپاس پیدا ہوتی ہے وغیرہ۔ غرض یہ کہ تکلی کے ذریعے ہم بچوں کو ایسٹ انڈیا کمپنی کا پورا تاریخی حال بتا سکتے ہیں یعنی ان کے آنے کی وجہ، ہمارے کپڑے کے کاروبار کو انھوں نے کیسے برباد کیا۔ کس مالی غرض نے انھیں یہاں کھینچا اور پھر کس طرح یہ غرض آہستہ آہستہ حکومت کی شکل میں بدل گئی۔ کیسے اس کی مدد سے مغلوں اور مرہٹوں کا تنزل ہوا، انگریزی حکومت قائم ہوئی اور آج کس طرح سے ہم یکایک چونک رہے ہیں؟ اس نئی تعلیمی اسکیم میں تعلیم کی جو قوتیں محفوظ ہیں وہ لامحدود ہیں۔ جب بچہ اس طریقے سے سیکھے گا تو آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ کس قدر تیزی کے ساتھ سیکھے گا۔ اس کے دماغ پر کس قدر کم بوجھ ہوگا۔ اس خیال کو ذرا پھیلا کر لیں سمجھیے کہ علم الحیوانات (Biology) کا جو عالم ہوگا اسے اپنی بات کے سوا نہ معلوم کتنی اور باتیں سیکھنی ہوں گی۔ اسی طرح بنیادی تعلیم کو بھی اگر ایک علم تصور کیا جائے تو وہ بھی ہمارے سامنے اتنی راہیں پیش کرے گا جس کا پورا اندازہ ہم نہیں کر سکتے۔ تکلی ہی کی مثال پھر لیں تو معلوم ہوگا کہ سوت کاتنے کی جو صنعت ہے اور اس کے جو صنعتی پہلو ہیں، بنیادی تعلیم کا استاد صرف انھی میں لگا نہ رہے گا بلکہ تکلی کو مختلف نقطۂ نگاہ سے سمجھنے کی کوشش کرے گا۔ یہ اسے جاننا ضروری ہے کہ پھرکنی، پتیل کی اور ڈنڈی اسپات کی کیوں ہوتی ہے۔ پہلے تو تکلی کی پھرکنی جیسے تیسے بنا دی جاتی تھی۔ پرانے زمانہ کی جو تکلی ملتی ہے اس کی پھرکنی سلیٹ، پتھر یا مٹی کی ہوتی تھی اور ڈنڈی لکڑی کی۔ تکلی میں جو ترقی ہوئی ہے وہ سائنٹفک ترقی ہے اور پتیل کی پھرکنی اور فولاد کی ڈنڈی بنانے کی خاص وجہ ہے۔ استاد کو ان باتوں کا پتہ لگانا چاہیے اور یہ بھی معلوم کرنا چاہیے کہ پھرکنی کا قطر اتنا ہی کیوں ہوتا ہے اس سے زیادہ یا کم کیوں نہیں ہوتا ؛ جب وہ ان سوالوں کو اچھی طرح حل کر لے اور تکلی یا چرخے کا حساب بخوبی ذہن نشین کر لے، تو ایک انجینیر سے مقابلہ کے لئے وہ بالکل تیار ہوگا۔ اس کی تکلی ہی اس کا مرکز ہے۔ تکلی کے ذریعے جتنی واقفیت بہم پہنچائی جا سکتی ہے وہ لامحدود ہے۔ وہ تو اتنی ہی کم یا زیادہ ہوگی جتنا کہ آپ کے یقین اور طاقت میں فرق ہوگا۔ آپ لوگ تین ہفتوں سے یہاں ہیں۔ اگر اس عرصے میں آپ نے اس نئی تعلیمی اسکیم کو اپنایا ہوگا اور یہ یقین کیا ہوگا کہ یا تو یہ ہوگی یا پھر موت۔ تب میں کہوں گا کہ آپ نے اپنا وقت ضائع نہیں کیا۔ میں برابر تکلی ہی کی مثال دے رہا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں کتائی کے کام سے تھوڑا بہت واقف ہوں۔ اگر میں کسی اور چیز کا ماہر ہوتا تو اپنے بچے کو جو کچھ سکھانا ہے وہ لکڑی یا گتے کے کام سے سکھاتا۔

ہمیں سب سے بڑی ضرورت ایسے استادوں کی ہے، جن میں نیا راستہ نکالنے کی صلاحیت اور اس کا شوق ہو اور جن کا دماغ رات دن اسی میں لگا رہتا ہو کہ بچوں کو کیا اور کیسے سکھایا جائے۔ پرانی کتابوں سے تعلیم حاصل نہیں کی جا سکتی۔ اسے تو صحیح علم جب ہی حاصل ہوگا جب وہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھے اور تر و تازہ دماغ سے سوچے۔ اس کے بعد اس علم کو کسی حرفے کے ذریعے اپنی زبان سے بچوں کو سمجھائے۔ اچھے استاد کی یہی صفت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ تعلیمی نظام اور استاد کے نقطۂ نظر میں ایک تبدیلی پیدا کی جائے۔ آج تک ہمارے مدرسین انسپکٹروں کی رپورٹ کے مطابق عمل کرتے آئے ہیں۔ وہ صرف انسپکٹروں کی پسند کا کام کرتے ہیں جس سے ان کی جماعت کو کچھ انعام ملے یا ان کی تنخواہ میں اضافہ ہو۔ لیکن جو نئی تعلیم کا معلم ہوگا اس پر یہ باتیں اثر نہ کریں گی بلکہ وہ تو کہے گا کہ اگر طالب علم کو میں نے اپنی تمام تر طاقت سے ایک قابل آدمی بنا دیا تو یہ کوئی تعریف کی بات نہیں ہے بلکہ ایک فرض تھا جس کو میں نے ادا کیا۔ میرے لئے اتنا ہی کافی ہے اور بس۔

"ہریجن" ۱۰ فروری ۱۹۳۹ء

فہرست مضامین

پرنٹر و پبلشر: حامد علی خاں — مطبوعہ حیدر برقی پریس — مدیر: آشا دیوی

نئی تعلیم

(ہندستانی تعلیمی سنگھ کا پرچہ)

جلد ۱، نمبر ۴ | دہلی - اپریل ۱۹۳۹ء | قیمت سالانہ ۱عہ

دیہات میں بنیادی تعلیم

(گذشتہ سے پیوستہ)

صوبہ متوسط کے جن ۱۶۰ دیہاتوں میں بنیادی تعلیم کا تجربہ شروع ہوا ہے ان میں سے ایک دیہات سیگانوں بھی ہے۔ یہ چھوٹا سا گانوں آج صرف ہندوستان کا ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کی زیارت گاہ بنا ہوا ہے۔ کیا تعلیم، کیا انتظام سلطنت، ہماری قومی زندگی کے سب حصّوں میں "سیگانوی طریقہ" (Segaon Method)، "سیگانوی فلسفہ" (Segaon School of thought) وغیرہ الفاظ بہت چل گئے ہیں۔ لیکن جو کچھ بھی بڑائی اس گانوں کی ہے وہ تو دراصل اس ہستی کی بڑائی کا نتیجہ ہے، جس نے اس گانوں کو اپنا جائے قیام بنایا ہے۔ اس کی اپنی محض اتنی ہی خوبی ہے کہ خواہ غریبی اور جہالت کے اعتبار سے، خواہ گندگی اور بیماریوں کے لحاظ سے، غرض معاشی، سماجی، سیاسی ہر نقطۂ نگاہ سے یہ چھوٹا سا گانوں ہندوستان کے لاکھوں گانوؤں کے لئے ایک صحیح نمونہ ہے۔ اس گانوں کی کل آبادی ۶۰۰ سے بھی کم ہے۔ ان میں آدھے سے زیادہ مہار* قوم کے لوگ آباد ہیں۔ اس لئے اسے ہم مہاروں کا گانوں کہہ سکتے ہیں اس گانوں کی مالی حالت کا اندازہ ہم اسی سے کر سکتے ہیں کہ اس گانوں کا جو سب سے متموّل خاندان ہے اس کا سالانہ خرچ ایک سو پچاس روپیے سے لے کر ایک سو ساٹھ روپیے ہے اور غریب خاندانوں کا، جو کہ اکثریت میں ہیں، سالانہ خرچ پچاس یا ساٹھ روپیے سے زیادہ نہیں ہے۔

جب تین سال پہلے گاندھی جی اپنے لئے ایک دیہاتی جائے قیام ڈھونڈھ رہے تھے اس وقت شاید اسی نقطۂ نظر سے انھوں نے اس گانوں کو چنا اور یہیں انھیں اس گانوں کے بچوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ کر ان کے دل میں ہندوستان کے سب دیہاتوں کے لئے عام تعلیم کی اسکیم کا خیال پیدا ہوا اور اسی گانوں سے انھوں نے "ہریجن" پرچے میں اس اسکیم کو ملک کے سامنے رکھا۔ دیہاتی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے ایک بار لکھا تھا کہ بنیادی تعلیم کی جو شکل آج ہے اسے میں نے گانوؤں میں دیکھا ہے اور اس وقت تو میں ایک گانوں ہی میں رہنے لگا ہوں اور جب میں سیگانوں کے ان لڑکوں کی پڑھائی کو دیکھتا ہوں تو فوراً میں سمجھ جاتا ہوں کہ وہ کیا چیز ہے؟ کیونکہ اس کا نہ تو کوئی طریقہ ہے اور نہ کوئی مقصد۔ میرا خیال ہے کہ آج کل دیہاتی مدرسوں میں لڑکوں کو جو کچھ پڑھایا جاتا ہے اس سے دیہات والوں کو نقصان ہی ہوتا ہے۔

اس لئے ہندوستان کی قومی تعلیم کی تاریخ میں اس گانوں کا اور اس گانوں کے بچوں کا ایک خاص درجہ ہے۔ اس بنا پر بنیادی تعلیم کو عمل میں لانے کے لئے جو تعلیمی سنگھ قائم کیا گیا ہے اس سنگھ کا مرکز بھی اسی گانوں کو قرار دیا گیا ہے۔ اور اس بات کا بھی پکا ارادہ رہا ہے کہ اسی گانوں کے بچوں کو لے کر اس نئی تعلیمی اسکیم کا پہلا تجربہ بھی کیا جائے۔

مگر بہت سے اسباب کی بنا پر نومبر ۱۹۳۸ء تک یہ ممکن نہ ہو سکا لیکن اس کے پہلے ہی گجرات کے تھاسنا نامی گانوں میں اس کا تجربہ شروع ہو چکا تھا اس لئے بنیادی تعلیم کے پہلے دیہاتی تجربے کی اولیت کا فخر صوبہ متوسط کو نہیں بلکہ گجرات کو حاصل ہے۔

سیگانوں میں پہلے ہی سے وردھا ضلع کی کونسل کے ماتحت ایک مدرسہ چل رہا تھا۔ اس کے لئے ضلع کی کونسل کی طرف سے دو استاد بھی مقرر تھے۔ اسی مدرسے کے پہلے درجے کے چار بچوں اور ایک استاد کو لے کر ۱۴ نومبر کو اس نئی تعلیمی اسکیم کا تجربہ شروع ہوا اور تعلیم کا ذریعہ "تکلی" کو رکھا گیا۔

شروع شروع میں ہمارے سامنے محض یہی مقصد تھا کہ بچوں کے دلوں میں مدرسے اور اس کے کاموں سے جو نفرت پیدا ہو گئی ہے اس کو دور کیا جائے۔ بچے اسے ایک غیر دلچسپ اور بے کار جگہ نہ سمجھیں بلکہ آرام، خوشی اور روح کو بڑھانے والی جگہ تصور کریں۔ لیکن اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہمیں کھیل، تصویروں یا کہانیوں سے جو کہ بچوں کی دلچسپی کا

* مہار، مہاراشٹر کی ایک پُرانی اچھوت قوم ہے۔

سامان ہیں، مدد نہیں لینی پڑی۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے ہمارا سب سے بڑا ذریعہ وہی رہا جو ہماری اس نئی تعلیمی اسکیم کا خاص ذریعہ ہے یعنی ہاتھ کا کام۔ جن لوگوں کو یہ ڈر رہا ہے کہ محض تکلی کے ذریعے تعلیم دینے میں کوئی تسکین یا دلچسپی نہیں پیدا ہوگی انھیں یہ معلوم کرکے خوشی ہوگی کہ اس تکلی میں بچوں کو جتنا لطف آتا ہے اتنا کھیل کود یا کہانیاں سننے میں نہیں آتا۔ بڑوں کے دلوں میں تکلی سے جو دلچسپی یا نفرت ہے اُسے سامنے رکھ کر ہم استادوں نے تکلی کے ساتھ ان میں دلچسپی اور شوق پیدا کرنے کی غرض سے کچھ کھیل کود اور گانے کا بھی سامان رکھا تھا، لیکن بچوں کے ساتھ کام کرنے کے بعد ہمارا تجربہ یہ رہا ہے کہ اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ جسے ہم نے تعلیم کا ذریعہ تصور کیا ہے وہی بچوں کے لئے تسکین اور خوشی کا بھی سب سے بڑا ذریعہ ہے اور یوں بھی جب تعلیم اور تسکین کا ذریعہ ایک رہتا ہے اس وقت تعلیمی نظام میں لطف اور یگانگت خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کے لئے کسی بیرونی تدبیروں سے مدد لینے کی پھر ضرورت نہیں پڑتی

یہ صرف ہمارا ہی تجربہ نہیں ہے بلکہ سیدگانوں کے تجربے کے ساتھ ساتھ گجرات کے تھامنا نامی گانوں میں اور ریاست میسور کے تنگدوڑ نامی گانوں کے بچوں کو تکلی کے ذریعے تعلیم دینے کا جو تجربہ ہو رہا ہے اس کے کام کرنے والوں کا خیال بھی یہی رہا ہے۔

تھامنا گانوں کے قومی مدرسے کی سہ ماہی رپورٹ میں نرہر بھائی پریکھ صاحب نے اپنا جو بیان دیا ہے اس میں وہ کہتے ہیں کہ ہمارا یہ تجربہ ہے کہ بچے چرخے کی تعلیم کو بار نہیں خیال کرتے۔ جن لوگوں کا ایسا گمان ہے کہ معصوم بچوں کو چرخے کے ذریعے تعلیم دینے سے ان پر ایک غیر مناسب بوجھ ڈالا جائے گا ان کی خدمت میں میری یہ درخواست ہے کہ اپنی رائے ظاہر کرنے سے قبل ان بچوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں

ریاست میسور کے تنگدوڑ نامی گانوں میں جو تجربی اسکول چل رہا ہے، اس کے چلانے والے نے بھی اپنے بیان میں لکھا ہے کہ بچے کتائی کے کام میں سب سے زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔ کچھ بچے تو جماعت کے بیچ میں بھی جو وقت ورزش کے لئے رکھا گیا ہے اس میں بھی تکلی چھوڑنا نہیں چاہتے۔ دوپہر کے وقت اسکول کے مقررہ گھنٹے سے بہت پہلے ہی بچے استادوں کے کمرے میں پہنچ جاتے ہیں اور جب تک وہ اٹھ کر انھیں کتائی کا کام نہیں دیتے اس وقت تک وہ انھیں آرام نہیں لینے دیتے۔ اس لئے ہماری تعلیمی اسکیم کا جو اصل اصول ہے یعنی یہ کہ بچوں کے تمام طریقۂ تعلیم میں کسی ہاتھ کے کام کو مرکزیت کا درجہ حاصل ہو اور یہی ہاتھ کا کام ان کی جسمانی، دماغی غرض تمام نشو و نما کا سب سے بڑا ذریعہ ہو، اس کی تائید ہمیں تجربہ کرنے کے سلسلے میں (صحیح تجربے کے ذریعے) پہلے دن سے ہی حاصل ہوئی ہے۔ روزانہ کے کام اور تجربے سے ہمیں اسی مرکز کے چاروں طرف تمام طریقۂ تعلیم کی بنیاد رکھنی ہے اور اس کام میں ہماری سب سے بڑی رہنمائی ہمارے پڑھنے والے بچے کریں گے۔ اس بنیادی چرخے کے ساتھ ان کے علم کا قدرتی اور مکمل طور پر جس طرح ربط قائم کیا جا سکتا ہے اس کا راستہ ہمیں ان بچوں ہی کے ذریعے ملے گا۔

بچوں کی تمام تر نشو و نما کے لئے چرخے کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ہمارے سامنے اور بھی دو خاص مقصد رہے ہیں، ایک بچوں کی تندرستی اور ان کی صفائی اور دوسرے ان میں شہریت کا خیال پیدا کرنا۔

بچوں کی تندرستی کا جو سوال ہے وہ محض تعلیم ہی کا سوال نہیں ہے، وہ تو ہماری قوم کے سب سے گہرے سیاسی اور معاشی سوالوں کے ساتھ بھی وابستہ ہے۔ اور جب تک بچوں کے ماں باپ کی، ان کے گانوں کی یعنی پوری قوم کی معاشی اور سماجی حالت میں یکسر تبدیلی نہیں ہو جائے گی اُس وقت تک ان کی جسمانی نشو و نما کے لئے جو چیز سب سے زیادہ ضروری ہے یعنی 'مناسب غذا' اس کا انتظام نہیں ہو سکتا۔ اس اہم سوال کے حل کرنے کا بھی اشارہ اس تعلیمی اسکیم میں موجود ہے۔ مگر ہم یہاں اس کا تذکرہ کرنا نہیں چاہتے۔ یہاں تو محض بچوں کی تمام تر نشو و نما کی اس بڑی کمی کو پورا کرنے کے لئے ایک اسکول کی طرف سے جو تھوڑی بہت تدبیر ہو رہی ہے اس کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

ان بچوں کے گھر کی مالی حالت سے ہم پہلے ہی واقف ہو چکے ہیں۔ ان میں سے اکثر بچوں کی ایک ہی قسم کی خوراک ہے یعنی جوار کی (بھاکری)، روٹی اور نمک مرچ کی چٹنی۔ وٹامن یعنی حیاتین کی جو کمی ہے بچے اُسے فصل کے وقت کھیتوں میں کچی چیزیں کھا کر پورا کرتے ہیں۔ اسکول میں محض ایک ہی لڑکا ایسا ہے جو کہ دودھ کے ذائقے سے واقفیت رکھتا ہے۔

جسمانی نشو و نما کے نقطۂ نظر سے یہ تمام بچے ناقص ہیں۔ اتنا ہی کہنا کافی ہے۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے اسکول کے پاس ابھی کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ لیکن ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ سیگانوں اس وقت ملکی و غیر ملکی لوگوں کی ایک زیارت گاہ بنا ہے۔ ایسی ہی ایک غیر ملکی زائرہ بہن سے بچوں کے کھانے کے لئے مالی امداد مل گئی ہے۔ اسی کی مدد سے ہم انھیں صبح شام دونوں وقت کچھ ناشتہ دے رہے ہیں۔ صبح کے وقت ایک پاؤ دودھ اور شام کو گیہوں یا مونگ میں سے کسی اناج کا تھوڑا سا ناشتہ دیا جاتا ہے۔ اس سے ان کے وزن میں بھی کافی فرق پڑا ہے۔ اس کھانے کا بیس بچوں کی ۲۴ دن کی دو خوراک روزانہ کا اوسط خرچ آٹھ روپیہ ہوتا ہے یعنی ایک بچے کے لئے روزانہ تقریباً ایک پیسہ پڑتا ہے۔

یہ اس اسکول کی ایک خاص حالت ہے جس سے ہم بچوں کو کچھ خوراک بہم پہنچا سکتے ہیں۔ مگر یہ اس سوال کا کوئی صحیح حل نہیں ہے۔ اس بارے میں ہم صرف ڈاکٹر ذاکر حسین کمیٹی کی رپورٹ میں جو ہدایتیں کی گئی ہیں اسی کو یہاں دُہراتے ہیں:-

> "لوگوں کا یہ تجربہ رہا ہے کہ گانوں کے بچوں کو عام طور پر کافی کھانا نہیں ملتا اس لئے ہم آگاہ کرنا چاہتے ہیں کہ اسکول کے وقت ہی میں بچوں کو ہلکا سا ناشتہ دے کر اس کمی کو پورا کرنے کی تدبیر کی جائے۔ ہمیں امید ہے کہ حکومت اور لوگوں کی امداد سے اس کا خرچ پورا ہو جائے گا۔"

کھانے کے انتظام کے ساتھ ساتھ اسکول کے کام میں صبح کے وقت بیس منٹ کھلی ہوا میں ورزش کے لئے اور شام کو ایک گھنٹہ کھیل کود کے لئے رکھا گیا ہے۔ بچوں کے کھیل کے لئے ان کے اسکول کے احاطے میں جھولے اور رپٹے (Slides) وغیرہ بھی ڈال دیے گئے ہیں۔ یہ چیزیں صرف ان کی جسمانی چستی و چالاکی کے لئے ہی نہیں بلکہ خوشی کا بھی بڑا ذریعہ ثابت ہوئی ہیں۔

جسمانی تربیت کے ساتھ ساتھ صفائی بھی لڑکوں کے تعلیمی کام کا ایک اہم جزو مانا گیا ہے۔ اسکول پہنچنے پر بچوں کا سب سے پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ کنویں پر اکٹھا ہو کر قواعد کے طور پر صفائی کی مشق کریں۔ اس کو انگریزی میں ہائجن ڈرل (Hygiene Drill) کہتے ہیں۔ اس میں بھی ہمارا یہ تجربہ رہا ہے کہ ہاتھ کے کام سے بچوں کو جو خوشی حاصل ہوتی ہے، اسی طرح جسمانی صفائی سے خوشی بھی بچوں کی ایک فطری صلاحیت ہے۔ ہم جو اس

برخلاف گانوؤں اور شہروں میں اس کی مثالیں پاتے ہیں تو اس کی ذمہ داری ان کے قدرتی اور سماجی حالات پر ہے۔ اگر بچوں کا کام صاف رہا اور صفائی کے قدرتی ذریعے یعنی پانی کی کمی نہ رہی تو بچے اپنی قدرتی صلاحیت سے اپنے آپ کو چڑیوں کی طرح صاف رکھیں گے اور اس صفائی میں انھیں خوشی بھی نصیب ہوگی۔ سیگانوں کے اسکول کے بچے اپنے اسکول کے کام کے علاوہ اپنی دوپہر کی چھٹی بھی زیادہ تر اپنے جسم اور کپڑوں کی صفائی میں صرف کرتے ہیں۔ ان میں سے بہتوں کے پاس اپنے جسم کے ڈھکنے کے لئے ایک ہی کپڑا ہوتا ہے۔ وہ اسے دھوتے ہیں، دھوپ میں سکھاتے ہیں اور دو بجے تک صاف ہوکر اسکول میں جاتے ہیں۔ اس کے لئے ان پر استادوں کی طرف سے کوئی پابندی نہیں ہے۔ یہ ان کی چھٹی کے وقت کا کھیل اور تفریح ہے۔

نئی تعلیمی اسکیم کا ایک اور خاص مقصد ہے، وہ یہ کہ بچے شہری تیار کئے جائیں۔ اس لئے شہریت کی تعلیم اس طریقۂ تعلیم کا خاص اور اہم حصہ ہے۔ اس تعلیم کے لئے سب سے بڑا ذریعہ حرفے کی مربوط تعلیم ہے۔ مگر اس حرفے کی تعلیم کے علاوہ بھی صبح سے شام تک اسکول کے تمام کاموں میں سب سے پہلے اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ بچوں میں ذمہ داری کا احساس پیدا ہو اور ایک ساتھ مل جل کر کام کرنے کی عادت ہو۔ مدرسے کے تمام بچے دو تین گروہوں میں تقسیم کردیے گئے ہیں اور ہر گروہ کے لئے انھیں کا چنا ہوا نائک یا نگراں ذمہ دار رہتا ہے۔ اس کے علاوہ بچوں کو اکٹھا کرکے اسکول میں لانا، ان کی صفائی، ان کے دودھ اور ناشتے کا انتظام کرنا، مدرسے کے احاطے کی صفائی اور اس سے متعلق کاموں کی انجام دہی، حرفے کے سامان اور کام وغیرہ کی ذمہ داریوں کو تقسیم کرنا سب کام بچوں ہی میں بانٹ دیے گئے ہیں اور بچے نہایت شوق سے اس ذمہ داری کو محسوس کرتے اور قبول کرتے ہیں۔ ہر سنیچر کو صبح کے وقت روزانہ کے کاموں کے لئے بچوں کی ایک مجلس قائم کی گئی ہے۔ وہ اپنے ہی میں سے ایک طالب علم کو اپنا صدر چن لیتے ہیں اور اس میں وہ گذشتہ ہفتے کے تجربوں پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ آیندہ ہفتے کے لئے کام مقرر کرتے ہیں۔ دوسرے کاموں کے لئے وزیر بھی اسی مجلس کے لوگوں میں سے چنے جاتے ہیں۔ اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ جہاں تک ہوسکے اس مجلس کے کام کو بچے ہی انجام دیں، استاد محض تماشائی کی حیثیت سے موجود رہتے ہیں۔ مجلس کے کام کے ختم ہونے پر تفریح اور دلچسپی کے کچھ کام بھی ہوتے ہیں اور وہ گانے، مکالمے، نقل اور کھیل وغیرہ سے تماشائیوں کو خوش کرتے ہیں۔

سیگانوں کے بچوں کو لے کر جو تعلیمی کام ہم کر رہے ہیں اس کی تھوڑی سی کیفیت یہاں پیش کی گئی ہے۔ اس میں ہم نے یہ نہیں بتلایا ہے کہ ان کی ترقی مادری زبان، حساب، تاریخ، جغرافیہ میں کس قدر ہوئی ہے اور ان کی بنیادی دستکاری کے ساتھ ان مضامین کا ربط کس طرح ہوا ہے۔ اگرچہ ان باتوں کو بھی ایک خاص اہمیت حاصل ہے مگر سب سے اہم اور بڑی بات یہ ہے کہ اس نئے طریقۂ تعلیم کا بچوں کی زندگی پر کس حد تک اثر پڑا ہے۔ گذشتہ تین چار مہینوں کے تجربے کے بعد بچوں میں جو نیا شوق، نئی زندگی، چستی و چالاکی اور ذمہ داری لینے کا حوصلہ اور شوق پیدا ہوا ہے اس کی بنا پر امید ہے کہ ہم اپنے فرض کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دے رہے ہیں اور بجائے غلط کے صحیح راستے پر چل رہے ہیں۔ آیندہ کے راستے کی رہنمائی خود ہی بچے کریں گے۔

مدیر

وردھا تعلیمی اسکیم کا معاشی پہلو

(۲)

اب وردھا تعلیمی اسکیم کے مطابق خرچ کا حساب لگایا جائے۔ مہاتما گاندھی کے خیال کے مطابق تو تعلیم اپنا خرچ آپ پورا کرنے والی بنائی جاسکتی ہے۔ مگر وردھا اسکیم میں اس کی طرف خاص طور سے دھیان نہیں دیا گیا ہے۔ یہ اسکیم محض تعلیم کے افادی پہلو پر نظر رکھ کر تیار کی گئی ہے۔ تاہم یہ خود بخود ایسی بن گئی ہے کہ اس سے آمدنی پر دھیان دیے بغیر بھی کچھ نہ کچھ آمدنی ہوجائے گی۔ جو سوت کاتا جائے گا یا کپڑا بنا جائے گا یا اور کسی قسم کا جو کام کیا جائے گا ان کو اگر ایسا خیال کرکے کیا جائے گا کہ اس سے کچھ آمدنی بھی ہوجائے تو یقیناً اس کی بازاری قیمت بھی کچھ نہ کچھ ضرور ہوجائے گی۔ اس لئے اس تعلیمی اسکیم میں جہاں ایک طرف خرچ میں زیادتی ہوگی وہاں دوسری طرف کچھ آمدنی کی بھی گنجائش نکل آئے گی۔ اس سبب سے گورنمنٹ کو اخراجات کا تمام بار نہیں برداشت کرنا پڑے گا۔ اس کا ایک حصہ خود اسی کے لڑکوں اور لڑکیوں کی محنت سے کارآمد چیزوں کی شکل میں واپس مل جائے گا۔ ان چیزوں کو بازار میں بیچ کر یا جن چیزوں کو وہ اپنے کام میں لگا سکتی ہے لگا کر گورنمنٹ کچھ پیسہ بنا یا بچا سکتی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس طرح سے کتنی آمدنی ہوگی؟ وردھا کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں کتائی اور بنائی کے متعلق لڑکوں اور لڑکیوں کی محنت کی قیمت نکالنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے حساب سے پہلے سال ہر ایک لڑکے یا لڑکی کے سوت کی کتائی کی اجرت [illegible] ہوگی، دوسرے سال [illegible]، تیسرے سال [illegible]، چوتھے سال [illegible] اور پانچویں سال [illegible] ہوگی۔ اس طرح سے پانچ سال میں ہر لڑکے یا لڑکی کی محنت کی قیمت کل [illegible] ہوگی۔ آخری دو سال یعنی چھٹے اور ساتویں درجوں میں سوت کی کتائی کے بجائے بنائی کا کام ہوگا۔ کمیٹی نے حساب لگایا ہے کہ پہلے سال میں بنائی کی اجرت [illegible] ہوگی اور دوسرے سال [illegible] ہوگی۔ اس طرح بنائی کی کل اجرت فی کس [illegible] ہوگی۔ اس حساب کے مطابق سات سال کے اندر ہر ایک طالب علم جو کچھ کام کرے گا اس سے اپنی محنت کی شکل میں وہ اپنے مدرسے کو [illegible] + [illegible] = [illegible] دے گا۔ یہ حساب ۲۰۰ دن کے باقاعدہ کام کا ہے مگر بیماری وغیرہ کے سبب سے اس قدر باقاعدہ اور ٹھیک ٹھیک کام انجام نہ پاسکے گا۔ اگر اس کے لئے ایک چوتھائی کی کمی بھی کردی جائے تب بھی فی کس [illegible] سے کچھ زیادہ آمدنی ہوگی۔ اس طرح اوسطاً فی طالب علم [illegible] سے کچھ کم کی آمدنی ہوگی۔ کمیٹی نے جس وقت یہ حساب لگایا تھا اس وقت اس کے سامنے اس حساب کی کوئی صاف اور صحیح بنیاد نہ تھی صرف اندازے پر اسے کام کرنا پڑا تھا۔ اس کے بعد وردھا اسکیم کے مطابق جو تعلیمی مرکز وردھا، سیگانوں وغیرہ میں کھولے گئے ہیں ان سے ہمیں اس حساب کے لئے صحیح بنیاد مل رہی ہے۔ ان تعلیمی مرکزوں کے تجربے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کمیٹی کا حساب کمی ہی کی طرف ہے زیادتی کی جانب نہیں۔ ایک بات اور ہے اور وہ یہ کہ کمیٹی نے جو حساب لگایا تھا وہ خود اس وقت کی مروجہ شرح مزدوری کے حساب سے تھا۔ اس وقت سے سوت کاتنے والوں کی مزدوری بڑھادی گئی ہے۔ بہار میں یہ تقریباً دوگنی ہوگئی ہے۔

چھ پیسے یومیہ سے بڑھ کر دس پیسے اور تین آنے تک ہو گئی ہے۔ آئندہ اس میں اور بھی اضافے کی امید ہے۔ ان سب باتوں کو اگر چھوڑ بھی دیا جائے تو بھی اتنا ضرور ہے کہ ہر ایک طالب علم سات سال میں ستم سے کم کی مزدوری کا حق دار نہیں ہوگا۔ غرضیکہ اس کی اوسطاً سالانہ مزدوری تقریباً لعہ ہوگی۔ اس طرح ہر ایک اسکول کو جس میں کہ ساتوں درجے ہونگے اور جس میں ہر درجے میں ۳۰ لڑکے ہوں، طالب علموں کی محنت کی شکل میں ہر سال ۲۱۰ × ۹ = ۱۸۹۰ روپیے کی آمدنی ہوگی۔ اب خرچ کا حساب دیکھا جائے۔ ایسے اسکول میں جس میں ساتوں درجے ہوں سات استادوں کی ضرورت پڑے گی۔ اگر اوسطاً ہر ایک استاد کی ماہانہ تنخواہ ۲۵ رکھی جائے تو سات استادوں پر ماہانہ ۱۷۵ کا خرچ پڑے گا۔ اگر ۲۵ اور دیگر ضروریات کے لئے رکھے جائیں تو کل خرچ ایک مہینے میں ۲۰۰ ہوگا۔ اس طرح سال میں اسکول کا خرچ ۲۴۰۰ روپیہ ہوگا۔ اس لئے گورنمنٹ کو آخرکار ۵۱۰ روپیہ ہی زاید خرچ کرنا پڑے گا جو فی طالب علم ۲½ سے کچھ کم ہی پڑتا ہے۔ اس حساب سے ساٹھ لاکھ لڑکوں اور لڑکیوں کے پڑھانے کا خرچ ۶۰ × ۲½ = ۱۵۰ لاکھ یعنی ڈیڑھ کروڑ روپیہ ہوگا۔ لوگ کہہ سکتے ہیں کہ یہ کورا کاغذی حساب ہے ہر ایک مدرسے میں ۲۱۰ طالب علم کا رہنا ممکن نہیں ہے۔ میں اس دلیل کو تسلیم کرتا ہوں لیکن اس حساب میں دیگر آمدنیوں کا شمار نہیں کیا گیا ہے۔ وردھا تعلیم میں ہر طالب علم کے لئے ایک بنیادی دستکاری کے ساتھ ساتھ کھیتی کی تعلیم کا بھی سلسلہ رکھا گیا ہے۔ اس میں جو چیزیں پیدا ہوں گی ان کی بھی کچھ قیمت ہوگی۔ اس لئے اگر ایک طرف طالب علموں کی کم تعداد سے آمدنی میں کچھ کمی ہوگی تو دوسری طرف ان دوسری چیزوں سے کچھ نفع بھی ہوگا۔ لیکن اگر یہ مان لیا جائے کہ ایسی آمدنی کچھ نہیں ہوگی تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ خرچ میں بیس پچیس لاکھ اور بڑھ جائے گا۔ یعنی ڈیڑھ کروڑ سے بڑھ کر پونے دو کروڑ یا زیادہ سے زیادہ دو کروڑ ہوگا۔ مگر یہ بھی موجودہ اسکیم کے مطابق ہونے والے خرچ سے بہت کم ہوگا۔ کہاں چھ سات کروڑ اور کہاں دو کروڑ اور وہ بھی استاد کو ۲۵ ماہانہ تنخواہ دے کر جبکہ موجودہ تنخواہ لعہ ہی ہے۔ استاد کے زیادہ کام اور محنت کو بالکل ہی الگ رکھئے۔

اس کے متعلق ایک بات اور بھی قابل غور ہے وہ یہ کہ اس تمام اسکیم کی کامیابی اس بات پر منحصر ہے کہ گورنمنٹ اسکولوں میں تیار ہونے والی تمام چیزوں کو لے لے اور اس کی بکری کا انتظام کرے۔ پہلے تو ان سب چیزوں کو کھپانا ہی مشکل ہوگا دوسرے گورنمنٹ کو بکری کے انتظام میں کافی خرچ بھی کرنا پڑے گا۔ اس خرچ کا بار بھی تو گورنمنٹ پر پڑے گا اور حساب میں اس کا شمار کرنا ضروری ہے۔ اس سوال پر غور کرتے وقت ایک بات یاد رکھنی چاہئے۔ اوپر جس آمدنی کا حوالہ دیا گیا ہے وہ صرف وہ آمدنی ہوگی جو کہ طالب علموں کی محنت کے ذریعے حاصل ہوگی۔ لیکن جب کوئی چیز تیار ہوتی ہے تو بازار میں اس کی قیمت صرف اتنی ہی نہیں ہوتی جتنی کہ اس کے بنانے میں محنت صرف کی گئی ہے اور اس میں لگے ہوئے سامان کی قیمت کو جوڑ دینے پر نکلتی ہے۔ دراصل بازاری قیمت لاگت سے زیادہ ہوا کرتی ہے۔ پھر بھی اگر طالب علموں کی بنائی ہوئی چیزیں اچھی ہوں گی تو کچھ نہ کچھ لاگت سے زیادہ قیمت بھی ملے گی۔ مزدوری کی قیمت کا جو اندازہ لگایا گیا ہے وہ تو اچھی کاریگری کی قیمت ہے۔ وہ بھی بازاری شرح کے حساب سے لگایا گیا ہے۔ اس لئے جو چیزیں طالب علموں کی محنت سے تیار ہوں گی وہ بازار میں بازاری شرح ہی پر بکنے کے لائق ہوں گی۔ سوت کی کتائی کا جو حساب اوپر دیا گیا ہے اس کے مطابق ہر ایک ایسے اسکول میں جہاں کہ بنیادی دستکاری کتائی ہے سالانہ تقریباً ساڑھے سولہ من سوت کاتا جائے گا۔ اسی وزن کی روئی کی قیمت تقریباً تین سوا تین سو روپیہ ہوگی۔ اس طرح جو چیزیں وہاں تیار ہوں گی ان پر قریب قریب ۲۲۰۰ روپیہ (۱۸۹۰ + ۳۰۰) کی لاگت لگے گی۔ اگر اس لاگت میں روپیے پر دو پیسے بھی زیادہ رکھے جائیں تو ہر ایک اسکول میں تیار کردہ مال سے ۱۱۰۰ آنے یعنی تقریباً ۷۰ روپیے کی رقم لاگت سے زیادہ یعنی منافع میں ملنی چاہئے۔ صوبے بھر میں اس طرح کے ساڑھے اٹھائیس ہزار سے زیادہ اسکول ہونگے۔ اس لئے لاگت کے اوپر سرکار کو قریب قریب بیس لاکھ روپیے ملنے چاہئیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ مدرسوں میں تیار کردہ چیزوں کے فروخت کرنے کے لئے اتنی رقم سے بہت اچھا انتظام کیا جا سکتا ہے، اس لئے سرکار کو اس مد میں کچھ زیادہ خرچ کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

ان سب باتوں پر غور کرنے کے بعد نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ وردھا اسکیم کے مطابق صوبے بھر میں تعلیم کے جاری کر دینے سے صوبے کے سات سے چودہ سال کے تمام لڑکے اور لڑکیوں کو تعلیم دلانے میں زیادہ سے زیادہ دو کروڑ روپیے کا خرچ پڑے گا۔ بہت ممکن ہے کہ یہ رقم اس سے بہت کم ہو کیونکہ طالب علموں کی محنت کی قیمت گھٹا کر ہی رکھی گئی ہے۔ یہ حساب اگرچہ سوت کی کتائی کو بنیادی دستکاری مان کر لگایا گیا ہے لیکن پھر بھی کسی دوسری دستکاری کو بنیادی حرفہ ماننے پر بھی اسی کے قریب قریب نتیجہ نکلے گا۔ اس لئے یہ صاف ظاہر ہے کہ وردھا تعلیمی اسکیم کے مطابق تعلیم دینے پر خرچ موجودہ اسکیم کے مطابق تعلیم دینے کے خرچ سے بہت کم ہوگا، شاید اس کا ایک تہائی یا ایک چوتھائی ہو۔ بہار میں یہ خرچ ڈیڑھ کروڑ ہوگا۔ آج کل بھی پرائمری، مڈل اور اسی قسم کے دوسرے اسکولوں پر پبلک فنڈوں سے تقریباً پچاس لاکھ روپیے خرچ ہو رہے ہیں، اگرچہ تمام طالب علموں کی تعداد اس وقت ۸ لاکھ سے کم ہی ہے۔ اگر وردھا تعلیمی اسکیم کے مطابق تعلیم کا مناسب انتظام کیا جائے تو اسی رقم سے تقریباً ۲۰ لاکھ لڑکے اور لڑکیوں کی تعلیم دی جا سکتی ہے۔ اس حساب میں فیس سے ملنے والی رقم کو تو بالکل چھوڑ ہی دیا گیا ہے۔ اسی طرح ان رقموں کو بھی چھوڑ دیا گیا ہے جو نیک کام میں حصہ لینے والے لوگ اپنی جیبوں سے دیتے ہیں۔ سرکاری رپورٹ میں دیے ہوئے حساب سے پتہ چلتا ہے کہ مڈل اسکول کی تعلیم کا خرچ ۱۲ فی صدی اور پرائمری تعلیم کا ۱۳ فی صدی نجی ذریعوں سے آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان منزلوں کی تعلیم پر تقریباً ۱۰ لاکھ روپیہ نجی لوگ اپنی جیب سے خرچ کر رہے ہیں۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ یہ لوگ آگے چل کر اپنی رقموں کو جاری نہ رکھیں۔ البتہ تخمینہ میں کمی ہو سکتی ہے لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ نقد روپیے کے بدلے جنس میں امداد ملے۔ میرا تو خیال ہے کہ اگر انتظام کیا جائے تو جنس سے ۵۰، ۶۰ لاکھ روپیے کی مدد عام لوگوں سے بھی مل سکتی ہے، یعنی پبلک فنڈ پر کروڑ سوا کروڑ سے زیادہ کا بوجھ نہیں پڑ سکتا۔ یہ رقم ۵ کروڑ والی سرکار کی طاقت کے اندر ہے یا لائی جا سکتی ہے۔ موجودہ اسکیم کے مطابق تعلیم میں ہر طرح کی امداد کا حساب لگا لینے اور اس کی وجہ سے خرچ میں کمی کر دینے پر بھی ۶ کروڑ سے کبھی کم خرچ نہیں پڑ سکتا، جو حکومت بہار کی کل آمدنی سے بھی زیادہ ہے، یعنی معاشی پہلو سے بھی وردھا اسکیم معیار پر صحیح اترتی ہے۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ صوبہ بہار کو سامنے رکھ کر لکھا ہے میرا خیال ہے کہ دوسرے صوبوں میں بھی جو کچھ میں نے حساب لگایا ہے وہ صحیح اترے گا۔

بدری ناتھ صاحب ورما، پٹنہ

نمونہ کے دو سبق

پٹنہ ٹریننگ اسکول میں زراعت کے ذریعے سبق کا ایک نمونہ

پہلی جماعت

نصاب

- **حرفے سے متعلق**:- آلو کی نرائی (لڑکوں کے باغ کی کیاری نمبر ۴)
- **ماہواری**:- زبان - مشاہدہ، نرائی اور اس کی ضرورت پر گفتگو۔
- حساب - بچوں کے صاف کئے ہوئے پودوں کی دہائی میں گنتی کرانا۔
- معلومات عامہ - شہریت کا سماجی مطالعہ، صفائی، اوزاروں کا ٹھیک استعمال، ان کی حفاظت اور گھاس پات کو ٹھیک جگہ پر رکھنا۔

طریقہ

۱ - حرفہ :-

(ل) بچوں کو جماعت سے باغ کی طرف قطار میں لے جانا۔

(ب) (۱) لڑکوں کا باری باری سے کھرپیاں لینا۔

(۲) حرفہ کے اوزاروں کو اٹھانا اور ان کا ٹھیک استعمال۔ اچھی اور خراب کھرپیوں کی پہچان۔

(۳) لڑکوں کو جماعت میں کیاریوں کی روشوں پر لے جانا اور کپڑے بچا کر کام میں لگوانا۔

(۴) آلو کی جڑ کو بچا کر بتائے ہوئے طریقے کے مطابق اس کی نرائی کرنا، کھرپی دائیں ہاتھ میں اور گھاس بائیں ہاتھ میں رکھنا۔ گھاس جڑ سمیت نکالنا (استاد خود نکال کر دکھائے اور باری باری سے لڑکوں کی مدد کرے۔)

(۵) نرائی کرنے کے بعد کھرپیاں صاف کروا کر اپنی جگہ پر رکھوانا۔

(۶) نکالی ہوئی گھاس کو لڑکوں کا اٹھانا اور ایک قطار میں چل کر کھاد کے گڈھے میں ڈالنا۔

(۷) لڑکوں کو باغ کے کنویں پر لے جانا اور وہاں ہاتھ پاؤں صاف کرانا۔

۲ - **زبان**:- کام کرنے کے دوران میں کی ہوئی گفتگو سے لڑکوں کو ذاتی مشاہدے کا موقع دینا اور لفظوں کے صحیح تلفظ اور جملوں میں ان کے صحیح استعمال کی مشق کرانا۔ کل ٹماٹر میں پانی دیتے وقت لڑکوں نے بتایا تھا کہ آلو کے کھیت میں گھاس بہت اگ آئی ہے۔ اس لئے آغاز گفتگو اس سے ہوگا اور پھر کھیت میں آلو کے ساتھ گھاس کا اگ آنا۔ گھاس کے رہنے سے آلو کے پودوں کو نقصان۔ گھاس سے بھری ہوئی کیاری اور صاف کیاری کا مقابلہ وغیرہ عنوانات پر روشنی ڈالی جائے گی۔

۳ - **حساب** :-

(ل) لڑکوں کے الگ الگ نرائی کئے ہوئے پودوں کی تعداد دہائیوں میں گنوانا۔

(ب) نکالی ہوئی گھاس کی گنتی دہائیوں میں بنڈل باندھ کر (بیس سے تیس تک کرانا۔

۴ - **معلومات عامہ** :-

(ل) آلو کے پودوں اور گھاس میں تمیز۔

(ب) نکالی ہوئی گھاس کا کھاد بنانا، اس کا استعمال اور اس میں سڑنے کے عمل کے ہونے تک کے موضوع پر گفتگو۔

۵ - **صحت وصفائی** :- ہاتھ پیر کی صفائی، کپڑوں کی صفائی اور کام کرتے وقت کپڑوں کو احتیاط سے رکھنے کا طریقہ۔

۶ - **سماجی مطالعہ** :- حرفے کا کام ٹولیاں بنا کر کرنا۔ مل جل کر کام کرنا وغیرہ کے ذریعے شہریت کی سماجی تعلیم۔

گھنٹے کے آخر میں استاد کے نوٹ

(ل) لڑکوں نے کیا سیکھا ؟ :-

(۱) حرفہ - گھاس کے نہ ہٹانے سے آلو کے پودوں کو پوری خوراک نہیں ملتی، کھیت گندہ رہتا ہے اس لئے گھاس جڑ سے کھود کر نکال دی جائے۔

(۲) **زبان** - 'اگ آنا' اور 'نکالنا' دونوں کا مختلف معنوں میں استعمال اور صحیح استعمال کے ذریعے 'کیاری' کا تلفظ، تذکیر و تانیث اور اس کے واحد و جمع کا علم کرانا۔

(۳) **حساب** - بیس سے تیس تک کی گنتی کی مشق۔

(۴) **معلومات عامہ** :- آلو کے پودوں اور گھاس میں تمیز، گھاس کو سڑا کر کھاد بنانا۔

(۵) **صحت وصفائی** - عام طریقے سے جسم اور کپڑوں کی صفائی۔

(۶) **سماجی مطالعہ** - سماجی طریقے سے شہریت کی مشق۔

(ب) **دوسرے سبق کے لئے حرفے اور اس سے متعلقہ باتوں کا انتخاب** :

(۱) حرفہ - آلو کے باقی کھیت کی صفائی۔

(۲) **زبان** - سیکھے ہوئے محاوروں کی مشق اور استعمال کے ساتھ "جڑ سے کھودنا"، "مٹی چڑھانا" "سینچنا" وغیرہ کا استعمال۔

(۳) **حساب** - بیس سے تیس تک کی گنتی کی مزید مشق۔

(۴) معلومات عامہ
(۵) صحت وصفائی } پچھلے دن کی طرح مشق
(۶) سماجی مطالعہ

(۲) بنیادی اسکول جموں (کشمیر) میں کتائی بنائی کے ذریعے دیئے ہوئے سبق کا ایک نمونہ

چرخے پر کام کرنے کے لئے پٹڑوں کی مانگ

(گذشتہ ۵ مہینے سے جموں کے ٹریننگ اسکول میں بنیادی تعلیم

کامل تجربہ ہو رہا ہے۔ اس کے ساتھ جو شتی مدرسہ ہے اس میں بنیادی دستکاری یعنی کتائی بنائی کے ذریعے پوری تعلیم دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اسی سلسلے میں زبان، حساب، معلومات عامہ، سماج کا مطالعہ وغیرہ مضامین پڑھائے جاتے ہیں۔ یہاں پر نمونے کا ایک سبق دیا جارہا ہے۔]

تیسری جماعت کے لڑکے چرخے پر فالموں کے لئے دھاگا تیار کررہے تھے۔ (یہ دھاگا لڑکے خود ہی کاتتے، خود ہی رنگتے اور خود ہی چرخے پر تیار کرتے تھے۔) لڑکوں نے استاد سے کہا کہ جب چرخے پر کام کیا جاتا ہے تو بیٹھنے کے لئے کوئی چیز نہیں ہوتی۔ استاد نے کہا تمھیں کس چیز کی ضرورت ہوگی۔ ایک نے کہا د.ی تیار کریں گے۔ دوسرا بولا ٹاٹ ٹھیک ہوگا لیکن آخر فیصلہ یہ ہوا کہ لکڑی کے پیڑے ٹھیک ہوں گے تب انھوں نے کہا کہ وہ اپنے حرفے کے استاد سے لکڑی کے پیڑے بنانے کی اجازت لیں۔ انھوں نے ان کے پاس جاکر پیڑے بنانے کی خواہش ظاہر کی۔

استاد نے پوچھا "کتنی چوکیاں درکار ہوں گی؟"

لڑکے بولے "کل بائیس۔"

استاد۔ "لکڑی کے لئے روپیہ کہاں سے لاؤگے؟"

• ایک نے کہا "بینک سے اُدھار لیں گے۔"

کچھ بولے "اتحادی دُکان سے لیا جائے۔"

اس لئے بینک کے منیجر اور اتحادی دُکان کے ڈائرکٹروں کو درخواست دی گئی۔ لیکن جواب ملا کہ اس کام سے فائدہ نہیں ہوگا اس لئے یہ رقم نہیں دی جاسکتی۔ آخر میں ہر ایک لڑکے نے ہیڈ ماسٹر کو درخواست لکھی۔ جس کی درخواست سب سے ٹھیک پائی گئی وہ ہیڈ ماسٹر صاحب کی خدمت میں پیش کی گئی۔

ہیڈ ماسٹر صاحب نے لڑکوں سے شہتیر کی قیمت معلوم کرنے کی ہدایت کی۔ کسی نے کہا شہتیر چار روپے میں ملتا ہے۔ کسی نے چھ اور کسی نے سات روپے بتلائے لیکن یہ کسی کو معلوم نہ تھا کہ کون کون سے درخت اور کون کون سی لکڑیاں پاس کے جنگل میں ملتی ہیں۔ اس وقت لڑکے کئی طرح کے درخت دیکھنے کے لئے جنگل میں گئے۔ انھوں نے طرح طرح کے درختوں کے پتے اپنے البم میں لگائے۔ جو پھولوں سے دلچسپی رکھتے تھے انھوں نے کئی قسم کے پھول البم میں رکھے جہاں وہ ہمیشہ محفوظ رہیں گے۔ درختوں کی بہت سی حالت انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ اس طرح انھیں مختلف درختوں کے لئے ضروری آب و ہوا، پیدائش کی جگہ، ان کی حفاظت کرنے والے محکموں، مروجہ قانون اور ان پر گذر اوقات کرنے والے لوگوں سے واقفیت ہوگئی۔

پھر استاد کے ساتھ دوکان پر جاکر لڑکوں نے طرح طرح کی لکڑیوں کی پہچان کی، بھاؤ معلوم کئے۔ کتب خانے میں اس سے متعلق کتابیں رکھی گئیں۔ انھوں نے گھوم پھر کر جو کچھ دیکھا تھا اسے بھی وہ گھر سے لکھ لائے۔ اس کے بعد ہیڈ ماسٹر کو درخواست دی گئی کہ ایک شہتیر کے لئے سات روپے لگتے ہیں۔ روپیہ منظور ہوا اور لکڑی خرید کر چِروائی گئی۔ اس سے لڑکوں کو مزدوروں کی مزدوری اور ان کی حالت کا پتہ چلا۔ انھیں معلوم ہوا کہ اس کے گھر میں کتنے آدمی ہیں اور اس کی مزدوری کیا ہے؛ دوسرے ملک کے مال دار مزدوروں کے مقابلے میں ہندوستان کے مزدور غریب کیوں ہیں۔ اس کی وجہ بھی انھیں معلوم ہوئی۔ ایک شہتیر میں ۵ تختے اور ایک تختے میں ۱۰ چوکیاں تیار ہوئیں۔ اس طرح حساب کے سوال پیدا ہوئے جنھیں حل کرنے کی لڑکوں میں دلچسپی پیدا ہوئی۔ ایک چوکی کی قیمت مع مزدوری ۱۰/ ہوئی۔ اس لئے ۲۲ چوکیوں کے (۲۲ × ۱۰/) ۱۳ روپے ۱۲/ یعنی پونے چودہ روپے ہوئے۔

اب لڑکے چوکیوں کی لکڑی کی قیمت سوت کات کر، کھدر، نواڑ اور تولیے بن کر ادا کرتے ہیں۔ اس سے انھیں پیسے کی قدر، خرچ کرنے کا ڈھنگ اور مزدوری کی عزت پیدا ہوتی ہے۔

بنیادی تعلیم کی نمائش

کانگریس کی سیاسی کارروائیوں کے ساتھ ساتھ سودیشی نمائش کی رسم برسوں سے چلی آرہی ہے لیکن ابتدا میں اس نمائش کا کوئی خیال نہ تھا اور نہ اس سے پہلے تعلیم کا کوئی نمایاں رنگ تھا۔ یہ صرف ایک سودیشی بازار ہوتا جس میں سودیشی مال بیچا جاتا۔ لیکن گذشتہ تین چار سال میں گاندھی جی کی بدولت نمائش کی صورت اور مقصد میں ایک نمایاں تبدیلی ہوگئی ہے۔

اس کی شکل دیہاتی ہوگئی ہے اور اس میں جو چیزیں بیچی یا پیش کی جاتی ہیں وہ صرف ہاتھ کے کام اور دیہاتی حرفے سے متعلق ہوتی ہیں۔ لیکن اب تعلیمی پہلو بھی گھر کر رہا ہے اس لئے نمائش میں صرف تیار کی ہوئی چیزیں ہی نہیں ہوتیں بلکہ کھادی کے کام اور دوسرے دیہاتی حرفوں کو بھی پیش کیا جاتا ہے۔

اس نمائش کی شکل وصورت کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ اس کا نام بھی بدلا گیا اور اُسے "کھادی اور دیہاتی حرفے کی نمائش" کہا گیا۔ نمائش کی اس نئی صورت کا مظاہرہ لکھنؤ کانگریس کے وقت ہوا اور اُس کے بعد فیض پور اور ہری پورہ کی نمائشوں میں آہستہ آہستہ اس کی ترقی ہوتی گئی۔

ہری پوری میں اس "کھادی اور دیہاتی حرفے کی نمائش" میں ایک نئی بات اور ہوئی۔ یہ نمائش صرف کھادی اور دیہاتی حرفوں ہی کی نہیں تھی بلکہ دیہاتی بچوں کے لئے تعلیم کی جو اسکیم رکھی گئی ہے اس کی نمائش بھی اس سے متعلق تھی۔ اس نمائش کے ختم ہونے کے وقت پنڈت جواہر لال نہرو نے مختصر الفاظ میں بنیادی تعلیم کا تعارف کراتے ہوئے اس نئی اسکیم کی تاریخ اور مقصد کو واضح طور پر بیان کیا تھا۔ انھوں نے کہا "...... اب میں آپ کی توجہ نمائش کے بنیادی نظام تعلیم کی طرف منعطف کرانا چاہتا ہوں۔ ہمارا آج تک کا طریقہ تعلیم بالکل نکما اور بے کار ثابت ہوچکا ہے۔ ملک کے نوجوان پورے کتابی کیڑے بن جاتے ہیں۔ یہ انھیں زندگی کے قابل نہیں بناتا اس لئے اس کو جڑ سے ہی بدل ڈالنا ضروری ہے۔

"ہندوستان کے بچوں کے لئے عام تعلیم کے متعلق ہری پورہ میں کچھ تذکرہ ہوا تھا۔ اس سلسلے میں سب سے بڑی دقت یہ تھی کہ خرچ کا سوال کیسے طے کیا جائے۔ اس معاملے کی ٹھیک جانچ کرنے کے لئے جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کی صدارت میں ایک کمیٹی بنائی گئی اور کمیٹی نے وردھا تعلیمی اسکیم پر ایک زبردست رپورٹ شائع کی مجھے پتہ چلا ہے کہ انگلستان میں بھی اس کی تعریف ہوئی ہے۔ اس تعلیم کا خاص اصول یہ ہے کہ بچوں کو تعلیم کسی ایک حرفے کے ذریعے دی جائے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ اگر اس کے ذریعے ٹھیک تعلیم دی جائے تو تعلیم اپنے لئے کچھ کر لینے کے قابل بنا سکتی ہے۔ لیکن

اس کے اس پہلو پر دکہ اس اسکیم کے ذریعے تعلیم کھانے کمانے کے قابل کر سکتی ہے) بڑا کہرام مچ گیا ہے۔ اب تو ہندوستانی تعلیمی سنگھ کا قیام ہو چکا ہے اور اس اسکیم کے مطابق تعلیم دینے والی کئی جماعتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ صحیح صحیح تو یہ وقت ہی بتا سکے گا کہ اس اسکیم کے مطابق تعلیم دینے کے ساتھ جو امیدیں وابستہ ہیں وہ کہاں تک بار آور ہوں گی لیکن یہ صاف ہے کہ اس نے ہمیں وہ راستہ دکھایا ہے جس سے ہندوستانی تعلیم کا سوال حل ہو سکے گا۔"

بنیادی تعلیم کی تحریک کو ابھی پورا ایک سال بھی نہیں ہوا ہے پھر بھی ان آٹھ مہینوں میں ۹ تعلیمی مرکز اور کئی بنیادی مدرسے قائم ہو گئے ہیں اور اس نئی اسکیم کو ہندوستان کے مختلف حصوں میں پھیلا رہے ہیں۔ ان میں سے چھ ٹریننگ اسکولوں) جموں کشمیر، جامعہ ملیہ دہلی، الہ آباد، بہار، ٹریننگ اسکول وردھا اور مہیلی پٹن) نے اس نمائش میں حصہ لیا تھا۔ یہ بات ضرور پائی گئی کہ وقت کی کمی اور اس قسم کی ابتدا ہونے کی وجہ سے یہ نمائش مکمل اور پوری نہیں کہی جا سکتی۔

اس نمائش کا مقصد اتنا ہی رہا ہے کہ تصاویر، مضامین، لڑکوں اور استاد کے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیزوں کی مدد سے اس نئی تعلیمی اسکیم کے اصولوں کو تمام لوگوں کے سامنے صاف طور پر رکھا جائے۔

سب سے پہلے تصویروں کے ذریعے یہ بات سمجھانے کی کوشش کی گئی تھی کہ پرانے اور نئے طریقۂ تعلیم میں کیا فرق ہے اور جو دیہاتی دستکاریاں اس نئی تعلیم کی اسکیم میں ہیں ان کا کیا مقصد ہے؟ اس کے بعد چارٹ اور گراف کی مدد سے یہ بتایا گیا تھا کہ اس نئی تعلیم کی اسکیم میں جو حرفے ہیں ان کا ربط دوسرے تعلیمی مضامین سے کس طرح قائم کیا جا سکتا ہے اور صرف ایک حرفے کی مدد سے ہی بچے کو مکمل تعلیم کس طرح دی جا سکتی ہے۔

اس کے علاوہ گذشتہ آٹھ ماہ میں دستکاری کے کام کا جو تجربہ ہوا ہے اس کی بنا پر چارٹ اور گراف کی مدد سے یہ بھی بتایا گیا تھا کہ اس نئی تعلیم کے مدارس کہاں تک خود اپنا خرچ نکال سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ طالب علموں اور استادوں کے ہاتھ کی بنی ہوئی چیزیں بھی دکھائی گئیں۔

تکلی کی اہمیت

نمائش کا ایک حصہ تکلی کی اہمیت بتانے کے لئے رکھا گیا تھا جہاں یہ بات روشن تھی کہ تکلی جیسی چھوٹی چیز میں بھی کتنی طاقت بھری ہے۔ چھوٹی سی تکلی اور اسی کے پاس اس پر کاتے ہوئے ۴۰ نمبر کے سوت سے لے کر موٹے سے موٹے سوت سے بنے ہوئے کئی تھان رکھے تھے۔ ان میں بڑے اور چھوٹے چھوٹے، ۱۰ سال کے بچوں کے تکلی پر کاتے ہوئے سوت کے بنے ہوئے کپڑے، تولیے، دھوتیاں وغیرہ تھیں۔ اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ تکلی جیسی چھوٹی سی چیز پر بچے کتنا سوت کات سکیں گے اور اس سوت کا فائدہ بھی کیا ہوگا لیکن نمائش میں رکھے ہوئے یہ تھان کے تھان لوگوں کے شبہوں کو آپ سے آپ دور کر رہے تھے۔ لوگ انھیں دیکھ کر اندازہ لگا سکتے تھے کہ بنیادی تعلیم کے ذریعے تعلیم کس طرح مفید اور آپ اپنا خرچ نکالنے والی ہو سکتی ہے۔ یہاں یہ بات صاف روشن تھی کہ پرانے طریقۂ تعلیم کے نکے ڈھرے اور جسم و دماغ کی نشو و نما کرنے والے اس نئی تعلیم کے موجودہ طریقے میں کتنا فرق ہے؛ پھر یہ تکلی بھی کتنی سادی تھی۔ کھپریل، پتھر یا نرم پتھر کی پھرکنی اور بانس کی ڈنڈی جسے دیہات میں چاہے کوئی بنا لے، اس کے پاس ہی پڑی سلائی کی چھوٹی سی ایک اٹھنی تھی۔ یہ تمام چیزیں بچوں کی قدرت کاملہ کا تھوڑا سا اظہار کرنے کے لئے موجود تھیں۔ ملک کی غریبی کا سوال حل کرنے میں چھوٹے چھوٹے بچے اور چھوٹی سی تکلی کس خوبی کے ساتھ حصہ لے سکتے ہیں اس کا اندازہ صاف طور پر یہاں ہوتا تھا۔ دراصل تکلی کا "دست پورن" نام کس قدر بامعنی ہے۔

اس نمائش کے ساتھ ساتھ ایک زندہ نمائش بھی تھی۔ سی۔ پی حکومت کی طرف سے جو ۱۰۰ مدرسوں کا افتتاح ہوگا انھی کے طرز پر ایک نمونہ کا مدرسہ بھی قائم کیا گیا تھا اور اس میں قریب کے گاؤں کے بچوں کو نئی تعلیم کے طریقے سے تکلی کے ذریعے تعلیم دی جاتی تھی۔ نمائش گاہ میں ایک طرف قابل استادوں نے کتائی اور کتے کے سلسلے میں ایک نمایاں کام کر دکھایا تھا۔ تعلیمی نقطۂ نظر سے اس کی اہمیت کا اندازہ دیکھنے والے خود اپنی آنکھوں سے کر سکتے تھے اور اس طرح اس نئی تعلیمی اسکیم کو بخوبی سمجھ سکتے تھے اور اس کے بارے میں جو شکوک تھے وہ رفع ہو جاتے تھے۔

نمائش میں وردھا ٹریننگ اسکول کے طالب علموں کی بنائی ہوئی بہت سی چیزیں تھیں۔ اپنے دو مہینے کے تعلیمی نصاب میں انھوں نے جو کتے کے تقریباً چار سو نمونے تیار کئے تھے وہ سب یہاں دکھائے گئے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ کچھ دھات اور لکڑی کے نمونے بھی تھے۔ اس کے علاوہ وہاں کے غیر تعلیم یافتہ دیہاتیوں کے بنائے ہوئے کچھ نمونے بھی تھے جو ان کے اس کام کی دیکھا دیکھی تیار کرائے گئے تھے۔ ان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بنیادی تعلیم کی بدولت کتے، لکڑی اور دھات کی کتنی اہمیت ہے اور دستکاری میں ان کا ایک دوسرے سے کتنا تعلق ہے۔

یہ دکھانے کے لئے کہ ان تمام کاموں، تصویروں، مضمونوں اور چیزوں کا تعلیمی نقطۂ نظر سے اصل مقصد کیا ہے، نمائش گاہ کے بیچوں بیچ ایک چھوٹا سا کمرہ سجایا گیا تھا۔ اس میں یہ دکھایا گیا تھا کہ انسانی زندگی کی جو بنیادی ضرورتیں ہیں مثلاً خوراک، لباس اور اوزار ــــ ان کے ذریعے بچوں کی زندگی میں علم کا تصور پیدا کیا جائے۔

غرض تری پوری میں ہمارا یہ کام جو کہ نمائش کا ایک نیا انداز تھا پبلک کی دلچسپی اور اس کی تعلیم کی کامیاب صورت رہی۔ ہمیں امید ہے کہ آئندہ مختلف صوبوں کے بنیادی تعلیم کے کارکن جمع ہو کر اس اسکیم کو تعلیم کے قابل اور مزید کامیاب بنانے کی کوشش کریں گے۔

مدیر

بچوں کو تکلی کیسے سکھائیں؟

تکلی سوت کاتنے کا سب سے پرانا اور سب سے پہلا اوزار ہے۔ پرانے زمانے میں چمڑے اور چھال پہننے کے بعد جب آہستہ آہستہ انسان نے گھاس پات اور بناپتیوں کو بٹ کر پہننا شروع کیا تو اسے اسی قسم کے ریشوں کو زیادہ بل دے کر اور پہلے کی بہ نسبت زیادہ گھنا جال تیار کر کے پہننے کا خیال پیدا ہوا۔ پہلے بٹنے کا کام وہ لوگ ہاتھ کی چٹکیوں ہی سے کرتے تھے کیونکہ ان کے پاس بٹنے والا کوئی اوزار نہ تھا لیکن آہستہ آہستہ انسان کو ایسی چیز

کی ضرورت ہوئی جسے انھوں نے تکلی جیسی کوئی چیز تیار کر کے پورا کیا، اور اس طرح وہ بل دے کر اپنا کام نکالنے لگے۔ وہی چیز بہت زمانہ گزرنے کے بعد موجودہ تکلی کی صورت میں آگئی ہے۔ آج ہر شخص اسی کو کتائی کا ذریعہ مان رہا ہے اور کاتنے کا طریقہ سیکھنے کا خواہش مند ہے۔ یوں تو ہر شخص اسے آسانی سے سیکھ سکتا ہے لیکن بچوں کے لئے ابتدائی عمر میں یہ کام کچھ مشکل معلوم ہوتا ہے اس لئے یہ سوال اٹھتا ہے کہ ہم بچوں کو تکلی کیسے سکھائیں؟

جس طرح کہ پرانے زمانے کے لوگوں کو تکلی کا کچھ وہم وگمان بھی نہ تھا اسی طرح ہمارے چھوٹے بچے بھی عام طور پر تکلی سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں۔ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ کیا چیز ہے اور اس سے کیا کام نکلتا ہے۔ اس لئے ہم بچوں کو تکلی سکھانے سے پہلے ان کے ہاتھ میں یکایک تکلی دیے بغیر تکلی سے ملتی جلتی کوئی ناچنے والی چیز دیں جو ان کے لئے کھیلنے کی ایک چیز ہو اور جسے نچانے میں وہ کافی دلچسپی لیں۔ کھیلنے پر زیادہ دھیان اس لئے دینا چاہئے کہ بچے قدرتی طور پر کھیلنا پسند کرتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ بچوں کے ہاتھ میں سب سے پہلے کونسی چیز دی جائے۔ میں جہاں تک سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ مندرجہ ذیل چیزوں میں سے کوئی ایک چیز دینا ٹھیک ہوگا:

۱۔ مٹی کی گولی یا گھیرا جس کے بیچ میں بانس کی تیلی لگی ہو۔
۲۔ لٹو
۳۔ لکڑی کی گرری وغیرہ۔

لیکن ان چیزوں کے نچانے میں بھی مقصد پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ لٹو یا گرری نچانے میں پہلے داہنے ہاتھ کی بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کی چٹکی سے کام شروع کرنا چاہئے۔ اس کے بعد بائیں ہاتھ کی بیچ کی انگلی اور انگوٹھے سے نچانے کی مشق کرائی جائے۔ استاد اس بات کا خیال رکھے کہ وہ دونوں ہاتھوں سے باری باری سے گھماتے وقت ایک ہی جانب بل دینے کی عادت ڈالیں۔

تکلی پر سوت کاتنے کے وقت ہمیں دو باتوں پر پوری توجہ رکھنی چاہئے، پہلے بل دینا اور اس کے بعد تار کھینچنا۔ بل دینے کے بھی الگ الگ طریقے ہیں۔ داہنے ہاتھ سے بل دیتے وقت انگوٹھا باہر کی طرف اور درمیانی انگلی اندر ہوتی ہے لیکن بائیں ہاتھ سے کاتتے وقت انگوٹھا اندر کی طرف اور انگلی باہر ہوتی ہے۔ ان طریقوں کی مشق بچوں کو لٹو یا پھرکی نچاتے وقت کرانی چاہئے۔ اس طرح نچاتے نچاتے انھیں یکساں بل دینے کی پوری مشق ہو جاتی ہے اور آئندہ تکلی پر بل دینے میں انھیں بڑی آسانی ہوتی ہے۔ اس کے بعد دائیں ہاتھ کی بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کی چٹکی سے لٹو یا پھرکی نچانے کی مشق کرانی چاہئے، پھر بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے۔ جب بچوں کو دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے باری باری سے نچانے یا بل دینے کی پوری مشق ہو جائے تو انھیں تکلی دینی چاہئے۔ کیونکہ تکلی کاتنے کا جو سب سے پہلا عمل ہے یعنی بل دینا وہ انھیں اچھی طرح آگیا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بچے کس ہاتھ سے تکلی چلانا شروع کریں۔ اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ جو کام آسانی سے ہو جاتا ہے اس میں بچے قدرتی طور پر زیادہ توجہ دیتے ہیں اور کافی دلچسپی لیتے ہیں۔ دائیں ہاتھ سے کوئی کام کرنا قدرتی ہے۔ ہم پہلے اگرچہ دائیں کی طرح بائیں سے بل دینے کی مشق کرا چکے ہیں، لیکن بہتر یہی ہے کہ قدرتی طریقے سے پہلے دائیں ہاتھ سے کام کرنے کی صلاحیت کا خیال کر کے اسے آگے بڑھایا جائے لیکن یہ خیال رکھنا چاہئے کہ ہم ان کے بائیں ہاتھ سے بھی ساتھ ہی ساتھ بل دینے کا کام لیں۔

پہلے دونوں ہاتھوں سے تکلی کو لٹو یا پھرکی کی طرح نچائیں۔ پھر باری باری سے دونوں ہاتھوں کی چٹکیوں سے تکلی پر بل دیں اور تکلی کی سینک اپنی درمیانی انگلی اور انگوٹھے کے بیچ میں رکھیں تاکہ ناچتے وقت تکلی ان کے قبضے میں رہے۔ اس طرح دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کی دونوں حرکتوں سے یکے بعد دیگرے مشق کریں۔

تکلی ایک چکنی تختی پر سادھ کر نچانی چاہئے۔ تکلی پر کالا کاغذ چپکا دینا اچھا ہوگا۔ اس سے بچوں کی آنکھوں پر غیر ضروری زور نہ پڑے گا اور وہ اپنے کاتے ہوئے سوت پر آسانی سے دھیان رکھیں گے۔ اگر تختی چکنی اور سخت نہ ہوگی تو انھیں تکلی پھرانے میں مشکل ہوگی اور تکلی بھی دیر تک نہ ناچ سکے گی۔

جب بچوں کو تکلی پر پورا قبضہ ہو جائے تو انھیں پونی دینی چاہئے۔ بچے پونی پکڑتے وقت خیال رکھیں کہ پونی بیچ کی انگلی اور دوسری انگلی کی گھائی میں رہے اور انگوٹھے اور چھنگلی کی چٹکی سے دبی رہے۔ چٹکی دبا کر رکھنے کی عادت شروع ہی سے ڈالنی چاہئے کیونکہ اس پر سوت کی باریکی یا موٹائی کا انحصار ہے۔ تکلی چلاتے وقت بچوں کو یہ عادت ڈلوائی جائے کہ پہلے بل دیں اس کے بعد تار کھینچیں۔ اس کے لئے ایک ترتیب دار حساب لگا لینا چاہئے۔ بچے پہلے ایک بار کہہ کر بٹ دیں پھر دو کہنے پر بٹ دیں۔ کتائی کے سلسلے میں یہ ان کی سب سے پہلی منزل ہے۔ اگر وہ شروع ہی سے ایسی عادت ڈالیں تو آئندہ کتائی میں اچھی ترقی کر سکیں گے۔

دوسری بات جو قابل توجہ ہے یہ ہے کہ نگاہ اور دل کو یکسو رکھا جائے۔ تکلی چلاتے وقت بچے اپنی نگاہ پونی اور تکلی پر رکھیں۔ اگر اسے بچے شروع سے نہ کریں گے تو ان کے کاتنے کے عمل میں بڑی کمی رہ جائے گی کیونکہ کاتنے میں توجہ اور نگاہ کا یکسو رہنا ضروری ہے۔

اس طرح بچوں سے کم سے کم کچھ دنوں تک کتوانے میں مذکورہ بالا ہدایات سے کام لینا چاہئے۔ جیسے جیسے ان کی مشق بڑھتی جائے ویسے ویسے انھیں دوسرے عمل سکھا کر کاتنے کی عادت ڈلوائی جائے

بنیادی تعلیم کا ادب

۱۔ بنیادی حرفہ: کتائی

خوشی کی بات ہے کہ تعلیمی سنگھ کی طرف سے "بنیادی حرفہ: کتائی" کے نام سے ایک چھوٹی سی مگر بامعنی کتاب شائع ہوئی ہے۔ اس کے مرہٹی اور ہندی دونوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، اردو ایڈیشن تیار ہو رہا ہے۔ اس کے بارے میں اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ اسے اصلی مرہٹی میں ونوبا جی بھاوے نے لکھا ہے۔

اسے کتاب کہنے کے بجائے معلومات کا خزانہ کہنا بہتر ہوگا۔ اس میں بنیادی دستکاری کے ذریعے کتائی سکھانے والے معلمین کے لئے نصاب کو واضح کرنے والی بڑی کام کی باتیں ہیں اور کتائی میں جو مختلف باتیں پوشیدہ ہیں ان پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔

تکلی سے کتائی کے معمولی کام میں بھی طرح طرح کے مشق طریقے بتلائے ہیں۔ یہ بھی مثالوں سے بتایا گیا ہے کہ معلم کی قوت متخیلہ کیسی ہونی چاہئے۔ چھوٹی سے چھوٹی بات بھی اس کی نظر سے نہ چھوٹنی چاہئے۔ "حرفہ کے ذریعے تعلیم" کے کیا معنی ہیں اور اس میں کن کن باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ معلمین کے لئے اس کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔

سری کرشن داس جاجو

۲۔ معلم زراعت، حصہ اوّل

مصنف: جناب شنکر رام چندر بھیے اور جناب ہرش چند گوپال پٹیل

وردھا تعلیمی اسکیم کے مطابق ہر ایک لڑکے کو اپنی مادری زبان میں ۷ سال تک تعلیم دینی ہے اور وہ کسی خاص بنیادی حرفے کے ذریعے دینے کا خیال ہے۔ ان بنیادی حرفوں میں کھیتی کو آسانی سے پہلی جگہ دی جاسکتی ہے لیکن بچوں کی عمر کے لحاظ سے یہ مانا گیا ہے کہ زراعت کے بنیادی حرفہ کو آخری دو جماعتوں میں رکھا جائے اور پہلی پانچ جماعتوں میں بچوں کو کھیل کے طور پر کھیتی کا تھوڑا بہت کام سکھایا جائے۔ اس خیال کے مطابق ہمارے نصاب میں پہلی پانچ جماعتوں کے لئے ایک مختصر سا نصاب دیا گیا ہے۔ بھیے جی صاحب نے اس چھوٹی سی کتاب میں استادوں کے لئے اس نصاب کو واضح کیا ہے۔ کتاب تعلیمی سنگھ کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔ شائع کرنے والے صاحب کتاب کی قیمت لکھنا بھول گئے ہیں۔

میں نے یہ کتاب لکھی ہوئی صورت میں بھی دیکھی تھی۔ اس وقت اس میں تصاویر دینی باقی تھیں۔ اب مع تصاویر اسے دیکھ رہا ہوں۔ استادوں کے لئے مجھے یہ کتاب کافی فائدہ مند معلوم ہوتی ہے۔ اس کے مصنف زراعت اور اس کی تعلیم کے کافی تجربہ کار ہیں اور اس کتاب میں انھوں نے عام فہم اور دل پسند انداز میں معلمین کے لئے کافی مواد فراہم کر دیا ہے۔ کتاب میں کچھ معلومات ایسی بھی ہیں جو بمبئی کے آس پاس کی آب و ہوا سے تعلق رکھتی ہیں لیکن ہندوستان ایک بڑا ملک ہے۔ اس میں طرح طرح کی آب و ہوا اور خطے ہیں۔ اس لئے کھیتی کی ایک ہی چھوٹی سی کتاب تمام ہندوستان کے لئے کافی نہیں ہوسکتی۔ پھر بھی اس کتاب کی بہت سی باتیں سب صوبوں میں کام دے سکتی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ معلمین اپنی سمجھ سے ضروری تبدیلیاں کرکے اس کتاب سے فائدہ اٹھائیں گے۔

دنوباجی بھوے

۳۔ EDUCATIONAL RECONSTRUCTION

دوسرا ایڈیشن

کچھ دن ہوئے ہم نے Educational Reconstruction کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا ہے۔ اس کی ضخامت ۲۹۶ صفحے اور قیمت عہ ہے۔ اس کی پہلی اشاعت "بورا اینڈ کو" کی طرف سے بمبئی میں ہوئی تھی جو کہ ہاتھوں ہاتھ بک گئی۔ لیکن خریداروں کی مزید مانگ کے باعث ہم نے اسے خود شائع کیا ہے۔

اس میں کلی نئی تعلیم کے طریقے کے بارے میں گاندھی جی کے وہ خیالات جو "ہریجن" اور "ہریجن بندھو" میں شائع ہوئے تھے، ذاکر حسین کمیٹی کی رپورٹ اور اس کا مرتبہ نصاب اور دیگر باتیں جن سے بنیادی تعلیم کی ترقی ہوئی دی گئی ہیں۔

کتاب کے پہلے حصے میں اس نئی تعلیم کے طریقے پر مہاتما گاندھی اور مہادیو دیسائی وغیرہ کے مضامین ہیں جن میں انھوں نے پرانے نکمے تعلیمی نظام کی مخالفت کی ہے اور تعلیم میں مناسب تبدیلیاں اور ضروری اصلاح کے لئے پرزور دلائل پیش کئے ہیں۔ اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بچوں کو تعلیم کسی دستکاری کے ذریعے دی جائے اور وہ بچوں کی سماجی زندگی اور ماحول کے مطابق ہو۔

ان مضمونوں کا لوگوں پر بڑا اثر پڑا اور نتیجہ یہ ہوا کہ اکتوبر ۱۹۳۷ء میں وردھا میں تمام ملک کے ماہرین تعلیم کی مہاتما گاندھی کی صحبت میں ایک اہم کانفرنس ہوئی جس میں سب لوگوں نے ایک رائے ہوکر گاندھی جی کی اس تجویز کو پسند کیا۔ ساتھ ہی ساتھ تجربہ کار ماہرین تعلیم کی ایک کمیٹی بنائی گئی اور اسے اس تجویز کے مطابق بنیادی اصولوں کی بنا پر ایک نصاب تعلیم تیار کرنے کا اختیار دیا گیا۔

اپنے صدر کے نام سے مشہور ڈاکٹر ذاکر حسین کمیٹی کی رپورٹ اور نصاب دونو کافی طور پر شہرت پاچکے ہیں۔ اس کا حوالہ اس کتاب کے تیسرے اور چوتھے باب میں دیا گیا ہے۔

اس لئے جو لوگ ملک کی بنیادی تعلیم میں خاص دلچسپی رکھتے ہیں اور جو اس کی ترقی اور بنیادی اصولوں کو جاننا چاہتے ہیں ان سے ہماری گزارش ہے کہ اس کتاب کو ضرور پڑھیں۔

اس نئی تعلیم کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے ہمیں مہاتما گاندھی (جو اس تجویز کے بانی مبانی ہیں) کے ان خیالات کا جاننا بہت ضروری ہے کس طرح سے انھوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور کس طرح بے تعداد مخالفتوں کا مقابلہ اور شکوک کا رد کیا ہے۔ اس کتاب کو پڑھ کر ان تمام باتوں اور نئی تعلیم کی اصلی صورت سے واقفیت ہوسکتی ہے۔

سرلا

بہار میں بنیادی تعلیم کا کام

بنیادی تعلیم کے اصل اصول اور تجربے کو سمجھنے کے لئے ہندوستانی تعلیمی سنگھ کی جانب سے ٹریننگ کیمپ کا انتظام کیا جاتا ہے۔ گذشتہ جون ۱۹۳۸ء اور جنوری ۱۹۳۹ء میں وردھا میں ایسے دو تعلیمی کیمپوں کا انتظام کیا گیا تھا اور ہندوستان کے مختلف صوبوں سے سرکاری اور غیر سرکاری نمائندے اس میں شامل ہوئے تھے۔

گرمی کے دو مہینوں میں تعلیمی ادارے بند رہتے ہیں اور استادوں کو موقع ملتا ہے۔ اس لئے جو استاد یا تعلیمی کام کرنے والے بنیادی تعلیم سے دلچسپی رکھتے ہیں اور اس کے متعلق زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے اپریل اور مئی کے دو مہینوں میں دو تعلیمی کیمپ قائم کرنا طے کیا گیا ہے۔ اس میں سے ایک شمالی اور دوسرا جنوبی ہندوستان میں ہوگا۔

۲۰ اپریل سے ۲۶ اپریل تک بہار میں چمپارن ضلع کے برنداین نامی گاؤں میں گاندھی سیوا سنگھ کا سالانہ اجلاس ہوگا۔ اس اجلاس میں مہاتما گاندھی اور دوسرے مشہور لیڈر بھی تشریف لائیں گے۔ بہار ٹریننگ اسکول میں جو اساتذہ تیار کئے گئے ہیں وہ بھی ۱۳ اپریل سے اسی برنداین گاؤں کے آس پاس ۵۰ دیہاتی اسکولوں میں بنیادی تعلیم کا تجربہ شروع کریں گے۔ اس بنا پر یہ طے پایا ہے کہ گاندھی سیوا سنگھ کے سالانہ اجلاس کے ساتھ ۱۵ دن کے لئے (۱۲ اپریل سے ۵ مئی تک) بنیادی تعلیم کا ایک مختصر تعلیمی کیمپ جاری کیا جائے۔ اس تعلیمی کام کی ابتدا اور انتظام

کی ذمہ داری بہار گورنمنٹ نے لی ہے۔ اس کیمپ میں بنیادی تعلیم کے اصول اور تجربے پر روشنی ڈالی جائے گی اور تقریریں ہوں گی اور ساتھ ہی ساتھ تکلی پر کتائی اور دھنائی کی ابتدائی صنعت سے بھی واقف کرایا جائے گا۔ برندابن کو اس تعلیمی کام کے لئے اس لئے چنا گیا ہے کہ بنیادی تعلیم پر اصولی گفتگو کے علاوہ آس پاس کے دیہاتی مدرسوں میں اس کے صحیح تجربے کے دیکھنے اور اس پر گفتگو کرنے کا بھی موقع ملے گا۔ ساتھ ہی گاندھی سیوا سنگھ کے اجلاس کی وجہ سے ہم ملک کے ماہرین تعلیم کے قیمتی خیالات سے بھی آسانی سے مستفید ہو سکیں گے۔ جو لوگ اس کورس میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا اس کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ براہ مہربانی اس پتے پر خط و کتابت کریں:۔

جناب رام سرن صاحب اُوپادھیا'
ہیڈ ماسٹر ٹریننگ اسکول'
ڈاک خانہ مہیندر' پٹنہ

بہار تعلیمی کیمپ کا پروگرام

ٹریننگ کیمپ کے ڈیلیگیٹوں سے امید کی جاتی ہے کہ انھوں نے کورس میں شریک ہونے سے قبل بنیادی قومی تعلیم کا ابتدائی مطالعہ کر لیا ہوگا۔

کام کے پروگرام میں کتائی' دھنائی' بنیادی تعلیم کے اصولوں پر بحث و مباحثہ' بنیادی تعلیم کی مشق' مربوط تعلیمی اسباق کا مشاہدہ بنیادی مدارس میں جو حکومت بہار نے ایک علاقے میں ابتدائی تجربے کے لئے کھولے ہیں وغیرہ وغیرہ باتیں شامل ہوں گی۔

دستور العمل حسب ذیل ہوگا:۔

صبح ۔ ۷½ سے ۱۰ بجے تک
حرفے کا کام۔ کتائی اور مربوط تعلیمی اسباق کا مشاہدہ۔

سہ پہر ۔ ۳ سے ۴½ تک
لکچر اور بحث و مباحثہ۔

...

لکچروں کا پروگرام

افتتاح	بابو راجندر پرشاد صاحب۔
مہاتما گاندھی کے پروگرام میں ایکتا۔	آچاریہ جے۔ بی۔ کرپلانی صاحب۔
بنیادی تعلیم کے بنیادی اصول	جناب کاکا کالیلکر صاحب " کشور لال مشروالا صاحب " ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب " ای۔ ڈبلیو آریہ نائکم صاحب
دیہی صنعتوں کی انجمن کے بنیادی اصول	" کمارپا صاحب
بنیادی تعلیم میں ہندوستانی کی حیثیت۔	" ڈاکٹر سید محمود صاحب
بنیادی تعلیم کا معاشی پہلو	" بابو بدری ناتھ ورما صاحب
بہار میں بنیادی تعلیم	" آر۔ ایس۔ اُپادھیا صاحب
بنیادی حرفہ: کتائی	" لکشمی نارائن صاحب
بنیادی نصاب اور مربوط تعلیمی اسباق مع عملی اسباق کے نمونے کے	" دوارکا پرشاد سنہا صاحب " شو کمار لال صاحب
بنیادی تعلیم کے استادوں کی ٹریننگ	" آر۔ ایس۔ اُپادھیا صاحب " ڈاکٹر آئی۔ آر۔ خان صاحب
بنیادی تعلیم کے ماتحت نگرانی	" بی۔ بی۔ مکرجی صاحب
بنیادی تعلیم کا لٹریچر	" آشا دیوی صاحبہ

فہرست مضامین

پرنٹر و پبلشر: حامد علی خاں — مطبوعہ جید برقی پریس — مدیر: آشا دیوی

رجسٹرڈ نمبر: ایل ۴۴۴۷

نئی تعلیم

(ہندستانی تعلیمی سنگھ کا پرچہ)

جلد ۱، نمبر ۵	دہلی، مئی ۱۹۳۹ء	قیمت سالانہ عہ

بنیادی تعلیم کی رفتار

۱۔ ہندوستانی تعلیمی سنگھ کا سالانہ جلسہ

ہندوستانی تعلیمی سنگھ کا پہلا سالانہ جلسہ ۱۱، ۱۲ اور ۱۳ اپریل کو جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی میں ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کی صدارت میں ہوا۔ مندرجہ ذیل اراکین موجود تھے:۔

۱۔ ڈاکٹر ذاکر حسین (صدر)
۲۔ ڈاکٹر سید عابد حسین
۳۔ راج کماری امرت کور
۴۔ جناب آشا دیوی
۵۔ جناب آشنکر
۶۔ جناب ٹی۔ ایس۔ اویناش لنگم
۷۔ جناب ورۃ البیضا حسین
۸۔ جناب سری کرشن داس جاجو
۹۔ جناب کاکا صاحب کالیلکر
۱۰۔ آچاریہ جے۔ بی۔ کرپلانی
۱۱۔ جناب جے۔ سی۔ کماریا
۱۲۔ پروفیسر محمد مجیب
۱۳۔ جناب خواجہ غلام السیدین
۱۴۔ جناب آریا نائکم (سکریٹری)

پچھلے جلسے کی کارروائی منظور ہونے کے بعد سکریٹری نے تعلیمی سنگھ کی سالانہ رپورٹ پیش کی۔ مختلف صوبوں میں بنیادی تعلیم کی رفتار سے روشناس کرانے کے بعد آپ نے بیان کیا کہ "یہ بنیادی تعلیم کی رفتار کا اور ۳۹-۱۹۳۸ء میں جو تھوڑے بہت کام ہم کرسکے ہیں اس کا مختصر بیان ہے۔ لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستانی تعلیمی سنگھ کا خاص مقصد ہندوستان بھر کے ۷ سے ۱۴ سال کے تمام بچوں کے تعلیمی کام کو عملی شکل دینا ہے تو ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہم ابھی تک اس بڑے کام کو محض چھو ہی سکے ہیں۔ اس لئے ڈاکٹر ذاکر حسین کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق آئندہ بیس برسوں میں اگر ہمیں عوام کی تعلیم اور اپنے فرض کو پورا کرنے کا مقصد حاصل کرنا ہے تو بنیادی تعلیم کے لئے ہمیں ایسے طریقے اور سامان ڈھونڈنے پڑیں گے جو تیز اور پُر انجام ہوں لیکن بنیادی تعلیم کی اس رفتار کو ہمیں اس طرح نہیں بڑھانا ہے جس سے اس کی کارروائی اور خوبی میں کچھ کمی آجائے۔ اس لئے گذشتہ چند مہینوں کے تجربے سے استفادہ کرتے ہوئے ہمیں آئندہ سال کے لئے کچھ منتخب کام تیار کرنے چاہئیں۔"

تعلیمی سنگھ کے آئندہ سال کے کام کی بابت مندرجہ ذیل تجویزیں منظور کی گئیں:

تجویز ۱:۔ یہ طے پایا کہ جہاں کہیں ممکن ہو سنگھ کے ممبران تجربے کے طور پر بنیادی مدرسے جاری کریں۔ یہ مدرسے ان کی نگرانی میں چلیں جس سے اس بات کا اطمینان رہے کہ تجربہ ایمان داری سے ہو رہا ہے۔ یہ امید کی جاتی ہے کہ ان مدرسوں کے چلانے والے ممبران عام اداروں اور دوسرے پبلک ذرائع سے مناسب سامان حاصل کرسکیں گے۔

تجویز ۲:۔ یہ طے پایا کہ سنگھ صوبہ جاتی حکومتوں سے درخواست کرے کہ وہ ہندوستانی تعلیمی سنگھ کو اور اس کے ذریعے منظور شدہ اداروں کو وہ سب آسانیاں دیں جن سے وہ اپنے بنیادی مدرسے چلاسکیں اور یہ حکومتیں ان اسکولوں کو اپنے عام نظام تعلیم کا ایک جزو بنائیں۔

تجویز ۳:۔ صوبہ جاتی حکومتوں سے یہ استدعا کی جاتی ہے کہ وہ سنگھ کے اور اس کے ماتحت چلنے والے اداروں سے تیار شدہ استادوں کے سرٹیفکیٹ اور سندوں کو مستند سمجھیں۔

تجویز ۴۔ اشاعتی مجلس کی رائے میں یہ بہت ضروری ہے کہ بنیادی تعلیم کے پہلے تین درجوں کے لئے پڑھائی اور تعلیم کے ضروری سامان سنگھ کے ذریعے جلد سے جلد تیار کئے جائیں اور سنگھ سے استدعا کی جاتی ہے کہ وہ اس کے لئے پانچ ہزار روپے طباعت کی مجلس کے سپرد کردے۔

تجویز ۵:۔ یہ طے ہوا کہ معاوضہ کا بغیر خیال کئے ڈاکٹر ذاکر حسین کمیٹی کے نصاب اور رپورٹ کا صوبہ جاتی زبانوں میں ترجمہ کرنے کی اجازت دی جائے اور ان کی فروخت کا انتظام سنگھ کرے۔

تجویز ۶ :۔ یہ طے ہوا کہ ڈاکٹر ذاکر حسین کمیٹی کی رپورٹ اور نصاب کے علاوہ سنگھ کی دوسری کتابوں کے ترجموں کی بابت اپنے حق کی کچھ رقم وصول کی جائے اور فروخت کی قیمت کا اختیار سنگھ کے نشر و اشاعت کے ہاتھ میں رہے۔

نصاب :۔

نصاب بنانے والی کمیٹی کی رپورٹ پیش کی گئی اور مندرجہ ذیل تجویزیں منظور ہوئیں :۔

تجویز ۷ :۔ یہ طے ہوا کہ فی الحال موجودہ نصاب پر کوئی نقص یا خامی نہ نکالی جائے کیونکہ اس کا نہ تو اتنا تجربہ ہی کیا گیا ہے اور نہ اس کا تجربہ کرنے پر اتنا وقت ہی گذر سکا ہے کہ اس کے متعلق کی ہوئی شکایتوں کی اصلیت ثابت کی جا سکے۔

بنیادی تعلیم کے کام کرنے والوں کا اجلاس :۔

تجویز ۸ :۔ یہ طے ہوا کہ اکتوبر کے آخر یا نومبر کے شروع میں بنیادی تعلیم کے تمام کارکنوں کا ایک اجلاس منعقد کیا جائے اور اس کے لئے بمبئی گورنمنٹ کی دعوت کو شکریے کے ساتھ منظور کیا جائے۔

۲ - بہار

بہار میں بنیادی تعلیم کا پہلا دور ختم ہو کر دوسرا دور شروع ہوا ہے اس پہلے تجربے کے لئے چمپارن ضلع کے موضع بیتیا میں ایک چھوٹا سا علاقہ چنا گیا اور وہاں پچاس اسکول کھولے گئے ہیں۔ پٹنہ تعلیمی مرکز سے جو ساٹھ استاد تیار ہوئے ہیں انھوں نے ۱۳ اپریل سے اس علاقے میں کام کرنا شروع کر دیا ہے۔

گاندھی سیوا سنگھ کے ساتھ ساتھ بنیادی تعلیم کا جو کام برندابن ضلع چمپارن میں شروع ہونے والا تھا اسے یک بیک طاعون کے شبے سے ملتوی کرنا پڑا۔ لیکن گاندھی سیوا سنگھ کے سالانہ اجلاس کے ساتھ ساتھ یہ تعلیمی کام ۳ مئی سے ۱۷ مئی تک پھر جاری کیا جا رہا ہے۔ اس کا افتتاح بابو راجندر پرشاد کریں گے۔ یہاں تعلیمی کام کے ساتھ ساتھ بنیادی تعلیم کی ایک نمائش کا بھی انتظام کیا جا رہا ہے۔

۳ - صوبہ متحدہ

بنیادی تعلیم کے استادوں اور استانیوں کو تیار کرنے کے لئے حکومت کی طرف سے جو دو ٹریننگ کالج کھولے گئے تھے ان کا تعلیمی زمانہ اپریل کے مہینے میں ختم ہوا ہے اور وہاں سے ۴۵ اساتذہ اور ۲۰ استانیاں صوبے بھر میں بنیادی تعلیم کا عملی تجربہ کرنے کے لئے تیار ہوئی ہیں۔ جنوری سنہ ۴۷ء میں ہر ایک ضلع کے ابتدائی مدارس سے دو دو استاد بنیادی تعلیم کی تعلیم پانے کے لئے اس ٹریننگ اسکول میں داخل کئے گئے تھے۔ یہ لوگ صوبے بھر میں بنیادی تعلیم کے پھیلانے میں ان گریجویٹ اساتذہ کا ہاتھ بٹائیں گے پہلی مئی سے صوبے کے سات مرکزوں میں یہ اساتذہ مقرر کئے جا رہے ہیں جو صوبے کے ابتدائی مدرسوں کے استادوں کو بنیادی تعلیم کے لئے تیار کریں گے۔ ضلع اور بورڈوں کے تقریباً ۱۷۰۰ استاد بنیادی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ان مرکزوں میں داخل ہوں گے۔ تجربے کے طور پر یہ تعلیمی کام تین یا چار مہینوں تک چلایا جائے گا۔ حکومت کا ارادہ ہے کہ ہر ضلع کے تقریباً تیس اسکولوں میں اور بہت سے میونسپل بورڈ کے اسکولوں میں بنیادی تعلیم کی پہلی جماعت کھولی جائے۔ یہ طریقہ دو یا تین برس تک جاری رہے گا جس سے کہ صوبے بھر کے استاد بنیادی تعلیم کی پہلی اور دوسری جماعت چلانے کے قابل ہو جائیں۔

۴ - مدراس

صوبہ مدراس کے کوئمبٹور مقام کے نزدیک پیریانائکن پالم گاؤں کے رام کرشن اسکول میں ہندوستانی تعلیمی سنگھ کے ماتحت ۵ مئی سے ایک چھوٹا سا تعلیمی کام جاری کرنے کی تجویز کی گئی ہے۔ مدراس کے وزیر تعلیم جناب اوی ناش لنگم صاحب اس تعلیمی کام کا افتتاح کریں گے۔

بنیادی تعلیم میں حرفے کی اہمیت

ابھی تک بنیادی تعلیم کے متعلق جو کچھ اعتراضات کئے گئے ہیں وہ زیادہ تر ایسے ہیں جو سیاسی اثرات کو لئے ہوئے ہیں اور بیشتر ایک وقتی دلچسپی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مگر بنیادی تعلیم کے دو اہم پہلو یعنی بچے کی نفسیاتی ضروریات اور سماجی ضروریات ان دو نقطۂ نظر سے ابھی تک اس پر غور کرنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے۔ اس مضمون میں ہم انھی دونوں پہلوؤں سے بنیادی تعلیم کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

بنیادی تعلیم کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ طلبہ کو جو کچھ پڑھایا جائے وہ حرفے کے ذریعے پڑھایا جائے کیونکہ اس بات پر جدید تعلیم کے ماہرین متفق ہیں کہ آدمی جو کچھ سیکھتا ہے تجربے سے سیکھتا ہے۔ اس لئے اگر بچے کی تعلیم میں اصلیت پیدا کرنی ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ بچے کے تعلیمی پروگرام میں ایسے مشاغل شامل کر دئے جائیں جن کے ذریعے وہ ضروری معلومات کو واقعی طور پر سمجھ سکے کیونکہ ایسی معلومات جن کے لئے بچے کی زندگی میں کوئی تجربی بنیاد نہ ہو بچے کے لئے افسانے سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتیں۔ ہمارے سب علم جانتے ہیں کہ حساب کے معاملے میں بچے کتنی زبردست غلطیاں کرتے ہیں۔ ان کے ذہن میں مقدار اور قیمتوں کے تعلق کا کوئی صحیح تصور نہیں ہوتا مثلاً اگر ۴۰ روپے کی گائے کی قیمت بجائے ۴۰۰ روپے نکالیں تو یہ بالکل معمولی بات سمجھی جاتی ہے کیونکہ جب حساب کا تعلق زندگی کے تجربات سے ٹوٹ جاتا ہے تو پھر ایسی غلطیاں کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اس لئے تعلیم میں صحت، واقفیت اور کارکردگی پیدا کرنے کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے کہ اس میں زندگی کے مختلف مشاغل کو داخل کیا جائے۔ چنانچہ اسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے بنیادی تعلیم نے تعلیم میں حرفے کو لازمی کر دیا ہے کیونکہ یہ طلبہ کے لئے ایسا ماحول مہیا کرتا ہے جس میں وہ اپنی ذہنی اور جسمانی نشو و نما کے لئے تگ و دو کر سکتے ہیں۔ حرفہ سیکھنے کے سلسلے میں وہ ایسے مواقع سے دوچار ہوتے ہیں جہاں پر درسی مضامین کا سیکھنا لازمی ہو جاتا ہے۔

جو لوگ بنیادی تعلیم میں تکلی کو سیاسی رنگ میں دیکھتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں اس لئے کہ بنیادی تعلیم والوں کا مرکزی خیال تو یہ ہے کہ بچہ جو کچھ سیکھتا ہے وہ سماجی مشاغل ہی کے ذریعے سیکھتا ہے۔ کیونکہ سماجی ماحول کا غیر محسوس طور سے جو تعلیمی اثر بچے پر ہوتا ہے اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ بنیادی تعلیم نے اس مقصد کے پیش نظر بعض منتخب مشاغل کو تعلیمی پروگرام میں مرکزی حیثیت دے رکھی ہے۔ تکلی بھی انھی مشاغل میں سے ایک مشغلہ ہے۔ تکلی کو صرف تکلی کی حیثیت سے نہیں سکھایا جاتا بلکہ تکلی کو اس غرض سے سکھایا جاتا ہے کہ یہ سوت کاتنے اور کپڑا بنانے کا ایک اہم عمل ہے، اس لئے تکلی کو کپڑا بنانے کے ایک اہم جزو کی حیثیت سے سکھایا جاتا ہے۔ جہاں بچوں کو سوت کاتنا سکھایا جاتا ہے وہاں اس بات کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے کہ بچوں کو ان تمام کوششوں سے واقفیت

دی جائے جو نسل انسانی نے لباس جیسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے مختلف زمانوں میں کی ہیں۔ اس میں ایک طرف تو بچے کو اس زمانے سے روشناس کیا جاتا ہے جب انسان تن ڈھکنے کے لئے چھال اور درختوں کے پتوں کو استعمال کرتا تھا اور دوسری طرف موجودہ زمانے کے نظام کارخانہ داری سے بچے کو واقف کرایا جاتا ہے جہاں پر تمام کام کلوں کے زور سے ہوتا ہے۔ البتہ چونکہ معلم کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ عملی شرکت کے ذریعے بچے کو کپڑے کے سلسلے میں سالہاسال کے تجربوں کو جو اس شعبۂ زندگی میں ہوئے ہیں، اتنے تھوڑے سے وقت میں سکھا سکے۔ اس لئے یہ بات عملاً زیادہ آسان معلوم ہوتی ہے کہ بچے کے سامنے یہ مشاغل سادہ سے سادہ صورت میں پیش کردئے جائیں تاکہ وہ ان میں ایک طرف عملی شرکت کرسکیں اور دوسری طرف ان سادہ مشاغل کے ذریعے گذشتہ زمانے کی ابتدائی طرز معاشرت اور موجودہ زمانے کے کارخانہ داری نظام دونوں کو سمجھ سکیں۔ چنانچہ اس غرض کو پورا کرنے کے لئے منتخب حرفوں کو سادہ سے سادہ صورت میں بچوں کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ اور اس قسم کے بنیادی حرفے بچے کو زندگی کے وسیع اور پیچیدہ میدانوں میں لے جا سکتے ہیں۔

تعلیم میں حرفہ کا مرکز یہ مقصد نہیں ہے کہ کسی ایک حرفے میں ہنرمندی پیدا کرنے کی خاطر وسیع تعلیمی قدروں کو قربان کیا جائے بلکہ اس کا مقصد تو یہ ہے کہ اس کے ذریعے ہم صحیح تعلیمی قدروں کو اچھے سے اچھے طریقے پر حاصل کرسکتے ہیں۔ اس لئے حرفہ سکھانا اور حرفے کے ذریعے تعلیم دینے میں بڑا بنیادی فرق ہے۔ صرف حرفہ سکھانے کا مقصد تو یہ ہے کہ طالب علم مقررہ وقت کے اندر کسی ایک حرفے کے میکانکی پہلو کو سیکھے اور بس۔ مگر حرفے کے ذریعے تعلیم دینے کا مقصد یہ ہے کہ بچے سماجی مشاغل کے ذریعے ان منتخب اچھائیوں اور معلومات کو بامعنی طور پر پاسکیں جس نے ہماری تمدنی زندگی کو مالا مال کردیا ہے۔ یہ حرفے دراصل وہ تعلیمی ذرائع ہیں جن کی معرفت ہم زندگی کی منظم صداقتوں اور مرتب علوم کو سمجھ سکتے ہیں۔

آدمی جو کچھ سیکھتا ہے وہ کسی نہ کسی مقصد کو لے کر سیکھتا ہے۔ بغیر مقصد سیکھنا سیکھنے والے کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ حرفہ دراصل وہ مقاصد دیتا ہے جن کی تحریک سے طالب علم بہت سی چیزیں سیکھنے کے لئے آمادہ ہوجاتا ہے۔ حرفے کے سلسلے میں قدم قدم پر ایسے مواقع نکل آتے ہیں جن سے فائدہ اُٹھاکر بچوں کو بہت کچھ سکھایا جاسکتا ہے۔ محض صنعتی تعلیم کا دائرہ اس لئے تنگ ہے کہ اس میں کسی پیشے کے حرفتی پہلو پر زور دیا جاتا ہے مگر حرفے کے ذریعے تعلیم دینے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس میں جو جو سیکھنے کے مواقع پیش آتے ہیں ان سے فائدہ اٹھاکر بچے کے سامنے اس کی استعداد اور ضرورت کے مطابق معلومات پیش کئے جاتے ہیں۔ اس کا ایک فائدہ تو یہ ہوتا ہے کہ چونکہ بچے کو کسی ضرورت سے پڑھایا جاتا ہے اس لئے حرفے کے ذریعے جو تعلیم دی جاتی ہے اس کا اثر بچے کی زندگی پر بہت ہوتا ہے۔ حرفے کے سلسلے میں دی ہوئی معلومات بچے کی زندگی کا جزو بن جاتی ہیں۔ اس کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ چونکہ بچے کی زندگی میں ایک قسم کی یک جہتی اور وحدت پائی جاتی ہے اس لئے وہ معلومات کو منطقی ترتیب کے ساتھ جذب کرنے کا عادی نہیں ہوتا۔ اس لئے حرفے میں جب معلومات کسی تعلق سے بچے کے سامنے پیش کی جاتی ہیں تو وہ ان کو آسانی سے سمجھ لیتا ہے۔ اسی خیال کو مدنظر رکھ کر بنیادی تعلیم نے مربوط تعلیم کو اپنا تعلیمی طریقۂ کار منتخب کیا ہے۔

بعض لوگ تعلیم کو صرف اس وقت کامیاب سمجھتے ہیں جب وہ یہ دیکھتے ہیں کہ بچے اس میں دلچسپی لیتے ہیں یا یہ کہ معلم خود بیرونی طور پر دلچسپی پیدا کرتا ہے۔ اس کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر دلچسپی تعلیمی لحاظ سے لازماً کوئی قدر و قیمت بھی رکھے۔ اس لئے عام طور پر بعض معلم جو صرف دلچسپی کو تعلیم میں سب کچھ مانتے ہیں تعلیمی مشاغل کے انتخاب میں غلطی کرتے ہیں۔ بنیادی تعلیم والوں نے حرفوں کا تعین کرکے اس خطرے کو بہت کم کردیا ہے۔ انھوں نے بعض بنیادی حرفوں کو تعلیمی اغراض و مقاصد کے لئے منتخب کرلیا ہے جن پر ہماری زندگی کا بہت کچھ دارومدار ہے۔ ان حرفوں کی سماجی ضرورت ہر جگہ پائی جاتی ہے اس لئے ہر ماحول میں بچوں کو ان سے دلچسپی ہوسکتی ہے یعنی سب بچے آسانی سے یہ محسوس کرسکتے ہیں کہ ان کی کس قدر اہم ضرورتیں ان بنیادی حرفوں سے وابستہ ہیں۔ اس کے علاوہ عام ضرورت کی وجہ سے یہ حرفے کسی نہ کسی شکل میں ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ اس لئے بچوں کی دلچسپی کو آسانی کے ساتھ ان حرفوں کے سلسلے میں ابھارا جاسکتا ہے اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ یہ حرفے ہماری زندگی کی تمام تمدنی ضروریات پر حاوی ہیں، اس لئے ان میں کثرت کے ساتھ ایسے تعلیمی مواقع نکل سکتے ہیں جن سے فائدہ اٹھاکر ہم درسی مضامین نہایت عمدگی کے ساتھ بامعنی طور پر بچے کے سامنے پیش کرسکتے ہیں۔

حرفے کے ذریعے تعلیم دینے کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سلسلے میں بچہ جو کچھ سیکھتا ہے وہ حقیقی زندگی کی ضرورتوں سے سیکھتا ہے۔ اس کی تعلیم نظری نہیں ہوتی جس کو وہ زندگی میں استعمال کرنے سے ہچکچائے۔ وہ سچ مچ کی زندگی گزارتا ہے اور قدم قدم پر اپنے سماجی اور قدرتی ماحول سے تطابق حاصل کرتا رہتا ہے۔ اس لئے وہ انھیں ہنرمندیوں کو جن کو اس نے مدرسے میں سچ مچ کی ضرورتوں سے سیکھا ہے، مدرسے کے باہر کی دنیا میں بھی ضرورت پڑجانے پر برت سکتا ہے۔ اس لئے بنیادی تعلیم کے مدرسے سے جو طالب علم نکلے گا، اس کو باہر کی زندگی میں اپنے اوپر اعتماد ہوگا۔ وہ زندگی میں ہاتھ پیر چلانے اور تعلیمی ہنرمندیوں کو برتنے سے نہیں گھبرائے گا۔ وہ آسانی کے ساتھ مدرسے کے باہر اپنے آپ کو سماجی اور قدرتی ماحول سے ہم آہنگ کرسکے گا اس لئے کہ ابھی تک مدرسے میں بھی جو اس کی تربیت ہوئی ہے وہ محض کتاب کے کالے کالے حروف سے نہیں ہوئی ہے بلکہ اس نے مدرسے میں زندگی کو اپنے اصلی رنگ روپ میں دیکھا ہے، البتہ کتابوں نے اس کو زندگی کے موٹے موٹے خط و خال کو سمجھنے میں مدد دی ہے۔

عبدالغفور صاحب، استادوں کا مدرسہ
جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی

کتائی کا امتحان

یہ سوال اکثر پوچھا جاتا ہے کہ مدرسوں میں کتائی داخل ہونے کے بعد طالب علموں کی لیاقت جاننے کے لئے امتحان کیسے لیا جائے۔ گاندھی جی کی یوم سالگرہ اور کانگریس کی نمائش وغیرہ کے موقعوں پر کتائی کا مقابلہ کیا جاتا ہے اور ان کے نتائج معلوم کرنے کے لئے مختلف طریقے عمل میں لائے جاتے ہیں۔ مگر اتنے برسوں کے تجربے کے بعد بھی مفید اور عام پسند طریقہ ہاتھ نہیں آیا ہے۔ ہم ان سب طریقوں کو چھوڑ کر محض بنیادی تعلیم کے پہلے دو درجوں کو سامنے رکھ کر

تکلی کے امتحان کا طریقہ لکھتے ہیں۔

وہ لوگ جنھیں کتائی سے تعلق نہیں ہے اس طالب علم کو اچھا کاتنے والا سمجھتے ہیں جو زیادہ تولے سوت کاتتا ہے یا جو خوب باریک سوت کاتتا ہے لیکن دراصل محض وزن یا محض سوت کی باریکی یعنی نمبر پر فیصلہ کر لینا غلطی ہے۔ اصل میں وزن اور نمبر دونوں کا خیال کرنا چاہیئے، ساتھ ہی سوت کی مضبوطی یعنی کس اور سوت کی اچھائی اور یکسانیت بھی دیکھنی چاہیئے اور کاتنے والے نے کتنا کچرا کیا یعنی کتنا سوت توڑا اور کاتتے وقت وہ کیسے بیٹھتا ہے یعنی اس کی نشست وغیرہ کیسی ہے ان سب باتوں کو بھی مدنظر رکھنا چاہیئے کیونکہ مدرسے کی کتائی میں محض مزدوری یا سوت کے پیچھے ہی کا خیال نہیں ہونا چاہیئے بلکہ مدرسے میں تو تعلیمی نقطۂ نگاہ کو خصوصیت دینی چاہیے۔ اس لئے کسی طالب علم کو محض اس بنا پر کہ وہ کیسے بیٹھ کر یا کتنا توڑ کر زیادہ سوت نکالتا ہے اچھا کاتنے والا نہیں سمجھنا چاہیئے بلکہ جو ٹھیک طور سے بیٹھ کر بغیر یا کم سے کم توڑ کر صاف ستھرا اور خوبصورت سوت زیادہ کاتتا ہے اسی کو اچھا کاتنے والا سمجھنا چاہیئے۔ مختصر یہ کہ کتائی کے امتحان میں سوت کی لمبائی، نمبر، کس، یکسانیت، کچرا اور نشست وغیرہ سب باتوں کو دیکھنا چاہیئے۔

سوت کی لمبائی اور نمبر

بہت سے لوگ امتحان میں سوت کی لمبائی اور نمبر کے لئے الگ الگ نمبر رکھتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ ایک طالب علم ۳۰۰ تار ۹ نمبر کے کاتتا ہے اور دوسرا ۲۵۰ تار ۱۶ نمبر کے کاتتا ہے تو اس طریقے سے پہلے طالب علم کو :-

۱۰۰ تار کے لئے ۱۰ نمبر

اس لئے ۳۰۰ " " " ۳۰ نمبر

اس حساب سے ۳۰ + ۹ = ۳۹ نمبر ملے

اور دوسرے کو ۲۵ + ۱۶ = ۴۱ نمبر ملے۔

بہت سے لوگ تار کی تعداد میں نمبر کی دس گنی تعداد ملا کر فیصلہ کرتے ہیں۔ اس طریقے سے اوپر کی مثال کا حساب :-

۳۰۰ + ۹۰ یعنی ۳۰۰ + (۹ × ۱۰) = ۳۹۰

اور ۲۵۰ + (۱۶ × ۱۰) = ۴۱۰ ہوگا

اس طرح سے حساب کر کے طالب علموں کو مثالیں دی جائیں گی۔ بہت سے لوگ تار اور نمبر کو ضرب کر کے مثال دیتے ہیں یعنی :-

۳۰۰ تار × ۹ نمبر = ۲۷۰۰ اور ۲۵۰ تار × ۱۶ نمبر = ۴۰۰۰

اس طرح ۴۰۰۰ والے کا پہلا نمبر اور ۲۷۰۰ والے کا دوسرا نمبر ہوا۔

ان سب طریقوں کی خامی یا اچھائی کی چھان بین یہیں نہیں کرنی ہے اس لئے اسے چھوڑ کر سوت کی لمبائی اور نمبر کے لئے نمبر دینے کا جو طریقہ ہے وہی یہاں دیا جاتا ہے کیونکہ میرے خیال سے دوسرے طریقوں سے یہ طریقہ زیادہ مناسب ہے۔

سوت کی لمبائی اور نمبر کے لئے الگ الگ نمبر دینے کی بجائے دونوں کو ملا کر نمبر دینا اچھا ہے۔ ۹ نمبر کے ۳۰۰ تار اور ۱۶ نمبر کے ۳۰۰ تار میں لمبائی کے نقطۂ نگاہ سے کوئی فرق نہیں ہے پھر بھی ۹ نمبر کے ۳۰۰ تار کاتنے والے سے ۱۶ نمبر کے ۳۰۰ تار کاتنے والے کو زیادہ نمبر ملیں گے اور اس پر تمام لوگ متفق رہیں گے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زیادہ نمبر کتنے ہونے چاہئیں کبھی کبھی نمبر اور تار کو ضرب کر کے یہ نمبر دیے جاتے ہیں یعنی ۹ نمبر × ۳۰۰ = ۲۷۰۰ اور ۱۶ نمبر × ۳۰۰ = ۴۸۰۰ حاصل ضرب ہوا۔ تو پہلے سے دوسرا تقریباً پونے دوگنا ہے۔ اس لئے ۱۶ نمبر کاتنے والے کو پونے دوگنے نمبر دیے جاتے ہیں لیکن یہ طریقہ غلط ہے۔ ۹ نمبر کے ۳۰۰ تار اور ۱۶ نمبر کے ۳۰۰ تار کاتنے کے لئے لمبائی کے نقطۂ نگاہ سے تو کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ دونوں میں ہاتھ کو اتنی ہی مرتبہ کھینچنا پڑتا ہے لیکن ۹ نمبر اور ۱۶ نمبر کے سوت میں جو فرق پڑتا ہے وہ اس کو بٹ دینے سے پڑتا ہے۔ ۹ نمبر کے برخلاف ۱۶ نمبر کے سوت کو زیادہ بٹ دینا پڑتا ہے لیکن وہ بٹ ۹ اور ۱۶ کے نتیجے میں زیادہ نہیں ہے بلکہ ۹ اور ۱۶ کے جذر کے نتیجے میں زیادہ ہے یعنی ۹ نمبر کے سوت سے ۱۶ نمبر کے سوت کو $\frac{16}{9}$ گنا بٹ دینا نہیں پڑتا بلکہ ۹ نمبر کے جذر ۳ اور ۱۶ نمبر کے جذر ۴ کے نتیجے میں یعنی $\frac{4}{3}$ گنا زیادہ بٹ دینا پڑتا ہے اس لئے ۹ نمبر کے ۳۰۰ تار اور ۱۶ نمبر کے ۳۰۰ تار کو اچھا نمبر دینے کے لئے ۹ × ۳۰۰ = ۲۷۰۰ اور ۱۶ × ۳۰۰ = ۴۸۰۰ ایسا ضرب نہ کرتے ہوئے √۹ × ۳۰۰ = ۳ × ۳۰۰ = ۹۰۰ اور √۱۶ × ۳۰۰ = ۴ × ۳۰۰ = ۱۲۰۰ اس طرح ضرب کرنا چاہیئے اور اس کے مطابق نمبر دینا چاہیئے۔

اب ہم ایک مثال لے کر مندرجہ بالا باتوں کو پورے سمجھ لیں۔ مان لیجئے کہ دو طالب علموں کی کتائی کے امتحان کا نتیجہ نیچے لکھی ہوئی باتوں کے مطابق ہے تو ان میں سے کس کو پہلا نمبر دیا جائے :-

	تار	نمبر	کس	یکسانیت	کچرا	بیٹھک
(۱) مسعود	۲۴۰	۹	۶۰	۸۰	۱ ربھر	۱۰
(۲) محمود	۲۰۰	۱۶	۵۰	۷۰	۱ ربھر	۱۰

اب مندرجہ بالا کے مطابق

(۱) مسعود ۲۴۰ × √۹ = ۲۴۰ × ۳ = ۷۲۰ حاصل ضرب یعنی نمبر حاصل شدہ

(۲) محمود ۲۰۰ × √۱۶ = ۲۰۰ × ۴ = ۸۰۰ نمبر حاصل شدہ ہوگا۔

اب فرض کیجئے کہ ۱۰۰۰ حاصل شدہ نمبر کے لئے ہم نے ۴۰ نمبر رکھے ہیں تو مسعود کو ۱۰۰۰ : ۷۲۰ : ۴۰ کے حساب سے ۲۹ نمبر ملیں گے اور محمود کو ۳۲ نمبر ملیں گے۔

ہدایت :- یہ طالب علم کی مشق پر منحصر ہے کہ کتنے حاصل شدہ نمبر کے لئے پورے یعنی ۴۰ نمبر دیے جائیں۔ فرض کیجئے کہ بڑے طالب علموں کا امتحان ۲ یا ۳ مہینے کی مشق کے بعد لینا ہے تو ان کے لئے ۱۰۰۰ کے بدلے زیادہ حاصل شدہ نمبر رکھنے پڑیں گے اور اگر چھوٹے بچوں کے لئے ہو تو کم رکھنا پڑیں گے۔ اس کے بارے میں معین قواعد ابھی ہم نہیں بتلا سکتے۔

جب کہ ۱۰۰ کس کے لئے ۲۰ نمبر ہیں تو مسعود کو ۶۰ کس کے لئے ۱۲ نمبر ملیں گے۔ پھر جب ۱۰۰ یکسانیت کے لئے ۲۰ نمبر ہیں تو مسعود کو ۸۰ یکسانیت کے لئے ۱۶ نمبر ملیں گے اور محمود کو ۷۰ یکسانیت کے لئے ۱۴ نمبر ملیں گے۔

مسعود کے ۹ نمبر کے ۲۴۰ تار کا وزن ۱ تولہ ۱۱ ربھر ہوگا۔ اسے فی تولہ آدھ آنے بھر کے حساب سے تقریباً ۱ ربھر کچرے کی چھوٹ ملے گی۔ چونکہ اس کا کچرا اتنا ہی ہے اس لئے کچرے کے ۵ نمبروں میں سے اس کا کوئی نمبر نہیں کٹے گا اور اسے پورے ۵ نمبر ملیں گے۔ محمود کے ۱۶ نمبر کے ۲۰۰ تار کا وزن ۱۲ ربھر ہوگا۔ فی تولے کے حساب سے اسے ۶ ربھر یعنی ۰ ربھر کچرے کی چھوٹ ملے گی لیکن اس کا کچرا ۱ ربھر ہوا ہے اس لئے چھوٹ کے آدھے آنے بھر چھوڑ کر بچے ہوئے ایک آنے بھر کچرے کے لئے فی آدھ آنے بھر کچرے کے لئے ایک نمبر کے حساب سے دو نمبر گھٹائے جائیں گے اور اس کو ۳ نمبر ملیں گے۔ نشست کے نمبروں میں کوئی حساب کرنے کی بات نہیں ہے۔ وہ تو ممتحن طلبہ کو امتحان کے وقت کاتتے ہوئے دیکھ کر دے گا۔ اب ہم ان دونوں لڑکوں کا نمبروں کی زبان میں حساب کریں گے۔

	حاصل شدہ نمبر	کس	یکسانیت	کچرا	نشست	میزان
مسعود	۲۹	۱۲	۱۶	۵	۱۰	۷۲

حاصل شدہ نمبر	کس	یکسانیت	کچرا	نشست	میزان
محمود ۳۲	۱۰	۱۴	۳	۱۰	۶۹

مسعود کو ۷۰ نمبر اور محمود کو ۶۹ نمبر ملے ہیں۔ اس لئے امتحان میں مسعود کو پہلا اور محمود کو دوسرا درجہ ملے گا

مندرجہ بالا امتحانی طریقوں میں یہ مان لیا گیا ہے کہ ہر ایک جگہ کس اور یکسانیت نکالنے کے لئے سامان اور وقت ضروری ہے۔ لیکن اگر وہ نہ ہو تو مندرجہ ذیل طریقے کا بھی کام چلاؤ طور پر تجربہ کر سکتے ہیں۔ حاصل ضرب تو ہمیں نکالنا ہی پڑے گا۔ حاصل ضرب کے نمبر سے سوت کی مقدار ہمارے ہاتھ میں آگئی۔ کس اور یکسانیت سے ہم سوت کی قسم کو پہچانتے ہیں۔ اب ہم کس اور یکسانیت کے بدلے سوت کو اچھا، اوسط اور سب سے خراب تین قسموں میں بانٹ دیں گے۔ اوپر کے تین حصوں کے پھر ہم تین تین حصے کریں گے۔ کل نو حصے ہوں گے۔ ان کو ہم و۱، و۲، و۳، م۱، م۲، م۳، ک۱، ک۲، ک۳ کہیں گے۔ و۱ کے معنی اچھا سوت جس کو ہم کس اور یکسانیت کے پورے نمبر دیں گے۔ ک۳ کے معنی جو سوت چل سکتا ہے۔ ک۳ کے نیچے کا سوت خراب گنا جائے اور اس کو ردی سمجھنا چاہیئے۔

و۱ کے پورے حاصل شدہ نمبر کے لئے ۸۵ نمبر دیں گے

و۲ " " " " " "	۸۰ " "
و۳ " " " " " "	۷۵ " "
م۱ " " " " " "	۷۰ " "
م۲ " " " " " "	۶۵ " "
م۳ " " " " " "	۶۰ " "
ک۱ " " " " " "	۵۵ " "
ک۲ " " " " " "	۵۰ " "
ک۳ " " " " " "	۴۵ " "

اب ہم اوپر کے دو طالب علموں کو پھر لیتے ہیں۔

کس اور یکسانیت :۔ کس نکالنے کی پوری معلومات "نئی تعلیم" کے مارچ کے پرچے میں "مزدوری کیسے نکالی جائے؟" کے سلسلے میں دی گئی ہیں۔ اسی کے مطابق کس نکالنا چاہیئے۔ موجودہ اسکیم کے مطابق یکسانیت کے لئے اور کس جاننے کے لئے جو ۱۲ فیٹ سوت لیا جاتا ہے اس کے تین کاموں کا الگ الگ نمبر جاننا ضروری ہے۔ اس نمبر کے جاننے کے لئے نمبر شمار آسے (کاونٹر) کی ضرورت پڑتی ہے لیکن اس کا ہر جگہ رکھنا نہ تو ممکن ہے اور نہ ضروری ہی ہے۔ اس بات کو بالتفصیل اسی پرچے میں لکھ دیا گیا تھا۔ اس لئے نمبر شمار کرنے کے آسے کو چھوڑ کر چھوٹی صحیح ترازو (کانٹے) سے تینوں کاموں کے نمبر نکالے جائیں اور ان میں سے سب سے کم اور سب سے زیادہ نمبر کا فرق دیکھا جائے۔ فرض کیجئے کہ تینوں تجربوں کے نمبر بالترتیب ۹، ۱۰ اور ۱۱ آئے۔ سب سے کم ۹ اور سب سے زیادہ ۱۱ نمبر ہے۔ دونوں کا فرق ۱۱-۹ = ۲ ہے۔ یہ فرق ۹ + ۱۰ + ۱۱ = ۳۰ ÷ ۳ = ۱۰ اوسط نمبر ہے۔ اب تری راشک کے حساب کے قاعدے سے ۱۰ : ۱۰۰ : : ۲ فرق نکالا جاتا ہے۔ یہ فرق ۲۰ آیا۔ یہ فرق بے یکسانیت ہونے کا ہوا۔ یکسانیت کے ۱۰۰ نمبر میں سے ۲۰ بے یکسانیت کے نمبر چھوڑ کر کے (۱۰۰ - ۲۰) = ۸۰ نمبر یکسانیت کے لئے دیے جائیں گے یعنی اس سوت کی یکسانیت ۸۰ کہی جائے گی۔

کچرا اور نشست :۔ عام طور سے تکلی کی کتائی پر کچرے کے لئے کچھ بھی چھوٹ نہ دینا فرض کر لیا گیا ہے اور یہ مناسب بھی ہے۔ پھر بھی امتحان کے وقت کاتنے والے کچرا کریں تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس حساب سے ان کے نمبر گھٹایئے۔ یہ خیال رکھنا کہ سوت کاتنے میں ذرا بھی کچرا نہ ہو اچھا ہے لیکن کام میں متعدد وجوہات سے مثلاً پونی میں کچرا ہوتا ہے اور کہیں کہیں سوت کے اچھے ہونے کی طرف دھیان دے کر سوت کا کچھ خراب حصہ توڑ دینا پڑتا ہے، چونکہ فی سیر دو تولے چھوٹ دیتا ہے یعنی ۸۰ تولے پونی میں سے ۷۸ تولے سوت کی امید کرتا ہے۔ اس سے زیادہ گھٹ جانے پر مزدوری میں سے پیسے کاٹے جاتے ہیں۔ دو تولے کے مقابل ۲½ تولے چھوٹ رکھنا حساب کے نقطۂ نگاہ سے مناسب ہوگا۔ ۸۰ تولے سوت پر ۲½ تولے چھوٹ یعنی ایک تولہ سوت پر ۔/۱ بھر چھوٹ کی مقدار ہوگی۔ اس سے زیادہ کچرا کرنے والے کے نمبر فی ۔/۱ بھر کے لئے ۱ نمبر کے حساب سے گھٹائے جائیں۔ نشست کے لئے بھی آزاد نمبر رکھے جانے چاہئیں۔ نشست لفظ سے محض بیٹھنے کے طریقے (Posture) ہی کا مفہوم نہیں لیا جاتا بلکہ کاتنے کا پورا طریقہ یعنی بیٹھنے کا ڈھنگ، تکلی کی نوک کے اوپر کافی لمبا دھاگا رکھنا، ٹھیک طور سے تکلی پر لپیٹنا، لپیٹ کر ٹھیک طور سے سوت لپیٹنا، راکھ کا مناسب استعمال کرنا وغیرہ سبھی باتیں سمجھی جاتی ہیں۔ ان میں سے ہر بات کے لئے کتنے نمبر دیئے جائیں اس کی جانچ کے لئے زیادہ مناسب یہ ہوگا کہ ہر ایک استاد خود ہی جانچ کرے۔ کیونکہ ان میں سے کونسی باتیں اس نے طالب علموں کو بتائی ہیں یا کن کن باتوں پر اس وقت وہ خاص طور پر زور دینا چاہتا ہے ان سب کا انحصار اسی پر ہے۔

اس طرح سے امتحان کی چھ باتوں کا مختصر الفاظ میں بیان کرنے کے بعد امتحان کے ۱۰۰ نمبر مان کر ہر ایک مضمون کے کتنے نمبر دیئے جائیں اس کا جان لینا ٹھیک ہوگا۔ سوت کی لمبائی اور نمبر ان دونوں کے لئے

حاصل شدہ کے لئے	۴۰ نمبر
کس کے لئے	۲۰ "
یکسانیت کے لئے	۲۰ "
کچرے کے لئے	۵ "
نشست کے لئے	۱۵ "
میزان	۱۰۰ نمبر

اوپر کے نمبروں کی تقسیم سے یہ سمجھ میں آجاتا ہے کہ جتنے نمبر سوت کی لمبائی اور نمبر کو ملا کر دئے گئے ہیں اتنے ہی کس اور یکسانیت کو ملا کر دیئے گئے ہیں۔ اگر ہم سوت کی لمبائی اور نمبر یعنی حاصل شدہ نمبر کو سوت کی مقدار کہیں تو کس اور یکسانیت کو سوت کی صفت کہہ سکتے ہیں۔ مقدار اور خوبی دونوں کو برابر برابر نمبر دینا مناسب ہے۔

	حاصل شدہ نمبر	خوبی	کچرا	نشست
مسعود	۷۲۰	م۱	۱ نمبر	۱۰ نمبر
محمود	۸۰۰	م۳	۱ نمبر	۱۰ "

و۱ خوبی والے سوت کے ۱۰۰۰ حاصل شدہ نمبر کو پورے ۱۰۰ نمبر میں سے کچرا اور نشست کے مجموعی نمبر ۱۵ کو گھٹا کر ۸۵ نمبر دیں گے۔ مسعود کے سوت کی خوبی م۱ ہے۔ م۱ کی قسم کے سوت کو پورے حاصل ضرب کے لئے جب کہ یہاں پر وہ ۱۰۰۰ مانا گیا ہے ۷۰ نمبر ملیں گے۔ اب ۱۰۰۰ : ۷۲۰ : : ۷۰ کے حساب سے $\frac{۷۲۰ \times ۷۰}{۱۰۰۰} = \frac{۲۵۲}{۵} = ۵۰\frac{۲}{۵}$ یعنی ۵۰ نمبر مسعود کو ملیں گے۔

محمود کا سوت م۳ کی نوعیت کا ہے۔ م۳ کے سوت کو ۱۰۰۰ نمبر کے لئے ۶۰ نمبر ملیں گے۔ اب ۱۰۰۰ : ۸۰۰ : : ۶۰ کے حساب سے $\frac{۸۰۰ \times ۶۰}{۱۰۰۰} = ۴۸$ نمبر محمود کو ملیں گے۔

اب ان دونوں کا حساب اس طرح ہوگا۔

	حاصل شدہ نمبر	خوبی	کچرا نشست	میزان
مسعود	۵۰	۵	۱۰	۶۵
محمود	۴۸	۳	۱۰	۶۱

اس طریقے سے بھی مسعود کا پہلا اور محمود کا دوسرا درجہ آتا ہے۔ اس دوسرے طریقے میں حُسن اور یکسانیت نکالنی باقی رہ جاتی ہے مگر ان کی جگہ ممتحن کی آنکھ لیتی ہے۔ اس لئے ممتحن کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے کیونکہ اگر سوت کی خوبی کے ٹھہرانے میں غلطی ہوئی تو امتحان کے نتیجے میں فرق پڑے گا۔

ان دونوں طریقوں میں پوری صحت نہیں ہے لیکن پھر بھی کام چلانے کے لئے مفید اور تسلی بخش ہیں۔

نوٹ: (۱) امتحان پاس ہونے کے لئے ۶۰ فی صدی نمبر ضروری ہیں (۲) امتحان کا وقت کم از کم ۲ گھنٹے ہو۔

بنیادی دستکاری کے سلسلے میں گتے کا کام

بنیادی تعلیم کے اساتذہ اس بات کو مان چکے ہیں کہ بچوں کو تعلیم دینے کا سب سے اچھا ذریعہ ہاتھ کا کام ہے لیکن سوال یہ ہے کہ طرح طرح کی دستکاریوں میں کونسی دستکاری سب سے زیادہ موزوں ہے۔ اس بات پر کہ بطور بنیادی دستکاری کے کتائی کو کس قدر اہمیت حاصل ہے "نئی تعلیم" کے مارچ کے پرچے میں کافی تذکرہ ہو چکا ہے۔ آج یہاں ہم بطور ایک بنیادی دستکاری کے گتے کے کام پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

یوں دیکھا جائے تو دستکاری کی حیثیت سے اور تعلیمی لحاظ سے گتے کا کام بالکل ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔ گتے سے تیار کی ہوئی چیزیں استعمال کے لائق اور بازار میں بکنے کے قابل ہوتی ہیں۔ اس دستکاری کے لئے ضروری اوزار اور سامان بھی بہت تھوڑا چاہیے کیونکہ اس میں اوزار کم سے کم اور ہاتھ سے زیادہ سے زیادہ کام لیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی یہ دستکاری بہت ہی جلد سیکھی جا سکتی ہے اور اس کی چیزیں بھی بہت جلد تیار کی جا سکتی ہیں جس سے بچے بہت خوش رہتے ہیں اور اس دستکاری کی طرف ان کا رجحان ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ اس کے کام میں ناپ، حساب اور اقلیدس کی شکلوں کی بار بار ضرورت پڑتی ہے اس لئے ریاضی کی تعلیم تو اس دستکاری کا ایک خاص حصہ ہے۔ اس کے لئے ضروری اوزار اور سامان کی واقفیت کے سلسلے میں بچوں کو جغرافیے سے بھی روشناس کیا جا سکتا ہے۔

تعلیم کی ان کئی خوبیوں کے علاوہ معاشی نقطۂ نگاہ سے بھی اس دستکاری کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے دفتر اور تعلیمی اداروں میں فائل، پورٹ فولیو، رائٹنگ اور بلاٹنگ پیڈ اور ڈبوں وغیرہ کا بہت کام پڑتا ہے جو سب گتے کے بنے ہوئے ہو سکتے ہیں۔ گتے سے بنے ہوئے بہت سے خوبصورت سامان کو دوا فروش، عطار اور گندھی وغیرہ بیوپاری بہت کام میں لاتے ہیں لیکن آج یہ تمام سامان غیر ممالک سے آتا ہے۔ اس لئے اس گتے کے کام کو دیہاتی دھندے اور تعلیمی دستکاری کی شکل میں بخوبی لایا جا سکتا ہے اور اس طرح اس ملک سے غیر ملکی تجارت کو آسانی سے ہٹایا جا سکتا ہے۔

ایک سب سے بڑی سہولت اس میں یہ ہے کہ یہ دستکاری بہت تھوڑی رقم اور تھوڑے سے اوزاروں سے اسکول یا گھر میں کہیں بھی چلائی جا سکتی ہے اور اس میں استعمال کئے جانے والے تمام کچے سامان یعنی گتے، کاغذ اور کپڑے وغیرہ ہاتھ سے ہی تیار کئے جا سکتے ہیں۔ اس لئے کاغذ کی دستکاری کی طرح سے گتے کا کام بھی دیہاتی دھندے اور تعلیمی دستکاری کے لئے جاری کیا جانا چاہئے۔

اگرچہ تعلیمی دنیا میں گتے کی دستکاری حال ہی میں جاری کی گئی ہے لیکن تعلیم اور تجارت دونوں کے لحاظ سے اس کام میں فی الحال بہت گنجائش ہے ضرورت محض شوق اور آہستہ سے کام لینے والے آدمیوں کی ہے لیکن یہ بات تو سچ ہے کہ بنیادی دستکاری کی حیثیت سے کتائی کو جگہ دے کر جتنا تجربہ اور اندازہ ہو چکا ہے اتنا ابھی کسی اور دستکاری کو لے کر نہیں ہوا ہے۔ اس لئے فی الحال ہم یہ جانچ نہیں کر سکتے کہ اس گتے کی دستکاری میں تعلیمی پہلو کس قدر ہے اور کتنا ہو سکتا ہے۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ گذشتہ کچھ مہینوں سے جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے ابتدائی مدرسے کے چوتھے درجے میں گتے کے کام کو بنیادی دستکاری مان کر تعلیمی تجربہ کیا جا رہا ہے اور ساتھ ہی اس تجربے کی تمام تفصیل بھی یکجا کر کے رکھی گئی ہے اور طالب علموں اور استادوں کے لئے اس مضمون کے متعلق مواد تیار کیا گیا ہے۔

لیکن بنیادی تعلیم کے نصاب کے لحاظ سے اس تجربے کو ہم بنیادی تعلیم کا پورا پورا تجربہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ نصاب کے مطابق صرف پہلے دو درجوں میں یعنی ۷ سے ۹ سال تک کے بچوں کے لئے گتے کا کام رکھا گیا ہے لیکن یہاں چوتھے درجے کے یعنی اوسط ۹ سے ۱۱ سال کے بچوں کو لے کر یہ تجربہ کیا جا رہا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جامعہ کی موجودہ اسکیم کے مطابق پڑھائی کے دوسرے مضامین کے لئے وقت کی گنجائش نکال کر دستکاری کے عملی کام کے لئے صرف ایک ہی گھنٹہ دیا گیا ہے۔

اس چوتھی جماعت کی پڑھائی کے اوقات کو اس طرح تقسیم کیا گیا ہے کہ تیس تیس منٹ کے دو گھنٹے عملی کام کے لئے رکھے گئے ہیں۔ اس کے بعد تیس تیس منٹ کے دو گھنٹے اردو زبان کے لئے رکھے گئے ہیں۔ یہاں دینی اور انگریزی تعلیم دینا بھی ضروری خیال کیا گیا ہے۔ اس لئے ان کے لئے بھی تیس تیس منٹ کے تین گھنٹے رکھے گئے ہیں اور اتنے ہی گھنٹے حساب اور سائنس کے لئے رکھے گئے ہیں۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ وقت کی یہ تقسیم بنیادی تعلیم کے نصاب کے بالکل مطابق نہیں ہے کیونکہ دستکاری کے لئے یہاں محض ایک ہی گھنٹہ رکھا گیا ہے۔ پھر بھی اس تجربے کے ذریعے حرفے کے ساتھ دوسرے مضامین کیسے مربوط کئے جا سکتے ہیں، ان سب باتوں سے بہت کچھ واقفیت ہوتی ہے۔ اس تعلیمی تجربے کو عمل میں لاتے وقت وہاں کے اساتذہ کا یہ تجربہ رہا ہے کہ عملی کام کے لئے شروع میں ایک یا سوا گھنٹہ ہی کافی ہوگا لیکن بعد میں جوں جوں ان کی مشق بڑھتی جائے اور وہ اس کام میں دلچسپی لیتے جائیں تو عملی کام کا وقت بھی بڑھایا جا سکتا ہے۔ اس چوتھی جماعت کو گتے کے حرفے کے ذریعے تعلیم دینے میں سب سے پہلے کاغذ اور گتے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس لئے کاغذ خریدتے وقت سب سے پہلے طالب علموں کو کاغذ اور گتے کے بارے میں بہت سی باتیں بتائی گئیں۔ کاغذ کن چیزوں سے بنتا ہے؟ وہ چیزیں ہندوستان میں کہاں کہاں پیدا ہوتی ہیں۔ وہاں کی آب و ہوا کیسی ہے، پیداوار پر آب و ہوا کا کیا اثر پڑتا ہے، آب و ہوا لوگوں کے رہن سہن میں کیا تبدیلی پیدا کرتی ہے، ہندوستان کے کن کن شہروں میں کاغذ کے کارخانے ہیں اور کہاں کہاں ہاتھ سے کاغذ تیار کیا جاتا ہے۔ ان

شہروں کی دوسری خاص باتیں کیا ہیں، ہندوستان میں اور کون کون سی چیزیں کہاں کہاں پیدا ہوتی ہیں، ان میں کتنا حصہ ملک میں رہتا ہے اور کتنا باہر چلا جاتا ہے؟ آنے جانے کے ذرائع کیا ہیں اور ان کا ملک کی ترقی پر کیا اثر پڑتا ہے؟ یہ سب باتیں طالب علموں کو اس سلسلے میں بتائی گئیں۔ انھیں معلوم ہوا کہ ہمارے ملک کی کاغذ کی تمام ضروریات یہاں کے بنے ہوئے کاغذ سے پوری نہیں ہوتی ہیں اس لیے بہت سا کاغذ انگلینڈ، ناروے، جاپان، امریکہ وغیرہ سے آتا ہے۔ یوں انھیں مختلف ممالک کے بندرگاہوں کا حال معلوم ہوا۔ اس طرح گتے کی دستکاری کے ذریعے بچوں کو جغرافیے کا بہت سا علم حاصل ہوا۔

بچوں کو یہ جاننے کی خواہش ہوئی کہ کاغذ شروع شروع میں کس ملک میں تیار کیا گیا اور چونکہ کاغذ شروع شروع میں چین اور مصر میں تیار ہوا اس لئے انھیں ان ملکوں کی پرانی اور نئی تاریخ بھی بتائی گئی۔ چینیوں کا ذکر کرتے وقت ان کے مذہب کا اور گوتم بدھ کا حال بیان کیا گیا۔ طالب علموں کو چینیوں اور ہندوستانیوں کے پرانے رہن سہن، کھانے پینے، لباس اور ان کے پرانے تعلقات وغیرہ کے بارے میں واقفیت ہوئی۔ دونوں ملک پرانے ہیں اور ان کے باہمی تعلقات اور دیگر ممالک کے تعلقات بھی بہت پرانے ہیں۔ ہوانگ سانگ اور فاہیان کون تھے۔ پرانے زمانے کے سفر کی مشکلات، سیاحوں کے سفر کی دقتیں وغیرہ باتوں کا ذکر کیا گیا۔ مارکو پولو نے چین کا، واسکوڈے گاما نے ہندوستان کا اور کولمبس نے امریکہ کا سفر کس طرح کیا؟ یہ سب باتیں بچوں نے بڑی دلچسپی سے سنیں اور اس طرح بغیر کسی اہتمام کے ان کو تاریخ کا علم ہو گیا۔

بچوں کو یہ بات معلوم تھی کہ کاغذ سے بہت سی چیزیں بنائی جاتی ہیں، اس لئے وہ ایسے کارخانے دیکھنے کے لئے شہر میں گئے جہاں کاغذ کے پھول اور گتے کے بکس وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ بچوں نے دوسری کاریگری کے کارخانے بھی دیکھے، ان کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی زندگی بھی دیکھی۔ ان کے علاوہ بچوں نے شہر کی تنگ گلیوں، تندرستی کے اصولوں سے انجان کارخانے میں کام کرنے والے لوگوں اور شہر کی دوسری بہت سی باتوں پر دھیان دیا۔ ان تمام باتوں پر سوال اور جواب بھی ہوئے، میونسپلٹی کا بھی ذکر ہوا، پولس اور ان کے فرائض پر بات چیت ہوئی طرح طرح کی بیماریوں اور ان سے بچنے یا انھیں دور کرنے کے طریقے سمجھائے گئے۔ اس طرح عام معلومات کا نصاب جو ان کے درجے کے لئے رکھا گیا تھا بہت کچھ پورا ہو گیا۔

ایسے اسکول میں جہاں کسی دستکاری کی تعلیم محض شوقیہ نہ کرائی جاتی ہو بلکہ اس کے کرانے میں پیسہ کمانے کا بھی خیال ہو ایک دوکان کا ہونا بہت ضروری ہے۔ دوکان میں تمام ایسی چیزیں جن کو بچوں نے تیار کیا ہے، بیچنے کے لئے رکھی جا سکتی ہیں۔ سوت، ابنری، لکڑی اور گتے کی بنی ہوئی چیزیں سبھی وہاں رکھی جا سکتی ہیں۔ اس طرح دوکان بچوں کے لئے کاروبار سے واقفیت پیدا کردے گی۔ دوکان میں ترازو اور باٹ ہونے چاہئیں تاکہ بچے وزن کا ٹھیک حساب لگا سکیں۔ اسی طرح روپے پیسے کے لین دین میں جوڑ، باقی، ضرب تقسیم کے سادے اور مشکل قاعدوں سے پورے طور پر کام کے ذریعے واقف ہو جائیں گے۔ روزانہ کے لین دین سے بچے صحیح حساب رکھنا سیکھیں گے۔ دوکان میں جو چیزیں بیچنے کے لئے رکھی جائیں ان پر ان کی قیمت بچے لکھیں تاکہ بیچنے میں آسانی ہو۔ سوت کے نمبر وغیرہ بھی ہونے چاہئیں۔ اس دوکان کی دیکھ بھال اسکول کے کسی استاد کے سپرد ہونی چاہئے جو باری باری سے بچوں کو دوکان میں کام کرنے کا موقع دے، حساب رکھنے کے لئے ہر چیز کا علیحدہ علیحدہ کھاتہ ہونا چاہئے جس میں تاریخ وار چیزوں کی آمدنی اور خرچ درج ہو۔ اسی طرح ایک کیش بک ہونی چاہئے جس میں ہر روز کی آمدنی اور خرچ کا حساب لکھا جائے۔

جامعہ ملیہ کے چھوٹے بچوں کے اسکول کے چوتھے درجے میں گتے کا جو کام بطور بنیادی دستکاری کے کرایا جاتا ہے اس درجے کے ساتھ ایک دوکان بھی ہے جس کا بہت کچھ کام بچے ہی کرتے ہیں۔ بڑا اچھا معلوم ہوتا ہے جب کہ بچے چیزیں بیچتے ہیں اور رسیدیں بناتے ہیں۔ حساب کی عملی مشق اس طرح کرائی جا سکتی ہے اور بچے بڑی خوشی سے کام کرتے ہیں اور گھبراتے نہیں۔ بچوں نے اپنی بنائی ہوئی چیزیں بھی اس دوکان کی معرفت بیچیں۔ جو کچھ سامان وہ تیار کرتے تھے اس کو دوکان میں دے دیتے تھے جہاں وہ بک جاتا تھا۔ ایسی دوکان میں مدرسے کی بنی ہوئی چیزوں کے ساتھ ساتھ بچوں کے لکھنے پڑھنے کا سامان بھی بکنے کے لیے رکھا جا سکتا ہے۔ اس طرح استاد کے لئے زبانی اور لکھ کر حساب سکھانے کے موقعے پیدا ہو جاتے ہیں اور طرح طرح کی چیزوں کے خریدنے اور بیچنے کے ذرائع پر زیادہ سے زیادہ سوال بتائے جا سکتے ہیں اور بچوں کو ہر قاعدے کی مشق کرائی جا سکتی ہے۔ کسی بھی دستکاری کا کام کرتے وقت جو سامان خریدا جائے گا اور اس سامان سے جو چیزیں تیار ہوں گی ان کے بیچے جانے پر حساب سکھانے کا موقع تو ضرور ہی پڑے گا لیکن موقع آنے پر جب حساب کا کوئی قاعدہ بچوں کو سکھا دیا گیا ہو تو اس قاعدے کی مشق کے لئے بھی ایسے ہی سوال ہونے چاہئیں جو اس دستکاری سے متعلق ہوں یا کم سے کم مدرسے کی دوکان کی چیزوں سے کچھ تعلق رکھتے ہوں۔ اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہئے کہ وہی سوال نکالنے کے لئے دئے جائیں جن کی کام یا گھری کی چیزوں کے سلسلے میں ضرورت پڑے۔ جہاں تک ہو سکے فرضی سوال نہ دیے جائیں۔ گتے کے کام میں اس بات کی زیادہ سے زیادہ کوشش کی گئی ہے کہ سوالوں میں چیزوں کی قیمت اور سامان کی قیمت صحیح ہو۔

کاغذ خریدتے وقت بچوں کو گتے کے بھاری یا ہلکے پن کی تمیز کرائی گئی تھی اور انھیں بتلایا گیا تھا کہ غیر ملک سے آنے والے کاغذ ہنڈرویٹ وغیرہ کے وزن کے حساب سے آتے ہیں۔ اس طرح انھیں انگریزی تول کا علم ہو گیا اور وہ جان گئے کہ ایک سیر تقریباً دو پونڈ کے برابر ہوتا ہے۔ اسی طرح کاغذ کی خریداری میں انھیں کاغذوں کے سائز یعنی ان کی لمبائی اور چوڑائی سے بھی انھیں واقف کرایا گیا تھا۔ لمبائی اور چوڑائی سے رقبہ نکالنے کا طریقہ انھیں بتلایا گیا۔ کسی بھی چیز کی لمبائی اور چوڑائی کا ضرب کر کے وہ آسانی سے اس کا رقبہ معلوم کرنا جان گئے۔

ساتھ ہی بچوں نے گتے سے طرح طرح کی شکلوں کے البم بنائے تھے۔ جس سے انھیں مثلث، ذوار بعۃ الاضلاع، مستطیل، مربع وغیرہ شکلوں سے واقفیت ہوئی اور وہ اقلیدس کے مضمون سے واقف ہو گئے۔

مطلب یہ ہے کہ اس درجے میں حساب کا جتنا کورس رکھا گیا تھا وہ سب گتے کے کام کے ذریعے بغیر کسی الجھن کے پورا ہو گیا۔ اس طرح یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ گتے کا کام تعلیم کا ایک ایسا طریقہ ہے جس میں تعلیم کا پورا فائدہ بھی ہے اور کھیل کی تمام دلچسپی بھی۔

تکلی پر شاعری

علم حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہاتھ کا کام ہے۔ یہی اس نئی تعلیم کا خاص اصول ہے۔ اسی ہاتھ کے کام کے سہارے بچوں کی عقل، بچوں کی طاقت، بچوں کی خواہشات اور ان کی جسمانی، دماغی سبھی جبلتوں کی پوری طرح سے نشو و نما ہو سکتی ہے۔ اتنا ہی نہیں، یہی تدبیر ان کی ترقی کا آسان، قدرتی اور مسرت سے بھرا ہوا ذریعہ ہے۔

پچھلے آٹھ دس مہینوں میں اس اصول کا تھوڑا بہت تجربہ ہو چکا ہے۔ اس تجربے سے استادوں اور دوسرے کام کرنے والوں کو جو نتیجہ حاصل ہوا ہے اس سے اس نئی اسکیم میں روز بروز یقین بڑھتا جاتا ہے لیکن ابھی تک دستکاری سے تعلیم کی جتنی امید ہے اس کا پورا پورا اظہار نہیں ہو پایا ہے۔ مختلف تعلیمی اداروں میں مختلف طریقوں سے جب اس کا تجربہ ہوگا اور جب ہمارے ملک کے شاعر، سائنس داں اور مصور اس بات پر اپنا پورا دھیان دیں گے کہ ایک چھوٹی سی تکلی یا کسی دیہاتی دستکاری کے سادہ کام کے ذریعے بچوں کی پوری طاقت کس طرح بیدار کی جا سکتی ہے تب ہی اس تعلیمی اسکیم کا دعویٰ پورا ہو سکے گا۔

اس تعلیمی اسکیم میں شاعر کس طرح اپنی مدد دے سکتا ہے اور کس طرح وہ اسے خوبصورت بنا سکتا ہے اس کا ایک نظارہ ہم نے مچھلی پٹن میں دیکھا مچھلی پٹن کا "آندھرا قوم کا صنعتی ادارہ" ایک بہت پرانی سیاسی تعلیم کا ادارہ ہے۔ اس کا قیام سنہ ۱۹۱۰ء میں "سدیشی تحریک" کے زمانے میں ہوا۔ اس وقت سے آج تک پچھلے تیس برسوں میں ہماری سیاسی زندگی میں اور ساتھ ساتھ سیاسی تعلیم کے مقصد اور طریقے میں بہت کچھ تبدیلیاں ہو چکی ہیں۔ یہ سب تبدیلیاں اس جماعت کی تاریخ میں صاف طور سے دکھائی دیتی ہیں۔ جن لیڈروں کی سفارش سے یہ جماعت وجود میں آئی ان کے سامنے تمام ملک میں دیسی تعلیم کا نمونہ تھا۔ اس لئے یہاں ایک طرف جیسے کھیتی، انجنیرنگ وغیرہ سائنس کی تعلیم پر زور دیا جاتا تھا اسی طرح دوسری طرف ادب، تاریخ وغیرہ کی تعلیم کا بھی انتظام کیا گیا تھا۔ اس ادارے سے ایک وقت دیسی انجنیر بھی تیار کئے گئے تھے اور ساتھ ہی آندھرا ملک کے شاعر، ادیب اور مصور بھی یہاں پیدا ہوئے۔

اس ادارے کی ایک خاص خوبی یہ رہی ہے کہ پہلے سے ہی دستکاریوں کی تعلیم یہاں کی تعلیمی اسکیم کا ایک خاص حصہ مانا گیا ہے۔ مچھلی پٹن صنعتوں کا ایک پرانا مرکز ہے۔ صنعت گاہ نے بھی ان صنعتوں کو اپنی تعلیمی اسکیم سے باہر نہیں رکھا۔ اس نے ان کی پورے طور پر قدر کی ہے۔ اس لئے کتائی، بنائی، ٹھپے بنانا وغیرہ دستکاریوں کے کام بہت دنوں سے یہاں چلے آ رہے ہیں۔

اس لئے اس ادارے میں بنیادی تعلیم کے تجربہ کے لئے ایک گنجائش پہلے سے ہی موجود تھی اور جب گاندھی جی نے دستکاریوں کے ذریعے تعلیم کی اس نئی اسکیم کو ملک کے سامنے رکھا اس وقت سیاسی اداروں میں سے اس ادارے نے سب سے پہلے اس کا تجربہ کرنے کا ارادہ کیا اور اس کو قائم کرنے والے شری پٹابھی سیتا رامیا کی سفارش اور کارکنان کی ہمت افزائی سے اگست ۱۹۳۸ء میں بنیادی تعلیم کا ایک ٹریننگ اسکول کھولا گیا۔

آندھرا قوم کا صنعتی ادارہ مچھلی پٹن کے باہر قریب ۴۰ ایکڑ کے ایک وسیع میدان میں واقع ہے۔ صنعتی ادارے کے احاطے ہی میں ہریجنوں کی دو بستیاں ہیں۔ ایک میں چرخہ سنگھ کے کپڑا بننے والے اور دوسری میں ٹوکریاں بنانے والے رہتے ہیں۔ اس لئے بنیادی تعلیم کا تجربہ کرنے کے لئے ان کاریگروں کے بچے تو یہاں پہلے ہی سے موجود تھے۔ انھیں بچوں کو لے کر ایک چھوٹا سا اسکول یہاں کھولا گیا۔ اس مدرسے کے انتظام، پڑھائی وغیرہ کی پوری ذمہ داری صنعتی ادارے کے پرانے ٹیچروں نے اٹھائی۔

لیکن کاریگر کہاں چاہتے ہیں کہ ان کے بچے بھی تعلیم یافتہ کاریگر بنیں۔ وہ تو چاہتے ہیں کہ ان کے بچے پڑھ لکھ کر عالم اور سائنس داں ہوں۔ اس لئے پہلی رکاوٹ بچوں کے ماں باپوں کی طرف سے اٹھی۔ لیکن بچوں کو تکلی سے سوت کاتنے یا گتے سے سامان بنانے کی خوشی کا جب انھیں پتہ چلا تو یہ رکاوٹ آپ سے آپ دور ہو گئی۔ تعلیم کا یہ نیا طریقہ بچوں کے لئے بہت ہی دلچسپ تھا۔ وہ اسکول کے وقت سے بہت پہلے ہی حاضر ہو جاتے ہیں اور اسکول کی چھٹی کے بعد بھی کام میں لگے رہتے ہیں۔ مدرسہ ان کے لئے اب قید خانہ نہیں رہا بلکہ وہ ان کے لئے خوشی اور دلچسپی کا گھر بن گیا ہے۔

دوسری مصیبت قدرت کی طرف سے آئی۔ گذشتہ جنوری کے مہینے میں مچھلی پٹن میں بڑا زبردست طوفان آیا جس سے اسکول کے مکان وغیرہ ٹوٹ گئے اور مدرسے کا کام بھی کچھ دنوں کے لئے بند ہو گیا۔ لیکن استادوں نے پھر اپنے ہاتھوں سے تاڑ کے پتوں اور ڈنٹھلوں سے مدرسے کا جھونپڑا اٹھایا۔ اس کی سادگی ہی اس کی سب سے بڑی خوبصورتی ہے۔ بچوں کی مدد سے چھوٹا سا باغیچہ بھی تیار کیا گیا ہے۔ ان کے کھیل کے لئے دیہاتی طریقے سے جھولوں اور رپٹیوں (Slides) کا انتظام بھی کیا گیا ہے۔

اس مدرسے کے طریقے اور سامان وغیرہ بہت سادہ ہیں لیکن اس چھوٹی سی جھونپڑی میں بچوں کو تکلی کے ذریعے جو تعلیم مل رہی ہے اس کی قیمت بہت ہے۔ میں نے پہلے ہی کہا ہے کہ صنعتی ادارے میں ادب اور صنعت کی تعلیم بہت دنوں سے چلی آ رہی ہے۔ اس کا اثر مدرسے کے کام پر بھی پڑا ہے اور دستکاری کے ساتھ ادب اور صنعت کا میل ہو گیا ہے اور اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو ادب، صنعت اور دستکاری کا یہ تریبی سنگم ہی بنیادی تعلیم کی سچی شکل ہے۔

صنعتی ادارے کی خوش قسمتی سے آندھرا کے دو بڑے اور محب وطن شاعر وہاں کے استاد ہیں۔ ان میں سے ایک شاعر شری کاٹوری وینکٹیشور راؤ ہیں جنھوں نے بدھ ادب سے سندری اور نند کی کہانی کا سہارا لے کر تیلگو زبان میں سوندرا نند نام کی کتاب لکھی ہے۔ لیکن شاعر کی عزت کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ بدھ مذہب کے زمانے کی اس محبت کی کہانی میں جیسے انھیں اپنی فرضی باتوں کے لئے ایک بڑا میدان ملا تھا اسی طرح آج چھوٹے بچوں کے ہاتھ میں تکلی دیکھ کر انھیں ایک اور میدان ملا ہے۔ بچے تکلی سے سوت کاتتے ہیں، حساب کرتے ہیں اور پڑھتے ہیں۔ یہی سب دیکھتا ہوا شاعر ان کے مدرسے کی جھونپڑی کے ایک کونے میں بیٹھ کر بچوں کے لئے سادہ الفاظ اور سادہ مصرعوں میں چھوٹے چھوٹے گیت اور اشعار لکھتا ہے اور انھیں سکھاتا ہے۔ یہ گیت اور اشعار صرف بچوں کی مادری زبان کے سبق ہی نہیں ہیں بلکہ ہندستانی دیہاتی بچوں کی تعلیم کا جو بڑا کام ہو رہا ہے اس میں شاعر کی طرف سے ایک بڑا عطیہ ہے۔ اسی لئے اوپر کہا گیا ہے کہ آندھرا قوم صنعتی ادارے کی بستی کے ہریجن بچوں کو جو تعلیم مل رہی ہے وہ ایک نظر سے بیش بہا ہے۔

اس کتاب کا ترجمہ ممکن نہیں ہے اور تیلگو شاعری کا ترجمہ تو اور بھی مشکل ہے کیونکہ تیلگو شاعری پڑھی نہیں بلکہ گائی جاتی ہے۔ اس لئے اگر ہم اسے اس کے اشعار اور موسیقی سے علیحدہ کر دیں تو وہ صرف الفاظ کی

کی ترتیب رہ جائے گی تب بھی بچوں کے جو گیت لکھے گئے ہیں ان کی خوب صورتی ظاہر کرنے کے لئے یہاں ان کے ترجمے کا ایک نمونہ دیا گیا ہے۔

تیلگو زبان میں چھوٹے بچے کو دوج کا چاند کہا کرتے ہیں۔ نیچے لکھی ہوئی نظم میں چاند کی کمی کی وجہ نکمی انگریزی تعلیم بتلائی گئی ہے اور اسے دستکاری کے ذریعے تعلیم پاکر موٹا تازہ ہونے کی صلاح دی گئی ہے۔

اے دوج کے چاند! تو تو آسمان پر بیٹھا ہے،
کیا تجھے ڈر نہیں ہے؟
اے دوج کے چاند! تو تو پونی جیسا ہے۔

اے چاند! تیرے ماں باپ نہیں ہیں
کیا تو مدرسے نہیں جاتا ہے؟
سوت نہیں کات سکتا ہے؟
یہ نکمی انگریزی تعلیم پاکر
تو تو دبلا پتلا ہو گیا ہے!
خوراک پانی چھوڑ کر پڑھتا ہے
نیند بھی خراب کرکے پڑھتا ہے
اس لئے تو پیلا پڑ گیا ہے۔
تجھے دیکھ کر ترس آتا ہے،
تو تو موٹا تازہ تھا پر اب سوکھ گیا ہے۔
اس پڑھنے سے کیا فائدہ ہے؟
تو جو رٹتا ہے وہ پچتا نہیں ہے
زبان تو ہلاتا ہے پر ہاتھ پیر نہیں ہلاتا۔

بہت پڑھتا ہے پر روزی نہیں کما سکتا۔
قلم پکڑنا جانتا ہے پر تکلی پکڑنا نہیں جانتا
دوسروں کے سہارے کی زندگی اچھی نہیں
اپنے پر بھروسہ کرنا سیکھ۔
غلامی کی زندگی ایک بوجھ ہے۔
جو بوتا ہے سو کاٹتا ہے۔

تو پیٹ بھر کھا کر بیٹھتا ہے۔
اپنا بھلا ہی دیکھتا ہے۔
تجھے دوسروں کی فکر نہیں؟
سب کے سکھ دکھ میں حصہ لے۔
دوسروں کی کمائی ٹھیک نہیں۔
تیری آنکھیں آسمان پر چڑھتی ہیں
نظر نیچے کی طرف کر
ہمارے مدرسے میں آجا
ٹھیک بیٹھ کے تکلی کات
باریک سوت نکال
اس سے تیرا کچھ نقصان نہ ہوگا،
الٹا تجھے فائدہ ہی ہوگا۔

فہرست مضامین

اردو پڑھانے کے قاعدے

حرفہ کا قاعدہ ۔ بنیادی حرفے کے ذریعے تعلیم دینے کے لئے ایسی جماعتوں کے لئے تو مواد ملنا ہے جہاں بچے لکھنے پڑھنے کے طریقے سے واقف ہو جاتے ہیں لیکن دشواری تو ان بچوں کے لئے ہے جو کچھ جانتے ہی نہیں ہیں۔ موجودہ قاعدوں میں سے کسی کو لیجئے بنیادی حرفے سے تعلق نہیں رکھتے۔ ان باتوں کو پیش نظر رکھ کر "حرفہ کا قاعدہ" تیار کیا گیا ہے جو سبق کہانی کا طریقہ اور طریق الصوت کے اصولوں پر ہیں تمام مواد بنیادی حرفے سے تعلق رکھتا ہے جس میں تکلی کا کام نمایاں ہے اور گتے کا کام سبزیوں کا کام ضمنی حیثیت رکھتا ہے۔ ابتدا ہی سے بچہ جو کچھ کرے گا وہ پڑھ سکے گا اور جو کچھ پڑھے گا وہ کر سکے گا۔ جن مقامات پر وردھا اسکیم جاری ہے وہاں کے لئے تو یہ ہر حیثیت سے سنگ بنیاد کا کام دے گا۔ کپاس، تکلی، کھدر، دھنئے پر چھوٹے چھوٹے دلچسپ سبق ہیں نظمیں بھی ہیں۔ ۲۰×۳۰/۱۶ سائز کے ۴۸ صفحات پر دیدہ زیب اور خوشخط چھپوایا گیا ہے۔ قیمت ۳؍

آسان قاعدہ ۔ جہاں تک مواد کا تعلق ہے اس میں بھی وہی چیزیں ہیں جو حرفے کے قاعدے میں ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ "حرفہ کا قاعدہ" کہانی کے طریقہ اور طریق الصوت کے اصولوں پر لکھا گیا ہے اور یہ قاعدہ صرف طریق الصوت کی بنا پر۔ ہر جگہ کہانی کے طریقے کا اہتمام مشکل ہے۔ ایسے لوگوں کی دشواریوں کو پیش نظر رکھ کر مندرجہ بالا عنوان سے اسی کا دوسرا ایڈیشن تیار کرایا گیا ہے۔ گھروں میں بچے کے طور پر پڑھانے کے لئے بہت موزوں ہے۔ ضخامت اور عمدہ چھپائی کی تمام خصوصیات حرفے کے قاعدے کی طرح ہیں۔ قیمت بھی ۳؍ ہے۔

بچوں کا قاعدہ ۔ یہ قاعدہ کہانی کے طریقہ اور طریق الصوت کے اصولوں پر لکھا گیا ہے۔ کہانی کے طریقہ کا یہ مقصد ہے کہ ابتدا ہی سے بچوں کے سامنے ایسا مواد پیش کیا جائے جو ان کی زندگی سے متعلق ہو۔ مدرسہ اور گھر کی زندگی ملی جلتی ہو۔ مدرسے سے گھر کی طرف بھاگنے کی بجائے گھر سے مدرسے کی طرف بھاگنے لگے، کھیل کود کے ذریعے لکھنے پڑھنے کا کام کرنے لگے۔ لفظوں کے جوڑ توڑ اور بچے کے لئے طریق الصوت سے کام لیا گیا ہے تاکہ آوازوں کے ذریعے جلد سے جلد لفظ پہچاننے لگے۔ پڑھانے والوں کا تجربہ ہے کہ ۲ مہینے کے عرصے میں بچہ بے تکان پڑھنے لگتا ہے۔ ۲۰×۳۰/۱۶ سائز پر کھلے کھلے لفظوں میں خوشخط اور دیدہ زیب چھپوایا گیا ہے ضخامت ۴۰ صفحے ہے۔ قیمت ۳؍۔ جن مدرسوں میں جدید طریقوں پر تعلیم دی جا رہی ہے وہاں کے لئے اسی قاعدے کو ترجیح دی گئی ہے

نیا قاعدہ ۔ یہ قاعدہ لفظوں کے طریقہ اور طریق الصوت کے اصولوں پر لکھا گیا ہے۔ جس جگہ کہانی کے طریقے کا اہتمام ہے وہاں بچوں کا قاعدہ رائج ہے۔ لیکن جو لوگ اس کا اہتمام نہیں کر سکتے ہیں ان کے لئے موجودہ قاعدے غیر تسلی بخش ہیں۔ کام کی دشواریوں اور دوسری شکایتوں کو پیش نظر رکھ کر یہ قاعدہ مرتب کیا گیا ہے۔ ابتدا میں تصویر اور اس سے متعلق بامعنی لفظوں کے ذریعے حرف سکھائے گئے ہیں۔ پھر ہندی کے طرز پر بتدریج آوازوں کی اونچ نیچ بچوں کے سامنے لائی گئی ہے۔ اسباق کی عبارت مربوط ہے، زبان میں شیرینی ہے۔ بچے جب اسے پڑھتے ہیں تو ان کی زبان سے بھلا معلوم ہوتا ہے۔ گھروں میں نجی تعلیم دینے کے لئے بہت مفید ہے۔ بچوں کی دشواریوں کو پیش نظر رکھ کر لکھائی چھپائی بہت صاف ستھری اور جلی کروائی گئی ہے۔ ۲۰×۳۰/۱۶ سائز کے ۴۸ صفحات ہیں۔ قیمت ۲؍ ہے

تعلیم بالغان کا قاعدہ بڑوں کے لئے اس اہتمام کی ضرورت نہیں ہے جو بچوں کے لئے کی جاتی ہے۔ لکھنے پڑھنے کی ضرورت اور اس کے فائدے کو یہ جانتے ہیں۔ انھیں تو ایسے قاعدے کی ضرورت ہے جو آسان طریقے سے جلد سے جلد لکھنا پڑھنا سکھلا دے۔ چند دنوں میں اور تھوڑے سے دنوں میں یہ لکھنا پڑھنا سیکھ جائیں تو ہر شخص ان کی مدد کے لئے تیار ہو جائے گا۔ یہ قاعدہ ان ہی باتوں کو پیش نظر رکھ کر لکھا گیا ہے۔ اس کے تین حصے ہیں۔ قیمت نمبر۱ ۔؍ نمبر۲ ۔؍ نمبر۳ مکمل ؎

ہندستانی کی پہلی کتاب ۔ ایک اہم مسئلہ ان بچوں کی تعلیم کا بھی ہے جن کی مادری زبان ہندستانی نہیں ہے۔ ظاہر ہے ان کا طریقہ تعلیم ان کی کتابوں کا ابتدائی مواد اور مادری زبان والوں سے جدا ہے گا۔ بنا بریں اس قاعدے کو اس طرح مرتب کیا گیا ہے کہ شروع میں سیدھے سادے طریقے سے حرف یاد کرائے گئے ہیں اس کے بعد ان کے جوڑ توڑ بتلائے ہیں۔ اسباق "قواعد اردو" کو پیش نظر رکھ کر لکھے گئے ہیں جو غیر مادری زبان والوں کے لئے ضروری ہے لطف یہ ہے کہ ان سب پابندیوں کے ساتھ دلچسپی کا عنصر شروع سے آخر تک ہے۔ ۲۰×۳۰/۱۶ سائز کے ۴۸ صفحات کی کتاب ہے۔ قیمت ۲؍

نئی کتابیں

ان قاعدوں میں سے جو قاعدہ آپ چاہیں منتخب فرمالیں۔ اس کے بعد بچوں کو ہماری تیار کردہ نئی کتابیں پڑھائیے جو ہر اعتبار سے اردو کی تمام موجودہ کتابوں سے بہتر ہیں

قیمت:۔ پہلی کتاب	۸؍	دوسری کتاب	۱۰؍
تیسری کتاب	۸؍	چوتھی کتاب	۱۰؍

ملنے کے پتے { مکتبہ جامعہ، قرول باغ، نئی دہلی ۔ مکتبہ جامعہ، امین آباد، لکھنؤ
مکتبہ جامعہ، لوہاری دروازہ، لاہور ۔ مکتبہ جامعہ، پرنس بلڈنگ، متصل جے جے ہسپتال بمبئی }

پرنٹر پبلشر:۔ حامد علی خاں   مطبوعہ: جید برقی پریس   مدیر: آشا دیوی

رجسٹرڈ نمبر: ایل ۴۴۴۷

نئی تعلیم

(ہندستانی تعلیمی سنگھ کا پرچہ)

جلد ۱، نمبر ۶	دہلی، جون ۱۹۳۹ء	قیمت سالانہ عہ

بنیادی تعلیم کی رفتار

نئی تعلیم کے طالب علم یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہندستانی تعلیمی سنگھ کی طرف سے بنیادی تعلیم کے اصول اور طریقے سے صحیح صحیح واقفیت حاصل کرنے کے لئے آئے دن چھوٹے چھوٹے تعلیمی پروگرام کا انتظام کیا جاتا ہے۔ ان تعلیمی پروگراموں میں بنیادی تعلیم کے اصولوں پر لکچر دیے جاتے ہیں اور اس پر بحث و مباحثے بھی ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی اس نئی تعلیمی اسکیم کے خاص حصے یعنی حرفے کی مشق کا بھی کافی انتظام کیا جاتا ہے۔ یہ بات تو صاف ظاہر ہے کہ دس بیس دن میں کسی حرفے کا بھی پورا پورا علم حاصل ہونا ناممکن ہے لیکن ان تعلیمی پروگراموں میں محض اتنا ہی اہتمام کیا جاتا ہے کہ ان میں حصہ لینے والے صاف طور سے اندازہ کر سکیں کہ حرفے میں تعلیم کا کتنا امکان ہے۔

جون ۱۹۳۸ء اور جنوری ۱۹۳۹ء میں وردھا میں ایسے دو تعلیمی پروگراموں کا انتظام کیا جا چکا ہے مگر چمپارن ضلع کے برندابن گاؤں میں گاندھی سیوا سنگھ کے سالانہ اجلاس کے ساتھ ساتھ بنیادی تعلیم کو سمجھنے کے لئے ۳ مئی سے ۱۶ مئی تک جس تعلیمی پروگرام کا اہتمام کیا گیا تھا اس میں کچھ خاص خصوصیتیں تھیں۔ چند وجوہ سے اس تعلیمی پروگرام میں کارکنوں کو بہت سی دقتوں اور مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا، ایک تو بیساکھ کی کڑی دھوپ اور گرم ہوا، دوسرے دیہاتیوں کی بھیڑ بھاڑ اور گرد و غبار۔ اگر بنیادی تعلیم کی صحیح تصویر دیہات ہی میں نظر آ سکتی ہے، اس لئے دیہاتی ماحول میں دیہاتی دشواریوں کو برداشت کرتے ہوئے بنیادی تعلیم کے سمجھنے کی جو کوشش کی گئی اس میں اگرچہ آرام تو نہیں تھا، مگر اصلیت ضرور تھی۔

اس تعلیمی پروگرام کی ایک اور خصوصیت تھی۔ اس علاقے میں برندابن کے آس پاس بنیادی تعلیم کا تجربہ شروع ہو چکا ہے اور ۲۵ بنیادی اسکول بھی کھولے جا چکے ہیں۔ ان اسکولوں میں دیہاتی بچوں کو لے کر جو عملی تجربہ ہو رہا ہے اس کی وجہ سے بنیادی تعلیم کے سمجھنے کا معاملہ بہت کچھ صاف اور آسان ہو گیا تھا کارکنوں نے صرف بنیادی تعلیم کے اصولوں پر بحث مباحثہ ہی نہیں کیا بلکہ بنیادی اسکولوں میں حرفے کے ذریعے جو تعلیم دی جاتی ہے اس کا مطالعہ بھی کیا۔ تعلیمی پروگرام میں ایک دن نمائندوں اور دیہاتی استادوں کی مشترکہ بیٹھک کا بھی تھا جس میں اس نئی تعلیم کا تجربہ کرتے ہوئے استادوں کو جو اصلی تجربے ہوئے ہیں اور جو مشکلیں ان کے راستے میں حائل تھیں ان پر کافی بحث ہوئی۔

اس تعلیمی پروگرام کی ابتدا گاندھی سیوا سنگھ کے سالانہ اجلاس کے ساتھ ہوئی۔ اس لئے گاندھی سیوا سنگھ کے ممبروں کی موجودگی سے ہمیں بہت فائدہ ہوا۔ اتنا ہی نہیں کہ بنیادی تعلیم کے طلبہ اور کارکن یہ محسوس کرنے لگے کہ بنیادی تعلیم کی اسکیم صرف نئی تعلیم کی اسکیم ہے بلکہ گاندھی جی کی رہنمائی میں ملکی زندگی کے اتحاد کے لئے جتنے راستے اختیار کئے گئے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔

۳ مئی کی رات کو ۸ بجے جناب راجندر بابو نے اس تعلیمی پروگرام کے جلسے کا افتتاح کیا۔ پرانی اور نئی تعلیمی اسکیم کا مقابلہ کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ "آج تک تعلیم کے نام سے جو اسکیم چل رہی تھی اس سے ہم محض لکھنا پڑھنا ہی سیکھ سکتے تھے مگر اور سب طرح سے وہ بے کار تھی۔ سب سے زیادہ تعلیم یافتہ ہی سب سے زیادہ نکمے تھے۔ انھیں تو ٹھیک طور سے گانٹھ باندھنی بھی نہیں آتی تھی کہ جس سے وہ کنویں سے ایک لوٹا پانی کھینچ سکیں۔ اگر کھونٹے سے گائے بیل باندھنے کا موقع آ جائے تو شاید وہ اسے اس طرح باندھ دیتے کہ بے چارہ جانور گلا گھٹ کر مر جائے۔

ایسی حالت میں ۱۹۲۰ء میں جب وکیلوں نے وکالت اور طالب علموں نے اسکول اور کالج چھوڑے تو ہمارے سامنے یہ سوال آیا کہ ہم کیا کریں۔ میں نے یہ دیکھا کہ دیہات کے رہنے والے لڑکے جن کو اپنے ہاتھوں سے کام کرنے کی عادت تھی اور ان کی انگریزی کی تعلیم ابھی شروع ہوئی تھی ان کے سامنے کوئی دقت نہ تھی مگر وہ جو محض کتابی تعلیم ہی پلے ہوئے تھے اور جو کتابی باتیں بنانے کے علاوہ اور کچھ سیکھے ہوئے نہ تھے ان کے سامنے یہ سوال نہایت ہی بھیانک شکل میں پیش آیا۔

ملک کو یہ کمی محسوس ہوئی اور قومی مدرسے اور کالج کھولے گئے مگر انھیں چلانے والے بھی وہی تھے جو پرانی تعلیمی اسکیم سے گذر چکے تھے اور اسی لئے ملک کے لئے کوئی مناسب اور ٹھیک راستے کی جستجو میں وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ مہاتما جی بھی دوسرے کاموں میں مصروف تھے۔ وہ ملک کی تعلیم کی طرف اپنا پورا دھیان

نہ لگا سکتے تھے۔ انھوں نے کبھی کبھی یہ تو ضرور کہا کہ چرخے کا کارخانہ ہی سچا قومی اسکول ہو سکتا ہے مگر اس وقت ہم لوگ ان کے اس اشارے کی اہمیت کو سمجھ نہ سکے۔ تعلیم کی محض ایک ہی شکل عوام کے سامنے تھی یعنی تاریخ، جغرافیہ، ادب اور حساب۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قومی تعلیم اتنی کامیاب نہ ہو سکی جتنی کہ امید تھی آخرکار معدودے چند کے سوا بہتیرے اسکول آپ سے آپ بند ہوتے گئے۔

پھر جب ٹھیک موقع آیا تو گاندھی جی نے اس سوال پر خاص طور سے اپنی توجہ صرف کی اور انھوں نے ایک اسکیم ملک کے سامنے رکھی مگر ہمارا حال یہ ہے کہ کسی بات کی تائید جب تک غیر ممالک نہ کریں اس وقت تک ہمیں اس کی قدر نہیں معلوم ہوتی اور جب سنا گیا کہ یہی بات ڈیوئی (Dewey) بھی کہتے ہیں اور اس تعلیمی اسکیم کو امریکہ، جرمنی، روس وغیرہ ملکوں کے سب سے بڑے ماہرین تعلیم بھی سچی اور نمونے کی اسکیم مانتے ہیں تب اس اسکیم کی طرف ملک کی توجہ ہوئی اور اس کا تجربہ شروع ہوا۔

صوبہ بہار کا چمپارن ضلع بہت ہی خوش قسمت علاقہ ہے۔ ستیاگرہ کا سب سے پہلا تجربہ یہیں سے شروع ہوا تھا۔ اسی طرح اس نئی تعلیم کا بھی سب سے پہلا تجربہ یہیں ہو رہا ہے مگر اس تجربے کی کامیابی کی سب سے بڑی ذمہ داری اس نئی تعلیم کے استادوں پر ہے۔ اگر ہمیں ایسے قابل استاد ملیں جو لگن مستعدی اور سمجھ کے ساتھ اس تجربے میں لگے رہیں تو وہ دیہات کے بچوں میں ایک نئی زندگی پیدا کر سکتے ہیں اور ہندوستان کو ایک نیا ہندوستان بنا سکتے ہیں۔ اور اگر وہ اسے بے سمجھے بوجھے لاپرواہی سے چلائیں تو یہ اسکیم قطعاً ناکامیاب ہو جائے گی۔ لیکن جو کچھ بھی تھوڑا سا کام اب تک ہو چکا ہے اس سے ہمیں یہ امید ہوتی ہے کہ استادوں میں اب نئی زندگی پیدا ہو رہی ہے اور بیس پچیس سال میں وہ حالت آئے گی جب صوبے بھر میں ایک بھی بچہ ایسا نہ ملے گا جو ان پڑھ ہو۔

پیری نائک پلم (مدراس) میں بنیادی تعلیم کا پروگرام

پیری نائک پلم تامل علاقہ میں کوئمبٹور ضلع کا ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ اس گاؤں میں گذشتہ چھ سات سال سے تعلیمی سنگھ کے ممبر اور بڑی مجلس قانون ساز کے ممبر جناب اویناش لنگم چیٹیار کی نگرانی میں ایک رام کرشن مشن نامی اسکول چل رہا ہے۔ اگرچہ یہاں مدراس یونیورسٹی کے مقرر کردہ نصاب ہی کے مطابق تعلیم ہوتی ہے اور وہیں کے امتحان میں شریک ہونے کے لئے طلبہ بھی تیار کئے جاتے ہیں، تاہم اس اسکول کے کام اور تعلیمی اسکیم میں نئے خیالات اور نئی روح کو کچھ نہ کچھ ملایا گیا ہے۔ کتائی، بنائی، تکلی کا کام اور درزی وغیرہ کے کام کو عملی طریقے سے سکھانے کا انتظام کیا گیا ہے اور جہاں تک ہو سکا ہے انھیں حرفوں کے ذریعے تعلیم دینے کی کوشش بھی کی جاتی ہے۔

اسی گاؤں میں اویناش لنگم صاحب کی دعوت پر اور مدراس گورنمنٹ کی حوصلہ افزائی سے جنوبی ہند کے استادوں اور تعلیم سے دلچسپی لینے والوں کے لئے ہندستانی تعلیمی سنگھ کی جانب سے ۱۵ مئی سے ۲۷ مئی تک بنیادی تعلیم کے ایک مختصر پروگرام کا انتظام بھی کیا گیا تھا۔ اس تعلیمی پروگرام میں شامل ہونے کے لئے صوبہ مدراس کے مختلف اضلاع سے ۳۰۰ سے زیادہ درخواستیں آئی تھیں۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مدراس میں اگرچہ ابھی تک گورنمنٹ کی طرف سے بنیادی تعلیم کا کوئی تجربہ شروع نہیں ہوا ہے تاہم صوبے کے استاد اور تعلیم سے شوق رکھنے والے اس نئی تعلیمی اسکیم سے کس قدر دلچسپی رکھتے ہیں۔

اس جنوبی ہند کے مختصر تعلیمی پروگرام کا محض اتنا ہی مقصد تھا کہ اس صوبے میں بنیادی تعلیم کے آئندہ تجربے کے لئے کوئی مناسب علاقہ تجویز کیا جائے اور ساتھ ہی اس کے بنیادی تعلیم اور اس کے بنیادی اصولوں کی ایک سچی اور صاف شکل کو اس صوبے کے استادوں کے سامنے پیش کیا جائے۔ اس لئے ان درخواستوں میں سے صرف ۵۰ منظور کی گئیں۔

تعلیمی پروگرام کا کام ۱۵ مئی کو صبح دس بجے شروع ہوا۔ اس کے افتتاحیہ جلسے میں استاد اور دوسرے حضرات کے علاوہ مدراس گورنمنٹ کے دو معزز وزراء جناب وارکی صاحب اور جناب گری صاحب بھی موجود تھے۔ افتتاحیہ جلسے کی ابتدا میں حاضرین کا استقبال کرتے ہوئے جناب اویناش لنگم جی نے فرمایا کہ "دوستو! بنیادی تعلیم کے اس چھوٹے سے تعلیمی پروگرام کے لئے آپ کا استقبال کرتے ہوئے مجھے بے حد خوشی ہوتی ہے۔ مہاتما گاندھی ہمارے رہبر و رہنما ہیں۔ دوسرے کاموں کی طرح سے انھوں نے تعلیم کا بھی مناسب طریقہ ہمیں بتلایا ہے۔ تعلیم کے بہتیرے غیر ملکی ماہرین تعلیم نے بھی اس کے اصولوں کی تعریف کی ہے۔

یہ اسکول جناب رام کرشن پرمہنس کی یادگار میں قائم کیا گیا تھا۔ اس وقت سے ہم مہاتما جی کے اصولوں کو سمجھنے اور ان کے مطابق کام کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ اسی لئے ہم نے مہاتما جی کے اس نئے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے اور بنیادی تعلیمی اسکیم کے مطابق استاد تیار کرنے کے خیال سے ایک ٹریننگ اسکول کھولنے کا انتظام بھی کیا تھا مگر کئی وجوہ سے نہ کھول سکے۔ امید ہے کہ آئندہ ہم اسے کر سکیں گے۔ یہ مختصر تعلیمی پروگرام بھی اسی کی ایک چھوٹی سی شکل ہے۔ اس میں داخلے کی تقریباً ۳۰۰ درخواستیں آئی تھیں، مگر تعلیمی پروگرام کو زیادہ بانتیجہ اور کامیاب بنانے کے لئے ہمیں ان میں سے بہتوں کو ناامید کرنا پڑا۔

میں امید کرتا ہوں کہ ان تھوڑے سے دنوں میں ہم ایک دوسرے کو اور ساتھ ہی ساتھ مہاتما جی کی اس اسکیم کو سمجھنے کی حتی الامکان پوری کوشش کریں گے۔"

اس کے بعد ہندستانی تعلیمی سنگھ کے سکریٹری جناب آریہ نائکم کی درخواست پر حکومت مدراس کے معزز وزیر تعلیمات جناب وارکی صاحب نے اس تعلیمی پروگرام کا افتتاح کیا۔ انھوں نے کہا کہ کوئی ۲۵ سال سے ہندستان کی موجودہ تعلیمی اسکیم سے پبلک کی بے اطمینانی روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ لوگوں کی یہ بے اطمینانی ملک کی وطنیت کے جذبے کے ساتھ ساتھ بڑھتی گئی اور زندگی کے ملکی منصوبوں اور خیالوں کے ساتھ مضبوط ہوتی گئی۔ بعض ماہرین تعلیم نے اس نظام کی ذرا غور سے چھان بین کی اور اس سے غیر مطمئن ہو کر انھوں نے کہا کہ موجودہ نظام تعلیم کو اپنے ملک کے مناسب حال بنانے کی بہت سخت ضرورت ہے۔

اس لئے ملک کے تمام لیڈر اس نظام کو بدل کر اس کی جگہ پر ایک باتنیجہ اور زیادہ مفید اسکیم کی تلاش میں لگے جو کہ ہماری ملکی زندگی کی ضرورتوں اور منصوبوں کے مناسب حال ہو۔ ان لوگوں میں گاندھی جی نے مناسب موقع دیکھ کر اپنی تعلیمی اسکیم کو ملک کے سامنے پیش کیا جو کہ بنیادی تعلیمی اسکیم کی شکل میں آج ہمارے سامنے ہے۔

آج کل یہ بنیادی اسکیم ملک بھر میں سب چیزوں سے زیادہ تذکرے کا سبب بنی ہوئی ہے۔ اس اسکیم میں کچھ خاص خوبیاں ہیں جو اس موجودہ بے کار تعلیم کو بدل کر تمام نظام تعلیم میں ایک انقلاب پیدا کر دیں گی۔"

آگے چل کر آپ نے فرمایا کہ مدراس گورنمنٹ نے بنیادی اسکیم سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے تین استادوں کو وردھا بھیجا تھا۔ فی الحال انھیں تینوں کو لے کر مدراس گورنمنٹ کوئمبٹور میں وردھا ٹریننگ اسکول

کھولے گی۔ اگرچہ یہ انتظام بالکل معمولی ہے اور ابھی محض ۳۰۰ ہی استاد تیار کئے جائیں گے لیکن ایک برس تک اس اسکیم کا تجربہ کرنے کے بعد گورنمنٹ اس کام کو ایک بڑے پیمانے پر شروع کرے گی۔"

اس کے بعد آنریبل جناب بی۔ بی۔ گری نے بنیادی اسکیم پر روشنی ڈالی۔ آپ نے کہا کہ گذشتہ دو برس سے میں اس فکر میں ہوں کہ اس ملک کی بے کاری کا سوال کیسے حل کیا جائے مگر اب مجھے امید ہے کہ بنیادی اسکیم اس مشکل کو حل کر سکے گی۔ بے کاری کے حل کے لئے وہ کھیتی اور حرفے کے مرکز کھولنے کی بابت سوچ رہے تھے جہاں کہ بے کاروں کو گاؤں کے پیشوں اور کھیتی کی تعلیم دی جا سکے۔

مگر اس بنیادی اسکیم کے صحیح تجربے کے ہونے پر اور اس کو سیکھے ہوئے استادوں کے ذریعے اس کی اصلی شکل کی وسعت سے بات کچھ اور ہی ہو جائے گی اور یہ کھیڑے باقی نہ رہیں گے۔" آئندہ اس سے ہونے والے فوائد کا بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ "یہ بنیادی اسکیم ملک کے بے کار نوجوانوں کو کام دے گی اور ان پر یہ بات ظاہر کر دے گی کہ نوجوانوں کا میدان عمل ہندستان کے گاؤں ہیں نہ کہ شہر۔"

بہار میں نئی تعلیم

(بہار کے بنیادی تعلیمی بورڈ کے سکریٹری سے حاصل ہوا)

ابتدائی تعلیم کی اصلاح کی کوشش اس صوبے میں کئی برس سے ہو رہی تھی ملک کے ہمدرد جناب راجندر پرشاد صاحب نے نومبر ۱۹۳۷ء میں پٹنہ یونیورسٹی سنیٹ کے ذریعے بہار گورنمنٹ کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ بہار کی تعلیمی تحقیقات کے لئے اس فن سے واقفیت رکھنے والے لوگوں کی ایک چھوٹی سی کمیٹی قائم کی جائے اور اس کمیٹی کی سفارشوں پر غور کرتے ہوئے اور صوبے کی بھلائی، ترقی اور اس کی مالی حالت کا خیال رکھتے ہوئے موجودہ تعلیم میں نیچے سے اوپر تک اصلاح کی جائے۔ بہار گورنمنٹ نے اس رائے کو تسلیم کرتے ہوئے جناب کے۔ ٹی۔ شاہ کی ماتحتی میں ایک کمیٹی قائم کی جو کہ بہار کے تعلیمی مسئلوں پر غور کر رہی ہے۔

اس درمیان میں یہ تجویز کیا گیا کہ واردھا تعلیمی اسکیم کے طریقے پر صوبے میں تجربہ کیا جائے۔ تجربے کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت تک جب تک تعلیمی اصلاح کی کمیٹی کی رپورٹ نکلے اور گورنمنٹ اس پر غور کر کے اپنا حکم دے، گورنمنٹ اور پبلک کے سامنے نئی تعلیم کے عملی امتحان کا نتیجہ بھی کسی حد تک موجود ہو۔ نئی تعلیم جسے ہندستانی تعلیمی سنگھ کے ممبر بنیادی قومی تعلیم کہتے ہیں اور جسے مہاتما گاندھی گاؤں کی قومی تعلیم کہتے ہیں، سات برس کی لازمی اور مفت تعلیم کی اسکیم ہے۔ اس لئے اس کا امتحان بھی سات برس ہی میں پورا ہو سکتا ہے اور اسی خیال سے بہار گورنمنٹ نے سات سال کی اسکیم منظور کی ہے۔

اسکیم کو چلانے کے لئے سب سے پہلے استادوں کی ضرورت ہے۔ اب تک استاد محض دماغی تعلیم ہی دینے کے لائق تھے خواہ وہ دماغی تعلیم کیسی ہی ہو۔ اب ہمیں ایسے استادوں کی ضرورت ہے جن کے ہاتھ خود سدھے ہوں اور جو بچوں کو ہاتھ سے کام لینے کی تعلیم دیتے ہوئے ان کے دماغ کی بھی نشو و نما کر سکیں لیکن ہمارے ملک کی کچھ ایسی حالت ہے کہ جن کے ہاتھ سدھے ہیں ان کی دماغی نشو و نما نہیں ہوئی ہے۔ اس طرح استادوں کو تیار کرنے کے متعلق ہمارے سامنے دوہرا سوال درپیش ہے، ایک یہ کہ ہم کس طرح جلد سے جلد دماغی تعلیم دینے والوں کو دستکاری کی تعلیم دینے کے قابل بنائیں اور دوسرے یہ کہ دستکاری سکھانے والوں کو دماغی تعلیم کیسے دی جائے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین کمیٹی نے ایسے اساتذہ کی ٹریننگ کے لئے تین برس کے کورس کی سفارش کی ہے لیکن موجودہ تعلیم سے لوگ اس قدر غیر مطمئن ہیں کہ نئے طریقے سے تین برس تک صرف استادوں کو ٹریننگ دیتے رہنا کسی کو منظور نہیں ہے۔ اس لئے یہ طے پایا کہ استادوں کی ٹریننگ کے ساتھ ساتھ بنیادی اسکولوں میں بھی نئی تعلیم ہوتی چلے اور اسی کے مطابق سات برس کا پروگرام مرتب کیا گیا ہے۔

استادوں کے لئے ٹریننگ کا پہلا کورس چھ مہینے کے لئے مقرر ہوا۔ چھ ماہ کی ٹریننگ میں استاد ہاتھ کے کام کے ساتھ ساتھ پڑھائی کے طریقے میں محض اتنی ہی تعلیم پا سکتے ہیں جن کے سہارے نئے ڈھنگ کے اسکولوں میں شروع کے دو درجوں میں پڑھا سکیں۔ جولائی ۱۹۳۸ء سے پٹنہ ٹریننگ اسکول میں کورس کے شروع کرنے کی بابت طے پایا تھا مگر رہنے کے لئے مکان اور اچھے استادوں کے انتخاب میں دیر ہونے کی وجہ سے کورس ستمبر ۱۹۳۸ء سے شروع ہوا اور ۶۱ استاد ٹریننگ کے لئے داخل کئے گئے۔ ۲۰۰ امیدوار تھے جن میں ایک عورت بھی تھی، اس لئے ایک عورت بھی ٹریننگ کے لئے داخل کر لی گئی۔ ان ساٹھ ٹریننگ کے لئے داخل کئے ہوئے اساتذہ میں ایک ٹریننگ یافتہ ایم۔ اے، ایک ٹریننگ یافتہ بی۔ اے، ۵ انٹرمیڈیٹ پاس، ۳۷ میٹریکولیشن پاس اور ۱۶ میٹریکولیشن سے نیچے اور مڈل سے اوپر تک تعلیم پائے ہوئے تھے۔ ان چھ مہینوں میں انھیں مندرجہ ذیل مضامین کی تعلیم دی گئی ہے۔

۱۔ بنیادی حرفے کی تعلیم

الف۔ دھنائی اور تکلی سے علاوہ کتائی

ب۔ باغبانی اور کھیتی میں زمین اور پودوں کے متعلق ابتدائی علم۔ ان کا محض کام ہی نہیں سکھایا گیا بلکہ کوشش اس بات کی کی گئی کہ کاموں کے اصولی اسباب بھی ان کی سمجھ میں آ جائیں۔

۲۔ حرفے کے ربط کے ساتھ پہلے اور دوسرے درجوں کے نصاب کا بتدریج علم۔

۳۔ نئی تعلیم کے بنیادی اصول۔

۴۔ بچوں کی نفسیات کی تعلیم کے عام اصول۔

۵۔ انتظام مدرسہ۔

۶۔ ڈرائنگ

۷۔ تربیت جسمانی کی تعلیم، نظری اور عملی۔

۸۔ ہندستانی

۹۔ نظم

۱۰۔ مشقی اسباق۔

۱۱۔ دماغی نشو و نما کے لئے موجودہ ہندستانی اور دوسرے اندرونی مسائل اور دنیا کے مختلف مذاہب پر بحث و مباحثے۔

اسکولوں میں دو برس تک کام کرنے کے بعد یہ اساتذہ دوبارہ ایک برس کی ٹریننگ کے لئے بلائے جائیں گے اور ان کے لئے نئی تعلیم کے مطابق پورے سات درجوں میں تعلیم دینے کی مکمل قابلیت پیدا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

اس طرح ٹریننگ اسکول میں اگرچہ ٹریننگ پورے تین برس کی نہیں ہوگی مگر ان اساتذہ کی اصلی ٹریننگ میں ان کے دو برس کے کام کو بھی شمار کر لینا چاہیئے اور اس کا اچھا موقع انھیں دیا جائیگا اس کام کے لئے دو زائد تجربے کار اور قابل اساتذہ ان کی رہبری کے لئے رکھے گئے ہیں۔ یہ رہنما استاد بنیادی اسکولوں میں گھوم گھوم کر اساتذہ کے ساتھ تعلیمی اسباق کا کام کریں گے اور ایک جگہ کے کامیاب تجربے کے نتائج دوسری جگہوں پر بھیجے جائیں گے اور نئی تعلیم کی بابت مضامین کی ترتیب دی جائے گی۔ ان رہنماؤں کا کام آج کل کے سب انسپکٹروں کے کاموں سے بالکل مختلف ہوگا۔ یہ محض معائنہ کرنے والے ہی نہ ہوں گے بلکہ یہ زیادہ تجربے کار استاد ہونے کی وجہ سے بنیادی اسکولوں میں کام کرنے والے استادوں کے مددگار اور رہنما بھی ہوں گے۔

کورس ختم کرنے کے بعد یہ اساتذہ نئے ڈھنگ کے اسکولوں میں پڑھانے کے لئے اپریل ۱۹۳۹ء سے بھیج دیئے گئے ہیں۔ یہ اسکول ضلع چمپارن کے موضع برندابن کے آس پاس تقریباً ۱۰ مربع میل کے اندر اندر کھولے گئے ہیں۔ اس علاقے کے سبھی اسکول اس وقت سے نئی تعلیم کے ڈھنگ پر چلنے لگے ہیں۔ پہلے وہاں محض ایک مڈل اسکول اور سات لوئر پرائمری اسکول تھے۔ ان کے درجے مندرجہ ذیل ترتیب سے نئی تعلیم میں لے لئے جائیں گے۔

۱۹۳۹ء میں درجہ اول، ۱۹۴۰ء میں درجہ دوم اور ۱۹۴۱ء میں درجہ سوم نئے اسکولوں میں بھی اسی ترتیب سے درجے کھولے جائیں گے اور سات سال میں ہر ایک اسکول میں ساتوں درجے نئی اسکیم کے مطابق چلنے لگیں گے۔ ۱۹۴۵ء کے آخر میں ان اسکولوں کی پوری تعلیم ختم کرکے بچے نکلیں گے اس وقت ہمیں اس بات کے مقابلے کا موقع ملے گا کہ یہ آج کل کے اسکولوں سے اتنے ہی برسوں کی تعلیم ختم کرکے نکلے ہوئے بچوں کے مقابل میں کن حیثیتوں سے بڑھے ہوئے یا گھٹے ہوئے ہیں۔

اسکولوں کی عمارتیں گھاس پھوس، لکڑی، بانس اور مٹی کی بنائی گئی ہیں۔ ابھی تو دوسرے مزدوروں اور کاریگروں نے ان گھروں کو بنایا ہے لیکن امید کی جاتی ہے کہ جیسے جیسے ہر ایک اسکول میں استاد اور طلبہ کی تعداد بڑھتی جائے گی اور انھیں گاؤں کے حرفے کی مشق ہوتی جائے گی ان اسکولوں کے بنانے میں اور ان کی مرمت کرنے میں انھیں باہری مزدوروں کی مدد کی ضرورت نہیں رہے گی۔ بنیادی تعلیم کے تجربے کے ساتھ ان اسکولوں کے چلانے میں ہم اسکول کے گھروں کا بھی تجربہ کر رہے ہیں۔ ہم نے ابھی جیسے گھر بنائے ہیں ان کے سستے اور مضبوط ہونے کا پتہ اگلی برسات میں چل جائے گا۔ پھر اس کے بعد ہم اس میں اصلاح کریں گے اور سات برس میں ہمیں یہ تجربہ ہو جائے گا کہ گاؤں کے موقع و محل اور صوبے کی مالی حالت کے لحاظ سے ہمیں مفت اور عام تعلیم کے رواج کے لئے اسکولوں کے اچھے سے اچھے اور سستے گھر کس طرح کے بنانے چاہئیں۔ ابھی ہمارے سبھی اسکول محض پہلے درجے کے ہیں، ہر ایک جگہ پر پہلے درجے میں تیس لڑکے ہوں گے۔ اس لحاظ سے ہم نے درجے کا کمرہ ۶۰۰ مربع فیٹ کا بنایا ہے اور ہر ایک اسکول میں ایک سامان رکھنے کا کمرہ ۳۰۰ مربع فیٹ کا اور ایک استاد کے رہنے کا ۳۰۰ مربع فیٹ کا بنایا ہے۔ ان سب کے بنانے میں ہم نے سوچا تھا کہ ۲۵۰ روپیے خرچ ہوں گے مگر کئی اسباب سے ابھی خرچ ۳۰۰ روپیے سے زیادہ ہو گیا ہے۔

اسکولوں کے لئے زمین کسانوں اور زمینداروں سے مفت مل گئی ہے۔ اس بات کا حوصلہ ہو رہا ہے کہ کم سے کم ہر ایک اسکول میں ایک ایکڑ زمین ہونی چاہیئے۔ کتائی اور باغبانی کے حرفوں کے لئے اتنی زمین کافی سمجھی جاتی ہے۔ لیکن جن اسکولوں میں چھٹے اور ساتویں درجے میں زراعت کا حرفہ جاری کیا جائے گا ان میں ہر ایک کے لئے دس ایکڑ زمین کی ضرورت ہوگی۔ امید کی جاتی ہے کہ ہم ایک تہائی بنیادی اسکولوں میں زراعت کا حرفہ رکھیں گے اور اس کے لئے کافی زمین ہمیں گاؤں سے مل جائے گی۔

اسکولوں کی جگہوں کا انتخاب علاقے کے بچوں کی گنتی کے بعد کیا گیا۔ پہلے یہ خیال تھا کہ سات سال کے سبھی بچے لازمی طور سے قانون کے بل پر اسکول میں داخل کر لئے جائیں گے اور لڑکیوں کا اسکولوں میں داخل ہونا ان کے سرپرستوں کی خواہش پر منحصر ہوگا۔ چھ برس سے اوپر اور ۷ برس سے کم عمر کے لڑکوں کی گنتی سات برس کے بچوں میں کر لی گئی تھی مگر بعد میں یہ طے ہوا کہ بنیادی تعلیم کی ابتدا ایک بیک قانون کے سہارے پر نہ کی جائے۔ پہلے لڑکے اور لڑکیوں کو اپنی خواہش کے مطابق آنے کا موقع دیا جائے۔ اس غرض کو پورا کرنے کے لئے اسکولوں میں کشش پیدا کی جائے، انھیں گاؤں کی زندگی کا مرکز بنایا جائے اور ان کے فوائد کو سرپرستوں کو سمجھائے اور دکھلائے جائیں۔ خوشی کی بات ہے کہ اسکول کھلنے کے تین ہفتے کے اندر ایک ہزار سے زائد طلبہ آ گئے ہیں۔

ان اسکولوں کے شروع کرنے میں دقتیں ضرور پیش آئی ہیں۔ لوگ پچھڑے ہوئے ہیں۔ ان میں تعلیم کی بالکل کمی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان میں کسی طرح کا خوف پھیلا دینا بہت آسان ہے۔ اونچی ذاتوں کے لوگ، زمیندار اور مہاجن قسم کے لوگ ڈرتے ہیں کہ عوام میں تعلیم پھیلنے سے ان کی عظمت خاک میں مل جائے گی۔ اس سے وہ غریبوں اور ہریجنوں کو طرح طرح کی جھوٹی باتوں سے ڈراتے ہیں اور اسکولوں میں بچوں کو بھیجنے سے روکتے ہیں۔ اسکولوں کے آس پاس کے لوگ زیادہ تر غریب و نادار ہیں۔ ان کے بچے اکثر بکری، گائے چراتے اور گھاس کاٹتے آئے ہیں۔ وہ ڈرتے ہیں کہ اگر وہ ان بچوں کو اسکول میں بھیج دیں گے تو ان کے گھر کا کام نہیں چلے گا۔ بچے کچھ ناداری کے سبب سے اور کچھ باقاعدہ زندگی کی عادت نہ ہونے کی وجہ سے اسکول میں بھوکے چلے آتے ہیں اور چار پانچ گھنٹے اسکولوں میں رہنا ان کے لئے مشکل ہو جاتا ہے۔ ان سب اسباب سے اسکول کی حاضری ابھی اچھی نہیں ہے۔ پھر بھی امید کی جاتی ہے کہ اگر ان اسکولوں کے استاد اور بچے حوصلے اور لگن سے کام کرتے جائیں گے، اپنے اصول سے منحرف نہ ہوں گے اور گاؤں والوں سے اپنائیت کا رشتہ جوڑ لیں گے تو یہ دشواریاں تھوڑے دنوں میں حل ہو جائیں گی۔

آدھ گھنٹے کی کتائی

"روزانہ آدھ گھنٹہ نہایت انہماک سے استاد اور طلبہ دونوں کے کاتنے کو ہندی میں گتی لگانا یعنی رفتار کے بڑھانے میں منہمک ہونا اور ڈوبنا کہتے ہیں اس رفتار کی الگ ڈایری رکھنی چاہیئے۔ اس کے سوا عام طور سے کاتنے کے پورے وقت میں جتنا کاتا جاتا ہے اس کی دوسری ڈایری بنانی چاہیئے۔ ایسی دوسری ڈایری کے بغیر ترقی کا پورا علم نہیں ہوگا۔" یہ عبارت جناب ونوبا جی نے اپنی کتاب "مول اُدیوگ کاتنا" (یعنی بنیادی حرفہ کتائی) میں لکھی ہے (ملاحظہ فرمائیے صفحہ ۵۴)۔ وردھا تعلیمی اسکیم کا جن جگہوں پر تجربہ کیا جا رہا ہے ان میں سے کئی جگہوں پر اس اصول کے مطابق بالکل عمل نہیں کیا جاتا ہے

اور جہاں اس پر عمل کیا جاتا ہے وہاں بھی اس اصول کی پوری اہمیت پر دھیان دے کر ٹھیک طور سے عمل کیا جاتا نظر نہیں آتا اس لئے اس اصول کی اہمیت کو سمجھ لینا بہت ہی مفید ہوگا۔

اس اصول کے اندر چار باتیں ہیں (۱) روزانہ عام طور سے آدھ گھنٹہ کاتنا۔ (۲) انہماک و مشغولیت سے کاتنا (۳) استاد اور طلبہ دونوں کا ایک ساتھ کاتنا۔ (۴) اس رفتار کی ڈائری رکھنا۔ ان چاروں باتوں کو ترتیب سے سمجھ لینا مناسب ہوگا۔

(۱) روزانہ آدھ گھنٹہ کاتنا۔ بنیادی دستکاریوں میں کتائی بنائی کے حرفے کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ کتائی بنائی میں بھی کتائی کے لئے ۵ سال اور بنائی کے لئے ۲ سال رکھے گئے ہیں۔ کتائی کے ۵ سال میں تکلی سے کاتنا، مختلف قسم کے چرخوں پر کاتنا اور مختلف نمبر کے سوت کاتنا وغیرہ باتیں ہیں۔

اس کے سوا ہر ایک درجہ میں کام کی مقدار یعنی رفتار بڑھنے کی بھی امید کی گئی ہے۔ اس آئندہ کی امید پر بڑھنے والی رفتار کا بھی تخمینہ کیا گیا ہے۔ اس لئے یہ جاننا کہ کتائی میں ہماری ترقی کیسے ہو رہی ہے بہت ضروری ہے۔ ساتھ ہی ساتھ کاتنے کے حرفے کی یہ خاصیت ہے کہ اس میں دن بدن کچھ حد تک ترقی بھی ہوتی رہتی ہے اور اس ترقی کا حساب کرنا بھی بہت سہل ہے۔ روزانہ آدھ گھنٹہ کاتنے سے ہم اس ترقی کو جان سکتے ہیں۔ محض ایک آدھ لڑکے ہی کی نہیں بلکہ تمام درجے کے متعلق جان سکتے ہیں اور اس طرح سے تدریجی ترقی کا خیال پیدا کر کے تدریجی نظریے نکال سکتے ہیں۔ اور اس طرح سے جماعتی ترقی کا خیال پیدا کر کے سماجی ارادہ پیدا کر سکتے ہیں۔

۲۔ رفتار کو سامنے رکھ کر مقررہ آدھ گھنٹے تک کاتنے میں آدمی ایک ایک منٹ کا دھیان رکھتا ہے۔ اس طرح سے وہ وقت کی اہمیت کو سمجھ سکتا ہے ساتھ ہی ساتھ اس طرح دھیان دے کر کاتنے سے اس کی ترقی بھی ہوتی ہے۔ سبھی لوگوں کا یہ تجربہ رہا ہے کہ یہ آدھ گھنٹے کی رفتار معمولی رفتار سے ہمیشہ زیادہ رہتی ہے۔ اس طرح سے آدمی کو اپنی قوت کا پتہ چلتا ہے۔ فرض کیجئے ایک طالب علم کی آدھ گھنٹے کی رفتار ۷۰ تار ہے اور معمولی رفتار ۵۵ تار ہے تو ایسی حالت میں اس طالب علم کو اپنے اوپر اس قدر اعتماد ہو جاتا ہے کہ وہ خیال کرنے لگتا ہے کہ میری اوسط رفتار بھی ۷۰ تار تک پہنچ سکتی ہے۔ اگر یہ آدھ گھنٹے کی رفتار نہ ہوتی تو یہ بات یعنی اپنی قوت کا اسے پتہ نہ لگ سکتا اور اس کی ترقی میں ڈھیلا پن رہتا۔ آدھ گھنٹے کی رفتار سے طالب علم کو اپنی قوت کا پتہ لگتا ہے اور وہ اپنے اوپر اعتماد کر کے اپنی اوسط رفتار بڑھانے کی کوشش کرنے لگتا ہے۔

۳۔ آدھ گھنٹے کی منہمک کتائی میں وہ یہ باتیں سوچ سکتا ہے کہ اس کی غلطیاں کہاں ہو رہی ہیں، آدھ گھنٹے کی رفتار اور اوسط رفتار میں اتنا فرق کیوں ہے اور وہ کیسے دور کیا جا سکتا ہے؟ اس طرح سے وردھا اسکیم جو چاہتی ہے کہ طالب علم بغیر سوچے سمجھے کام نہ کرے بلکہ سوچ سمجھ کر کام کرے وہ یوں پورا ہو جاتا ہے۔ یہ اسکیم خود غور کرنے کی اور اسباب کا پتہ لگانے کی عادت شروع سے ہی بچوں میں پیدا کرنے میں محرک اور مددگار ہوتی ہے۔

۴۔ استاد کو بھی تمام درجے کے طلبہ کی غلطیوں کو جاننے کے لئے ایک مناسب وقت مل جاتا ہے کیونکہ اس وقت تمام طالب علم زیادہ رفتار کے ساتھ اور اچھے سے اچھا کاتنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ سب لوگ منہمک بھی رہتے ہیں۔ ایسی حالت میں استاد ہر ایک طالب علم کے سامنے کچھ دیر تک کھڑا رہ کر اس کے کاتنے کو دیکھے گا اور اس کی غلطیوں کو نوٹ کرے گا۔ رفتار کے بعد ہر ایک طالب علم کو اس کی غلطیاں بتا دے گا۔ اس طرح طالب علم کو اس کی ترقی میں مدد ملے گی۔ بہت دفعہ کاتنے والا خود اپنی باریک صاف و صریح غلطیوں کو نہیں جان سکتا۔ اگر کوئی دوسرا دیکھ کر انھیں بتلا دے تو وہ اس کے دھیان میں آسکتی ہیں اس لئے اس طرح سے استاد کے ذریعے طالب علموں کی کتائی کا دیکھا جانا بہت ضروری ہے۔

۵۔ مختلف قسم کی روئیوں کے کاتنے کے تجربے، مختلف طریقوں سے کاتنے کے تجربے، مختلف طریقوں سے دھنی ہوئی پونیوں سے کاتنے کے تجربے وغیرہ انواع و اقسام کے تجربے ہم اس آدھ گھنٹے میں کر سکتے ہیں اور ان سے کچھ نتائج بھی نکال سکتے ہیں۔

۶۔ روزانہ آدھ گھنٹے کاتتے رہنے سے ہمارے ہاتھ کی حاصل شدہ رفتار قائم رہتی ہے۔ جس طرح گویّے کے لئے روزانہ تھوڑا گانا یا سپاہی کے لئے ہر روز کچھ وقت تک قواعد کرنا ضروری ہے اسی طرح رفتار کے قائم رکھنے کے لئے آدھا گھنٹہ کاتنا بھی مفید ہے۔

۷۔ "بنیادی حرفہ: کتائی" کی مخصوص اطلاع کے سلسلے میں "سچی اور صحیح قابلیت کی مشق" کا ایک بیان ہے۔ (صفحہ ۲۰ ملاحظہ فرمایئے)۔ کچھ وقت تک لگاتار کسی کام کے کر سکنے کا نام 'صحیح کام کی سخت محنت' ہے۔ اس کی مشق شروع سے ہی اس آدھ گھنٹے کی کتائی کے ذریعے ہوتی جاتی ہے۔ اس کے سوا یہ وقت اس قدر زیادہ بھی نہیں ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے بچوں کو بھی اس سے کوئی تکلیف پہنچے۔

۸۔ 'خاص اطلاع' کے سلسلے میں ہی محنت کی عادت کا بھی بیان ہے۔ (صفحہ ۱۰ دیکھئے)۔ محنت کی عادت پیدا کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم کچھ نہ کچھ محنت کریں۔ بہترین محنت کے نقطۂ نگاہ سے آدھ گھنٹہ کاتنا ایک بے جوڑ چیز ہے۔

۹۔ تکلی کی اہمیت کو بتلاتے ہوئے ونوبا جی نے "بنیادی حرفہ: کاتنا" میں لکھا ہے کہ ہماری تحریک ترک موالات میں کھادی سوراج کے سپاہیوں کی پوشاک مانی گئی ہے۔ اس لئے کاتنے کے کام کو آج خاص طور سے ملکی اہمیت حاصل ہے۔ کاتنے کے عمل سے ملک کے کروڑوں غریبوں سے تعلقات قائم کئے جا سکتے ہیں۔ اس نقطۂ نگاہ سے ہر ایک آدمی کو روزانہ تھوڑا بہت کاتنا چاہئے۔ یہ ایک سب کو متحد کرنے والی اور بہترین ملکی خدمت ہوگی۔ یہ بات آدھ گھنٹے کی کتائی سے متعلق ہے۔ آدھ گھنٹے کی کتائی سے غریبوں سے واقفیت اور محبت کا جذبہ ہم زندہ کر سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ زندگی میں کسی بھی کام کے باقاعدہ کرنے سے تمام زندگی کی رفتار باقاعدگی کی طرف جھکتی ہے، وقت کی پابندی کی عادت پڑتی ہے اور دوسرے بہت سے فوائد ہم اس سے اٹھا سکتے ہیں مگر یہاں ان کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اطلاع:۔ اوپر جہاں جہاں "بنیادی حرفہ: کاتنا" کا ذکر کیا گیا ہے وہاں وہاں وہ باتیں اصل کتاب میں سے دیکھ لینا ضروری ہیں کیونکہ کتاب میں لکھی ہوئی باتوں کو یہاں دہرانا مناسب نہیں ہے۔

۲۔ انہماک کے ساتھ کاتنا:۔ انہماک کے ساتھ کاتنے کی اہمیت کو سمجھنے سے پہلے آدمی اور انہماک کے ساتھ خاموشی کے تعلق کو جان لینا مفید ہوگا۔ *Man is a talking animal* کہہ کر انسانی فطرت کو مختلف لوگوں نے بیان کیا ہے مگر در اصل "مَنُتے اِتِ منشیہ" یعنی چونکہ انسان سوچتا ہے اس لئے وہ انسان کہا جاتا ہے۔ یہ انسان کی سچی جدت اور سچی فطرت بیان کی گئی ہے۔ (مون، بالکل خاموش و منہمک رہنا' لفظ کے معنی پر بھی غور کرنا یا سوچنا ہی ہے، آدمی کے لئے (مون) انہماک اور بالکل خاموشی جس قدر فطری چیز ہے اتنا بولنا نہیں۔ پھر بھی موجودہ تعلیم کا ہم پر کچھ ایسا رعب پڑ گیا ہے کہ ہم لوگ تعلیم اور بولنے کے دائمی تعلق کو جوڑ دیتے ہیں۔

کسی بھی تعلیمی ادارے میں آپ چلے جائیے۔ آپ کو ڈیبیٹنگ کلب، جلسہ مباحثہ، انتظامیہ کمیٹی، پارلیمنٹ غرضکہ ایسا کوئی ادارہ تعلیم کے ایک اہم جزو کی حیثیت سے مل جائے گا۔ اس لئے تعلیم یافتہ آدمی کو صرف آدھ گھنٹہ (مون) منہمک اور خاموش رہنے کے لئے کہا جائے، تو وہ گھبرا جاتا ہے۔ پھر اس کے ساتھ اسے انہماک کے ساتھ آدھ گھنٹہ کاتنے کو کہا جائے تو وہ اور بھی الجھن میں پڑ جاتا ہے۔ اس کی تعلیم یافتہ اور روشن عقل کو (مون) انہماک اور خاموشی اور سوت کاتنے کا تعلق دھیان ہی میں نہیں آتا ہے۔

کاتنے میں اپنی غلطیوں کو جاننے کے لئے بھی منہمک اور خاموش (مون) رہنا ضروری ہے۔ بغیر اس کے ہم یکسو نہ ہو سکیں گے اور یکسو ہوئے بغیر ہم اپنی غلطیاں ٹھیک طور سے جان نہ سکیں گے۔ سرسری نظر میں بھی انہماک اور خاموشی کے ساتھ کاتنے میں رفتار کافی بڑھتی ہے۔ ہر ایک آدمی یہ تجربہ کرکے دیکھ سکتا ہے کہ انہماک اور بغیر انہماک (مون اور بغیر مون) کے کاتنے میں کتنا فرق پڑتا ہے اور وہ تجربہ اسے (مون) انہماک کی افادیت کو اس کے فرض کرنے سے بھی زیادہ اہم ثابت کرائے گا۔ تمام تر خواہ سرسری نگاہ سے خواہ عقل کی نگاہ سے، خواہ دل کی نگاہ یا نقطۂ خیال کی آنکھ سے دیکھا جائے انہماک کے ساتھ کاتنا ضروری ہے۔ اس سے زیادہ (مون) انہماک و خاموش رہنے کی اہمیت کو تبلانا اس کی اہمیت کو گھٹانا ہے۔ د آدمی جب کسی کام میں لگن سے لگتا ہے تو قطرتاً وہ (مون) منہمک ہو جاتا ہے۔

۳۔ استاد اور طالب علم دونوں کا ایک ساتھ کاتنا :۔ وردھا اسکیم کے مطابق استاد طالب علم کو مدد کرنے والا شخص ہے نہ کہ ان پر حکومت کرنے والا۔ طلبا کو مدد کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ استاد ان کے سبھی کاموں میں حصہ لے۔ اگر طلبا کی رفتار نہ بڑھتی ہو یا جتنی چاہئے اس حد تک نہ پہنچتی ہو تو اس کمی کے سبب کو (ہ) استاد جلدی اور ٹھیک طور سے تبلا سکے گا جو خود کاتتا ہے۔ البتہ اوپر آدھ گھنٹہ کاتنے کی ضرورت کے اسباب کی فہرست میں دیئے ہوئے چوتھے سبب کی جانب نگاہ ڈالئے یعنی "استاد کو طلبا کی غلطیوں کو غور سے دیکھنے کا موقع ملے گا"۔ طالب علم اور استاد دونوں کا ساتھ ساتھ یعنی ایک ہی وقت پر کاتنا غیر ممکن نہ ہو سکے گا لیکن اس سے کوئی نقصان نہیں ہے۔ ایک طرح سے اس میں فائدہ بھی ہے کیونکہ جب طالب علم کاتیں گے تب استاد کو ان کی غلطیوں کے دیکھنے کا موقع ملے گا۔ بہت دفعہ جو چیز آدمی لفظوں سے نہیں جان سکتا، اس کو وہ صاف طور سے دیکھنے سے جان سکتا ہے۔ کسی بھی حرفے کے لئے اس حرفے کے استاد کی ہنرمندی کو غور سے دیکھنا بہت مفید ہوتا ہے۔ اچھے مصور کے پاس کھڑے ہو کر تصویر کے کھینچنے کو دیکھنے سے مصوری کی بہت سی اہم اور باریک باتیں کتابیں پڑھنے کی بہ نسبت بہت جلد اور اچھی طرح سے ہم سمجھ لیتے ہیں۔ یہی بات یہاں تعلق رکھتی ہے۔ ہاں کاتنے والوں کی مشق کے بعد جب طلبہ کتائی پر حاوی ہو گئے ہوں تو استاد اور طلبہ دونوں ایک ساتھ بھی کات سکتے ہیں لیکن شروع شروع میں تو ایک ساتھ نہیں بلکہ مختلف وقتوں میں ہی کاتنا مفید ہوگا۔ غرضیکہ یہ بات تجربے سے ثابت ہو چکی ہے

اس سبب کے علاوہ آدھ گھنٹہ کاتنے کے لئے مندرجہ بالا باقی اسباب استاد سے بھی متعلق ہیں کیونکہ استاد بھی تو طالب علم ہی ہوتا ہے۔ جو استاد اپنے آپ کو طالب علم تصور کرتا ہے وہ سچا استاد ہے اور جو بات استاد خود نہیں کرتا اس کے عمل کی امید طلبہ سے کرنا فضول ہے۔ یہ بات تو نفسیات کے بھی خلاف ہے۔ اس طرح سے کرنا تو بنیادی اسکیم کی جڑ ہی پر کلہاڑی مارنی ہے۔

(۴) اس رفتار کی ڈایری رکھنی :۔ رفتار کو نوٹ کرنے کی ضرورت کے سبب کو جناب ونوبا جی نے اپنی کتاب میں ہی بیان کر دیا ہے۔ دراصل اس کے بغیر ترقی کا پورا علم نہیں ہو سکتا۔ ہم لوگ ایک ملک کی حیثیت سے مکمل طور پر آگے نہیں بڑھ پاتے ہیں۔ اس کا ایک سبب مختلف باتوں کا نوٹ نہ رکھنا ہی ہے۔ نوٹ کرکے نہ رکھنے کی وجہ سے ہمارا تجربہ دوسروں کے کام میں نہیں آتا۔ نیا تجربہ کرنے والا انھیں مشکلوں میں سے ہو کر گذرتا ہے جس میں سے ہو کر ہم گذر چکے ہیں۔ اگر ہم اپنے تجربوں کو ٹھیک طور سے نوٹ کرتے جائیں تو آئندہ آنے والوں کا راستہ صاف ہو جائے اور انھیں ہمارے راستے میں آئی ہوئی دقتوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اس کے علاوہ مختلف جگھوں کے نوٹوں کے ہونے سے ہم ان کے ذریعے تخمینہ بھی نکال سکتے ہیں۔ فرض کر لیجئے کہ یہ معلوم کرنا ہے کہ ۷ برس کے بچوں کی کتائی کی رفتار کیا ہوتی ہے یا کیسے بڑھتی ہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جبکہ مختلف مدارس میں روزانہ جو آدھ گھنٹہ انہماک کے ساتھ کتائی ہوتی ہے اس کے نوٹ رکھے گئے ہوں۔ اسی کے ذریعے ہم معین جواب نکال سکتے ہیں۔ بغیر نوٹ کئے ہوئے یہ بات ناممکن ہے جو اہمیت تاجروں کے نزدیک ان کے جمع خرچ کی ہوتی ہے وہی استاد کے حق میں اس نوٹ کی ہے۔

قصہ مختصر یہ ہے کہ انہماک اور خاموشی کے ساتھ آدھے گھنٹے کی کتائی کی اطلاع مختلف زاویۂ نگاہ سے مفید ہے۔ اس چیز کو دھیان میں رکھ کر ہمیں برابر اس پر عمل کرنا اور کرانا چاہیئے۔

دلبھ بھائی

گتے کے کام سے مضامین کا ربط

(اس سے پہلے اس سلسلے کا کچھ حصہ مئی میں نکل چکا ہے۔ یہ اس سے آگے کا حصہ ہے۔)

مختلف پیشوں پر اسباق ختم ہوتے ہی بچوں کو تبلایا گیا کہ کاغذ اور کارڈ بورڈ ہندوستان میں اس قدر تیار نہیں ہوتا کہ ہندوستان کی تمام قسم کی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔ لہذا کاغذ کی اس کمی کو جاپان، انگلستان، ناروے اور امریکہ سے کاغذ منگا کر پورا کیا جاتا ہے۔ اگر یہ حرفہ پانچویں یا چھٹی جماعت میں ہوتا تو جاپان، انگلستان، ناروے اور امریکہ کا جغرافیہ شامل کیا جا سکتا تھا لیکن اس جماعت کے طلبا کو پیش نظر رکھتے ہوئے صرف ہندوستان کے بندرگاہوں اور ریلوں کا تذکرہ کیا گیا۔ بندرگاہوں کے متعلق اس لئے تبلایا گیا کہ بیرون ہند سے جتنا مال آتا ہے وہ انھیں بندرگاہوں پر آتا ہے اور ریلوں کے ذریعے تمام ہندوستان میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ یہاں ان کو ہندوستان کے ذرائع آمد و رفت اور ہندوستان کی ریلوں کے متعلق ایک سبق پڑھایا گیا اور ریلوں کے فائدے ان کو تبلائے گئے۔ ریلوں کے فائدے کے ہی سلسلے میں ریل کا پہلا انجن اور جارج اسٹیفنسن کی سوانح عمری بچوں کو تبلائی گئی۔ ایجاد کرنے والوں کے عنوان کے تحت یہ پہلا سبق تھا۔

کارڈ بورڈ سے چیزیں بنانے کے سلسلے میں ہمیشہ لئی لگتی تھی لیکن یہ بات بہت بعد میں ذہن میں آئی کہ بھاپ اور اس کی طاقت کے متعلق یہاں تبلانے کا موقع ہے لیکن ایسا نہ ہوا تو اچھا ہی ہوا اور ریل کے سبق کے ختم ہونے کے

بعد یہ بات سوجھی تو برا بھی نہیں ہوا اس لئے کہ ریل کے سبق میں بھاپ کا تذکرہ آتا جا رہا تھا اور اس موقع سے فائدہ اٹھا کر بھاپ کے متعلق بتلانے سے یہ بات زیادہ مؤثر ہو گئی۔ بھاپ کے متعلق بتلاتے ہوئے عمل تبخیر اور عمل انجماد کے متعلق بتلایا گیا اور "اشیائے خوردنی کے منجمد ذخائر" کے عنوان سے ایک سبق پڑھایا گیا۔ یہ سبق "ایجاد کرنے والوں" کی دوسری کڑی سے متعلق تھا۔

یہ بات عام طور پر ہر مدرسے میں دیکھی جاتی ہے کہ جماعت کا استاد اگر طلبا سے کوئی وعدہ کرے تو طلبا پھر اس کے پورا کئے جانے پر بہت اصرار کرتے ہیں اور بار بار تقاضوں سے استاد کو تنگ کر دیتے ہیں۔ بڑھئی، لوہار، اور موچی کا سبق پڑھانے کے دوران جب کہیں استاد نے یہ بات بھی کہی تھی کہ میں تم لوگوں کو ان پیشے والوں کو کام کرتے ہوئے گاؤں میں بھی دکھلاؤں گا۔ بس طلبا کا اصرار دن بدن بڑھتا رہا کہ ماسٹر صاحب گاؤں چلئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ استاد کے پیش نظر بھی یہ بات تھی کہ وہ طلبا کو ان پیشے والوں کو گاؤں میں کام کرتے ہوئے دکھائے۔ اس کے علاوہ جن جن چیزوں سے کارڈ بورڈ اور کاغذ بنا تو مثلاً گنا، کپاس، کیلے اور بانس ان کے کھیت اور باغ بھی بچوں کو دکھلائے۔ لیکن ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے بھی استاد چاہتا تھا کہ گاؤں کا جانا خود بچوں کا ایک تعلیمی مقصد بن جائے۔ لہٰذا جب استاد نے دیکھا کہ بچوں کا تقاضا روز بروز بڑھتا ہی جا رہا ہے تو اس نے بچوں سے فرداً فرداً پوچھنا شروع کیا کہ وہ گاؤں میں جا کر کیا کیا دیکھنا چاہتے ہیں؟ یہ تمام بچے شہر کے تھے اور ان میں سے چند ہی تھے جو گاؤں کی زندگی کا کچھ تصور رکھتے تھے۔ لہٰذا ان کے لئے اس سوال کا جواب قدرے مشکل تھا لیکن تھوڑی سی ہدایت دینے پر ہر ایک نے اپنا مدعا بیان کرنا شروع کر دیا۔ نصاب کے مضامین کو مربوط کرنے کے مواقع کو اچھی طرح واضح کرنے کے لئے میں چاہتا ہوں کہ بچوں کی ان تمام تجاویز کو یہاں لکھ دوں۔ ترتیب کی جو صورت میں یہاں لکھ رہا ہوں وہ میری قائم کی ہوئی ہے لیکن یہ تمام تجاویز مختلف بچوں کی ہی طرف سے تھیں جو انھوں نے یکے بعد دیگرے بورڈ پر لکھوائیں۔

دیہات جا کر کن کن چیزوں کے متعلق معلومات حاصل کریں گے؟

(۱) **دکانیں**:- (الف) دکانیں صاف ہیں یا گندی؟ (ہمایوں عباس)

(ب) کس کس چیز کی دکانیں ہیں؟ (")

(ج) جو چیزیں بیچی جاتی ہیں وہ کس طرح رکھی جاتی ہیں؟ (سرفراز حسین)

(۲) **کھیتی باڑی**:- (الف) کس کس چیز کے کھیت ہیں؟ (ہمایوں عباس)

(ب) کھیتی باڑی میں کون کون سے اوزار استعمال کرتے ہیں؟ (محمد ضیاء)

(ج) کھیتوں کو پانی کس طرح دیتے ہیں؟ (عبدالمالک)

(د) کتنے گھنٹے روزانہ کھیتی باڑی کا کام کرتے ہیں؟ (جمیل الرحمٰن)

(ہ) کاشتکاری کے علاوہ کاشتکار اور کیا کیا کام کرتے ہیں؟ (جمیل اختر)

(۳) **گاؤں کا انتظام**:- (الف) ڈسٹرکٹ بورڈ وہاں کیا کیا انتظام کرتا ہے؟ (محمد ایوب)

(ب) اس گاؤں میں کوئی پولیس چوکی یا پولیس تھانہ ہے؟ (شوکت رشاد)

(ج) کوئی بیمار پڑ جائے تو کس طرح علاج ہوتا ہے؟ (")

(د) اگر کوئی پھیلنے والی بیماری گاؤں میں پھیل جائے تو کس طرح انتظام ہوتا ہے؟ (شوکت رشاد)

(ہ) گاؤں میں صفائی کا انتظام کس طرح ہوتا ہے؟ (خلیل احمد)

(۴) **گاؤں والوں کا رہن سہن**:- (الف) دیہات کے لوگ کس طرح رہتے سہتے ہیں؟ (آغا عباس)

(ب) مکانات کس طرح کے بنے ہوئے ہیں؟ (اختر علی)

(ج) دیہات کے لوگ کیا کھاتے پیتے ہیں؟ (")

(د) کیا لباس پہنتے ہیں؟ (سعید احمد)

(ہ) بات چیت کس طرح کرتے ہیں؟ (")

(و) مہمانداری کس طرح کرتے ہیں؟ (اختر علی)

(ز) گاؤں میں پینے کے پانی کا کیا انتظام ہے؟ (آغا عباس)

(ح) نہانے دھونے اور مویشیوں کے لئے پانی کہاں سے حاصل کرتے ہیں؟ (آغا عباس)

(۵) **تعلیم**:- (الف) کوئی مدرسہ ہے؟ (اختر علی)

(ب) کیا کوئی لڑکیوں کا مدرسہ بھی ہے؟ (")

(ج) یہ مدرسہ کس کی طرف سے ہے؟ (اختر رضا)

(د) لڑکوں کی پڑھائی اور کھیل کا انتظام کیسا ہے؟ (محمد رضوان)

(ہ) مدرسے میں تعلیم مفت ہے یا فیس بھی لی جاتی ہے؟ (")

(و) کیا ہر گاؤں میں مدرسہ ہے؟ (")

(۶) **متفرق**:- (الف) گاؤں کے لوگ اپنی تفریح کا سامان کس طرح کرتے ہیں؟ (سلیم فہمی)

(ب) کیا وہاں باغ ہیں؟ (")

بچوں کے ان سوالات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ استاد کے لئے با اثر اور با مقصد تعلیم دینے کے لئے کتنے مواقع موجود ہیں۔ اب تک مدرسوں میں اکسکرشن کی صورت یا تو تفریحی ہوتی تھی یا پھر فوجی یا سپاہیانہ قسم کی۔ سفر کو تعلیم کے لئے استعمال کرنا بالکل ایک نیا نظریہ ہے۔ اس کے لئے پہلے سے کافی تیاری کرنی پڑتی ہے۔ استاد تو پیچھے پیچھے رہتا ہے اور طلبا کو آگے بڑھایا جاتا ہے یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

میں جب کالج میں تھا تو تاریخ اور معاشیات کے لئے تعلیمی سفر ہوا کرتے تھے اور غالباً اب بھی ہوتے ہیں لیکن بقول ایک ممتاز مصنف کے جو اتفاق سے اس قسم کے ایک تعلیمی سفر میں شریک تھے "طلبا کے ساتھ تفریح اور راحت کے تو تمام سامان ہوتے ہیں لیکن اس مضمون سے متعلق نہ کوئی کتاب ہوتی ہے نہ کوئی دوسرا سامان، نہ کوئی نوٹ لیا جاتا ہے اور نہ کوئی بحث کی جاتی ہے لہٰذا اس کا تعلیمی فائدہ بالکل نظر انداز ہو جاتا ہے۔" لیکن نئی تعلیم میں اس قسم کے سفر کو خالص تعلیمی حیثیت دی جاتی ہے۔

اس سفر سے فائدہ اٹھا کر، جو کارڈ بورڈ ہی کے سلسلے میں کیا گیا تھا ہم نے جنرل سائنس کے کئی مضامین اس میں شامل کئے مثلاً صحت و صفائی، پرندے، کیڑے مکوڑے اور پودے۔ ان کی تکمیل بغیر اس قسم کے سفر کے نہیں ہو سکتی تھی لیکن محض ان مضامین کی خاطر یا سماج کے علم کے دوسرے عنوانات کو شامل کرنے کے لئے یہ سفر نہیں کیا گیا بلکہ حرفے کے سلسلے میں اس کی ضرورت محسوس کی گئی۔ بچے کارڈ بورڈ مِل دیکھنا چاہتے تھے۔ انھوں نے گنے اور روئی کے کھیت نہیں دیکھے تھے۔ بانس کے باغ اور مختلف قسم کے بانس بھی نہیں دیکھے تھے۔ وہ مختلف پیشے کے لوگوں کو جن کے متعلق انھوں نے اپنی درسی کتاب میں پڑھا تھا اور جن کا مشاہدہ انھوں نے شہر میں کیا تھا گاؤں میں کام کرتے

ہوئے دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ ہمارے مدرسے کی طرح گاؤں کے مدرسوں میں بھی حرفہ ہوتا ہے یا نہیں؛ ان کا سیر کے لئے جانا ان چند مقاصد کے ماتحت تھا اور وہ ایسے مقاصد تھے جن کا بہت کچھ تعلق ان کے حرفے سے تھا۔ لیکن استاد نے ان مواقع کو نظر انداز نہ ہونے دیا جو بچوں کے لئے بالکل نئے تھے اور جن کے متعلق معلومات حاصل کرنے کا ان کو بے حد اشتیاق تھا۔ ہاں وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ بچے بہت سی ان چیزوں کے متعلق پوچھ رہے ہیں جو جنرل سائنس اور سوشل اسٹڈیز کے نصاب میں شامل ہیں۔ اس لئے ان چیزوں کو استاد نے بچوں کو تفصیل سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع دیا۔ ذرائع آمد و رفت، ذرائع آب پاشی، ڈاک خانے، عبادت خانے، اور تفریح گاہوں میں سے ہر ایک کے متعلق سیر کے دوران میں بتلایا گیا اور پھر پڑھائی کا مواد جمع کیا گیا۔ جگہ جگہ نظموں اور گاؤں کے قصوں کا تذکرہ کیا گیا تاکہ نصاب میں ادبی حصے کو بھی خاطر خواہ جگہ ملتی جائے۔ مضامین کے مربوط کرنے کا یہی بہترین طریقہ ہو سکتا ہے یعنی با مقصد مشاہدے میں جنرل سائنس اور سوشل اسٹڈیز کے کئی مضامین ایک سلسلے کی کڑی بن جائیں اور وہ مشاہدہ مجوزہ حرفے کے سلسلے میں کیا گیا ہو علیحدہ نہیں۔

اس بات کو میں اپنی جماعت کے طریقہ کار سے بھی واضح کرنا چاہتا ہوں۔ اس جماعت کے بچے شہر میں کارڈ بورڈ کے کارخانے دیکھنے گئے جہاں کارڈ بورڈ سے مختلف چیزیں بنتی تھیں۔ ان کارخانوں کو انھوں نے اس لئے دیکھا کہ وہ چیزیں کس طرح بناتے ہیں، کیا کیا سامان استعمال کرتے ہیں اور ان چیزوں کی نکاسی کا کیا انتظام ہے۔ اس مشاہدے سے وہ یہ فیصلہ کرنا چاہتے تھے کہ ان کی جماعت کارڈ بورڈ سے کون کون سی چیزیں بنائے جو بلا مقابلہ بازار میں بک جائیں۔ لیکن اس دوران میں انھوں نے پولیس اور میونسپلٹی کے انتظامات کے متعلق بھی معلوم کیا کہ وہ ان کارخانے والوں کے لئے کیا کیا سہولتیں بہم پہنچاتی ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے اپنی ہی عمر کے بچوں کو کارڈ بورڈ کا تمام کام مزدوری پر کرتے ہوئے دیکھا۔ مشاہدوں میں اس قسم کے ملحقات سے ہمیشہ دوچار ہونا پڑتا ہے جو سماجی مسائل کے سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ ممکن تھا کہ بچے اپنی چیزوں کی نکاسی اور مقابلے کو کم کرنے کے لئے اور اسی قسم کے مشاہدے کرتے۔ اور انھوں نے جب فائل بنانے کا فیصلہ کیا تو انھوں نے ایسا کیا اور مختلف اسکولوں اور اداروں میں جاکر دیکھا کہ وہ مدرسے اور ادارے کس کس قسم کے فائل استعمال کرتے ہیں؛ اب اس موقع سے فائدہ اٹھانا استاد کا فرض ہے کہ وہ ان اسکولوں اور یونیورسٹیوں کے متعلق بچوں کو تبلائے تاکہ مشاہدے سے پورا فائدہ اٹھایا جا سکے۔

اس قسم کے مشاہدوں اور سیروں میں کافی دلچسپی ہوتی ہے لیکن استاد کا فرض ہے کہ وہ اس قسم کے مشاہدوں اور سیروں کو زیادہ سے زیادہ بامعنی اور تعلیمی بنائے۔ اس کا پروگرام اس طرح کا ہو کہ بچوں کے لئے سیکھنے کے مواقع زیادہ سے زیادہ ہوں لیکن یہ مناسب نہ ہوگا کہ استاد خود پروگرام بنا کر بچوں کو اس پر عمل کرنے کے لئے مجبور کر دے بلکہ بچوں کو آزادی سے پروگرام بنانے کا موقع دے اور جستہ جستہ رہنمائی کرتا جائے۔

اس قسم کے اکسکرشن گاؤں والوں کے لئے بھی مفید بنائے جا سکتے ہیں۔ مثلاً ہماری جماعت نے یہ چاہا تھا کہ وہاں کے مدرسے میں اچھی اچھی نظمیں سنائیں گے جن میں تعمیری کام کی طرف اشارہ ہوگا۔ یہ لوگ ایک ڈراما بھی کرنا چاہتے تھے جس میں قرض لینے کی خرابی گاؤں والوں کو تبلائی جائے لیکن گاؤں کے مدرسوں کے بند ہونے کی وجہ سے جس کے متعلق ہم نے پہلے سے دریافت نہیں کر لیا تھا اور وقت کی کمی کی وجہ سے یہ دونوں باتیں نہ ہو سکیں۔

لیکن اس قسم کے تعمیری کام کرنے کے بے شمار مواقع موجود ہیں۔ ہفتہ عشرہ گاؤں میں رہنا، صفائی اور ستھرائی کا کام اپنے ہاتھوں کرکے بتلانا، مختلف قسم کے چارٹ گاؤں میں لگانا، چند حرفوں کے لئے ڈیمانسٹریشن کرنا اور اس کے لئے گاؤں والوں کو آمادہ کرنا، رات کو گاؤں کے لوگوں کو جمع کرنا اور چند قصے اور نظمیں سنانا وغیرہ وغیرہ باتیں شامل کرکے اس قسم کے ایکسکرشن کو زیادہ سے زیادہ بامعنی، تعلیمی، دلچسپ اور تعمیری بنایا جا سکتا ہے۔ اگر کسی مدرسے کی چار پانچ جماعتیں فرداً فرداً مختلف اوقات میں اس قسم کا پروگرام مرتب کرکے گاؤں کی بہتری کے لئے کام کریں تو یہ اسکیم دگنے فائدے کے ساتھ کامیاب ہو سکتی ہے۔

سیّد احمد علی

فہرست مضامین

پرنٹر و پبلشر: حامد علی خاں | مطبوعہ: جید برقی پریس | مدیر: آشا دیوی

رجسٹرڈ نمبر: ایل ۴۴۴۷

نئی تعلیم

(ہندستانی تعلیمی سنگھ کا پرچہ)

جلد ۱، نمبر ۷	دہلی، جولائی سنہ ۱۹۳۹ء	قیمت سالانہ عہ

سب سے بڑی تعلیم

(برندابن ضلع چمپارن میں بنیادی تعلیم کے تعلیمی مرکز میں آچاریہ کرپلانی کی تقریر)

میں سمجھتا ہوں کہ آپ تعلیم سے دل چسپی رکھتے ہیں، تعلیم کے مقصد کو آپ جانتے ہیں، آپ کو اپنے تجربے سے معلوم ہوگا کہ کسی بھی تعلیم کے کارگر ہونے کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے: سب سے پہلے تعلیم کا کوئی نصب العین ہونا چاہیے، اس تعلیم سے کس قسم کے شہری تیار ہوں گے؟ اس بات کا دارومدار اس نصب العین پر ہے۔ جب تک یہ نصب العین مقرر نہ ہو، اس وقت تک تعلیم بھی کارگر نہیں ہوسکتی۔ مقصد متعین نہ ہونے سے تعلیم میں کوئی جان نہیں رہ جاتی اور اس سے کوئی حوصلہ نہیں پیدا ہوسکتا۔ ایسی بے جان تعلیم سے کوئی ترقی ممکن نہیں۔ ایسی تعلیم میں طلبا کے ذہنی نشو و نما کی بھی بہت کم گنجائش رہتی ہے۔

تعلیم کے کارگر ہونے کے لئے دوسری چیز جو ضروری ہے وہ ہے اس کا طریقہ۔ مقصد اگر صحیح ہو پھر بھی طریقے کی خرابی کی وجہ سے ہم اس سے پورا فائدہ نہیں اٹھا سکتے اور اپنے مقصد کو حاصل نہیں کرسکتے۔ اگر کسی طرح اس کو حاصل کرنے میں کامیاب بھی ہو جائیں تو منزل تک پہنچنے میں بہت مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

ان دونوں پہلوؤں سے موجودہ تعلیم پر نظر ڈالنے سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اس میں بہت سی خامیاں ہیں۔ موجودہ تعلیم کا کوئی نصب العین نہیں، اس کا کوئی مقصد نہیں۔ یہ کس قسم کے شہری تیار کرنا چاہتی ہے یہ متعین طور پر نہیں کہا جاسکتا۔ ہاں ایک بات صاف ہے، یہ تعلیم ایسٹ انڈیا کمپنی کی ایک دین ہے۔ اسی کی ضرورت کے مطابق اس کا خاکہ تیار کیا گیا ہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کو سستے اور خوشامدی نوکروں کی ضرورت تھی جو انگریز افسروں کے ماتحت رہ کر ان کی پالیسی پر عمل کریں اور دفتری کام خوش اسلوبی سے چلا سکیں۔ اس تعلیم کا یہی منشا تھا اور یہی اس کا محرک تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تعلیم ہماری زندگی کی اصلی ضرورتوں سے دن بہ دن دور ہوتی گئی اور اس تعلیم نے ہمیں پورا غلام بنا کر چھوڑا۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ تعلیم کے مقصد کو ہمارے مذہب، تہذیب اور تمدن کے مطابق ہونا چاہیے، نہیں تو ساری تعلیم بے جان اور بے کار ہو جائے گی۔ پرانے زمانے میں بھی قومی ضرورت اور رجحان کے مطابق تعلیم دی جاتی تھی۔ یونان میں اسپارٹا اور ایتھنس کا طریقۂ تعلیم مختلف قسم کا تھا۔ اسپارٹا کوہستانی خطوں سے گھرا ہوا ملک ہے اس لئے وہاں فوجی تعلیم زیادہ دی جاتی تھی۔ ایتھنس سمندر کے کنارے پر واقع ہے اس لئے وہاں جہازرانی کی تعلیم خاص طور پر ہوتی تھی۔ یہی بات چین، جاپان، اور ہندوستان میں بھی پرانے زمانے میں تھی۔ زمانے کی رفتار کے ساتھ ساتھ تعلیم کا نصب العین بھی بدلتا ہے۔ روس میں حکومتی انقلاب ہوا اور تعلیم کا طرز بدل گیا مگر ہندوستان میں اب بھی وہی پرانا ڈھرا ہے۔ ۷۵، ۸۰ سال پہلے جو طریقۂ تعلیم رائج کیا گیا تھا اسی کو آج بھی بغیر کسی تبدیلی کے جاری رکھا جا رہا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ہندستان کی تعلیم وقت سے بہت پیچھے ہے۔ یہ ہمیں نئی امنگ، نیا جذبہ اور نیا نقطۂ نگاہ نہیں سکھاتی۔ ہمارے اساتذہ تعلیم دیتے ہیں، لکھانے پڑھانے کا کام کرتے ہیں پر انھیں اپنے کام میں کوئی حوصلہ نہیں ہوتا۔ ان کے دل میں کوئی امنگ نہیں ہوتی کیونکہ اس تعلیم میں کوئی بنیادی اصول نہیں، ابھارنے والا کوئی جذبہ، کوئی نصب العین نہیں۔ انھیں تنخواہ ملتی ہے اور تنخواہ ملنے کے لئے پڑھانا ضروری ہوجاتا ہے۔ لڑکوں کو بھی کسی دوسری طرح کی تعلیم نصیب نہیں اس لئے اسی کوچے میں قدم رکھنے کے لئے وہ مجبور ہوتے ہیں۔ ذرا اس طریقے سے پرانے زمانے کے اپنے طریقے سے مقابلہ تو کیجئے۔ اس زمانے کے اساتذہ تنخواہ کے لئے علم نہیں پڑھاتے تھے بلکہ وہ اس کی خیرات دیتے تھے۔ انھیں اس علم کی خیرات میں دلی خوشی حاصل ہوتی تھی کیونکہ اس میں وہ اپنی قوتوں کی نشو و نما پاتے تھے۔

آج تعلیم کا نصاب تو اور بھی گری ہوئی حالت میں ہے۔ تعلیم کا زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ محض کتابی تعلیم ہوگئی ہے۔ لڑکے طوطے کی طرح رٹ کر امتحان پاس کر لیتے ہیں، اسکولوں اور کالجوں کے جلسوں میں بحث مباحثہ کر لیتے ہیں، موجودہ مسائل پر بھی ان کی بحث کتابی ہوتی ہے، زندگی کی حقیقتوں سے ان کا

کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ وہ لفظ جانتے ہیں کہ لفظ کن چیزوں کو ظاہر کرتے ہیں، کن کے نام ہیں۔ ان باتوں کی واقفیت انھیں کم ہوتی ہے۔ ایسے لڑکے جب پڑھ لکھ کر تیار ہوتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے وہ اس دنیا کی مخلوق نہیں ہیں۔

اسی لئے مہاتماجی نے اپنی بنیادی تعلیم میں نصب العین اور طریقے دونوں کا خیال رکھا ہے۔ انھوں نے ایسا طریقہ نکالا ہے جو زندگی اور اس کی حقیقت سے تعلق رکھتا ہے۔ مہاتماجی نے تعلیم کی کوئی تاریخ، جہاں تک مجھے معلوم ہے، نہیں پڑھی لیکن انھوں نے اپنے ملک، اپنی قوم اور زندگی کا مشاہدہ کیا ہے۔ ان کا نہایت گہرا مطالعہ کیا ہے۔ اسی لئے ان کے ایسا طریقہ نکالنے میں یہ بات محرک ہوئی۔ اس طریقہ تعلیم کی بنیاد عملی اور سائنٹفک ہے۔ پرانے زمانے سے ہی انسان دو طریقوں سے علم حاصل کرتا آیا ہے: پہلے وہ اپنے اردگرد کی دنیا کو دیکھتا ہے اور اس کے بعد وہ اس میں رد و بدل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کوشش میں اس کو اپنے ہاتھ پاؤں اور دوسرے حواس کا استعمال کرنا پڑتا ہے۔ جیسے جیسے وہ قدرت کا زیادہ مطالعہ کرتا اور اپنے ہاتھ پاؤں ہلاتا ہے، اس طرح اس کا علم بھی بڑھتا جاتا ہے۔ ایسا کرتے ہوئے اس کو یہ معلوم ہوا کہ انسان ہو کر وہ ایسے کام کر سکتا ہے جنھیں حیوان نہیں کر سکتے۔ اسی لئے اس نے سوچا کہ یہ "میں" کون ہوں؟ یہیں سے انسان کی خودی کے علم کی ابتدا ہوئی، یہی تمام مذاہب کا سرچشمہ ہے۔

پھر تنہا کام کرتے ہوئے اس نے دیکھا کہ اس طرح سے وہ اپنے کام کو پورا نہیں کر سکتا۔ کام پورا کرنے کے واسطے اس کو دوسروں کی امداد کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کو باہمی تعاون اور عملی طریقوں کی تلاش کرنی پڑی۔ فطرت کے ساتھ اس کشمکش سے ہی تمام علوم، فلسفہ، اخلاق اور مذہب وغیرہ وغیرہ پیدا ہوئے اور ان کا ارتقا ہوا۔ اسی جد و جہد میں اس نے علم طبیعی (Physical Science) کے ابتدائی اصولوں کو دریافت کیا اور ان اصولوں کی زیادہ ترقی یافتہ شکل سے فلسفہ بنا۔ اسی طرح سے اس نے سماج کا علم، اخلاق اور سیاست کے اصولوں کو پیدا کیا۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ فطرت اور زندگی سے ہی دنیا کے تمام علوم کی پیدائش ہوئی۔ انسان فطرت کو برتتا ہے، اس سے سامان لے کر اپنی عقل، فن اور حرفت کے مطابق اس کو ایک نئی مناسب شکل دے دیتا ہے۔ خدا تخلیق کرتا ہے اس لئے انسان خدا کی طرح ہے اور اسی الوہیت کا حاصل کرنا ہماری سب سے بڑی تعلیم ہے اور سب سے بڑا نصب العین۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مہاتماجی کے اصولوں اور اس طریقۂ تعلیم میں کہاں تک مطابقت ہے۔ اس کے لئے مہاتماجی کے فلسفے پر ذرا پورا دھیان دینا ہوگا۔ مہاتماجی کا یہ خیال ہے کہ انسان انسان ہے، وہ محض مٹی کا پتلا نہیں ہے، اس میں روح بھی ہے، اس کی پیدائش اور موت دونوں ہی روحانی اور خدا کی طرف سے ہیں۔ اگر یہ بات سچ ہے تو آپ آدمی کو آدمی پن سے ہٹا کر اسے حیوان نہیں بنا سکتے۔ انسان کا آخری مقصد خود اس کے اندر پوشیدہ ہے، اس کو کسی دوسری چیز کے حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں بنایا جا سکتا، وہ بذات خود ایک مقصد ہے، اس کا ذریعہ نہیں۔ ایسی حالت میں مہاتماجی کا کہنا ہے کہ ہم کسی بھی آدمی کا ناجائز استعمال نہیں کر سکتے۔ اشتراکیت اور گاندھی ازم میں صرف یہی فرق ہے۔ اشتراکیت انسان کے مساوی ہونے کو مانتا ہے، اس کے مطابق کوئی طبقہ کسی دوسرے طبقے کو دبا نہیں سکتا، اس کو ناجائز استعمال (Exploitation) نہیں کر سکتا، کیونکہ ایسا کرنا بے انصافی ہے۔ گاندھی جی اس سے بھی آگے بڑھ کر کہتے ہیں کہ ناجائز استعمال (Exploitation) کرنا بے انصافی ہی نہیں ہے بلکہ انسان کی روح کی تذلیل کرنی ہے۔ انسان کی روح ابدی ہے، اس پر دباؤ ڈال کر، ظلم کر کے اس کو تباہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ تو لازوال ہے اور لازوال ہی رہے گی۔

گاندھی جی کی تعلیمی اسکیم کا مقصد انسان اور انسانیت کی اس الوہیت کو پانا اور اس کی نشو و نما کرنا ہے۔ اس طرح وہ ایک بہترین تعلیمی اسکیم کی دونوں شرطوں کو پورا کرتا ہے: یعنی یہ کہ تعلیم کا کوئی اعلیٰ مقصد ہو، قومی تمدن کے مطابق ہو اور اس کا طریقہ فطری اور سائنٹفک ہو۔

برندابن، چمپارن
۵ مئی ۱۹۳۹ء

ج۔ بی۔ کرپلانی

تعلیم کا آیندہ ادب

تمدن کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنی اصلی خواہشات کی تکمیل میں جہاں کوشاں رہا ہے وہاں ان کے ارتقا کے ساتھ ساتھ ان کا ادب بھی از خود تیار ہوتا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی جتنی سرگرمیاں ہیں ان کی ترقی کی یہی ایک فطری شکل ہے۔

انسان کی بھوک، لباس اور پناہ ان مادی ضروریات کو پورا کرنے کے بعد جو سب سے بڑی بھوک یا تیز خواہش رہ جاتی ہے وہ ہے جاننے کی یا علم کی۔ اسی کی تسکین کے لئے جیسے جیسے آدمی آگے بڑھتا گیا ہے ویسے ویسے فلسفہ اور سائنس کا ادب بھی ساتھ ہی تیار ہوتا گیا۔

انسان کی ایک اور اصلی ضرورت ہے وہ ہے ایک ساتھ مل کر منظم سماج کی صورت میں رہنے کی۔ اس سماجی ترتیب میں جیسے جیسے وہ قدم اٹھاتا رہا ہے، اسی کے ساتھ علوم اجتماعی اور عمرانی کی تخلیق ہوتی گئی ہے۔

مختلف ملکوں اور دوروں میں ادب مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے مگر اس کی اصلی شکل ایک ہی ہے۔ وہ ہے سماج کی تشکیل کی کوششوں میں انسان کی کاوش اور نصب العین کا تعارف۔

ہر ایک سماج کے سامنے خواہ وہ ابتدائی حیوانی دور کا ہو یا جدید اور مہذب، سب سے بڑا سوال اس کی آنے والی نسل کی تعلیم کا رہتا ہے اس لئے کوئی بھی تہذیب یا سماج (جب تک اس میں زندہ رہنے کی طاقت رہتی ہے) یہ بات اچھی طرح سمجھتا ہے کہ اس کے مستقبل کی ترقی کا دار و مدار اس کی آئندہ کی نسل اور اس کی تعلیم پر ہے۔ اس لئے وہ اپنے اندرونی نصب العین اور اپنی ضروریات کے مطابق تعلیم کے طریقے کی ترتیب دیتا ہے، معلم اور درس گاہیں تیار کرتا ہے، اور ان کی حفاظت اور عزت کرنا اپنا فرض اولین خیال کرتا ہے۔ اسی کے ساتھ فن تعلیم کا ادب بھی از خود تیار ہوتا جاتا ہے۔ یہ تمام سرگرمیاں اس سماج کی زندگی کی عام قدرتی ترقی کا ایک جزو ہوتی ہیں، ان میں بناوٹی کوشش کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہی بات ہم یونان، چین اور ہندوستان کی قدیم تاریخ میں پاتے ہیں۔ [illegible] ہندوستانی سماج میں زندگی کی حرارت تھی، اس وقت اس میں بھی ایک خاص [illegible] کی ترقی تھی جس کا [illegible] ادب میں کافی تذکرہ ملتا ہے۔ [illegible] تعلیم پر [illegible] [illegible] ں میں، پرانوں میں، رامائن، مہابھارت [illegible] شاستر، ارتھ [illegible] میں لکھا پڑا ہے۔ پڑھانے کا کوئی علیحدہ فن

نہیں ہے کیونکہ اس وقت تعلیم کا سوال کوئی آزاد سوال نہیں تھا۔ وہ تو پوری سماجی زندگی کا ایک حصہ مانا جاتا تھا۔

پر یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ جب کسی وجہ سے کسی سماج یا تہذیب کی قوت احیا میں انحطاط آنے لگتا ہے اس وقت اس کو پہلا دھکا پہنچتا ہے اُس سماج کے طرز تعلیم پر۔ اس کی زندگی کی حرکت اور طاقت گھٹتی جاتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سماج اور تعلیم کا تعلق ساکت اور مضمحل ہوتا جاتا ہے اور آخر میں تعلیم ایک بے جان کل کی طرح ہو کر رہ جاتی ہے۔ جب وہ خود مردہ ہو جاتی ہے تو پھر سماج کی زندگی میں کیوں کر جان ڈال سکتی ہے۔

تاریخ میں اس حقیقت کی کئی مثالیں موجود ہیں پر سب سے بڑی مثال تو خود ہماری قوم اور ہماری سماجی زندگی میں ملتی ہے۔ آج صدیوں سے ہماری قومی اور سماجی زندگی مردہ ہے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت تو یہ ہے کہ اتنے بڑے ملک میں آج تعلیم کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ قومی تعلیم کا کوئی نصب العین ہمارے سامنے نہیں ہے۔ نظام تعلیم کے نام پر ہم کو مغرب سے ایک بڑی بھاری اور گراں مشین حاصل ہوئی ہے۔ ہم آنکھ بند کرکے اس بے جان کل میں اپنے بچوں کو ڈالتے چلے جا رہے ہیں اور نتیجہ جو ہو رہا ہے وہ صاف ظاہر ہے۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ جب آج تعلیم کا ہمارا اپنا کوئی نصب العین نہیں، ہمارا اپنا کوئی طریقہ یا انتظام نہیں، تو ہمارا اپنا کوئی فن تعلیم پر ادب بھی نہیں ہے۔ جو دو چار کتابیں اس نام سے کہی جا سکتی ہیں وہ ہمارا اپنا ادب نہیں۔ وہ محض مغرب کے تعلیمی ادب کی ایک دھندلی سی نقل ہے۔

مغرب کا تعلیمی ادب آج بہت سنجیدہ اور مکمل ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ ایک طرف جیسا فنی اور سائنٹفک ہے دوسری طرف ویسا ہی شیریں اور عجیب بھی ہے۔ آج یورپ اور امریکہ میں بچوں کے ذہن کا ان کی ترقی کی خاطر قدرتی اصولوں اور متعلقہ طرز تعلیم کا سائنٹفک طور پر تجزیہ کیا جاتا ہے، اس کی جانچ اور ترمیم ہوا کرتی ہے اور ساتھ ہی ادب میں اس کا ذکر اور تبصرہ ہوتا ہے مگر یہ ادب یا یہ سائنٹفک تحقیق کتنی ہی عزت کے قابل کیوں نہ ہو اس سے آج ہمارا مدعا پورا نہیں ہو سکتا کیونکہ تعلیم کا یہ تجربہ اور ادب ان کی اپنی سماجی زندگی کا، ان کے اپنے تمدن کی ترقی کا جزو ہے۔ ہم کو جو تعلیمی ادب پیدا کرنا ہے وہ تو ہم دیہاتی جھونپڑیوں میں بیٹھ کر اپنے بچوں کے ساتھ کام کرتے ہوئے تیار کر سکتے ہیں۔ اس بنیاد پر بنا ہوا ہمارا اپنا ادب ہوگا۔

یہ خوش قسمتی کی بات ہے کہ آج ہماری قومی زندگی میں پھر سے بیداری پیدا ہو رہی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ قومی تعلیم کی ایک ایسی اسکیم ہمارے سامنے رکھی گئی ہے جسے ہم پورے دل سے اپنی چیز کہہ سکتے ہیں۔ یہ مغرب کی کسی طرز تعلیم کے انداز پر نہیں تیار کی گئی ہے۔ اس کا تخیل تو ہمارے دیہات کے بچوں کے مطالب اور ان کی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر ہی کیا گیا ہے مگر تعجب کی بات ہے کہ یورپ اور امریکہ کی سب سے بڑی تعلیمی تجربہ گاہوں میں بڑے بڑے ماہران تعلیم اس سے متعلق تحقیق کر رہے ہیں، اس کے ساتھ ہماری اسکیم کا خاکہ بہت کچھ مشابہ ہے۔

اب تو یہ محض تعلیمی اسکیم ہی نہیں ہے بلکہ اس کے تجربے کو قریب ایک سال کے ہو رہا ہے۔ آج ایک پورے سال کا تجربہ ہمارے سامنے ہے۔ اس لئے آج ہم یہ امید کر سکتے ہیں کہ ہمارے اپنے تعلیمی ادب کے پیدا کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ پیدا کرنا اس لئے کہہ رہے ہیں کہ اس نئے ادب کی ترتیب کا کوئی نمونہ ہمارے سامنے نہیں ہے جس پر ہم چل سکیں۔ ہمیں تو اپنا نیا راستہ تراش کر نکالنا ہے ہمیں تو ایک بالکل نئے ادب کی تخلیق کرنی ہے اور اس کے لئے ہم مغرب یا مشرق کا کوئی تعلیمی فن نہ پڑھیں، کسی ماہر تعلیم کی آواز کو نہ سنیں۔ ہمارے دیہاتی مدرسوں میں دیہاتی دستکاریوں کے ذریعے دیہاتی بچوں کی تعلیمی ترقی کا جو تجربہ جاری ہے صرف اسی کام کے تجربے کی بنا پر اس نئے ادب کی تعمیر ہمیں کرنی ہے۔

اس نئی تعلیم کے نئے استاد جہاں جہاں کام کر رہے ہیں ان سب سے ہماری درخواست ہے کہ وہ اپنی اس ذمہ داری کو نہ بھولیں کہ ہمیں اپنے دیہاتی مدرسوں میں صبر اور بھروسے کے ساتھ ایک نئے طریقۂ تعلیم کا تجربہ کرنا ہے، ہمیں اپنے بچوں کی سوئی ہوئی قوتوں کو کسی دستکاری کے ذریعے جگا کر نشو و نما دینی ہے۔ یہی نہیں بلکہ ہمارے ہندوستان کا جو نیا تعلیمی ادب تیار ہوگا، اس کا سنگ بنیاد بھی انھیں نئے استادوں کو رکھنا ہے۔

بنیادی تعلیم اور میرا تجربہ

لوگوں کا کہنا ہے کہ مدراس والے قومی تحریکوں میں باقی صوبے والوں کے بعد حصہ لیتے ہیں اور جب حصہ لیتے ہیں اس وقت سب سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ اس میں اختلاف رائے ہو سکتا ہے مگر جہاں تک وردھا تعلیم کا تعلق ہے اس بیان کے صحیح ہونے میں شک نہیں۔ جب مہاتما جی نے یہ تجویز لوگوں کے سامنے پیش کی اس وقت تمام صوبوں کا دھیان خصوصاً اس طرف کھنچا۔ ترمیم اور تجربے ہوئے، نمونے کی درس گاہیں قائم ہوئیں۔ صیغۂ تعلیم کے عہدہ داروں کے لئے خاص تعلیم کے درجے کھولے گئے، مدرسوں کو تیار کرنے کے لئے ٹریننگ اسکول کھلے مگر تامل ناڈ صوبے میں اس تعلیم کو لوگوں کی ہمدردی حاصل نہ ہو سکی۔ ہمدردی تو دور رہی الٹی مخالفت کی فضا بڑھتی گئی۔ اس کے متعلق جہاں تک میرا تجربہ ہے میں نے سمجھا تھا کہ تامل صوبے کے لوگ وردھا تعلیم ... صاحب کی یہ باتیں بالکل برداشت نہیں کریں گے کہ اس میں انگریزی کو کوئی جگہ نہ دی جائے اور تعلیم اپنا خرچ آپ نکال لے گی۔

ابھی حال میں مدراس صوبے میں ہندوستانی تعلیمی ... کی طرف سے وردھا تعلیم ... درجہ چلایا گیا اور اس میں انھیں جو کامیابی ہوئی ... مجھے یقین ہو گیا کہ ... کے باشندے بھی وردھا تعلیم کو کامیاب بنانے میں ... انکار نہیں ...

ہم جنوب کے استادوں کے لئے یہ بڑی خوش قسمتی کی بات ہے کہ ہندستانی تعلیمی سنگھ کی طرف سے اس بار پیری نائک پلم گاؤں میں وردھا تعلیم کے خاص درجے کا انتظام کیا گیا تھا۔ اس کے لئے اس سنگھ کے سکریٹری شری آریہ نائکم جی اور شریمتی آشا دیوی خود یہاں آئے تھے۔ ذیل کی سطور میں اسی درجے کا تھوڑا بہت تجربہ اور ذکر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

جنوبی ہند میں اس درجے کے چلنے کی خبر جب سب سے پہلے پڑھی تو مدرسوں میں حوصلے کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے تین سو سے بھی زیادہ درخواستیں آئی تھیں مگر اس درجے میں صرف ایک معین تعداد ہی کو لیا گیا۔ اس نئے طریقے کو سمجھانے اور سیکھنے کی غرض سے صرف ۵۰ درخواستیں منظور کی گئیں۔ خوش قسمتی سے چنے ہوئے لوگوں میں سے ایک میں بھی تھا۔

پیری نائک پلم مدراس علاقے کے کوئم بٹور ضلع کا ایک گاؤں ہے۔ اس کے چاروں طرف پہاڑوں اور ہرے کھیتوں کا منظر نہایت دل کش ہے۔ افتتاح کے موقع پر مدراس کے وزیر تعلیم سی۔ جے۔ وارکی صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا تھا کہ یہ گاؤں سیگاؤں سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے۔ یہاں سے تھوڑے

فاصلے پر رام کرشن ودیالیہ میں ہماری تعلیم کا انتظام کیا گیا تھا۔

اسی ودیالیہ میں اس اسکیم کے تجربہ کرنے کا ایک خاص مقصد تھا۔ اس ادارے میں بہت دنوں سے قومی تعلیم کی ایک روایت چلی آتی ہے اور اس کی فضا اور دستور العمل میں رام کرشن، وویکانند اور مہاتما گاندھی جی کے فلسفۂ زندگی کا بہترین امتزاج نظر آتا ہے۔ گاندھی جی کے تعلیمی نصب العین کے مطابق اس ودیالیہ میں بھی طلبا کی زندگی میں سادگی، جسمانی محنت کے احترام نیز خود اعتمادی اور خدمت کے جذبے پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ اس لئے اس نئی تعلیم کے جاری کرنے کے لئے یہ جگہ سب سے بہتر معلوم ہوئی۔ آریہ نائکم جی نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ وردھا تعلیمی اسکیم صرف ایک نئی طرز تعلیم ہی نہیں ہے وہ تو ایک نیا فلسفۂ زندگی بھی ہے اس لئے اس طرز تعلیم کو سمجھنے کے لئے سب سے بڑی بات ہے اس فلسفۂ زندگی کو سمجھنا، اور اس کے تجربہ کرنے میں جو سب سے بڑی بات ہے وہ اس تجربہ کا اپنی زندگی میں عمل کرنا۔

ہندستانی تعلیمی سنگھ نے اس کے لئے خاص اشخاص کو منتخب کیا تھا۔ ان میں سے زیادہ تر ایل۔ ٹی۔ تھے۔ سارے امیدوار اپنی مرضی سے آئے تھے۔ ان کا جذبہ حکومت کا پیدا کیا ہوا نہیں تھا اور اصل میں ہمارا مقصد بھی اس نئی تعلیم سے واقفیت ہی حاصل کرنا تھا۔

۲۵ مئی دوشنبے کے دن علی الصبح ہمارا کام شروع ہوا۔ شریمتی آشا دیوی نے خود جھنڈا لہرایا۔ وارکی صاحب اور گری صاحب کی تقریروں سے اساتذہ میں جوش کی لہر دوڑ گئی۔ مگر اس کے بعد جب ہر ایک طالب علم کے ہاتھ میں روزمرہ کے کام کی فہرست دی گئی تو دل دھڑکنے لگا۔ ہم سمجھے ہوئے تھے کہ ودیالیہ میں تقریر سننے کے علاوہ اور کوئی کام کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ تھوڑی دیر تک تکلی سے کاتنا پڑے گا۔ ہمیں خواب میں بھی یہ خیال نہیں گذرا تھا کہ پانی بھرنا، فرش بچھانا، جھاڑو دینا، ترکاری کاٹنا وغیرہ کام ہمارے ہی سر پڑیں گے۔ دن کے کام کی ترتیب اس طرح دی گئی تھی کہ ایک کام کر کے آئے نہیں اور دوسرے کے لئے گھنٹی بجی۔ دو گھنٹے تک چرخے کا کام کرنے کے بعد دم بھی نہ لے پاتے تھے کہ لکچروں کا وقت ہو جاتا۔ صبح کی سپیدی ظاہر ہونے سے پہلے ہی پانچ بجے اٹھنے کی گھنٹی بجتی۔ آنکھ کھلنے ہی کو تھی کہ رضاکار کانوں کے پردے پھاڑنے والی الارم کی "ٹن ٹن" جیسی آواز سے چارپائی کے قریب آکر چلاتا۔ ہم کو جنھیں ٹھنڈے پانی سے نہانے کی عادت نہیں تھی جا کر ٹھنڈے پانی سے نہانا پڑتا۔ پھر وہاں سے آتے ہی کسی کے ہاتھ میں جھاڑو نظر آتی تھی اور کسی کے ہاتھ میں پانی کا مٹکا! ہم سب کے لئے یہ ایک انوکھا تجربہ تھا۔

شروع میں تین چار روز تک تو ہم کو یہ معمول ایک کٹھن بوجھ سا معلوم ہوا لیکن جیسے جیسے بنیادی تعلیم کے اصولوں کا گہرا مطالعہ کرنے لگے ویسے ویسے اس سارے کام کی اہمیت ہماری سمجھ میں آنے لگی۔

ہمارے ان ۱۴ دنوں کے روزانہ کے کام یہ تھے، صبح اٹھنے کے بعد صفائی اور ناشتے وغیرہ میں ایک گھنٹہ لگتا۔ اس کے بعد ساڑھے سات سے ساڑھے نو بجے تک کتائی دھنائی وغیرہ کی مشق کی جاتی۔ ساڑھے نو سے ساڑھے دس تک بنیادی تعلیم کے کسی نہ کسی پہلو پر لکچر ہوتا۔ دوپہر کو دو سے ڈھائی بجے تک آدھ گھنٹے تک سب مل کر خاموشی سے تکلی چلانے کی مشق کرتے۔ اس کے بعد پھر لکچر ہوتا اور آپس میں بحث و مباحثہ ہوتا۔ ہر روز رات کے ۸ بجے بنیادی تعلیم پر تبادلۂ خیالات کرنے کے لئے ایک محفل جمتی اور میر محفل شریمتی آشا دیوی ہوتیں۔ بنیادی نصاب تعلیم کے مختلف پہلوؤں پر غور کر کے چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بنا دی جاتیں جو اپنی رائیں دے سکیں۔ ان سے بھی بنیادی تعلیم کے سمجھنے میں بڑی مدد ملتی۔

سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ ان پندرہ دنوں میں ہم لوگ ایک گھر کے افراد کی طرح ایک ساتھ رہے، ایک ساتھ ہی کام کیا اور ایک نئی تعلیم کو سمجھنے کی سب نے مل جل کر کوشش کی۔ اس نئی تعلیم کا نصب العین ایک نئے انسانی سماج کی تعمیر کرنا ہے۔ ان چند دنوں میں ہم نے اس نئی زندگی کے نصب العین کا جو تھوڑا سا تجربہ حاصل کیا اس کو ہم بہت بڑا نفع خیال کرتے ہیں۔

بنیادی تعلیم کے اساتذہ کی ٹریننگ

بنیادی تعلیم کے تجربے کا ایک سال پورا ہوگیا۔ اس ایک سال میں ہندستان کے مختلف صوبوں میں بنیادی تعلیم کے اساتذہ تیار کئے گئے ہیں اور ان میں سے کئی تو دیہاتوں میں جا کر کام بھی کر رہے ہیں۔ لہذا آج ہم اپنے اسی مضمون کا تجزیہ فراہم کر کے یہ سوچ سکتے ہیں کہ اس طرف ہماری کوشش کہاں تک کامیاب رہی ہے۔

ذاکر حسین کمیٹی کی رپورٹ میں اس بات کی سفارش کی گئی ہے کہ بنیادی تعلیم کے اساتذہ کی مدت تعلیم پورے تین سال کی ہو مگر موجودہ ضرورت کو پیش نظر رکھ کر ہم فی الحال انھیں ایک سال کی مختصر تعلیم دے کر اپنے کام پر بھیج سکتے ہیں مگر سچ پوچھیے تو اتنا بھی نہیں کیا جا سکا۔ سات سال کی عمر والے بچوں کو داخل کر کے اس تعلیم کے عملی تجربے کی ایسی سخت ضرورت تھی کہ مختلف مرکزوں میں ۶، ۸ ماہ تک ہی تعلیم دے کر ہی اساتذہ کو مدرسوں میں تعلیم کے تجربے کے لئے بھیج دیا گیا مگر اس مختصر پڑھائی کی کامیابی یا ناکامیابی عملی تجربے کے میدان ہی میں معلوم ہو سکے گی۔

صوبہ بمبئی میں تو اساتذہ تیار کرنے کا کام اس سے بھی مختصر کر دیا گیا ہے بمبئی حکومت کی یہ خواہش تھی کہ اس صوبے میں جس قدر جلد ممکن ہو بنیادی تعلیم کا کام شروع ہو جائے۔ اس مقصد سے حکومت نے احمد آباد (گجرات)، لونی (مہاراشٹر) اور دھارواڑ (کرناٹک) میں تین ٹریننگ اسکول کھولے اور دیہات کے ابتدائی مدرسوں کے تجربہ کار اور باحوصلہ استادوں کو چن کر ان اسکولوں میں ۳، ۴ ماہ میں ہی تیار کیا۔ ماہ جون سے اس صوبے کے قریب قریب ۶۰ مدرسوں میں بنیادی تعلیم کے تجربے کی ابتدا ہو چکی ہے۔

اس تین مہینے کی تعلیم سے ہم کس درجے کی بنیادی تعلیم کے اساتذہ تیار کر سکتے ہیں ایک اہم سوال ہے۔ اس کی اصل جانچ تو ایک عملی تجربے کے میدان میں ہی ہو سکتی ہے مگر ان ٹریننگ اسکولوں کے کام کی جو روداد ہمیں ملی ہے وہ امید افزا ضرور ہے۔

دھارواڑ

صوبہ بمبئی میں ضلع کرناٹک کے دھارواڑ شہر میں ۱۴ فروری ۱۹۳۹ء سے ۱۳ مئی ۱۹۳۹ء تک بنیادی تعلیم کا ایک تعلیمی مرکز کھولا گیا تھا۔ پڑھانے والے وہ لوگ تھے جنھوں نے حرفے وغیرہ کی تعلیم وردھا میں پائی تھی۔ کل ۴۸ طلبا کے رہنے سہنے کا انتظام وہاں کے ٹریننگ کالج اور گورنمنٹ ہائی اسکول دونوں میں مل کر کیا گیا تھا۔ رہنے سہنے اور دوسری باتوں کا مناسب انتظام نہ ہو سکنے

کی وجہ سے یہ مرکز دیہات میں نہ کھولا جاسکا اگرچہ افسروں کی یہ خواہش تھی کہ یہ مرکز کسی گانوں ہی میں ہونا چاہیئے تھا۔

دارالاقامہ

دارالاقامے کے انتظام کا بار صدر مدرس کی نگرانی میں طلبا نے خود اپنے ذمے لیا۔ دارالاقامے کا ڈسپلن نہایت عمدہ تھا اور فضا میں کوئی شور و شغب نہ تھا۔ کھانے پینے کے اخراجات تقریباً ۷ روپیے ماہوار فی کس آئے۔

اگرچہ تین ماہ کے تھوڑے سے وقت میں بنیادی تعلیم کی پوری معلومات ہونا ممکن نہیں ہے، پھر بھی جو کچھ کام ہوسکا ہے وہ امید افزا ہے۔ بنیادی حرفے کتائی کے علاوہ جماعت نے جو کچھ سیکھا ہے اس کا اندازہ صحیح طور پر ان لکچروں سے لگایا جاسکتا ہے جو اساتذہ اور قومی کام کرنے والوں نے تعلیمی مرکز میں مختلف موضوعوں پر دیے ہیں۔ ان میں کچھ یہ ہیں: قومی بیداری کی تاریخ، گانوؤں کی تنظیم، بنیادی دستکاری کے اصول، ہندوستان میں تعلیم بالغان، دیہات کے کچھ رسم و رواج، اصلاح دیہات اور خواتین، کھادی کی اہمیت وغیرہ وغیرہ۔

حرفے کا کام خاص طور سے امید افزا رہا۔ معاشی لحاظ سے بھی وہ بہت نفع بخش ثابت ہوا۔ کل ۳۶ سیر کپاس کام میں لائی گئی جس کی قیمت سوا پچیس روپیے تھی۔ تیار سوت کا وزن ۳۱¼ سیر نکلا (۲۵۰۰ تولے یا ۳۳۳۰۵۰ گز)۔ آل انڈیا چرخہ سنگھ کی کتائی والی شرح کے مطابق (ایک آنہ تین پائی فی ہزار گز) اس کی قیمت ۶۶ روپیے ۱۰ آنے ۳ پائی ہوتی ہے۔ اس میں سے کپاس کی قیمت اور دوسرے اخراجات نکال دیے جائیں تو بھی (تقریباً) ۲۵ روپیے ۴ آنے کا منافع بچ رہتا ہے۔ یہ منافع سوت کا ہے اگر اس کا کپڑا بنایا جائے تو منافع اور زیادہ ہوجاتا ہے۔

وقت اور تجربے کی کمی کے باعث تنظیم دیہات کا کام ٹھیک ڈھنگ سے نہ کیا جاسکا۔ کام کا روکار جاننے کے لئے دھارواڑ کے آس پاس کے تین گانوؤں کا دورہ کیا گیا۔ گدگ کے دیہاتی میلے میں طلسمی لالٹین سے کچھ باتیں بتائی گئیں۔

طلبا کو ہندوستانی کا لب ولہجہ، تلفظ اور بات چیت کے عام طریقے سمجھائے گئے۔ دستکاری سے تعلق رکھنے والے مروج الفاظ سے واقفیت کرائی گئی۔

بچوں کے لئے پڑھائی کا سامان بھی تیار کرنا ضروری تھا۔ اس خیال سے مختلف مضمونوں پر پہلی جماعت کے لئے ۴۰ اور دوسری کے لئے ۔ اسبق جمع کئے گئے۔ طلبا کو پڑھانے کی مشق کا تجربہ میونسپل الفنسٹن ماڈل اسکول میں کیا گیا تھا۔

لونی

بمبئی علاقے میں پونا کے پاس ایک گانوں ہے۔ یہاں بھی بنیادی تعلیم کا مرکز کھولا گیا ہے۔ آس پاس کے مقامات سے قریب ۳۰ اشخاص کی جماعت اکٹھا ہوئی تھی۔ اگرچہ انھوں نے وردھا اسکیم کے اصول اور ماہیت کو فوراً قبول کرلیا تھا پھر بھی سخت محنت کے عادی نہ ہونے کی وجہ سے کتائی کا کام سیکھنے میں انھیں پہلے بڑی دقت محسوس ہوئی۔

اس کام کے لئے حکومت بمبئی نے چھ مدرس مقرر کئے تھے۔ ان کے ساتھ تلک مہاراشٹر ودیاپیٹھ سے تین اور مدرس آئے تھے۔ یہ تمام مدرسین وردھا میں اس طرز کی مناسب تعلیم پاچکے تھے۔

طریقہ

کتائی اور دھنائی کے لئے پورے تین گھنٹے صرف کئے جاتے ہیں۔ ہفتے میں دو گھنٹے ہندوستانی سکھانے کے لئے مقرر کئے گئے تھے۔ باقی وقت اصول تعلیم، بنیادی دستکاری کے اصول، بنیادی قومی تعلیم کے اصول، قومی بیداری کی تاریخ، اصلاح دیہات وغیرہ مضامین کے لئے دیا جاتا ہے۔

ان تمام مضامین کی پڑھائی کے ساتھ ساتھ خاص زور اس بات پر دیا جاتا ہے کہ دستکاری کے ذریعے ان مضامین کی تعلیم کس طرح دی جاسکتی ہے۔ یکم مارچ سے ۷ سال کی عمر والے ۱۵ بچوں کو لے کر جماعت کھولی گئی جہاں ہر استاد سے باری باری ان بچوں کو اس طرز پر پڑھانے کی عملی مشق کرائی گئی۔ اس طرح مئی کے آخر تک ہر استاد کو دو گھنٹے کے لئے ایک ایک بار یہ موقع دیا جاسکا۔

ان تھوڑے دنوں کے تجربے سے یہ اندازہ ہوا کہ طلبا اس طریقے کو بہت پسند کرتے ہیں اور کتائی وغیرہ پر انھیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اس بات کی خاص طور پر کوشش کی گئی تھی کہ ریاضی میں، مضمون نویسی میں، کہانی کہنے میں نظمیں وغیرہ سنانے میں بنیادی حرفے کا ربط ضرور ہو۔

اس تعلیمی مرکز کے دو مدرسوں نے مادری زبان میں کچھ مسودے چارٹ تیار کئے ہیں۔ ان کے علاوہ دیہاتی کہانیاں اور نظموں وغیرہ کا بھی ایک عمدہ ذخیرہ جمع کیا ہے۔ اس طرح طلبا کے لئے تین چار ماہ کی پڑھائی کا پورا سامان فراہم کیا جاچکا ہے۔

ان تین ماہ کے دستور العمل میں کل ۹۳½ پونڈ کپاس کام میں لائی گئی جس کی قیمت ۲۲ روپیے ۶ آنے تھی۔ کتے ہوئے سوت کی کل قیمت ۱۰۳ روپیے ۷ آنے ۳ پائی ہوئی۔

وقتاً فوقتاً یہ مرکز بڑے بڑے لائق لوگوں اور لیڈروں کے خیالات سے مستفید ہوتا رہا۔

گجرات

احمدآباد میں جو تعلیمی مرکز چل رہا ہے وہاں سے صرف حرفے کے کام کی ہی اطلاع ملی ہے۔ اس طرح کل آمدنی ۷۵ روپیے ہوئی ہے جو ہر استاد کے نام سے اوسطاً ۱½ روپیہ پڑتی ہے۔

دستکاری کی رفتار کے اعداد حسب ذیل ہیں:۔

تکلی اور چرخے پر کتائی کی زیادہ سے زیادہ رفتار علی الترتیب ۲۵۳ اور ۴۲۵ پھیرے رہی ہے۔ سوت کی مضبوطی ۸۰ فی صدی تک تھی۔

نمبر کے مطابق سوت کی تقسیم کرلینے پر وہ سوت بنائی کے شعبے میں کپڑا بننے کے لئے دے دیا جائے گا۔

اڑیسہ

اڑیسہ میں بنیادی تعلیم کے اساتذہ تیار کرنے کا کام ابھی ابھی شروع ہوا ہے مگر یہاں کے تجربے کی خصوصیت یہ ہے کہ تعلیمی مرکز دیہات میں ایک جگہ کھولا گیا ہے جہاں اس تعلیم کے عملی تجربے کا موقع ہے۔

پہلی جون کو اڑیسہ کے بیسک ایجوکیشن بورڈ کے صدر سری گوپ بندھو چودھری نے ضلع کٹک کے باری نام کے گانوں میں بیسک ٹریننگ اسکول اور مشقی مدرسے کا افتتاح کیا۔ اب تک کل ۲۷ طلبا داخل ہوچکے ہیں۔

مقامی لوئر پرائمری اسکول کی ابتدائی دو جماعتوں کو لے کر جن میں ۶ سے ۷ سال کی عمر کے ۳۰ بچے ہیں، مشقی مدرسے کا صرف پہلا درجہ ہی کھولا گیا۔ بنیادی حرفہ کتائی رکھا گیا ہے۔ تمام اساتذہ وردھا کے ودیا مندر ٹریننگ اسکول میں تعلیم پائے ہوئے ہیں۔

قریب ہی سری گوپ بندھو چودھری کا آشرم ہے جہاں کے کام کرنے والے رما دیوی صاحبہ، انن پورنا دیوی صاحبہ اور سری گن ندھی مہانتی صاحبہ کی خدمات خصوصاً قابل تعریف ہیں۔

صوبہ متحدہ

اس صوبے میں بنیادی تعلیم کے اساتذہ تیار کرنے کا کام بہت بڑے پیمانے پر چل رہا ہے۔ الہ آباد بیسک ٹریننگ کالج میں ۵۴ گریجویٹ اور ابتدائی مدرسوں کے استاد تیار کئے گئے تھے۔ ان کے ذریعے صوبہ بھر میں سات

بنیادی تعلیم کے مرکز کھولے گئے ہیں۔ ہر مرکز میں ۲ استاد اور میونسپلٹی کے ۲۵۰ ابتدائی مدرسوں کے مدرس تیار کئے جاتے ہیں۔ نصاب تعلیم ۳ ماہ کا رکھا گیا ہے۔ کتائی، گنے کا کام اور باغبانی ان تین دستکاریوں کے ذریعے تعلیم دی جاتی ہے۔ مئی کے پہلے ہفتے سے ایسے ۴ مرکز جاری کئے گئے ہیں۔ تقریباً ۵۰۰ معلم اس تجربے کے لئے تیار رہیں اور جولائی سے ڈسٹرکٹ بورڈ اور میونسپل اسکولوں میں بنیادی تعلیم کا یہ تجربہ بڑے شدومد سے شروع ہوجائے گا۔

تعلیم اطفال کے بانی کی موت

آچاریہ شری گرجا شنکر بدھیکا بین کو گجرات، کاٹھیاوار، اور ملک کے دوسرے حصوں کے پڑھے لکھے لوگ گجو بھائی کے نام سے جانتے تھے آج ہمارے درمیان نہیں ہیں۔ گذشتہ ۲۳ جون کو بمبئی کے سرہری کشن داس اسپتال میں ۵۵ سال کی عمر میں انھوں نے اس دنیا کو الوداع کہا۔ تعلیم کے اور خصوصاً چھوٹے بچوں کی تعلیم کے میدان میں پچھلے ۲۵ سال میں انھوں نے جیسی روشن اور عظیم الشان خدمت کی ہے ویسی اس ملک میں ابھی تک کوئی نہیں کرسکا ہے۔ اس ملک کے بچوں کی دنیا کی تاریخ میں گجو بھائی کی یہ خدمات سنہری حرفوں میں لکھی جائیں گی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مانٹیسری طریقے کا ہندوستان کی فضا میں یہاں کی تہذیب و تمدن کے مطابق سائنٹیفک اور کامیاب تجربہ کرنے میں جیسی روشن کامیابی گجو بھائی نے حاصل کی تھی ویسی اس میدان میں ابھی تک اور کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔

اپنی محنت کوش زندگی کے آخری لمحے تک وہ ملک کے نونہالوں کی ہی فکر کرتے رہے۔ انھوں نے بچوں کے ادب پر لکھ لکھ کر انبار لگا دیا ہے تعلیم پر انھوں نے سینکڑوں کتابیں تصنیف کیں۔ "شکشن پتر کا" انھیں کی ادارت میں نکلتا تھا۔ یہ وہ انمول موتی ہیں جو ادب کے سمندر سے حاصل ہوتے ہیں اور آیندہ بھی ہوتے رہیں گے۔

آج اس نئے دور میں سارے ملک میں بچوں کی تعلیم و تربیت کا ایک نیا باب کھل رہا ہے اور بچوں کی دنیا کے افق پر نئی صبح نمودار ہو رہی ہے۔ بچوں کے واحد محب اور خادم گجو بھائی کا اس طرح یکایک رخصت ہوجانا انتہائی صدمے کا باعث ہے۔ مستقبل قریب میں اس نقصان کی تلافی ممکن نظر نہیں آتی۔ پھر بھی ہمیں امید ہے کہ گجو بھائی اپنے پیچھے جن ہزاروں دوستوں، قدردانوں اور سینکڑوں شاگردوں کو چھوڑ گئے ہیں وہ سب مل کر اور زیادہ منظم ہوکر ان کے چھوڑے ہوئے مقصد زندگی کو پورا کرنے میں اپنی تمام طاقتیں صرف کردیں گے اور اس طرح آں جہانی کے قرض سے کسی حد تک سبکدوش ہوکر اپنے کو کامیاب بنا سکیں گے۔ خدا ہم سب کو سچا ایمان اور جذبہ دے اور آنجہانی کو ابدی راحت عطا کرے۔

۹ جون ۱۹۳۹ء　　　کاشی ناتھ ترویدی

بنیادی تعلیم کی پہلی کانفرنس

ہم بنیادی تعلیم کے تمام کارکن اس بات کو محسوس کرنے لگے ہیں کہ ہم سب ایک بار کسی مقام پر جمع ہوکر ایک دوسرے سے تبادلۂ خیالات کریں اور اپنی عملی مشکلات پر بحث کرکے ان کا کوئی حل تلاش کریں۔ اس کے ساتھ آیندہ سال کے لئے بھی اپنے پروگرام کا خاکہ مرتب کریں۔

اسی مقصد سے یہ سوچا گیا ہے کہ آیندہ اکتوبر میں بنیادی تعلیم کی ایک کانفرنس منعقد کی جائے۔

خوشی کی بات ہے کہ حکومت بمبئی نے نہایت فراخ دلی سے ہمیں پونا میں اس کانفرنس کو منعقد کرنے کے لئے مدعو کیا ہے۔ اس کے لئے ہم ان کا دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور اس کے ساتھ بنیادی تعلیم کے تمام کارکنان سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس کانفرنس میں شرکت کرکے اس کو کامیاب بنانے میں ہاتھ بٹائیں۔

کانفرنس کے ساتھ بنیادی تعلیم کی ایک چھوٹی سی نمائش کا بھی انتظام کیا جائے گا اس لئے بنیادی تعلیم کے تمام اداروں سے ہماری یہ گذارش ہے کہ وہ اپنے اپنے کام کا نمونہ لے کر اس میں حصہ لیں اور اس کو مکمل بنانے میں امداد دیں۔

اجلاس کی تاریخیں اور اوقات مقرر ہونے پر ہم "نئی تعلیم" کے ذریعے اطلاع دیں گے۔ کانفرنس اور نمائش میں حصہ لینے والوں سے یہ بھی درخواست ہے کہ وہ اس کے متعلق سکریٹری ہندستانی تعلیمی سنگھ سیگاؤں (وردھا) سے خط و کتابت کریں۔

فہرست مضامین

اردو سکھانے کا آسان طریقہ

صاحبزادہ سعید الظفر خاں صاحب نے جو ریاست بھوپال کے وزیر تعلیم رہ چکے ہیں، بڑی عمر کے ان پڑھ لوگوں کی تعلیم کے سلسلے میں بہت اچھے اور کامیاب تجربے کئے ہیں۔ انھوں نے اپنے ان ہی تجربوں کی بنیاد پر اس مختصر سے رسالے میں اردو سکھانے کا سب سے آسان طریقہ پیش کیا ہے۔

قیمت ۴ر

مکتبہ جامعہ کے تیار کردہ مختلف قاعدے

تعلیم بالغان کے قاعدے — از ڈاکٹر سعید الظفر خاں صاحب۔ قیمت حصہ اول ۔ر، حصہ دوم ۸ر، حصہ سوم ۸ر
مدرس کا قاعدہ ۲ر

حرفہ کا قاعدہ — بنیادی حرفے کے ذریعے تعلیم دینے کے لئے ایسی جماعتوں کے لئے تو مواد مل جاتا ہے جہاں بچے لکھنے پڑھنے کے طریقے سے واقف ہو جاتے ہیں لیکن دشواری تو ان بچوں کے لئے ہے جو کچھ جانتے ہی نہیں ہیں۔ موجودہ قاعدوں میں سے کسی کو لیجئے بنیادی حرفے سے تعلق نہیں رکھتے۔ ان باتوں کو پیش نظر رکھ کر "حرفہ کا قاعدہ" تیار کیا گیا ہے جو ہے تو کہانی کا طریقہ اور طریق الصوت کے اصولوں پر لیکن تمام مواد بنیادی حرفے سے تعلق رکھتا ہے جس میں تکلی کا کام نمایاں ہے اور گنتے کا کام، سبزیوں کا کام ضمنی حیثیت رکھتا ہے۔ ابتدا ہی سے بچہ جو کچھ کرے گا وہ پڑھ سکے گا اور جو کچھ پڑھے گا وہ کر سکے گا۔ جن مقامات پر واردھا اسکیم جاری ہے وہاں کے لئے تو ہر حیثیت سے سنگ بنیاد کا کام دے گا۔ کپاس، تکلی، کھدر، دھنیے پر چھوٹے چھوٹے دلچسپ سبق ہیں، نظمیں بھی ہیں۔ ۲۰×۳۰ سائز کے ۰۸ صفحات پر دیدہ زیب اور خوشخط چھپوایا گیا ہے۔ قیمت ۳ر

آسان قاعدہ — جہاں تک مواد کا تعلق ہے اس میں بھی وہی چیزیں ہیں جو حرفہ کے قاعدے میں ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ "حرفہ کا قاعدہ" کہانی کے طریقہ اور طریق الصوت کے اصولوں پر لکھا گیا ہے اور یہ قاعدہ صرف طریق الصوت کی بنا پر۔ ہر جگہ کہانی کے طریقے کا اہتمام مشکل ہے۔ ایسے لوگوں کی دشواریوں کو پیش نظر رکھ کر مندرجہ بالا عنوان سے اسی کا دوسرا ایڈیشن تیار کرایا گیا ہے۔ گھروں میں بچے کے طور پر پڑھانے کے لئے بہت موزوں ہے۔ ضخامت اور لکھائی چھپائی کی تمام خصوصیات حرفے کے قاعدے کی طرح ہیں۔ قیمت بھی ۳ر ہے۔

بچوں کا قاعدہ — یہ قاعدہ کہانی کے طریقہ اور طریق الصوت کے اصولوں پر لکھا گیا ہے۔ کہانی کے طریقہ کا یہ مقصد ہے کہ ابتدا ہی سے بچوں کے سامنے ایسا مواد پیش کیا جائے جو ان کی زندگی سے متعلق ہو، مدرسہ اور گھر کی زندگی ملتی جلتی ہو، بچہ مدرسے سے گھر کی طرف بھاگنے کی بجائے گھر سے مدرسے کی طرف بھاگنے لگے، کھیل کود کے ذریعے لکھنے پڑھنے کا کام کرنے لگے۔ لفظوں کے جوڑ توڑ اور ہجے کے لئے طریق الصوت سے کام لیا گیا ہے تاکہ آوازوں کے ذریعے جلد سے جلد لفظ پہچاننے لگے۔ پڑھانے والوں کا تجربہ ہے کہ ۲ مہینے کے عرصے میں بچہ بے تکان پڑھنے لگتا ہے۔ ۲۰×۳۰ سائز پر کھلے کھلے لفظوں میں خوشخط اور دیدہ زیب چھپوایا گیا ہے۔ ضخامت ۰۸ صفحے ہے۔ قیمت ۳ر۔ رہنمائے قاعدہ ۴ر

نیا قاعدہ — یہ قاعدہ لفظوں کے طریقہ اور طریق الصوت کے اصولوں پر لکھا گیا ہے جس جگہ کہانی کے طریقے کا اہتمام ہے وہاں بچوں کا قاعدہ رائج ہے لیکن جو لوگ اس کا اہتمام نہیں کر سکتے ہیں ان کے لئے موجودہ قاعدے غیر تسلی بخش ہیں۔ کام کی دشواریوں اور دوسری شکایتوں کو پیش نظر رکھ کر یہ قاعدہ مرتب کیا گیا ہے۔ ابتدا میں تصویر اور اس سے متعلق با معنی لفظوں کے ذریعے حرف سکھائے گئے ہیں۔ پھر ہندی کے طرز پر بتدریج آوازوں کی اونچ نیچ بچوں کے سامنے لائی گئی ہے۔ اسباق کی عبارت مربوط ہے، زبان میں شیرینی ہے۔ گھروں میں نجی تعلیم دینے کے لئے بہت مفید ہے۔ قیمت ۲ر

ہندستانی کی پہلی کتاب — ایک اہم مسئلہ ان بچوں کی تعلیم کا بھی ہے جن کی مادری زبان ہندستانی نہیں۔ ظاہر ہے ان کا طریقہ تعلیم ان کی کتابوں کا ابتدائی مواد مادری زبان والوں سے جدا ہے گا۔ فی الحال اس قاعدے کو اس طرح مرتب کیا گیا ہے کہ شروع میں سیدھے سادے طریقے سے حرف یاد کرائے گئے ہیں۔ اس کے بعد ان کے جوڑ توڑ...... تبلائے گئے ہیں۔ اسباق "قواعد اردو" کو پیش نظر رکھ کر لکھے گئے ہیں جو غیر مادری زبان والوں کے لئے ضروری ہے۔ لطف یہ ہے کہ ان سب پابندیوں کے ساتھ دلچسپی کا عنصر شروع سے آخر تک ہے۔ قیمت ۲ر

نئی کتابیں

ان قاعدوں میں سے جو قاعدہ آپ چاہیں منتخب فرمالیں۔ اس کے بعد بچوں کو ہماری تیار کردہ نئی کتابیں پڑھائیے جو ہر اعتبار سے اردو کی تمام موجودہ کتابوں سے بہتر ہیں۔

قیمت پہلی کتاب ۱۲ر دوسری کتاب ۱۰ر

تیسری کتاب ۶ر چوتھی کتاب ۱۰ر

بچوں اور استادوں کے لئے

مکتبہ جامعہ کی شائع کی ہوئی چند کتابیں

معلومات:۔ عجائب خانہ سمندر | ہماری اس دنیا کی طرح ایک دنیا سمندر کی بھی ہے جس کی آبادی انسانی آبادی کی طرح بہت ہی عجیب و غریب ہے۔ عجائب خانہ سمندر میں اس آبادی کا مفصل حال درج ہے۔ بہت سی تصویریں ہیں۔ قیمت ۱۰/

کائنات | سورج، چاند، ستارے اور ہماری یہ دنیا کیا چیز ہے؟ سب کے سب پھرتے کیوں نظر آتے ہیں؟ گرمی جاڑا کیوں ہوتا ہے؟ ان سب باتوں کو دلچسپ مثالوں کے ذریعے بچوں کو سمجھایا گیا ہے قیمت ۸/

دنیا کے بچے | اس کتاب میں دنیا کے چودہ مختلف ملکوں کے بچوں کے حالات بہت ہی دلچسپ انداز اور آسان زبان میں لکھے گئے ہیں۔ ان ملکوں کے رہنے والوں کے بارے میں بہت سی مفید باتیں بچے کو دلچسپی ہی دلچسپی میں معلوم ہو جاتی ہیں۔ تصویروں کا خاص اہتمام کیا گیا ہے قیمت ۵

دنیا کے بسنے والے | پرانے باشندوں عرب کے بدوؤں، افریقہ کے بونوں اور جاپان سوئٹزرلینڈ اور ان ملکوں کے باشندوں کے حالات جہاں ہزاروں من برف گرتی ہے درج ہیں۔ تقریباً ۵۰ مختلف تصویریں ہیں۔ قیمت ۵/

تعلیمی کھیل | اس کتاب میں اول درجہ سے لے کر چھٹی جماعت تک کے لئے ایسے کھیل درج ہیں جن سے بچوں میں حساب، انگریزی اور ڈرائنگ وغیرہ کی استعداد بڑھتی ہے اور سست کاہل، پڑھنے سے جان چرانے والے لڑکے بھی جی لگا کر پڑھنے لگتے ہیں۔ بہت سی تصویریں ہیں۔ قیمت ۳/

مذہبی کتابیں

قرآن کیا ہے؟ | بچوں کی نفسیات، شعور اور استعداد کو مدنظر رکھ کر یہ کتاب تیار کی گئی ہے۔ قرآن پاک آنحضرت پر کس طرح اترتا تھا، آپ لوگوں تک کیسے پہنچاتے تھے، اس کی حفاظت آپ نے اور آپ کے بعد صحابۂ کرام نے کس طرح کی؟ بہت مفصل۔ قیمت ۶/

ہمارے نبی | ہمارے پیارے نبی حضرت محمدؐ کی پاک زندگی کی کہانی آسان اور دلچسپ زبان۔ قیمت ۳/

آنحضرت | رسول مقبول صلعم کے حالات دس بارہ برس کے لڑکوں کے لئے الیاس احمد مجیبی نے سلیس زبان میں لکھے ہیں۔ قیمت ۴/

ہمارے رسول | یہ کتاب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سیرت پر مناسب اسلوب بیان اور آسان زبان میں لکھی گئی ہے جس کے پڑھنے سے محبت رسول اور پیروی سنت کا جذبۂ صادق پیدا ہوتا ہے۔ قیمت ۱/

سرکار کا دربار | سرورِ کائنات صلعم کے حالات، بچوں، عورتوں اور عام مطالعہ کے لئے بہت مشہور کتاب قیمت ۶/

مکتبہ جامعہ، دہلی سارے ہندوستان میں اردو کا بہترین تجارتی کتب خانہ ہے۔ اس قسم کا کوئی ادارہ اپنے کاروبار کی وسعت اور ذخیرے کی زیادتی کا دعوےٰ مکتبہ کے سامنے پیش نہیں کر سکتا۔ مکتبہ کے کاموں کا پھیلاؤ اب اتنا زیادہ ہے کہ پبلشر بھی رشک کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

گذشتہ چھ ماہ میں مکتبہ نے اردو کی کتابوں کی اشاعت میں پورے پچاس ہزار روپے صرف کئے ہیں اور یہ سب نئی نئی کتابیں ہماری تمام شاخوں پر پہنچ چکی ہیں۔ شائقین صدر دفتر یا شاخوں سے طلب فرما سکتے ہیں۔

ملنے کے پتے

۱۔ مکتبہ جامعہ، قرول باغ، دہلی

۲۔ مکتبہ جامعہ، لوہاری دروازہ، لاہور

۳۔ مکتبہ جامعہ، امین آباد، لکھنؤ

۴۔ مکتبہ جامعہ، پرنسس بلڈنگ بمبئی ۳۔

نوٹ:۔ عنقریب پشاور اور حیدرآباد میں بھی شاخیں کھول دی جائیں گی۔ ناظرین ہمارے اعلان کا انتظار فرمائیں۔

خلفائے اربعہ | اس کتاب میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حالات زندگی، خدمت اسلام، محبت رسول، عام عادات و اخلاق سہل زبان میں لکھے گئے ہیں قیمت ۸/

چار یار | حضرات خلفاء راشدین یعنی حضرت ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضوان اللہ علیہم کے سبق آموز اور دلچسپ حالات قیمت ۶/

دس جنتی | حضرات عشرہ مبشرہ یعنی زبیر، طلحہ، عبدالرحمن، سعد، ابو عبیدہ و سعید کے حالات تفصیل سے اور باقی چار یار رضوان اللہ علیہم کے حالات بہت مختصر درج ہیں۔ قیمت ۵/

عقائد اسلام | یہ رسالہ بچوں کو اسلامی عقائد سکھانے کے لئے نہایت اختصار کے ساتھ سلیس زبان میں لکھا گیا ہے۔ قیمت ۱/

ارکان اسلام | جو بچے عقائد اسلام ختم کر لیں انہیں یہ رسالہ ضرور پڑھایا جائے۔ اس میں اسلام کے پانچوں ارکان آسان زبان میں سمجھائے گئے ہیں۔ قیمت ۲/

ہمارا دین | اس کتاب میں ایمان مفصل، برکات اسلام، تعلیم دین اور اسلام کی خوبیاں عام فہم اور دل نشین پیرایے میں بتائی گئی ہیں۔ قیمت ۲/

چالیس حدیثیں | جناب خواجہ عبدالحی فاروقی صاحب نے ایسی چالیس حدیثیں انتخاب فرمائی ہیں جو خاص طور پر بچوں کے لئے سبق آموز ہیں۔ قیمت ۲/

اچھی باتیں | ان آیات قرآنی کی عام فہم تفسیر جو پند و نصائح پر مبنی ہیں۔ قیمت ۳/

نبیوں کے قصے | اس کتاب میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام نبیوں کے حالات بڑی آسان اور شیریں زبان میں لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۵/

اسلامی تاریخ کی سچی کہانیاں | اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ حصہ اول میں اسلامی تاریخ کی بہت سی مختصر کہانیاں چھوٹے بچوں کے لئے جمع کر دی گئی ہیں اور حصہ دوم میں کسی قدر بڑی کہانیاں ہیں۔ یہ کہانیاں اسلام کے اچھے لوگوں کے صحیح حالات ہیں۔

قیمت مکمل ۱۰/

کہانیاں

مکتبہ جامعہ نے مختلف عمر کے بچوں کے لئے چھوٹی چھوٹی کہانیوں کا سلسلہ شائع کرنا شروع کیا ہے۔ ہر کہانی نہایت خوش نما اور صاف خط میں چھپی ہے ان کو چار درجوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے فہرست طلب فرمایئے۔

پرنٹر و پبلشر: حامد علی خاں

مطبوعہ جید برقی پریس دہلی

مدیر: آشا دیوی

رجسٹرڈ نمبر: ایل ۷۴۴۴

نئی تعلیم

(ہندستانی تعلیمی سنگھ کا پرچہ)

جلد ۱، نمبر ۸	دہلی۔ اگست ۱۹۳۹ء	قیمت سالانہ عہ

بنیادی تعلیم کی رفتار

جنتری کے مطابق اگرچہ ہمارے سال کا آغاز موسم بہار سے ہوتا ہے، مگر تعلیمی سال کا آغاز برسات کے شروع سے ہوتا ہے۔ گرمی کی لمبی تعطیلات کے بعد تمام یونیورسٹیاں، ٹریننگ کالج اور تعلیمی ادارے اسی زمانے سے شروع ہوتے ہیں، نئے طالب علم داخل ہوتے ہیں اور نئے سال کے لئے پروگرام کی نئی اسکیمیں تیار کی جاتی ہیں۔

اس نظر سے دیکھا جائے تو جولائی ۱۹۳۹ء سے بنیادی تعلیم کے تجربے کا دوسرا سال شروع ہوا ہے۔ پچھلے سال استادوں کے مدرسوں میں بنیادی تعلیم کے استادوں کی تیاری کا پہلا تجربہ شروع کیا گیا تھا۔ ان استادوں کا پہلا گروہ براہ راست کام کرنے کے لئے دیہات کے مدرسوں میں بھیج دیا گیا ہے اور اس ماہ سے استادوں کا ایک نیا گروہ تیار کیا جا رہا ہے۔

ٹریننگ اسکول، وردھا:۔

بنیادی تعلیم کا سب سے پہلا استادوں کا مدرسہ تھا، وردھا کا ٹریننگ اسکول اپریل ۱۹۳۸ء سے دسمبر ۱۹۳۸ء تک، صوبۂ متوسط میں جو درس گاہیں کھلنے والی تھیں، ان کے لئے ۱۶۰ طالب علم تیار کئے گئے تھے۔ جنوری ۱۹۳۹ء سے جون ۱۹۳۹ء تک وردھا، ناگپور، رائے پور اور جبل پور ضلعوں کی ڈسٹرکٹ کونسلوں کے استادوں اور محکمۂ تعلیم کے اسسٹنٹ انسپکٹروں کو دو جماعتوں میں بنیادی تعلیم کے درس دیئے گئے۔

۳ جولائی ۱۹۳۹ء سے اس ادارے کا تیسرا دور شروع ہوا ہے۔ صوبۂ متوسط کی حکومت نے وردھا کے ضلع کو بنیادی تعلیم کے خاص تجربے کے لئے منتخب کر لیا ہے اور اس ضلع کے تمام استادوں کو ٹریننگ اسکول وردھا میں تعلیم دلانے کا فیصلہ کیا جا چکا ہے۔ اس دور میں ٹریننگ اسکول میں ضلع وردھا اور سارے صوبے سے کل ۷۰ طالب علم داخل کئے جائیں گے۔ انھیں جولائی سے دسمبر تک ساڑھے پانچ مہینے تعلیم دی جائے گی۔

وردھا ٹریننگ انسٹیٹیوٹ:۔

اس ادارے کے ساتھ وردھا ٹریننگ انسٹیٹیوٹ نام کا ایک نیا ادارہ کھولا گیا ہے۔ اس ادارے میں بنیادی تعلیم کے استادوں کے لئے استاد تیار کئے جائیں گے۔ صوبۂ وسطیٰ میں بنیادی تعلیم کی اسکیم تجربے کی شکل میں نہیں منظور کی گئی ہے بلکہ سارے صوبے کی آیندہ تعلیم کی اسکیم کے طور پر منظور کی گئی ہے۔ صوبۂ متوسط اور برار میں ابتدائی مدارس کے استادوں کی تعداد ۱۶۰۰۰ کے قریب ہے۔ انھیں نئی تعلیم کے نصاب کے مطابق تیار کرنا ایک اہم کام ہے۔ صوبۂ متوسط کی حکومت کا ارادہ ہے کہ ۱۹۴۰ء سے صوبے کے تمام استادوں کے مدرسوں میں اس نئی تعلیم کے مطابق استاد تیار کرنے کا کام شروع کر دیا جائے۔ اسی کام کی تکمیل کے لئے وردھا ٹریننگ انسٹیٹیوٹ کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔

۳ جولائی ۱۹۳۹ء کو صوبے کے وزیر اعظم محترم راوی شنکر شکلا کے ہاتھوں اس ادارے کا افتتاح ہوا ہے۔ اس دور تعلیم میں نارمل اسکول کے ۲۹ استاد اور ہائی اسکول کے ۲۸ استاد داخل کئے گئے ہیں۔ جبل پور کے اسپنس ٹریننگ اسکول کے استاد جناب زینکلن صاحب اس انسٹیٹیوٹ کے صدر مقرر ہوئے ہیں۔ تمام تعلیم مادری زبان میں دی جائے گی۔

بیسک ٹریننگ اسکول، پٹنہ:۔

۱۵ جولائی سے اس ٹریننگ اسکول کا دوسرا دور شروع ہوا ہے۔ کل ۶۰ طالب علم داخل کئے گئے ہیں۔ میعاد تعلیم جولائی سے دسمبر تک ۶ ماہ کی رکھی گئی ہے۔ اس مرتبہ طالب علموں کے انتخاب میں اس بات کی خاص طور پر کوشش کی گئی ہے کہ منتخب طلبار بنیادی تعلیم کے موٹے اصول سے واقف اور ہندوستانی اور کتائی میں ہوشیار ہوں۔ نصاب تعلیم اور کام کا پروگرام وہی رہے گا جو پچھلے سال تھا۔ بنیادی تعلیم کی تیاری کے ساتھ ساتھ تعلیم بالغان کے طریقے بھی طلبار کو سکھائے جائیں گے۔

گجرات:۔

بمبئی کی حکومت نے بنیادی تعلیم کے خاص تجربے کے لئے ضلع سورت کی والوڑ تحصیل کو منتخب کیا ہے اور ۱۵ دیہاتی مدرسوں میں بنیادی تعلیم کا کام شروع ہوا ہے۔ حکومت بمبئی کی طرف سے ۱۲ جون سے سورت سے ۳ میل دور کتار گاؤں کے دیہات میں بھی ایک استادوں کا مدرسہ کھولا گیا ہے۔ سارے صوبے سے لئے ہوئے ۴۶ استاد اس مرکز میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

اسی کے ساتھ ساتھ ضلع سورت کے ویڑچھی آشرم میں ڈسٹرکٹ اسکول بورڈ

کی طرف سے استادوں کی تعلیم کا ایک مرکز جگت رام صاحب کی نگرانی میں چلایا جا رہا ہے۔

مہاراشٹر تلک راشٹریہ ودیاپیٹھ:-

مہاراشٹر میں بنیادی تعلیم کا جو تجربہ شروع ہوا ہے اس میں تلک راشٹریہ ودیاپیٹھ بھی تعاون کر رہی ہے۔ ہندوستانی تعلیمی سنگھ کی طرف سے وردھا میں جنوری میں جو مختصر نصابِ تعلیم تیار کیا گیا تھا اس کی تیاری میں تلک ودیاپیٹھ کے دو استاد بھی موجود تھے۔ اس کے بعد حکومت بمبئی کی طرف سے مہاراشٹر کے لئے پونا میں جس استادوں کے مدرسے کا قیام عمل میں آیا تھا اس کے کام میں تلک راشٹریہ ودیاپیٹھ کے استادوں نے بھی مدد دی اور ٹریننگ اسکول میں ودیاپیٹھ کی طرف سے ۱۰ استاد تیار کئے گئے تھے۔ ان استادوں کی مدد سے یکم جولائی ۱۹۳۹ء سے ضلع پونا میں ۴۰ دیہاتوں میں ۴۰ بنیادی اسکول کھولے گئے ہیں اور تلک راشٹریہ ودیاپیٹھ کی نگرانی میں یہ تجربہ کیا جا رہا ہے۔

تامل ناڈ کوئمبتور:-

جنوبی ہند میں حکومت مدراس کی طرف سے نئی تعلیم کے سلسلے میں کوئی تجربہ شروع نہیں کیا گیا تھا۔ خوشی کی بات ہے کہ ۱۰ جولائی کو حکومت مدراس کے وزیرِ تعلیم جناب وارکی جی کے ہاتھوں تامل ناڈ میں سب سے پہلے استادوں کے مدرسے کی بنیاد رکھی گئی۔ اس مدرسے کا افتتاح کرتے ہوئے وارکی صاحب نے فرمایا:-

"مجھے بڑی خوشی ہے کہ بنیادی تعلیم کے پہلے ادارے کا افتتاح میرے ہی ہاتھوں سے ہوا۔ آج ہم ایک نیا ادارہ ہی نہیں کھول رہے ہیں بلکہ اس ملک کی تعلیمی تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز کر رہے ہیں، اس لئے کہ خیال یہ ہے کہ تعلیم کا یہ نیا طریقہ آہستہ آہستہ موجودہ طریقۂ تعلیم کی جگہ لے لے گا۔"

آندھرا جاتیہ کلاشالہ مچھلی پٹن:-

"تامل ناڈ کے لئے ایک نیا استادوں کا مدرسہ کھولنے کے ساتھ ساتھ حکومت مدراس نے آندھرا جاتیہ کلاشالہ کے استادوں کے مدرسے کو بنیادی تعلیم کے لئے استاد تیار کرنے کی منظوری دے دی ہے۔ ۲۰ جولائی ۱۹۳۹ء کو جناب وارکی صاحب کی صدارت میں اس کے نئے دور کا آغاز ہوا ہے۔ ہندوستانی تعلیمی سنگھ کے سکریٹری جناب آریہ نائکم صاحب بھی اس موقع پر موجود تھے۔ پچھلے سال کے جو استاد اس تجربے کے لئے کارآمد سمجھے گئے تھے، اس موقع پر ان کو ڈگریاں دی گئیں۔ اس نئے دور کے لئے آندھرا دیش کے ڈسٹرکٹ بورڈ اور میونسپلٹیوں سے کل ۷۰ طالب علم داخل کئے گئے ہیں۔

اُستادُوں کی مشکلات

ہمیں یہ جاننے کی بہت خواہش رہتی ہے کہ جو استاد ہمارے معلمی کے مدرسوں سے تعلیم حاصل کر کے دیہات کے مدرسوں میں کام کر رہے ہیں انھیں کن کن مشکلوں اور رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور وہ ان رکاوٹوں کو کس طرح دور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان مشکلات کی کشمکش ہی ہماری بنیادی تعلیم کی ترقی کی تاریخ کی بنیاد ہے۔

گذشتہ مئی میں بہار کے ضلع چمپارن کے ایک گاؤں برندابن میں گاندھی سیوا سنگھ کا جلسہ ہوا تھا۔ اسی کے ساتھ ساتھ بنیادی تعلیم کے ایک ٹریننگ کیمپ کی بنیاد بھی رکھی گئی تھی۔ اس تقریب کے پروگرام میں ایک بات یہ بھی تھی کہ ایک دن گاندھی سیوا سنگھ کے ممبر اور ٹریننگ کیمپ کے استاد بنیادی مدرسوں میں جائیں اور وہاں جو استاد کام کرتے ہیں ان سے مل کر ان کے تجربوں سے فائدہ اٹھائیں۔

اسی فیصلے کے مطابق ۷ مئی کو گاندھی سیوا سنگھ کے خیمے میں ان استادوں اور ٹریننگ کیمپ کے طالب علم استادوں کی ایک مشترک نشست ہوئی۔ اس جلسے میں استادوں نے اپنے اپنے تجربے بیان کئے۔ تعلیم کے نقطۂ نظر سے یہ بیان امید اور حوصلے کے متعدد پہلوؤں پر مشتمل تھے، لیکن یہاں ہم ان کی مشکلات ہی کا ذکر کریں گے اس لئے کہ یہی وہ مسئلہ ہے —— یہی مشکلات اور رکاوٹیں —— جن کا بنیادی مدرسوں کے استادوں کو آئے دن سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ان استادوں نے جن مشکلات کا خاص طور پر ذکر کیا انھیں ہم تین بڑے حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہی مشکلات کم و بیش ہر بنیادی مدرسے کے استادوں کو پیش آتی ہیں۔ ان میں سے کچھ مالی مسائل تھے، اور کچھ سماجی۔ اور کچھ ایسے بھی تھے جن کا تعلق خود اس نئے نظریۂ تعلیم سے تھا۔ لیکن سب سے اہم سوال ہمارے دیہات کی مالی حالت کا تھا جو ہمارے سارے دیہاتی مدرسوں میں یکساں طور پر پیش آتا ہے۔

دیہات میں جب بچہ چھ سات سال کا ہو جاتا ہے اسی وقت سے اسے اپنے والدین کی مالی امداد کی ضرورت پیش آ جاتی ہے۔ لڑکیاں اپنے چھوٹے بھائی بہنوں کی دیکھ بھال کرتی ہیں اور جب ماں کام پر چلی جاتی ہے تو گھر کی رکھوالی، کھانا پکانا اور گھر کے دوسرے ضروری کام بھی انھی کے ذمے ہوتے ہیں۔ لڑکے گائے بھینس، بکریاں چراتے ہیں، کھیتوں کی رکھوالی کرتے ہیں اور جب کہیں مزدوری مل جاتی ہے تو مزدوری کرنے کے لئے بھی چلے جاتے ہیں۔ جب حالت یہ ہو تو بچوں کا مقررہ وقت پر مدرسے جانا نہایت مشکل ہے۔

یہ ایک نہایت پیچیدہ مسئلہ ہے اور اتنا سخت کہ اس کا حل تنہا بنیادی مدرسوں کے استادوں کے بس کا نہیں ہے اور حالانکہ اس نئے طریقۂ تعلیم میں اس سوال کے حل کا بیج بویا جا چکا ہے مگر پھر بھی اس کا پھل تو ہمیں اسی وقت مل سکے گا جب اس کا زمانہ آئے گا۔ سرِدست تو مدرسوں کے استادوں میں اتنی ہی صلاحیت کافی ہے کہ وہ بچوں اور ان کے والدین میں اتنا استقلال پیدا کر دیں کہ بچے گھر کے کام کاج میں بھی ہاتھ بٹائیں اور مدرسے کے لئے بھی وقت نکال سکیں۔ استادوں کو اپنے مدرسے کا وقت اور پروگرام کچھ اس طرح بنانا پڑے گا کہ گاؤں کی ضروریات کا خیال رکھ کر خاص خاص موقعوں پر (مثلاً بیج بونے اور فصل کاٹنے کا وقت ہے) بچوں کو اپنے والدین کی مدد کے لئے چھٹی دی جا سکے۔ انھیں چاہئے کہ وہ بچوں کے ان رجحانات کو بھی اپنے مدرسے کے پروگرام کا ایک جزو بنالیں۔ مدرسے میں بچہ جس طرح اپنا سارا وقت گذارتا ہے، اس کا استاد کے پاس باقاعدہ حساب رہنا چاہئے اور مادری زبان اور سماج کے علم کے اسباق کے سلسلے میں اس کا صحیح استعمال کرنا چاہئے۔ بچے کی گھر کی زندگی اور مدرسے کی زندگی میں جوں جوں آپس میں تعلق پیدا ہوتا جائے گا، ان مسائل کا حل اسی نسبت سے استادوں کے لئے آسان ہوتا جائے گا۔

استادوں نے دوسرا جو سوال پیش کیا تھا وہ بھی اصل میں مالی ہی سوال ہے۔ مدرسے میں بچے اکثر بھوکے آتے ہیں اور بھوکے ہونے کی حالت میں ان سے چار پانچ گھنٹے کام لینا ممکن نہیں ہے۔ یہ ایک شدید ریاضت ہے۔ اس نئی تعلیم کی اسکیم تیار کرتے وقت ذاکر حسین کمیٹی کے سامنے بھی یہ مسئلہ آیا تھا جس کے لئے کمیٹی نے یہ سفارش کی ہے:-

"یہ بات تو ہر شخص جانتا ہے کہ ہمارے گاؤں کے بچوں کو عام طور

پرکانی کھانا نہیں ملتا۔ اس لئے ہم زور دے کر اس بات کی سفارش کرتے ہیں کہ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے بچوں کو اسکول کے گھنٹوں میں کچھ ہلکے سے ناشتے یا "جل پان" کا انتظام کیا جائے۔ ہمیں یقین ہے کہ اس کا خرچ اٹھانے کے سلسلے میں حکومت کو عام پبلک کی طرف سے کافی مدد ملے گی۔"

اس وقت ہم اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ابھی تو ان استادوں کو ہم صرف یہی مشورہ دے سکتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے وہ اس جگہ کے سخی لوگوں سے مدد لے کر بچوں کو مدرسے میں ایک ہلکا سا ناشتہ دینے کا انتظام کریں۔

تیسرا جو سوال استادوں نے اٹھایا تھا وہ مالی ہونے کے علاوہ بیشتر تعلیمی سوال ہے۔ انھوں نے کہا کہ بچوں کے پاس کپڑے بہت کم ہوتے ہیں بہت سے بچوں کے پاس ایک سے زیادہ کپڑے کا جوڑا نہیں ہے۔ اس لئے انھیں صاف رکھنا مشکل ہے۔ مگر ہمارے ملک میں قدرت اس قدر دریا دل اور سخی ہے کہ بچوں کو ایک جوڑا کپڑے کے باوجود صاف رکھا جا سکتا ہے۔ دوپہر کی دھوپ میں کپڑے دھو کر سکھانے میں دو گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں لگتا۔ اس لئے استاد کو چاہیے کہ وہ بچوں کو سمجھا بجھا کر اور اپنی ذات سے نمونہ قائم کر کے، ان میں اس قسم کی عادت ڈالنے کی کوشش کرے۔ سب بچے دوپہر کے وقت اپنے کپڑے دھو کر اور انھیں سکھا کر پہنیں۔ کپڑے دھونے اور سکھانے کے کام کو بھی مدرسے کے پروگرام کا ایک ضروری جزو تسلیم کرنا چاہیئے۔ کپڑے کو دھوتے اور سکھاتے وقت بچے ایک دوسرے کو اپنے کپڑے دے کر آپس میں مدد لے اور دے سکتے ہیں۔ سیگاؤں کے بچے یہی کچھ کرتے ہیں۔ ایک بات اور یاد رکھنی چاہیئے کہ بچے اپنے کپڑے دھونے میں سوڈے یا صابن کے استعمال کے بجائے دیسی طریقے برتیں جو عام طور پر دیہات کے لوگ برتتے ہیں۔ ان دیہاتی طریقوں کو معلوم کرنا اور ان کی جانچ پڑتال کرنا بھی استاد کا ایک فرض ہے۔ اس سلسلے میں گاندھی جی کے جو خیالات ہیں ان کو جان لینا استادوں کے لئے زیادہ مفید ہوگا۔ پچھلی مرتبہ جب گاندھی سیوا سنگھ کا اجلاس ہوا تھا تو گاندھی جی ایک نئے بنیادی مدرسے کے پروگرام کو دیکھنے گئے تھے۔ وہاں کے استادوں کا کام دیکھ کر گاندھی جی کے دل پر جو اثر پڑا تھا اس کے بارے میں انھوں نے بنیادی تعلیم کے تمام کارکنوں سے کچھ باتیں کی تھیں۔ سب سے آخر میں انھوں نے صفائی کے سلسلے میں یہ باتیں کہی تھیں:-

"اب کچھ معمولی باتیں لیتا ہوں۔ لڑکے جتنے صاف ستھرے ہونے چاہئیں تھے اتنے نہیں تھے۔ ان کے کرتے اور دھوتیاں میلی کچیلی تھیں اور ان کے بدن پر نہایت بھدے قسم کے زیور تھے۔ میں کہتا ہوں کہ دھوتی کرتا پہننے کا بھی ایک آرٹ ہونا چاہیئے۔ آپ ان چیزوں کو میری نظر سے دیکھیں۔ میں نے دیکھا کہ کسی کے بال ایک طرح کے کٹے ہوئے تھے اور کسی کے دوسری طرح کے۔ کوئی سیدھی ٹوپی پہنے ہے تو کوئی آڑی ترچھی' اور کسی کا سر ٹوپی میں دفن ہو گیا ہے۔ ایک لڑکے کی ٹوپی تو اتنی میلی تھی کہ میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ لڑکے کچھ تو ایک جیسے دکھائی دیں! کچھ لڑکے ایک طرح سے ٹوپی پہنیں اور کچھ دوسری طرح سے، یہ کیا بات ہوئی؟ جب لڑکے پہلے پہل مدرسے میں آتے ہیں تو انھیں ٹوپی پہننا' کپڑے پہننا اور صاف ستھرا رہنا سکھانا چاہیئے۔ میں مانتا ہوں کہ بچے غریب ہیں لیکن جب وہ ہمارے مدرسوں میں آ جاتے ہیں تو ہم انھیں کم سے کم صاف ستھرا رہنا تو سکھائیں' جو کپڑے ہیں انھیں ڈھنگ سے پہننا سکھائیں۔ یہ بھی حرفہ کا ایک جزو ہے اس لئے کہ اس میں آرٹ ہے۔ میں اپنے کاریگروں کو میلا کچیلا نہیں دیکھ سکتا۔ اس کی پوشاک اور رہن سہن سے یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ کاریگر ہے۔ میرا کاریگر اگر میلا کچیلا ہوگا تو میں اسے اپنے پاس سے ہٹا دوں گا۔"

استادوں نے جن دوسری مشکلات کا ذکر کیا ہے ہم ان کا ذکر کسی اور وقت کریں گے۔ اس وقت تو ہم بنیادی مدرسوں کے استادوں سے یہی درخواست کریں گے کہ وہ اس قسم کے عملی مسائل کو — اپنی اصلی مشکلات کو — ہمارے پاس ضرور بھیج دیا کریں تاکہ ہم ان کا ذکر کر سکیں اور "نئی تعلیم" میں ان پر غور کیا جا سکے۔ ان کے تجربات کے نفع نقصان اور ان کی اصلی مشکلات پر غور کرنے کے لئے اس پرچے کو شائع کیا جاتا ہے۔ جب استاد اس کا پورے طور سے استعمال کریں گے اسی وقت اس کا مفید ہونا ثابت ہوگا اور اس کا مقصد پورا ہوگا۔

بنیادی تعلیم کے کچھ تجربے

(از پرتھ رام صاحب لیکچرر فارمن کرسچن کالج' لاہور)

[صوبہ متوسط کے ایک گاؤں ہوشنگ آباد میں "سوسائٹی آف فرینڈز" نام کے ایک مذہبی مشن کا مرکز بہت دن سے کام کر رہا ہے۔ کئی سال سے ہوشنگ آباد کے پاس رسولیا سٹیلنٹ کے نام سے ایک ادارہ دیہاتوں میں کچھ تنظیم اور اصلاح کا کام کر رہا ہے۔ اس ادارے کے چلانے والے جناب چیت سنگھ صاحب اور ان کی بیوی ہر دونوں فلسفۂ تعلیم کے تجربے کار عالم ہیں۔ انھوں نے ہمت کر کے اپریل ۱۹۳۹ء سے اسی ادارے کی طرف سے بنیادی تعلیم کے دو مدرسے کھولے ہیں۔ گرمی کے ایام میں چیت سنگھ صاحب کسی کام سے انگلستان تشریف لے گئے تھے اور ان کی غیر موجودگی میں لاہور کے فارمن کرسچن کالج کے علم الحیوانات کے استاد، جناب پرتھ رام صاحب ان دونوں مدرسوں کی نگرانی کر رہے ہیں۔ یہ مضمون انھی دونوں مدرسوں کے تجربات کی بنیاد پر لکھا گیا ہے اور چونکہ یہ علم الحیوانات کے ایک استاد کا تجربہ کارانہ مضمون ہے اس لئے فلسفۂ تعلیم کے نقطۂ نظر سے ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ رسولیا سٹیلنٹ کے ماتحت جو دو بنیادی مدرسے چلائے جا رہے ہیں ان میں خاص دستکاری کتائی ہے۔]

مدیر

کتائی کے ذریعے تعلیم دینے کی مخالفت دو قسم کے لوگوں کی طرف سے ہوتی ہے۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جنھیں اونچے خاندان میں پیدا ہو جانے کا اتنا گھمنڈ ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ کتائی کے ذریعے تعلیم دینے کے یہ معنی ہیں کہ مدرسے کو جلاہوں اور دھنیوں کی بستی بنا دیا جائے۔ دوسرے گروہ میں وہ لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں کہ تعلیم کی باریک باتیں تکلی جیسی بھدی اور موٹی چیز کے ذریعے نہیں سکھائی جا سکتیں۔ ان کے خیال میں ہاتھ کے کام کا ذہن کی نشو و نما سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ گاؤں میں ہماری مخالفت کرنے والے پہلے گروہ کے لوگ تھے۔ بھلا زمینداروں اور راجپوتوں کے بیٹے تعلیم حاصل کرنے کے لئے جلاہوں کا کام کریں گے! اس قسم کے سوالات گاؤں والوں کے دلوں میں ضرور پیدا ہوتے تھے مگر انھوں نے کھلے طور پر کبھی مدرسہ کھولنے کی مخالفت نہیں کی۔ ہمارا فرض تھا کہ ان کو اس بات کا اطمینان دلائیں کہ تکلی کے ذریعے جو تعلیم دی جائے گی وہ زیادہ فائدہ مند ہو سکتی ہے۔ اس سلسلے میں ہم نے گاؤں کے سمجھدار لوگوں کو ایک ایک کر کے کھادی اور تکلی کی اہمیت

تبائی۔ ہم نے انھیں بتایا کہ اگر ایک آدمی آدھ گھنٹے تبا کو نہ پیئے اور اس کی جگہ روزانہ آدھ گھنٹہ سوت کاتے، تو سال بھر میں اتنا سوت کات لے گا کہ اس کے گھر بھر کے لئے کپڑے بن سکیں۔ ان کو سمجھایا گیا کہ تکلی کے ذریعے زبان کا جو سبق دیا جائے گا اور ریاضی کے جو طریقے سکھائے جائیں گے وہ زیادہ اچھی طرح یاد رہیں گے۔ اس طرح ہم نے گاؤں کے سب لوگوں کو اکٹھا بلا کر لیکچر دینے کے بجائے سمجھدار لوگوں کو ایک ایک کرکے وردھا اسکیم کی خوبیاں سمجھائیں۔ ان کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ لوگ اب نہ صرف اپنے بچوں کا تکلی چلانا اچھا سمجھتے ہیں بلکہ بڑے اور جوان لوگ بھی اب تکلی چلانے کے لئے تیار ہوگئے ہیں۔

مدرسے میں برہمن، چمار، گونڈ اور راجپوتوں کے لڑکے پڑھتے ہیں۔ پہلے تو یہ حالت تھی کہ اونچی ذات کے لڑکے چمار لڑکوں کو ذرا سی بات پر پیٹ دیا کرتے تھے کہ چمار لڑکے نے ان کو ذرا سا چھو دیا۔ مگر اب یہ شکایت کم ہوگئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ استاد کو چمار لڑکوں سے روزانہ چھو جاتے دیکھتے ہیں اور ممکن ہے یہ وجہ بھی ہو کہ چمار لڑکے کاتنے وغیرہ کے کام میں دوسرے لڑکوں سے کم نہیں ہیں اس سے اونچی ذات کے لڑکوں کے دلوں میں چماروں کی زیادہ عزت پیدا ہوتی ہے۔

پیپھڑتال کے اسکول میں تیس کے قریب لڑکے روزانہ آتے ہیں۔ ان میں سے ۹ کے قریب نو، سال کی عمر سے کم ہیں۔ یہ لڑکے یہاں باقاعدہ طور پر داخل نہیں کئے گئے ہیں۔ صرف ۲۱ ہی لڑکے باقاعدہ طور پر داخل کئے گئے ہیں۔ یہاں یہ کہنا ٹھیک معلوم ہوتا ہے کہ وردھا اسکیم کے اسکولوں میں پڑھانے والے استادوں کو ۷ سال سے کم عمر کے بچوں کے لئے کھیل کود اور تھوڑا بہت ہاتھ کا کام سکھانے کے لئے انتظام کرنا چاہئے۔ اس سے نیچے لکھے ہوئے فائدے حاصل ہو سکتے ہیں:-

پہلا فائدہ تو یہ ہوگا کہ جب بچے چار سال سے اوپر کے ہو جاتے ہیں تو گاؤں کی عورتیں انھیں چھوڑ دیتی ہیں۔ وہ اپنے دھندوں میں اتنی مصروف ہوتی ہیں کہ انھیں بچوں کی دیکھ بھال کے لئے وقت نہیں ملتا۔ ایسی صورت میں اگر مدرسے والے ان کے لئے کھیل کود کا تھوڑا سا انتظام کر دیں تو بہتر ہوگا۔ اس کے علاوہ اگر چھوٹی عمر میں بچے مدرسے آنے لگیں گے تو بڑے ہونے پر انھیں مدرسے آتے سے ڈر نہیں لگے گا۔ چونکہ وردھا اسکیم کے اسکولوں میں کام کو ہمیشہ پیش نظر رکھا جاتا ہے چھوٹے بچے بھی دستکاری کی عظمت دیکھ کر اس سے دلچسپی لیں گے۔ ہمارے مدرسے میں چھوٹے بچوں سے کچرا اور دھنی ہوئی روئی اکٹھا کرنے کا کام لیا جاتا ہے۔ ایسا کرنے سے چھوٹے بچے بہت خوش ہوتے ہیں اور یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ وہ بھی اسکول کے خاندان کا ایک حصہ ہیں:-

اسکول کے دفتر میں ہر لڑکے کا فائل رکھا رہتا ہے جس میں نیچے لکھی ہوئی باتیں درج کی جاتی ہیں:-

۱ - لڑکے کے گھر کا حال، والدین کی مالی حالت اور ان کا کام (پیشہ) وغیرہ۔

۲ - لڑکے کے جسم کی پوری جانچ کی تفصیل۔ یہ کام ڈاکٹر کرتا ہے اور بچوں کی بیماری کی طرف پورا دھیان دیا جاتا ہے۔ دوا دینے کا انتظام بھی ہے ڈاکٹری جانچ ہوشنگ آباد کے ایک سنی ڈاکٹر صاحب مفت کرتے ہیں۔

۳ - ہر لڑکے کے ذہن کی جانچ کی جاتی ہے اور اس کی رپورٹ اس کے فائل میں رکھ دی جاتی ہے۔

۴ - ہر روز لڑکے آدھ گھنٹہ چپ چاپ کتائی کرتے ہیں۔ اس کتائی کے تار گنے جاتے ہیں اور اس طرح اس کے کاتنے کی رفتار روز کی روز اس کے فائل میں لکھ دی جاتی ہے۔

۵ - ریاضی اور زبان میں بچے جس قدر ترقی کرتے ہیں اس کی تفصیل بھی اس کے فائل میں لکھی جاتی ہے۔

۶ - بچے کے اخلاق کے سلسلے میں جو باتیں دیکھی جاتی ہیں وہ بھی فائل میں درج کر دی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر دیکھئے:-

"چھنو لال لگاتار کوئی کام نہیں کر سکتا، جلد تھک جاتا ہے۔"

"ریوارام بات بات پر دوسرے لڑکوں کو پیٹ دیتا ہے۔"

"کھیم چند استاد کی مدد کے لئے تیار رہتا ہے لیکن دوسرے لڑکوں سے مل کر کام نہیں کر سکتا۔"

ہر لڑکے کا اس قسم کا فائل رکھنے سے نیچے لکھے ہوئے فائدے حاصل ہوتے ہیں:-

۱۔ اسکول میں پڑھائی وغیرہ کی ترقی کی رفتار معلوم ہو جائے گی۔ معمولی اسکولوں کے مقابلے میں وردھا اسکیم کے اسکولوں میں جس قدر ترقی ہوتی ہے اس کا بھی پتہ چل جائے گا۔

۲۔ بچے کی بری عادتوں کو دور کرنے کی تدبیریں معلوم ہو جائیں گی۔

۳۔ اگر وردھا اسکیم کے ہر اسکول میں ایسے ہی فائل رکھے جائیں تو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ کتنی دیر میں پروگرام کا کس قدر حصہ پڑھایا جا سکتا ہے۔

اس وقت تک تکلی کی کتائی کے ذریعے نیچے لکھے ہوئے مضمونوں کا لڑکوں کو علم کرایا گیا ہے:-

دھات اور لکڑی کا فرق۔ پیتل، لوہے، ٹین اور سلور میں کون سی دھات ہلکی ہوتی ہے اور کون سی بھاری۔ ٹین اور سلور کی تکلی کیوں نہیں بنائی جاتی۔ اس کی پنڈی گول کیوں بنائی جاتی ہے، چوپہل کیوں نہیں بنائی جاتی۔ مہذب قوموں میں پیسے کی اہمیت۔ جتنی مشینیں بنتی ہیں ان کی بنیاد پہیہ ہے۔ چمڑا پہننے والی اور ننگ دھڑنگ رہنے والی قوموں کی عادتیں۔ یہ سب سبق زبانی پڑھائے گئے ہیں۔ سبق پڑھاتے وقت اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ بچے اسٹینڈرڈ ہندستانی میں بات چیت کرنا سیکھ جائیں۔ ابھی لکھنے کی مشق نہیں کرائی جاتی۔ اس کے علاوہ بچوں کو کہانی ناٹک کی صورت میں کہنے کی مشق بھی کرائی گئی ہے۔ بچوں کو اکثر جانوروں کی کہانیاں پسند آئیں اور جانوروں کے اشاروں کو ناٹک کی صورت میں ادا کرنا بچوں کو بہت اچھا معلوم ہوا۔ زبان کی پڑھائی ہوگا کے طریقے پر کی جا رہی ہے۔ پہلے تو گاؤں والوں نے اس طریقے پر اعتراض کیا لیکن جب ان کو سمجھایا گیا کہ تعلیم کے نئے طریقے سے بچے تین ہی مہینے میں کتابیں پڑھنا شروع کر دیں گے تو ان کو اطمینان ہو گیا۔ ہمیں مکمل یقین ہے کہ تین مہینے میں بچے آسان کہانیاں پڑھنا سیکھ جائیں گے۔

وردھا اسکیم کی ایک بڑی صفت یہ ہے کہ اس سے استاد ہر لڑکے پر انفرادی طور پر دھیان دے سکتا ہے۔ ہر ایک لڑکے کی درستی اور ان کے گننے کے طریقے کو الگ الگ پرکھا جاتا ہے۔ اس طریقے سے بچوں کو اپنی غلطیوں کا علم بھی ٹھیک طرح ہو جاتا ہے۔

بہت سے لوگ وردھا اسکیم پر اس پہلو سے اعتراض کرتے ہیں کہ تین گھنٹے دس منٹ تک کاتتے کاتتے بچے تھک جاتے ہوں گے۔ ہمارا تجربہ یہ ہے کہ بچے ڈھائی گھنٹے لگاتار کاتتے رہیں تب بھی نہیں تھکتے۔ ایک روز گیارہ بجے سے ۲ بج کر دس منٹ تک مسلسل کتائی کرائی گئی۔ دو لڑکوں کے علاوہ باقی سب لڑکے بدستور چاق رہے اور ان کے چہرے سے تھکاوٹ کا کوئی اظہار نہیں ہوتا تھا۔ اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب بچے کاتتے ہیں تو اپنا سوت مہین سے مہین بنانا چاہتے ہیں اور اپنے سوت کو ترقی دینے میں اس قدر محو ہو جاتے ہیں کہ انھیں وقت کا احساس نہیں ہوتا۔ ورنہ سچ یہ ہے کہ اتنی دیر تک کاتتے رہنا بچوں کے لئے غیر دلچسپ ضرور ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بڑے ہو کر انھیں آٹھ دس گھنٹے روزانہ ضرور محنت کرنی پڑے گی۔ اسکول میں انھوں نے کام میں تین گھنٹے صرف کر دئے تو کیا حرج ہے!

دن کا کام ڈیڑھ گھنٹے کی کتائی سے شروع کیا جاتا ہے۔ ابھی لڑکے کاتتے ہی رہتے ہیں کہ استاد ایک لڑکے کو گنتا سکھلاتا ہے۔ گنتی کے بعد ناٹک کی صورت میں ایک کہانی کہی جاتی ہے جس سے لڑکوں کو اچھلنے کودنے کا موقع مل جاتا ہے اور ڈیڑھ گھنٹہ لگاتار بیٹھے رہنے سے جو تھکاوٹ ہو جاتی ہے اس کی تلافی ہو جاتی ہے۔ پھر کتائی شروع ہوتی ہے اور اس کے بعد ورزش ہوتی ہے۔ ورزش کے بعد زبان کا سبق ہوتا ہے اور آخر میں آدھ گھنٹے کی مون (خاموش) کتائی ہوتی ہے۔ چند مہینوں میں کھیتی اور دھنائی کے کام کے لئے لڑکوں کی پانچ پانچ کی ٹولیاں بنا دی جائیں گی۔ "آلڈوکس ہے" کا قول ہے کہ "اگر انسان چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں کام کرے تو کام سوچ بچار سے ہوگا۔ اگر پندرہ بیس آدمی مل کر کام کریں گے تو آدمی سوچ بچار سے کام لینے سے قاصر رہے گا۔" ہکس لے کے اس قول کو ہم بچوں کی ٹولیاں بناتے وقت پیش نظر رکھیں گے۔

اسکول کھلنے کا اثر تمام گاؤں پر پڑا ہے۔ بڑے اور جوان لوگ بھی پڑھنا سیکھ رہے ہیں۔ ان کے لئے رات کو اسکول ہوتا ہے۔ جب یہ لوگ پڑھ لکھ لیں گے تو ان کو تکلی بھی سکھائی جائے گی۔ لڑکیوں کو بھی لکھنے پڑھنے کا شوق ہو گیا ہے اور ان کے لئے سینے پرونے اور ہندی پڑھانے کا انتظام کر دیا گیا ہے۔ گاؤں میں کل ۹۹ گھر ہیں اور ان میں سے ۹۰ آدمی ایک کمرے کے ایک مدرسے میں تعلیم پا رہے ہیں۔ ہمارے مدرسوں کے دروازے صبح ۷ سے ۱۱ بجے تک کھلے رہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر گاؤں کے استاد کی بیوی تعلیم کے کاموں سے دلچسپی رکھتی ہو تو وہ گاؤں کی اصلاح میں بہت کام کر سکتی ہے۔ ایسے مردوں اور عورتوں کی ٹریننگ کا ایک ساتھ انتظام کیا جائے تو وہ گاؤں میں جا کر زیادہ خوبی سے کام کر سکیں گے۔

تکلی۔ کتائی کی غلطیوں کی یادداشت

"آدھ گھنٹے کی کتائی" کے عنوان سے ایک مضمون میں کہا گیا ہے کہ جب طالب علم چپ چاپ کات رہے ہوں تو "استاد ہر طالب علم کے سامنے کھڑا ہو کر اس کا کاتنا دیکھے گا اور اس کی غلطیوں کو نوٹ کرے گا۔" اس مضمون میں کاتنے والے کی غلطیوں کی یادداشت کا ایک طریقہ تجویز کیا جائے گا۔ ہمارا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ غلطیوں کی یادداشت کا طریقہ صرف یہی ہے یا یہی برتنا چاہئے۔ مجھے تجربے سے جو طریقہ قابل عمل معلوم ہوا ہے اسی کا یہاں ایک تذکرہ کرنا مقصود ہے۔

غلطیوں کی یادداشت کا طریقہ لکھنے سے پہلے یہ لکھنا ضروری ہے کہ تکلی کی کتائی میں کیا کیا غلطی ہو سکتی ہے: غلطیوں کے نام کے ساتھ ان کو سمجھنے کے لئے تھوڑا سا ضروری بیان دے دیا گیا ہے۔ یہ تشریح مکمل نہیں ہے اس لئے کہ یہ مضمون خاص طور پر استادوں کے لئے ہے جو کاتنا بخوبی جانتے ہیں۔ اس لئے غلطیوں کا یہ تھوڑا سا بیان بھی کافی ہوگا۔

(۱) دھاندھلی: کتائی کرتے وقت ہمیں اطمینان ہونا چاہئے۔ اطمینان کے ساتھ کاتنے سے رفتار بڑھتی ہے، سوت اچھا آتا ہے اور دل بھی خوش ہوتا ہے۔ کچھ لوگ بے اطمینانی کے ساتھ کاتتے ہیں گویا ان کے سامنے کوئی شیر کھڑا ہے۔

(۲) نشست کا ٹھیک نہ ہونا: جس ہاتھ سے تکلی کاتی ہو، اُس طرف کی جانگھ اونچی ہونا چاہئے، اس طرح کہ دائیں پیر کا تالو اندر کو ہو اور بائیں پیر کا، تلو باہر کی طرف۔ اگر بائیں ہاتھ سے کاتنا ہو تو ٹھیک اسی طریقے کا الٹ ہوگا۔ نشست کی یہ شکل نہ ہو یا جانگھ ضرورت سے زیادہ اونچی نیچی رہے تو وہ غلطی ہوگی۔

(۳) پیٹھ کو جھکا کر بیٹھنا:۔

(۴) ایک طرف کو جھکنا: تکلی جس ہاتھ سے کاتی جاتی ہے اس جانب کے اوپر کا حصہ جھکا رہتا ہے۔ بعض لوگ اس حصے کو زیادہ جھکا دیتے ہیں۔ کسی قدر جھکا رہنا تو قدرتی امر ہے لیکن زیادہ جھکانا غلطی ہے۔

(۵) تکلی کے قاعدے کا ٹھیک نہ ہونا: کاتتے وقت تکلی کاغذ یا گتے کے جس ٹکڑے پر ٹک کر گھومتی ہے، اسے تکلی کا قاعدہ کہتے ہیں۔ اس قاعدے کا جانگھ کے پاس ٹھیک فاصلے پر نہ ہونا، اس کا زیادہ سخت اور زیادہ نرم ہونا غلطی ہے۔ دھاگے کا سخت یا نرم ہونا بھی غلط ہے۔ جب سوت کٹ جاتا ہے تو اسے لپیٹنے کے لئے تکلی کو کسی قدر جھکانا پڑتا ہے، اس لئے تکلی کے پہیئے کو ذرا اونچا رکھنا سہولت بخش ہوگا تاکہ وہ ہماری طرف کو کھسک نہ آئے۔ اس طریقے کے خلاف کرنا غلط ہوگا۔

(۶) کم تار رکھنا: جب تکلی پر نئے دھاگے کی کتائی شروع کی جاتی ہے تو تکلی کے سرے پر ۹ سے ۱۵ انچ تک تار چھوڑا جاتا ہے۔ اس سے کم یا زیادہ لمبائی کا تار چھوڑنا غلطی ہوگی۔

(۷) ٹھیک آغاز نہ ہونا: ہر دھاگے کے شروع میں پونی کی چٹکی پر زیادہ داب دینا پڑتا ہے یا بٹ دینے سے پہلے پونی والے ہاتھ کو کھینچ لینا پڑتا ہے، تاکہ زیادہ بٹ دے دینے کے سبب سے سوت موٹا نہ آئے۔ اس طریقے کو نہ برتنا غلطی ہے۔

(۸) بٹ ٹھیک نہ دینا: تکلی کو ہاتھ کے تالو کے بجائے انگلیوں کے ذریعے سے بٹ دینا، یا جانگھ پر مناسب جگہ پر تکلی کو رکھ کر بٹ نہ دینا غلطی ہے۔ اس طرح بٹ کم پڑتا ہے۔

(۹) تکلی کو قاعدے پر نہ ٹکانا: کاتتے وقت تکلی قاعدے پر ٹکی ہونی چاہئے۔ ایسا نہ کرنا غلطی ہے۔

(۱۰) زیادہ بٹ دینا: جس طرح کا اور جس رفتار سے سوت کاتنا ہو، اسی کے مطابق ضروری بٹ دینا چاہئے۔ اس سے زیادہ بٹ دینا غلط ہوگا اس لئے کہ اس سے سوت ناہموار آتا ہے، ٹوٹ جاتا ہے اور خرابی پیدا ہوتی ہے۔

(۱۱) ہاتھ تکلی کے سرے کے پاس رکھنا: بٹ دینے کے بعد کاتتے وقت ہاتھ تکلی کے سرے کے بالکل پاس نہیں ہونا چاہئے ورنہ بٹ کم ہو جائے گا اور سوت ٹوٹنے کا اندیشہ رہے گا۔

(۱۲) ہاتھ یکساں نہ لے جانا: بٹ دینے کے بعد جس ہاتھ میں پونی ہوتی ہے اسے شروع میں تکلی کے سرے کی سیدھ میں اونچا کرنا چاہئے اور بعد میں جھکانا چاہئے۔ ایسا نہ کرنا غلطی ہے۔

(۱۳) دھاگے کو جھٹکے سے کھینچنا: سوت کاتتے وقت دھاگے کو یکساں طور پر کھینچنا چاہئے نہ یہ کہ کبھی کھینچا اور کبھی ٹھہر گئے۔ جس طرح گھڑی کی سوئیاں مسلسل کھسکتی رہتی ہیں، بیچ میں رک رک کر نہیں چلتیں دھاگے کو بالکل اسی طرح کھینچنا چاہئے۔

(۱۴) چٹکی کا ٹھیک استعمال نہ کرنا: پونی والے ہاتھ میں جو چٹکی ہوتی

ہے اس کا کام یہ ہے کہ وہ سوت کی ہمواری کے لئے پونی کو قابو میں رکھے۔ بہت سے نو آموز کاتنے والے تو چٹی کا بالکل استعمال ہی نہیں کرتے، چٹی کھول دیتے ہیں یا پونی کو ضرورت سے زیادہ چٹی سے باہر نکال دیتے ہیں۔ اس کی وجہ سے پونی پر چٹی ٹھیک طور سے قابو نہیں رکھ سکتی۔

(۱۵) دھاگا چھوٹا کاتنا۔ جتنا لمبا دھاگا آسانی سے کاتا جا سکتا ہے اس سے بھی کم لمبا دھاگا کاتنا غلطی ہے۔ ایسا کرنے سے رفتار کم ہو جاتی ہے اس لئے کہ دھاگے کے کٹ جانے کے بعد اسے لپیٹنے اور پھر نیا دھاگا شروع کرنے میں جو وقت صرف ہوتا ہے وہ تو بڑے چھوٹے دونوں طرح کے دھاگوں میں یکساں ہوتا ہے۔ اس لئے پوری لمبائی کا دھاگا کاتنا چاہئے۔

(۱۶) زیادہ لمبا دھاگا کاتنا۔ حد سے زیادہ لمبا دھاگا کاتنے میں دقت ہوتی ہے اور وقت بھی بہت لگتا ہے۔

(۱۷) لپیٹنا نہ آنا:۔ دھاگا جب کٹ جائے تو اسے تکلی پر ایک ہی سیاٹے میں ٹھیک طرح لپیٹنا جاننا چاہئے۔ یہ طریقہ معلوم نہ ہونے سے مجبوراً جھٹکے میں یا انگلیوں سے تکلی کو گھما گھما کر دھاگا لپیٹنا پڑتا ہے جس میں وقت زیادہ صرف ہو جاتا ہے۔

(۱۸) لپیٹنے کے بعد فوراً دوسرا دھاگا شروع نہ کرنا:۔ ایک دھاگے کو تکلی پر لپیٹ لینے کے بعد فوراً ہی دوسرا دھاگا شروع کر دینا چاہئے۔ اکثر لوگ اتنی تیزی نہیں کر پاتے۔

(۱۹) راکھ کا استعمال نہ کرنا:۔ کاتتے وقت تکلی پر راکھ کے استعمال کو لازمی سمجھنا چاہئے۔ اس سے رفتار میں نمایاں فرق پڑتا ہے۔

(۲۰) لپیٹے پر ٹھیک طور سے نہ لپیٹنا:۔ تکلی پر سے سوت کو لپیٹے پر لپیٹنے کے لئے ہاتھ کی حرکت لپیٹے کی اوپر کی طرف — سینے کی طرف سے سامنے کی جانب — ہونا چاہئے۔ لپیٹنے پر کا عمل اوپر کی جانب سے ہونا چاہئے۔ جس ہاتھ میں تکلی ہو اس کی حرکت کلائی سے ہونی چاہئے، کہنی کی طرف سے نہ ہو۔

غرض تکلی پر کاتنے اور لپیٹنے میں عام طور سے یہ ۲۰ طرح کی غلطیاں ہو سکتی ہیں۔ اوپر جتنی غلطیوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے انہی میں تھوڑے سے اختلاف کی وجہ سے اور بھی قسمیں غلطیوں کی نکل سکتی ہیں لیکن سیدھے سادے کام میں ان کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔

اب ان غلطیوں کی یادداشت کے رکھنے کے طریقے کو لیجئے۔ غلطی کا پورا پورا نام لکھنے کے بجائے ان کے مختصر سے نشانات مقرر کئے جائیں تو زیادہ آسانی ہوگی اس لئے کہ ایک ہی استاد کو متعدد طلبا کی غلطیوں کی یادداشت رکھنی ہوگی جن غلطیوں کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، ہم ان کے مختصر نشانات کے لئے ان کے نمبروں ہی کو مقرر کر لیں گے مثلاً ۳ لکھنے سے "پیٹھ جھکا کر بیٹھنا" یا ۹ لکھنے سے "ٹھیک آغاز نہ کرنا" سمجھ لینا چاہئے۔ فرض کیجئے مسعود نام کا ایک طالب علم کات رہا ہے تو استاد کو چاہئے کہ اس کے نام کے سامنے ۱۰ کا صرف نمبر لکھ دے اس لئے کہ ہم نے اغلاط کی جو فہرست بنائی ہے اس میں دسویں نمبر پر "تکلی کا قاعدے پر نہ رکنا" کا ذکر ہے۔ اسی طرح اگر مسعود جھٹکے سے دھاگا کھینچتا ہے تو اس کے نام کے سامنے ۔ انہیں کے بعد کا سے کا نشان بنا کر ۱۳ کا نمبر لکھنا ہوگا۔ غرض مختلف طالب علموں کے ناموں کے سامنے مختلف عدد لکھے ہوں گے۔

ایک جماعت میں آدھ گھنٹے کی جانچ کے بعد استاد کے پاس اس قسم کی ایک فہرست تیار ہو جائے گی۔

		تاریخ ۱۰-۵-۳۹	۱۱-۵-۳۹
نمبر شمار	نام طالب علم	غلطی کے نمبر	غلطی کے نمبر
۱	مسعود	۸، ۱۱، ۷، ۶	۴، ۱۱، ۷
۲	محمود	۲	۲، ۹
۳	مظفر	اچھا	۱۰
۴	منور	۴، ۱۰	۴، ۱۰، ۳

آدھ گھنٹے کی کتائی کے بعد استاد ہر طالب علم کو اس کی غلطیاں سمجھا دے گا بضرورت ہو تو خود کات کر براہ راست مشاہدے کے ذریعے غلطی اور اس کی درستی کا طریقہ بھی بتا دیا جائے۔ جو طالب علم لکھ سکتے ہوں ان سے ان کے نام کی بہی میں غلطیوں کا اندراج کرا دینا مفید ہوگا۔

مشورہ:۔ (۱) ایک ہی دن میں استاد تمام طالب علموں کی غلطیاں نہ دیکھ سکے گا۔ اس لئے چاہئے یہ کہ آج کچھ لڑکوں کی غلطیاں دیکھے، پھر کل کچھ کی، پھر پرسوں۔ اس طرح دو تین دن میں پوری جماعت کے طالب علموں کی غلطیوں کو دیکھ کر ان کی یادداشت آسانی سے تیار کی جا سکتی ہے۔

(۲) جس طالب علم کی ایک سے زیادہ غلطیاں نظر آئیں، اس کے لئے استاد کو چاہئے کہ پہلے وہ طالب علم کی خاص خاص خامی کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ اگر اس نے ایک ہی بار تمام خامیاں دور کرانے کی کوشش کی تو ٹھیک طور سے ایک خامی بھی دور نہ ہو سکے گی۔

(۳) جو طالب علم اچھا کاتتا ہو، اسے بیچ بیچ میں کام بند کر کے استاد اپنے ساتھ لے لے، اور اس سے دوسروں کی غلطیوں کو پکڑنے کے لئے کہے۔ اس طرح لڑکوں کی پرکھنے کی قوت بڑھے گی۔

ولبھ بھائی

استادوں کی تیاری

(ایک مشورہ)

بنیادی تعلیم کے استادوں کی تیاری کے تجربات کرتے ہوئے ہمیں ایک سال کا زمانہ ہو گیا اور اب دوسرا سال شروع ہو رہا ہے۔ اپریل ۱۹۳۸ء میں وردھا کے ٹریننگ اسکول میں اس تجربے کا آغاز کیا گیا تھا۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ بیلی، پٹن، دلی، پٹنہ، الہ آباد، بنارس، سری نگر، احمد آباد، لونی اور دھاروار کے ضلعوں میں مدرسے کھلتے گئے اور بنیادی تعلیم کے استاد تیار ہوتے گئے۔ ابھی حال میں گجرات کے کتار گام نامی گاؤں میں، کوئمبٹور میں اور وردھا میں تین نئے استادوں کے مدرسوں کا قیام عمل میں آیا ہے۔ مجموعی طور پر آج بارہ تعلیمی اداروں میں بنیادی تعلیم کے استاد تیار کئے جا رہے ہیں اور پانچ سو سے کچھ زیادہ ہی استاد اس نئی تعلیم کے کام میں براہ راست لگے ہوئے ہیں۔ ان اداروں میں وردھا کے ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ کے نام سے جس ادارے کا قیام جولائی میں ہوا ہے، اس کو خاص

اہمیت حاصل ہے۔ اس لئے کہ اس ادارے میں نہ صرف بنیادی تعلیم کے استاد ہی تیار کئے جائیں گے بلکہ استادوں کے بھی استاد تیار کئے جائیں گے۔ صوبہ متوسط کی حکومت نے نئی تعلیم کی اس اسکیم کو اپنے یہاں صرف ایک تجربے کے طور پر تسلیم نہیں کیا ہے بلکہ اپنے صوبے کی آیندہ تعلیم کی اسکیم کے طور پر تسلیم کیا ہے اور کوشش کر رہی ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو سارے صوبے میں اسے عملی طور پر رائج کر دے۔ اس سلسلے میں خاص طور پر تجربے کے لئے وردھا کا ضلع منتخب کیا گیا ہے اور اس ضلع کے سارے ابتدائی مدرسوں کے استاد باری باری سے اس نئے طریقۂ تعلیم کے مطابق وردھا ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ میں تیار کئے جاتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ خیال بھی ہے کہ صوبہ متوسط میں جتنے تعلیمی ادارے ہیں ان کو ایک سال میں بنیادی تعلیم کے مرکزوں کی شکل میں تبدیل کر دیا جائے اور جون ۱۹۳۸ء سے اس نئے طریقے کے استاد اپنے یہاں تیار کر سکیں۔ اسی مقصد سے یعنی نارمل اسکولوں کے استادوں کے ذریعے بنیادی استاد تیار کرانے کے انتظام کے طور پر اس ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ کا قیام عمل میں آیا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ سارے صوبۂ متوسط میں اس نئی تعلیم کے تجربے کے لئے یہ ادارہ مرکز کا کام دے گا۔ یہاں سے نئی تعلیم کے اصول اور مشاہدے کی مکمل تعلیم پا کر یہ استاد اپنے اپنے اداروں میں جا کر بنیادی تعلیم کے استاد تیار کریں گے اور اس طرح سارے صوبے کے ابتدائی مدارس میں اس تجربے کا جو پرچار کیا جانے والا ہے اس میں ہاتھ بٹائیں گے۔ اس لئے ہمارے نزدیک تو اس ادارے نے اپنے اوپر ایک بہت بڑی ذمہ داری لے لی ہے۔

ان استادوں کی تعلیم کا مسئلہ بھی بہت اہم ہے، اس لئے کہ ان کو ۵ مہینے کے قلیل عرصے میں دو ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا ہے، ایک تو نئی تعلیم کے استاد بننے کے لئے قابلیت فراہم کرنا اور پھر دوسرے نئے استاد تیار کرنے کے لئے خود کو تیار کرنا۔ ظاہر ہے کہ تعلیم میں ان کی کامیابی ہی پر سارے صوبے میں اس اسکیم کے تجربے کی کامیابی کا دارو مدار ہے۔

تعلیم کے اس تجربے کے لئے ہمارے پاس اگر کافی وقت ہوتا تو اس کی نشو و نما ہم مختلف پہلو سے کرتے یعنی پہلے ہم بچوں ہی کے ساتھ اس تعلیم کا تجربہ کرتے اور آہستہ آہستہ اس نئی تعلیم کے اصول اور ادب کو خوب مضبوط کرنے کے بعد اسی کی بنیاد پر استادوں کو تیار کرنے کا طریقہ ایجاد کرتے۔ لیکن ہمیں تو بہت تھوڑے سے وقت میں ایک بڑی تعلیمی اسکیم کو عملی جامہ پہنانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نئی تعلیم کے اصول کے مطابق بچوں کی نشو و نما، استادوں کی تیاری اور پھر استادوں کو پڑھانے والوں کی تعلیم، ان تینوں پروگراموں کو ایک ہی ساتھ ہاتھ میں لینا پڑا۔ اس کی تکمیل کے لئے ہمیں کوئی نہ کوئی راستہ تو نکالنا ہی پڑے گا۔

گذشتہ سال جب وردھا ٹریننگ اسکول میں استادوں کا پہلا گروہ تعلیم حاصل کر رہا تھا تو اس سلسلے میں کہ استادوں کو اپنی تیاری کے لئے کیا کیا باتیں سیکھنی ضروری ہیں، شری جت ونوبا جی نے کسی قدر مزاح کے انداز میں فرمایا تھا:-

"آپ لوگ ساڑھے پانچ مہینے کے لئے یہاں آئے ہیں۔ ان ساڑھے پانچ مہینوں میں آپ کو ساڑھے پانچ باتیں سیکھنا ضروری ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ جو دستکاری اس نئی تعلیم کا خاص ذریعہ ہے اسے آپ پورے طور پر حاصل کریں۔ دوسرے اس دستکاری کی تعریف پر آپ کو عبور ہونا چاہئے۔ علم کے ذریعے کے دو پہلو ہیں، ایک ہاتھ اور ایک زبان۔ ان دونوں ذریعوں میں ہم آہنگی پیدا ہوگی اسی وقت جب یہ علم کے لئے صحیح اور کامل طور پر ذریعے بن سکیں گے۔ تیسرے یہ کہ جس دستکاری کے ذریعے آپ بچے کی نشو و نما کرنا چاہیں اس کے متعلق جس قدر علمی معلومات ہوں، ان سب میں آپ کو پورا کمال حاصل ہونا چاہئے۔ اس فن سے جغرافیہ، تاریخ، سائنس، معاشیات وغیرہ کو جس حد تک تعلق ہو آپ کو اس پر عبور حاصل ہونا چاہئے۔ چوتھے، دستکاری کے ذریعے جن مضامین کا آپ بچے کو علم کرانا چاہتے ہیں ان کی ترتیب و پروگرام کا آپ کو پورا علم ہونا چاہئے۔ پانچویں علم الاطفال اور فن تعلیم کی باریکیاں بھی آپ کو بھلی بھانت جاننی چاہئیں۔ اس لئے کہ علم الاطفال اور فن تعلیم کی زیادہ سے زیادہ ضرورت اگر کسی کو ہوتی ہے تو وہ بچوں کے استاد ہیں۔ اب رہ گئی آدھی بات اور یہی آدھی بات سب پوری باتوں سے زیادہ اہم ہے۔ وہ ہے دستکاری کے ذریعے تعلیم دینے کا نظریہ! اگر آپ نے یہ ساڑھے پانچ باتیں سیکھ لیں اور ساتھ ہی آپ کے دل میں خدمت کی لگن بھی ہے تو آپ بخوبی بنیادی تعلیم کے استاد بن سکیں گے۔"

ونوبا جی کی بتائی ہوئی ان ساڑھے پانچ باتوں کو ہم اپنے استادوں کے مدرسوں میں تعلیم کے پروگرام کی بنیاد بنا سکتے ہیں، خواہ بنیادی تعلیم کے استاد تیار کرنے ہوں یا استادوں کے پڑھانے والوں کی تعلیم ہو۔ ان ساڑھے پانچ باتوں کا واضح اور فاضلانہ علم ہمارے لئے نہایت ضروری ہے۔

اب دوسرا سوال یہ ہے کہ ان ساڑھے پانچ باتوں کو ہم ساڑھے پانچ ہی مان کر سکھیں یا ایک تسلیم کر کے؟ اس تعلیم کا آخری مقصد ہے ہماری قوم کے بچے جب ہم یہ باتیں بچوں کو سکھائیں گے تو ہمیں یہ ساڑھے پانچوں باتیں ان کے سامنے ایک چیز کی حیثیت سے پیش کرنی ہوں گی۔ ہم جو تعلیم بچے کو دیں گے اس میں دستکاری کا فن، اس کی تعریف اور اس کی علمی واقفیت، فن تعلیم اور علم الاطفال سب باتوں کا پورا نچوڑ تو ہوگا ہی، مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ ضروری ہے کہ یہ سب باتیں مختلف ہوتے ہوئے بھی ایک ہی ہوں، جیسے متعدد ندیوں کا پانی مل کر ایک دھارے میں بہتا ہے، نہ ان میں رنگ کا کوئی بھید رہ جاتا ہے اور نہ مزے کا صرف ایک وار پار دھارا ہی نظر آتا ہے۔

اس نئی تعلیم کے استادوں کی تیاری میں سب سے اہم سوال یہی ہے کہ ان ساڑھے پانچ باتوں میں ایک دوسرے سے کیسے ربط پیدا کیا جائے۔

اس سلسلے میں وردھا کے ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ میں جس تجربے کا آغاز ہوا ہے اس کا ایک مختصر سا خاکہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ بنیادی تعلیم کے استادوں کے مدرسوں میں جتنے استاد کام کر رہے ہیں وہ سب لوگ اس تجربے پر غور کریں اور اس موضوع پر اپنے اپنے مشورے بھیجیں اس لئے کہ ہمارے تجربے کا یہ پہلا ہی زینہ ہے۔ لہذا تمام استادوں کی مشترکہ کوشش ہی سے ہم اس نئی تعلیم کے استادوں کی تیاری کا ایک مانا ہوا طریقہ ایجاد کر سکیں گے۔

ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ کے تمام طلبا تجربہ کار استاد ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ان میں سے بیشتر نارمل اسکول کے استاد ہیں یعنی موجودہ طریقۂ تعلیم کے مطابق استاد تیار کرنے کا بھی انھیں کافی تجربہ ہے۔ ان سے یہ امید کی جاتی ہے کہ انھیں بنیادی تعلیم کے مدرس کا پروگرام معلوم ہے اور وہ علم الاطفال اور فن تعلیم میں بھی کافی دخل رکھتے ہیں۔ انھیں اپنی معلومات کو ایک نئی شکل دینا ہے۔ ہمیں ایک خاص دستکاری کے ذریعے اور علم الاطفال کے مطابق بچوں کو تعلیم دینے اور ان کی قوتوں کی نشو و نما کی ایک نئی راہ سیکھنی ہے اور صرف سیکھنا ہی نہیں ہے بلکہ اس نئی راہ سے اس درجہ واقف ہونا ہے کہ اسی طریقے کے ماتحت دوسرے استاد بھی تیار کئے جا سکیں۔

اس طریقے کے کامیاب تجربے کے لئے دو باتیں ضروری ہیں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ جس دستکاری کے ذریعے بچوں کو تعلیم دینا ہے اس دستکاری کا فن، اس کی تعریف اور اس کے علمی پہلو سے واقفیت اور اس پر قابو ہونا، دوسرے ان استادوں میں شاگردانہ ذہنیت ہونی ضروری ہے۔ جب تک وہ اپنے تصور کی مدد سے سات سال کے بچے کی جگہ پر محسوس نہیں کریں گے، اس وقت تک وہ بچوں کے لئے کامیاب استاد نہیں بن سکتے۔ اسی لئے ان استادوں کی تیاری کے سلسلے میں سفارش کی گئی ہے کہ وہ اپنا بیشتر وقت بنیادی دستکاری کو سیکھنے میں صرف کریں۔ پھر اسی تعلیم کی بنیاد پر بنیادی نصاب کے مطابق بچوں کے فطری رجحانات کو پیش نظر رکھ کر ان کے لئے

ایسے سبق تیار کریں جو ایک دوسرے سے ہم آہنگ اور مربوط (Correlated)
ہوں اور اس کے ساتھ ہی ان سبقوں کی فن تعلیم، مادری زبان، ریاضی، سماج کے علم
وغیرہ مضامین کی روشنی میں جانچ کی جائے۔ اس کے بعد جو سبق مناسب معلوم ہو
اس کا تجربہ ٹریننگ اسکول کے بچوں پر کیا جائے۔ اس تجربے کے بعد استاد اور
شاگرد اس سبق کی موزونیت کے متعلق غور کریں۔ اس طرح غور، بحث اور براہ
راست تجربے کے تین ذریعوں سے اس سبق کی جلد جانچ ہو سکے گی۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تعلیم جان دار ہو۔ جو دستکاری، ہاتھ کا کام ہماری
تعلیم کا خاص ذریعہ ہے اس کی ترقی کے ساتھ ساتھ بچوں کی تعلیم بھی آگے کو بڑھنی
چاہئے۔ ان دونوں میں ایک فطری رشتہ ہے۔ استادوں کی تیاری میں ہمیں اسی
اصول پر عمل کرنا ہے۔

فہرست مضامین

پرنٹر و پبلشر: حامد علی خاں — مطبوعہ جید برقی پریس دہلی — مدیر: آشا دیوی

رجسٹرڈ نمبر: ایل ۷۴۴۴

نئی تعلیم

(ہندستانی تعلیمی سنگھ کا پرچہ)

جلد ۱، نمبر ۹	دہلی، ستمبر ۱۹۳۹ء	قیمت سالانہ عہ

بنیادی تعلیم کی رفتار

اردو بیسک ٹریننگ سنٹر، جلگاؤں صوبہ بمبئی

بڑی خوشی کی بات ہے کہ ۲۰ جولائی کو صوبہ بمبئی کے اردو بولنے والے استادوں کے لئے ایک علیحدہ ٹریننگ اسکول کھولا گیا ہے۔ صوبہ بمبئی کے مختلف ضلعوں سے ۳۰ استاد اس ٹریننگ اسکول میں داخل ہوئے ہیں۔ جلگاؤں کے چاروں طرف کپاس کا علاقہ ہے، اس لئے اس ٹریننگ کے مرکز کے لئے بنیادی دستکاری کتائی منتخب ہوئی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ باغبانی اور زراعت سکھانے کا انتظام کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر عبدالحمید قاضی ایم۔ اے۔ پی ایچ۔ ڈی۔ (برلن) جو صوبہ بمبئی کے بیسک ایجوکیشنل بورڈ کے ممبر ہیں، اس ٹریننگ اسکول کے پرنسپل مقرر ہوئے ہیں۔ امید ہے کہ ان کی قابلانہ دیکھ بھال میں اس ٹریننگ اسکول کا کام بہت اچھا چلے گا۔

بیتیا تھانہ۔ ضلع چمپارن (بہار)

ضلع چمپارن کے بیتیا تھانے میں اپریل سے جو ۳۵ مدرسے کھولے گئے ہیں ان کے کام کی رفتار اور اس نئے تجربے میں استادوں کو جو جو عملی دشواریاں پیش آئی ہیں، ان کا اندازہ لگانے کے لئے ہندستانی تعلیمی سنگھ کے سکریٹری شری آریانائکم جی نے آخر جولائی کے چار پانچ دن وہاں گذارے۔ برسات کا موسم مدرسوں کو گھوم گھوم کر دیکھنے کے لئے موزوں نہیں ہے۔ مگر اس کے باوجود برسات ہی کا زمانہ پسند کیا گیا تاکہ وہ یہ دیکھ سکیں کہ بارش کے دنوں میں طالب علموں اور استادوں کو کیا کیا دقتیں پیش آتی ہیں، کھیتی کا کام شروع ہو جانے سے طالب علموں کی حاضری پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے، اور اسکول کی وہ عمارتیں جو تھوڑے خرچ سے تیار کی گئی ہیں، بارش میں کہاں تک باقی رہ سکتی ہیں۔

ذاکر حسین کمیٹی کی ہدایات کے مطابق بہار میں بنیادی تعلیم کے پہلے تجربے کے لئے بیتیا تھانے میں ایک علاقہ منتخب کیا گیا ہے، مرکز سے ۵ میل کے دائرے میں قریب قریب ۳۰ اسکول اور ۵۴ استاد کام کر رہے ہیں۔ ان کے کام کی دیکھ بھال اور جانچ کے لئے ایک انسپکٹر اور ایک ڈائرکٹر مقرر ہیں۔ ان کے خاص خاص کام یہ ہیں: عمارتوں کی دیکھ بھال، اسکول میں سامان وغیرہ تقسیم کرنا، اور دیہاتوں میں پرچار کے ذریعے دیہاتیوں کا تعاون حاصل کرنے کے لئے کوشش کرنا۔ ایسے چھوٹے علاقے میں کام کرنے سے استادوں کو ایک دوسرے سے ملنے جلنے اور ایک دوسرے کے تجربے سے فائدہ اٹھانے کا بہت موقع ملتا ہے۔

آریانائکم صاحب نے تین چار روز تک خوب گھوم گھوم کر قریب قریب سبھی مدرسوں کے کام دیکھے اور ایک دن تمام استادوں کے ساتھ مل کر ان کی مشکلوں اور سوالوں پر بحث بھی کی۔

تعلیم کا خاص مسئلہ

اس سال (۱۹۳۹ء) لندن کے یونیورسٹی کالج کی تعلیمی انجمنوں کا جو سالانہ جلسہ ہوا تھا اس کی رپورٹ ابھی شائع ہوئی ہے۔ اس جلسے میں قریب قریب ۶۵ تعلیمی انجمنوں نے حصہ لیا تھا اور اعلیٰ تعلیم اور ابتدائی تعلیم پر مختلف نقطۂ نظر سے غور کیا گیا۔ ان مباحث میں بیشتر سوال ان انجمنوں کی صورت حالات سے متعلق تھے۔ یورپ کی فضا جنگ کے بادلوں سے تاریک ہو رہی ہے*۔ اس تاریکی کا اثر ان تعلیمی انجمنوں اور خود تعلیمی مسئلے پر بھی پڑا۔ اسی اثر کے ماتحت اس مسئلے پر بھی کافی بحث ہوئی کہ موجودہ تہذیب کو جنگ کے مہلک امکانات (اب تو اثرات کہیئے) سے کس طرح بچایا جائے۔ ایک عرصے سے

* یکم ستمبر ۳۹ء کو پولینڈ پر ہر ہٹلر (جرمنی) کے غاصبانہ اقدام کی وجہ سے جنگ چھڑ گئی ہے

انگلستان میں ۵ سے ۱۴ سال تک کی عمر کے بچوں کی تعلیم لازمی ہے۔ اس سال سے لازمی تعلیم کی میعاد ایک سال اور بڑھا دی گئی ہے۔ اس مزید ایک سال کی مدت کے اچھے سے اچھے استعمال پر بھی لڑکوں اور لڑکیوں کی ہمہ گیر تعلیم کے نقطۂ خیال سے غور کیا گیا۔ ان کے سامنے ایک اور اہم مسئلہ تھا یعنی جو طالب علم اپنی تعلیم پوری کرنے کے بعد عملی زندگی میں قدم رکھتے ہیں ان کے لئے کام کے میدان کی تیاری یا پیشے کا انتخاب۔ آج مغرب کی تعلیمی دنیا نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا ہے کہ مدرسوں میں تعلیم دے کر ۱۴۔۱۵ برس کے لڑکوں اور لڑکیوں کو زندگی کی کشمکش میں چھوڑ دینے سے تعلیم کا فرض انجام نہیں پاتا بلکہ تعلیم دینے والوں کا یہ بھی فرض ہے کہ ان طالب علموں کی زندگی کے لئے مناسب کام تلاش کرنے میں مدد بھی دی جائے۔ اسی اعتراف کے پیش نظر مغرب کے نظام تعلیم میں آہستہ آہستہ پیشے کے انتخاب میں طالب علموں کی رہنمائی (Vocational Guidance) کئے جانے کی اہمیت بڑھتی جاتی ہے۔ اس کام کی تکمیل کے لئے ادارے بھی قائم کئے گئے ہیں۔ ایک نئے فن (Technique) کا ارتقا ہو رہا ہے۔ یونیورسٹیوں میں اس مسئلے پر تحقیق ہو رہی ہے اور اس کے متعلق معلومات بھی بڑی کثرت سے شائع کی جا رہی ہیں۔ آج مغربی نظام تعلیم میں اس نئی تحقیق کو بہت اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔

غرض یہ تمام مسائل ان کی تاریخ تعلیم کے قدرتی مظاہر ہیں اور ان کی مخصوص صورت حالات کے مطابق۔ ان کے ساتھ ان کی سماجی اور معاشی زندگی کا بہت گہرا رشتہ ہے۔ ان مسائل پر جو بحث و مباحثے ہوئے یا انھیں حل کرنے کی جو کوششیں ہو رہی ہیں، ان کی تعلیمی نقطۂ نظر سے بہت اہمیت ہے، مگر اس کے باوجود ان کا ہمارے مسائل کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں۔

تعلیم کا یہ مسئلہ کہ ہم بچوں کو کیا سکھائیں اور کس طرح سکھائیں دوسرے الفاظ میں تعلیم کا موضوع اور طریقۂ تعلیم کے ایسے مسائل ہیں جن میں ہم اور وہ دونوں شریک ہیں۔ اس لئے لندن کے تعلیمی جلسے میں جس نقطۂ نظر سے اس مسئلے پر بحث کی گئی وہ ہمارے لئے بھی دلچسپی کی چیز ہو گی۔

چنانچہ اس مسئلے پر جو تقریریں اور بحثیں ہوئے ان سے ایک بات ظاہر ہوتی ہے۔ یونیورسٹیوں کے اساتذہ اور دوسرے حاضرین سب کی یہی رائے تھی کہ یونیورسٹیوں کے کچھ بہت دلچسپ اور سائنٹفک طریقے پر دیئے جاتے ہیں، امتحانات کے نتیجے بھی اچھے ہوتے ہیں لیکن ہر مرتبہ یہی دیکھنے میں آتا ہے کہ امتحان کے تھوڑے عرصے کے بعد طالب علم جو کچھ سیکھ چکے ہوتے ہیں اس میں سے بیشتر حصہ بھلا دیتے ہیں۔ اس صورت حال کو دور کرنے کے لئے دو باتوں کی ضرورت ہے: ایک نصاب تعلیم کے مضامین میں بنیادی اصلاح اور دوسرے خود طریقۂ تعلیم میں تبدیلی۔

نصاب تعلیم کے مضامین میں اصلاح کی ضرورت مغرب کے ماہرین بہت عرصے سے محسوس کر رہے ہیں۔ لارڈ وھائٹ ہاؤس صاحب نے جو "مجلس تحقیق تعلیمی" کے صدر ہیں، اس موضوع پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا:*

"اب میں نصاب تعلیم کے مضامین کی اصلاح کے سلسلے میں کچھ عرض کروں گا۔ اصلاح کی ضرورت کا جہاں تک سوال ہے کسی کو بھی اختلاف نہیں۔ اختلاف جو کچھ ہے وہ اصلاح کی شکل کے متعلق ہے۔ کوئی گروہ کہتا ہے کہ نصاب تعلیم میں سائنس کی تعلیم کو ترجیح حاصل ہونا چاہیئے اور کوئی جماعت ادب، تاریخ جیسے تمدنی مضامین کی حامی ہے۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ صرف سائنس، ادب اور تاریخ کے مطالعے سے تمدنی تعلیم ممکن ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ تعلیم کا مقصد و معیار آج کل بہت بڑھ گیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں تعلیم ایسی ہو جس کے ذریعے ہر فرد میں دوسروں کی بھلائی سوچنے کے جو امکانات ہیں ان کی پوری پوری نشو و نما ہو سکے اور اپنی ذمہ داری آپ اٹھانے کی طاقت پیدا ہو۔ تعلیم کا یہ مقصد قرار دینے کے بعد میں تو کہوں گا کہ نصاب تعلیم میں مدنیت کا علم (Civics) ممتاز اور نمایاں طور پر ہو اور اس علم کو آج جس طریقے پر پڑھایا جاتا ہے وہ اور زیادہ وسیع اور ہمہ گیر ہو۔"

"شہریت کے علم کے ساتھ تاریخ کا بھی قدرتی رشتہ ہے۔ لیکن ہم چاہتے ہیں کہ تاریخ خالص قومیت کے نقطۂ نظر سے نہ پڑھائی جائے۔ تاریخ پڑھانے میں ہمیں یہ مقصد پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ طالب علم جب مدرسہ چھوڑے تو اسے جس دنیا میں بھی رہنا پڑے اور کام کرنا ہو اس کے مسائل کو وہ اچھی طرح سمجھ سکے۔"

"ایک بات اور ہے جسے میں بار بار کہتا رہا ہوں اور اب بھی کہتا ہوں کہ تعلیم میں ہاتھ کے کام کو جو اہمیت ہے اسے ہم ہمہ گیر طور پر تسلیم کر لیں۔ مجھے اس بات کی بہت زیادہ خوشی ہے کہ لوگ نظام تعلیم میں ہاتھ کے کام کی اہمیت روز بروز تسلیم کرتے جاتے ہیں لیکن اسی سلسلے میں اس حقیقت کو مدنظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ ہاتھ کا کام ذہنی ماحول کے ساتھ ساتھ ہونا چاہیئے۔"

"اس حقیقت کی زندہ مثالوں کے طور پر میں آپ کے سامنے دو معیاری بزرگوں کی زندگی پیش کرنا چاہتا ہوں۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ پندرھویں صدی میں 'لیونارڈ' کی ذات مکمل انسانیت کی ایک روشن مثال تھی۔ وہ بہ یک وقت مصور اور شاعر، حکیم اور موجد، علم کیمیا کے حوصلہ مند اور رنگین بیان ادیب تھے۔ صرف فن اور دستکاری ہی میں نہیں بلکہ وہ تخیل اور سوچ بچار کی دنیا میں بھی ممتاز تھے۔ لیکن ان کی تعلیم کیا تھی؟ انھوں نے ہاتھ کے کام کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو ذہنی مباحث کے ذریعے تعلیم دی۔ بالکل یہی کیفیت "مائیکل اینجلو" کی بھی تھی۔ انھوں نے بچپن سے ہتھوڑی اور چھینی سے پتھر پر جو کام کیا تھا اور اس طرح اپنی دستکاری کے ذریعے "حقیقت و صداقت" کے جس درجے پر پہنچ گئے تھے، وہی ان کی ترقی اور عروج کے لئے سب سے بڑا وظیفہ بن گیا۔"

وھائٹ ہاؤس صاحب کی تقریر سے اس قدر تفصیلی اقتباس دینے کا سبب یہ بتانا ہے کہ خواہ پورب ہو یا پچھم ہر جگہ آنے والی نسل کی تعلیم کے بارے میں جو لوگ بھی فکر کر رہے ہیں، ان کے سامنے ایک ہی مسئلہ ہے اور اس مسئلے کو حل کرنے کی جو راہ دکھائی دیتی ہے وہ بھی بہت کچھ ملتی جلتی ہے۔

انگلستان کی مجلس تحقیق تعلیمی کے صدر نے ایک معیاری نصاب تعلیم کا جو نقشہ کھینچا ہے، اس میں اور ہمارے بنیادی تعلیم کے نصاب تعلیم میں کچھ بہت فرق نہیں ہے۔ ہمارا مقصد ایک ہی ہے کہ بچوں کی تعلیم میں ہاتھ کے کام اور دماغی کام میں ہم آہنگی رہے، نصاب تعلیم میں شہریت کو خاص جگہ حاصل ہے اور تاریخ کی تعلیم خالص قومیت کے پیش نظر نہ دی جائے بلکہ اس طرح دی جائے کہ اس کے ذریعے دنیا کے مسائل کو عقل مندی سے سمجھنے اور اس میں اپنی جگہ پیدا کرنے کی خواہش بیدار ہو۔

ایک اور مسئلہ سامنے آتا ہے کہ ہمارے طریقۂ تعلیم کے سامنے تعلیم کا کیا معیار رہے؟

اس موضوع پر بھی مقرر نے اظہار خیال کیا ہے۔ "آج دنیا کے تمام

* Conference of Educational Association, held at University College, London— Twenty-seventh annual Report 1939, page 133.

بڑے بڑے ملکوں میں آنے والی نسل کی تربیت کی بنیاد تشدد پسندی پر ہے۔ یہ ایک مرض کی علامت ہے۔ آج تمام دنیا بیمار ہے۔ اس کی علامتیں ظاہر ہیں۔ یورپ کو دیکھ کر تمام دنیا کو اس مرض سے بچنے کے لئے تدبیر کرنی چاہیئے۔"

"اس لئے میری یہ قطعی رائے ہے کہ اس مرض سے بچنے کے لئے تعلیم ایک ایسے فراخ دلانہ اور علمی معیار کی بنیاد پر دی جائے جس کے ذریعے دنیا کے تمام انسان دوستانہ طریق پر چل سکیں۔"

یہی معیار اس نئی تعلیم کے سامنے بھی ہے۔ اس سلسلے میں ہم "تعلیم میں عدم تشددانہ انقلاب" سے کچھ حصہ نیچے دے رہے ہیں جو گاندھی جی نے "وردھا تعلیمی کانفرنس" کے موقع پر کہے تھے:-

"اگر ہم قومی اور بین الاقوامی کشمکشوں کو بند کرنا چاہتے ہیں تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ جس تعلیم کی میں نے یہاں حمایت کی ہے، اس کے مطابق اپنے بچوں کو تعلیم یافتہ بنا کر صحیح اور مضبوط بنیاد پر اس مہم کا آغاز کریں۔ میری اس اسکیم کی تہ میں عدم تشدد موجود ہے، اس معاملے میں یورپ ہمارے لئے معیار نہیں بن سکتا اس لئے کہ وہ تشدد کا قائل ہے، اور اسی وجہ سے اس کی تجویزیں اور کارروائیاں سب کی سب تشدد پر مبنی ہوتی ہیں۔ اگر ہندوستان نے تشدد کو بالکل چھوڑ دینے کا تہیہ کر لیا ہے تو اسے جس نظام زندگی سے گذرنا پڑے گا تعلیم کا یہ طریقہ اس کا ایک جزو ہوگا۔

اس لئے آج جس تعلیم کے تجربے کے لئے ہم نے قدم بڑھایا ہے، اس کی اہمیت صرف ہمارے ہی ملک کے لئے نہیں بلکہ ساری دنیا کے لئے ہے۔ تمام دنیا کے سوچ بچار کرنے والے لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ دنیا کو ایک بیماری نے گھیر لیا ہے۔ اس بیماری کا سدباب اگر ہو سکتا ہے تو ایک ذریعے سے اور وہ ذریعہ ہے ایک نئی تعلیم۔ اس نئی تعلیم کے معیار اور اس کی ہیئت کے بارے میں بھی تمام دنیا کے ماہرین تعلیم قریب قریب متفق ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ دوسری قوموں میں جہاں اس سلسلے میں اونچے اونچے خیالات ترقی پاتے ہیں، ہمارے غریب ملک نے اپنے ناکمل ذرائع ہی سے اس تجربے کی طرف قدم بڑھایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں قدم قدم پر یہ دیکھنا ہے کہ اس تجربے کی تکمیل کے لئے ہماری طاقت اور حوصلے کا مناسب استعمال ہو۔"

بنیادی تعلیم کے استادوں کی تیاری

بنیادی تعلیم کے تجربے کے لئے سب سے پہلی اور اہم ضرورت ہے استادوں کی۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے آج تمام ملک میں ٹریننگ کالج، اسکول اور مشاہدے کے مرکز قائم کئے جا رہے ہیں۔ یہ علامتیں بنیادی تعلیم کی اشاعت میں بہت ہمت افزا ہیں لیکن اس میں ذرا صبر اور اطمینان کی بھی ضرورت ہے۔ بنیادی تعلیم کے اصولوں کو سمجھنا اور اس کے لئے جس گہری نظر کی ضرورت ہے اسے حاصل کر لینا ذرا مشکل ہے اور بنیادی تعلیم کے حسب منشا استادوں کو تیار کرنا تو اس سے بھی مشکل ہے۔ اس کے کئی اسباب ہیں: پہلی بات تو یہ ہے کہ اس نئی تعلیم کی ذمہ داریاں بہت ہیں اور دوسرے یہ کہ یہ بالکل نئی چیز ہے۔ اسے جاری ہوئے ابھی ایک سال سے کچھ زیادہ عرصہ ہوا ہے۔ گاندھی جی نے اس کی روح تیار کی، تعلیمی سنگھ نے اس کا ڈھانچہ بنایا لیکن ابھی اس پتلے میں گوشت اور خون پیدا کرنا باقی ہے۔ جب یہ کام بھی ہو جائے گا، اس وقت اسے زندگی حاصل ہو سکتی ہے۔ اس کام کو پورا کرنا ماہرین تعلیم کا کام ہے۔ انہیں اپنا کام اس طرح انجام دینا ہے کہ یہ چیز طرح طرح کی زندگیوں اور صورت حالات کے مطابق بھی بن جائے اور اس کی اصلی ہیئت میں فرق نہ آنے پائے۔ یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ اگر بنیادی قومی تعلیم کی تجربہ گاہوں میں کام کرنے والوں نے ہوشیاری اور احتیاط سے کام نہ لیا تو اندیشہ ہے کہ یہ پتلا موزوں اور مناسب صورت اختیار نہ کر سکے گا۔

ایک سال سے کچھ زیادہ ہوا کہ وردھا کے ٹریننگ اسکول میں تعلیمی سنگھ کے ممبروں کی نگرانی میں اس اسکیم کا تجربہ کیا جا رہا ہے اور اس کے لئے استاد تیار کئے جا رہے ہیں۔ یہاں جس پروگرام پر عمل کیا گیا ہے، جو تجربے ہوئے ہیں، جو نتائج نکالے گئے ہیں اور جو کامیابی دیکھی گئی ہے، ان سے مدد لی جا سکتی ہے اور کامیابی کی راہ کا کچھ پتہ لگایا جا سکتا ہے۔

بنیادی قومی تعلیم کے معیار، اصول اور دستکاری کے باہمی رشتے سے ٹریننگ کے کام کا بڑا حصہ بنتا ہے۔ لیکن ٹریننگ پانے والے استادوں کی قابلیت اور ٹریننگ کے لئے مقرر کی ہوئی مدت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ان دونوں باتوں کا ٹریننگ کی نوعیت پر بہت اثر پڑتا ہے۔

ٹریننگ کے لئے چنے ہوئے استاد نیچے لکھی ہوئی نوعیتوں کے ہو سکتے ہیں:-

(۱) ٹریننگ پائے ہوئے گریجویٹ۔

(۲) ٹریننگ نہ پائے ہوئے گریجویٹ۔

(۳) ٹریننگ پائے ہوئے انڈر گریجویٹ (کم سے کم میٹرک پاس)۔

(۴) ٹریننگ نہ پائے ہوئے انڈر گریجویٹ (کم سے کم میٹرک پاس)۔

(۵) پرائمری اور مڈل اسکولوں کے لئے ٹریننگ پائے ہوئے استاد (میٹرک فیل)۔

(۶) ٹریننگ نہ پائے ہوئے میٹرک فیل۔

ٹریننگ کی مدت اس طرح ہو سکتی ہے:-

(۱) دو برس

(۲) ایک برس

(۳) پانچ ماہ

(۴) تین ماہ (صرف ان استادوں کے لئے ریفریشر کورس جنہیں دوسری ٹریننگ مل چکی ہے۔)

اوپر لکھی ہوئی قابلیت اور مدت کے پیش نظر ان دونوں کے کئی حصے کئے جا سکتے ہیں لیکن بغیر ٹریننگ پائے ہوئے استادوں کا مسئلہ خواہ وہ گریجویٹ ہوں یا انڈر گریجویٹ بصورت موجودہ پیدا ہی نہیں ہوتا اس لئے کہ ان کے لئے تھوڑی مدت کی ٹریننگ کافی ہی نہیں ہو سکتی۔ موجودہ مسئلہ صرف ان استادوں کا ہے جو تھوڑے دنوں کی ٹریننگ پا چکے ہیں۔

ٹریننگ چاہے کتنے ہی دن کی ہو، نیچے لکھی ہوئی شرطیں ضروری ہیں:-

(۱) ٹریننگ اسکول سے ملی ہوئی ایک مشق گاہ (Practising School) ہو جہاں عملی طور سے مشق کرائی جائے۔ اس مشق گاہ (مدرسہ کہنا بہتر ہوگا) میں پہلی جماعت سے لے کر اس جماعت تک بنیادی تعلیم کے مطابق کام ہو جہاں تک کی تعلیم دینے کے لئے استادوں کی تیاری کا خیال ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے سال صرف ایک مشق کرانے کا درجہ رہے اور اس سال ٹریننگ کے لئے استاد نہ لئے جائیں بلکہ مشقی مدرسے کے درجوں کو پڑھانے کے لئے استادوں کو ان ٹریننگ کے مدرسوں میں تعلیم دلائی جائے جو تعلیمی سنگھ کی نگرانی میں جاری ہو چکے ہیں۔

عجلت اور جلد بازی اسکیم کے حق میں مضر ہوگی۔ ٹرننگ کے مرکزوں میں خاص طور سے توجہ کے قابل بات یہ ہوگی کہ اسکیم کے حسب منشا چلنے والے مشقی مدرسے اگر نہ ہوں تو استادوں کی ٹرننگ شروع نہ کی جائے۔

(۲) جب تک تعلیمی سنگھ کی طرف سے شائع کئے ہوئے یا منظور شدہ ضروری لٹریچر دستیاب نہ ہوں، اس وقت تک یہ ضروری ہے کہ ٹرننگ کے مرکزوں کے استاد تعلیم کے اصولوں، ربط و ہم آہنگی کی باریکیوں کو بحث و مباحثے کے ذریعے ہندوستانی تعلیمی سنگھ کے ممبروں سے سمجھیں۔

(۳) ٹرننگ کے مرکز میں دستکاری کا پورا سامان موجود ہونا چاہیے۔ ایک مرکز میں صرف ایک ہی بنیادی دستکاری جاری کی جائے۔ دستکاری کا انتخاب ان مدرسوں کی صورت حالات کے پیش نظر کرنا چاہیے جن کے لئے استادوں کو تعلیم دی جا رہی ہو اور یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ منتخب دستکاری بنیادی قومی تعلیم میں جو اصول بتائے گئے ہیں ان کے موافق ہو۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ایک ہی مرکز میں مختلف قسم کی دستکاریوں کو جاری کرنا سہولت اور کفایت کا باعث ہوگا مگر ایسا کرنے سے آگے چل کر جو مشکلیں پیش آتی ہیں ان کی وجہ سے بڑی گڑبڑ ہوتی ہے۔ یہ مشکلات اسکیم کو نقصان پہنچانے والی ہوتی ہیں۔ اسی طرح ہر مرکز میں ایک ہی زبان کی تعلیم دینی چاہیے۔

(۴) اگر ہوشیار استادوں کو دستکاری کی پوری پوری تعلیم دے دی جائے تو یہ سب سے اچھا ہوگا۔ مگر شروع میں اگر ایسا نہ ہو سکے تو دستکاری کے کسی سمجھ دار ماہر کو رکھ لینا چاہیے۔

(۵) ٹرننگ پانے والے استادوں کا انتخاب اطمینان اور احتیاط کے ساتھ کرنا چاہیے۔ صرف وہی استاد منتخب کئے جائیں جو حوصلہ مند ہوں اور جن کے خیالات پاکیزہ اور وسیع ہوں۔ یہ استاد ۳۵ برس سے زیادہ عمر کے نہ ہوں۔

(۶) جہاں تک ہو سکے، ٹرننگ کا مرکز کسی دیہاتی علاقے میں رکھا جائے۔

(۷) ٹرننگ کے مرکز میں ایک مکمل کتب خانہ ہونا چاہیے جس میں تعلیم کے متعلق ضروری مضامین پر کتابیں مل جائیں۔

وردھا، ۲۱ اگست ۱۹۳۹ء

آتم سنگھ تومر

بچوں کو تکلی کیسے سکھائی جائے؟

(گذشتہ سے پیوستہ)

مارچ کے پرچے میں اس موضوع پر ایک مضمون چھپا تھا۔ یہ مضمون میرے اپنے سوچ بچار کا نتیجہ تھا، اس لئے کہ میں خود تکلی چلاتا تھا اور اس میں جو مشکلیں مجھے محسوس ہوتی تھیں ان کو مد نظر رکھ کر میں نے بچوں کے لئے لکھا تھا۔ لیکن اس سلسلے میں آج میں جو کچھ لکھ رہا ہوں وہ نتیجہ ہے میرے تین ماہ تک بچوں میں رہ کر کام کرنے کے تجربات کا۔ میں آج کل ضلع چمپارن کے تھانے بیتیا میں ایک بنیادی اسکول میں استاد کی حیثیت سے کام کر رہا ہوں۔ یہاں بچوں کو تکلی سکھانے کے سلسلے میں میرے سامنے جو مشکلیں آئیں اور ان کو دور کرنے کے لئے میں نے جو طریقے اختیار کئے، ان کے نتائج اور تجربات کو میں یہاں پیش کرتا ہوں۔

پہلے مضمون میں میں نے بچوں کو تکلی سکھانے کی ابتدائی کارروائیوں پر کچھ روشنی ڈالی تھی۔ ان باتوں کا مجھے عملی تجربہ ہوا۔ جب میں پہلے پہل درجے میں گیا تو میں نے بچوں سے تکلی نچانے کے لئے کہا۔ بچوں کو ایک نئی چیز اور وہ بھی ناچنے والی چیز پا کر بہت خوشی ہوئی۔ وہ تکلی نچانے میں اس قدر مشغول ہو جاتے تھے کہ کوئی دوسری بات سننے تک کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک ہی ہفتے میں دائیں ہاتھ کی چٹکی سے بڑے مزے میں سوت نکالنے لگے لیکن بائیں ہاتھ کی چٹکی سے یکساں بٹ دینے میں بڑی مشکل پیش آئی۔ اس عمل میں وہ تکلی نچاتے وقت انگوٹھے کو اندر کی طرف لے جانے بغیر باہر ہی کی طرف لے جاتے تھے، مگر یہ مشکل بھی آہستہ آہستہ دور ہو گئی۔ یہ تو ضرور ہوا کہ سب لڑکے ایک ہی دم نہ سنبھل سکے مگر ہوشیار لڑکے دونوں ہاتھوں سے مزے سے ایک ہی طرح کاتنے لگے۔ اس کے علاوہ اور بھی دو چار مشکلیں ان کے سامنے آئیں۔

(۱) پونی ملنے پر کس طرح اس سے سوت بنائیں اور تکلی پر لپیٹ کر سوت کاتنا شروع کریں؟

(۲) سوت تکلی میں کس طرف سے لپیٹا جائے تاکہ کتا ہوا سوت تکلی سے باہر نہ ادھڑے؟

(۳) کاتتے وقت اگر زیادہ اینٹھن پڑ جائے تو پوری پونی پکڑ لینے کے بعد دھاگہ آگے کیسے بڑھایا جائے؟

(۴) اگر سوت ٹوٹ جائے تو دوبارہ پونی میں کیسے جوڑ کر کاتنا شروع کیا جائے؟

(۵) بار بار سوت کیوں ٹوٹ جاتا ہے؟

اس طرح کے سوالات بچوں کے دلوں میں آپ ہی آپ اٹھتے ہیں لیکن استاد کے سامنے وہ اپنے خیالات صاف صاف طور پر ظاہر نہیں کر سکتے۔ اس لئے استاد کو چاہیے کہ بچوں کو تکلی سے کتائی سکھاتے وقت ان باتوں کا خیال رکھے ورنہ محنت کرنے کے باوجود بچے ٹھیک طور سے کاتنا نہ سیکھ سکیں گے۔

(الف) اس لئے جب ہم بچے کو تکلی کاتنے کے لئے پونی دیں تو پہلے خود ہی تکلی کی نوک میں پونی کے چند ریشے پھنسا کر اور ذرا ذرا اینٹھن دے کر تھوڑا سا دھاگہ نکالیں، پھر اسے کھول تکلی کی پنڈی پر دھاگے کو اسی طرف سے لپیٹ دیں جس طرف سے اینٹھن دیا گیا تھا۔ بچوں سے کہا جائے کہ وہ استاد کے اس کام کو غور سے دیکھیں۔ پھر بچوں کے ہاتھ میں تکلی اور پونی دے دی جائے لیکن انھیں بالکل چھوڑ نہ دیا جائے۔ بلکہ ان کا بایاں ہاتھ پکڑ کر اوپر کو آہستہ آہستہ بڑھائیں اور بچوں سے کہا جائے کہ وہ تکلی کو زمین پر رکھ کر ہاتھ کی چٹکی سے اینٹھن دیں۔ انھیں اس طرح مشق کرا دینے سے ان کی مشکلیں کسی حد تک دور ہو جاتی ہیں اس لئے کہ ایسا کرنے سے ان کے دونوں ہاتھوں کا توازن ٹھیک ہو جاتا ہے۔

(ب) دوسرا طریقہ یہ بتایا جا سکتا ہے کہ بچے بائیں ہاتھ میں پونی لے کر دائیں ہاتھ کی چٹکی سے تھوڑے تھوڑے ریشوں کو اینٹھن دیں۔ جب ایک ہاتھ کے قریب سوت نکل آئے تو اسے تکلی کی پنڈی پر پہلے کی طرح اینٹھن کی طرف سے لپیٹ دیں۔ پھر آہستہ آہستہ تکلی کو نچا کر بائیں ہاتھ کو آگے بڑھاتے جائیں تو سوت بھی اسی رفتار اور مناسبت سے نکلتا جائے گا۔ ایسی صورت میں پونی کے الجھ جانے کا خوف تو نہیں رہتا لیکن وقت بہت لگتا ہے۔

تکلی چلاتے وقت اکثر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ بچے تکلی کو نچاتے تو ہیں لیکن ان کا بایاں ہاتھ جوں کا توں ایک ہی جگہ پر قائم رہتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پونی میں اندر ہی اندر اینٹھن چڑھ جاتا ہے اور ان کا سوت آگے بڑھنے کے بجائے "تار کھینچنے" پر ٹوٹ جاتا ہے اور جب وہ پھر پونی میں لگا کر کاتتے ہیں تو بار بار سوت ٹوٹتا ہی رہتا ہے۔ اس طرح بچے کو بڑا بہت

کر ڈالتے ہیں اور اس چیز سے ان کو بچانا استاد کا پہلا فرض ہے۔ اس کا سبب یہ بتانا چاہئے کہ سوت کے ریشے زیادہ بٹ جاتے ہیں اور پونی کے ریشے اس کے برخلاف بکھرے بکھرے رہتے ہیں، اس لئے دونوں میں میل نہیں پیدا ہوتا۔ مگر بچے اس بات کو نہیں سمجھ سکتے، اس لئے استاد کا کام ہے کہ وہ بٹے ہوئے سوت کو ڈھیلا کر کے اس کے کچھ ریشے نکال لے اور انھیں پونی کے ریشوں میں ملا کر بچوں کو دکھائے اور پھر آہستہ آہستہ تکلی نچا کر تار آگے کو بڑھائے۔ بچوں کو اس طریقے سے بتانا نہایت ضروری ہے۔

کتائی کے وقت سوت جب بار بار ٹوٹنے لگتا ہے تو وہ گھبرا جاتے ہیں اور کبھی کبھی مایوس ہو کر چھوڑ بھی بیٹھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ تکلی کو بہت کم نچاتے ہیں اور بایاں ہاتھ یکایک زیادہ کھینچ لیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سوت پر چونکہ اینٹھن کم پڑتا ہے اس لئے وہ کمزور ہو کر جگہ جگہ سے ٹوٹ جاتا ہے اور اگر ٹوٹتا نہیں ہے تو پتلا کم ہوتا ہے۔ بعض اوقات زیادہ اینٹھن پڑ جانے سے بھی سوت بار بار ٹوٹنے لگتا ہے۔ تیسرا سبب یہ ہے کہ تکلی اگر سیدھی نہیں ناچتی اور ترچھی ناچنے لگتی ہے تو بھی سوت ٹوٹنے لگتا ہے۔ اس لئے یہ بات بھی توجہ کے قابل ہے کہ بچے کی تکلی سیدھی ناچتی ہے یا ترچھی۔

جب ہمارے اسکول کے بچے ڈیڑھ ماہ کے قریب تکلی سے سوت کات چکے تو ہمارے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اب ان کے لئے نشست کا کوئی آسان طریقہ بتایا جائے جس پر بیٹھ کر وہ کاتیں۔ اس سلسلے میں دو تین نشستوں کا تجربہ کیا گیا جیسے ہوا میں بٹ دے کر دونوں ہاتھ کی بقیہ انگلیوں سے کاتنا۔ لیکن یہ طریقہ کامیاب نہیں رہا۔ آخر میں ہم نے دائیں پاؤں کی پنڈلی پر کاتنے کا تجربہ کیا۔ اس طریقے میں بچوں کا کافی دل لگا اور بہت سے بچوں نے دو تین دن کے اندر اچھا سوت کاتنا شروع کر دیا۔ اسی کے ساتھ ان کی رفتار بھی پہلے سے دگنی ہو گئی۔ یہ نشست ان کو زیادہ آسان اور سیدھی معلوم ہوئی۔ مگر اس نشست سے بیٹھنے کے لئے بچوں کو ایک مقررہ ڈھنگ بھی سکھانا ضروری ہے۔ اس نشست کے دو حصے کئے جا سکتے ہیں (الف) داہنے پاؤں کی پنڈلی پر دائیں ہاتھ سے کاتنا (ب) بائیں پاؤں کی پنڈلی پر بائیں ہاتھ سے کاتنا۔

اگر بچہ دائیں پاؤں پر کاتتا ہے تو اسے بائیں پاؤں کو پلتھی کی شکل میں رکھنا چاہئے اور دائیں پاؤں کو اکڑوں کی شکل میں بائیں پاؤں کے تلوے سے ٹکا کر رکھنا چاہئے۔ اس نشست سے بیٹھنے سے ان کے دائیں پاؤں کی پنڈلی زمین سے کچھ اونچی ہو جائے گی۔ تکلی نچاتے وقت زمین سے رگڑ نہیں کھا سکتی اور اس کی رفتار میں کسی طرح کی رکاوٹ نہیں پڑ سکتی۔ پھر وہ تکلی پر بٹ (اینٹھن) دیتے وقت تکلی زمین سے کچھ اونچی رکھ کر دائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے نچائیں۔ اس عمل میں ہتھیلی آگے کی طرف نہیں بلکہ پیچھے کی طرف جائے گی اور سوت پر اینٹھن اچھی طرح پڑتی جائے گی۔

بائیں پاؤں کی پنڈلی پر کاتتے وقت یہ تمام طریقے دائیں ہاتھ پر کاتنے کے طریقوں کے بالکل برعکس ہوں گے۔ اس نشست میں دائیں پاؤں کو پلتھی کی صورت میں اور بائیں پاؤں کو موڑ کر دائیں پاؤں کے تلووں سے ٹکا کر رکھنا ہوگا۔ تکلی پر بائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے اینٹھن دینی ہوگی۔ اس وقت ہتھیلی پیچھے کی طرف جانے کے بجائے آگے کی طرف کو جائے گی۔ پنڈلی پر کاتنے سے اینٹھن تیزی سے پڑتی ہے اس لئے تار کھینچنے میں بھی کچھ تیزی ہونی چاہئے ورنہ کوڑا زیادہ پیدا ہوگا۔ اگر نشست پر بیٹھ کر بچے کچھ دن مشق کر لیں تو انھیں اسی سے ملتی جلتی دوسری نشست یعنی دونوں پیروں کے دونوں تلووں پر بیٹھنا سکھایا جائے مگر اس نشست کے جو طریقے ہیں ان پر دوسرے پرچے میں کچھ روشنی ڈالوں گا۔ (باقی)

۲۰ جون ۳۹ء بلدیو سنگھ

بنیادی تعلیم کے تجربے میں نگرانی کا مسئلہ

بنیادی تعلیم کی اسکیم کے اصولوں سے ہم واقف ہیں۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بنیادی تعلیم کے نصاب میں ربط ہے، زندگی سے اس کا تعلق ہے اور اگر اس کا ٹھیک ٹھیک تجربہ کیا گیا تو اس سے ایک ایسا متمدن اور مکمل فرد پیدا ہو سکتا ہے جو اپنے اوپر بھروسہ کرنے والا ہوگا، اور جس میں شہریت کا احساس پورا پورا بیدار ہوگا۔ مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ ابھی یہ تعلیمی اسکیم تجربے کی منزل میں ہے۔ اور اس تجربے میں جو لوگ بھی ہاتھ بٹا رہے ہیں وہ سب گویا ایک علمی تحقیق میں مشغول ہیں۔ اس اعتراف کے پیش نظر ہمارا طریقہ بھی تحقیقی طریقہ ہونا چاہئے۔

قومی تعلیم کے اس تجربے میں ہمیں اس مدرسے کو جہاں بنیادی تعلیم جاری ہے ایک تجربہ گاہ اور ہر کارکن کو تجربہ کرنے والا سمجھنا چاہئے۔ اس تجربے میں پوری کامیابی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ جن جن علاقوں کو اس تعلیم کے تجربے کے لئے چنا گیا ہے وہاں ایک ایسا کارکن رکھا جائے جو اس تجربے کی رفتار کا اندازہ کرتا رہے۔ وقتاً فوقتاً وہ اس تجربے کی ترقی یا اس کے تنزل کا حساب رکھے اور امتحان کے بعد ٹھیک نتیجے پر پہنچنے کے لئے ضروری سامان رکھے۔ اس تجربے میں پوری کامیابی حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری امر ہے۔ اس کارکن کو ہم نگراں کہیں گے اور چونکہ ان کا کام ہدایت دینا بھی ہوگا اس لئے انھیں ہم ڈائرکٹر بھی کہہ سکتے ہیں۔

فرض کیجئے کہ کسی علاقے میں ۲۰ اسکول ہیں۔ اگر بنیادی تعلیم صرف دو درجوں میں رائج کی گئی ہے تو اس کل علاقے میں قریب قریب چالیس تجربہ کرنے والے ہوں گے جو ایک ہی سوال کو حل کرنے کے لئے بیس مختلف طریقے کام میں لائیں گے اور ان کے سامنے سامان بھی بیس قسم کے ہوں گے۔ وہ ایک ہی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش میں ہر مضمون کے ربط کے لئے بیس کڑیاں ڈھونڈھ نکالیں گے۔ ان طریقوں میں کچھ اچھے ہوں گے اور کچھ معمولی۔ اچھے طریقوں میں سے دو باتیں اوروں سے بہتر ہوں گے اور شاید ایک ہی ایسا نکلے گا جو نمونہ کہا جا سکتا ہے۔ ایسے یہ جانچ نگراں کا کام ہوگا کہ کون سا طریقہ ہر کام کرنے کے لئے سب سے اچھا ہوگا اور آخر میں یہ فیصلہ کرے کہ وہ قابل عمل بھی ہے یا نہیں۔

یہ سارا کام اکیلے انسان کے بس کا نہیں ہے۔ اس لئے اخلاقی طور پر اس کی امداد کے لئے ایک لائق استاد کی ضرورت ہے۔ ایسا لائق ادارہ صرف ٹریننگ اسکول ہی ہو سکتا ہے۔ ٹریننگ اسکول کو ایک مرکزی تجربہ گاہ اور بنیادی مدرسوں کو اس مرکزی تجربہ گاہ کے ماتحت تجربہ گاہیں سمجھنا چاہئے۔ سامان کی فراہمی بنیادی اسکول میں سے ہوگی اور اسے چھانٹنے اور پسند کرنے کا کام اس مرکز کے ذریعے ہوگا۔ مثال کے لئے فرض کر لیجئے کہ تمام تعلیم کی مثال ایک عقلمند انسان کی ہے تو ٹریننگ اسکول اس کے دماغ کا کام کرے گا، مدرسوں کے استاد اس جسم کے ہاتھ پاؤں کا کام کریں گے اور یہ نگراں رگوں کی طرح تمام طریقوں کو دماغ یا دل کے ساتھ جوڑنے کا کام کرے گا۔

اگر نگراں اپنا کام (یعنی ربط اور میل کا کام) ٹھیک ٹھیک کر رہا ہو تو اسے

مقررہ طور پر مدرسوں میں جاکر تعلیم کے تجربوں کے اعداد و شمار اکٹھا کرنا چاہئے اور انھیں ٹھیک ٹھیک مرکزی تجربہ گاہوں کو پہنچا دینا چاہئے مثلاً پچھلے دور سے لے کر موجودہ وقت تک کتنا کام ہوا، خاص خاص مسائل کو حل کرنے کے لئے کس طریق کار کا تجربہ کیا گیا، اس کا نتیجہ کیا ہوا، بنیادی دستکاری کے ساتھ دوسرے مضامین کا کس طرح ربط پیدا کیا گیا وغیرہ۔ یہی نہیں بلکہ اُسے استادوں کے ساتھ نجی طور پر بیٹھ کر گفتگو کے ذریعے سے معلوم کرنا ہوگا کہ مضمون کے نصاب میں کیا رد و بدل ضروری ہے۔ انھیں مختلف مضامین کے پڑھانے میں اور ان کا بنیادی دستکاری کے ساتھ میل اور ربط پیدا کرنے میں کیا کیا دشواریاں پیش آتی ہیں۔ نگراں کو تجربہ کرنے والے کارکنوں میں سے کمزور لوگوں کو تلاش کرکے نکالنا ہوگا اور خاص طور سے ان لوگوں کو جو کام کو ٹالنے کی عادت رکھتے ہیں۔

اس نئی اسکیم کے مطابق تعلیم دوسرے مضامین کو بنیادی دستکاری سے ربط پیدا کرنے کے اصول پر منحصر ہے مگر ربط اور میل جہاں تک ممکن ہو عام عادات اور فطرت کے مطابق ہونا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ لوگوں کو ایسے موقع نہ ملنے کا بہانہ بنا کر بچنے کی کافی گنجائش رہتی ہے۔ ایسے استادوں کی طرف خاص طور سے دھیان رکھنا چاہئے اور نگراں کو چاہئے کہ اس معاملے میں کافی چھان بین کرکے اس بات کا اطمینان کرے کہ یہ بہانہ صحیح ہے یا غلط۔ پھر اپنے پاس کامیابی کا کوئی خاص نمونہ قطعی طور پر نہ ہونے کے سبب سے کچھ استادوں کے کام کے سست چلنے کا امکان ہے۔ اس تجربے کا ایک مقصد یہ بھی ہونا چاہئے کہ ہر مضمون میں کامیابی کا ایک مقررہ معیار ہو۔ کامیابی کے معیار سے میری مراد وہ معیار ہے جو بنیادی قومی تعلیم کے کتائی کے نصاب میں پیش کیا گیا ہو۔ اتنا ضرور ہے کہ کتائی جیسی دستکاری میں ایک کھلا معیار قائم کیا جاسکتا ہے حالانکہ ایسا معیار دوسرے مضامین بالخصوص زبان اور سماج کے علم جیسے مضامین میں نہیں قائم کیا جاسکتا۔ پھر بھی استادوں کو اپنی پڑھائی میں ایک خاص معیار تک کامیابی حاصل ہی کرنی چاہئے۔ اس کے لئے کوئی مجسم صورت معلوم کرنا ممکن ہے۔ اس غرض کو حاصل کرنے کے لئے مختلف مدرسوں میں ہر مضمون میں بچوں کی رفتار ترقی کا حساب رکھنا ہوگا اور نگراں کو یہ سب اعداد و شمار مرکزی تجربہ گاہ میں پہنچا دینا چاہئے۔ اگر یہ اعداد اکٹھا کئے جائیں، ان کو چھانٹا جائے یا ان کی تقسیم و ترتیب کرکے ان کی جانچ کی جائے تو ایک سال کے آخر میں ہر مضمون کے لئے قابلیت کا معیار قائم کیا جاسکتا ہے۔

نگراں کو ربط اور میل پیدا کرنے کا کام کس طرح کرنا پڑے گا یہ ہم اوپر کی سطروں میں بتا چکے ہیں لیکن اتنا ہی نہیں اس کا کام اس سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ استادوں کو تجربے کی مدت میں اسکول کی پڑھائی اور انتظام دونوں میں بہت سی مشکلیں پیش آئیں گی۔ پڑھاتے وقت ہر مضمون بچوں کے سامنے کس طرح پیش کیا جائے اور بنیادی دستکاری سے ان کا ربط کس طرح پیدا کیا جائے، وہ مسائل ہیں جن کے لئے استادوں کو رہنمائی کی ضرورت ہوگی اور چونکہ اس کا علم اور تجربہ استاد سے زیادہ ہوگا اس لئے اس سے اس رہنمائی کی امید کی جاسکتی ہے۔

مشکل سوالوں اور دقتوں کو حل کرنے میں امید کی جاتی ہے کہ نگراں مدد دیگا۔ اپنے کام کے ذریعے انھیں متعدد مدرسوں میں ایک ہی مضمون کو مختلف طریقوں سے پڑھانے کا مشاہدہ کرنا ہوگا۔ اس لئے سب سے اچھے طریقے کو سب استادوں کے پاس پہنچانا بھی ان کا کام ہوگا۔ گویا نصاب تعلیم، علم اور پڑھائی کا طریقہ ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانا اس کا مخصوص کام ہوگا۔

مگر یہ تمام فرائض ٹھیک طور پر انجام دینے کے لئے دو باتوں کی ضرورت ہے، ایک تو یہ کہ جو نگراں ہو وہ اچھے سے اچھا استاد ہو اور دوسرے اسے دستکاری کے کام میں ہوشیار ہونا چاہئے۔ اس کو چاہئے کہ وہ اپنے کو صرف استادوں کا انسپکٹر نہ سمجھے بلکہ ان کا بڑا بھائی تصور کرے۔ علم اور تجربے میں وہ استاد سے ہوشیار ہی کیوں نہ ہو لیکن اس کے برتاؤ میں ملائمیت اور دوستانہ جذبات کارفرما ہوں جبھی وہ اپنا کام ٹھیک طرح انجام دے سکتا ہے۔

سماج کے علم کے متعلق خاص طور پر نصاب تعلیم میں عملی کام کی سفارش کی گئی ہے، ان پر عمل کرنے میں پہلے پہل بہت دقتیں پیش آئیں گی۔ گاؤں کی صفائی کی قسم کے جو خدمت سے تعلق رکھنے والے کام ہیں، شاید ان کی طرف دل بھی نہ لگے۔ ایسی صورت میں نگراں کو خود اپنا نمونہ پیش کرکے اس کو (استاد کو) حوصلہ دلانا چاہئے۔ اس لئے نگراں کو سماج کی خدمت کے لئے بھی خود کو تیار کرنا ہوگا۔

آخری بات یہ ہے کہ اس اسکیم کی کامیابی کے لئے یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ مختلف حالات کی الگ الگ یادداشت رکھی جائے۔ اس لئے استادوں کو سمجھا دینا چاہئے کہ جہاں جہاں اس بات کی کمی ہے اسے اگر وہ لوگ عملی طور سے تسلیم کرلیں گے جبھی وہ اس اسکیم کی سچی خدمت کرسکیں گے۔ اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے نگراں کو اس کا خاص خیال رکھنا چاہئے کہ استاد کے کام کی یادداشت سچی اور درست رہے۔

یہ کام اسی وقت ہوسکے گا جب نگراں کا استادوں کے ساتھ دوستانہ برتاؤ ہوگا۔ اسی حالت میں جیسے بچہ اپنے ماں باپ کے سامنے پورے یقین کے ساتھ اپنی مشکلیں پیش کرتا ہے یا ہم لوگ اپنے بڑوں کے سامنے اپنی کمزوریوں کا اظہار کرتے ہیں، استاد بھی نگراں کے سامنے اپنی دقتیں پیش کریں گے۔

اگر ٹریننگ کے مرکزوں کے استاد بھی وقتاً فوقتاً اسکولوں میں جاکر اس تجربے کی رفتار ترقی کا معائنہ کریں اور حساب رکھیں تو نگرانوں کے کام میں بڑی مدد ملے گی۔ ایک نگراں کی نگرانی میں ۱۵، ۲۰ سے زیادہ اسکول نہ ہوں اور ہر پندرھویں بیسویں دن وہ ہر اسکول میں جاکر کچھ وقت وہاں گذارے۔ جہاں تجربے کا علاقہ چھوٹا ہو وہاں وقتاً فوقتاً استادوں کے جلسوں سے کام بہت آگے بڑھے گا۔ بیچ بیچ میں نگرانوں، کچھ منتخب استادوں اور ٹریننگ کے مرکز کے استادوں کا ایک مشترکہ جلسہ بھی ہوتا رہنا چاہئے۔

تعلیم کے اس نئے تجربے کے سلسلے میں نگراں کے کام اور ذمہ داریوں کا جو نقشہ میں نے اوپر کھینچا ہے اس میں ان کے لئے آرام کی بہت کم گنجائش ہے اس لئے کہ ان کے چھٹی کے دن بھی مشکلوں اور دقتوں کے سلجھانے میں بسر ہوں گے۔ لیکن جو نگراں سچے دل سے تعلیم کے شیدا ہوں گے، وہ ان سے گھبرائیں گے نہیں۔

نگرانی کے مسئلے پر میری یہ چند سفارشیں ہیں۔ اس کا اصل معیار تو ایک عملی تجربے ہی کے ذریعے ممکن ہے۔

شری لیلا دھر دیسائی

(صوبہ بمبئی کے بنیادی تعلیم کے خاص افسر)

بنیادی قومی تعلیم میں ربط سے کیا مراد ہے؟

[مضمون نگار صاحب جامعہ کے ابتدائی مدرسے واقع قرول باغ میں نگران مدرسہ کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ گذشتہ سال مدرسہ کی چوتھی جماعت میں بنیادی قومی تعلیم کے نصاب کے مطابق پڑھائی کا تجربہ کیا گیا تھا۔ یہ تجربہ احمد علی صاحب اور ان کے رفقاء کی کوششوں سے بہت کامیاب رہا تھا۔ اس سال ابتدائی مدرسہ کی پہلی پانچ جماعتوں میں یہ تجربہ شروع کیا جائے گا۔ احمد علی صاحب کا یہ مضمون اس حیثیت سے خصوصیت کے ساتھ مطالعہ کا مستحق ہے کہ انھوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ ذاتی تجربے اور عملی کوشش کے نتیجے پر مبنی ہے۔ ہم دوسرے اہل فکر و تجربہ حضرات کو بھی دعوت دیتے ہیں کہ وہ اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں۔ مدیر]

بنیادی قومی تعلیم کے نصاب میں حرفوں کے ذریعے بچے کی تعلیم و تربیت پر بہت زور دیا گیا ہے۔ لہذا اس اسکیم کے چلانے والوں کے سامنے چند ایسے خیالات اور اصولوں کا ہونا ضروری ہے جو تجربے پر مبنی ہوں تاکہ ان اصولوں اور خیالات کی روشنی میں کام کرنے والوں کے لئے ایک حد تک آسانی ہو جائے لیکن جو کچھ میں نے اپنے تجربے کے دوران میں محسوس کیا ہے اور جس کو میں چند تعلیمی اور نفسیاتی اصولوں کے ماتحت لانا چاہتا ہوں وہ حرف آخر نہیں ہو سکتی۔ تجربے کے ساتھ اس میں تبدیلی ہوتی رہے گی لیکن فی الحال جبکہ ملک کے گوشے میں لوگ ایسے طریقے سے تعلیم دینے کے لئے آمادہ ہو رہے ہیں چند اصولوں کا سامنے رکھنا ضرور مفید ہوگا۔

"ربط سے کیا مراد ہے؟ یہ عمل قدرتی طور پر کس طرح واقع ہوتا ہے؟ یعنی تمام مضامین کی تعلیم حرفے کے ذریعے کس طرح ہو سکتی ہے؟ حرفے میں کون کون سے ایسے عناصر موجود ہیں جن سے تمام مضامین کی پڑھائی وابستہ کی جا سکتی ہے؟"

اس سوال کا جواب میں حرفوں اور دستکاریوں کی مختلف حیثیتوں اور بچے کے فطری رجحانات اور صلاحیتوں کو پیش نظر رکھ کر دوں گا لیکن اس سے پہلے کہ کوئی بات پیش کی جائے ہمیں بنیادی قومی تعلیم کی کمیٹی کی ہدایت کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ رپورٹ ہماری اس قدر ہدایت کرتی ہے "جو حرفہ انتخاب کیا جائے وہ ماحول کے مطابق ہو" یا دوسری جگہ یہ بیان کیا گیا ہے "جو حرفہ چنا جائے وہ تعلیم کے لئے مناسب ہو۔ اسے انسان کے ضروری کاموں اور دلچسپیوں سے قدرتی طور پر لگاؤ ہو اور وہ تعلیم کے پورے نصاب میں پھیلایا جا سکے۔" اس مختصر سی عبارت سے اس معاملے کی مکمل طور پر تشریح نہیں ہوتی۔ لیکن پھر بھی چند باتیں بالکل صاف طور پر نظر آتی ہیں، مثلاً:-

(الف) حرفے کا انتخاب ماحول کے مطابق ہو یعنی مدرسہ اگر ایسی بستی میں ہو جہاں لوگ چمڑے کا کاروبار کرتے ہوں تو وہاں بنیادی حرفہ چمڑے کا کام ہونا چاہیے، اس لئے کہ اس مدرسے کے بچوں کو اس حرفے سے قدرتی لگاؤ ہوگا اور اس قدرتی لگاؤ کی وجہ سے تمام اس تعلیم کا جو اس حرفے کے ذریعے دی جائے گی بچے پر خاطر خواہ اثر مرتب ہوگا اور بچہ بہت دلچسپی سے اس تعلیم میں حصہ لینے پر آمادہ نظر آئے گا۔ ماحول کے مطابق حرفے کا انتخاب کرنے میں بچے کے سماجی اور قدرتی ماحول کی تعلیم میں بھی براہ راست لگاؤ ہوگا۔

(ب) چنے ہوئے حرفے میں اتنی صلاحیت ہونی چاہیے کہ وہ تعلیم کے پورے نصاب میں پھیلایا جا سکے۔ یعنی اس میں اس قدر نئے اور حقیقی مواقع (Real Life Situations) پیدا ہوتے رہنے چاہئیں کہ ان مواقع سے فائدہ اٹھا کر نصاب کی ساری باتیں سکھائی جا سکیں اس طرح کہ بچوں کی دلچسپی ان میں برابر قائم رہے۔

اب ضرورت اس بات کی ہے کہ حرفوں کا جائزہ لیا جائے کہ آیا ان میں اتنی صلاحیت (Richness) ہوتی بھی ہے یا نہیں۔ بنیادی قومی تعلیم کے نصاب میں جن حرفوں کا تذکرہ کیا گیا ہے ان کا جائزہ لینے سے ہمیں ذیل کی چند باتیں خاص طور پر نظر آتی ہیں:-

(۱) ہر حرفہ ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے، مثلاً لوگوں نے اپنی کس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اس کو شروع کیا؟ کہاں شروع کیا؟ ابتدا میں اس کی کیا صورت تھی یعنی کس حالت میں انسانی ضروریات کے لئے استعمال ہوتا تھا؟ دوسری جگہوں میں اس کا رواج کیسے ہوا؟ کیا دوسری جگہ کے لوگوں نے اس میں کچھ تبدیلی کی یا ویسے ہی اختیار کر لیا؟ اس حرفے کو بہتر طریقے پر کرنے کے لئے کب کب کن کن لوگوں نے کیا کیا کوششیں کیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ کاغذ بنانا (کاغذ کی ترقی کی تاریخ)، ریشم، اون اور روئی کے کپڑے تیار کرنے میں اس قسم کے تمام درجوں سے جن کا تعلق گذشتہ زمانے کے واقعات اور سماجی اثرات سے ہے، گزرنا پڑتا ہے اور یہاں تاریخی واقعات بیان کرنے میں بالکل قدرتی لگاؤ نظر آتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ مختلف ممالک کے حالات جاننے کی ضرورت بھی اس حرفے کا ایک جزو لاینفک معلوم ہوتی ہے۔ اس بات کے پیش نظر ٹریننگ اسکول کے نصاب میں ان حرفوں کی تاریخی حیثیت پر مشتمل ایک نصاب ہونا چاہیے جو بنیادی قومی تعلیم کے حرفے کے نصاب میں دیئے ہوئے ہیں۔ حرفوں کے شروع ہونے کے زمانوں اور ان ملکوں کے حالات پر زور دینا چاہیے جہاں انھوں نے نشوونما پائی۔ اس نصاب میں ان تمام سماجی اثرات کو بھی شامل کرنا چاہیے، جن کی وجہ سے مختلف حرفے ترقی کرتے کرتے ہمارے سامنے موجودہ صورت میں آئے۔

(۲) مخصوص زمانوں میں بعض حرفوں کو خاص اہمیت رہی ہے لیکن لوگوں کے مذاق کے بدلنے سے اس کی وہ اہمیت نہ رہی۔ اس کے علاوہ کسی دوسری دستکاری نے اس کی جگہ لے لی اور اس طرح ان کا رواج کچھ کم ہو گیا مثلاً کسی زمانے میں ریشم اور اون کے کپڑے کا رواج تھا لیکن روئی اور بعدہٗ لینن کے کپڑے کے رواج سے ریشم اور اون کے کپڑے کی وہ اہمیت نہ رہی۔ یہاں بھی ان تاریخی اثرات اور ایجادات کے مطالعے کا موقع ملتا ہے جنھوں نے ان تبدیلیوں پر اثر ڈالا۔

(۳) گذشتہ زمانے میں مختلف حرفوں کی ترقی انھیں مقامات پر ہوتی تھی، جہاں ابنائے حکومت سکونت اختیار کرتے تھے لہذا مختلف دستکاریوں کے ماہرین کی جماعت وہیں پیدا ہو جاتی تھی جہاں بادشاہ یا راجہ رہا کرتا تھا اور یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ اکثر حرفوں کی نشوونما انھیں شہروں میں ہوئی جہاں بادشاہ یا راجہ کی راج دھانی تھی۔ مختلف دستکاروں نے بادشاہ یا راجہ کے شوق کے لئے کوئی چیز بنائی اگر پسند ہو گئی تو رواج ہو گیا اور دوسرے لوگوں نے بھی برتنا شروع کر دیا نہیں تو اس کو کسی نے پوچھا بھی نہیں۔ اس قسم کے دستکار اور ماہر بادشاہوں اور امیروں کے لئے مختلف چیزیں تیار کرتے تھے جن میں ان کی تمام ہنرمندی اور قابلیت کا اظہار ہوتا تھا لیکن اب جب سے جمہوری نظام کا دور شروع ہوا ہے وہ تمام حالات بدل گئے ہیں۔ اب کسی حرفے یا

دستکاری کے شروع کرنے اور ترقی دینے کے لئے ابنائے حکومت کے سکونت اختیار کرنے سے زیادہ جغرافی حالات اور عوام کی ضروریات کو پیش نظر رکھنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دیکھتے ہی دیکھتے کتنی ایسی چیزوں کا چلن ہو گیا ہے جو عوام کے شوق کو پورا کرتی ہیں۔ ان چیزوں میں اپنے ملک اور پرائے ملکوں کی کتنی ہی چیزیں شامل ہیں۔

(۴) جو لوگ کسی حرفے یا دستکاری کو اختیار کر چکے ہیں ان کی زندگیوں میں چند مخصوص باتیں پائی جاتی ہیں جو ان کے رہن سہن، رسم و رواج، زبان اور پہناوے سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کی شادی بیاہ کے طریقے مختلف ہوتے ہیں، مخصوص قسم کی تفریحات اور میلوں ٹھیلوں میں شریک ہوتے ہیں آپس کے جھگڑے ٹنٹے بھی ان کی اپنی پنچایتوں میں طے ہو جاتے ہیں شلاً دہلی کے کارخندار اور دیگر علی گڑھ کے قفل ساز، بنارس کے گرہست (جو ریشمی کپڑا بننے کا کام کرتے ہیں) اور بہار کے مومن بھائی اپنی مخصوص زندگی بسر کرتے ہیں۔

(۵) حرفے اور دستکاری میں استعمال ہونے والی چیزیں کچھ تو اپنے ملک میں دستیاب ہوتی ہیں اور کچھ باہر سے آتی ہیں۔ خام اشیا کے لئے خواہ وہ باہر سے آتی ہیں یا اپنے ملک میں دستیاب ہوتی ہیں، مخصوص جغرافیائی حالات جاننے کی ضرورت ہے جن کا مطالعہ کرنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح بنی بنائی چیزیں شلاً اوزار اور دوسرے سامان وہاں کیوں تیار ہوتے ہیں؟ وہاں کیا کیا سہولتیں ہیں؟ ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ کیسے پہنچایا جاتا ہے؟

(۶) حرفے یا دستکاری کے لئے مختلف چیزیں خریدنے کے لئے بازار جانا، مختلف دکانوں پر چیزیں دیکھنا، قیمتیں معلوم کرنا، قیمتوں کا موازنہ کرنا، نرخ کا نوٹ کرنا اور اپنے کام کے لئے چیزیں خریدنے سے لین دین کی مشق ہوتی ہے۔ پھر ان سے کوئی چیز تیار کرنا اور مقابلے کا خیال کرتے ہوئے بازار میں ان کو فروخت کرنا یا خود اپنے مدرسے میں دکان کھولنا اور وہاں یہ چیزیں فروخت کرنا حساب کے لئے پورا ماحول پیدا کر دیتا ہے۔

(۷) مختلف حرفوں یا دستکاریوں میں خوشنمائی اور دلکشی پیدا کرنے کے لئے مصوری کا موقع آتا ہے، چیزوں کو بہتر سے بہتر طریقے پر لوگوں کے سامنے پیش کرنے کے لئے آرٹ سے خاطر خواہ مدد لینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے یہ ذوق عام دستکاروں میں ابھی پیدا نہیں ہوا ہے! حالانکہ آرٹ اور ہنر نے ہندوستان میں مختلف حیثیتوں سے گذشتہ زمانے میں خاصی ترقی کی لیکن اب وہ تمام باتیں یادگار ماضی کے طور پر مختلف صحیفوں، عمارتوں اور عجائب خانوں میں تو موجود ہیں پر مختلف ہنرمندوں کے کام میں اس کا کوئی نقشہ نظر نہیں آتا اور اگر کہیں کہیں اس کا دھندلا سا نقشہ نظر بھی آتا ہے تو لوگوں کے مذاق نے اس کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے اور اس کی جگہ باہر کے آرٹ نے لے لی ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ہمارے ملک کے صناعوں اور کاریگروں نے مجبور ہو کر باہر والوں کی نقل کرنا شروع کر دی ہے جس کی شکل مسخ ہو کر اس قدر بھونڈی ہو گئی ہے کہ مذاق سلیم رکھنے والوں کو اپنے صناعوں اور کاریگروں میں کچھ دلچسپی نہیں رہی۔ اس تبدیلی کا مطالعہ تاریخی اعتبار سے بہت سی باتوں کو ہمارے سامنے پیش کرنے کا موقع دے سکتا ہے اس لئے کہ ہندوستان کا آرٹ بہت پرانا ہے، یہاں کے آرٹ کو یہاں کی تاریخ سے خاصہ لگاؤ رہا ہے۔ اس کے علاوہ اس مطالعے میں ہم اس زمانے کی زندگی کا حال بھی پیش کر سکیں گے اس لئے کہ کسی زمانے کا آرٹ اس زمانے کی جیتی جاگتی تصویر ہوتا ہے۔

(۸) مختلف دستکاریوں اور حرفوں کو ترقی دینے کے لئے مختلف لوگوں، انجمنوں اور حکومت کی کوششوں کا مطالعہ ضروری ہو جاتا ہے۔

ہم نے دیکھا کہ حرفے میں اس قدر گونا گونی اور نیرنگی ہے کہ وہ بنیادی قومی تعلیم کے پورے نصاب میں آسانی کے ساتھ پھیلایا جا سکتا ہے۔ اس میں زبان، مضمون نگاری، حساب، تاریخ، جغرافیہ، سماج کا علم اور ڈرائنگ کی بہت سی باتیں بتلائی جا سکتی ہیں۔ اس میں ایسے عناصر اور ایسی صلاحیتیں پائی جاتی ہیں کہ وہ ہر ایک مضمون کی تعلیم کا موقع فراہم کر دیتا ہے۔

اس تفصیل کے بعد اب ہمیں مضامین کے حرفوں سے ربط کو بچوں کی فطرتی صلاحیتوں اور ان کے رجحانات کو مدنظر رکھ کر بھی دیکھنا چاہئے۔ ربط کے معنی ہیں تعلق یا لگاؤ۔ تعلق یا لگاؤ دور کا بھی ہو سکتا ہے اور قریب کا بھی، صاف اور صریح بھی ہو سکتا ہے مبہم اور مشکوک بھی۔ لیکن کسی حرفے میں جب ہم مربوط پڑھائی کا تذکرہ کرتے ہیں تو یہ لگاؤ اور تعلق اس قدر فرق کے ساتھ نظر نہیں آتے اس لئے کہ بچوں کی عملی کام سے دلچسپی ان کے لئے ایسی ضرورت پیدا کر دیتی ہے کہ تمام قسم کے تعلقات میں اس قسم کا کوئی فرق نظر نہیں آتا بلکہ کام اس طرح انجام پاتا ہے کہ دور اور قریب، صاف اور مبہم تعلقات ایک سلسلے کی کڑی بنتے جاتے ہیں یہاں تک کہ بچہ جب ایک کام ختم کر کے دوسرا کام شروع کرتا ہے یا جب ایک بات کے علم ہونے پر دوسری بات سیکھتا ہے تو اس کو یہ محسوس بھی نہیں ہوتا کہ وہ جو کچھ سیکھ رہا ہے یا پڑھ رہا ہے اس کا حرفے سے دور کا یا قریب کا تعلق ہے۔ اس کے علاوہ کسی حرفے پر کام کراتے وقت کام کی نوعیت اس طرح بدلتی رہتی ہے اور بچے کی تجسس اور تلاش کی فطری عادت ایسے مواقع بہم پہنچاتی رہتی ہے کہ مربوط پڑھائی کو اس نظر سے دیکھنے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ شلاً بچے لئی سے ابری بناتے ہیں تو استاد بچوں کو مشورہ دیتا ہے کہ ابری میں کچھ بنانا بھی چاہئے۔ بچے مختلف تجویزیں پیش کرتے ہیں جو لکھ لی جاتی ہیں اور ہر بچہ بھی انھیں نوٹ کر لیتا ہے۔ اس طرح جب بچے ابری بناتے ہیں تو اپنی سوچی ہوئی چیزیں ابری پر بناتے ہیں تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ خوش نما ہو جائے۔ اس کام میں بچے کی انفرادی کوشش، سوجھ بوجھ اور اپنے سابقہ تجربے کو استعمال کرنے کا کافی موقع مل جاتا ہے۔ ہر بچہ اپنے طور پر سوچی ہوئی چیزیں لئی اور رنگ لگانے کے بعد اس پر بناتا ہے۔ کوئی بچہ پتے سے نقش بناتا ہے، کوئی پھول سے اس میں کوئی چیز بناتا ہے، کوئی انگلی سے کوئی تصویر ہی بنا دیتا ہے، کوئی برش سے سینری بناتا ہے۔ غرض کہ ہر ایک اپنی طبیعت کے مطابق کوئی نہ کوئی نئی چیز بناتا ہے اور انفرادیت کو نشو و نما ملنے کا بہترین موقع ملتا ہے۔ بچوں کی رنگ برنگ کی بنی ہوئی اس قسم کی چیزوں سے کئی ایک باتیں وابستہ کی جا سکتی ہیں اور پڑھائی کے مواد کے لئے بہترین مواقع مل سکتے ہیں۔ ممکن ہے کہ بچہ استاد کا یا اپنے کسی ساتھی کا شروع شروع میں سہارا لے اور نقل سے کوئی چیز بنائے لیکن رفتہ رفتہ ہمت دلانے سے وہ ابری پر اپنی طبیعت سے بھی چیزیں بنائے گا۔ (باقی)

سید احمد علی

فہرست مضامین

پرنٹر و پبلشر: حامد علی خاں — مطبوعہ: جید برقی پریس — مدیرہ: آشا دیوی

رجسٹرڈ نمبر: ایل ۴۴۴۷

نئی تعلیم

(ہندستانی تعلیمی سنگھ کا پرچہ)

جلد ۱ ، نمبر ۱۰	دہلی ، اکتوبر ۱۹۳۹ء	قیمت سالانہ عہ

سماج کا علم

(ونوبا جی کی تقریر کا خلاصہ جو انھوں نے ٹریننگ اسکول میں کی)

میں اب تک صرف "تعلیم کا حرفے سے تعلق" ہی کے عنوان پر عموماً اپنے خیالات ظاہر کرتا رہا ہوں۔ آج "حرفے کا تعلیم کے پورے نظام سے کیا تعلق ہونا چاہیئے" اس موضوع پر کچھ کہوں گا۔ میں نے یہاں چند جماعتوں کے امتحان لئے لیکن مجھے اطمینان نہیں ہوا۔ اس معاملے میں استادوں کا زیادہ قصور نہیں اس لئے کہ تعلیم کا طریقہ سب کے لئے یکساں طور پر نیا ہے۔ ایک استاد نے ایک کہانی سنائی، اور تکلی کا ایک گیت گوایا گویا انھوں نے اس طرح "ربط" پیدا کر دیا لیکن مجھے اس میں تصنع اور بناوٹ محسوس ہوئی۔ صرف تکلی کا گانا سنا دینے یا اس کا نام لے دینے سے 'حرفے کے ذریعے تعلیم' نہیں ہو سکتی جب حرفے سے قدرتی طور پر بچوں کو لگاؤ ہو جائے تو دوسرے مضامین کو اس سے مربوط کرنا چاہیئے۔ جماعت میں جو کچھ پڑھایا جاتا ہے، استاد اسی کی یادداشت رکھتے ہیں، لیکن اتنا ہی کافی نہیں ہے۔ جس چیز کے تعلق سے وہ چیز پڑھائی اس کا بھی اندراج ہونا چاہیئے۔ اس سے کہ بچے کو کسی قسم کا علم بغیر کسی واسطے یا تعلق کے براہ راست نہیں سکھانا ہے۔ اس لئے بات جس واسطے یا تعلق سے پڑھائی جائے، اس کا لکھنا ضروری ہے۔

آج میں درسی مضامین میں سے "سماج کے علم" کے متعلق کچھ باتیں بتانا چاہتا ہوں۔ لوگ اس تعلیم کے سلسلے میں عجیب عجیب خیالات قائم کر لیتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ تکلی اور اٹیرن کے ذریعے سب کچھ سکھا دینا ہے۔ یہ خیال غلط ہے۔ حرفے کے ذریعے تعلیم کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہر قسم کا علم حرفے ہی کے ذریعے سکھانا ہے، لیکن یہ ضرور ہے کہ جیسے ہم قفل کو کنجی کے ذریعے کھولتے ہیں اسی طرح زندگی کے راز کو حرفے کے ذریعے کھولنا ہے۔ حرفے کے ذریعے تعلیم دینے سے یہی مراد ہے۔ اس لئے ہر مضمون زندگی سے وابستہ کر کے تعلیم میں لایا جا سکتا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ اسے کسی نہ کسی ترکیب سے بناوٹی طور پر مربوط کیا جائے۔ فرض کیجئے بارش ہو رہی ہے، صبح کا وقت ہے اور بچے مدرسے میں آ چکے ہیں۔ اب فرمائیے ان سے پہلا سوال کیا ہونا چاہیئے؟ ان سے پوچھنا چاہیئے کہ وہ پاخانے ہو کر آئے ہیں یا نہیں؟ کہا جا سکتا ہے کہ یہ سوال اسی موقع پر کیوں جائے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس روز بارش ہوتی ہے، اس روز چاروں طرف کیچڑ ہی کیچڑ ہو جاتی ہے اور ہم حوائج ضروریہ کو ٹالنے لگتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے بارش کا بہانہ لے کر ان کو سمجھانا چاہیئے کہ ہر روز صبح کو پاخانے جانا لازمی ہے۔ ان باتوں کا تعلق تو تکلی سے نہیں ہے مگر زندگی سے براہ راست ان کا لگاؤ ضرور ہے۔ زندگی اور تعلیم میں مطلق کوئی دوری نہیں ہونی چاہیئے۔

"سماج کے علم" کے پہلے دو سال کے نصاب تعلیم کو غور سے پڑھا جائے تو اس میں تین باتیں خاص طور سے نظر آئیں گی یعنی

(۱) زمانے کا علم
(۲) زمین کا علم
(۳) شہریت کا علم ( )

پہلی جماعت کے شروع میں "ابتدائی انسانوں کی زندگی" سے واقفیت پیدا کرانے کی ہدایت کی گئی ہے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ بچوں کو زمانے کے مفہوم سے واقف کیا جائے۔ اس کے بعد "دور دراز ملکوں کے لوگوں" کی زندگی سے روشناس کرانا ہے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ بچوں کو زمین کی وسعت سے واقف کرایا جائے۔ زمانے کا علم اصل میں تاریخ کا علم ہے اور زمین کے علم سے جغرافیے کا علم مراد ہے۔

"تاریخ اور جغرافیہ" یا یوں سمجھئے "زمانہ اور مقام" ایک دوسرے سے اس قدر مشابہ ہیں کہ قریب قریب ہر زبان میں ظرف زماں اور ظرف مکاں کی حالتیں کم و بیش ایک ہی سی ہوتی ہیں۔ لفظ "پیچھے" ظرف زماں بھی ہے اور ظرف مکاں بھی۔ اسی طرح انگریزی لفظ Before ہے۔ سنسکرت میں "آکاش" اور "اوکاش" مکان اور زمانے کی علامت کے طور پر استعمال کئے جاتے ہیں۔ دور کیوں جائیے، کسی ناٹک کی مثال لے لیجئے، اس کا آغاز بھی زمانے اور مقام ہی سے ہوتا ہے۔

نصاب تعلیم میں سب سے ابتدائی زمانے اور ہندوستان سے بہت دو۔

کے لوگوں کا علم کرانے کی ہدایت کی گئی ہے۔ آپ کہیں گے یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ نصابِ تعلیم کی مجلس میں کچھ لوگوں کی رائے تھی کہ زمانۂ حال سے واقفیت اور آس پاس کے مقامات کا علم بچوں کو پہلے کرانا چاہئے اور اس کے بعد ابتدائی زمانے اور دور دراز ملکوں کے لوگوں کا حال بتانا چاہئے۔ کچھ لوگوں کی رائے اس کے بالکل برعکس تھی کتنی عجیب بات ہے کہ ایک ہی موضوع پر دو بالکل متضاد رائیں! لیکن اگر غور کیا جائے تو ایسا نہیں ہے۔ جیسے ایک دائرے کے دونوں ابتدائی اور آخری نقطے ایک ہی جگہ پر آکر ملتے ہیں اسی طرح مذکورہ بالا دونوں رائیں آخر میں آکر ایک ہی مقام پر مل جاتی ہیں دونوں کا مقصد یہ ہے کہ بچوں کو مقابلے کے ذریعے علم سکھانا ہے۔ بچے کے لئے یا تو قریب سے قریب چیز سے لگاؤ اور دلچسپی ہوتی ہے یا پھر دور سے دور چیز سے۔ اور مقابلے کو ذریعہ بنا کر علم سکھانے میں دوری یا قرب دونوں یکساں طور پر سہولت بخش ہوتے ہیں۔

مقابلہ دو طریقوں سے پیدا کیا جا سکتا ہے (۱) مشابہ اور یکساں چیزوں کے ساتھ (۲) نہایت مختلف اور متضاد چیزوں کے ساتھ۔ سنترے کا مقابلہ موسمی سے بھی کیا جا سکتا ہے اور اسی طرح کسی کھٹی چیز سے بھی۔ گاندھی جی کے عدم تشدد کا مقابلہ یکسانیت میں اشتراکیت سے کیا جا سکتا ہے اور مخالفت میں سامراج واد سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ رام کا مقابلہ راون سے بھی کیا جا سکتا ہے اور کرشن سے بھی۔ بچوں کی تعلیم میں مقابلے کے ان دونوں طریقوں کو اختیار کرنا چاہئے۔ پڑھاتے وقت جب ربط پیدا ہو جائے تو ابتدائی زمانے سے تعلق ہو یا دور دراز مقام کا تعلق ہو' وہاں موجودہ زمانے سے کوئی بات متعلق ہو' اسے فوراً بتانا چاہئے۔ جب مہذب زندگی کا درس دیا جاتا ہو تو پرانے زمانے کی غیر مہذب زندگی کی باتیں یا اسی زمانے میں ان غیر مہذب ملکوں کی باتیں جو مہذب ملکوں سے پیچھے ہیں سمجھانی چاہئیں۔ فرض کیجئے کہ پڑھائی میں گھر کا چرچا ہو رہا ہے تو میں طالب علموں سے پوچھوں گا کہ گھروں میں کھڑکیاں کیوں بناتے ہیں؟ جواب ملے گا "روشنی آنے کے لئے۔" "اچھا اگر چھپر پر شیشے کے ٹائل (کھپریل) ڈال دیے جائیں تب تو کھڑکی کی ضرورت نہیں رہے گی!" کوئی طالب علم بول اٹھے گا "روشنی تو آئے گی مگر ہوا کا گذر نہیں ہوگا۔" "اچھا اگر چھپر میں اوپر کو کھڑکی بنا دی جائے تو؟" اب بچہ ذرا سوچ میں پڑ جائے گا اور شاید جواب دے کہ "باہر کی چیزیں نہیں دیکھ سکیں گے۔" اس طرح کھڑکیوں کا ان کو پورا پورا استعمال اور اس کی ضرورت معلوم ہو جائے گی۔ "کھڑکیاں لگا دی جائیں تو پھر دروازے کی بھی ضرورت رہے گی؟" وہ سوچ کر جواب دیں گے کہ اندر اور باہر جانے کے لئے دروازہ تو ضرور چاہئے۔ اب مجھے انھیں پرانے زمانے کی کھڑکیوں کی بناوٹ سمجھانی ہے' اس لئے میں پوچھوں گا "ہمارے جسم میں ایسی کوئی کھڑکی یا دروازہ ہے؟" جواب ملے گا' ہاں آنکھ' کان' ناک' منہ وغیرہ۔ جسم کے ان حواس کو دروازے سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ پھر میں کہوں گا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اگلے زمانے کے لوگوں نے گھر کی بناوٹ کے لئے بدن ہی کو دیکھ کر تدبیریں سوچی ہیں۔ بدن کی طرح انھوں نے ایک گول سی چیز بنائی ہوگی اور اس میں آنکھوں کی طرح دو کھڑکیاں نکالی ہوں گی۔ سنسکرت میں کھڑکی کو "گواکش" یعنی گائے کی آنکھ کہتے ہیں۔ آدمی کی آنکھ سے گائے کی آنکھ نسبتاً زیادہ لمبی ہوتی ہے اس لئے کھڑکی کو وہ گائے کی آنکھ کے مانند بناتے ہوں گے۔ اس طرح کے گھر میں آہستہ آہستہ تبدیلیاں ہوتی گئیں اور آج ہم موجودہ طرز کے گھر کھڑکی اور دروازے کے ساتھ بنانے لگے۔ مگر دنیا میں اب بھی ایسے بہت سے لوگ ہیں جو پچھلے زمانے کے گھروں کی طرح اپنے گھر اور ان میں آنکھوں کی طرح کھڑکیاں بناتے ہیں۔ یہ کہہ کر میں ان کو "اسکیمو" کے متعلق باتیں بتا سکتا ہوں۔

دوسری مثال

سوال کیا جائے گا کہ ہندوستان جیسا نہایت قدیم اور گنجان آبادی والا اور کون سا ملک ہے؟ چین۔ اچھا ہندوستان کی زمین ہزاروں برس سے جوتی بوئی جاتی ہے اور اسی طرح چین کی زمین پر بھی ہزاروں سال سے جتائی بوائی ہوتی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہندوستان کی زمین کمزور ہو گئی ہے اور چین کی زمین ابھی جوں کی توں مضبوط ہے؟ اس لئے کہ چین کے لوگ سون کھاد جو سب سے اچھی کھاد ہوتی ہے استعمال کرتے ہیں۔ ہمارے یہاں اس کا استعمال نہیں ہوتا۔ امریکہ کے لوگ بھی ہندوستان سے اچھی کھیتی کرتے ہیں۔ ہندوستان میں فی آدمی ۱½ ایکڑ زمین ہے اور امریکہ میں ۲۵ ایکڑ۔ وہ لوگ کھیتی تو اچھے طریقے سے کرتے ہیں لیکن خرچ بہت فضول کرتے ہیں۔ مشین کا بہت زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ بناوٹی کھاد ڈالتے ہیں۔ ہم لوگوں کی طرح اُول جلول کھیتی نہیں کرتے۔

امریکہ اور چین ملکی کھیتی کے متعلق جو باتیں میں نے کہی ہیں وہ میرے اپنے بچار نہیں ہیں بلکہ امریکہ کے ایک کھیتی کے ماہر کے خیالات ہیں۔ انھوں نے چین میں جا کر وہاں کی کھیتی کا کافی مطالعہ کیا۔ اس کے بعد ایک کتاب لکھی جس کا نام ہے "چالیس صدیوں کے کسان" (Farmers of Forty Centuries)۔ میرے خیال میں ہر استاد کو یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ کھیتی کے ان دو بالکل متضاد طریقوں کا مقابلہ کر کے میں بچوں کے ذہن میں یہ بات بٹھا دوں گا کہ ہمیں چین کی مثال پر عمل کرنا چاہئے۔ جو ہم نہیں کرتے اس میں ہماری چھوت چھات رکاوٹ پیدا کرتی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ سون کھاد کا استعمال کرنے سے ہم ناپاک ہو جائیں گے' ہمارا دھرم ستیاناس ہو جائے گا۔ اگر ہمیں اپنی کھیتی کی اصلاح کرنی ہے' اپنے ملک کی غریبی دور کرنی ہے تو ہمیں یہ پرانے خیالات ترک کرنے پڑیں گے۔ اس طرح میں ان کو چین کی سیر کراؤں گا اور چھوت چھات کی برائیاں ان کے ذہن نشین کروں گا۔

اس سلسلے میں چین کا نام آگیا ہے اس لئے "سماج کے علم" کے بارے میں ایک بات عرض کروں گا۔ اکثر لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ پہلی جماعت میں چین کے پہلے پانچ بادشاہوں کی کہانی سنانے کی ہدایت کی گئی ہے۔ وہ کہانی کس طرح سنائی جائے؟ اس سلسلے میں کیا تعلق یا واسطہ پیدا کیا جائے؟ میرا جواب یہ ہے کہ "سماج کے علم" کا درس دیتے وقت یہ بات دھیان میں رکھنی چاہئے کہ جن جن باتوں کا ربط پیدا ہو جائے' وہ بتا جائے۔ اگر کوئی تعلق یا واسطہ پیدا نہیں ہوتا تو اُسے چھوڑ دیجئے۔ چین کے بادشاہوں کی کہانی نہیں سنا سکتے تو اسے چھوڑ دیجئے۔ چین کے "بادشاہوں کی کہانی" کے نصاب سے مطلب صرف اتنا ہے کہ بچے چین سے آشنا ہو جائیں۔ اگر یہ مقصد دوسرے ذرائع سے حل ہو جائے تو وہ بھی کافی ہے۔ نصاب میں جو باتیں لکھی گئی ہیں ان سے صرف ان کی اہمیت مقصود ہے نہ کہ ہو بہو وہی بات۔

ایک چیز چھٹی ہے۔ اس کے ذریعے سے بھی بہت کچھ سکھایا جا سکتا ہے۔ جس روز بہت بارش ہو اس روز چھٹی ہونی چاہئے۔ چھٹی کے دن استادوں کو بھی طالب علموں کے ساتھ کھیلنا کودنا چاہئے۔ جس روز بارش ہوتی ہے اس روز پانی کی شکل میں ہمارے اوپر خدا کی رحمت کی بارش ہوتی ہے۔ اسی طرح جس روز آسمان پر گھنا بادل ہو اس روز بھی تعطیل

ہو جانی چاہئے۔ ابر آلود دن کو سنسکرت میں "دُر دن" منحوس دن کہا جاتا ہے، اس لئے کہ اس روز سورج کی دھوپ نہ ہونے کے سبب ہاضمے پر اثر پڑتا ہے۔ دل پر بھی اس کا اثر ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں کہیں باہر جا کر کھیلنا کودنا چاہئے۔ اس طرح بھوک لگے گی اور بدن میں بھی پھرتی پیدا ہوگی۔ اس صورت سے میں بچوں کا دھیان انگلینڈ کی طرف لے جاؤں گا اور بتاؤں گا کہ وہاں کب کب چھٹیاں ہوتی ہیں۔ جس دن انگلینڈ میں آسمان پر سورج نکلتا ہے اس روز وہاں خاص طور پر چھٹی ہوتی ہے، سب لوگ مزے سے تفریحیں کرتے ہیں۔ چھٹیوں میں اس قسم کا فرق کیوں ہوتا ہے اور اسی طرح کے دوسرے مقابلوں کے ذریعے میں بچوں کو دوسرے ملکوں کی سیر کرا سکتا ہوں۔

لیکن ایک بات دھیان میں رکھنی چاہئے۔ اگر کسی مضمون کا درس ہو رہا ہو تو اس سلسلے میں واسطے اور تعلق سے جو دوسرے مضامین آجاتے ہیں ان کا صرف اشارہ کر کے پھر اصل مضمون پر آجانا چاہئے۔ ہندوستان سے محبت پیدا کرنے کے لئے جب میں فرانس کے اس گیت کا ذکر کروں گا جس میں یہ مفہوم ہے کہ فرانس کا ملک تمام دوسرے ملکوں سے اچھا ہے تو پھر میں اپنے ملک کا یہ گیت بتاؤں گا "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا"۔ مقابلے کے لئے میں نے فرانس کے گیت کا ذکر کر دیا ہے اب میں خاص موضوع یعنی "ہندوستان کے بیان" پر آجاؤں گا۔ اس طرح "سماج کے علم" کے سبق دیتے وقت دوسرے ملکوں اور زمانوں کی مثالیں دی جائیں اور مقابلے کے ذریعے ان کا علم کرایا جائے۔

اب تک میں نے "سماج کے علم" کے سلسلے کی تین خاص باتوں میں سے زمانہ اور مقام یعنی تاریخ اور جغرافیے کے سبق دینے کے طریقے بتائے ہیں اب آیئے شہری زندگی کا پہلو لیا جائے۔ شہری زندگی یا تہذیب کا علم کرانے کے لئے دو برسوں کے نصاب میں تین باتیں بتائی گئی ہیں۔ نصاب کے پہلے سال میں

(۱) بچے کی مدرسے کی زندگی

(۲) بچے کی گھر کی زندگی

اور دوسرے سال میں

(۳) بچے کی دیہات کی زندگی' کے متعلق درس دینا تجویز کیا گیا ہے۔

(۱) **بدن کا معائنہ**:۔ بچہ جب پہلے پہل مدرسے میں آتا ہے تو سب سے پہلے اس کے بدن کی جانچ کی جاتی ہے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ بچے کا بدن صاف ستھرا ہے یا نہیں' کپڑے صاف ہیں یا نہیں' کپڑا ٹھیک پہنا ہے یا نہیں' وعلیٰ ہذا القیاس۔ اگر بچے کی ناک بہتی ہے تو استاد کا پہلا کام ہے کہ وہ اس کی ناک صاف کرے، ناک کیوں بہتی ہے' اس سوال کے سلسلے میں کچھ باتیں بتلائے۔ لڑکا اگر پھر اسی طرح آتا ہے کہ اس کی ناک بہتی ہوتی ہے تو استاد پھر ناک صاف کرے۔ غرض جتنی مرتبہ وہ اس طرح آتا ہے کہ ناک بہتی ہوئی ہو استاد اتنی مرتبہ اس کی ناک صاف کرے۔ ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب بچہ خود بخود صاف ستھرا ہو کر آئے گا۔

اگر لڑکے کا بدن یا اس کے کپڑے گندے ہیں تو استاد کو بچے کی تذلیل ہرگز نہیں کرنی چاہئے۔ "لاحول ولا قوۃ تم کتنے گندے ہو جی' ناپاک کہیں کے" اس قسم کے الفاظ ہرگز نہ کہے جائیں۔ استاد کو چاہئے کہ وہ بچوں کا جہاں تک ہو سکے' زیادہ سے زیادہ احترام اور لحاظ کرے۔ بچے کو "ناپاک" یا گندہ کہنا مناسب نہیں ہے۔ وہ خود ناپاک یا گندہ نہیں ہے بلکہ صرف اس کا بدن گندہ ہے۔ اس کی روح نہایت پاکیزہ اور صاف ہوتی ہے۔ بدن تو میلا ہوتا ہی ہے البتہ یہ ہے کہ بدن صاف رکھنے سے روح بھی پاکیزہ اور صاف رہتی ہے۔ ایک بزرگ نے انسان کو "شکر کا کریلا" کہا ہے۔ اس کا ظاہر تو مزہ میں تلخ ہے لیکن باطن شیریں ہوتا ہے۔ بدن کریلے کی طرح کڑوا اور روح شکر کی طرح شیریں ہے۔ اس لئے بدن کی گندگی کی وجہ سے بچے کی روح کو صدمہ نہیں پہنچانا چاہئے۔

(۲) **جماعت میں بچے کے عادات و اطوار**:۔ اپنے ساتھ کے طالب علموں سے وہ کیا برتاؤ کرتا ہے۔ اپنی جگہ پر بیٹھتا ہے یا نہیں؟ بغیر پوچھے دوسروں کی چیزیں تو نہیں لیتا؟ اس قسم کی باتیں اس ضمن میں آئیں گی۔

(۳) **حرفے کے وقت بچے کا برتاؤ**:۔ اس ذیل میں باری باری سے چیزوں کا لینا' رکھنا' چیزوں کا ٹھیک استعمال' جی لگا کر کام کرنا وغیرہ باتیں آتی ہیں۔

(۴) **کھیل**:۔ اخلاق صرف جماعت ہی میں نہیں نظر آتا' کھیل کے میدان میں وہ یکساں طور پر نظر آتا ہے اور اس کی تعمیر ہوتی ہے۔ سچ پوچھئے تو آدمی کی اصلی سیرت کا پتہ کھیل ہی میں چلتا ہے' اس لئے کہ کھیلتے وقت اس کی فطری سیرت دکھائی دیتی ہے۔ کھیل کا آدمی کے دل پر اثر دیکھنا ہو تو اس کی بہترین مثال مہا بھارت ہے ــــــ بچوں کا اور بوڑھوں کا کھیل مہابھارت' بچپن میں کینے اور دشمنی کی جڑ جو جمی تو آگے چل کر اس قدر پنپ اور پھیل گئی کہ بوڑھے بھی اس کے اثر سے محفوظ نہ رہے۔ اس لئے کھیل کی تعلیم میں بہت زیادہ اہمیت ہے۔ کھیل میں جو بات بہت زور دے کر بتانے کی ہے وہ یہ ہے کہ جیت کی بہ نسبت حق کی زیادہ اہمیت ہے تاکہ یہ تصور پختہ اور مضبوط ہو جائے۔ کھیلتے وقت صرف جسم ہی کی نشو و نما نہیں ہوتی بلکہ سیرت کی بھی تعمیر ہوتی ہے۔ کھیل ایک دلچسپ ریاضت ہے جس کے ذریعے بہت اچھی تعلیم ہو سکتی ہے میرا تو خیال ہے کہ جو استاد بچوں کے ساتھ کھیل میں شریک نہیں ہوتا وہ کسی کام کا استاد نہیں ہے۔

(۵) **مدرسے کی ذمہ داریاں**:۔ بچوں میں یہ احساس پیدا کرنا چاہئے کہ مدرسے کے کام ان کے اپنے کام ہیں اور ان کا پورا کرنا ان کی فطری عادت ہے۔ استاد کو بھی ان کاموں میں حصہ لینا چاہئے۔ بچوں میں یہ احساس بیدار کرنے میں اس طرح آسانی ہوگی۔

بچے کی زندگی:۔ بچوں کو یہ احساس دلانا چاہئے کہ وہ اپنے گھر کے کام کاج کو خوشی سے کریں۔ گھر ایک اچھا مدرسہ ہے جہاں وہ اچھی اچھی عادتیں سیکھ سکتے ہیں۔

مذکورہ بالا باتوں کے سلسلے میں نصاب تعلیم کے بھی کچھ حوالے دیے گئے ہیں۔ یہ باتیں نصاب تعلیم میں تفصیل سے لکھی ہیں اس لئے میں نے ان کو مفصل طور پر نہیں بتایا ہے۔ اب صرف "بچوں کی دیہات کی زندگی" کا عنوان رہ گیا ہے لیکن وقت ختم ہو چکا ہے اور اس کی ابھی کوئی خاص ضرورت بھی نہیں ہے۔ اس لئے میں تقریر ختم کرتا ہوں۔

سوت: کام کا ماہوار نقشہ

مدرسوں میں کتائی کے کام کے سلسلے میں یہ باتیں جنوری ۱۹۳۹ء کے "نئی تعلیم" کے پرچے میں بتائی جا چکی ہیں کہ کون کون سے رجسٹر رکھنے چاہئیں اور ان میں کس طرح اندراجات ہونے چاہئیں۔

مندرجہ ذیل نقشے میں یہ دکھایا گیا ہے کہ پوری جماعت کی ترقی کی رفتار کیسی ہے؛

نام مدرسہ ___________

جماعت — پہلی

عمر۔

۱	۲	۳	۴	۵			۶	۷			۸
کتائی کے شروع سے مہینوں کا نمبر شمار نام اور سنہ	طالب علموں کی تعداد	ہر مہینے میں کتنے دن کام کیا گیا	ہر روز کا اوسط وقت	پوری جماعت کا کام			پوری جماعت کے سب کام کی مزدوری	مزدوری میں کمی			خانہ
			منٹ۔ گھنٹے	سوت: نمبر	چھٹانک۔ سیر	کس	پائی۔ آنے۔ روپے	سوت کی خرابیوں کے سبب	پونی اور روئی کی کمی کے سبب	تانت وغیرہ سامان کے سبب	
								پائی۔ آنے۔ روپے	پائی۔ آنے۔ روپے	پائی۔ آنے۔ روپے	پائی
بکم فروری ۱۹۳۹ء	۲۰	۲۰	۲ - ۰۰	۱۰	۱ - ۸	۴۰	۱ - ۲ - ۰	۰۰ - ۲ - ۳	۰۰ - ۴ - ۰۰	۰ - ۰ - ۰۰	۰۹
۹ اکتوبر ۱۹۳۹ء	۲۰	۲۴	۳ - ۰۰	۱۰ ۱۲	۰۰ - ۱۲ ۴ - ۴	۵۰ ۵۴	۰۰ - ۹ - ۰۰ ۵ - ۱۳ - ۹	۰۰ - ۰۰ - ۷ ۰۰ - ۵ - ۱۱	۰۰ - ۴ - ۰۰	۔ ۔	۰۰
				دھنائی (جس آٹے سے دھنائی ہو)	چھٹانک۔ سیر: ۷ - ۴	پائی۔ آنے۔ روپے: ۰۰ - ۹ - ۰۰	۲ - ۱۱ - ۹			۰۰ - ۱۵ - ۶	
				کل			۹ - ۲ - ۰۰				

یہ نقشہ ہر ماہ کے آخر میں تیار کیا جائے گا۔ اس نقشے کی خانہ پری کے طریقے بھی بتائے گئے ہیں۔ مدرسوں میں بھی ہر جماعت کے کام کا ماہوار نقشہ اس نہج پر بنایا جائے تو وہ مدرسے کے لئے بھی اور دیکھنے والوں کے لئے بھی بڑے کام کا ہوگا۔

نقشے کی خانہ پُری کے لئے ہدایات

خانہ نمبر ۱۔ مہینوں کی تعداد، نام اور سن۔

اگر کتائی کا کام مہینے کے شروع سے جاری کیا گیا ہو تو اس مہینے کا عدد ۱ سمجھا جائے اور اگر درمیان سے کام شروع کیا گیا ہو تو کام شروع کرنے کی تاریخ ڈال دی جائے۔

خانہ نمبر ۵:۔ پوری جماعت کا کام

کتائی:۔ استاد کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ جماعت کے سب بچے مقررہ نمبر یا اس کے لگ بھگ نمبر کا سوت نکالیں۔ اگر پورے درجے کا سوت کم و بیش ایک ہی سے نمبر کا ہو تو پوری جماعت کے کاتے ہوئے سوت میں سے ایک اوسط درجے کی سوت کی لچھی لے کر اس کا نمبر نکالا جائے، وہی نمبر پورے درجے کے سوت کا مانا جائے۔ اگر بچوں کے کاتے ہوئے سوتوں میں نمبروں کا کافی فرق ہو تو پورے سوت کی موٹائی کے مطابق اس کے دو یا تین حصے کئے جائیں۔ ہر حصے کے سوتوں میں سے کوئی اوسط درجے کی لچھی لے کر اس کا نمبر نکالا جائے اور اسی لچھی سے سوت کا کس نکالا جائے۔ اس طرح پوری جماعت کے اندراجات اس طرح ہوں گے۔

نمبر	چھٹانک - سیر	کس
۱۰	۴ - ۵	۴۰
	یا	
۸	۴ - ۲	۴۵
۱۰	۱۲ - ۱	۴۰
۱۲	۴ - ۱	۳۸

دُھنائی (۱) بنیادی تعلیم میں پہلی ششماہی میں دھنائی نہیں ہے اس لئے اس وقت تک دھنائی کے کام کے اندراج کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن جب دھنائی کا کام بھی شروع ہو جائے تو کتائی کا کام لکھنے کے بعد ایک لکیر کھینچ کر "دھنائی" کا لفظ لکھ کر دھنائی کا کام لکھا جائے گا۔

(۲) دھنائی کے آٹے کا نام یعنی جس آٹے پر دھنائی ہوئی ہو اس کا نام بھی لکھا جائے۔

(۳) دھنائی کی مزدوری، جس نمبر کا سوت پونی میں سے کاتا جائے گا اس نمبر کی دھنائی کے درے نکالی جائے جو دھنائی کی مزدوری نکالنے کے لئے مقرر ہیں۔

خانہ نمبر ۶:۔ پوری جماعت کے سارے کام کی مزدوری

مزدوری نکالتے وقت یہ بات دھیان میں رکھنی چاہئے کہ سوت سب کا سب اچھا ہے۔ مزدوری نکالنے کے لئے نیچے لکھی ہوئی باتیں پیش نظر ہونی چاہئیں:۔

ضلع ______ صوبہ ______

کام — تکلی

۱۰			۱۱	۱۲		۱۳	۱۴
آدھ گھنٹے کی مقررہ کتائی کی رفتار			فی صدی رفتار مقررہ رفتار کے لحاظ سے	گھٹ (کمی)		سوت کی کمی کا اوسط فی صدی	کیفیت
اوسط	سب سے زیادہ	سب سے کم		روئی چھٹانک سیر	پونی چھٹانک سیر		اگر کمی زیادہ ہو تو اس کا سبب لکھا جائے
۲۰	۴۰	۱۱	۴۰%	۰-۰-۰	۰-۰-۴	۱۶ ۲/۳%	شروع کا مہینہ ہونے کے سبب سے زیادہ ٹوٹا روئی کی قسم :- وصیرم
۵۰	۱۰۰	۳۶	۸۳ ۱/۳%	۰-۰-۰	۰-۰-۴	۵%	روئی کی قسم :- وصیرم

دلیہ ۵ ستمبر ۳۹ء

(۱) مزدوری مندرجہ ذیل شرح کے حساب سے نکالی جائے :-

نمبر	دھنائی (۴۰ تولے پونی کے لئے) پائی - آنے - روپے	کتائی (۴۰ تولے سوت کے لئے) پائی - آنے - روپے	دھنائی مع کتائی پائی - آنے - روپے
۶	۰ - ۴ - ۰	۰ - ۴ - ۰	۰ - ۸ - ۰
۷	۰ - ۴ - ۰	۰ - ۶ - ۰	۰ - ۱۰ - ۰
۸	۰ - ۴ - ۰	۰ - ۸ - ۰	۰ - ۱۲ - ۰
۹	۰ - ۴ - ۰	۰ - ۱۰ - ۰	۰ - ۱۴ - ۰
۱۰	۰ - ۶ - ۰	۰ - ۱۲ - ۰	۱ - ۲ - ۰
۱۱	۰ - ۶ - ۰	۰ - ۱۴ - ۰	۱ - ۴ - ۰
۱۲	۰ - ۶ - ۰	۱ - ۰ - ۰	۱ - ۶ - ۰
۱۴	۰ - ۶ - ۰	۱ - ۴ - ۰	۱ - ۱۰ - ۰
۱۶	۰ - ۶ - ۰	۱ - ۶ - ۰	۱ - ۱۲ - ۰
۱۸	۰ - ۸ - ۰	۱ - ۸ - ۰	۲ - ۰ - ۰
۲۰	۰ - ۸ - ۰	۱ - ۱۲ - ۰	۲ - ۴ - ۰
۲۲	۰ - ۸ - ۰	۲ - ۰ - ۰	۲ - ۸ - ۰
۲۴	۰ - ۸ - ۰	۲ - ۶ - ۰	۲ - ۱۴ - ۰
۲۶	۰ - ۸ - ۰	۲ - ۱۲ - ۰	۳ - ۴ - ۰
۲۸	۰ - ۸ - ۰	۳ - ۲ - ۰	۳ - ۱۰ - ۰

(۲) جہاں ہر ایک نمبر کے لئے در الگ نہیں ہیں، وہاں جو نمبر دیا جائے اس کے آگے کے نمبر کے لئے بھی وہی در سمجھا جائے جیسے ۱۲ نمبر کے در ۱۳ نمبر کے اور ۱۸ نمبر کے در ۱۹ نمبر کے سمجھے جائیں۔

(۳) ۶ نمبر سے نیچے کے سوت کا شمار نہ کیا جائے۔

خانہ نمبر ۷ :- مزدوری میں کمی، سوت کی خرابیوں کے سبب

سوت کی خرابی سے یہاں خصوصاً کس مراد ہے۔ نیچے لکھے ہوئے فی صدی کس میں سے تخفیف کی جائے۔

۶۰ یا ۶۰ سے اوپر جس سوت کا کس ہو اس کی مزدوری میں کوئی کمی نہ کی جائے۔

۵۰ سے ۵۹ تک کے کس کے لئے ایک روپے کی مزدوری میں سے ایک آنہ یعنی ۱/۱۶ تخفیف کی جائے۔

۴۰ سے ۴۹ تک کے کس کے لئے ایک روپے مزدوری پر ۲ آنے یعنی ۱/۸ تخفیف کی جائے۔

۳۰ سے ۳۹ تک کے کس کے لئے عہ روپے پر ۴ آنے یعنی ۱/۴ کمی کی جائے۔

۳۰ کس کے نیچے کے سوت پر مزدوری نہ دی جائے۔

پونی اور روئی کی گھٹ (کمی) کے سبب

(۱) روئی سے پونیاں بنانے میں جو کمی ہوتی ہے اسے الگ اور پونی سے سوت کاتنے میں جو کمی ہوتی ہے اسے الگ نکالا جائے۔ (اس کی کا وزن

تیرھویں خانے میں لکھا جائے گا، پونی اور روئی کی کمی کی قیمت الگ الگ لکھی جائے اور نیچے جوڑ دی جائے۔

(۲) پونی اور روئی جس بھاؤ سے پڑی ہو کمی کی قیمت اس بھاؤ سے لگائی جائے۔

تانت وغیرہ سامان کے سبب۔

ہم نے جس قدر سوت کی مزدوری نکالی ہے اتنے سوت کے دھننے کے لئے جس قدر قیمت کی تانت اور پٹی وغیرہ خرچ ہوئی ہو اتنی ہی قیمت لکھنی چاہئے۔ فرض کیجئے کہ مہینے کے شروع میں تانت کے دس بنڈل اور کاکر کی دس پٹیاں دھنکیوں پر لگائی گئیں اور مہینے کے آخر میں تانت کے آدھ آدھ بنڈل اور کاکر کی پٹیاں درست حالت میں رہ جائیں تو پانچ ہی بنڈل تانت کی قیمت اور دہ ہی کاکر پٹیوں کی قیمت مزدوری میں سے وضع کرنی چاہئے۔ اور اسے "تانت کاکر وغیرہ سامان کے سبب" کے خانے میں لکھنا چاہئے۔

خانہ نمبر ۱۰:- آدھ گھنٹے کی مقررہ کتائی کی رفتار

یہ رفتار صرف کاتنے ہی کی ہوگی۔ اس میں لپیٹنا شامل نہ ہوگا۔

اوسط:- پوری جماعت کا ہر روز کا اوسط لے کر پھر اس سے مہینے کا اوسط نکالنا چاہئے۔ (ہر روز کا اوسط نکالنے میں جتنے طالب علموں نے حصہ لیا ہو، انھی کی تعداد لکھنی چاہئے۔)

سب سے زیادہ اور سب سے کم:- جماعت میں جس طالب علم کی رفتار سب سے زیادہ اور جس کی سب سے کم ہو وہ لکھی جائے۔

خانہ نمبر ۱۱:- فی صدی رفتار (مقررہ رفتار کے لحاظ سے)

مقررہ رفتار سے مراد ہے کہ نصاب میں ہر ششماہی کے آخر میں تکلی کی مقررہ رفتار۔ اس رفتار میں لپیٹنا بھی شامل ہے اس لئے وہاں دی ہوئی رفتار کو صرف کتائی کی رفتار سے مقابلہ کرنے کے لئے کچھ بڑھانا ہوگا وہ رفتار نیچے لکھے ہوئے نقشے کے مطابق سمجھی جائے۔

سال	ششماہی	آدھ گھنٹے کی رفتار (صرف کتائی)
۱	۱	۵۰ تار
۱	۲	۶۰ "
۲	۱	۸۰ "
۲	۲	۸۰ "

چرخے کی جو رفتار نصاب میں دی ہے وہی رہے گی۔

خانہ نمبر ۱۳:- سوت سے کمی کا اوسط فی صدی

تیرھویں خانے میں روئی اور پونی کی کمی کا وزن دیا گیا ہے۔ ان کو جمع کر کے سوت کے وزن کی نسبت سے اس کا فی صدی نکال کر یہاں لکھا جائے۔

خانہ نمبر ۱۴:- کیفیت

اس خانے میں جو مزید باتیں ہوں وہ لکھی جائیں۔ اگر کسی مدرسے میں بچے کو داہنے ہاتھ کے بجائے بائیں ہاتھ سے تکلی کی مشق شروع کرائی گئی ہے تو اس مشق کے جو تجربات ہوں، وہ اس خانے میں لکھے جا سکتے ہیں۔ اسی طرح کسی مدرسے میں اگر بچوں سے چھوٹی سی دھنکی پر روئی دھنوانے کی مشق کرائی گئی ہو تو اس کی پوری پوری واقفیت اور تجربہ لکھنا چاہئے۔ غرض ہر قسم کی مزید یادداشت اس خانے میں لکھی جا سکتی ہے۔

نوٹ (۱) باقی خانے جس طرح نقشے میں بھرے ہوئے ہیں اسی طرح بھرے جائیں گے۔ ان میں کسی خاص ہدایت کی ضرورت نہیں ہے۔

(۲) سوت کو اوٹنے یا کسی اور سلسلے کی باتیں لکھنی ہوں تو انھیں یا کیفیت کے خانے میں لکھا جا سکتا ہے یا دھنائی کی طرح نقشے کے نیچے ایک ماتحت نقشہ بنا کر لکھا جا سکتا ہے، جیسے خانہ نمبر ۵ میں دھنائی کے سلسلے میں پوری جماعت کا کام لکھا ہوا ہے۔

ولبھ بھائی

۵ ستمبر ۱۹۳۹ء

وردھا تعلیمی اسکیم کا راز — ربط

(کاکا صاحب کالیلکر)

(۱)

کیا وردھا تعلیمی اسکیم کا راز یہ ہے کہ حرفے کی تعلیم کو خود کفیل بنایا جائے؟ نہیں۔ اگر ہم صنعت یا دستکاری کی مناسب تعلیم کافی مدت تک دے دیں تو ذہین طالب علموں کی بنائی ہوئی چیزوں کی بازار میں اچھی نکاسی ہونی چاہئے۔

وردھا اسکیم کا یہ مقصد نہیں کہ مدرسے کو چلانے کا سارا بار طالب علموں ہی کے اوپر پڑے۔ مدرسے کی عمارت ہے، دست کاری گھر ہے، کتب خانہ ہے، تجربہ گھر ہے، ان سب کا خرچ طالب علموں کی محنت سے نہیں نکل سکتا۔ ان اخراجات کا بار تو حکومت اٹھائے، سماج اٹھائے یا پھر کوئی سخی اٹھائے۔ وردھا اسکیم کے اداروں کے معائنے، امتحانات وغیرہ کا بار بھی طالب علموں پر نہیں پڑنا چاہئے۔ طالب علموں سے تو صرف اتنی ہی امید رکھنی چاہئے کہ وہ اپنے طالب علمی کے زمانے کی روزانہ دو تین گھنٹے کی پڑھائی کے ساتھ ساتھ کچھ نہ کچھ محنت اور دستکاری کر کے مہینے میں آٹھ آنے، بارہ آنے، زیادہ سے زیادہ ایک روپیہ کما کر استاد کی خدمت میں نذر کے طور پر پیش کر دیں اور یہ سمجھیں کہ وہ جو دستکاری سیکھتے ہیں، وہ صرف کھیل نہیں ہے بلکہ بازار میں اس کی کچھ قیمت بھی ہے۔ انھیں یہ بھی اطمینان رہے گا کہ ان کی تعلیم مفت ہی نہیں ہوتی بلکہ وہ اس کے بدلے میں روزانہ تین چار گھنٹے محنت کرتے ہیں۔ ان کی اس محنت سے جو کچھ آمدنی ہوگی وہ مدرسے کے کھاتے میں جمع ہوگی لیکن اس آمدنی پر استاد کی تنخواہ کا انحصار نہیں ہوگا۔ شروع شروع میں تو کوئی آمدنی ہی نہیں ہوگی، البتہ آگے چل کر آمدنی میں کچھ اضافہ ہوگا۔ آمدنی کے ذریعے یہ ضرور ہوگا کہ طالب علم کی صنعتی ترقی کا ایک پیمانہ ہاتھ آجائے گا۔ بہرحال، وردھا اسکیم میں اپنا خرچ آپ اٹھانا کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو لیکن وہ اس اسکیم کا راز یا مغز نہیں ہو سکتا۔

تو پھر کیا حرفے کی اہمیت ہی اس اسکیم کا راز ہے؟ بہت سے لوگ کہہ اٹھیں گے "ہاں، یہی اس طریقۂ تعلیم کا راز ہے۔" لیکن صحیح یہ بھی نہیں ہے۔ صنعتی تعلیم کے جتنے ادارے ہیں ان میں صنعت کو مقدم ضرور رکھا گیا ہے لیکن ان اداروں میں اور وردھا اسکیم میں باہم کوئی نسبت نہیں ہے۔

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حرفے کی تعلیم بالکل الگ ایک چیز ہے اور ذہنی تعلیم بالکل الگ، وہ اس اسکیم کو کبھی نہیں سمجھ سکتے۔ اسی طرح جو لوگ یہ سمجھتے ہیں

کہ ذہنی نشوونما صرف کتابوں ہی کے ذریعے ہوسکتی ہے' دستکاری یا ہاتھ کے کام سے نہیں ہوسکتی وہ بھی وردھا اسکیم کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اس کے برعکس وردھا اسکیم کا بنیادی تصور یہ ہے کہ ذہنی نشوونما جتنی حرفے یا ہاتھ کے کام کے ذریعے ہوسکتی ہے اتنی کتاب کے ذریعے ممکن نہیں۔

وردھا اسکیم کا خاص مقصد ذہنی نشوونما کو زیادہ سے زیادہ کامیاب بنانا ہے۔ اگر اس کے ذریعے ذہنی نشوونما آج کی بہ نسبت زیادہ نہیں ہوتی تو وردھا اسکیم بے کار ہے۔ یا پھر یہ کہنا پڑے گا کہ جو لوگ اس کام میں لگے ہوئے تھے وہ ٹھیک طور پر کام نہیں کرسکے۔

وردھا اسکیم کی کامیابی اس بات میں نہیں ہے کہ ہم قوم کے مفید مطلب دستکاری یا حرفہ سکھا دیں بلکہ اس بات میں ہے کہ قومی صنعت اور دستکاری کی تعلیم کا انتظام اس طرح قائم کیا جائے کہ طالب علم ایک ہی وقت میں صنعت کی واقفیت کے ساتھ ساتھ ایک ہمہ گیر اور کامیاب زندگی کے لئے تمام ضروری مضمونوں کا علم بھی حاصل کرے۔ اتنا ہی نہیں کہ علم کو صرف حاصل کرے بلکہ اسے اپنے اندر سموئے اور اس کے ذریعے سے اپنی شخصیت میں بلندی پیدا کرسکے۔

اس مقصد کی کامیابی کے لئے یہ امر نہایت ضروری ہے کہ استاد طالب علموں میں حرفے کی مہارت پیدا کرے اور ساتھ ہی ساتھ ان کا دھیان اس بات کی طرف دلائے کہ زندگی کے لئے جو جو باتیں مفید ہوسکتی ہیں ان سب کو سیکھنے کا ذریعہ حرفہ ہے اور اسی ربط کے سہارے طالب علم کو مناسب مقدار میں مختلف مضمونوں کا علم کراتا رہے۔ ربط کے سہارے مناسب مقدار میں جب علم سکھایا جاتا ہے تو وہ آسانی سے قبول کیا جاسکتا ہے اور اُسے اپنے ذہن میں سمونے کے لئے کسی خاص محنت یا کوشش کی ضرورت نہیں رہتی۔ اسکول یا کالج کے باہر زندگی میں بغیر پڑھے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ عمر بھر یاد رہتا ہے اور اسے قبول کرنے میں کسی قسم کا بار محسوس نہیں ہوتا۔ دنیا کے تصنعات اور بناوٹوں سے پاک ایک قدرتی انسان جس فطری طریق سے اپنی زندگی میں جو علم حاصل کرلیتا ہے اسی طریقے کو وردھا تعلیمی اسکیم میں پسند کیا گیا ہے۔ انسان کی زندگی کا ۹/۱۰ حصہ اپنی روزی کمانے میں صرف ہوتا ہے۔ اُسے کسی نہ کسی پیشے یا کوشش سے روزی حاصل ہوتی ہے اور اس کوشش یا پیشے کے حصول کے سلسلے میں اسے مختلف باتوں سے واقفیت حاصل کرنی پڑتی ہے اور سچ یہ ہے کہ اسے جس قدر زیادہ واقفیت ہوگی اسی نسبت سے اس کی زندگی بھی کامیاب رہے گی۔ یہی وجہ ہے کہ روزی حاصل کرنے کے لئے انسان جو پیشہ اختیار کرتا ہے اس کے متعلق واقفیت حاصل کرنے کے لئے ہر وقت وہ آمادہ اور گوش برآواز رہتا ہے کہ جہاں بھی اس کو اس کے مفید مطلب علم مل سکے حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اس کی اس آمادگی میں جہاں کمی آئی وہیں اس کی کامیابی میں اسی نسبت سے اثر پڑ جاتا ہے۔

زندگی کی جدوجہد کا جن باتوں سے ربط و تعلق ہے ان کی طرف سے باخبر رہنا وردھا اسکیم کا اصل راز ہے۔ اس ربط و تعلق کی حقیقت کیا ہے یہ سوال ہمیں پہلے سمجھنا ہوگا۔

بنیادی تعلیم کا اجلاس

اکتوبر کی ۲۹، ۳۰، ۳۱ تاریخ اور نومبر کی پہلی تاریخ کو پونا میں بنیادی تعلیم کا پہلا اجلاس ہونا طے پایا ہے۔ دو سال پہلے ۱۹۳۷ء میں وردھا میں آل انڈیا تعلیمی کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ اس کے بعد اس نئی اسکیم پر مجموعی حیثیت سے غور و خوض کرنے کا یہ پہلا موقع ہے۔

دو برس پہلے کے وردھا کے اجلاس اور اس اجلاس میں بہت زیادہ فرق ہے۔ وردھا تعلیمی کانفرنس کے وقت یہ اسکیم صرف ایک تخیل کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس کا خاکہ بھی صاف ظاہر نہیں تھا اور اس کے چلنے اور نہ چلنے کا امکان بھی صرف ایک موضوع بحث تھا۔

وردھا کانفرنس کے بعد ہی یہ اسکیم آہستہ آہستہ عملی صورت اختیار کرنے لگی۔ نصاب تعلیم، نئے استادوں کی تیاری، استادوں کے مدرسوں اور بنیادی اسکولوں کا قیام یہ تھیں وہ صورتیں جن کے روپ میں یہ اسکیم اور اس کے ساتھ ہی ساتھ ایک نیا تعلیمی ادب اور تعلیم کا ایک نیا تصور پیدا ہونے لگا ہے۔ گویا وردھا کانفرنس میں جو بیج بویا گیا تھا اب وہ پھوٹ نکلا ہے اور دن پر دن بڑھ اور پنپ رہا ہے۔

اس لئے اب وقت آگیا ہے کہ بنیادی تعلیم کے کام کرنے والے ایک جگہ جمع ہوکر اپنے کئے ہوئے کاموں پر نظر ڈالیں، ان پر بحث و مباحثہ کریں اور آیندہ کے کام کے پروگرام پر سوچ بچار کریں۔ ہمیں اب اصول اور نظریے پر بحث نہیں کرنی ہے' اس اجلاس کا مقصد عمل ہے۔ ہمیں پہلا کام یہ کرنا ہے کہ مختلف اداروں میں بنیادی تعلیم کا جو کچھ کام ہوا ہے' اور اس سلسلے میں جو تجربے ہوئے ہیں' انھیں درجے وار اکٹھا کرکے ایک ایسی عملی شکل دینی ہے جو سب کے لئے مشعل راہ کا کام دے اور ان کے لئے مفید ثابت ہو۔ دوسرا یہ کام ہے کہ اس تجربے کے سلسلے میں جو جو دقتیں اور مشکلات پیش آئی ہیں ان کو ایک دوسرے سے تبادلۂ خیال کرکے اور ایک دوسرے کے تجربات کی مدد سے سلجھانا ہے اور انھی کے اندر سے اپنے لئے ایک راستہ نکالنا ہے۔ اس لئے یہ اجلاس تعلیم کے ماہرین کی کوئی علمی نشست نہیں ہوگی بلکہ بنیادی تعلیم کے کام کرنے والوں کی ایک ساتھ بیٹھ کر اپنے مسائل پر غور کرنے کی ایک نجی بیٹھک ہوگی۔ اس لئے بنیادی تعلیم کے اداروں میں جو لوگ کام کر رہے ہیں وہی اس اجلاس کے ڈیلی گیٹ ہوں گے اور وہی اس اجلاس کے بحث مباحثے میں حصہ لے سکیں گے۔

اس اجلاس کے عملی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر ہمیں صرف انھیں چار پانچ موٹے موٹے مسائل پر غور و خوض کرنا ہوگا جو ہم سب کے سامنے یکساں طور پر پیش ہوتے رہتے ہیں۔ انھی مسائل کا حل تلاش کرکے ہمیں ایک مقررہ منزل پر پہنچنا ہے اور یہی اس اجلاس کا پروگرام ہے۔

(۱) استادوں کی تیاری

استادوں کی تیاری کا مسئلہ نئی تعلیم کا ایک بنیادی مسئلہ ہے اس لئے کہ اس اسکیم کی کامیابی یا ناکامی کا انحصار بڑی حد تک انھی استادوں پر ہے۔ اس مسئلے پر بحث کرنے کے لئے ہمارے پاس کافی مواد بھی موجود ہے۔ آج ہندوستان کے مختلف صوبوں میں ۱۳ ٹریننگ اسکول اور تنہا یوپی کے صوبے میں ۷ ریفریشر کورس کے ٹریننگ سنٹر (Refresher Training Centre) قائم ہیں۔ ان میں سے بہت سے مرکزوں سے استادوں کا ایک ایک جتھا تیار ہوچکا ہے اور دوسرے جتھوں

کی تیاری ہو رہی ہے۔ اس لئے اس اجلاس کا خاص کام یہ ہوگا کہ استادوں کی تیاری کا جو خاص مسئلہ ہے اور اس کو حل کرنے کے لئے جو تدبیریں عمل میں لائی جاسکتی ہیں ان پر تفصیل سے بحث کی جائے۔

(۲) بنیادی تعلیم کے نصاب کا استعمال

موجودہ نصاب تعلیم کے مطابق متعدد اداروں میں بچوں کو تعلیم دیتے ہوئے ایک سال کا زمانہ ہو چکا ہے۔ اس لئے اس سلسلے میں ان سوالات پر کہ اس نصاب تعلیم میں ترمیم و اضافے کی کہاں تک گنجائش اور ضرورت ہے اور آیا یہ نصاب بچوں کی تعلیم کے موافق بھی ہے یا نہیں، بحث کرنا بہت ضروری ہوگا۔ ساتھ ہی اس بات پر بھی سوچ بچار کیا جائے گا کہ بنیادی حرفے کے طور پر اور کون کون سے حرفے لے کر تجربہ کیا جاسکتا ہے۔

(۳) ربط یا Correlation

ایک اور اہم مسئلہ جس پر آئے دن اختلافات ہوتے رہتے ہیں اور سب سے زیادہ بحث مباحثہ ہوا کرتا ہے تعلیم کا وہ نیا طریقہ ہے جسے انگریزی میں Correlation یا ربط کہا جاتا ہے۔ اس مسئلے پر سب سے زیادہ بے اطمینانی اور شبہ اب بھی خود استادوں اور نئی تعلیم کے کام کرنے والوں کے دلوں میں موجود ہے کہ کسی بنیادی حرفے کے ذریعے کس طرح بچے کی قوتوں اور ذہن کی نشو و نما کی جاسکتی ہے۔ اس اجلاس کا ایک مقصد یہ بھی رہے گا کہ اس شبہے کو دور کرنے کی تدبیر کی جائے۔

(۴) ان مقاصد کے علاوہ ایک مقصد یہ بھی ہوگا کہ نئی تعلیم کے جس ادب اور تشریح کی ضرورت ہے، اس پر سوچ بچار کیا جائے۔

یہ تو تھے وہ مسائل جو کلی طور پر تعلیم سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ اس اسکیم کے تجربے میں جو انتظامی مسائل پیش آتے ہیں ان پر بھی غور کرنے کی ضرورت رہے گی اس لئے کہ ان مسائل کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

اجلاس کے ساتھ ساتھ ایک نمائش بھی ہوگی۔ یہ نمائش ہمارے آج تک کے تجربات کا آئینہ ہوگی۔ کوشش کی جائے گی کہ اس کے ذریعے مختلف اداروں میں جو تجربات کئے گئے ہیں ان کو واضح کیا جاسکے۔

وردھا کانفرنس کے متعلق گاندھی جی نے "ہریجن" میں جب لکھا تھا تو اس کانفرنس کو "ایک قدم آگے" کہا تھا۔ ہمیں یقین ہے کہ اس اجلاس کی صورت میں ہمارا "دوسرا قدم آگے" ہوگا لیکن ہمارا یہ مقصد جبھی حل ہوگا جب ہمیں بنیادی تعلیم کے تمام اداروں اور کام کرنے والوں کا تعاون حاصل ہو۔

مدیر

وردھا شکشن

تلک مہاراشٹر ودیا پیٹھ کا مراٹھی ماہوار رسالہ، قیمت سالانہ عہ

بنیادی تعلیم کو عوام کی زبان میں چلانا چاہئے۔ جب مقصد یہ ہے تو پھر ہم اس تعلیم کے سلسلے میں بحث و مباحثہ اور اس کی کارروائی غیر زبان میں کیوں کریں؟ جو کام نئی تعلیم کے ہندی اور اردو پرچے ہندوستان کے لئے کر رہے ہیں وہی کام انجام دینے کے لئے آچاریہ بھاگوت جی نے یہ رسالہ جاری کیا ہے۔ پہلے پرچے کو دیکھنے سے یہ یقین ہوتا ہے کہ وردھا تعلیمی اسکیم کے نظری اور عملی دونوں پہلوؤں پر یہ اخبار اچھی روشنی ڈالے گا۔ پہلے نمبر میں مضمونوں کا معیار بہت کچھ قابل اطمینان ہے۔

آریوں کے دستور تعلیم میں تعلیم کا آغاز وید کے جس منتر کے ساتھ ہوتا تھا اسی کو لے کر اس اخبار کے ایڈیٹر نے اپنا کام شروع کیا ہے۔ اپنشد کے زمانے کے رشیوں کا یہ قول تھا کہ کوئی علم بغیر عملی طور پر کام کئے نہیں مل سکتا، اسی فلسفے کو موجودہ زمانے کے رشی نے ہمیں پھر سے سکھایا ہے۔ یہ باتیں ہمیں اس اخبار سے برابر معلوم ہوتی رہیں گی۔ گاندھی جی کہتے ہیں اس بنیادی تعلیم کی تہ میں "اہنسا" (عدم تشدد) پوشیدہ ہے۔ آچاریہ بھاگوت یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس تعلیم کی بنیاد میں وحدت کا راز پنہاں ہے۔ اگر وحدت سے ان کی مراد "اہنسا" ہی ہے تب تو کچھ کہنا ہی نہیں ہے، کوئی نئی بات نہیں ہے اور اگر وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وحدت کا مطلب یہ ہے کہ یہ ساری دنیا ایک ذات ہے، زندگی بھی ایک ذات ہے اور اس کے حصے کرنا زندگی سے غداری کرنی ہے تو بھاگوت جی کا کہنا بالکل صحیح ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ وہ زندگی اور دنیا کے متعلق فلسفیانہ جھگڑوں اور پیچیدگیوں میں نہیں پڑنا چاہتے۔

"ادبی سیکشن" میں وردھا تعلیمی اسکیم کے لئے مفید ادب کی فہرست دی گئی ہے۔ وہ بہت کارآمد چیز ہے۔ "ادارے کی خبریں" کے ذیل میں مہاراشٹر کے تجربوں کا بیان ہے۔

گاندھی جی کے مضمون کا ماخذ اگر بتا دیا گیا ہوتا تو اچھا ہوتا۔ "پاؤں کر گھے" کے سلسلے میں اس پرچے میں جو معلومات دی گئی ہے وہ بھی ایک نئی چیز ہے۔

اس ماہوار پرچے کی ابتدا بہت اچھی ہے۔ امید ہے کہ وردھا تعلیمی تجربے کے لئے اس پرچے کی خدمات بہت اہم ہوں گی۔

کاکا کالیلکر

ایک نئی کتاب

The Latest Fad (Basic Education.)

مصنف آچاریہ کرپلانی ہیں۔ کتاب انگریزی میں ہے۔ اس کا دیباچہ گاندھی جی نے لکھا ہے۔ قیمت عہ ہے۔ کتاب اکتوبر کے شروع ہی میں شائع ہوجائے گی۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

پچھلے ستمبر کے پرچے میں "بنیادی تعلیم کے تجربے میں جانچ کا سوال" کے عنوان سے جن صاحب کا مضمون چھپا ہے ان کا نام غلطی سے "لیلاوھر دیسائی" چھپ گیا ہے۔ ان کا نام "لیلا بھائی دیسائی" ہے۔ ناظرین درست کرلیں۔

ضروری اعلان

بنیادی تعلیم کے اجلاس کے سبب اگلے مہینے کا پرچہ معمول سے کچھ پہلے نکلے گا۔ ناظرین سے گذارش ہے کہ وہ اپنا پتہ وغیرہ بدلنے کی اطلاع ۲۰ اکتوبر سے پہلے پہلے دے دیں تاکہ اخبار بھیجنے یا وصول ہونے میں گڑبڑ نہ ہو۔

فہرست مضامین

پرنٹر و پبلشر: حامد علی خاں   مطبوعہ جید برقی پریس   مدیر: آشا دیوی

رجسٹرڈ نمبر: ایل ۴۴۴۷

نئی تعلیم

(ہندستانی تعلیمی سنگھ کا پرچہ)

جلد ۱، نمبر ۱۱	دہلی، نومبر ۱۹۳۹ء	قیمت سالانہ عہ

سیگاؤں میں گاندھی جی کی سالگرہ

ماہ اکتوبر کا پہلا ہفتہ ہندوستان میں متبرک ہفتہ سمجھا جاتا ہے۔ اس زمانے میں ملک کے ہر صوبے کے مختلف ادارے اپنی بساط اور مقصد کے مطابق گاندھی جی کی سالگرہ منانے کی کوشش کرتے ہیں۔

ہندوستانی تعلیمی سنگھ نے بھی یہ تقریب منائی تھی۔ ہندوستانی تعلیمی سنگھ ابھی ایک نوعمر ادارہ ہے۔ لہذا اس نئی تعلیم کی جانب سے تعلیمی سنگھ کے مرکز سیگاؤں میں گاندھی جی کی سالگرہ منانے کا یہ پہلا موقع تھا۔

بنیادی تعلیمی اسکیم کے مرکز میں تمام تر ہندوستان کے دیہاتی بچے رہتے ہیں۔ اس لئے تعلیمی سنگھ کی طرف سے سیگاؤں میں گاندھی جی کی سالگرہ منانے کا جو تھوڑا بہت اہتمام کیا گیا تھا وہ سیگاؤں کے آس پاس کے بچوں اور ان کے استادوں کی معیت میں تھا۔

وسطی ہند کے ضلع وردھا میں کل ۴۴ مدرسوں میں تکلی کے ذریعے اس نئی تعلیم کا تجربہ کیا جا رہا ہے مگر سب بچوں کو بلانا ممکن نہیں تھا لہذا سیگاؤں کے آس پاس کے دس بارہ میل کے دائرے میں جتنے بنیادی مدرسے تجربہ کر رہے تھے، انھیں دعوت نامے بھیجے گئے کہ بجائے اس کے کہ وہ گاندھی جی کی سالگرہ الگ الگ منائیں، سب کے سب — طالب علم اور استاد دونوں — سیگاؤں آجائیں اور یہاں مل کر یہ تقریب منائی جائے۔ یہ بھی طے کیا گیا کہ ہماری تعلیم کا جو خاص ذریعہ ہے، خاص بنیاد ہے، اسی کو مرکز بنا کر اس تقریب کا پروگرام مرتب کیا جائے۔ اس خیال کے ماتحت تمام استادوں اور طالبعلموں کی ایک گھنٹے کی مشترکہ کتائی کا پروگرام رکھا گیا۔ امید کی گئی تھی کہ اس تقریب میں خود گاندھی جی تشریف لائیں اور حصہ لیں۔ ہماری یہ امید پوری ہوئی۔ اسی زمانے میں وردھا میں کانگریس کی مجلس عاملہ اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جلسے ہو رہے تھے۔ ملک کے سامنے ایک نہایت نازک مسئلہ پیش تھا اور نہایت اہم فیصلے ہو رہے تھے۔ گاندھی جی بے حد مصروف تھے مگر اتنی مصروفیت کے باوجود انھوں نے بچوں کی دعوت منظور کرلی اور ٹھیک تین بجے منڈپ میں جہاں پانچ سو کے قریب بچے تکلی کات رہے تھے، آموجود ہوئے۔ سب طالب علم اور بچے اپنے اپنے اوزار ساتھ لائے تھے اور نہایت اطمینان سے بیٹھے کات رہے تھے۔ مگر جب گاندھی جی تشریف لائے تو یہ اطمینان نہیں رہا اور بچوں میں کسی قدر بدامنی کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ استاد بچوں کے اس شور و غل کو روکنے میں مصروف تھے تو گاندھی جی نے ایک استاد کو بلا کر اس سے کہا "تعلیم تو ہوئی نہیں۔ بچوں کو تو ایک اشارے سے خاموش ہو جانا چاہئے تھا۔"

اس تقریب کا جو اہم مقصد کارکنوں کے سامنے تھا وہ شاید پورا نہیں ہوا۔ ایسے بہت سے تماشائیوں کی بھیڑ ہوگئی جو صرف تماشے کی غرض سے موجود تھے۔ اس لئے اس موقع پر جس اطمینان و سکون سے بات چیت ہونے کی امید تھی، وہ پوری نہیں ہوسکی۔ مگر اتنا تو ضرور ہوا کہ جن کارکنوں نے اس تقریب میں حصہ لیا، انھوں نے بچوں کو، ان کے استادوں کو اور بچوں کے ہر دل عزیز دوست اور استاد گاندھی جی کو کاتتے ہوئے ضرور دیکھا۔ اس وقت انھوں نے مستقبل کی تاریخ کا جو نقشہ سامنے دیکھا اس کا ان کے دلوں پر ایک دیرپا اثر رہے گا، اور ان کے کاموں میں ہمیشہ ان کے دلوں کو گرماتا رہے گا۔

پہلے تو صرف یہ طے پایا تھا کہ گاندھی جی تقریب میں محض حصہ لیں اس کے علاوہ ان سے اور کوئی مطالبہ نہیں تھا۔ مگر اس تقریب کے بعد ہندستانی تعلیمی سنگھ کے سکریٹری جناب آریانائکم جی نے ان سے درخواست کی کہ وہ بچوں کو دو ایک کلمات میں دعائیں دیں جو ان کی آئندہ زندگی میں ایک گراں بہا خزانے کا کام دیں گے۔

انھوں نے یہ درخواست بھی منظور کرلی اور دو چار منٹ تک کچھ باتیں بتائیں۔

گاندھی جی کی تقریر

میری تقریر تو صرف بچوں کے لئے ہے دوسروں کے لئے نہیں۔ آشا دیوی نے تو مجھے یہ امید دلائی تھی کہ جو کچھ میری تکلی بولے گی وہی تقریر ہوگی۔ کسی دوسری تقریر کی ضرورت نہیں ہوگی۔ مگر معلوم ہوا کہ انھوں نے اپنے خاوند سے مشورہ نہیں کیا تھا اس لئے کہ ان کے خاوند نے دوسری خواہش کا اظہار کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ میری تکلی کی آواز سب کے کانوں تک نہیں پہنچتی اس لئے کچھ زبان کی بھی آواز ہونی چاہئے۔ جس چیز کو نئی تعلیم کہتے ہیں یعنی جو سچی تعلیم ہے

اس لئے وہ سکریٹری ہیں اس لئے ان کی بات ماننی چاہئے۔

بچوں سے میں یہ کہوں گا کہ ہم جو کچھ اپنی زبان سے بولتے ہیں، چاہے اس کی قیمت ہو یا نہ ہو، لیکن ہم جو کام کرتے ہیں اس کی قیمت ضرور ہے۔

میں نے ابھی ۔ دس منٹ تک کتائی کی ۔ منہ سے تو بولتا نہیں تھا مگر میں نے جو سوت کاتا ہے اس کی قیمت سنسار میں سدا رہے گی ۔ تم نے جو ایک گھنٹے تک کاتا ہے اس کی قیمت تمھیں ملی ۔ وہ تمھارے نام کے کھاتے میں لکھ دی گئی ۔ اس لئے نئی تعلیم سے جو کچھ تم تعلیم حاصل کرتے ہو اس کی قیمت تو ہو یا نہ ہو لیکن جو کام تم کرتے ہو اس کی قیمت ضرور ہے۔

تم لوگ یہاں آج میرے تعلق سے اکٹھا ہوئے ہو لیکن جب لڑکے یہاں سے یہ طے کرکے جائیں گے کہ جیسے ہم نے آج یہاں کاتا ہے ویسے ہی روزانہ کے معمول کے طور پر ہمیشہ کاتتے رہیں گے تو یہ بہت اچھا ہوگا۔

میں نے یہ ایک چھوٹی سی بات کہی ہے۔ اگر تم نے اسے مان لیا تو بڑے ہو کر سمجھو گے کہ میں نے ٹھیک کہا تھا۔ خدا سب کی عمریں دراز کرے تاکہ انھیں اس بات کا تجربہ کرنے کا موقع ملے۔"

گاندھی جی کی یہ دعا وہاں جو بچے جمع تھے انھیں کے لئے نہیں تھی بلکہ ہندوستان کے سب بچوں کے لئے ہے۔

بنیادی تعلیم کے لئے دورہ

میں پچھلے تین ماہ سے بنیادی تعلیم کے دورے کے سلسلے میں ایک صوبے سے دوسرے صوبے کا چکر لگا رہا ہوں۔ صوبہ متوسط میں تو میں رہتا ہی ہوں اور کام کرتا ہوں اس لئے اس صوبے کے کام سے تو میرا رات دن کا لگاؤ ہے مگر دوسرے صوبوں کے تجربوں سے میرا اتنا نزدیک کا تعلق نہیں ہے۔ اسی مقصد کی تکمیل کے لئے میں اس دورے کے لئے نکلا تھا۔

سب سے پہلے میں بہار کے ضلع چمپارن کے بیتیا تھانے میں گیا۔ یہاں دس میل کے ایک چھوٹے سے دائرے میں تقریباً ۳۵ مدرسے ہیں اور تقریباً ۶۰ اُستاد کام کرتے ہیں۔

اس کے بعد آندھرا، مہاراشٹر، گجرات، کرناٹک اور اُڑیسہ وغیرہ صوبوں میں جہاں جہاں بنیادی تعلیم کا تجربہ ہو رہا ہے، میں نے قیام کیا۔ میں نے ٹریننگ اسکول بھی دیکھے اور جہاں تک ہو سکا ان دیہاتی مدرسوں کو بھی دیکھا جہاں بچوں کے ساتھ اس کا تجربہ کیا جا رہا ہے۔

مجھے اس سفر میں کافی تجربہ ہوا اور مطالعے کا کافی موقع ملا۔

میں نے برسات کے ایام میں یہ سفر اختیار کیا تھا جو دیہاتی سفر کے لئے نہایت ناموزوں اور مشکل زمانہ ہے۔ پرانے زمانوں میں تو یہ قاعدہ تھا کہ برسات کے چار مہینوں میں کوئی فقیر یا مسافر سفر نہیں کرتا تھا مگر جن لوگوں کو بنیادی تعلیم کے سلسلے میں غور کرنا ہے انھیں تو میں مشورہ دوں گا کہ وہ برسات ہی کے زمانے میں یہ سفر اختیار کریں اس لئے کہ کوئی تعلیم ہو اس کی جانچ اسی زمانے میں ہو سکتی ہے۔ راستے اکثر بند رہتے ہیں، مکانوں میں سیلن رہتی ہے، مدرسے بھیگے رہتے ہیں، بچوں کے کپڑے سوکھ نہیں پاتے اور گاؤں کی صفائی کے سلسلے میں توجہ جتنا کر کیا جائے اتنا ہی اچھا ہے۔ انھیں دنوں میں بیماریاں بھی پھیلتی ہیں اور کام کا بار بھی انھیں ایام میں زیادہ ہوتا ہے۔ چھوٹے بڑے سبھی کو کھیتوں پر جُٹ جانا پڑتا ہے۔ اس لئے تعلیم کا جو طریقہ اس آفت کے زمانے میں دیہات میں کچھ کام کر سکتا ہے وہی طریقہ بہترین طریقۂ تعلیم کہلانے کا مستحق ہے۔

اس خیال کے پیش نظر میں نے اپنا سفر برسات کے ایام میں اختیار کیا۔ مجھے خوشی ہے کہ میرا مقصد بڑی حد تک پورا بھی ہوا۔ میں نے بہت سے مدرسوں میں یہ حالت دیکھی کہ عمارت چھوٹی ہے، جگہ نہیں ہے، پانی برس رہا ہے اور بچے گیلی جگہ پر بیٹھ کر بھیگی پونیوں کو کات رہے ہیں۔ مجھے یہ حالت دیکھ کر بہت دکھ ہوا اور میں نے تجربہ کیا کہ اگر برسات کے زمانے میں ہمیں مدرسے کے بچوں کے لئے آرام اور کام کے لئے موزوں جگہ بنانی ہے تو سب سے پہلے ہمیں عمارت اور تعلیم کے سامانوں کا ٹھیک ٹھیک انتظام کرنا ہوگا۔

یہ تو ہوئی تعلیم کے ظاہری انتظام کی بات۔ مگر اس اسکیم کی معنوی حالت ــــ حرفے کے ذریعے تعلیم کے اس نئے طریقے کے بارے میں میرا تجربہ بہت امید افزا رہا ہے۔ میں نے دیکھا کہ خواہ مدرسے کی عمارت کتنی ہی بھدی اور منحوس ہو، تعلیم کے سامان خواہ کتنے ہی نامکمل ہوں، استاد بھی چاہے اس نئے طریقے سے تعلیم دینے میں مہارت نہ رکھتے ہوں اور حرفہ بچوں کی تعلیم کا مکمل ذریعہ نہ بنا ہو ـــــ مگر اتنا تو ضرور ہوا ہے کہ صورت حالات کے ماتحت ساری خامیوں اور کمزوریوں کے باوجود تعلیم کی یہ اسکیم بچوں کے لئے دلچسپی، چستی اور پھرتیلے پن کا ذریعہ بن گئی ہے۔ "حرفہ تعلیم کا مکمل ذریعہ خواہ نہ بنا ہو" یہ الفاظ میں نے اس لئے کہے ہیں کہ حرفے کو بچوں کی ہمہ گیر نشو و نما کا ذریعہ کس طرح بنایا جائے، اس کا علم ابھی بہت سے استادوں کے سامنے واضح نہیں ہوا ہے۔ ابھی ان میں اتنی آمادگی اور خود اعتمادی کے احساسات بیدار نہیں ہوئے ہیں کہ وہ صبر کے ساتھ جہاں کہیں موقع ملے، حرفے کی مدد سے بچوں کو علم سیکھنے میں حوصلہ دلا سکیں۔ ابھی تو صرف نصاب تعلیم کے مضامین کے ساتھ حرفے کا میل ملانے کی کسی نہ کسی طرح کوشش کی جاتی ہے۔ ابھی تو حرفہ ان کے ہاتھوں کا کھیل بن رہا ہے۔ ابھی تک وہ ایک علم کی حیثیت سے ان کے دماغوں تک نہیں پہنچا ہے۔ ابھی وہ حرفے اور تعلیم کو ہم آہنگ نہیں کر سکے ہیں۔

تاہم میں ان باتوں سے بے دل اور بے حوصلہ نہیں ہوا ہوں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ تعلیم کا اتنا بڑا انقلاب چند دنوں میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ہمارا راستہ بالکل نیا اور ہمارے نظریے بہت مشکل ہیں۔ اس لئے ہمیں آہستہ آہستہ مگر استقلال سے قدم بڑھا کے چلنا ہے۔ اس موجودہ اسکیم سے ہمیں ایسے استاد تیار کرنے ہیں جو ایک ساتھ ماہر کاریگر بھی ہوں اور تجربے کار استاد بھی ہوں۔ اس منزل تک پہنچنے میں ہمیں عرصہ لگے گا، صبر کی ضرورت رہے گی اور متعدد رکاوٹوں کا مقابلہ ہوگا۔ مگر یہ بات تو ثابت ہو چکی ہے کہ اس کشمکش اور بے اطمینانی کی حالت میں بھی ہم اس نئی تعلیم کے سلسلے میں جو نامکمل ترقی کر رہے ہیں وہ قدیم طریقے سے کہیں زیادہ اچھی ہے۔ آج بچے اور استاد پرانے کتابی حلقے سے نکل کر براہ راست تجربے کے ماتحت تعلیم پا رہے ہیں۔

برسات کی ان رکاوٹوں اور مشکلوں کے علاوہ مجھے خوشی کے بھی تجربے ہوئے۔ اسی سلسلے میں میں نے اڑیسہ میں بڑی کا مرکز بھی دیکھا۔ آج کل ہندوستان کے مختلف مقامات پر جتنے ٹریننگ اسکول کام کر رہے ہیں ان میں شاید اڑیسہ میں بڑی کا استادوں کی تعلیم کا مرکز بنیادی تعلیم کے مقصد کو سب سے زیادہ نباہ رہا ہے۔

یہاں میں نے محسوس کیا کہ اگر کوئی ادارہ بنیادی تعلیم کا سچا مرکز ہو سکے تو

وہ کتنا کام کر سکتا ہے۔ بری کا یہ مرکز شہروں سے اور شہری ماحول سے بہت دور ایک دیہاتی علاقے میں واقع ہے۔ اس کی عمارت، اس کا سامان تعلیم، استاد اور طالب علم سب کے سب ایک معیاری دیہاتی ماحول سے متاثر ہیں۔ سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ بری ہی میں گوپ بندھو چودھری جی اور ان کی بیوی رما دیوی کا آشرم "سیوا گھر" بھی ہے۔ یہ آشرم کئی سال سے گاؤوں کی تنظیم کا بہت ٹھوس کام کر رہا ہے۔ اس آشرم کے ماحول اور استادوں کے ذاتی اثر سے متاثر ہو کر اس ٹریننگ اسکول کے طالب علم صحیح معنوں میں استاد بن رہے ہیں۔

اسی برسات میں بری کے آس پاس کے دیہاتوں میں بڑے زور کا ہیضہ پھیل رہا تھا۔ اس وبا کو روکنے کے کام میں آشرم کے کارکنوں کے ساتھ اس ٹریننگ اسکول کے طالب علموں اور استادوں نے بھی کام کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہی تیاری بنیادی تعلیم کے استادوں کی صحیح تیاری ہے۔ گاندھی جی نے "بنیادی قومی تعلیم" کے دیباچے میں لکھا ہے کہ اس اسکیم کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ دیہاتی ہے اس لئے جب ہم دیہاتی ماحول میں دیہات کی زندگی اور اس کے مسائل کو اپنی تعلیم کا سچا موضوع بنائیں گے اسی وقت ہمارا یہ تجربہ کامیاب ہو سکے گا۔

آریانائکم

صوبۂ متحدہ میں بنیادی تعلیم

صوبۂ متحدہ کی حکومت نے بنیادی تعلیم کی اسکیم کو منظور کیا ہے اس لئے اب صوبے کے سارے ابتدائی مدرسوں میں یہ نئی اسکیم جاری کی جائے گی۔ امید کی جاتی ہے کہ آہستہ آہستہ سارے مدرسے بنیادی تعلیمی مدرسے بن جائیں گے۔ ابھی تو صرف مدرسوں کے پہلے درجوں ہی میں اس اسکیم کا تجربہ شروع کیا گیا ہے مگر جیسے جیسے مدرسوں کے سب درجوں میں اس نئی اسکیم کا تجربہ بڑھتا جائے گا ابتدائی مدرسوں اور اونچے مدرسوں کا فرق بھی جاتا رہے گا۔

اس نئی تعلیم کے لئے استاد تیار کرنے کے لئے ایک سال سے الہ آباد میں ایک ٹیچرز ٹریننگ کالج کام کر رہا ہے۔ اس کالج میں ایسے استاد تیار کئے جا رہے ہیں جو ڈسٹرکٹ بورڈ کے ابتدائی مدرسوں کے موجودہ استادوں کو لے کر انھیں بنیادی تعلیم کے استاد بنا دیں گے۔ اس لئے اس ٹریننگ کالج کو ہم استادوں کے استاد تیار کرنے کا کالج کہہ سکتے ہیں۔ اس کالج میں عام طور پر گریجویٹ استاد ہی داخل کئے جاتے ہیں۔

پچھلے اپریل میں اس ٹریننگ کالج سے ۴۵ استاد تیار ہو کر نکلے ہیں اور اب یہ لوگ صوبے کے سات مرکزوں میں ڈسٹرکٹ بورڈ کے استادوں کو بنیادی تعلیم کی اسکیم کے مطابق تیار کر رہے ہیں۔ ہر مرکز میں ضلعوں سے ڈسٹرکٹ بورڈ کے ۲۵۰ منتخب استادوں کو اس نئی تعلیم کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ ان کا نصاب تعلیم ڈھائی مہینے کا ہے۔ ہر مرکز میں پانچ چھ استاد ہیں۔ یہاں تکلی پر کتائی گنتے کے کام کھیتی اور باغبانی اور تصویرکشی وغیرہ کی حتی الوسع مشق کرائی جائے گی۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نئی تعلیمی اسکیم میں حرفے کے تعلق پر لکچر بھی دیے جائیں گے۔ ۷ اگست کو صوبۂ متحدہ کے وزیر تعلیمات نے الہ آباد کے ایک ضلع کے ایک ابتدائی مدرسے میں ایک نئے درجے کا افتتاح کیا۔ اس موقع پر انھوں نے اعلان کیا تھا کہ صوبے کے ۷ مرکزوں کے ۱۷۵۰ مدرسوں میں اس اسکیم کا تجربہ شروع ہو گیا ہے۔

اب ۲۵۰ استادوں کی دوسری ٹولی تیار ہو رہی ہے اور اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس پروگرام کے مطابق سال بھر میں ۷۰۰۰ استاد تیار ہو جائیں گے اور ۷۰۰۰ ابتدائی مدرسوں میں بنیادی تعلیم کا تجربہ شروع کیا جا سکے گا۔

ڈاکٹر خان ایک حوصلہ مند ماہر تعلیم ہیں۔ ان کا یقین ہے کہ ان کے ہاتھ میں آج کل ایک ایسی تعلیمی اسکیم آئی ہے جس کے ذریعے طریقۂ تعلیم میں ایک نئی زندگی پیدا کی جا سکے گی اور اس سے وہ کام انجام پا سکیں گے جن کی دلوں میں آرزو ہے۔

استادوں کی تیاری میں سب سے پہلی اور ضروری بات یہ ہے چھوٹے بچوں کو لے کر تعلیم و تربیت کے تجربے کئے جائیں اس لئے میونسپل اسکول سے ۱۰۰ کے قریب بچے عاریتاً لئے گئے ہیں۔ انھی بچوں پر تعلیم کا عملی تجربہ اس ٹریننگ کالج کے سارے تعلیمی پروگرام کی بنیاد ہے۔

کالج کی عمارت بہت بڑی ہے اور زمین بھی کافی ہے۔ ایک پرانے چھاپے خانے کی مرمت کرا کے اس سے کالج اور بورڈنگ دونوں کا کام لیا جاتا ہے۔ کالج کا حصہ نہایت صاف ستھرا اور خوبصورت ہے۔ اس میں داخل ہوتے ہی یہ بات نمایاں ہو جاتی ہے کہ تعلیم میں آرٹ کو کس قدر اہم حیثیت حاصل ہے۔ سارا ماحول شاعرانہ د [illegible] ہے۔ کالج کی دیواریں، فرش اور نشستیں تک خوش مذاقی اور حسن ذوق کے نمونے ہیں۔ استاد اور طالب علم سب کے چہروں سے خوشی اور شگفتگی ٹپکتی ہے۔ یہ لوگ حوصلہ مندی اور پھرتیلے پن سے اپنا اپنا کام انجام دیتے ہیں۔ اندر قدم رکھتے ہی پرانی اور نئی تعلیمی اسکیم کا فرق محسوس ہونے لگتا ہے۔ یہی اس تعلیمی مرکز کا حسن ہے۔

تصویرکشی کے دو استاد جنھوں نے شانتی نکیتن کے فنون لطیفہ کے شعبے میں تعلیم حاصل کی ہے اس کالج میں کام کر رہے ہیں۔ ان کے تعاون سے وہ لوگ جنھوں نے کبھی برش کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا آرٹ کی تخلیق کر رہے ہیں اور وہ لوگ جو پہلے ہی سے اس فن میں کچھ درک رکھتے ہیں آگے بھی قدم بڑھا رہے ہیں۔ یہاں آرٹ میں آرٹ کی کتابوں اور استاد کے کھینچے ہوئے نمونوں سے نقل کرنے کی تعلیم نہیں دی جاتی۔ یہاں تو یہ کوشش کی جاتی ہے کہ استاد اپنے واردات قلب کے مطابق کچھ نہ کچھ نقوش بنا لے۔ آرٹ کی تعلیم میں خاص کر اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ کم سے کم خرچ میں سادے ڈھنگ سے کام چل جائے۔ بازار میں بکنے والے معمولی معمولی رنگوں سے کام لیا جاتا ہے اور دیوالی کے موقع پر جو چھوٹے چھوٹے دیے ملتے ہیں، انھی دیوں میں رنگ گھول کر رکھا جاتا ہے اور بانس کی پتلی پتلی تیلیوں سے برش کا کام لیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر خان صاحب اس کالج میں بنیادی تعلیم کو ایک نئی شکل دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کسی ایک خاص حرفے کو آرٹ کا توسط نہ مان کر وہ ایک ساتھ متعدد حرفوں اور فنون کی ہم آہنگی سے تعلیم دینے کا تجربہ کر رہے ہیں۔ بچے ایک ہی ساتھ باغبانی، کتائی، گتے کا کام وغیرہ مضامین میں تعلیم پا رہے ہیں۔ تصویرکشی اور موسیقی، کھیل کود اور کہانیاں تو خیر ہیں ہی، ان کے ساتھ ساتھ بنائی کا کھیل بھی ہے۔

مگر اس ادارے کے نصاب تعلیم کے تمام مضامین کی تہ میں آرٹ کو جگہ دی گئی ہے۔ گویا خان صاحب تمام تعلیمی مضمونوں کا آرٹ کے سرے سے سر ملا کر ایک سریلے نغمے کی تخلیق میں مصروف ہیں۔ اس نغمے کی تخلیق میں تو کچھ دیر

گئے گی مگر ابھی تک جو کام ہوا ہے اس سے میں نے یہ اندازہ لگایا کہ بچوں کی زندگی میں ایک نئی روح اور زندہ دلی بیدار ہو رہی ہے اور تعلیم میں انقلاب کا دور شروع ہو گیا ہے۔

ستیش چندر داس گپتا

"سماج کے علم" کے نصاب کا ایک تجربہ

ہمارے پاس جو سب سے زیادہ سوالات آتے ہیں وہ سماج کی مشق کے نصاب سے متعلق ہوتے ہیں۔ "چین کے پہلے پانچ بادشاہوں کی کہانی کہاں سے حاصل کی جائے؟ یہ کہانی کس ربط سے سنائی جائے؟ ابتدائی انسان کی کہانی سات سال کے بچوں کے لئے موزوں ہے یا نہیں؟" ایسے سوالات ہم روز سنتے اور ان کے جوابات دینے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ اس قسم کے بیشتر سوالات کا جواب تو پچھلے نمبر میں ونوبا جی کی تقریر میں ملا ہوگا۔ یہاں میں صرف ان کی تقریر کے خاص پہلو کی طرف استادوں کا دھیان دلانا چاہتا ہوں۔ "نصاب تعلیم کے پیچھے جو مطمح نظر ہے، اہمیت اس مطمح نظر کی ہے نہ کہ نصاب میں لکھی ہوئی عبارت کی۔"

سماج کے علم کے نصاب کے پیچھے جو مطمح نظر ہے، اسے ونوبا جی نے اپنی تقریر میں واضح کیا ہے۔ نصاب میں جو تیسری خاص بات ہے — تہذیب مدنی یا شہری زندگی کی تعلیم — اُسے ہم اس نصاب کا خاص جزو مانتے ہیں۔ اس سلسلے میں سیگاؤں کے بنیادی مدرسے میں بچوں کو لے کر جو چند تجربات مجھے ہوئے ہیں اس کا تھوڑا سا حال میں یہاں لکھنا چاہتی ہوں۔ امید ہے کہ اس سے دوسرے استادوں کو کچھ مدد مل جائے گی۔

شہری زندگی کی تعلیم میں سب سے پہلی چیز ہے صفائی کی تعلیم۔ اصل یہ ہے کہ مدرسے کے پروگرام کا آغاز اسی صفائی سے ہونا چاہیے۔ ہمیں چاہیئے کہ اس تعلیم کے لئے ہم جتنا وقت بھی لگے، صرف کریں اور اسے تعلیم کے وقت کا بے جا استعمال نہ سمجھیں۔ بنیادی قومی تعلیم کی اگر نقطہ بہ نقطہ پابندی کرنی پڑے تو بھی نصاب میں عام سائنس اور سماج کے علم کے لئے جو نصف گھنٹہ وقت رکھا گیا ہے اگر یہ پورا وقت اسی کام کے لئے دینا پڑے تو بھی اس سے گریز نہ کرنا چاہیے۔ یہ علم دونوں مضمونوں کے نصاب کا خاص جزو تو ہے ہی مگر اس سے بھی بڑی بات یہ ہے کہ یہی پوری تعلیم کی خاص بنیاد ہے۔ استاد اگر شوق اور عقیدت سے کام کرے تو جوں جوں مدرسے کا کام بڑھتا جائے گا، یہ وقت بھی کم ہوتا جائے گا۔ یہ تو طالب علم خود ہی صاف ستھرے رہنے لگیں گے اور نئے طالب علموں کو صاف رکھنے کی ذمہ داری بھی خود ہی لے لیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ماحول جب ایک مرتبہ صاف ستھرا بن جائے گا تو وہی ماحول اس کام کو پورا کرتا رہے گا۔

اس کے بعد طالب علموں کا آپس کا برتاؤ، دوسروں کے ساتھ ان کا برتاؤ، جماعت میں سلوک اور کھیل کے میدان میں ان کا سلوک ہے۔ نصاب میں اس سلسلے میں جو سفارشیں کی گئی ہیں ان کی تعلیم جب مدرسے کے پورے پروگرام پر چھا جائے گی اسی وقت ہمارا مقصد حاصل ہو سکے گا۔ سیگاؤں کے مدرسے میں ہم نے اس تعلیم کو سارے تعلیمی پروگرام کا خاص مقصد قرار دیا ہے۔ سارا پروگرام اس طرح تقسیم کیا گیا ہے کہ مدرسے کی زندگی کے ہر قدم پر طالب علموں کو شہریت کی تعلیم کا ٹھیک ٹھیک موقع مل سکے۔

ہمیں یقین ہے کہ شہریت کی تعلیم دینے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ خود طالب علموں کو کاموں کی ذمہ داری لینے کا پورا پورا موقع دیا جائے۔ اسی طریقے کے پیش نظر مدرسے کے چھوٹے بڑے سب کام کی پوری پوری ذمہ داری بچوں کو سونپ دی گئی ہے۔ استاد کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ ان کی رہنمائی کرے اور ضرورت کے مطابق ان کے کام میں ان کی مدد کرے۔

اس موقع پر اگر ہم اپنے مدرسے کے صبح سے شام تک کے پروگرام کا مختصر سا حال لکھ دیں تو شاید ہم اپنا مقصد آسانی سے سمجھا سکیں گے۔ مدرسے کا دستور العمل صبح کے ساڑھے سات بجے سے شروع ہوتا ہے۔ جن بچوں کو باغیچے کا کام سپرد کیا گیا ہے، وہ پودوں میں پانی ڈالتے ہیں۔ ناشتے کا ناظم گؤشالہ سے دودھ لا کر گرم کرتا ہے۔ صفائی کا ناظم مدرسے کا کمرہ جھاڑ کر صاف کرتا ہے اور باہری صفائی کا ناظم مدرسے کے احاطے کو جھاڑتا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے ناظم ہیں مثلاً بال کی صفائی کا ناظم دیکھتا ہے کہ سب کے بال صاف ہیں یا نہیں، اس کے بعد وہ لوگوں کو تیل تقسیم کرتا ہے۔ جب سب ناظم اپنا اپنا کام پورا کر لیتے ہیں تو مدرسے کے دالان میں جھنڈے کا گانا اور قواعد (جسمانی ورزش) ہوتی ہے۔ اس کا انتظام بھی بچوں ہی کے ہاتھ میں ہے۔

اس کے بعد ناشتہ کر کے بچے مدرسے کا کام شروع کرتے ہیں۔ دودھ اور گڑ تقسیم کرنا اور پھر ناشتے کے بعد اس جگہ کو صاف کرنا بھی بچوں کے سپرد ہے۔ مدرسے کے کام کے وقت قلم، دوات، کاغذ، پنسل، تختی، پیٹیا وغیرہ تقسیم کرنا، پھر کام کے بعد ان کو ترتیب سے رکھنا اور مدرسے کا کمرہ صاف کر کے سب سامان کو اپنی اپنی جگہ پر ترتیب سے رکھنے کا کام بھی سب بچے ہی کرتے ہیں۔

اتنا ہی نہیں، کوئی تیوہار آ جائے تو اس موقع پر تقریب یا جلسے کا انتظام اور تیوہار کی ساری ذمہ داری بھی بچوں ہی کے اوپر ہے۔ پچھلے تین مہینوں میں بچوں نے اس قسم کی تین تقریبیں منائیں، ایک تو تھی جنم اشٹمی، دوسری گنیش جی کی تقریب اور تیسری گاندھی جی کی سالگرہ۔ پہلی دو تقریبوں میں مدرسے کو سجانا، پوجا کا انتظام کرنا، تقریب کے لئے ضروری سامان کا انتظام کرنا اور خریدنا، گاؤں کے لوگوں کو دعوت نامے دینا، یہ سارے کام بچوں نے بڑے حوصلے اور ہوشیاری کے ساتھ انجام دیے۔ گاندھی جی کی سالگرہ کا بیان کسی دوسری جگہ دیا گیا ہے۔ چونکہ یہ تقریب اجتماعی طور پر ہوئی تھی اس لئے ساری تقریب کے انتظام کی ذمہ داری لینا تو ان کے بس سے باہر تھا مگر پھر بھی اس کے انتظام و اہتمام میں بچوں نے بہت بڑا حصہ لیا تھا۔

ہم ان کے صبح سے شام تک کے سارے پروگرام کو شہریت کی تعلیم کا وقت سمجھتے ہیں اور ان کی زندگی کے ہر کام کو اس کی مشق کے لئے نصاب بنانا چاہتے ہیں۔ اس خیال کے ماتحت کہ یہ سارا پروگرام بچوں کی ذمہ داری اور انتظام سے پورا ہو، ہم نے ان کی ایک انجمن قائم کی ہے۔ ہر سنیچر کو مدرسے کے معمولی پروگرام کی جگہ پر اس انجمن کا اجلاس ہوتا ہے۔ یہ انجمن ہر ہفتے جلسے کے صدر کا چناؤ کرتی ہے اور اسی چنے ہوئے صدر کی صدارت میں انجمن کے اجلاس کا سارا کام انجام پاتا ہے۔

اس اجلاس میں تقریریں، گانے بجانے، کھیل اور نقل وغیرہ جیسے معمولی پروگرام تو رہتے ہی ہیں، مگر اس کے پروگرام کا خاص حصہ وہ ہے جس میں بچے

اپنے مدرسے کے انتظامات اور کاموں کا فیصلہ کرتے ہیں، ناظموں کا چناؤ ہوتا ہے، پچھلے ناظموں کے کاموں پر تنقید و تبصرہ ہوتا ہے اور مدرسے کے انتظامی امور پر بحث ہوتی ہے۔ بچوں کے اس چھوٹے سے ملک میں یہ انجمن ملکی پارلیمنٹ کا کام دیتی ہے۔

یہاں اس انجمن کے ایک اجلاس کا ذکر کرنا مناسب ہوگا۔ اس سے استادوں پر ہمارا مقصد زیادہ واضح ہو جائے گا۔

یکم اکتوبر ۴۹ء کے ایک اجلاس کا ذکر ہے۔ صبح سویرے باغیچے میں پودوں کو پانی دینا، گوشالہ سے دودھ لاکر گرم کرنا، جھنڈے کا گانا اور ورزش، ناشتہ، اسکول کے کمرے کی صفائی، اجلاس کے انتظامات اور سجاوٹ سب کام پورے ہو چکے ہیں۔ انجمن کے سب ممبر اپنی اپنی چٹائی پر بیٹھے تکلی چلا رہے ہیں۔ مدرسے کے دو استاد، ہم اور گاؤں کے دو چار بزرگ دعوت پاکر جلسے میں موجود ہیں۔ مگر ہماری حیثیت ایک مدعو مہمان کی ہے، ہم رائے دینے کے حق دار نہیں ہیں۔

پروگرام کی پہلی بات صدر کا چناؤ تھا۔ دو تین نام تجویز کیے گئے اور ان کی تائید کی گئی۔ آخر کثرت رائے سے "ہری" صاحب صدر منتخب ہوئے۔ صدر صاحب نہایت سنجیدگی کے ساتھ صدارت کی کرسی پر جا بیٹھے۔ صدر صاحب صدارت بھی کر رہے ہیں اور تکلی بھی چلا رہے ہیں۔ اب مقرروں کی تقریر کی باری ہے۔ پہلے مقرر کی تقریر بہت سنجیدہ ہے۔ آپ نے فرمایا "گاؤں میں جو ایک بھنگی تھا اسے چھٹی ہو گئی ہے۔ گاؤں کے کچھ بھائی اس کام کی ذمہ داری لینے والے ہیں۔ کیا مدرسے کے بھائی اس کام میں ان کی مدد کرنے کو تیار ہیں؟ کیا وہ اس بات کی تائید کریں گے؟" صلاح مشورے کے بعد یہ تجویز منظور کرلی گئی۔

اب ایک اور ننھے سے مقرر صاحب کھڑے ہوئے۔ آپ نے شکایت کی کہ "مدرسے کے بھائی مدرسے سے گاؤں جاتے ہوئے مہذب شہریوں جیسا برتاؤ نہیں کرتے۔ بہت شور و غل مچاتے ہیں۔ اس لئے اس کام کی خاص نگرانی کے لئے ایک ناظم مقرر کیا جائے۔" لیکن اس تجویز پر کثرت رائے نہیں تھی۔ دوسروں نے کہا کہ "اس طرح ہم سب لوگ ناظم بن جائیں گے اور پھر کام چلنا مشکل ہو جائے گا۔"

اس کے بعد ہری گھاس کی تیاری کے لئے ابھی سے زمین تیار کرنے کی ضرورت پر ایک تجویز منظور ہوئی۔ اجلاس میں سیگاؤں آشرم کی کھیتی اور گوشالہ کے مہتمم پاریز کرجی موجود تھے، ان سے ہل وغیرہ کی درخواست کی گئی۔ پاریز کرجی نے یہ درخواست منظور کرلی۔

اس کے بعد عہدے داروں کے چناؤ کا کام شروع ہوا۔ مختلف کاموں کے لئے ناظم پندرہ روز کے لئے چنے جاتے ہیں۔ پندرہ روز گذر چکے تھے اس لئے دوسرے پندرہ روز کے لئے عہدے دار چنے جانے والے تھے۔

رائے دینے کا حق جمہوریت میں سب سے اہم بات سمجھی جاتی ہے۔ بچوں کی اس انجمن میں اس حق کا پورا پورا حق برتا جاتا ہے۔ ہر شعبے کے لئے بہت سے نام تجویز کئے گئے۔ آخرکار کئی مرتبہ ہاتھوں کو اٹھوا اٹھوا کر رائے شماری کی گئی تب مندرجہ ذیل ناظموں کا انتخاب عمل میں آیا:۔

مدرسے کی اندرونی صفائی کا ناظم، باہری صفائی کا ناظم، تکلی کا ناظم، پیپے کا ناظم، چٹائی کا ناظم، سلیٹ اور کھریا کا ناظم، کاغذ قلم دوات کا ناظم، روئی دھنے کی کمان کے ناظم، مدرسے کی کھیتی کے ناظم، پھولوں کے باغیچے کے ناظم، جسمانی صفائی کے ناظم، کھانے کے ناظم وغیرہ۔

انجمن کا کام تو پورا ہو گیا لیکن ایک نئی ذمہ داری جو ان ہونے والے شہریوں نے اپنے اوپر لی ہے، اس کا ابھی آغاز ہی ہوا ہے۔ اب تک ان کی سرگرمیاں اسکول ہی کی زندگی تک محدود تھیں مگر اب پہلی بار انھوں نے اس منزل سے ایک قدم اور آگے بڑھایا ہے اور گاؤں کی زندگی میں حصہ لینے کی ذمہ داریاں لی ہیں۔ اس طرح شہریت کی تعلیم کے دوسرے زینے پر قدم رکھ رہے ہیں۔ پہلے ہی سے جن کاموں کی ذمہ داری انھوں نے لی ہے وہی بہت کٹھن تھی۔ ان کے ماں باپ اور ان کے اپنے ہی ساتھی ان کی مخالفت کر رہے ہیں۔ انھیں گالیاں کھانی پڑتی ہیں اور گھڑکیاں اور مار بھی سہنی پڑتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ طالب علموں کی تعداد میں کمی ہو گئی ہے۔

یہ کہانی ابھی ادھوری ہے۔ مگر اگر انھوں نے شوق اور اطمینان کے ساتھ کام کیا تو ہم سمجھ لیں گے کہ چین کے پہلے پانچ بادشاہوں کی کہانی وہ جانیں یا نہ جانیں مگر "سماج کے علم" کی تعلیم کا نصاب انھوں نے پورا کرلیا ہے۔

صوبۂ متوسط میں بنیادی تعلیم

بنیادی تعلیم کا تجربہ ہر صوبے میں اپنی ایک خاص شکل اختیار کر رہا ہے اور ہونا بھی یہی چاہیے۔ بہار میں اس نئی تعلیم کے تجربے کے لئے بالکل نئے استادوں کی ایک ٹولی تیار کی گئی ہے اور تعلیمی میدان کے لئے ایک ایسا علاقہ منتخب کیا گیا ہے جہاں آج تک تعلیم کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اس لئے اس نئے میدان میں نئے استادوں اور نئے سامان اور ذرائع سے یہ تجربہ شروع ہوا ہے۔ اس تجربہ کی آئندہ ترقی یافتہ شکل دیکھنے کے ہم بہت مشتاق ہیں۔

صوبۂ متحدہ اور بمبئی میں یہ تجربہ ایک دوسری شکل میں کیا جا رہا ہے۔ ان صوبوں میں ڈسٹرکٹ بورڈ کے موجودہ استادوں کو اس نئی تعلیمی اسکیم کے مطابق تیار کیا جاتا ہے۔ یہ استاد اپنے اپنے مدرسوں کی ایک یا دو جماعتوں کے لڑکوں کو لے کر اس کا تجربہ کرتے ہیں۔ یہاں اس تجربے کے لئے نئے مدرسوں اور نئے استادوں کا انتظام نہیں کیا گیا ہے۔ اس قسم کے تجربے سے ہمیں نئی اور پرانی تعلیمی اسکیموں کے تجربے ایک ساتھ ہوں گے۔

صوبۂ متوسط میں یہ تجربہ دونوں طریقوں پر کیا جا رہا ہے۔ سب سے پہلے صوبۂ متوسط کے وزیر اعظم پنڈت روی شنکر شکلا کی ودیا مندر اسکیم کے لئے نئے استاد تیار کئے گئے۔ ان استادوں کی تیاری کے لئے وردھا میں جو ٹریننگ اسکول قائم ہوا اسی میں بنیادی تعلیم کا پہلا تجربہ شروع ہوا۔ آج کل صوبۂ متوسط کے مختلف ضلعوں میں اس قسم کے قریب قریب ایک سو ودیا مندروں میں اس نئی تعلیم کے مطابق تعلیم کا کام چل رہا ہے۔ شکلا جی کی اسکیم کے مطابق تعلیم کا خرچ چلانے کے لئے زمین کا انتظام کیا گیا ہے مگر یہ زمین ان مدرسوں کے صرف مالی سہارا نہیں ہے۔ دیہات کے بچوں کی تعلیم کے لئے ایک سچا ماحول تیار کیا گیا ہے۔

صوبۂ متوسط کی حکومت نے تو بنیادی تعلیم کو اپنے صوبے کے لئے منظور کرلیا ہے۔ صوبے میں کل ۱۰۰ بنیادی مدرسے (ودیا مندر) کھل بھی گئے ہیں۔ مگر یہ تو ابھی آغاز ہے۔ سارے صوبے میں اس اسکیم کو جاری کرنے کے تو یہ معنی

ہیں کہ ڈسٹرکٹ بورڈ، میونسپل بورڈ اور مقامی خود مختار اداروں کی نگرانی میں جو قریب ۵۰۰۰ ابتدائی مدرسے چل رہے ہیں ان کو بھی آہستہ آہستہ بنیادی مدرسوں کی شکل دے دی جائے۔ اور ان مدرسوں میں اٹھارہ ہزار کے لگ بھگ جو استاد کام کرتے ہیں ان کو نئی اسکیم کے مطابق تیار کر دیا جائے گر اتنا ہی کافی نہ ہوگا۔ آج صوبۂ متوسط اور برار کے کل چالیس ہزار گاؤں میں سے صرف سولہ ہزار گاؤں میں برائے نام تعلیم کا انتظام ہے، باقی چوبیس ہزار گاؤں میں تو تعلیم کا نام بھی نہیں ہے۔ ایسی صورت میں ۷ سے ۱۴ برس کے بچوں کے لئے مفت اور جبری تعلیم کا انتظام کرنا ذرا ناممکن سا معلوم ہوتا ہے۔

اس مقصد کو پورا کرنے کی امید تو اسی وقت کی جا سکتی ہے جب مقامی خود مختار اداروں کا اس میں حوصلہ افزا تعاون حاصل ہو۔ اسی خیال سے ۱۹ اور ۲۰ اکتوبر کو وردھا میں صوبۂ متوسط اور برار کے مقامی اداروں کے صدروں اور نمایندوں کی ایک تعلیمی کانفرنس ہوئی تھی۔ اس کانفرنس میں ڈسٹرکٹ کونسل اور میونسپلٹی وغیرہ سے کل ۵۰ نمائندے شریک ہوئے تھے۔ سب سے پہلے صوبۂ متوسط کے وزیر اعظم پنڈت روی شنکر شکلا نے حکومت کی طرف سے نمائندوں کو خوش آمدید کہا اور بنیادی تعلیم کے پرچار کے لئے حکومت کی طرف سے جو اسکیم رکھی گئی ہے اس کا مختصر سا خاکہ بیان کیا۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے ان نمائندوں سے درخواست کی کہ وہ اس نئے طریقے کا تجربہ کر دیکھیں اور اس بات کا یقین رکھیں کہ اس تجربے کے اخراجات میں حکومت ان کا ہاتھ بٹائے گی۔

شام کو چار سے پانچ بجے تک گاندھی جی نے ان نمائندوں کو ایک گھنٹے کا وقت دیا تھا۔ دو دن کی بحث و تمحیص کے بعد اتفاق رائے سے حسب ذیل دو تجویزیں منظور ہوئیں۔

(۱) صوبۂ متوسط اور برار کے مقامی اداروں کے نمائندوں کی کانفرنس پورے غور و خوض کے بعد بنیادی قومی تعلیم کی اسکیم کو جس صورت میں ذاکر حسین کمیٹی نے پیش کی ہے تسلیم کرتی ہے اور صوبے کی حکومت کی اس تجویز کو منظور کرتی ہے کہ مذکورہ بالا اسکیم کو مقامی اداروں کے مدرسوں میں جاری کیا جائے، شرط یہ ہے کہ مدرسے میں پیدا شدہ مال کو حکومت اتنی قیمت پر خریدنا منظور کرے جو مقامی ادارے اور حکومت دونوں مل کر مال کی لاگت اور اس کی مزدوری کے لحاظ سے مقرر کر دیں تاکہ مقامی اداروں کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

(۲) چونکہ صوبۂ متوسط اور برار کے مقامی اداروں کے مدرسوں سے بنیادی قومی تعلیم کو جاری کرنا ضروری ہے اور چونکہ تمام مقامی ادارے اس اسکیم کا سارا خرچ اٹھانے کے متحمل نہیں ہو سکیں گے اس لئے طے کیا جاتا ہے کہ صوبے کی حکومت ان مقامی اداروں کو جنھیں اپنے مدرسوں میں اس اسکیم کو جاری کرنے کے لئے پورے یا کچھ خرچ کی ضرورت ہو روپیہ پیشگی دے جو سالانہ قسطوں کے ذریعے ادا کر دیا جائے۔

بنیادی تعلیم کا ادب

The Latest Fad (Basic Education.)

مصنف آچاریہ جے۔ بی۔ کرپلانی، پبلشر ہندوستانی تعلیمی سنگھ، سیگاؤں، وردھا (سی۔ پی)۔ صفحات ۱۰۲، قیمت ایک روپیہ۔

آچاریہ کرپلانی جی کی یہ کتاب حال ہی میں شائع ہوئی ہے نئی تعلیم اور اس کے پوشیدہ اصولوں کو نزدیک سے دیکھنے اور سمجھنے کے لئے جس طرح کی کتاب کی ضرورت پڑھے لکھے اور تعلیم یافتہ لوگوں کو محسوس ہو رہی تھی، اس کتاب سے وہ ضرورت پوری ہو جائے گی۔ اس کا نام Latest Fad یعنی "نیا خبط" رکھا گیا ہے۔ گاندھی جی نے ہندوستان کے بچوں کی تعلیم کے لئے جو ایک انوکھا خواب دیکھا تھا اور جسے انھوں نے قوم کے سامنے بیان کیا تھا، اسے بڑے بڑے عالموں نے بھی پہلے پہل خبط ہی سمجھا تھا۔ اس کتاب کے دیباچے میں گاندھی جی نے لکھا ہے کہ آچاریہ کرپلانی نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ اُن کے (گاندھی جی کے) اس خبط کی بنیاد نہایت مضبوط ہے۔

پوری کتاب چودہ ابواب پر ختم ہوئی ہے۔ شروع میں نئی تعلیم کی اسکیم اور اس کے راز کو سمجھانے کے لیے دو باب لکھے گئے ہیں۔ تیسرے باب میں انسان کی نشو و نما کے ساتھ بنیادی تعلیم کا جو تعلق رہا ہے اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ آگے کے دو ابواب میں تعلیم کے میدان میں ہمارے ملک اور دوسرے ملکوں میں اب تک جو مختلف تجربات کئے گئے ہیں ان پر بنیادی تعلیم کے نقطۂ نظر سے غور کیا گیا ہے اور ان کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ چھٹے باب میں روس کے تعلیمی تجربوں کا ذکر ہے اور ساتویں باب میں ان تجربوں کا جائزہ لیتے ہوئے ان کی کامیابی اور ناکامی کے اسباب پر غور کیا گیا ہے۔ آٹھویں باب میں، زندگی سے تعلق رکھنے والی تعلیم اور زندگی سے الگ تعلیم کے محاسن و معائب پر غور کیا گیا ہے۔ نویں باب میں اس کتابی یا لفظی تعلیم کی برائیاں بیان کی گئی ہیں جس میں طالب علموں کی تعلیم کو کورے الفاظ اور جملوں پر منحصر رکھا جاتا ہے اور انھیں زندگی کی اصلیتوں سے بالکل دور رکھا جاتا ہے۔ دسویں باب میں بنیادی تعلیم کے سماجی اور سیاسی پہلو پر نہایت باریکی اور وضاحت سے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے اور تعلیم کے دوسرے طریقوں کے ساتھ اس طریقے کی اچھائیوں اور برائیوں کا ذکر کیا ہے۔ ۱۱ویں باب میں تعلیم کی خود کفیل ہونے کی صفت پر وچار کیا گیا ہے اور تعلیم کے نقطۂ نظر سے اس کے افادے اور معقولیت کو پرکھا گیا ہے۔ بارھویں باب میں بنیادی تعلیم کے خاص خاص اصولوں کا ذکر ہے۔ تیرھویں میں بنیادی تعلیم کی راہ میں جو رکاوٹیں پیش ہیں، ان کا ذکر ہے اور ان کو آسان کرنے کے طریقوں کی طرف بھی اشارہ ہے۔

اس کتاب کا آخری باب نہایت اہم ہے۔ اس میں گاندھی جی کے تصور حیات کی روشنی میں قابل مصنف نے بنیادی تعلیم کی اہمیت پر نہایت اہم خیالات ظاہر کیے ہیں۔ اس باب پر الگ الگ تین حصوں میں بحث کی گئی ہے۔ پہلے حصے میں مدرسہ، فرد اور جماعت کے عنوانات سے بحث ہے، دوسرے میں گاندھی جی کے تصورات کا اور تیسرے میں گاندھی جی کی تعلیمات کا ایک سبق آموز بیان ہے۔

اس طرح اس چھوٹی سی کتاب میں آچاریہ کرپلانی جی نے بنیادی تعلیم کے چاہنے والوں، خادموں اور نقادوں کے لئے سوچنے سمجھنے اور عمل کرنے کے لئے اتنی اہم باتوں کو ہم آہنگ کر دیا ہے کہ اگر اسے کوزے میں دریا کو بند کرنے کا فن کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ نئی تعلیم کے پڑھنے والوں

سے یہ درخواست ہے کہ ایک بار اس کتاب کا مطالعہ ضرور کریں اور اس میں جو مسائل سامنے لائے گئے ہیں ان پر سنجیدگی سے غور و خوض کریں۔ ہندوستانی تعلیمی سنگھ سے ہماری درخواست ہے کہ وہ اس کتاب کا ہندی اُردو ترجمہ بھی شائع کرے تاکہ وہ لوگ جو صرف ہندی اُردو جانتے ہیں اس کتاب کے فائدوں سے محروم نہ رہ جائیں۔

اردو، ذریعۂ تعلیم ہونے کی حیثیت سے

پچھلی صدی بھر تعلیمی حلقوں میں یہ جنگ کسی نہ کسی عنوان سے چھڑی رہی کہ بچوں کی تعلیم میں انگریزی اور مادری زبان کو کیا حیثیت حاصل ہونی چاہیئے۔ لیکن لفظی جنگ زیادہ طویل عرصے تک قائم نہ رہ سکی اور آخر میں ان لوگوں نے کامیابی حاصل کرلی جن کے ہاتھوں میں ہر طرح کے سیاسی اور سماجی اسلحے تھے۔ مدرسوں سے مادری زبان کا اثر گھٹتا گیا اور ایک زمانہ آیا جب بچوں کو ہر مضمون انگریزی زبان میں پڑھایا جانے لگا۔ بچوں نے رفتہ رفتہ اپنی مادری زبان بھولنی شروع کردی۔ موجودہ صدی میں لوگوں کو اس بات کا احساس پیدا ہوا کہ انگریزی کو ذریعۂ تعلیم بنانے سے قوم کے بچوں کو کوئی فائدہ ہونے کے بجائے طرح طرح کے نقصان پہنچے ہیں اور اب رفتہ رفتہ وہ اس قابل بھی نہیں رہے کہ زبان یا قلم سے اپنے خیالات صفائی اور روانی کے ساتھ دوسروں تک پہنچا سکیں۔

انگریزی کے حامیوں نے جب یہ دیکھا کہ پرانے جادو کا اثر بالکل ختم ہوگیا تو انھوں نے اور نئے نئے منتر پڑھنے شروع کئے۔ کہا کہ بے شک انگریزی پڑھنے سے لوگوں کو طرح طرح کے نقصان پہنچے ہیں لیکن ہماری موجودہ ضروریات اور زمانے کی نئی تبدیلیاں اس بات کی متقاضی ہیں کہ بچوں کو جو کچھ سکھایا جائے وہ انگریزی زبان میں سکھایا جائے۔ اگر مختصر طور پر ایسے لوگوں کے دلائل کو بیان کیا جائے تو ان کا انداز کچھ ایسا ہوگا:۔

(۱) ہندوستان میں لوگ بیسیوں طرح کی مختلف زبانیں بولتے ہیں۔ ایک ہی صوبے میں بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لوگ کئی مختلف زبانیں بولتے ہیں اور ایک زبان بولنے والا دوسرے کی زبان نہیں سمجھ سکتا۔ اس لئے اس دقت کو دور کرنے کے لئے ہمیں انگریزی زبان کو ذریعۂ تعلیم بنانا چاہیئے۔ انگریزی ہندوستان کی *Lingua Franca* ہے۔ اسے مختلف زبانیں بولنے والے بھی آپس میں ایک دوسرے سے بولنے اور گفتگو کرنے میں استعمال کرسکتے ہیں۔

اس سلسلے میں ایک خاص دلیل یہ بھی ہے کہ اگر زبان کے اختلاف کی ان دقتوں کو دور کرنے کی کوشش کی جائے تو اخراجات میں مختلف طرح اضافہ ہو جائے گا۔ مختلف زبانیں جاننے والے معلم رکھنے پڑیں گے، کتابوں کی چھپائی میں اخراجات بڑھ جائیں گے۔ ٹائم ٹیبل کے بنانے میں دقت ہوگی، مدرسوں میں مختلف درجوں کے پڑھنے کے لئے زیادہ کمروں کی ضرورت ہوگی اور ان سب دقتوں کو آسانی سے صرف اسی طرح دور کیا جاسکتا ہے کہ انگریزی کو ذریعۂ تعلیم بنالیا جائے۔

(۲) دوسری خاص دلیل یہ ہے کہ ہمارا زمانہ سائنس کا زمانہ ہے علم و ادب میں بھی نئی نئی تحقیقات ہورہی ہیں اور علم کے ہر شعبے میں آئے دن نئی اصطلاحات کا اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ اصطلاحات چونکہ عموماً انگریزی زبان میں ہوتی ہیں، اس لئے ان علوم کی تعلیم بھی انگریزی میں ہونی چاہیئے۔ مگر ایسا نہ ہوا تو ان لوگوں کے لئے جو آگے چل کر اعلیٰ تعلیم انگریزی ہی کے وسیلے سے حاصل کریں گے بڑی دقت کی بات ہے کہ وہ اپنے مدرسوں میں ان اصطلاحوں کے ترجمے پڑھیں اور کالجوں میں جاکر انھیں پھر نئے سرے سے انگریزی کی اصطلاحیں پڑھنی پڑیں۔

(۳) تیسری دلیل کا لب لباب یہ ہے کہ انگریزی زبان کو موجودہ زمانے میں بے حد اہمیت حاصل ہے۔ دنیا کے تمام سیاسی، معاشی اور تجارتی کاروبار اسی زبان میں ہورہے ہیں اور اگر کوئی شخص صرف انگریزی زبان سے ہی واقف ہے تو وہ دنیا کے ہر حصے میں بلا کسی دقت کے سفر کرسکتا ہے اس لئے بچوں کو بچپن سے ہر چیز اسی زبان میں پڑھانی چاہیئے۔

بظاہر یہ سب دلائل بے حد مضبوط معلوم ہوتے ہیں لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو ان کے پس پردہ کچھ ایسی خرابیاں چھپی ہوئی ہیں جو نظر تحقیق کے مقابلے کی تاب نہیں لاسکتیں۔ ہم ان دلائل کی تردید کی کوشش نہیں کریں گے بلکہ ہمارا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ بچوں کی تعلیم حقیقی طور پر صرف اسی طرح مفید ہوسکتی ہے کہ انھیں ہر چیز ان کی مادری زبان کے ذریعے پڑھائی جائے اور اس سلسلے میں یہ بتانے کی کوشش کریں گے کہ انگریزی کے حامی اپنے دلائل پیش کرتے وقت دقت نظر سے کام نہیں لیتے اور انھوں نے ان دلائل کی بنیاد جن واقعات پر رکھی ہے وہ اُن کے غلط مشاہدے کا نتیجہ ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ ہندوستان میں بہت سی زبانیں ہیں اور بعض صوبے ایسے ہیں جن میں ایک سے زیادہ زبانیں بولی جاتی ہیں۔ اس لئے اس بات کا احتمال ہے کہ اگر کسی مدرسے میں ذریعۂ تعلیم صرف ایک ملکی زبان ہوئی تو دوسری زبان بولنے والوں کو طرح طرح کی دقتیں ہوں گی لیکن عموماً ایسا نہیں، اس لئے کہ بڑے بڑے تمام شہروں میں تو ہر فرقے والوں کے اپنے اپنے مدرسے الگ ہیں اور اس لئے ان میں آسانی سے اس زبان کو طریقۂ تعلیم بنایا جاسکتا ہے جو اس خاص فرقے میں بولی جاتی ہے۔ چھوٹے شہروں میں البتہ اس طرح کی دقت کا احتمال ہے جہاں مختلف فرقوں کے مختلف اسکول نہیں ہوسکتے۔ لیکن یہ دقت بھی صرف دو ایک صوبوں میں زیادہ محسوس ہوسکتی ہے، خصوصاً ان صوبوں میں جہاں ہندی اور اردو بولنے والے لوگ برابر تعداد میں ہیں۔ لیکن یہاں بھی، جہاں تک ٹھیلے کا تعلق ہے، اس اعتراض کو آسانی کے ساتھ یہ کہہ کر رد کیا جاسکتا ہے کہ اردو کے معنی فارسی اور عربی الفاظ سے بھری ہوئی اردو نہیں بلکہ اردو اس زبان کا نام ہے جو ہندوستان کے ایک بہت بڑے حصے میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اگر صرف اس طرح کی زبان کا استعمال شروع کردیں تو صرف ممالک متحدہ ہی میں کیا ہندوستان کے قریب قریب ہر صوبے میں، بالکل معمولی سی تبدیلی کے بعد، اس کی مدد سے بچوں کو ہر مضمون پڑھایا جاسکتا ہے۔

جہاں تک اصطلاحات کا تعلق ہے اس اعتراض کے جواب کے دو حصے کیے جاسکتے ہیں، پہلا جواب تو یہ ہے کہ اگر بالفرض ان اصطلاحوں کے ترجمے کرکے بچوں کو مدرسے میں پڑھایا گیا تو اس سے ان کی اعلیٰ تعلیم کی دقتوں میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا اس لئے کہ مدرسوں میں وہ جتنی اصطلاحیں

سیکھتے ہیں ان کی تعداد اس قدر کم ہے کہ آئندہ کی تعلیم پر ان کے سیکھنے نہ سیکھنے کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔

جواب کا دوسرا جزو، جس کا تعلق خاص طور پر اردو سے ہے یہ ہے کہ ہندوستان کی کوئی زبان ایسی نہیں جس میں الفاظ کو شیر و شکر کر لینے کی اتنی خاصیت ہو جتنی اردو میں۔ اردو نے ترکی، فارسی، عربی، پرتگالی، انگریزی اور فرانسیسی زبانوں کے ہزاروں لفظ لئے اور انھیں اس طرح اپنا بنا لیا کہ کسی کو ان کے غیر ہونے کا شبہ تک نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس بات کی ضرورت ہی نہیں کہ زیادہ اصطلاحوں کے ترجمے کئے جائیں۔ جو انگریزی اصطلاحیں اب اتنی زیادہ عام ہو گئی ہیں کہ ان کا مفہوم سمجھنے کے لئے ترجمے کا محتاج ہونے کی ضرورت نہیں، انھیں اردو میں ہو بہو اختیار کیا جا سکتا ہے اور اس طرح جو تھوڑا بہت اعتراض ہے وہ بھی باقی نہیں رہتا۔

انگریزی کے حامیوں کی تیسری دلیل بے شک اہم ہے۔ انگریزی کو موجودہ تہذیب میں جو اہمیت حاصل ہے اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ ہر بچے کے لئے ضروری ہے کہ وہ انگریزی کی تعلیم حاصل کرے۔ ہمارے مدرسوں کے بچے سات آٹھ برس تک انگریزی پڑھنے کے بعد بھی اس زبان میں اپنے خیالات کا اظہار روانی کے ساتھ نہیں کر سکتے۔ اس کی وجہ عموماً یہی سمجھی جاتی ہے کہ ذریعۂ تعلیم اردو ہے۔ حقیقت یہ نہیں بلکہ اور ہی کچھ ہے۔ بچے صرف انگریزی ہی میں نہیں بلکہ اپنی مادری زبان میں بھی آزادی اور روانی کے ساتھ اظہار خیال نہیں کر سکتے۔ انگریزی کی کمزوری کی وجہ تو یہ ہے کہ سوائے انگریزی پڑھانے والے کے دوسرے مضمون پڑھانے والے استاد بچوں کی زبان کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں دیتے اور دوسرے یہ کہ خود مادری زبان کی تعلیم کو کافی اہمیت نہیں دی جاتی۔ اگر بچوں کی مادری زبان کی تعلیم باقاعدہ طریقے سے ہو، انھیں آزادی کے ساتھ ہر موقع پر اور ہر مضمون میں اظہار خیال کا موقع دیا جائے تو رفتہ رفتہ ان کے خیالات میں بھی وسعت پیدا ہو اور زبان پر بھی قدرت حاصل ہوتی جائے۔ ایک چیز کی ترقی سے دوسری چیز خود بخود ترقی کرے۔ بچے فطری طور پر جس زبان میں اپنی زندگی کے بالکل ابتدائی زمانے سے مختلف طرح کے تجربات حاصل کرتے رہتے ہیں اگر انھیں اسی زبان میں برابر خیالات کے اظہار کا موقع دیا جائے تو سوچنے، سمجھنے، لکھنے اور پڑھنے میں انھیں رفتہ رفتہ قدرت حاصل ہوتی جائے۔ جب وہ اپنی زبان میں خیالات کے ادا کرنے پر قدرت حاصل کر لیں گے تو ان کے لئے دوسری زبان کا سیکھنا اور اس میں ترقی کرنا زیادہ آسان ہو جائے گا۔

اس لئے اردو کو صرف تاریخ، جغرافیہ اور ریاضی کے لئے ہی نہیں بلکہ انگریزی کے لئے بھی ذریعۂ تعلیم بنانا چاہیے۔ انگریزی قواعد اور اردو قواعد میں اتنی زیادہ یکسانیت ہے کہ اردو قواعد کی اچھی تعلیم کے بعد اس کی مدد سے انگریزی قواعد بھی آسانی سے سکھائی جا سکتی ہے۔ زبان کے اصول قریب قریب سب باتوں کے لئے ایک سے ہیں۔ اگر کسی شخص کو ایک زبان پر قدرت حاصل ہے تو تھوڑی سی محنت کے بعد دوسری زبان میں قدرت حاصل کرنا بھی کچھ زیادہ دشوار نہیں۔ اب چونکہ ہر بچے کے لئے مادری زبان کا سیکھنا سب سے زیادہ آسان اور فطری ہے اس لئے کسی دوسری زبان کے سکھانے سے پہلے ضروری ہے کہ بچوں کو مادری زبان میں زیادہ ماہر بنا دیا جائے۔ کسی چیز میں ماہر ہونے کا طریقہ مشق ہے۔ اس لئے بچوں کو مادری زبان میں زیادہ سے زیادہ مشق کا موقع ملنا چاہیے اور یہ چیز اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ مادری زبان کو ذریعۂ تعلیم بنا دیا جائے۔ قواعد اور زبان کے بعد اگر ہم ادب کے نقطۂ نظر سے بھی دیکھیں تو ہمیں مادری زبان کی اہمیت کا اور بھی زیادہ اندازہ ہو جائے۔ مختلف ادیبوں اور شاعروں کی نزاکتیں اور لطافتیں تھوڑے بہت فرق کے ساتھ قریب قریب یکساں ہیں۔ اس لئے بچوں کو انگریزی ادب کی لطیف خصوصیات سے واقف کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انھیں خود اپنے ادب کی لطافتوں سے اچھی طرح واقفیت ہو اور اس کے لئے ضروری ہے کہ مادری زبان کو بچوں کی تعلیم میں زیادہ سے زیادہ اہمیت حاصل ہو، ان کی مدرسے کی تعلیم کا زیادہ حصہ اسی زبان میں ہو، وہ جو کچھ سیکھیں، پڑھیں، لکھیں سب مادری زبان میں۔

مختصر یہ کہ جس وقت تک بچوں کی تعلیم ان کی مادری زبان میں نہیں ہو گی ان کے لئے دوسرے مضامین یا کسی دوسری غیر ملکی زبان میں ترقی ممکن نہیں۔ ان نفظی دلائل کو چھوڑ کر بھی اگر ہم عملی طور پر دیکھیں تو ہمیں خود اس بات کا اندازہ ہو جائے گا کہ مادری زبان کو ذریعۂ تعلیم بنانا کتنا ضروری ہے۔ دوسرے ملکوں کے بچے کیوں اس قدر آسانی کے ساتھ اپنے خیالات ادا کر سکتے ہیں۔ محض اس لئے کہ انھیں اپنی مادری زبان میں آزادی سے بولنے کا موقع دیا جاتا ہے، ان کے مدرسے کی فضا میں ہر طرف مادری زبان کے نغمے گونجتے ہیں، وہ تاریخ، جغرافیہ، ریاضی جو کچھ پڑھتے ہیں سب مادری زبان میں۔ اس لئے انھیں اس پر قدرت حاصل ہے۔ ہندوستانی بچے کس لئے اس حیثیت سے بالکل ناکارہ ہیں اس کا اندازہ اب ہر ماہر تعلیم کرتا ہے اور اس لئے ہر طرف سے مادری زبان کو ذریعۂ تعلیم بنانے کی حمایت میں پر زور رائیں دی جا رہی ہیں۔ ۱۹۲۹ء میں تعلیمی رپورٹ اور اس کے بعد ایبٹ وڈ کی رپورٹ میں برابر اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ بچوں کی تعلیم میں مادری زبان کو بہت اہمیت حاصل ہونی چاہیے اور انھیں ہر مضمون اسی کے ذریعے سے پڑھانا چاہیے۔

سید وقار عظیم

فہرست مضامین

پرنٹر و پبلشر: حامد علی خاں   مطبوعہ: جید برقی پریس   مدیر: آشا دیوی

رجسٹرڈ نمبر:۔ ایل، ۴۴۴۴

نئی تعلیم

(ہندستانی تعلیمی سنگھ کا پرچہ)

جلد ۱، نمبر ۱۲	دہلی ۔ دسمبر ۱۹۳۹ء	قیمت سالانہ عہ

بنیادی قومی تعلیم کی پہلی کانفرنس پونہ (۱۹۳۹ء) کے نام

گاندھی جی کا پیغام

مجھے امید ہے کہ پونہ کی کانفرنس نئی تعلیم کے نئے پن کو پوری طرح پیش نظر رکھ کر اپنا کام شروع کرے گی۔

جس طرح سائنس کے تجربات میں ہم بال برابر بھی کمی بیشی نہیں کر سکتے، یہی اصول اس تجربے میں بھی برتنا چاہیے۔

نئی تعلیم کی جدت یہ ہے کہ تعلیم خواہ کچھ ہو، دیہاتی حرفوں ہی کے توسط سے دی جائے۔ معمولی تعلیم میں دیہاتی حرفوں کا اضافہ کر دینے ہی سے کام نہیں چلے گا۔

سیگاؤں (وردھا)
۲۰ اکتوبر ۱۹۳۹ء

م۔ک۔ گاندھی

صدر کانفرنس کی تقریر

اس اہم کانفرنس کی صدارت کے لئے دعوت دے کر آپ نے ایک تہی مایہ آدمی کو اعزاز بخشا ہے، میں آپ کی اس کرم فرمائی کے لئے آپ کا ممنون ہوں۔ اس اعزاز کا حق مجھے بہت کم ہے ۔۔۔ صرف اتنا ہی کہ میں بھی دوسرے کارکنوں کی طرح بنیادی تعلیم کی مبارک تحریک میں اصولی اور عملی دلچسپی لیتا ہوں اور بس۔

خوش قسمتی سے میرے کام میں آسانیاں بھی پیدا ہو گئی ہیں اس لئے کہ اس اسکیم کا تجربہ مجھے جموں اور کشمیر کی ریاستوں میں کرنا پڑا ہے۔ اور یہ ریاستیں ۔۔ بالخصوص ریاست کشمیر ۔۔ کم از کم اس لحاظ سے ہندوستان کے دوسرے حصوں سے کچھ فائدے میں ہیں۔ دستکاری اور حرفہ زمانۂ دراز سے کشمیریوں کی زندگی کا نہایت اہم جزو رہے ہیں اور انھوں نے ان میں جو مہارت اور ہوشیاری حاصل کر لی ہے اس کی تعریف ساری دنیا کر چکی ہے۔ اس لئے ایسے لوگوں کے لئے حرفے کے ذریعے تعلیم دینے کا اصول کوئی نئی چیز نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی عقدہ ہے جو آسانی سے ان کی سمجھ میں نہ آسکے۔ ہمارے مختلف مدرسوں سے جو استاد تیار ہو کر نکلے ہیں، ان کی ہمت اور حوصلے سے میں بے حد متاثر ہوا ہوں اور میرا یہ عقیدہ اور بھی پختہ ہو گیا ہے کہ اس اسکیم کے خاص اصول نہایت مضبوط اور معقول ہیں۔

اس کانفرنس کی صدارت جس سبب سے مجھے کرنی پڑ رہی ہے وہ نہایت تکلیف دہ ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس پر اظہار افسوس میں آپ میری تائید کریں گے۔ میرا اشارہ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کی عدم موجودگی سے ہے جو ہندستانی تعلیمی سنگھ کے صدر ہیں اور جنھوں نے گاندھی جی کے ایما سے اس تحریک کو اپنی غیر معمولی قابلیت کے ذریعے کامیاب اور ہمہ گیر بنایا ہے۔ ان کی عدم موجودگی سے جو جگہ خالی ہوئی ہے اس کے پُر کرنے کی اہلیت ہم میں سے کسی میں نہیں

ہے۔ میری' اور مجھے یقین ہے' میرے ساتھ آپ کی بھی یہ خدا سے دعا ہے کہ وہ جلد از جلد ہندوستان واپس آجائیں اور اس تحریک کی رہنمائی کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیں جو دراصل انھیں کی تحریک ہے۔

ہم آج ایسے وقت یہاں جمع ہوئے ہیں جب قومی اور بین الاقوامی صورت حال ایک غیر معمولی آشوب سے گذر رہی ہے' مغربی تہذیب اپنی پوری طاقت سے موت وحیات کی کشمکش سے گذر رہی ہے۔ وہ تمام طاقتیں جو سائنس کی بدولت انسان کو اس کے آرام وآسائش اور فلاح وبہبود کے لئے عنایت کی گئی تھیں انھیں انسان انسانیت کے خون اور کمزور اقوام کی آزادی کو ہڑپ کرنے کے لئے استعمال کر رہا ہے۔ انسان کا دماغ اب اس طرف لگ گیا ہے کہ وہ موت اور تباہی کے لئے مہلک سے مہلک اوزار ایجاد کرے۔ لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کی انفرادیت کو پامال کرکے ناچیز نے اپنے اندر جو طاقت پیدا کی ہے' اس کے خمار میں اب وہ اپنے پڑوسیوں کو نگل جانے کے لئے آمادہ ہوگیا ہے۔ جمہوری قومیں کچھ اپنی قدیم روایات عدل اور حق شناسی کی بنا پر اور کچھ خود اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر اس کا مقابلہ کرنے کے لئے میدان میں اتر آئی ہیں۔ یورپ ایک ایسی ہیبتناک جنگ کا شکار ہوگیا ہے جس کے خونیں نتائج اور تباہیوں کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا اس لڑائی کا ڈراؤنا سایہ ہمارے دیس پر بھی پڑ گیا ہے جس کے سبب سے وہ اپنے سیاسی میدان میں ایک زبردست آشوب سے دوچار ہو رہا ہے اور جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ مختلف صوبوں میں کانگریسی حکومتیں مستعفی ہونے والی ہیں۔ ایسے ماحول میں جو غیر متوقع امکانات سے پُر ہے' ہم حکومت بمبئی کی دعوت پر اپنی انجمن کا پہلا اجلاس کرنے جا رہے ہیں۔ ایسے تاریخی موقع پر ہمارا اجتماع صرف وقتی نہیں ہے بلکہ میرے خیال میں اس کی بہت کافی اہمیت ہے۔

سرسری نظر سے دیکھنے والے لوگ واقعی تعجب کریں گے کہ ایسے موقع پر جب دنیا الٹ پلٹ ہوجانے والی ہے' ہم لوگ اس اجلاس میں پرائمری مدرسوں کے بچوں کی تعلیم کے حقیر مسئلے کو لے کر بیٹھے ہیں۔ انھیں تعجب ہونا بھی چاہئے۔ ایسے لوگ ہمیشہ تہذیبی مسائل کو تخریبی مسائل کے مقابلے میں بے خیری سمجھتے ہیں۔ وہ یہ نہیں سمجھ سکتے کہ ہمیشہ تہذیبی تعمیری قوتیں ہی انسانی سماج کو آگے لے جاتی ہیں۔ جن واقعات کو ہم تاریخ کے اہم واقعات سے موسوم کرتے ہیں' وہ بھی صرف معاشی محرکات کا نتیجہ نہیں ہوتے بلکہ ان روحانی محرکات کا بھی جو پہلے پہل چند شخصیتوں یا اداروں میں کارفرما ہوتی ہیں۔ اس لئے آج اگر ہم ایک نئے نظریۂ تعلیم کے مسائل پر یا تعلیم کے کچھ جدید اصولوں پر غور وفکر کر رہے ہیں' جو حق وصداقت' باہمی میل ملاپ' تعمیری کام کاج اور پیشے اور انسانیت کے احترام پر مبنی ہیں تو صرف اسی لئے کہ ایسی ہی تعلیم اور ایسے ہی تصورات کے ذریعے آنے والی نسلوں کی ذہنی اور جسمانی قوتوں کو صحیح رستے پر ڈال سکتے ہیں بلکہ اس کوشش سے ہم گویا ایک ایسے قلعے کی تعمیر میں مدد دے رہے ہیں جو مستقبل میں حق اور انسانیت کا تحفظ کرسکے گا۔ ہمارا دیس مبارکباد کا مستحق ہے کہ اس نے ایسے پُرآشوب دور میں بھی ان تعمیری قوتوں کو جو کسی قوم کی ذہنی اور تعلیمی زندگی کی پیش رو ہوتی ہیں' خوش آمدید کہا ہے' ان کی تخریب نہیں کی ہے۔

کچھ اوپر دو سال ہوئے کہ مہاتما گاندھی نے بنیادی تعلیم کی اسکیم کو دنیا کے سامنے پیش کیا جس کے متعلق بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ اس زمانے میں اس اسکیم نے بہت فروغ حاصل کیا۔ بہت سے صوبوں میں اس اسکیم نے وہ منزل طے کرلی ہے جسے ایک نیا تجربہ کہا جاسکتا ہے۔ ان صوبوں میں یہ وہاں کے نظام تعلیم کا ضروری جزو بن چکی ہے' دوسرے صوبوں میں استادوں کی تیاری اور دستور العمل کی تفصیل قریب قریب مکمل ہوچکی ہے اور قوی امید ہے کہ اگلے سال تک نئے بنیادی اسکول کھل جائیں گے۔ جن صوبوں میں کانگریسی وزارت نہیں ہے وہاں بھی اس اسکیم کے بنیادی اصولوں مثلاً دستکاری اور مفید پیشوں پر زور دینا یا نصاب تعلیم کے مختلف حصوں کے بغور مطالعے کی تجویزیں ہوئی ہیں۔ ان صوبوں میں تعلیم کی اصلاح کے سلسلے میں جو کوششیں ہوئی ہیں ان پر اس تعلیمی اسکیم کا بہت گہرا اثر پڑا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آل انڈیا قومی تعلیمی سنگھ کے سکریٹری آپ کے سامنے اپنی رپورٹ پیش کریں گے اور اس میں یہ دکھائیں گے کہ مختلف صوبوں میں بنیادی تعلیم کی کیا صورت حال ہے۔

اس منزل پر پہنچ کر بہت مناسب ہے کہ ہم ایسے موقع کا استقبال کریں جو آپس کے سوچ بچار کے لئے' اپنے اپنے تجربات کو ایک دوسرے کے سامنے پیش کرنے کا اور ان مسائل کو جو ہم ابھی تک حل نہیں کرسکے ہیں حل کرنے کا ہمیں حاصل ہوا ہے۔ ایسی مجلسیں بہرحال اپنی جگہ اہمیت رکھتی ہیں مگر بالخصوص اس وقت جب ایک بالکل نیا تخیل ہمارے سامنے ہو اور ہم ایک بالکل نئی منزل کے لئے قدم اٹھا رہے ہوں' ہمارا ہر وقت خبردار اور ہوشیار رہنا نہایت ضروری ہے۔ کسی کام میں کامیابی حاصل کرنے کا یہ واحد ذریعہ ہے کہ ہم آزادی سے اپنے خیالات ایک دوسرے کے سامنے پیش کریں اور ان پر بحث کریں۔ ہمیں ان تجربوں سے سبق لینا چاہئے جو ہمارے دوستوں نے ملک کے مختلف حصوں میں کئے ہیں۔ ساتھ ہی ہمیں اس بات کے لئے بھی تیار رہنا چاہئے کہ یہ اسکیم کسی حالت میں بھی مذبذب اور جامد صورت میں نہ رہنے پائے اور ہم جب چاہیں اس کا سخت سے سخت تبصرہ کرسکیں اور اس کے کسی حصے میں بھی تبدیلی کرسکیں جہاں ہمارا یہ فرض ہونا چاہئے کہ ہم اپنے مقاصد اور اصول کو سامنے رکھیں وہاں ہمیں ہر تبصرے یا تنقید کو خواہ وہ اندرونی ہو یا بیرونی' خوش آمدید کہنا چاہئے۔ اس لئے کہ اگر دنیا کی کسی چیز میں ہمارا غیر متزلزل یقین ہونا چاہئے تو وہ ہے صداقت اور اس کی صفت ہے جستجو۔ تعلیم کے طریقوں' نصاب اور معیار اور ساتھ ہی ساتھ اسکیم کے اقتصادی اور تعلیمی نظام کا اکثر وبیشتر زیادہ سے زیادہ جائزہ لیتے رہنا چاہئے۔ اپنے تجربے کے دوران میں جہاں کہیں بھی ہمیں محسوس ہو کہ یہاں تبدیلی کی ضرورت ہے وہاں فوراً تبدیلی کی کوشش کرنی چاہئے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کانفرنس اسی وسیع تلاش وجستجو کے جذبے کے ماتحت اپنا کام کرے گی۔

اپنی تقریر ختم کرنے سے پہلے میں آپ کی توجہ ایک ایسے مسئلے کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جو آج کل سب سے زیادہ زیر بحث ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب کانگریسی وزارتیں استعفے داخل کردیں گی تو اس اسکیم کا کیا ہوگا۔ اس اسکیم سے محبت اور دلچسپی رکھنے والے کارکن اس مسئلے پر نہایت سنجیدگی سے غور کرتے ہیں اور جو لوگ اس کے مخالف ہیں وہ ایک حد تک خوش بھی ہیں۔ مجھے اس مسئلے کا کچھ بہت زیادہ تردد نہیں ہے۔ اس اسکیم کا آغاز اس وقت ہوا تھا جب کانگریس کے ہاتھ میں عنان حکومت نہیں تھی۔ یہ ایک اتفاقی بات تھی کہ اس اسکیم کے تھوڑے ہی زمانے کے بعد صوبوں میں کانگریسی وزارتیں قائم ہوئیں اور انھوں نے اس اسکیم کی سرپرستی کی۔ اب اگرچہ کانگریسی وزارتیں مستعفی ہوجائیں تو اس اسکیم کو اپنی اندرونی طاقت کے سہارے کھڑا ہونا پڑے گا بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ کانگریس کے اتفاقی طور پر حکومت سنبھال لینے نے اس اسکیم کو ایک مصنوعی اور ناپسندیدہ عزت بخش دی تھی جو تبلیغی نقطۂ نظر سے خواہ مفید ہو مگر علمی نقطۂ نظر سے ٹھیک نہیں ہے۔ صوبوں کی حکومتوں سے متعلق ہوجانے کی وجہ سے یہ اسکیم بدقسمتی سے فرقہ وارانہ بحث ومباحثے کا شکار ہوگئی۔ اس کانفرنس میں ان بحثوں کی صداقت و غیر صداقت پر غور کرنا میرا کام نہیں ہے۔ اس اسکیم پر جو الزام لگائے

جارہے ہیں ان میں اگر صداقت کا شائبہ بھی پایا جاتا ہے تو عہدہ داروں کا فرض ہے کہ اس کی جواب دہی کریں لیکن خوشی کی بات ہے کہ اب تک اس اسکیم پر جتنے اعتراضات کئے گئے ہیں کسی بھی باوقار اور ذمہ دار معترض نے اسکیم کے بنیادی اصول ــــ یعنی مفید حرفوں کے ذریعے تعلیم دینے کا اصول ــــ کی مخالفت نہیں کی۔ اس کے علاوہ جن باتوں پر اعتراضات کئے گئے ہیں میرے خیال میں ان کا جواب وقت اور تجربہ خود پیش کردے گا۔ جہاں تک موجودہ سیاسی پیچیدگی کا تعلق ہے میرا یقین ہے کہ اگر حکومت کی سرپرستی جاتی بھی رہے ــــ حالانکہ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی بھی سمجھ دار حکومت ایسی اسکیم سے منہ موڑے گی۔ تو بھی وہ لوگ جو اس ملک میں ایک بہتر تعلیمی نظام کا قیام چاہتے ہیں اپنا پورا زور لگا کر اس کام کو آگے بڑھائیں گے، سرکاری سرپرستی کی خوش گوار فضا میں نہیں بلکہ اپنی مخلص سچی اور متحدہ کوشش اور محنت سے۔ اور مجھے یقین ہے کہ ان کو جتنی ہی مشکلات کا سامنا ہوگا اتنا ہی ان کو اپنے تجربات میں وسعت اور کامیابی نصیب ہوگی۔ اس لئے آئیے ہم اپنی ساری طاقت کو ایک جگہ مجتمع کرکے اس تحریک کو عقلمندی اور دلیری سے فروغ دینے کے لئے عہد کریں اور ساتھ ہی ساتھ ہم اپنے اندر اس قدر رواداری پیدا کرلیں جو منطق اور نکتہ چینی کا استقبال کرے، ہمیں اپنے تجربوں سے کام لینے کے لئے آمادہ کرے اور جو دوسروں کو دکھ پہنچانے والے عناصر کو مٹادے۔

بنیادی تعلیم کی پہلی کانفرنس

جیسا کہ پہلے سے طے ہوچکا تھا کہ اکتوبر کے آخری تین دن اور نومبر کی پہلی تاریخ تک بنیادی تعلیم کی پہلی کانفرنس ہوئی۔ اس وقت بین الاقوامی اور قومی صورت حالات اس قدر نازک اور مشتبہ ہورہی تھی کہ بہت سے لوگوں کا یہ خیال تھا کہ شاید اس نازک موقع پر اس کانفرنس کا انعقاد ناممکن ہوجائے اور اگر ممکن ہوا بھی تو تعلیمی مسائل پر غور و فکر کرنے کے لئے ذہن کو جس یکسوئی اور اطمینان کی ضرورت ہے، وہ شاید حاصل نہ ہوسکے۔

اس کے باوجود پونا میں ہمارا اجتماع ہوا اور پہلے سے مقرر کئے ہوئے پروگرام کے مطابق پورے چار روز تک ہماری کارروائی ہوتی رہی۔ البتہ یہ خصوصیت تھی کہ صورت حالات کی نزاکت اور پیچیدگی نے ہمارے بحث و مباحثے میں بھی سنجیدگی کا رنگ پیدا کردیا تھا۔ پہلے تو کانفرنس سے ہمیں صرف اتنی امید تھی کہ تعلیمی میدان میں جو لوگ کام کررہے ہیں، انھیں ایک بار آپس میں مل بیٹھنے کا موقع مل سکے گا، وہ ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھاسکیں گے اور ان تجربات کے دوران میں ان کے سامنے جو اصل مسائل اٹھتے ہیں ان پر اجتماعی طور پر غور و فکر کے ذریعے وہ انھیں آسان بناسکیں گے۔ لیکن جس قیامتِ صغریٰ کے سایے میں ہمارا اجتماع ہوا، اس نے اس نئی تعلیم کے مقاصد کو ہمارے سامنے اور بھی نمایاں کردیا۔ ہم نے یہ نمایاں طور پر محسوس کیا کہ صرف موجودہ تعلیمی نظام میں اصلاح کردینے سے کام نہیں چلے گا۔ ہمیں تو ایک ایسے انقلابی نظام تعلیم کی ضرورت ہے جو ایک ایسے سماج کی تعمیر کی بنیاد ڈالے گا جو حق اور عدل پر مبنی ہوگا۔ ہم نے یہ بھی محسوس کیا کہ بنیادی تعلیم کی اسکیم ایک ایسی ہی انقلابی اسکیم ہے جسے اگر ہم نے عقیدت اور خلوص سے عمل میں لانے کی کوشش کی تو یہ ایک نئے سماج کی تعمیر میں مدد ضرور دے گی۔

کانفرنس کے صدر ستیدین صاحب نے بھی اسی صداقت کی طرف کانفرنس کی توجہ مبذول کرائی ہے۔ انھوں نے فرمایا :-

> "آج اگر ہم ایک نئے نظریۂ تعلیم کے مسائل پر یا تعلیم کے کچھ نئے اصول پر غور و فکر کررہے ہیں جو حق و صداقت، باہمی میل ملاپ تعمیری کام کاج اور پیشے اور انسانیت کے احترام پر مبنی ہے تو صرف اسی لئے کہ ایسی ہی تعلیم اور ایسے ہی تصورات کے ذریعے ہم آنے والی نسلوں کی ذہنی اور جسمانی قوتوں کو صحیح رستے پر ڈال سکتے ہیں، بلکہ اس کوشش سے گویا ہم ایک ایسے قلعے کی تعمیر میں مدد دے رہے ہیں جو مستقبل میں حق اور انسانیت کے تحفظ کا کام دے سکے گا۔"

ہم یہ دعویٰ کرسکتے ہیں کہ کانفرنس کے سارے دستور العمل میں ہم نے اس مقصد کو سامنے رکھنے کی کوشش کی ہے۔

(۱)

ہماری کانفرنس کارکنوں کی ایک مجلس تھی۔ اس میں عام تماشائیوں کی بھیڑ نہیں تھی۔ اس لئے تعداد کے اعتبار سے تو یہ کانفرنس بہت معمولی تھی مگر اس میں شرکت کرنے کے لئے لوگ اتنی دور دور سے آئے تھے کہ ان کے سبب سے پورے ہندوستان کا آپس میں تعارف ممکن ہوسکا۔ شمال میں کشمیر سے لے کر جنوب میں کوئمبٹور تک، اور سرحد سے لے کر اڑیسہ تک ہندوستان کے ہر صوبے اور ہر گوشے سے اس کانفرنس میں شرکت کرنے کے لئے نمائندے آئے تھے۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ تعلیم کے متعلق ہر قسم کی رائے کی نمائندگی کا عنصر موجود تھا۔

نمائندوں اور مہمانوں میں سب سے زیادہ تعداد بنیادی تعلیم میں براہ راست کام کرنے والوں ــــ ٹریننگ اسکول کے استادوں، بنیادی اسکولوں کے استادوں اور مختلف صوبوں میں بنیادی تعلیم کے سلسلے میں مقرر کئے ہوئے عہدہ داروں ــــ کی تھی۔ ان میں کچھ تو سرکاری اداروں سے اور کچھ قومی اداروں کے نمائندے تھے۔ ان کے علاوہ کچھ ایسے حضرات بھی تھے جنھیں تعمیری قومی پیشوں کا نمائندہ کہا جاسکتا ہے۔

متعدد ترقی پسند مشنری تعلیمی اداروں نے بھی اپنے نمائندے بھیجے تھے۔ بیشتر ایسے اداروں سے جن کے یہاں گذشتہ کئی برس سے ہاتھ کے کام کو تعلیم کا خاص عنصر تسلیم کیا گیا ہے۔ ان کرم فرماؤں میں خاص طور پر پنجاب کے موگا ٹریننگ اسکول کے صدر جناب اور بیگم ہارپر تھے اور تامل ناڈ کے ارونڈ گاؤں میں ریورنڈ چلی صاحب کے زیر سرپرستی جو لنڈن مشن کیونٹی ٹریننگ اسکول کام کررہا ہے اس کے نمائندے راج نائکم صاحب تھے۔ ان کے تعاون سے ہمیں بےحد مسرت ہوئی۔

ہندوستان کی مرکزی حکومت کی طرف سے محکمۂ تعلیمات میں ایک مرکزی مجلس مشاورت (Central Advisory Board) کام کرتا ہے۔ اس بورڈ کی طرف سے بنیادی تعلیم کی اسکیم پر غور کرنے کے لئے بال گنگا دھر کھیر صاحب کی صدارت میں ایک ضمنی مجلس مقرر کی گئی تھی۔ اس مجلس کے اراکین بھی کانفرنس میں شریک تھے اور Central Advisory بورڈ کے سکریٹری مسٹر سارجنٹ نے بڑی دلچسپی سے اجلاس کی کارروائی میں حصہ لیا۔

اس طرح ہندوستان کے ہر صوبے، ہر زبان، ہر مذہب اور ہر تخیل کے

نمائندے اس اجلاس میں شریک تھے لیکن جس طرح انوکھے پن میں اسی طرح اتحاد اور ایکے میں بھی یہ کانفرنس ہندوستان کی قومیت کا ایک چھوٹا سا نمونہ تھی۔

اس اجلاس میں بنیادی تعلیم کے مسئلے پر گفتگو کرتے وقت نہ ہم ہندو تھے نہ مسلمان اور نہ عیسائی۔ نہ ہم آندھرا کی زبان بولنے والے لوگ تھے اور نہ گجراتی۔ ہم سب ہندستانی تھے۔ ہمارے سامنے صرف ایک سوال تھا — ہندستان کے کروڑوں ان پڑھ بچوں کے لئے ایک زندہ اور ہمہ گیر تعلیم کی اسکیم — اور ہم سب کا ایک دل ہو کر ایک ہی مقصد تھا۔ اس اسکیم کو عمل میں لانے کے لئے اچھے سے اچھے رستے کی تلاش۔

۲۹ اکتوبر کی شام کو ۵ بجے آچاریہ کرپلانی کے ہاتھوں سے بنیادی تعلیم کی کانفرنس اور نمائش کا افتتاح ہوا۔

جناب کھیر صاحب کی دعوت پر ہم لوگ پونہ میں اکٹھا ہوئے تھے۔ شری بی۔جی کھیر دو دن کے اندر اپنی وزارت کی کرسی اور ذمہ داری سے دست کش ہونے والے تھے۔ لیکن بنیادی تعلیم کی اسکیم سے انھیں اتنی عقیدت ہے کہ انھوں نے اس کانفرنس کے لئے ایک دن کا وقت نکالا اور افتتاح کے وقت تشریف لاکر کانفرنس کے نمائندوں اور مہمانوں کا مجلس استقبالیہ کی طرف سے استقبال کیا۔ اپنی تقریر میں بیٹھ آپ نے ان مشکلات کی طرف حاضرین کی توجہ مبذول کرائی جو اس اسکیم کو عمل میں لانے میں پیش آتی ہیں۔ پچھلے دو برسوں میں بنیادی تعلیم کی اسکیم کے فروغ کی تاریخ بیان کرتے ہوئے موصوف نے فرمایا:-

(۲)

دو سال ہوئے ہم میں سے بہت سے لوگ یہ جاننے کے لئے واردھا میں مجتمع ہوئے تھے کہ یہ نئی تعلیمی اسکیم جسے ان دنوں "واردھا تعلیمی اسکیم" کہا جاتا تھا اور اب "بنیادی تعلیمی اسکیم" کہا جاتا ہے کیا ہے؟ تاکہ ہم اس پر اپنی رائے کا اظہار کرسکیں۔ وہاں بحث بیشتر علمی تھی کہ کس حد تک دستکاری کو مرکز بناکر تعلیم دی جاسکتی ہے اور کس حد تک نہیں۔ اب ہم خالص علمی بحث و مباحثے کی منزل سے بہت آگے نکل چکے ہیں۔ آج دو سال کے عرصے کے بعد ہم ایک جگہ اس لئے جمع ہوئے ہیں کہ سوچیں کہ اس نئی تعلیمی اسکیم کو عمل میں لانے کے سلسلے میں ہمیں کیا کیا تجربات حاصل ہوئے ہیں۔ اس اسکیم کے بنیادی اصول بے شک پختہ اور مکمل ہو چکے ہیں لیکن ان کے ماتحت عمل کرنے کا طریقہ یا طریقے ابھی تجربے ہی کی منزل میں ہیں۔ ہماری راہ میں ایسی مشکلیں بھی پیش آتی ہیں جنھیں ایک دن میں حل نہیں کیا جاسکتا۔

سب سے پہلی اور بڑی مشکل لائق استادوں کا ملنا ہے۔ اس اسکیم کی کامیابی کا انحصار آپ جانتے ہیں کہ استادوں پر کس حد تک منحصر ہے۔ اس کام کو سنبھالنے کے لئے خواہ ہمیں گریجوایٹ ہی کیوں نہ مل جائیں لیکن جب تک ان کے دلوں میں بنیادی قومی تعلیم کے لئے جوش اور حوصلہ نہ ہو ہماری اسکیم کبھی آگے نہیں بڑھ سکتی۔ اس معاملے میں میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ ۲۱ اکتوبر سنہ ۱۹۳۹ء کے ہریجن کے اوراق کا مطالعہ کیجئے جس میں شری سی۔ راجگوپال اچاریہ جی نے اس مسئلے کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے:-

"اس سے پہلے کہ میں استادوں کی تیاری شروع کروں مجھے خود اپنے آپ کو ایک معیاری استاد بنانا ہوگا۔ تعلیم دینا بھی ایک اہم حرفہ ہے اور جس طرح ہم کتائی کے ذریعے تعلیم دینا چاہتے ہیں، ویسے ہی میں چاہوں گا کہ ہم معلمی کے حرفے کے ذریعے تعلیم دیں۔ معمولی مدرسے کا خاکہ تو آہستہ آہستہ تیار ہو جائے گا جس بات کی مجھے تمنا ہے وہ یہ ہے کہ میں اپنے آپ میں ایک معلم کی صفات مجتمع کروں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ مہاتما جی نے تعلیم کا ایک انقلابی تخیل تو دنیا کے سامنے ضرور پیش کر دیا مگر وہ اسے خود عملی جامہ نہ پہنا سکے۔ ہم انھیں ایک مدرسہ قائم کر کے اس میں اپنے تخیل کا پورا پورا امتحان لینے کی بالکل چھٹی دے دیتے تب انھیں اسے مکمل اور ہمہ گیر بنانے کا زیادہ سے زیادہ موقع مل جاتا لیکن آج کچھ اِنے گنے ناتجربہ کار آدمیوں کے ہاتھ میں یہ کام آپڑا ہے۔ وہ مہاتما جی کے وچاروں کو لکیر کے فقیر بن کر عملی صورت میں لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ نتیجہ اس کا یہ ہو رہا ہے کہ وہ مہاتما جی کی غلطیوں کا بھی اتباع کر رہے ہیں۔ اس اسکیم کا مفہوم کچھ ایسا نادر اور انوکھا ہے کہ اس کو عمل میں لانا واقعی مشکلات سے پُر ہے اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ جو بھی اس کام کو ہاتھ میں لے پہلے اسے چاہئے کہ اس اسکیم کو اپنی زندگی میں سمو کر ایک جزو بنالے اور پھر اسے اپنے طریقے پر اور اپنی طبعی افتاد کے مطابق تجربے کی کسوٹی پر پرکھے۔ اسی لئے میں اس انتظار میں ہوں کہ خود مجھے اس کا موقع ملے"

معلمی خواہ اسے حرفہ کہیے یا فن، ایک نہایت مشکل کام ہے اور جب اس کا طریقہ بھی انوکھا اور پیچیدہ ہو اور متعدد مضامین کو ایک حرفے کے ساتھ مربوط کرنا ہو تب تو مشکل اور بھی بڑھ جاتی ہے اور پھر یہ طریقہ بھی ابھی تجربے کی منزل سے گذر رہا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ایک نہیں کئی کئی حرفے سکھائے جائیں یعنی الگ الگ مدرسوں کے لئے مقامی ضرورتوں کے مطابق الگ الگ حرفے ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ استادوں میں نہ صرف ایک حرفے سے بلکہ متعدد حرفوں سے تعلیمی مضامین کو مربوط کرنے کی اہلیت پیدا ہو۔ یہ کس طرح ممکن ہوگا، اس کا جواب دینے کی طاقت مجھ میں نہیں ہے۔ اس مسئلے پر سوچ وچار اس کانفرنس کو کرنا ہوگا۔

دوسری بڑی مشکل بنیادی مدرسوں کے لئے کافی زمین مہیا کرنے کی ہے۔ بنیادی مدرسوں کے لئے معمولی مدرسوں سے نسبتاً زیادہ جگہ درکار ہوتی ہے۔ موجودہ مدرسوں میں سے بہتوں کی عمارتیں ناکافی ہیں، اس لئے ان مدرسوں کے لئے جب تک قابل اطمینان عمارتیں بنانے کے دستور العمل پر کام نہ کیا جائے گا اس اسکیم کو ہم کامیاب نہیں بنا سکتے۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ Central Advisory Board of Education نے جو ضمنی مجلس بنیادی تعلیم پر غور کرنے کے لئے مقرر کی ہے وہ اس مسئلے پر غور کر رہی ہے۔ اس کی سفارش — اگر پوشیدہ گفت و شنید کو ظاہر کرنے کی مجھے اجازت ہے — یہ ہے کہ صوبوں کی حکومتوں سے اس بنیادی خرچ (Capital Expenditure) کے لئے عوام سے قرض لینے کو کیا کیا جائے لیکن چونکہ یہ مدرسے مقامی عہدہ داروں کے زیر اہتمام ہوں گے، اس لئے یہ سوال اٹھانا ان کا کام ہے۔

مگر سب سے بڑی مشکل جس کا حل ہمیں تلاش کرنا ہے مالی ہے۔ ان اسکولوں کو جاری کرنے میں پہلے پہل جو اخراجات ہوتے ہیں وہ معمولی اسکولوں کے شروع اخراجات سے کہیں زیادہ ہیں اور اسکیم کی ساخت کے پیش نظر یہ امر ناگزیر بھی ہے۔ دوسری بات یہ کہ بنیادی اسکولوں کے لئے استادوں کی بھی تعداد معمولی اسکولوں کے معلموں کی تعداد سے بہت زیادہ درکار ہوتی ہے۔

استادوں کے مدرسوں کا قائم کرنا ایک ایسا مسئلہ ہے جس کی ضرورت بہت دنوں سے محسوس کی جا رہی ہے، مگر ہم مالی مشکلات ہی کے پیش نظر ان کو بند نہیں کرسکے۔ ساتھ ہی ساتھ ایک دوسرا مسئلہ بھی سامنے آتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بنیادی اسکولوں کے بچے جو کام کریں گے ان سے ہمیں کچھ نہ کچھ آمدنی ضرور ہو جائے گی۔ لیکن جب یہ کام بڑے پیمانے پر شروع ہو جائے گا تو ان اسکولوں کی بنی ہوئی چیزوں کی نکاسی ایک اہم مسئلہ بن جائے گا۔ مثال کے طور پر ابھی ہم نے کل سات اسکول قائم کئے ہیں۔ اب ان میں جو سوت تیار ہوا ہے اس کا کیا ہو؟ اس کا ابھی ہم فیصلہ نہیں کرسکے۔ اس مسئلے کا حل ہمیں تلاش کرنا ہے، اس لئے کہ اس کو تقدیر نہیں چھوڑا جا سکتا۔

یہ ہیں چند مشکلات جنھیں میں آپ کے سامنے اس امید کے ساتھ پیش کرتا ہوں کہ آپ اپنے گراں قدر تجربات کی روشنی میں ان کے حل کا کوئی راستہ تلاش کریں گے۔ ہمارے اصول و مقاصد کی اہمیت کا معیار یہ ہے کہ ان کے حصول کے رستے میں جو مشکلات پیش آئیں، وہ بھی اہم ہوں۔ اگر مشکلات اور وہ بھی اہم نہ ہوں تو ہمارے اصول و مقاصد بھی اہم نہیں رہیں گے۔ ہمارے سامنے ایک معیاری نظام تعلیم پیش ہے۔ ہمیں اسے کامیاب بنانے کے لئے اپنی پوری پوری طاقت لگا دینی ہوگی۔ اور یہ امر بھی دھیان میں رکھنا ہوگا کہ لوگ اکثر پگڈنڈیاں ڈھونڈتے ڈھونڈتے اصلی راستہ ہی کھو بیٹھتے ہیں۔ اس لئے بہتر یہی ہوگا کہ ہم آگے بڑھنے کے لئے آہستہ آہستہ قدم اٹھائیں مگر اپنے معیار کو آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیں۔ اس معیار یا مقصد کی تعریف تو یقیناً بہت کچھ صاف اور واضح ہو گئی ہے مگر راستہ ضرور ایسا ہے جس پر ہم نے پہلے کبھی قدم تک نہیں رکھا تھا۔ ہم جوں جوں آگے بڑھیں گے ہمیں اپنے لئے رستہ بھی خود بنانا پڑے گا اور وہ رستہ سب سے آسان اور سیدھا سادا ہونا چاہیئے۔ ہمارا مقصد ایک ایسا نظام تعلیم جاری کرنے کا ہے جس سے ایسے شہری پیدا ہوں جو جماعت اور سماج کے لئے بوجھ بن کر نہیں بلکہ اس کے دست راست بن کر رہیں گے۔

آخر میں آپ لوگوں کا پھر ایک مرتبہ سچے دل سے استقبال کرتا ہوں۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ اس اپنے ڈھنگ کی نرالی نمائش اور اجلاس کا افتتاح ایک ایسے شخص کے ہو رہا ہے جس نے اپنی غیر معمولی علمیت سے بنیادی تعلیم کی تعلیمی روح کو سمجھا ہے اور جس میں اسکیم کے اس پہلو کو ہمارے سامنے واضح کرنے کی صلاحیت ہے۔ گاندھی جی کے خیال میں بنیادی تعلیم کا مطلب یہ ہے کہ "اہنسا" کے اصول کو تعلیمی میدان میں کارفرما بنا دیا جائے اور اس حقیقت کو ہمارے لئے آسان بنا دینا آچاریہ کرپلانی ہی کا حصہ ہے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب جو کانفرنس کے خیالات کی نمایندگی فرمائیں گے، اس اسکیم کا سنجیدگی سے مطالعہ کر چکے ہیں اور ان کا یہاں ہونا ہماری خوش نصیبی ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر اور بھی مسرت ہو رہی ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا کے ایجوکیشن کمشنر مسٹر سارجنٹ بھی یہاں موجود ہیں اور دوسرے بہت سے معزز حضرات جو مختلف صوبوں سے نمایندے بن کر تشریف لائے ہیں۔ خوش آمدید!

(۳)

۳۰، ۳۱ اکتوبر اور پہلی نومبر کانفرنس کے کاموں کی خاص تاریخیں تھیں۔ پروگرام ہر روز ۸ سے ۱۱ بجے تک، ۲ سے ۵ بجے تک اور رات کو ۹ سے ۱۱ بجے تک رہتا تھا۔ مباحث و مباحثے اور غور و فکر کے لئے بنیادی تعلیم کے پانچ عملی مسائل منتخب کئے گئے تھے۔ (۱) بنیادی تعلیم کے استادوں کی تیاری کے لئے سب سے اچھا کون سا طریقہ ہے۔ (۲) حرفے کے ذریعے تعلیم دینے کی اس نئی اسکیم کے سلسلے میں ہمارے تجربے کیسے رہے۔ (۳) بنیادی تعلیم کے تجربے میں جو اقتصادی اور انتظامی مسائل ہمارے سامنے آتے ہیں، ان کو حل کرنے کے طریقے۔ (۴) بنیادی تعلیم کے اسکولوں میں بچوں کے ساتھ کام کرتے وقت اس نئی تعلیم کے سلسلے میں ہمارے تجربات کیا ہیں۔ اور (۵) بنیادی اسکولوں کی نگرانی میں ہمارے سامنے کیا مسائل پیش آتے ہیں۔

ہر مسئلے پر غور کرنے کے لئے ہمارا دستور العمل یہ رہا کہ پہلے ہر کارکن اپنے خاص حلقۂ تعلیم میں جو تجربے حاصل کر چکا ہے انھیں بیان کرے۔ اس کے بعد کانفرنس کے ہر نمائندے کو اس پر بحث و مباحثہ کرنے کا موقع دیا جاتا تھا اور آخر میں کانفرنس کے صدر ذاکر حسین صاحب ان بحثوں سے تجویز اخذ کرکے کانفرنس کے سامنے رکھتے تھے۔

کانفرنس میں جو بحثیں، غور و فکر اور تقریریں ہوئیں ان کو ایک الگ کتاب کی صورت میں شائع کیا جائے گا۔ یہاں صرف کانفرنس کی تجاویز خصوصی کا ذکر کیا جائے گا۔

(۱) پچھلے دو برسوں میں بنیادی قومی تعلیم نے جو ترقی کی ہے وہ اطمینان بخش اور معقول ہے۔ عہدہ داروں اور نجی حیثیت سے اس سلسلے میں کام کرنے والے حضرات نے اپنے تجربات کی جو تفصیل پیش کی ہے، اس کے پیش نظر ہمیں امید ہے کہ وقت آنے پر یہ اسکیم موجودہ نظام تعلیم میں انقلاب پیدا کر سکے گی۔

(۲) بنیادی قومی تعلیم کا کام ہمارے دیس کے مستقبل کے لئے بے حد ضروری ہے۔ اس لئے خواہ مستقبل قریب میں جو بھی سیاسی تبدیلیاں رونما ہوں اسے ہر حالت میں جاری رکھنا چاہیئے۔ اور اس کی راہ میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ آنے دینا چاہیئے۔

سات سال کی مفت، لازمی اور ہمہ گیر بنیادی تعلیم کے لئے جو بڑا سرمایہ اور دوسرے اخراجات درکار ہوں گے ان کا مناسب حصہ اپنے اوپر لینا مرکزی حکومت کا فرض ہوگا اس لئے کہ یہ قومی تعمیر کا سب سے اہم کام ہے۔

(۳) بنیادی اسکولوں کے استادوں کی تیاری کی میعاد کم از کم ایک سال ہونی چاہیئے اور یہ ساری تیاری ایک سال مسلسل کرائی جائے نہ کہ چھوٹے چھوٹے میقاتوں (Terms) میں تقسیم کرکے۔

(۴) استادوں میں دیہاتی عنصر اور طبعی اتحاد پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے تاکہ وہ دیہاتی زندگی کے خاص خاص مسائل کو سمجھنے کے اہل ہو جائیں، ان سے ہمدردی برت سکیں اور انھیں سلجھانے کی کوشش کریں۔

(۵) ان صوبوں میں جہاں بنیادی تعلیم تیزی سے بڑھ رہی ہے، موجودہ مدرسوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد کو کم سے کم وقت میں بنیادی اسکولوں میں تبدیل کر دینے کے لئے یہ اچھا رہے گا کہ کچھ بنیادی اسکولوں کو تجربہ گاہوں کے طور پر الگ کر لیا جائے۔ ان میں تعلیم تجربہ شدہ اور خاص خاص طریقوں سے دی جائے اور اس سے جو نتائج اخذ کئے جائیں ان کو باقی اسکولوں کے فائدے کے لئے استعمال کیا جائے۔

(۶) تمام استادوں کے اندر یکساں طور پر قومی نقطۂ نظر پیدا کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ دیہاتی اور شہری دونوں حلقوں کے لئے استادوں کو ایک ہی ٹریننگ اسکول میں ٹریننگ دی جائے نہ کہ الگ الگ۔

(۷) ٹریننگ اور بنیادی دونوں قسم کے اسکولوں میں "آہستہ سکھانے

سکھانے کا مناسب بندوبست کیا جائے تاکہ آرٹ حرفے کا ایک جزو بن سکے۔

(۸) بنیادی تعلیم کے استادوں کو تیار کرنے کا طریقہ ابھی صحیح طور پر نہیں ہو سکا۔ اس کی نشو و نما ہمارے ان تجربات کے ذریعے ہونی چاہئے جو ہمیں مختلف قسم کے ٹرینگ اسکولوں اور کالجوں سے حاصل ہوں۔

(۹) لیکن اس مکمل اور ہمہ گیر نظام کو زبردستی یا غیر ضروری تقامت پر ٹھونسنے کی کوشش نہ کرنی چاہئے اور تعلیم کا ربط نہ صرف حرفے سے ملانا چاہئے بلکہ بچے کے قدرتی اور سماجی ماحول سے بھی۔ اس لئے کہ اس سے اُس کے بنیادی علم میں ترقی ہونے کے اتنے ہی امکانات ہیں۔

(۱۰) اس اسکیم کے تعلیمی امکانات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ معمولی استادوں کو بھی حرفے کی تعلیم دلائی جائے۔ اگر معلم کے ذریعے سبق پڑھانے کا اور مستری کے ذریعے حرفے کی تعلیم دینے کا کام اپنی اپنی جگہ پر ہوتا رہا تو ہمہ گیر تعلیم کا مقصد پورا نہیں ہوگا۔

(۱۱) کسی اسکول کے لئے بنیادی حرفے کا انتخاب کرتے وقت اس مقام کے خاص کاروباری ماحول کو دھیان میں رکھنا چاہئے اور یہ فیصلہ کرنے کے لئے کہ کس حرفے کے حلقے میں کس مقام پر کتنے اسکول ہوں، یہ پتہ لگانا چاہئے کہ اس مقام پر کون کون سے حرفے کس طرح پر تقسیم ہیں۔

(۱۲) بنیادی تعلیم کے اخراجات کا نسبتی اندازہ لگاتے وقت یہ خیال رکھنا چاہئے کہ یہ تعلیم موجودہ ثانوی مدرسوں میں جو کچھ پڑھایا جاتا ہے اس کا بیشتر حصہ اپنے اندر سمو لیتی ہے۔

(۱۳) اس امر کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے کہ بچوں کے ہاتھ کی بنی ہوئی چیزیں کس حد تک فروخت کرنے کے قابل ہوں گی، دوسرے اسکولوں کی ضرورتوں، اس جگہ کی ضرورتوں، مقامی اداروں یعنی مقامی حکومت کی ضرورتوں کا پتہ لگانا چاہئے اور ان کی جانچ پڑتال اور پیمائش کرنی چاہئے۔ اس پیمائش کے بعد اسکولوں میں مختلف حرفوں کی تنظیم ہونی چاہئے۔

(۱۴) ہماری رائے میں ہر گنجان حلقے میں اسکولوں کے روزانہ کے دستور العمل کی دیکھ بھال اور نگرانی کے لئے اور ان کے آپس میں ایک دوسرے سے متعلق و ہم رشتہ کرنے کی غرض سے ایک خاص نگران متعین ہونا چاہئے لیکن یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ اس کی نگرانی میں اتنے مدرسے نہیں ہونے چاہئیں کہ اس کے لئے ان کی نگرانی ہی سرے سے ناممکن ہو جائے۔ نگراں کا ٹرینگ اسکول سے گہرا تعلق رہنا چاہئے۔ اس میں مختلف جماعتوں کے لئے متعدد کام کی تفصیلی اسکیمیں تیار ہونی چاہئیں۔ یہ نگراں حتی الوسع خود بھی ایک اچھا استاد اور ماہر حرفہ ہو۔ لیکن اگر ایسے نگرانوں کا ملنا مشکل ہو تو سردست ہر ایک گنجان حلقے میں ایک حرفے کا نگراں ہو اور ایک عام تعلیم کا۔

(۱۵) یہ کانفرنس محسوس کرتی ہے کہ تعلیم کے نصاب میں انگریزی زبان کی تعلیم بہت جلد شروع کر دینے کے رواج سے ساری تعلیم خراب ہو گئی ہے اور دیس کا نقصان ہوا ہے۔ تمام مضامین کو دیسی زبان میں نہ پڑھانے سے تعلیم کی طاقت اور صلاحیت بھی سلب ہو گئی ہے۔ انگریزی کے ذریعے سب باتیں پڑھانے سے طالب علموں کے ذہن پر بار بھی پڑتا ہے۔

اس لئے اس کانفرنس کی سفارش ہے کہ صرف بنیادی تعلیم ہی میں نہیں بلکہ ہندوستان کے تمام اسکولوں میں کہیں بھی جب تک طالب علموں کو سات سات سال تک کی باقاعدہ تعلیم ان کی مادری زبان (اپنی زبان) میں نہ ہو جائے انگریزی بالکل نہ پڑھائی جائے۔

جن لوگوں کی مادری زبان انگریزی ہو وہ اس سے مستثنیٰ ہوں۔

دو اطلاعیں

(۱)

ابھی ابھی ہمیں امریکن ایونجلیکل مشن، بشرام پور (سی۔ پی) کے سکریٹری ریورینڈ ای۔ ڈبلیو۔ مینزیل صاحب کی طرف سے ایک خط موصول ہوا ہے۔ ریورینڈ موصوف لکھتے ہیں کہ Central India Christian Council نے چند اہم سفارشیں منظور کی ہیں۔ اس کونسل کے لگ بھگ ۴۰ رکن حال ہی میں ہمارا وردھا کا ٹرینگ اسکول دیکھنے آئے تھے اور گاندھی جی سے بھی ملے تھے۔ جگہ کم ہونے کے سبب سے ہم یہاں ریورینڈ موصوف کے خط کا صرف ایک اقتباس جو منظور شدہ سفارشات میں سے ایک ہے، لکھتے ہیں۔

"ہم بنیادی تعلیم کے نصاب کے بنیادی اصولوں کا خیر مقدم کرتے ہیں، اس لئے کہ یہ نصاب ایک ایسا تجربہ ہے جو نہایت اہم ضروریات کی تکمیل کریگا مثلاً۔

(الف) یہ تعلیم کو آج کل عام طور پر جو مصنوعی نظام تعلیم جاری ہے اس سے زندگی سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

(ب) یہ بچے کی شخصیت کو مستقبل میں خود کفیل اور تعمیری بنانے کے لئے اس کی چھپی ہوئی قوتوں کو بیدار کرتا ہے اور ان میں باہم ربط پیدا کرتا ہے۔

(ج) یہ ذات پات، امیر غریب اور سیاسیات کی قیود کو توڑتا ہے۔

(د) یہ محنت کی عظمت کا احساس دلاتا ہے۔

(ہ) یہ قومی جذبات اور دیش کے اقتصادی اور سماجی حالات کو ہمیشہ پیش نظر رکھتا ہے اس لئے قومی زندگی کا ایک اہم جزو ہے۔

(۲)

ہمیں اس اطلاع کی اشاعت سے دلی مسرت ہے کہ بنیادی تعلیمی سنگھ کے صدر جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب جن کا اتنی مدت سے بے چینی سے انتظار کیا جا رہا تھا، یورپ سے واپس لوٹ آئے ہیں۔

کارڈبورڈ ماڈلنگ (دفتی اور گتے کا کام)

مصنفہ شری یت لکشمی شور سنہا، مطبوعہ ہندوستانی تعلیمی سنگھ، قیمت ایک روپیہ۔

گتے، لکڑی اور دھات کے کام بنیادی حرفوں میں نہایت اہم جگہ رکھتے ہیں۔ گتے کا کام بنیادی مدرسوں کی دو جماعتوں کے لئے ہے۔ اس حرفے کے ذریعے کتنی اچھی تعلیم دی جا سکتی ہے اس امر کا تجربہ ان لوگوں کو زیادہ ہوگا جن کو بنیادی تعلیم سے سابقہ رہا ہے لیکن تجربہ کرنے والوں کو بھی دفتی کی دستکاری پر کوئی کتاب نہ ہونے کے سبب سے متعدد مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ شری لکشمی شور سنہا جی نے اس کتاب کو لکھ کر اس مشکل کو دور کر دیا ہے اور جو کمی محسوس کی جا رہی تھی وہ پوری ہو گئی۔ بنیادی مدرسوں اور بنیادی ٹرینگ اسکولوں کے استادوں اور طالب علموں کو دفتی کی دستکاری اور اس کے ذریعے تعلیم دینے کی اسکیم کا علم اس کتاب سے بھلی بھانت ہو جاتا ہے۔ کتاب آسان انگریزی میں لکھی ہے اور اس کا طرز بیان بھی دلچسپ ہے اور مضمون سے مکمل تعارف پیدا کرانے کے لئے مصنف نے جا بجا تصویریں اور خاکے بھی دئے ہیں۔

آتم سنگھ تومار، بی۔ اے، بی۔ ٹی، ٹی۔ ڈی (لندن)

مدرسہ اور سماج

مدرسے اور گھر میں کتنا گہرا تعلق ہے، اس کا تفصیلی ذکر ہم اس سے پہلے ایک مضمون میں کر چکے ہیں۔ بچے کی تعلیم کا گہوارہ گھر ہے، مدرسہ اُسے اس گہوارے سے اٹھا کر اپنی گود میں لیتا ہے۔ اس کا فرض ہے کہ بچے کو اس نئی فضا میں کوئی نیاپن یا اجنبیت نہ محسوس ہو۔ اس کی گھر اور مدرسے کی تعلیم ایک ہی زنجیر کی دو کڑیاں ہوں جنھیں ایک دوسرے سے الگ نہ کیا جا سکے۔ گھر کی فضا مدرسے پر اور مدرسے کی فضا گھر پر اپنا اثر کرتی رہتی ہو اور بچہ دونوں کو ایک ہی زندگی کے دو کسی قدر مختلف اور کسی قدر مشابہ حصے سمجھتا ہو۔

مدرسے اور سماج میں بھی اتنا ہی گہرا تعلق ہے۔ بلکہ زندگی جوں جوں زیادہ پیچیدہ اور زیادہ کشمکشوں کی آماج گاہ ہوتی جاتی ہے، مدرسے اور سماج کا تعلق زیادہ گہرا، زیادہ مضبوط اور زیادہ مسلسل ہوتا جاتا ہے۔ زندگی صرف پیٹ بھرنے کا نام نہیں۔ سانس کی چلتی ہوئی غیر محسوس دھڑکن سے لے کر پیچیدہ سے پیچیدہ دماغی اور روحانی کشمکشوں تک ہر چیز زندگی میں شامل ہے۔ انسان کے خیالات، اس کے احساس اور عمل، اس کی خاموشیاں اس کے نغمے، اس کے رسم و رواج، اس کی سیاسی اور معاشرتی انجمنیں، اس کی خوشیاں، اس کے غم، اس کی صباحی، اس کی بندگی، اس کی کامیابی اس کی ناکامی غرض ہر چیز کا نام زندگی ہے۔ یہ زندگی ابتدا میں سہل و سادہ تھی۔ انسان کا ماحول اس سے زیادہ تحریکات کا طالب نہ تھا۔ کھانے اور رہنے کی فکروں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ رفتہ رفتہ انسان کو دقتوں سے دوچار ہونا پڑا، وہ ان پر فتح حاصل کرتا اور زندگی کو زیادہ پیچ دار بناتا رہا۔ قدرت نے جب اس کے سامنے کوئی نئی چیز پیش کی، اس نے اسے جیتنے کی کوشش کی اور ہر نئی فتح سے اپنی زندگی کو زیادہ پیچ دار اور رنگین بنایا۔ ہر نئے تجربے نے زندگی کو زیادہ مال دار اور بامعنی بنایا۔ اس میں قدرت نے تجربوں سے سبق حاصل کرنے کی بے پناہ صلاحیت پیدا کی ہے۔ اس لیے زندگی کے ہر سانس کے ساتھ اس نے تجربے حاصل کیے اور زندگی کو نئی شکل دی۔

انسان کی دوسری فطرت جو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ اسی کے حصے میں آئی ہے یہ ہے کہ وہ اپنے تجربات کو آئندہ آنے والی نسلوں تک منتقل کرتا رہتا ہے۔ اور ان تجربات کو ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل کر سکنے کی فطری صلاحیت ہی کی بنا پر زندگی ہر لمحہ بڑھتی، ترقی کرتی اور زیادہ بوقلموں ہوتی جاتی ہے۔ یہ تجربات شروع میں کم بھی تھے اور آسان بھی۔ اس لیے ان کا دوسری نسل تک منتقل کرنا بھی آسان تھا۔ پتھروں پر بنائے ہوئے نقش نگار، زبانی یاد کیے ہوئے گانے، تصویروں کی شکل میں لکھی ہوئی تحریریں، یہ اور اسی قسم کے ذرائع تھے جن سے یہ سماجی ورثہ ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتا رہا۔ لیکن جوں جوں یہ ورثہ بڑھتا رہا اس کا منتقل کرنا مشکل ہوتا گیا اس لیے ضرورت ہوئی کہ اسے آنے والی نسلوں تک پہنچانے کے لیے ایسے وسائل اختیار کیے جائیں کہ یہ ورثہ ایک مستقل صورت اختیار کر سکے۔ یہی احساس تعلیم کی ابتدا تھا۔ بڑوں کو یہ خیال کہ وہ اپنی اس دولت کو اپنے چھوٹوں تک پہنچا سکیں اور چھوٹوں کو یہ خیال کہ وہ اس دولت کو لازوال بنا سکیں۔ اس لیے ہر شخص کو ایک ایسے وسیلے کی تلاش تھی جس کی مدد سے یہ خزانہ برابر منتقل ہوتا رہے اور اس کو زوال ہونے کے بجائے زیادہ سے زیادہ ترقی ہو سکے۔ یہ کام تعلیم نے انجام دیا — سماجی زندگی کا قیام اور اس کی تہذیب و تمدن کے بے بہا خزانے کی ترتیب تعلیم کے ہاتھوں میں ہوئی۔

اس خزانے کی اہمیت اور پیچیدگی کا اندازہ فطرت کے ایک اور اصول سے بھی ہوتا ہے۔ قدرت نے انسان کے بچے کو جتنا بے بس بنایا ہے اتنا زیادہ کسی اور جاندار کے بچے کو نہیں بنایا۔ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ اپنے بچپن میں وہ تمدن، تہذیب، تاریخ اور زندگی کے اس بیش بہا خزانے سے واقفیت حاصل کرے جو اسے گذری ہوئی نسلوں سے ملا ہے، اور جو اُسے آنے والی نسلوں تک پہنچانا ہے۔ جن جانداروں کی زندگیاں پیچیدہ نہیں ہیں، جنھیں زندگی کے متعلق کچھ نہیں سیکھنا ہے، جن کے آبا و اجداد نے ان کے لیے تجربوں کی دولت نہیں چھوڑی ہے، وہ پیدا ہوتے ہی اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جس طرح ان کے آبا و اجداد فطرت سے سبق حاصل کرتے چلے آئے ہیں، وہ بھی کرتے ہیں۔ نہ انھوں نے زندگی کو پیچیدہ محسوس کیا اور نہ ان کے لیے اس کی ضرورت ہے اس لیے، قدرت نے انھیں انسان کے بچے کی طرح مجبور نہیں کیا۔

بچپن کا یہ زمانہ تعلیم کا زمانہ ہے اور اس طرح کی تعلیم کے لیے، جو انسان کو اب تک ورثے میں ملی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جوں جوں انسانی تہذیب زیادہ ترقی کرتی جاتی ہے، سائنس اپنے ماحول پر زیادہ سے زیادہ فتح حاصل کرتی جاتی ہے، اس کی ضرورت بڑھتی جاتی ہے کہ تعلیم کا زمانہ بڑھتا رہے۔ چوں کہ بچوں کو زیادہ باتیں سیکھنی ہیں، اس لیے انھیں زیادہ عمر تک مدرسے میں رہنے کی ضرورت ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اب علم و فلسفے کی ہر شاخ میں لوگوں نے تخصیص حاصل کرنی شروع کر دی۔ چونکہ ہر بچے کے لیے یہ ممکن نہیں کہ اس خزانے پر پورا عبور حاصل کر سکے اس لیے اس میں سے کچھ چیزیں چن کر اسے سکھا دی جاتی ہیں اور اس کے بعد انھیں مختلف چیزوں میں تخصیص حاصل کرنے کے لیے الگ کر دیا جاتا ہے۔ کوئی ڈاکٹر بنتا ہے کوئی انجینئر کوئی سائنس داں اور کوئی فلسفی۔ امریکہ، جرمنی اور انگلستان میں اسی لیے اب اس بات پر زور دیا جا رہا ہے کہ بچوں کو مدرسے میں رکھنے کی عمر بڑھا دی جائے۔

ان سب باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان ہر نئے تجربے سے اپنی زندگی کو زیادہ رنگین، زیادہ مال دار، زیادہ پیچیدہ اور زیادہ بامعنی بناتا رہا اور علم کی مدد سے زندگی کی ان رنگینیوں، دولتوں اور پیچیدگیوں کو آنے والی نسلوں تک منتقل کرتا رہا اور اس طرح زندگی کا تسلسل اور علم دونوں چیزوں میں ایک دائمی رشتہ قائم ہو گیا۔ زندگی، علم کی بدولت زندگی بنی اور زندگی کے تجربات کے خزانوں نے علم کو علم بنایا۔ اور اس طرح دونوں چیزیں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہو گئیں۔ علم یا دوسرے الفاظ میں شعر و ادب، تاریخ و فلسفہ، سیاسیات و معاشیات، مذہب و الٰہیات کے جتنے خزانے کتابی شکل میں ہمارے پاس موجود ہیں وہ کسی نہ کسی طرح زندگی کا عکس ہیں۔ جس ادب کو زندگی سے تعلق نہیں وہ ادب نہیں اور جو زندگی ادب کی مرہونِ منت ہو کر نہیں رہنا چاہتی اس کی بقا بھی محدود ہے۔

علم اور زندگی کے اس فطری اور نفسیاتی تعلق کے ظاہر ہونے کے بعد، ہمارا سب سے پہلا فرض ہے کہ ہم ہر علم کو سماجی رنگ سے دیکھیں۔ سماج اور

آس پاس کا ماحول بچے کی فطرت پر بہت گہرا اثر ڈالتا ہے اور اسی لئے دو مختلف سوسائٹیوں میں پلنے والے بچے ہر چیز کو مختلف نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں۔ ان کی زبان، ان کا طرزِ گفتگو، ان کی چال ڈھال، ان کا ذوق جمال، ان کی پسند وناپسندیدگی، ان کا اخلاق، ہر چیز ایک دوسرے سے مختلف ہے، اس لئے کہ دونوں پر دو مختلف سماجوں کے مخصوص اثرات ہیں۔ اس لئے یہ بھی ضروری ہے کہ تعلیم سماج کے اس اثر کو نظر میں رکھے بغیر کچھ نہ کرے۔

بچے کو چونکہ سب سے زیادہ دلچسپی اپنے گرد وپیش سے ہوتی ہے اس لئے اگر مدرسے کی فضا اس کی سماجی زندگی سے بہت زیادہ قریب ہوگی تو وہ اس میں دلچسپی لے گا ورنہ نہیں۔ مدرسے کی فضا کو سماجی زندگی اور بچے کی دلچسپیوں سے قریب بنانے کا سب سے آسان طریقہ یہی ہے کہ مدرسے کو بجائے ایک گھری ہوئی فضا بنانے کے ایک آزاد فضا بنا دینا چاہئے، جس میں بچے کو پڑھنے سے زیادہ رہنے کا موقع ملے، وہ اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ مل کر ایک دلچسپ قسم کی زندگی گذارے، وہ کھیلے اور ایسے کام کرے جو اس کے خیال میں مفید ہوں، وہ دوسروں سے مدد لے اور دوسروں کو مدد دینے کا عادی بنے۔ جب مدرسے میں اس قسم کی فضا پیدا ہو جائے گی تو اسے سماج کی زندگی سے زیادہ سے زیادہ قریب بنانے میں بہت آسانیاں ہوں گی۔ اسے سماج کے لئے بھی مفید بنایا جا سکے گا اور بچوں کے لئے بھی۔ بچے وہاں رہ کر جو سبق سیکھیں گے اس سے ان کی انفرادی اور شخصی صلاحیتوں کو بھی ترقی ہوگی اور ان میں خدمت انسانی کا جذبہ بھی پیدا ہوگا۔ وہ ہر کام کے فائدے اور نقصان کو صرف اپنے نہیں بلکہ سماج کے نقطۂ نظر سے دیکھنے کے عادی ہو جائیں گے۔ وہ اپنی ترقی کو سماج اور قوم وملک کی ترقی کا زینہ سمجھنے لگیں گے۔

لیکن اب سوال یہ ہے کہ کن کن طریقوں سے مدرسے کو سماجی زندگی سے قریب بنایا جا سکتا ہے؟ کیا طریقے اختیار کئے جا سکتے ہیں کہ مدرسہ اور سماج ایک دوسرے پر اچھا اثر ڈالتے رہیں، مدرسے کو سماج کی ضرورتوں کا احساس ہو اور سماج مدرسے کے قیام کو زندگی کا ایک ضروری جزو سمجھے۔ اس سلسلے میں مختلف ملکوں میں مختلف طرح کے تجربات کئے گئے ہیں اور ان میں سے اکثر مفید بھی ثابت ہوئے ہیں۔ ہم بھی کوشش کرتے ہیں کہ اس قسم کی چند تجویزیں پیش کریں جن کی مدد سے مدرسہ اور سماج ایک زندگی کی دو کڑیاں بن جائیں۔

(۱) مدرسے کے قیام کے وقت یہ سوچنے کی ضرورت ہے کہ مدرسہ جس سماج، سوسائٹی یا زندگی کے مرکز کے قریب کھولا جا رہا ہے اس کی ضروریات کیا ہیں۔ وہاں کے لوگ عام طور پر کس طرح زندگی بسر کرتے ہیں، وہ زیادہ تر کسان ہیں، مزدور پیشہ ہیں، کاروباری ہیں، تاجر ہیں یا ملازم۔ فرض کرو کہ مدرسہ کسی ایسی جگہ ہے جہاں زیادہ لوگ کسان ہیں تو مدرسے کو کسانوں کی ضروریات زندگی کا خیال رکھنا چاہئے۔ بچوں کو ادب، تاریخ، جغرافیہ، حساب کی تعلیم دیتے وقت اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ ان میں سے ہر مضمون کا تعلق کسی نہ کسی طرح ان کی زراعتی زندگی سے پیدا کیا جائے۔ اس سلسلے میں زراعت کے پیشے کی اہمیت، انسانی زندگی اور اس کی ترقی میں اس کا حصہ، حیات انسانی میں اس کی عظمت وضرورت اور اس طرح کی چیزیں بتلانے کی ضرورت ہے کہ بچے اس پیشے کو عزت اور محبت کی نظر سے دیکھیں، انھیں کسان ہونے پر فخر ہو۔ جغرافیہ، حساب وغیرہ کو بھی کسی نہ کسی طرح ان کی زراعتی زندگی کے سلسلے میں پڑھانا چاہئے، مثلاً جغرافیے کے سلسلے میں موسم، ان کا اثر، غلے کی پیداوار، اس کا ایک ملک سے دوسرے ملک کو جانا اور اس سلسلے میں دو ملکوں کے تجارتی تعلقات کا ذکر ہو سکتا ہے۔ لیکن ان مضامین کے علاوہ، بچوں کو عملی طور پر زراعت کا کام کرنے کی طرف توجہ دینی چاہئے۔ وہ اپنے مدرسے میں خود زمین کھودیں، کھاد ڈالیں، پودے بوئیں اور اسے کاٹیں۔ اس سے ان کے دلوں میں کام کی عظمت اور اس کی صحیح محبت پیدا ہوگی۔ اور اس طرح جب وہ مدرسے سے نکلیں گے تو اخلاقی اور افادی دونوں نقطۂ نظر سے وہ سماج کے زیادہ قابل فخر اور مفید رکن ہوں گے۔ سماج بھی ایسے مدرسے سے محبت کرے گی جس نے ایسے کام کرنے والے اُسے دیئے۔

(۲) مدرسے کو سماج کی زندگی سے قریب بنانے اور اس کے بچوں میں بلند اخلاقی فضائل پیدا کرنے کی ایک ترکیب یہ ہے کہ مدرسے میں اس طرح کی جماعتیں بنائی جائیں جو اپنے آس پاس کی زندگی کو غور سے دیکھیں۔ سڑکیں بری ہیں، کوئی بیماری پھیلی ہوئی ہے، کسی خاص جگہ گندگی زیادہ ہے، لوگوں کی تفریح گاہیں نہیں ہیں۔ یہ اور اس طرح کی چیزوں پر غور کرنے کے بعد یہ مختصر جماعتیں اپنی رپورٹیں میونسپل کمیٹیوں کو دیں اور اس میں اپنے مشورے بھی لکھیں جہاں ممکن ہو خود ان خرابیوں کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ غور کرنے سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس قسم کے کام کا بچوں کی زندگی اور مدرسے اور سماج کے تعلقات پر کتنا اچھا اور مفید اثر پڑے گا۔

(۳) اس قسم کی جماعتوں کے علاوہ مدرسے میں رضاکاروں کے جتھے بنائے جا سکتے ہیں جن کا کام یہ ہو کہ وہ کسی خاص ضرورت کے موقع پر سماج کو مدد دینے کے لئے تیار رہیں۔ کوئی میلہ ہو، قحط پڑے، دریا میں سیلاب آئے، کوئی بیماری پھیلے، ایسے موقعوں پر زیادہ سے زیادہ کام کرنے والوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ مدرسے کا فرض ہے کہ وہ ہمیشہ اس طرح کے جتھے تیار رکھے اور ان سے اس قسم کے مفید کام لے۔

(۴) مدرسے ایک چوتھا کام بھی انجام دے سکتے ہیں اور خاص طور پر دیہات کے قریب کے مدرسوں میں یہ کام بہت مفید ثابت ہوگا اور وہ یہ کہ جو بے پڑھے لکھے جوان اور بوڑھے آدمیوں کو رات کے وقت پڑھائیں۔ اس طرح سماج کی حالت بھی درست ہوگی اور مدرسے اور سماج میں اچھے تعلقات پیدا ہوں گے۔

اس تفصیل سے ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ تعلیم کا مقصد شخصی نہیں بلکہ سماجی ہونا چاہئے۔ ہمیں کوشش کرنا چاہئے کہ مدرسہ اور سماج ایک ہی زنجیر کی دو کڑیاں بن جائیں اور دونوں پر ایک دوسرے کا عکس اور اثر نظر آئے۔ مدرسہ صرف بچوں کو روزی کمانے کا ایک آلہ نہ بنا دے بلکہ ان میں سماج، قوم اور ملک کی خدمت کا صحیح جذبہ پیدا کر کے انھیں سماج کا زیادہ قابل فخر اور مفید ممبر بنائے۔

سید وقار عظیم ایم۔ اے۔

فہرست مضامین

پرنٹر و پبلشر: حامد علی خاں | مطبوعہ: جید برقی پریس | مدیر: آشا دیوی

نئی تعلیم

ہندوستانی تعلیمی سنگھ کا خاص پرچہ

جلد ۲ نمبر ۳ | دہلی ۔ مارچ سنہ ۱۹۴۰ء | قیمت سالانہ عہ

بہار میں بنیادی تعلیم کا تجربہ

(حصہ اوّل)

ہمارے یہاں بنیادی تعلیم کا تجربہ ضلع چمپارن کے ایک چھوٹے سے دیہاتی علاقے میں ہو رہا ہے جس رقبے میں یہ تجربہ کیا جا رہا ہے وہ تقریباً ۱۲ میل لمبا اور ۸ میل چوڑا ہے۔ یہ رقبہ بالکل دیہاتی علاقے پر مشتمل ہے سب سے نزدیک کا شہر بتیا کے حلقے سے ۷ میل دور ہے۔ بہار کا صوبہ ایک تو یوں ہی ہر حیثیت سے سب سے پیچھے ہے، اس پر بھی ہمارے تجربہ کا رقبہ صوبے کے دوسرے علاقوں سے پیچھے ہے۔ یہاں تعلیم کا چرچا بہت کم ہے اس تجربے کو شروع کرنے سے پہلے .. اگز مربع میل کے علاقے میں لے دے کر ایک مڈل اسکول تھا، ایک اپر پرائمری اسکول یہاں کے رہنے والے بیشتر غریب لوگ ہیں جن میں کچھ تو کسان ہیں [illegible] مزدور۔ ہریجنوں کی تعداد بہت بڑی ہے۔

[illegible] مسلمان لوگ ہیں اور [illegible] ذاتوں کے [illegible] زرخیز ہے مگر لوگ غریب ہیں۔ [illegible] [illegible] کے جو نیز ہے [illegible] ہیں۔ [illegible] [illegible] ہے۔ برسات کے زمانے میں چاروں طرف پانی ہی پانی ہوتا ہے اور سڑکوں کی حالت اتنی خراب ہے کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا بھی دوبھر ہو جاتا ہے وہ علاقہ اور اس کی حالت جہاں گزشتہ اپریل [illegible] میں جب گاندھی سیوا سنگھ کا سالانہ اجلاس [illegible] [illegible] تھے۔ ابھی تک [illegible] [illegible] [illegible] کو کھلتا [illegible]

طور پر بنیادی مدرسے ہو جائیں گے ۱۹۴۵ء میں یہ سلسلہ پورا ہو جائے گا اور امید کی جاتی ہے کہ ۱۹۴۶ء میں بنیادی تعلیم کے سات سال نصاب کو پورا کرنے کے بعد بنیادی تعلیم کے مطابق پڑھائے ہوئے لڑکوں کا پہلا گروہ نکلے گا۔ پرانے مدرسوں کے پہلے درجے بھی ابھی ۳۵ اسکولوں کے پہلے درجوں سے ملا دیئے گئے ہیں۔ جس طرح ہر سال بنیادی تعلیم کے درجے بڑھتے جائیں گے ان پرانے اسکولوں کے درجے بھی بدل بدل کر بنیادی تعلیمی درجے ہوتے جائیں گے۔ اس طرح تین سال میں اس علاقے کے سات سرکاری لوئر پرائمری اسکول پاس کے بنیادی اسکول میں شامل ہوتے جائیں گے، اپر پرائمری اسکول ۵ سال میں اور مڈل اسکول ۷ سال میں بنیادی مدرسوں سے مل جائیں گے۔

اب میں مختصر طور پر ان ۳۵ مدرسوں کے متعلق چند ضروری باتیں لکھوں گا مثلاً ان کی زمین، مکانات اور سامان تعلیم، استادوں کی قابلیت اور ان کی تنخواہ، پرانے مدرسوں کے استادوں کا استعمال، اور ان مدرسوں کی بنائی ہوئی چیزیں اور ان کی نکاسی۔

مدرسوں کے [illegible] زمین مفت حاصل ہو گئی ہے، قریب قریب ہر مدرسے [illegible] ایک بیگہ زمین ہے زمینیں عموماً گاؤں کے [illegible] ہیں اور مدرسے کی وسعت کے لئے ان میں [illegible] [illegible] پرائمری مدرسوں کی عمارتیں عموماً [illegible] [illegible] ایک [illegible] مدرسوں کی عمارتیں گاؤں والوں کے چندے [illegible]

[illegible] ہوئے جاتے [illegible] یہ عمارتیں عموماً [illegible] کے جونیر [illegible]
ہوتے ہیں جن میں صرف طلبا کے بیٹھنے کی جگہ ہو جاتی ہے [illegible] دوسرے قسم کی عمارتیں ڈسٹرکٹ بورڈ [illegible] کی [illegible] ہیں یہ یا تو بالکل پختہ ہوتی ہیں [illegible] کی [illegible] ہیں اور ان کے اوپر کھپریل ہوتی ہے۔ ان عمارتوں کی تیاری میں تخمیناً ہزار دو ہزار روپئے صرف ہوتے ہیں

نئی تعلیم کے مدرسوں کی عمارتیں بنانے میں یہ خیال ملحوظ رکھا گیا ہے کہ یہ اسکیم سادی، اور عوام کے لئے مفت اور جبری تعلیم کی اسکیم ہے۔ اسے کام میں لانے کے لئے موجودہ نمونے کے بورڈ کے مدرسے یا پی۔ ڈبلیو۔ ڈی کی عمارتیں بنانا ہمارے بس سے باہر ہوگا۔ لیکن ان عمارتوں کے دیہاتی ڈھنگ سے بنے ہونے کے باوجود یہ التزام ضرور رکھا گیا ہے کہ وہ ہوادار ہوں، وسیع ہوں روشن ہوں، اور ایسے ہوں جنھیں آسانی سے صاف ستھرا رکھا جا سکے۔ اسی قسم کے مکانوں سے امید ہے کہ وہ دیہاتوں کے دیسی سامان سے بنے ہوئے مکانوں اور دیہات کے رہنے والے کی ان کے معاشی حالات کے مطابق نمونے کا کام کر سکتے ہیں اور انھیں آمادہ کر سکتے ہیں کہ وہ اپنے گھروں میں ہوا، روشنی کا انتظام کر کے انھیں صاف ستھرا رکھیں۔ اسی خیال کے ماتحت بہار کے بیسک ایجوکیشن بورڈ نے تعلیم کے ساتھ ہی ساتھ مدرسوں کی عمارتوں کی تعمیر کا کام بھی شروع کیا ہے۔ طے یہ ہوا ہے کہ پہلے سال جب کہ صرف ایک درجہ کھولا جائے گا، "مدرسے کے لئے ایک کمرہ (۶۰۰ مربع فیٹ) کا اور ایک اسٹور روم (۳۰۰ مربع فیٹ کا) بنوایا جائے اور اس سے ملا ہوا استاد کے رہنے کے لئے ایک مکان ہو جس میں ایک سونے کا کمرہ ہو، ایک باورچی خانہ اور ایک مختصر سا صحن ہو۔ اس مکان کا کل رقبہ بھی ۳۰۰ مربع فٹ ہو۔ ان سب کی دیواریں سرکنڈے کی ہوں اور ان میں کافی تعداد میں جافری دار کھڑکیاں ہوں۔ انھیں بانس کے کھمبوں کے سہارے کھڑا کیا جائے اور ان پر مٹی کے گارے کا پلستر کر کے چونے سے پوت دیا جائے۔ چھت بھی پھوس کی ہو جو کاٹھ کی منڈیر پر اور بیچ بیچ میں کاٹھ کے کھمبے لگا کر اٹھائی جائے۔ گھر کے اندر کا فرش ہو تو کچا مگر اسے خوب کوٹ کر مضبوط کر لیا جائے اور پھر اس پر گوبر اور مٹی سے پلستر کیا جائے اور خوب سوکھنے دیا جائے۔ دروازوں میں کواڑ بھی بانس کی پھچیوں سے بنائی جائیں اور بند کرنے کے لئے ان میں لوہے کی سانکلیں لگا دی جائیں۔

ایک درجے کے لئے اس طرح پر جو مکان بنایا جائے گا اس پر صرف کا اندازہ تخمیناً [illegible] کیا گیا۔ اگر ان مکانوں کی تعمیر میں گاؤں والوں سے مدد لی جاتی بلکہ ان کی تعمیر کا کام انہی پر چھوڑ دیا جاتا تو ممکن تھا کہ ہر مکان [illegible] کے اندر اندر تیار ہو جاتا، مگر مقامی کام کرنے والے گاندھی [illegible] کے اجلاس کے سلسلے میں مصروف ہو گئے اور چونکہ وقت کم تھا اس لئے ٹھیکیداروں کے ذریعے کام لیا گیا اور اس وجہ سے تمارنی مدرسہ سے بھی اوپر اوپر صرف آگیا مکان مقررہ وقت پر تیار ہو گئے اور مدرسے کھل گئے۔ مگر تجربے سے معلوم ہوا کہ سرکنڈے کی دیواریں کمزور ہوتی ہیں اور گرمی کے زمانے میں گاؤں میں جب آگ لگ جایا کرتی ہے تو اسکول کو بھی ہر وقت یہی خطرہ رہتا ہے۔ اس کے علاوہ دیہاتوں میں وبا پھیلنے کے وقت جہاں یہ فائدہ ہے کہ گاؤں سے باہر رہنے کی وجہ سے یہ مدرسے محفوظ رہتے ہیں، وہاں یہ نقصان بھی ہے کہ برسات کے زمانے میں تمام کھیتوں کے پانی کے اکٹھا ہو جانے کے سبب سے مدرسوں کے صحن گیلے ہو جاتے ہیں اور پڑھائی اور کتائی وغیرہ کے کام کے نہیں رہتے ان اسباب کی بنا پر مکان کے معاملے میں اگلے سال بھی ایک تجربہ کیا جانے والا ہے۔ دیواریں سرکنڈے کے بجائے بانس کے بھٹوں کی ہوں گی اور ان کو سہارا دینے کے لئے کھمبے کاٹھ کے ہوں گے، چھت کھپریل ہوگی۔ مکان کی کرسی اور صحن زمین کی سطح سے کم سے کم ۳ فٹ اونچی کر دی جائے گی اور کواڑ کاٹھ کے پلّوں کے ہوں گے۔ ہر اسکول کے احاطے میں کھائی دار پاخانوں کے لئے ایک ایک چھتری بھی رہے گی جسے برسات کے موسم میں ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا جا سکے، یہ چھتری لوہے کے کھمبوں پر کرگٹ کی چادروں سے بنائی جائیگی پھر ہر چھتری کے ساتھ خشک مٹی رکھنے کے لئے ایک ایک کوٹھری بھی ہوگی۔ اس نمونہ کا ایک مکان بنایا گیا ہے جسے دیکھ کر یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ اس طرز کے ہر مکان پر تخمیناً [illegible] روپے کا خرچ بیٹھے گا۔ پرانے حساب سے پورے سات درجوں کے ایک مدرسے کی عمارت کے لئے جس میں دستکاری گھر اور استادوں کے رہنے کے مکانات بھی شامل تھے تقریباً دو ہزار روپئے آتا تھا، نئے حساب سے کوئی آٹھ ہزار روپئے ہوگا اس تخمینے میں ہر مدرسے کے لئے پانی کی فراہمی اور لیانی کے لئے ایک ایک ٹیوب ویل کا خرچ بھی شامل ہے۔

فرنیچر کے طور پر ہر مدرسے میں مندرجہ ذیل سامان فراہم کیا گیا ہے۔ لڑکوں کے بیٹھنے کے لئے پیڑھے (چھوٹی چوکیاں)، ڈھکنے والی میزیں (جنھیں دستکاری کے کام کے وقت بند کر دیا جاتا ہے اور لکھنے پڑھنے کے وقت کھول لیا جاتا ہے)، گتے کے سیاہ تختے، سامان رکھنے کے لئے الماریاں اور استادوں کے بیٹھنے کے لئے کرسیاں اور لکھنے پڑھنے کے لئے چھوٹی میزیں۔ ان کے علاوہ ہر مدرسے میں ایک ایک گھڑی بھی ہے۔ پڑھنے پڑھانے کے لئے ایک ایک کتب خانہ بھی فراہم کیا گیا ہے جن میں استادوں کی مدد کے لئے عام سائنس، سماج کے علم، تعلیمات، گھریلو صنعتوں اور معاشیات پر کتابیں ہوتی

ہیں۔ دوسرے ممالک کے لوگوں کی معاشرت کے متعلق مثلاً ان کے لباس، مکان، کے نقشے اور چارٹ فراہم کئے جا رہے ہیں۔ ان سامانوں کی فراہمی کے لئے سات سال تک جب تک پورے ساتوں درجے نہیں کھل جاتے، سرکار کی طرف سے ۱۲۰۰ سالانہ کی منظوری ہوتی ہے۔ دستکاری کے سامان - تکلی، پرتیا، کمان تانت، چرخہ، کھرپی، کدال، ہنسیا، وغیرہ کے لئے پہلے درجے کے لئے مبلغ ۳۰۰ فی مدرسہ کا صرفہ آیا ہے، اس طرح کل پہلے درجے کے لئے فی مدرسہ مبلغ ۴۰۰ روپئے خرچ ہوتے ہیں آگے جو پے درپے کھلیں گے ان کے صرفہ کا حساب اس طرح ہے :-

دوسرے سال میں ۴۰۰، تیسرے میں ۲۰۴ (اس لئے کہ تکلی کی جگہ چرخہ استعمال ہوگا) پانچویں میں ۵۰۰ چھٹے میں ۱۲۵، ساتویں میں ۷۵ کل تقریباً ۳۵۰۰ کا خرچ۔ مگر جن مدرسوں میں چھٹے اور ساتویں درجے میں بنیادی حرفہ کھیتی رکھا جائے گا ان میں ۱۵۰۰ زیادہ خرچ آئے گا۔ اس طرح پورے مدرسے کے خرچ کے لئے مع مکان اور سامان کے ۱۲۰۰۰ روپے کا تخمینہ لگایا گیا ہے۔ اگر مدرسے کی عمارت پختہ بنتی تجویز ہوئی جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے تو پورے مدرسے کے لئے سات برس کا خرچ ۵۲۵۰ معمولی مدرسوں پر اور ۹۰۷۶ کھیتی کے حرفے والے مدرسوں پر ہوگا۔ یہ واضح رہے کہ اس تخمینے میں زمین کی قیمت شامل نہیں ہے۔ اس لئے کہ زمین یا تو مفت مل گئی ہے یا مفت مل جائے گی امید ہے۔ اگر زمین کی قیمت ادا کرنی پڑی تو معمولی مدرسوں کا خرچ کوئی ۵۵۰۰ ہوگا اور کھیتی کے حرفے والے مدرسوں پر تقریباً ۳۰۰۰ زیادہ خرچ آئے گا (ملاحظہ ہو نقشہ (۲))۔

اب اس تجربہ میں کام کرنے والے استادوں کی قابلیت، ان کی تنخواہ اور ان استادوں کے متعلق جو اس بنیادی تعلیم کے تجربے سے پہلے وہاں کام کرتے تھے۔ کچھ عرض کرنا ہے، ہم نے اپنی جگہ پر یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ یہ اسکیم بغیر قابل اور اس اسکیم سے عقیدت رکھنے والے استادوں کے کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اسی خیال کے ماتحت ٹریننگ کے لئے ہم صرف ان لوگوں کو لیتے ہیں جن کی ذہنی صلاحیت کم سے کم میٹرک پاس لوگوں کے برابر ہو، جنھیں اس اسکیم اور دیہاتی زندگی اور دیہاتی صنعت کے احیاء و ترقی پر یقین ہو، اور جن کا پہلے ہی سے گاؤں سدھار کے کاموں کی طرف جھکاؤ رہا ہو۔ اس کے علاوہ جو لوگ پہلے سے پڑھانے میں کچھ تجربہ رکھتے ہیں اور شوق بھی رکھتے ہیں ان کے ٹریننگ اسکولوں میں داخل ہونے کا زیادہ امکان رہتا ہے۔ ابھی تک ہمارے مدرسوں کے درجہ اول کے استادوں کی تنخواہ کا اوسط ۱۰ ماہوار ہے۔ اس تنخواہ پر ہمیں امید نہیں ہے کہ اس اسکیم کا تجربہ کرنے کے لئے ہمیں ایسے استاد مل جائیں گے جو قابل بھی ہوں اور دل لگا کر کام کرنے والے ہوں۔ اس لئے اس تجربہ میں ہم ذاکر حسین کمیٹی کی سفارش کے مطابق ہر استاد کی تنخواہ مبلغ ۲۰ ماہوار رکھتے ہیں۔ سرکار میں ہم نے جو اسکیم پیش کی ہے اس میں یہ مطالبہ کیا ہے کہ آخری تین سال میں ان استادوں کی تنخواہ جن سے اس سات سال میں چار برس تک مسلسل خدمت لی جا چکی ہے، ۳۰ ماہوار کر دی جائے۔ یعنی ان سات برسوں میں استادوں کی تنخواہ پہلے چار سال تک ۲۰ رہے اور آخری تین سال تک ۳۰ ماہوار کے حساب سے دی جائے۔ چھٹکل خرچ کے لئے ہنگامی ضروریات کے طور پر ہر مدرسے کو ۲۰ سالانہ ملیں گے۔ اس کے علاوہ روئی، کپاس بیج وغیرہ جیسے چلتے اخراجات کے لئے بھی گنجائش رکھی گئی ہے جس میں زمین کا لگان، گھر کی مرمت وغیرہ بھی شامل ہوگی۔ ذاکر حسین کمیٹی میں لڑکوں کی تیار کی ہوئی اشیاء کے نقشے اگر ٹھیک ٹھیک اتر جائیں تو ان مدرسوں میں ہر لڑکے کے اوپر جو خرچ آئے گا وہ پہلے برس جس میں ایک ہی درجہ کھلے گا، ۱۰ سالانہ ہوگا اور جب پورے سات درجے کھل جائیں گے اس وقت ۲ سالانہ ہوگا۔ (ملاحظہ ہو نقشہ ب) بہار میں موجودہ جو مدرسے چل رہے ہیں، ان میں پانچ سال کی تعلیم والے پرائمری مدرسوں میں ایک لڑکے پر ۳ سالانہ خرچ آتا ہے، اور سات تعلیم والے مڈل اسکولوں میں ۱۱ اور مڈل انگلش اسکولوں میں ۱۵۔ نئی تعلیم میں پرانے مدرسوں کے استادوں کے استعمال کا مسئلہ زیر غور ہے۔ ان میں سے کامیاب اور ہوشیار وہی سمجھے جائیں گے جن کے متعلق یقین ہو جائے کہ اگر نئی اسکیم کو عمل میں لانے کا کام سونپا گیا تو ان کے ذہن کی نشو و نما ہو سکے گی اور یہ کہ وہ خود بھی پہلے سے اس اسکیم کی حمایت میں حوصلہ رکھتے ہوں ان شرائط کے ساتھ ان سے کچھ دنوں کے لئے ٹریننگ اسکول میں دستکاری اور ربط کی مشق کرائی جائے گی۔ نگران استادوں کے معاملہ پر ابھی غور کرنا باقی ہے جو اسکیم کے لئے نااہل ثابت ہوں گے۔ اس صورت میں جب کہ تجربہ ابھی ایک چھوٹے مرکز میں ہو رہا ہے بہار سرکار نے چمپارن کے ڈسٹرکٹ بورڈ سے اس بات کی سفارش کی ہے کہ وہ استادوں کو مرکز کے باہر جتنے ابتدائی مدارس ہیں ان میں بھیج دے۔ ان مدارس کی نگرانی کے لئے ایک ناظم اور دو نگران مقرر کئے گئے ہیں۔ مدرسوں کی عمارتوں کو اچھی حالت میں رکھنے سامان کی نگرانی کا مال خریدنے مدرسوں کو

بہم پہنچانے اور مال مصنوعہ کو فراہم کرکے فروخت کرنے وغیرہ کا اختیار ناظم کو ہے اور نگراں کا فرض یہ دیکھنا ہو کہ آیا اسے دستور کے مطابق تعلیمی کاروبار کے طریقے روبہ ترقی ہیں یا نہیں دونوں نگراں حرفہ اور ربط کی تعلیم چھ ماہ پٹنہ ٹریننگ اسکول اور تین ہفتے وردھا میں لے چکے ہیں اور آئندہ سال کے لئے پھر اس کا انتظام کیا جارہا ہے کہ اس ٹریننگ اسکول میں باری باری سے تین تین ماہ کے لئے بلاکر رکھا جائے تاکہ وہ تازہ ترین اور منتقل ہونے والی ترقی سے ہوشیار رہیں۔

بہار چرخہ سنگھ کے پرحوصلہ اور قابل ناظم جناب لکشمی نرائن جی کا تعاون بنیادی تعلیمی بورڈ کو حاصل ہے اور اب تک جتنا سوت تیار ہوا ہے اس کو پارچہ بافی میں صرف کرنے کی ہمیں کوئی فکر نہیں ہے۔ مگر آئندہ جب تجربہ کی توسیع ہوگی یا اسکیم سرکاری طور پر منظور ہوکر صوبہ سررشتہ تعلیم کی اسکیم بن جائے گی اس وقت مدرسوں کے مال مصنوعہ کی فروخت کے لئے سرکار کو ایک بورڈ یا کمیٹی قائم کرنی پڑے گی اور صوبہ کی سرکاری یا غیرسرکاری ضرورتوں کا خیال رکھ کر مختلف قسم کے کاریگروں پر یہ پابندی عائد کرنا پڑے گی۔ کہ وہ زیادہ سے زیادہ کتنا مال بنا سکتے ہیں۔

صوبہ بہار میں یہ تجربہ سرکار کی طرف سے انھیں کے خرچ پر ہورہا ہے۔ انھوں نے ایک بنیادی تعلیمی بورڈ بھی قائم کردیا ہے، جس کے ناظم خود وزیر تعلیم ہیں اور جس میں ماہرین خاص کی حیثیت سے ہندوستانی تعلیمی سنگھ کے ناظم بہار چرخہ سنگھ کے اور دوسرے ممبران خاص طور پر شامل کئے گئے ہیں۔ تجربہ کا پورا انتظام اس بورڈ کے نگرانی اور سپردگی میں ہوتا ہے چمپارن ڈسٹرکٹ بورڈ نے مرکز کے اندرونی تجربہ کا انتظام بورڈ کے سپرد کردیا ہے یوں تو بورڈ کو محکمہ تعلیم اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے حکام کا تعاون حاصل ہے لیکن ذمہ داری تمام تر بورڈ کی ہے اس لئے انتظام جب کوئی رکاوٹ یا مشکل پیش نہیں آتی۔ اب تک کے تجربہ سے تو کامیابی کی امید نظر آتی ہے مگر وہ کامیابی کس شکل میں اور کہاں ہوگی یہ تو سات سال کے تجربہ سے بعد ہی بتایا جاسکتا ہے۔

باب (الف)

بہار کے اس اسکول کے اصل خرچ کا تخمینہ جو تجربہ کے طور پر کھولا جانے والا ہے

سال اوّل (۴۰ - ۳۹ ۱۹ء)

(۱) عمارت (پڑھائی اور کتائی کے کمرے فی منعم طالب علم ۲۰ مربع فٹ صحن کے حساب سے ۳۰ طلبا رکھنے کے لئے اور استادوں کی اقامت اور سٹور کے لئے اسی حساب سے صحن) ۴۰ × ۱۵ + ۲۰ × ۱۵ + ۲۰ × ۱۵ ...... ۲۵۰ روپے

(۲) ٹیوب ویل (نل دار پانی کی مشین) ...... ۱۱۰ ″

(۳) کتائی اور باغبانی کے لئے اوزار ...... ۳۲ ″

(۴) دیگر سامان (تختے سیاہ چارٹ نقشے کتابیں چٹائیاں ڈھالو میز وغیرہ) ۱۲۰ روپے

سال دوم (۴۱ - ۴۰ ۱۹ء)

(۱) عمارت	۲۵۰ روپے
(۲) حرفہ کا سامان	۳۰ ″
(۳) دیگر سامان	۱۲۰ ″
کل میزان	۴۰۰ ″

سال سوم (۴۲ - ۴۱ ۱۹ء)

(۱) عمارت	۲۵۰ روپے
(۲) حرفہ کا سامان (تیسرے درجہ میں چرخہ پر کاتنا شروع)	۵۰ ″
(۳) دیگر سامان	۱۲۰ ″
میزان	۴۲۰ ″

سال چہارم (۴۳ - ۴۲ ۱۹ء)

پچھلے سال کے مطابق ۴۲۰ روپے

سال پنجم (۴۴ - ۴۳ ۱۹ء)

(۱) عمارت	۲۵۰ روپے
(۲)	۵۰ ″
(۳)	۲۰۰ ″
میزان	۵۰۰ روپے

سال ششم (۴۵ - ۴۴ ۱۹ء)

(۱) عمارت (دوسرے زاید کمرے اور بنائی کا دالان اور سٹور)	۲۵۰ روپے
(۲) بنائی کے اوزار کرگھوں کا پورا سامان	۲۵۵ ″
(۳) دیگر سامان	۱۵۰ ″
میزان	۶۶۵ روپے

سال ہفتم (۴۶ - ۴۵ ۱۹ء)

پچھلے سال ششم کے مطابق ۶۲۵ روپے

بنائی والے اسکول کا پورے سات سال کا خرچ ۳۵۰۰ ″

کھیتی والے اسکول میں (کاشت کے لئے ۱۵۰۰ روپے زیادہ صرف ہونے کی وجہ سے) ۵۰۰۰

باب (ب)

ایک مدرسہ کے خرچ اور آمد کا حساب جو بہار میں برائے آزمائش کھولا جانے والا ہے

سال اوّل

(۱) ۲۵ روپے ماہوار ایک استاد کا مشاہرہ	۳۰۰ روپے
(۲) اتفاقی خرچ	۲۵ ″
(۳) کپاس تخم وغیرہ	۷۵ ″

(۴) عمارت کی مرمت مالگذاری وغیرہ ۲۵ روپے

میزان ۴۲۵ روپے

آمد

(۳۰ لڑکوں کی سالانہ مزدوری ۲ روپے دس آنے فی لڑکے کے حساب سے ۸۰ روپیہ + اور فروخت کرنے سے کپاس اور بیج کے رقم کی وصولی ۷۵ روپے) = ۱۵۵ روپے۔

باقی خرچ ۲۷۰ روپے

سال دوم

(۱) ۲۵ روپے ماہوار کے حساب سے دو استادوں کا مشاہرہ ۶۰۰ روپے

(۲) اتفاقی خرچ ۲۵ "

(۳) کپاس تخم وغیرہ ۱۷۵ "

(۴) مرمت مالگذاری وغیرہ ۲۵ "

۸۲۵ روپے

آمد:-

لوگوں کی مزدوری درجہ اول میں ۲ روپے دس آنے فی لڑکے کے حساب سے اور دوسرے درجے میں ۷ روپے کے حساب سے ۸۰ + ۲۱۰ = ۲۹۰ روپے اور فروخت کرنے کپاس وغیرہ کے سے دام وصول ۱۷۵ روپے = ۴۶۵ روپے

باقی خرچ ۳۶۰ روپے

سال سوم

(۱) ۲۵ روپے ماہوار سے تین استادوں کا مشاہرہ ۹۰۰ روپے

(۲) اتفاقی خرچ ۵۰ روپے

(۳) کپاس تخم وغیرہ ۲۶۵ روپے

(۴) مرمت مالگذاری وغیرہ ۵۰ "

۱۲۶۵ روپے

آمد:-

لڑکوں کی مزدوری اول دوسرے اور تیسرے درجے میں بہ ترتیب ۲ روپے دس آنے سات روپے اور آٹھ روپے دس آنے فی لڑکے کے حساب سے ۸۰+۲۱۰+۲۶۰ = ۵۵۰ روپے

کپاس وغیرہ کی فروخت سے وصول شدہ رقم ۲۶۵ روپے

۸۱۵ روپے

باقی ۴۵۰ روپے

سال چہارم

(۱) ۲۵ روپے ماہوار کے حساب سے چار استادوں کا مشاہرہ ۱۲۰۰ روپے

(۲) اتفاقی خرچ کے لئے ۵۰ روپے

(۳) کپاس تخم وغیرہ ۳۵۵ روپے

(۴) مرمت مالگذاری وغیرہ ۵۰ روپے

۱۶۵۵ روپے

آمد:-

لڑکوں کی اجرت درجہ چہارم میں ۱۱ روپے بارہ آنے فی لڑکے اور حساب سے باقی خرچ حسب مندرجہ بالا

۳۵۰ + ۵۵۰ = ۹۰۰ روپے

کپاس تخم وغیرہ سے وصول ہوئے ۳۵۵ روپے

۱۲۵۵ روپے

باقی خرچ ۴۰۰ روپے

سال پنجم

(۱) ۲۵ روپے ماہوار کے ۴ استادوں اور ۳۰ روپے ماہوار سے ایک استاد کا مشاہرہ ۱۵۶۰ روپے

(۲) اتفاقی خرچ ۵۰ روپے

(۳) کپاس اور تخم وغیرہ ۴۱۵ روپے

(۴) مرمت اور مالگذاری وغیرہ ۷۵ روپے

۲۱۰۰ روپے

آمد:-

لڑکوں کی مزدوری درجہ پنجم میں ۱۱ روپے بارہ آنے فی لڑکے کے حساب سے اور درجہ اول سے چہارم تک سابق ۳۵۰ + ۹۰۰ = ۱۲۵۰ روپیہ

کپاس تخم وغیرہ سے وصول ۴۱۵ روپے

۱۶۶۵ روپے

باقی خرچ ۴۳۵

سال ششم

(۱) ۲۵ روپے ماہوار کے چار روپے اور ۳۰ روپے ماہوار کے استادوں کا مشاہرہ ۱۹۲۰ روپے

(۲) اتفاقی خرچ ۵۰ "

(۳) کپاس تخم وغیرہ ۴۱۵ "

(۴) مرمت مالگذاری وغیرہ ۷۵ "

۲۴۶۰ روپے

آمد:-

لڑکوں کی مزدوری درجہ ششم میں چھ روپے چار آنے فی لڑکے کے حساب سے اور درجہ اول سے پنجم تک حسب سابق ۱۴۴۰ روپے

کپاس تخم وغیرہ سے وصول ۴۱۵ "

۱۸۵۵

باقی خرچ ۶۰۵

سال ہفتم

(۱) ۲۵ روپے ماہوار کے چار اور ۳۰ روپے کے حساب سے تین استادوں کا مشاہرہ ۲۲۸۰ روپے

(۲) اتفاقی خرچ ۷۵ روپے

(۳) کپاس اور تخم وغیرہ ۴۱۵ "

(۴) مرمت مالگذاری وغیرہ ۱۰۰ "

۲۸۷۰ روپے

آمد:- لڑکوں کی مزدوری درجہ ہفتم ۱۲ روپے

دس آنے فی لڑکے کے حساب سے اور درجہ اول سے ششم تک حسب سابق ۱۸۱۵ روپے
کپاس اور تخم کو فروخت کرنے سے وصول ۴۱۵ روپے
۲۲۳۰

باقی خرچ ۶۴۰ روپے
سات سال کا جملہ خرچ ۳۱۶۰ ”
نامعلوم متفرق خرچ ۳۴۰
میزان ۳۵۰۰

بہار میں نئی تعلیم

(دوسرا حصہ)

(دوارکا سنگھ معلم ٹریننگ اسکول پٹنہ)

(۱) پٹنہ ٹریننگ اسکول :- (ا) یہ اسکول ۱۸۶۲ء میں قائم کیا گیا تھا آج اس کی زندگی کا ۷۷واں سال مکمل ہو رہا ہے۔

(ب) ابتدائی حالت :- ابتدا میں یہاں تین قسم کے استاد تیار کئے جاتے تھے۔

(۱) اردو فارسی کے عالم اور معلم مولوی (۲) ہندی اور سنسکرت کے عالم اور معلم پنڈت اور (۳) انگریزی داں معلم۔ اس طرح یہاں تین شعبے تھے۔ ۸ سال بعد ۱۸۷۰ء میں فارسی اور سنسکرت کی تعلیم ترک کر دی گئی اور ۱۹۰۲ء میں انگریزی کے شعبہ بھی ختم کر دیا گیا۔ اسی وقت سے یہاں صرف مڈل ورناکیولر کا امتحان پاس کئے مدرس کو تعلیم دی جانے لگی۔

(۳) سی۔ ٹی اسکیم۔ ۱۹۱۹ء میں یہاں تین سال کے لئے ایک نئے تجربے کا عمل شروع کیا گیا۔ اس کی رو سے اب مڈل ورناکیولر امتحان پاس کئے ہوئے امیدواروں کے بجائے انٹرنس پاس داخل کئے جانے لگے۔ اس کے ساتھ نصاب تعلیم میں کافی تبدیلی ہو گئی یہ تجربہ خوب کامیاب رہا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صوبے کے چاروں ٹریننگ اسکولوں میں ۱۹۲۳ء سے یہ اسکیم مستقل طور سے جاری کر دی گئی امسال نئی سکیم یعنی سی۔ ٹی سیکم کے مطابق تعلیم کا زمانہ دو سال رہا ہے جو مدرس ان دو سالوں کی تعلیم ختم کر کے نکلتے ہیں وہ سی۔ ٹی کہلاتے ہیں اور ان کا تقرر مڈل اور ہائی سکولوں میں ورناکیولر پڑھانے کے کام پر ہو جاتا ہے۔

(د) بنیادی تعلیم کا آغاز :- ۱۹۳۸ء کے جون میں بہار سرکار نے یہ طے کیا کہ اس صوبے میں بھی بنیادی تعلیم کا تجربہ ہو چنانچہ پٹنہ ٹریننگ اسکول کے ہیڈ مدرس رائے صاحب پنڈت رام سرن اپادھیا اور ان کے معاون معلم سری شیو کمار لال جی وردھا بھیجے گئے۔ جہاں انھوں نے ضروری معلومات حاصل کیں اور وہاں سے واپس آکر ستمبر میں بنیادی تعلیم کے درجے کھول دئے۔

اب تک ۶۰ طلبا تعلیم لے چکے ہیں دوسرے ۶۰ اور گزشتہ جولائی سے زیر تعلیم ہیں اول الذکر طلبا نے سات ماہ کے عرصہ میں ابتدائی دوم تک کو پڑھانے کی تعلیم لی اور وہ اب اپریل سے ضلع چمپارن کے برندابن علاقے میں ۳۵ مدارس میں کام کر رہے ہیں۔ تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اتنی کم مدت استادوں کی تیاری کے لئے ناکافی ہے اس لئے دوسرے ۶۰ طلبا کے لئے مدت بڑھا کر ایک سال کی کر دی گئی ہے آئندہ ماہ تک یہ لوگ ابتدائی پنجم تک کے لڑکوں کو پڑھانے کے قابل ہو جائیں گے ان ۶۰ استادوں میں سے منتخب ۳۰ برندابن کے مدرسوں میں جا کر وہاں کے پرانے ۳۰ استادوں کی جگہ کام کریں گے۔ ۳۰ پرانے استاد پھر پٹنہ ٹریننگ سکول آکر تعلیم حاصل کریں گے۔

امید ہے کہ جنوری ۱۹۴۱ء سے استادوں کی ایک تیسری جماعت کا نیا داخلہ ہوگا۔

دوران تعلیم میں ان استادوں کو ۱۵ روپیہ ماہوار وظیفہ ملتا ہے اس کے بعد جب وہ مدرسے چلے جاتے ہیں تو ۲۵ روپے تنخواہ ملنا شروع ہو جاتی ہے پہلی بار کے داخلہ میں دو ٹریننگ یافتہ گریجویٹ بھی لئے گئے تھے۔ جب ان کی تعلیم ختم ہو گئی تو وہ بنیادی اسکولوں کے نگراں مقرر کئے گئے اور اب بھی اسی جگہ کام کر رہے ہیں۔

اس دفعہ بھی دو گریجویٹ داخل کئے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک تو آئندہ مارچ سے برنداابن کے علاقے میں نگراں کا کام سنبھالیں گے اور دوسرے بھی چند دنوں کے بعد اپنے کام پر بھیج دئے جائیں گے۔

طلبا کے انتخاب میں ان کی پچھلی قومی خدمات تعلیمی قابلیت اور اس سے لگاؤ اور ان کی نیک چلنی وغیرہ کا خیال رکھا جاتا ہے اور امیدوار

خواہ ہریجن ہوں یا کسی اور ذات یا فرقے سے تعلق رکھتے ہوں سب کو بلا امتیاز جگہ دی جاتی ہے۔

(ج) دار الاقامہ :۔ مدرسے کے احاطے میں ہی چار خیمے نصب کر دئے گئے ہیں۔ شروع میں طلبا انھیں خیموں میں رہتے تھے۔ مگر بعد میں سی۔ ٹی والے طلبا کے چلے جانے اور پرانے ہوسٹل کے خالی ہو جانے سے سب لوگ انھیں میں رہنے لگے ہیں مذکورہ بالا خیموں میں سے ایک دھنائی کے لئے الگ کر دیا گیا ہے اور باقی خیموں میں عنقریب ہی بنائی گتے لکڑی اور دوسری دھات کے کام سکھائے جانے والے ہیں

(۱) بنیادی حرفے :۔ شروع شروع میں باغبانی کھیتی دھنائی کتائی اور بنائی بھی بنیادی حرفے کے طور پر شروع شروع میں رکھے جانے والے تھے مگر خوشی کی بات ہے کہ ان کاموں کے علاوہ گتے لکڑی اور دھات سے متعلق پیشے بھی اب جاری کئے جانے والے ہیں۔

کتائی اور دھنائی کی تعلیم کے لئے بہار چرخہ سنگھ کے چار تجربہ کار کام کرنے والے مقرر کئے گئے ہیں

کتائی سے آمدنی

شروع سے داخلے میں جو طلبا آئے تھے انھوں نے ۲۸ سیر ۱۲ چھٹانک سوت کاتا جس سے ۱۰۸ روپے ۹ ر کی آمد ہوئی اس بار جو طلبا زیر تعلیم ہیں انھوں نے چھ ماہ کے دوران میں ۳۲ سیر ۲ چھٹانک سوت کاتا ہے جس سے ۱۰۷ روپے ۸ آنے حاصل ہوتے ہیں۔

باغبانی اور زراعت :۔ اس کام کی تعلیم کے لئے سبور فارم کے ایک تجربہ کار استاد مقرر کئے گئے ہیں مدرسے کے سبزی والے کھیت میں زمین گوڑنا پانی پہنچانا نکولی کرنا وغیرہ تمام کام طلبا ہی کرتے ہیں اسی کے ساتھ ساتھ مدرسے دوسرے پیڑ پودوں کی حفاظت کرنے میں بھی ہاتھ بٹاتے ہیں اس کے علاوہ ہفتہ میں دو روز عموماً خاص ضرورت پڑنے پر اور زیادہ دن یہ لوگ میٹھا پورہ کے گورنمنٹ فارم میں جاکر زراعت اور باغبانی کے مختلف کاموں کا علم اور تجربہ حاصل کرتے ہیں۔

(ک) پڑھائی کا ڈھنگ :۔ ربط کے طرز سے پڑھائی کی مشق کے لئے یہاں کے پرانے استادوں کے علاوہ اور استاد مقرر ہوئے ہیں ربط کے کام کو مضمون کے طور پر لے کر اس کو مختلف شعبوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا اور نہ ایسا کرنا مناسب ہی ہے۔ مگر اس خیال سے کہ آگے چل کر مذکورہ بالا کتابوں کی تصنیف کا کام آسانی سے کیا جا سکے۔ یہ کام بالکل اندازاً مضامین سے لے کر

تقسیم کر دیا گیا ہے اور مختلف استاد مختلف مضامین خاص طور سے خیال رکھ کر ربط کے کام کی تعلیم دیتے ہیں۔

(ل) ضمنی کام :۔ بنیادی تعلیم کا نصاب یوں ہی کافی پھیلا ہوا ہے پھر بھی یہاں سکاؤٹنگ امبولنس جیسی اور کئی سرگرمیوں کے ہونے سے اس کے روپ میں جامع یا ہمہ گیر خوبصورتی آ گئی ہے۔

(م) سماجی نشست :۔ اس ادارہ کے ذریعہ طلبا اور اساتذہ کو ہفتہ میں ایک دن بے تکلف ہو کر آپس میں تبادلہ خیالات کرنے دلچسپ تفریحات کا انتظام کرنے ہاتھ سے تحریر کئے ہوئے پمفلٹ شائع کرنے سیاحت کرنے اور بعض دوسرے سماجی کاموں کے کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

مشقی اسکول :۔ ٹریننگ اسکول میں ایک مشقی اسکول بھی شامل ہے جہاں طلبا کو تنقید کرنے اور اسباق کی مشق کرنے کا موقعہ ملتا ہے یہاں درجہ ہفتم تک کی تعلیم دی جاتی ہے مگر ابتدائی سوم تک بنیادی تعلیم کا تجربہ کیا جاتا ہے بات یہ ہے کہ پہلی بار جو طلبا آئے تھے انھوں نے پڑھائی کی مشق کے لئے ابتدائی دوم تک بنیادی تعلیم کا آغاز کیا تھا چونکہ پچھلی پڑھائی کا خیال رکھ کر سات سال سے کم عمر والے بچے ابتدائی اول میں داخل کئے گئے تھے۔ اس لئے ایسے بچوں پر بھی اس نئی تعلیم کا تجربہ کرنا ضروری تھا گزشتہ سال جو بچے ابتدائی دوم میں پڑھ رہے تھے وہ اب کامیاب ہو کر سوم میں پہنچ گئے ہیں اس طرح اس بار کے طلبا کے لئے ابتدائی سوم بھی پڑھائی کی مشق کے لئے وجود میں آ گئی ہے۔

بچے پہلے کے مقابلہ میں کافی صاف ستھرے تندرست بشاش اور محنتی نظر آتے ہیں کتائی دھنائی اور باغبانی کے علاوہ ان درجوں میں گتے کا کام بھی سکھایا جائے گا۔

بنیادی مدارس (چمپارن) اوپر ہم یہ بتا چکے ہیں کہ بہار کے ضلع چمپارن میں بنیادی تعلیم کے تجربے کے لئے برندابن کے ارد گرد کے علاقے کو منتخب کیا گیا بنیادی تعلیم چونکہ لازمی قرار دی جانے والی تھی اس لئے بچوں کی تعداد کا حساب لگایا گیا شروع میں تو پچاس مدرسے کھولے جائیں مگر بعد میں ۳۵ گاؤں میں ہی مدرسے کھولے گئے ان ۵۶ استادوں نے کام کرنا شروع کیا جو پہلی بار تعلیم لے کر نکلے تھے مدرسوں کا افتتاح اس وقت ہوا جب گاندھی سیوا سنگھ کے سالانہ اجلاس کے موقعہ پر گاندھی جی اس علاقے میں جلوہ افروز تھے۔ ان مدارس میں مکمل تعلیم کی ابتدا بڑے حوصلے اور امنگ کے ساتھ کی گئی تھی مگر علاقے کی بستی، لوگوں کے توہمات اور موسمی

کاروبار کی رکاوٹوں کی وجہ سے بچوں کی حاضری تسلی بخش نظر نہیں آتی تھی اس لئے بہار صوبے کے بنیادی بورڈ نے ایک تجویز کے ذریعہ یہ طے کیا کہ اس علاقہ میں جب تک تعلیم لازمی قرار نہ دی جائے اس وقت تک بہتر یہ ہے کہ مدارس کی تعداد میں تخفیف کر دی جائے مگر اس سے قبل مدارس کو بند کر دیا گیا جو ایک دوسرے سے بالکل قریب تھے چنانچہ اس وقت اسی علاقہ میں ۲۸ مدارس ہیں اور مقامی سرکار نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ قریب قریب ۳۰ مدارس جاری رکھے جا سکتے ہیں۔

ایسا کرنے سے حاضری میں اضافہ ہو گیا ہے اعداد و شمار کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑکے اور لڑکیوں کی تعداد جولائی سے دسمبر ۳۹ء اور جنوری ۴۰ء تک ہر ماہ میں فرداً فرداً ۱۳۴۴، ۱۲۸۳، ۱۲۴۷، ۱۱۷۴، ۸۹۰، ۱۰۴۵، ۱۵۵۳ رہی ہے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب سے مدارس کی تعداد ۲۸ ہوئی ہے اس وقت سے (جنوری سے) لڑکے اور لڑکیوں کی تعداد حاضری بہت اچھی رہنے لگی ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ فروری میں یہ تعداد کافی اچھی رہے گی۔ بعض بعض مدرسوں میں تو ۷۰ طلبا بلاناغہ حاضر رہتے ہیں۔

ہمارے بنیادی مدارسوں کے بچوں نے پچھلے سال اپریل میں شروع کیا تھا۔ اب آئندہ اپریل تک ان کا ایک سال پورا ہو جائے گا ان کی قابلیت کا امتحان کرنے کی غرض سے ایک ممتحن کی کمیٹی اپریل کے مہینہ ہی وہاں جائے گی جس میں بہار سرکار کے محکمہ تعلیم کے ایک اعلیٰ افسر اور ہندوستانی تعلیمی سنگھ کے چند ممبران ہوں گے جو طلبا کمیٹی کی آزمائش میں پورے اتریں گے۔ انھیں دوسرے گریڈ میں داخل کیا جائے گا۔

اب تک چھ ماہ کے عرصہ میں بنیادی مدارس کے طلبا نے کتائی اور بنائی کے ذریعہ ۲۶۵ روپے حاصل کئے ہیں امید کی جاتی ہے کہ اگر بچوں کی حاضری تسلی بخش رہی تو یافت میں بھی خاصہ اضافہ ہوگا آئندہ سال سے ان مدارس میں گنے کا کام بھی شروع کیا جائے گا۔

ناظرین کو یہ معلوم کرکے بے حد خوشی ہوگی کہ بنیادی مدارس کے لڑکوں اور لڑکیوں میں برابر کی ترقی ہوتی ہے۔ وہ صاف ستھرے تندرست اور بشاش نظر آتے ہیں۔ ان کے سر سے چھوت چھات کا بھوت اتر گیا ہے۔ وہ تعلیم بالغان کا کام خود کر رہے ہیں ان کی اپنی پنچایتیں رہیں۔ مدرسے اور گاؤں میں بلاناغہ صفائی کا کام وہی کر رہے ہیں۔ مستعدی سے اپنے والدین کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے ہیں ان کی کوشش نے اس علاقہ میں نئی تعلیم کو مقبولیت حاصل ہوتی جا رہی ہے۔ کتائی میں سوت بہت کم ٹوٹتا ہے اگر ٹوٹتا بھی ہے تو ضائع نہیں جاتا بلکہ اس سے خوب صورت قالین تیار ہونے لگے ہیں۔

پٹنہ ٹریننگ اسکول میں ایک دن

آج اس اسکول کا شمار صوبہ بہار کے اور بہترین مقامات میں ہو رہا ہے جب سے بنیادی تعلیم کی توسیع کے لئے یہاں نئی قسم کے استاد تیار کئے جانے لگے ہیں اس وقت سے اس کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوتا ہے کہ یہاں کی تعلیم کی فضا بالکل بدل گئی ہے یہ اسکول دریائے گنگا کے جنوبی کنارے پر واقع ہے۔ اس کی بارونق اور عالی شان عمارت دیکھنے والوں کے دل کو ایسا لبھاتی ہے کہ وہاں سے آنے کو جی نہیں چاہتا اس کے دروازے کے سامنے جنوب کی طرف ایک شہری کے مکان سرسوتی دیوی کا ایک خوب صورت مجسمہ نصب کیا گیا ہے اس سے مدرسے کی زینت بڑھ جاتی ہے۔ اس کی زیارت سے استاد اور اساتذہ اور طلبا کے دل میں پاک بازی کا جذبہ پیدا ہوتا رہتا ہے۔ مشرق کی جانب ایک شو مندر ہے جہاں مذہب پرست مرد اور عورتیں ہر روز آکر خلوص کے ساتھ گنگا اشنان کرتے ہیں اور پوجا پاٹ کرکے روحانی تسکین حاصل کرتے ہیں جب مندر کے گھنٹے کی آواز ان کے کانوں میں پہنچتی ہے تو زبان سے برجستہ نکل جاتا ہے۔

اس مرمریں شیو مندر سے گھنٹے کی آواز نکلتی
مدرسوں کی دیرانی ہے کانوں میں کہہ جاتی

مغرب کی طرف کالج اور پروفیسروں کے پر امن و عیش مکانات بہت دلکش معلوم ہوتے ہیں۔

اب ذرا اسکول کے جنوبی دروازے جانب والے بڑے دروازے سے داخل ہو کر اندر بیٹھئے اور یہاں سے فردوسی حسین مناظر کو دیکھ کر لطف اندوز ہوجیے بھانت بھانت کے بیل بوٹے اور گلکاریاں دیکھ کر آپ کا دل مسحور ہو جائے گا۔

(باقی آ:

فہرست مضامین

پرنٹر و پبلشر عبدالحمید خاں — مطبوعہ حمیدیہ برقی پریس — مدیر: آشا دیوی

رجسٹرڈ نمبر: ایل ۷۴۴۴

نئی تعلیم

(ہندستانی تعلیمی سنگھ کا پرچہ)

جلد ۲، نمبر ۵	دہلی - مئی سنہ ۱۹۴۰ء	قیمت سالانہ عہ

بنیادی تعلیم کے دو سال

اپریل سنہ ۱۹۴۰ء میں بنیادی تعلیم کے تجربے کو دو سال پورے ہوگئے۔ اپریل سنہ ۱۹۳۸ء میں اس نئی تعلیم کا پہلا مرکز ودیا مندر ٹریننگ اسکول کے نام سے قائم ہوا تھا اور وہاں کتائی اور گتے کے کام کو بنیادی حرفہ بنا کر اس تعلیم کا تجربہ شروع کیا گیا تھا۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ ہندستان کے کچھ صوبوں میں بنیادی تعلیم کا کام آگے بڑھنے لگا۔ ٹریننگ اسکول کھولے گئے، استادوں کی تیاری شروع ہوئی اور جوں جوں استاد تیار ہوتے گئے، دیہاتوں میں دیہاتی بچوں کو لے کر اس تعلیم کا تجربہ کیا جانے لگا۔ کہیں کہیں تو (مثلاً بہار اور وسطی صوبے میں) نئے مدرسے کھولے گئے اور کہیں ڈسٹرکٹ بورڈ یا لوکل بورڈ کے مدرسوں میں تھوڑی بہت تبدیلی کر کے وہاں پہلے دو تین درجوں میں یہ تجربہ کیا گیا۔

آج سنہ ۱۹۴۰ء میں ہندستان کے سات صوبوں میں اس نئی تعلیم کا تجربہ ہو رہا ہے اور چودہ ٹریننگ اسکولوں میں بنیادی تعلیم کے استاد تیار ہو رہے ہیں۔ بنیادی مدرسوں کی تعداد ایک ہزار سے اوپر پہنچ چکی ہے۔ ہندی، اردو، مرہٹی، گجراتی، کنڑی، اڑیہ، تیلگو اور تامل زبانوں میں بنیادی تعلیم کا ادب پیدا ہو رہا ہے۔ ۷۵۰ سے زیادہ استاد تیار ہو چکے ہیں اور دیہاتی مدرسوں میں کام کر رہے ہیں اور ۶۰۰ سے زیادہ استاد ابھی تعلیم پا رہے ہیں۔ اکیلے یوپی ہی میں ۱۷۵ ابتدائی مدرسے کے استادوں کو ٹریننگ کا ایک چھوٹا سا کورس (Refresher's Training course) پڑھا کر ہر ضلعے میں ۹۰ مدرسوں میں اس نئے تعلیمی تجربے کو شروع کیا گیا ہے۔

مگر یہ تو اس تجربے کا معمولی سا خاکہ ہے۔ اس دو سال میں نئی تعلیم کو جو ترقی ہوئی ہے اس میں امید اور حوصلے کا بہت بڑا حصہ ہے۔ مگر ہمارے کام کرنے والوں کے لیے ان سب باتوں کا جاننا ضروری نہیں ہے جتنا یہ سوال ہے کہ اس نئی تعلیم کی تہ میں جو بھید چھپے ہوئے ہیں اور اس کا جو اصل مقصد بنایا گیا ہے اس سے ہم کتنے قریب ہوئے ہیں، اس مقصد کے حاصل کرنے میں ہمیں کتنی کامیابی ہوئی ہے اور اس راہ میں ہمیں کن کن اور کس کس طرح کی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

اس تعلیمی اسکیم کے سامنے سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ ہندستان کے تمام بچوں کو ہمہ گیر اور سچی تعلیم دی جائے۔ ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ اس مقصد کی طرف ابھی ہم بہت کم بڑھ سکے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ جو تجربہ ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ موجودہ ابتدائی مدرسوں کے استادوں کو نئی اسکیم کے سانچے میں ڈھالا جا رہا ہے۔ اس سلسلے میں ہم صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ اس تعلیم کے تجربے سے بچوں کی حاضری کی تعداد ہر مدرسے میں بڑھ گئی ہے اور ان میں پہلے کی بہ نسبت زیادہ بچے کھنچ آئے ہیں۔

پچھلے دو سال میں تعلیم کو پھیلانے کے سلسلے میں بہار اور وسطی صوبے میں کسی قدر تیزی سے کام لیا گیا ہے۔ بہار کے ضلع چمپارن میں جہاں پہلے تعلیم کا سرے سے کوئی انتظام ہی نہیں تھا، ۳۵ نئے مدرسے کھولے گئے ہیں۔ ان مدرسوں کی عمارت، تعلیمی سامان، استادوں کی تنخواہ وغیرہ کے قریب قریب سبھی خرچ صوبے کی سرکار نے اٹھائے ہیں۔ (اس تجربے کا پورا حال مارچ کے پرچے میں دیا جا چکا ہے۔)

ایک بات اور ہے بچوں اور استادوں کی تعلیمی زندگی میں اس نئی تعلیمی اسکیم سے کیا کیا تبدیلی ہوئی ہے؟ نئی تعلیم کا دعویٰ ہے کہ اس سے تعلیمی دنیا میں ایک انقلاب پیدا ہو جائے گا۔ وہ اس طرح کہ ہمیں کسی ایک حرفے کے ذریعے بچوں کی جسمانی، ذہنی اور سماجی — غرض اس کی ساری قوتوں کو بڑھانا ہے اور ساتھ ہی انھیں سماج کا ایک ذمے دار ممبر بنانا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ہمارے پچھلے دو سال کا تجربہ اس دعوے کو کہاں تک صحیح ثابت کرتا ہے؟

سب سے پہلی چیز تو یہ ہے کہ اس اسکیم سے بچوں کی زندگی میں ایک نئی خوشی اور امنگ پیدا ہو گئی ہے۔ پڑھانے والے، تعلیمی کام کرنے والے، ان کاموں کو پرکھنے والے اور انھیں دور سے دیکھنے

والے سب اس بات کو مانتے ہیں کہ مدرسہ بچوں کے لئے اب ڈرنے کی جگہ نہیں رہی۔ اب وہ ان کے لئے خوشی کی جگہ بن گئی ہے۔ زیادہ سے زیادہ استادوں کا تجربہ یہ ہے کہ بچوں میں ایک نئے قسم کی زندگی اور امنگ پیدا ہو گئی ہے اور ان کے دل جاگ چکے ہیں۔ ان کے اندر اب حوصلہ اور امنگ پیدا ہو چکے ہیں۔ اس تجربے کو دیکھ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ نئی تعلیم کا یہ دعویٰ صحیح ثابت ہوا۔ بچوں میں علم سیکھنے کا شوق جاگ گیا۔

اب دوسرا سوال جو ہمارے سامنے آتا ہے یہ ہے کہ اس نئے تعلیمی تجربے کے ذریعے ہم بچوں میں کتنا علم پیدا کر سکے ہیں۔ اس مسئلے پر سوچتے وقت ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اس تجربے کے شروع میں ہم نے استادوں کو ادھورے طور پر تیار کر کے تجربے کے لئے کام کے میدان میں بھیج دیا تھا اس لئے وہ حرفے کے بارے میں اتنا نہ جان سکے جتنا جاننا ضروری تھا۔ دوسری بات یہ کہ ابھی تک پہلے دو درجوں کے بچوں کو لے کر تجربے کئے گئے ہیں اور ان کو ضروری باتیں سکھانے اور پڑھانے کا سامان بہت تھوڑا ہے۔ اس لئے یہ بات اچھی طرح نہ جانی جا سکی کہ حرفے کے ذریعے کتنا کچھ بتایا اور سکھایا جا سکتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ ہونے پر بھی پچھلی تعلیمی کانفرنس میں ادھورے تجربے والے جتنے کام کرنے والے اکٹھے ہوئے تھے ان کی رائے رہی ہے کہ "پچھلے دو سال کے تجربے نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ ربط کے اصول پر تعلیم دینا ممکن ہے اور تعلیمی نظر سے مفید بھی۔ لیکن اس اصول کو زبردستی ہر جگہ ٹھونسنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔"

اس تجربے کو دو سال ہو گئے۔ لیکن لوگ اب بھی یہ سوال کرتے ہیں کہ اسکیمو کی کہانی یا چین کے قدیم بادشاہوں کے قصے کو بنیادی حرفے سے کس طرح ربط دیا جا سکتا ہے۔ اس لئے اس کے جواب کو یہاں دہرا دینا ضروری ہے کہ تعلیم کا مقصد ہے ذہن و دماغ کو ترقی دینا اور اُسے جگانا۔ تعلیم کا صرف یہی ایک مقصد نہیں ہے کہ دماغ میں علم کا خزانہ بھر دیا جائے۔ اس نئی تعلیم سے اگر بچوں کی سوچنے کی قوت بیدار ہوئی، ان کے اندر تلاش اور کھوج کا جذبہ پیدا ہوا تو ہم سمجھیں گے کہ ہم تعلیم کا اصل مقصد حاصل کر سکے ہیں۔ اگر یہ حاصل ہو گیا تو یہ بات کہ وہ چین کے قدیم بادشاہوں اور اسکیمو لوگوں کی کہانیاں جانتے ہیں یا نہیں اور اگر جانتے ہیں تو کس طرح سے جانتے ہیں، معمولی سی رہ جاتی ہے۔ کتائی کے ذریعے مثلث کے قاعدے کو سمجھانے کے طریقے سے بڑا اور ضروری مسئلہ یہ ہے کہ بچوں کے اندر وہ علمی کھوج کا جذبہ کیسے پیدا کیا جائے جو مثلث کے قاعدے کے معلوم کرنے والے کے دل میں پیدا ہوا تھا۔ بنیادی تعلیم کا آخری مقصد یہی ہے۔ اصل چیز یہ ہے کہ بچوں میں علم کو اپنانے اور بڑھانے کی امنگ اور حوصلہ پیدا کیا جائے۔ یہ مقصد تو بہت بعد کا ہے لیکن ہمارے ملے جلے تجربے سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نئی تعلیمی اسکیم سے بچوں کی مدرسے کی زندگی میں ایک نئی خوشی اور کھوج کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ یہ چیز ہماری کامیابی کا ثبوت ہے۔

مگر ابھی یہ سوال اپنی جگہ پر رہتا ہے کہ یہ تعلیم بچوں کے لئے جیسی خوشی اور امنگ لائی ہے، کیا اسی طرح کی کوئی چیز استادوں کے لئے بھی اس میں ہے؟ اس نئی اسکیم سے استادوں کی ذمے داری اور محنت بہت بڑھ گئی ہے۔ اب وہ پہلے کی طرح صرف کتاب کی پڑھائی یا نصاب تعلیم کو ختم کرا دینے پر بس نہیں کر سکتے۔ ان کے سامنے نہ اس نئی اسکیم کا ادب موجود ہے اور نہ ان کے پاس اس تعلیم کا کافی سامان ہی ہوگا۔ دور دور کے دیہاتوں میں جہاں ان کا نہ کوئی دوست ہوتا ہے اور نہ مددگار، وہ اکیلے اپنی طاقت اور حوصلے پر بھروسا کر کے اتنی بڑی ذمے داری کو کس طرح پورا کر سکیں گے، اس میں انھیں خود کوئی خوشی معلوم ہوگی یا نہیں، ان کی تلاش و جستجو کا جذبہ اس تجربے سے کچھ ترقی پاتا ہے یا نہیں؟ یہ ہیں وہ باتیں جن پر بنیادی تعلیم کی آئندہ کامیابی کا دار و مدار ہے۔

ان باتوں کو سامنے رکھ کر اب ہمارا یہ کام ہے کہ تجربے کے اس تیسرے سال میں ہم اپنا مقصد اور پروگرام مقرر کر لیں۔ ہمیں یہ بات مان لینی چاہئے کہ اس تجربے کا ابتدائی کام شروع ہو چکا ہے۔ اگر تعداد یا اس کے پھیلاؤ کے لحاظ سے دیکھئے تو ان دو برسوں کی ترقی کی رفتار ہمیں آگے بڑھنے کے لئے اکسائے گی۔ ہم یہ مان سکتے ہیں کہ اس نئی تعلیمی اسکیم سے بچوں کی زندگی میں ایک نئی خوشی اور امنگ پیدا ہو چلی ہے۔ دو سال کے تجربے سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حرفے کے ذریعے بچوں میں معلومات بڑھانے اور ان کے اندر کھوج اور جستجو کا جذبہ بہت زیادہ پیدا کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ابھی ہمیں اطمینان کا سانس نہیں لینا چاہئے۔ ہمارے اس سال کا پروگرام یہ ہونا چاہئے کہ اس کے پھیلاؤ کی فکر چھوڑ کر جتنا کچھ اس دو سال میں ہو چکا ہے ہم اسے مضبوط بنانے کی کوشش کریں۔ ہمیں سب سے پہلے بنیادی تعلیم کے استادوں کی طرف دھیان دینا چاہئے۔ اس لئے کہ انھی استادوں پر بنیادی تعلیم کی کامیابی منحصر ہے۔ جو استاد ابھی دیہاتی مدرسوں میں کام کر رہے ہیں، ان کے لئے بنیادی تعلیم کا ادب مہیا کرنا ہے۔ ان کی امداد کے لئے صحیح اور سچے مشاہدے کا سامان کرنا ہے۔ ہر ٹریننگ اسکول اگر اپنے پرانے طالب علموں کے ساتھ میل جول بڑھانے کی کوشش کرے تو ہم اس کام میں بہت آگے بڑھ سکتے ہیں۔ یہ زمانہ گرمی کی چھٹیوں کا ہے۔ یہ ہمارا مشورہ ہے کہ اس چھٹی کا کچھ حصہ اگر استادوں کے مدرسے کے کچھ استاد اپنے پرانے طالب علموں کے ساتھ اُن کے مدرسوں میں گذاریں اور ان کی مشکلوں کو سمجھنے کی کوشش کریں تو یہ چیز اس تجربے میں بہت زیادہ مدد دے گی اور خود ان استادوں کے موجودہ طالب علموں کی تیاری میں بھی انھیں بہت مدد ملے گی۔ بعض اداروں میں استادوں کی جو موجودہ جماعت ہے وہ تیسری جماعت ہوگی۔ استادوں کی تیاری کے سلسلے میں ہمارے دو سال کا جو تجربہ موجود ہے، امید ہے کہ اس کی بنیاد پر ہم ان ہونے والے استادوں کو پورے طور پر صحیح تعلیم دے سکیں گے۔

استادوں کی تیاری کے لئے اور دستکاری کے ذریعے خود بچوں کے ذہن و دماغ کو ترقی دینے کے لئے آج سب سے بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ ٹریننگ کے ہر مرکز میں بنیادی حرفوں کا مطالعہ علم کی طرح جاری ہو۔ ایسی چیزیں جن کا حل اب تک ہمارے سامنے نہیں آیا ہے بہت سی ہیں جیسے کسی حرفے کی مدد سے کیسے تعلیم دی جا سکتی ہے، کچے مال کو کیسے دیکھا بھالا جا سکتا ہے، اس کے اوزاروں کی تیاری کے سلسلے میں کیا کیا کرنا پڑتا ہے اور اس کی ترقی کے مطالعے کے ساتھ تاریخ، جغرافیہ، سماج کے علم سائنس، ریاضی، ادب اور آرٹ کا علم کس حد تک حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ابھی تک یہ ملک جہاں علم چھپے ہوئے ہیں، انھی کا کھوج نکالنے والوں کی راہ دیکھ رہا ہے۔ یہ کھوج بالکل ویسی ہی کھوج ہے جیسے قطب شمالی یا ہمالیہ کی چوٹیوں کی کھوج! اس لئے بنیادی تعلیم کے استادوں سے، دستکاری کے استادوں نے، علم کے ماہروں سے، ادیبوں سے مدد لیا

سے تاریخ والوں اور سماج کا علم جاننے والوں سے ہماری درخواست ہے کہ وہ اس بڑی مہم میں ہمارا ساتھ دیں اور ہمارا ہاتھ بٹائیں۔ ہمارا یہ ارادہ ساری دنیا کے لئے تعلیمی میدان میں ہندوستان کی طرف سے ایک قسم کی دین ہوگی۔

دُھنائی کا علم

بچوں کے لئے کیسی دُھنکی ہونی چاہیئے

مونج کی دُھنکی

(بہار کی قدیم دُھنکی)

بہار میں اس دھنکی کا رواج بہت پہلے سے چلا آرہا ہے۔ لوگ اسے بانس والی دھنکی کے نام سے بھی جانتے ہیں۔ دیہاتوں میں تو اب تک یہی استعمال ہوتی ہے۔ یہ دھنکی ایک پیسے میں تیار ہو جاتی ہے۔ اس کی تیاری میں نہ زیادہ سامان کی ضرورت پڑتی ہے نہ اس کے بنانے کے لئے کوئی فن جاننے کی ضرورت ہے اور نہ اُس کی تیاری میں زیادہ وقت اور طاقت ہی درکار ہوتی ہے۔ اس دھنکی کی مدد سے جو روئی دھنی جاتی ہے' اُس میں ایک خاص بات بھی ہے۔ اس دھنکی سے دھنائی کرنے کے لئے الگ سے کسی جگہ کی بھی ضرورت نہیں پڑتی یعنی آپ جہاں بھی بیٹھے ہوں وہیں اس سے روئی دھن سکتے ہیں۔ یہ اتنی ہلکی پھلکی ہوتی ہے کہ ۶ برس سے ۸ برس تک کے بچے بھی اس سے آسانی سے کام لے سکتے ہیں

اس سے جو دھنائی ہوتی ہے اس میں زیادہ پیچیدہ اون سے کام نہیں لینا پڑتا۔ ذرا ہوشیار دھننے والا ہو تو وہ بغیر تکلی کے صرف چٹکی کے سہارے دھن سکتا ہے۔ اس کی باریک دھنائی سے باریک سوت کاتا جاسکتا ہے۔ اس دھنکی سے دھنی ہوئی روئی سے جو پونیاں تیار ہوتی ہیں ان سے ۴۰ سے ۲۰۰ نمبر تک کا سوت کاتا جاسکتا ہے۔ اگر موٹی دھنائی کرنی ہو تو وہ بھی اس دھنکی سے ہو سکتی ہے۔ کپاس کی بہت سی ایسی قسمیں ہوتی ہیں جنہیں ہر دھنکی پر نہیں دھنا جاسکتا، مگر اس دھنکی سے ان روئیوں کو بھی آسانی سے دھن سکتے ہیں۔ آندھرا میں جس دھنکی کا چلن ہے اس کی اور اس دھنکی کی دھنائی ایک سی ہوتی ہے مگر خود دھنکیوں میں فرق ہے۔ آندھرا کی دھنکی میں بیر کی شاخ کو کمان کی شکل کا بنا لیتے ہیں اور اس پر تانت چڑھا دیتے ہیں مگر دونوں جگہ دھنائی کا قاعدہ ایک سا ہے۔

آندھرا میں بھی پہلے روئی کو چٹکی سے سلجھا کرتے ہیں، پھر رولے پر چڑھا کر اُسے برابر کرتے ہیں اور بنولوں کو نکال کر اور روئی کو تون کر دھنائی کرتے ہیں۔ یہاں بنولا ہاتھوں سے یا چرخی سے نکالتے ہیں اور پھر اسے تون کر اسی دھنکی کے ذریعے دھنتے ہیں۔

بچوں کی جماعتوں کے لئے جس طرح تکلی ضروری ہے اسی طرح بہار کی یہ چھوٹی سی، ہلکی پھلکی اور سستی بانس والی مونج کی دھنکی بھی فائدے اور کام کی ہے۔ اس کے استعمال کے لئے کچھ زیادہ جھنجھٹ نہیں کرنا پڑتی۔ جماعت میں پڑھاتے لکھاتے وقت اس دھنکی کو بیچ میں لاکر بڑی کامیابی کے ساتھ دوسرے مضمونوں کا ربط پیدا کیا جاسکتا ہے۔ طالب علم جس طرح اپنے پڑھنے لکھنے کا سامان ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا ہے اسی طرح وہ تکلی اور اس چھوٹی سی دھنکی کو بھی اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ اس کی دھنائی سے دھنتے وقت خوشی بھی زیادہ ہوتی ہے۔ دھنی ہوئی روئی کی ٹھیک جانچ یہ ہے کہ وہ سمندر کے پھین یا سفید بادل کے ٹکڑوں کی طرح ہو یا اُسے اگر کتاب کے ورق پر رکھ دیا جائے تو کتاب کا ایک ایک حرف صفائی کے ساتھ پڑھا جاسکے۔ ان تمام باتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے اگر دیکھا جائے تو بہار کی یہ "مونج کی دھنکی" زیادہ فائدے اور کام کی ہے۔

اس دھنکی میں اگر کوئی کمی یا خرابی ہے تو وہ یہ کہ اس سے روئی کم دھنی جاتی ہے اور ایک گھنٹے میں زیادہ سے زیادہ ۱۲ آنے بھر روئی دھنی جاسکتی ہے۔ مگر جماعت میں تکلی کے ساتھ کے اس ربط کا جہاں تک تعلق ہے یہ نہایت اچھی چیز ہے۔ ہمیں یہ نہیں دیکھنا ہے کہ کام کم ہوا یا زیادہ بلکہ ہمیں اس چیز پر توجہ رکھنی ہے کہ جو کچھ کام ہوتا ہے کم یا زیادہ وہ خوبصورت اور سلیقے کا ہوتا ہے اور اس سے بچوں کی ذہنی، جسمانی، دماغی اور تعلیمی ترقی میں مدد ملتی ہے۔

بناوٹ :-

(۱) خوب پختہ بانس لے کر اُسے چار روز تک ہوا اور دھوپ میں سکھائیں، بانس چام بانس ہونا چاہیئے۔

(۲) چار پانچ روز تک سکھانے کے بعد اسے پانی میں ڈال دیا چاہیئے جہاں وہ چار پانچ روز تک پڑا رہے۔

(۳) پانی میں سے نکال کر اس کے چار یا آٹھ برابر برابر پھٹے چیریں۔ ان میں سے مضبوط پھٹے لے کر ان کو خوب رندا کریں (پھٹے تین تین فٹ کے ہونے چاہئیں۔) اس کے بعد ان کو یہاں تک خم دیا جائے کہ وہ کمان کی شکل کے ہو جائیں اور اس شکل کو قائم رکھنے کے لئے تانت کی جگہ ان کے دونوں سروں پر رسی جکڑ کر باندھ دی جائے۔ اور اس وقت کھولی جائے جب وہ کمان کی شکل کا پھٹا بالکل سوکھ جائے۔ سوکھنے کے بعد رسی کو "مونج کی تانت" سے بدل دیا جائے۔ لیجئے یہ آپ کی مونج کی دھنکی تیار ہوگئی۔ مونج سرکنڈے کے چھلکے کو کہتے ہیں۔ سرکنڈا جب خوب پک جاتا ہے اور اس میں مورچھل کی طرح کے پھول لگ جاتے ہیں

تو لوگ اس بھوں کو الگ کرکے سرکنڈے میں سے مونج نکال لیتے ہیں اور اُسے ہوا اور دھوپ میں سکھا لیتے ہیں اور حفاظت سے رکھ لیتے ہیں۔ اسی مونج سے رسی بھی بنائی جاتی ہے۔ اس کی لمبائی ۴ فیٹ سے ۸ فیٹ تک ہوتی ہے۔ اسے دھوئیں اور پانی سے بچا کر رکھنا چاہئے ورنہ خراب ہو جاتی ہے۔ جب مونج کی تانت بنانی ہو تو پہلے اُسے ۲ گھنٹے تک پانی میں بھگونا چاہئے۔ اس کے بعد اسے چیر کر اس کے ۴ یا ۸ حصے کر لیے جائیں۔ اس بات کا دھیان رہے کہ مونج کے تار بہت تیز ہوتے ہیں۔ اس کے حصے چاقو کی مدد سے کئے جائیں ورنہ ہاتھ کٹ جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اب ان ۴ یا ۸ حصوں میں سے ایک حصہ کو لے کر اس کے دونوں سروں کو اینٹھنا چاہئے۔ پھر اس کے بعد پانی کا چھپکا دیکر ہاتھ سے اسے خوب چکنا اور گول کرنا چاہئے۔ جب خوب اینٹھن چڑھ جائے تو بانس کی جو کمان تیار کی گئی ہے اس کے سروں پر سے رسی کو کھول کر یہ تانت چڑھا دینی چاہئے۔ ایک اور بات یہ یاد رکھنی چاہئے کہ دھننے سے پہلے دھنکی کے سروں پر مونج کے باندھنے کی وجہ سے جو گانٹھ پڑ جاتی ہے اُسے پانی سے تر کر دینا چاہئے۔ مونج کو پانی سے تر کر دیا جائے تو وہ مضبوط ہو جاتی ہے اور ٹوٹتی نہیں ہے۔

یہ تو ہوئی مونج کی دھنکی کی بناوٹ، اب رہ جاتے ہیں بڑی دھنکی، پنجن وغیرہ جو آندھرا کی دھنکی کے لئے ضروری چیزیں ہیں۔ آئندہ میں ان اوزاروں پر، دھنائی کے اصول پر، بھی مضمون شائع کراتا رہوں گا اور اس کے بعد کتائی اور دھنائی کی خاص باتیں اور اس کے سلسلے کے حساب کتاب پر بھی اپنے تجربات آپ کے سامنے پیش کرتا رہوں گا۔

شری نرائن چودھری،

بیسک ٹریننگ اسکول، پٹنہ

بنیادی تعلیم کی رفتار

صوبہ متحدہ:۔

بنیادی تعلیم کے تجربے میں صوبہ متحدہ میں کچھ خاص باتیں ہیں دوسرے صوبوں میں جہاں محدود تعداد کے مدرسوں یا چھوٹے چھوٹے منتخب علاقوں میں یہ تجربہ شروع کیا گیا ہے وہاں اس صوبہ میں سارے صوبے کے لئے ایک خاص اسکیم بنا کر بڑے پیمانے پر اس کام کو چلایا جا رہا ہے۔ اس نئی تعلیم کے تجربے میں سب سے بڑی جو ضرورت ہے وہ ہے استادوں کی تیاری۔ اسی چیز کو سامنے رکھتے ہوئے ۱۹۳۹ء میں اس صوبے کے ابتدائی مدرسوں کے موجودہ استادوں کو اس نئی تعلیمی اسکیم میں کام کرنے کے لئے سات تیاری کے مرکز (Refreshers Training Centre) کھولے گئے تھے اور ہر مرکز میں ۵۰ استادوں کو تین تین ماہ کا ایک مختصر نصاب پڑھایا گیا تھا۔ اس طرح کے چار تعلیمی دور پورے ہو چکے ہیں اور آج (اپریل ۱۹۴۰ء میں) اس صوبے کے قریب قریب ۷۰۰ استاد اس نئی تعلیمی اسکیم کے مطابق پڑھانے کی تعلیم پا چکے ہیں۔ جولائی ۱۹۴۰ء سے ۲۵۰۰ اسکولوں کے پہلے تین درجوں میں دستکاری کے ذریعے تعلیم دینے کے اس طریقے کا باقاعدہ تجربہ شروع ہو جائے گا۔

صوبہ متحدہ میں اس تجربے کی ذمہ داری کسی خاص محکمے پر نہیں بلکہ سارے محکمہ تعلیم پر ہے اور ساتھ ہی ساتھ لوکل بورڈ اور میونسپلٹیوں کے افسرانِ تعلیم کو بھی اس اسکیم کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ پچھلے ڈیڑھ برس کے تجربوں پر غور کرنے کے لئے اور آئندہ کا پروگرام مقرر کرنے کے لئے الٰہ آباد بیسک ٹریننگ کالج میں صوبہ متحدہ کے ڈائرکٹر تعلیمات مسٹر سی۔ پاول پرائس کی صدارت میں تمام صوبے کے انسپکٹروں، اسسٹنٹ انسپکٹروں، ڈپٹی انسپکٹروں، نارمل اسکولوں کے صدر مدرس اور میونسپلٹی کے محکمہ تعلیم کے ناظروں کا ایک جلسہ بلایا گیا تھا۔

اس جلسے کو شروع کرتے ہوئے مسٹر پاول پرائس نے فرمایا "اس نئی تعلیم کے پچھلے ڈیڑھ برس کے تجربے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس نئے نظام تعلیم سے بچوں کی شخصیت ابھرتی اور ترقی پاتی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ جولائی ۱۹۴۰ء کے ۲۵۰۰ اسکولوں کے پہلے تین درجوں میں اور ۱۹۴۲ء تک چار درجوں میں یہ تجربہ پورا ہو جائے گا۔ اس کے بعد ہم ثانوی تعلیم کی منزل میں قدم رکھیں گے۔ اس وقت تک ثانوی مدرسوں میں ہم دستکاری کی تعلیم شروع کر دیں گے۔ ہمارے نزدیک معیاری مدرسہ وہ ہے جس میں بچے کے جسم اور روح کے تمام حصے پورے طور پر ترقی پا سکیں جہاں وہ فطرت سے، آرٹ سے، نغمے سے پورے طور پر لطف لے سکیں گے۔

اس منزل تک پہنچنے کے لئے ہماری دو بڑی ضرورتیں ہیں — ایک اس نئے نظام کے مطابق پڑھے ہوئے استادوں اور دوسری روپے کی۔ استادوں کی تیاری کے لئے الٰہ آباد کا بیسک ٹریننگ کالج تجربہ گاہ کا کام دے رہا ہے اور آئندہ بھی وہ یہ کام کرتا رہے گا۔ خرچ کے سلسلے میں ہمیں یہ کوشش کرنی چاہئے کہ ہمارے مدرسے کی عمارت، سامان، فرنیچر وغیرہ دیہاتی ذریعوں اور کم سے کم خرچ میں بنے ہوں اور کوشش تو یہ ہونی چاہئے کہ اسکول کے بچے اپنی تعلیم کے اوزار اور سامان خود ہی تیار کریں۔

ہمیں رکاوٹوں اور طرح طرح کی مشکلوں کا سامنا تو ضرور کرنا پڑے گا۔ مالی مشکلیں، انتظام کی مشکلیں، لوکل بورڈ کا الگ رہنا، لوگوں کے اعتراض، انسانی فطرت کی کمزوریاں، غرض طرح طرح کی مشکلوں سے ہمیں دو چار ہونا پڑے گا اور واقعہ یہ ہے کہ نئے تجربوں میں کامیابی کی راہیں مشکلوں کا سامنا کرنے ہی سے کھلتی ہیں اور اسی میں سچی خوشی ملتی ہے۔ لیکن اگر ہم پکے ارادے کے ساتھ ان مشکلوں کا سامنا کریں گے تو پھر ان پر قابو بھی پا سکیں گے اور ملک کی ایک ایسی خدمت کر جائیں گے جس کا اندازہ نہیں ہو سکے گا۔"

اس جلسے میں اس نئی تعلیم کے بنیادی اصول پر کافی غور و بحث ہوئی۔ بیسک ٹریننگ کالج سے ملا ہوا جو پریکٹسنگ اسکول ہے، اس میں اس کا براہ راست تجربہ بھی دکھایا گیا۔ اس جلسے سے محکمہ تعلیم کے کام کرنے والوں میں تعلیم کے اس نئے تجربے کے لئے بہت کافی جوش پیدا ہوا ہے اور یہ امید ہوتی ہے کہ بنیادی تعلیم اب اور تیزی کے ساتھ آگے قدم بڑھائے گی۔

کشمیر:-

اپریل ۱۹۴۴ء سے کشمیر میں بنیادی تعلیم کا نیا تجربہ شروع ہوا ہے۔ سری نگر کے بیسک ٹریننگ اسکول میں جو ۱۰۰ استاد تیار کئے گئے ہیں، ان کی نگرانی میں ۶۰ بنیادی اسکول کھولے گئے ہیں۔ محکمۂ تعلیم کی ایسی اسکیم ہے کہ ہر سال ۶۰ مدرسے کھولے جائیں اور ۲۵ سال کے اندر اس نئی تعلیمی اسکیم کا پورا تجربہ ممکن ہو سکے۔

کتائی کا امتحان

اپریل کے مہینے میں بنیادی تعلیم کے بہت سے تعلیمی اداروں کا سیشن ختم ہو جاتا ہے اور ہونے والے استادوں کو ان کے کام کے لئے بھیجنے سے پہلے ان کے ایک آخری امتحان کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کی اصلی جانچ تو ان کے سال بھر کے کام کو سامنے رکھ کر ہوتی ہے، مگر جہاں جہاں ان کا امتحان لیا جاتا ہے وہاں کے لئے یہ مسئلہ بھی کہ امتحان کیسے لیا جائے بنیادی تعلیم کا ایک عملی مسئلہ ہے۔

سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ بنیادی دستکاری کی جانچ کس طرح کی جائے۔ یہ اس لئے کہ دستکاری کو اچھی طرح جاننے اور اس کے فن کو سمجھنے ہی پر اس نظام تعلیم کو ترقی دی جا سکتی ہے اور پھر اس لئے بھی کہ دستکاری بچوں کی تعلیم کا ایک خاص ذریعہ ہے، اس کا امتحان بھی تعلیمی دنیا کا ایک نیا تجربہ ہے۔

وردھا کے ودیا مندر ٹریننگ اسکول اور ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ میں ۲۲ سے ۲۵ اپریل تک کتائی، دھنائی، گتے کے کام اور لکڑی کے کام کی دستکاریوں کا امتحان لیا گیا تھا۔ اس امتحان میں کتائی اور دھنائی کے امتحان میں جو طریقہ اختیار کیا گیا تھا، اس کا ایک مختصر سا بیان ہم اس پرچے میں دے رہے ہیں*۔

یہاں یہ بات بتا دینا ضروری ہے کہ یہ امتحان کوئی معیاری امتحان نہیں تھا۔ وقت چونکہ کم تھا اس لئے امتحان کے سلسلے میں جتنے انتظام کی ضرورت تھی وہ پورا نہ ہو سکا تھا۔ ۱۲۰ کے لگ بھگ طالب علم امتحان میں شریک ہوئے تھے جن کو جانچنے کے لئے کل چار روز اور زیادہ سے زیادہ بارہ گھنٹے کا وقت مل سکا۔ وقت کی کمی کے ساتھ ساتھ جگہ اور ضروری سامان کی بھی کمی تھی۔ اتنے تھوڑے وقت میں امتحان میں شریک ہونے والے امیدواروں کا پورا پورا تجزیہ کرنا ناممکن سا ہے۔ اس لئے ہم اس امتحان کو معیاری امتحان نہیں کہیں گے بلکہ امتحان کا ایک تجربہ کہیں گے۔ امید ہے کہ جوں جوں بنیادی تعلیم کے تجربے کو ترقی ہوتی جائے گی، بنیادی دستکاری جاننے والوں کو جانچنے کا طریقہ بھی ترقی کرتا جائے گا۔

کتائی کا امتحان خاص طور پر تین چیزوں کو سامنے رکھ کر کیا گیا تھا۔

(۱) کتائی- دھنائی کے علم کی رفتار اور اس کی جانچ۔

(۲) کتائی کی فنی ترقی (Technical Progress) کی جانچ۔

(۳) کتائی کے علمی معیار کی جانچ۔

انسٹی ٹیوٹ میں امتحان میں شریک ہونے والے امیدواروں کے دو حصے تھے۔ ایک ان لوگوں کا گروہ جنہوں نے صرف دو مہینے کا کورس پورا کیا تھا اور دوسرا ان لوگوں کا جنہوں نے پانچ مہینے تعلیم پائی تھی۔ اس لئے ان دونوں گروہوں کے معیار الگ الگ رکھے گئے تھے۔

امتحان کا طریقہ یہ رکھا گیا تھا:-

عملی ——— (۱) کتائی (۲) دھنائی (۳) اوٹائی

کتائی:-

کتائی کے امتحان کے لئے صرف ایک گھنٹے کا وقت دیا گیا تھا، یعنی آدھا گھنٹہ دائیں ہاتھ سے کاتنے کے لئے اور آدھا گھنٹہ بائیں ہاتھ سے کاتنے کے لئے۔ لپیٹنے کے لئے الگ وقت دیا گیا تھا۔ کاتنے کا وقت پورا ہوتے ہی فوراً لپیٹنا شروع کیا گیا۔ صحیح امتحان تو یہ تھا کہ ہر طالب علم نے لپیٹنے میں جتنا وقت لیا تھا، وہ الگ الگ لکھا جاتا۔ مگر چونکہ طالب علموں کی تعداد بہت زیادہ تھی اس لئے یہ کام ممکن نہ ہو سکا۔ لپیٹنے کی جانچ چرخے پر پانچ منٹ میں ۲۰۰ تار اور تکلی پر ۵ منٹ میں ۱۰۰ تار رکھی گئی تھی۔

چرخے پر کاتنے والے امیدواروں کو کاتنے کے لئے "کسان چرخے" دیئے گئے تھے جن کا گھیرا ۸ انچ تھا۔ چرخے کی تیلی ڈوری ہر طالب علم نے اپنے ہاتھ کے کاتے ہوئے سوت سے خود ہی تیار کی تھی۔

تکلی کی کتائی کا امتحان کرنے کے لئے ہر امیدوار کو چھ تکلیاں دی گئی تھیں اور تکلی کاتنے کے ۲۴ قاعدوں میں سے کسی قاعدے کو کام میں لانے کی انھیں اجازت تھی۔ ہر امیدوار کو ایک سی پونیاں کاتنے کو دی گئی تھیں مگر انھیں یہ اجازت بھی تھی کہ وہ خود اپنی بنائی ہوئی پونیاں کو کاتیں۔ چرخے پر کاتنے والوں کو ۲۰ سے ۲۴ نمبر تک کا سوت کاتنے کو کہا گیا تھا اور تکلی پر کاتنے والوں کو ۱۲ سے ۱۶ نمبر تک کا۔

کتائی کے امتحان کے لئے جو جانچ رکھی گئی تھی وہ امیدواروں کی عمر، ان کی مشق کی مدت وغیرہ خاص خاص حالات کو سامنے رکھ کر رکھی گئی تھی۔ اس جانچ کو پوری اور آخری جانچ نہیں سمجھنا چاہیئے اور نہ وہ ہر ادارے کے لئے رکھی ہی جا سکتی ہے۔ جن طالب علموں نے دس مہینے کا کورس پورا کیا تھا، ان کی کامیابی کے لئے چرخے کی کتائی میں ایک گھنٹے میں ۲۴۰ تار، ۶۰ فی صدی کس اور تار کا ۸۰ فی صدی ایک سا ہونا ضروری سمجھا گیا تھا اور جن طالب علموں نے صرف ۵ مہینے کا کورس پڑھا تھا ان کی کامیابی کے لئے تکلی کی کتائی میں ۱۲۰ تار، ۶۰ فی صدی کس اور تار کا ۸۰ فی صدی ایک سا ہونا ضروری سمجھا گیا تھا۔ ان باتوں کے علاوہ لپیٹنے کی مدت، پھیین، کاتنے کا ڈھنگ، بیٹھنے کا طریقہ اور صفائی وغیرہ میں بھی ان کا امتحان لیا گیا تھا۔

دُھنائی:-

دُھنائی اور پونیاں بنانے کی جانچ کے لئے ایک گھنٹے کا وقت رکھا

---

* لکڑی اور گتے کے کام کے امتحان کا تھوڑا سا حال اگلے نمبر میں دینے کی کوشش کی جائے گی۔

گیا تھا۔ ہر طالب علم اپنی روئی خود صاف کر کے لایا تھا۔ ایک گھنٹے میں ۵ تولے روئی دھن کر ان کی پونیاں بنانے کے لئے ۵۰ نمبر اور روئی کی دھنائی کے طریقے کے لئے ۵۰ نمبر رکھے گئے تھے۔ اس کے علاوہ دھنکی کی رندائی، دھننے کا طریقہ، بیٹھنے کا ڈھنگ، پونیوں کی شکل صورت اور دوسری ضروری چیزیں بھی جانچی گئیں۔

اوٹائی:۔

اوٹائی کے امتحان کے لئے بھی ایک گھنٹے کا وقت رکھا گیا تھا مگر اس کے لئے ضروری سامان کی کمی کی وجہ سے اس کا امتحان نہیں لیا گیا۔ ایک گھنٹے میں اوٹائی کی جانچ "سلائی پٹڑے" پر ۵ تولے اور ہاتھ کی اوٹنی پر ۲۰ تولے کا رکھا گیا تھا۔

کتائی کے فن کی جانچ دو قاعدوں کو سامنے رکھ کر کی گئی تھی — ایک تو کام کے طریقے کی جانچ (Method Test) اور دوسرے خرابیوں کی جانچ (Defects Test)۔ پہلی جانچ کے سلسلے میں طالب علموں کو دو حصوں میں بانٹ دیا گیا اور انھیں تکلی پر۔ تکلی کی کتائی کے ۲۴ طریقوں میں سے کسی دو طریقے سے کاتنے کو کہا گیا تھا۔ پھر کاتتے وقت ان کے کاتنے کا طریقہ، بیٹھنے کا ڈھنگ، صفائی وغیرہ کو بھی نظر میں رکھا گیا اور ساتھ ہی ساتھ ان چیزوں کا بھی امتحان ہوتا رہا۔ اسی کے ساتھ ساتھ مشاہدے کا بھی امتحان کیا گیا۔ غلطی نکالنے کے طریقے کے طور پر چرخے، تکلی، دھنکی، لپیٹا غرض مختلف اوزاروں میں ایک نہ ایک خرابی پیدا کر دی گئی۔ یہ خرابیاں اس طرح رکھی گئی تھیں دیکھتے ہی دیکھنے والا سمجھ لے کہ کس چیز میں کیا خرابی ہے۔ اس امتحان میں ہر امیدوار کو کل دس منٹ دیے گئے اور یہ کہا گیا کہ جو چیز دکھائی گئی ہے، اس کے اندر جو کمی یا خرابی ہے، اسے کاغذ پر لکھ دیا جائے۔

کتائی۔ دھنائی کی معلومات کے سلسلے میں اور غلطی نکالنے کے سلسلے میں جو کچھ کہا گیا اس کی رپورٹ یا نتیجہ بھی نیچے دکھایا جا رہا ہے۔

غلطیاں نکالنے کا امتحان

دس مہینے کے طالب علموں کے لئے:۔

چرخہ ۱:۔ (۱) خاص پہیے (موڑ چکر) کی مٹھیا لکڑی کے بیچ کے ریشوں ( ) سے زاویہ قائمہ پر تھی۔ (۲) مٹھیا الٹی یعنی چھوٹے پہیے کی طرف لگا دی گئی تھی۔ (۳) تکوے کی گھڑی پر جو باریک تاگا ہوتا ہے، وہ الٹا لگایا گیا تھا۔ (۴) تکوے کی پینڈی "موڑھیا" سے زیادہ دور پر لگائی گئی تھی۔

چرخہ ۲:۔ (۱) تکوا چرخے کی بیٹھک سے بالکل ایک لائن میں لگایا گیا تھا۔ (۲) تکوے کی گھڑی ل شکل کی تھی۔ (۳) خاص پہیے کی مٹھیا گھومتی نہیں تھی۔ (۴) خاص پہیے اور چھوٹے پہیے میں بہت کم فرق رکھا گیا تھا۔ (۵) خاص پہیے کی بیٹھک جام ہو گئی تھی اور آگے پیچھے سرک نہیں سکتی تھی۔

چرخہ ۳:۔ (۱) ڈوری جو باریک ہونی چاہئے تھی، موٹی تھی۔ (۲) پینڈی کا چھید بیچوں بیچ میں نہیں تھا۔ (۳) موٹی ڈوری اتنی ڈھیلی تھی کہ چھوٹے پہیے کا کوئی استعمال ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ (۴) سوت لپیٹنے کی کھونٹی نہیں تھی۔ (۵) خاص پہیے کی گھرنی بہت ڈھیلی تھی۔

تکلی ۴:۔ (۱) ٹیڑھی تھی۔ (۲) پینڈی کے نیچے کی طرف کی ڈنڈی کا حصہ آدھے انچ سے زیادہ لمبا تھا۔ (۳) پینڈی کا گھیرا ذرا کم تھا۔ (۴) اوپر کی نوک ٹھیک نہیں تھی۔

پانچ مہینے کا کورس پڑھے ہوئے طالب علموں کے لئے

پنجن ۱ — (۱) تانت الٹی یعنی اُتر سے دکھن کو لپیٹی ہوئی تھی۔ (۲) پنکھے کی لمبائی ڈنڈی سے تانت تک کم تھی۔ (۳) پنکھے کی کا نکر لگانے کی شکل گول نہیں بلکہ تکونی تھی۔ (۴) موٹھ پنجن کے لحاظ سے ٹھیک نقطے پر نہیں تھی۔ (۵) تانت بہت موٹی تھی۔ (۶) دھنائی کے لئے تانت کا جو حصہ استعمال میں آتا ہے، اس کے بیچ میں ایک گرہ پڑی ہوئی تھی۔

"نوٹلا" ۲۔ گوٹیوں کی دیواریں باہر کی طرف گول نہیں تھیں۔

لپیٹا ۳۔ لپیٹے کے کنارے کھردرے اور تیز تھے۔

پھالکا ۴۔ پردہ چار فٹ سے کم تھی۔

تکلی ۵۔ نوک کے باہری کنارے بہت تیز تھے۔

تکلی ۶۔ پینڈی کے نچلے حصے کی ڈنڈی آدھے انچ سے کم لمبی تھی۔

تکلی ۷۔ نوک کے نیچے کا چپٹا حصہ بہت چوڑا تھا۔

تکلی ۸۔ پینڈی بہت موٹی زیادہ وزنی تھی۔

تکلی ۹۔ پینڈی بہت پتلی اور کم وزن کی تھی۔

تکلی ۱۰۔ نکیلے حصے میں جو خالی حصہ ہوتا ہے وہ کم گہرا تھا۔

ودیا مندر ٹریننگ اسکول، وردھا

(پانچ مہینے والے طالب علموں کے لئے)

کتائی کا فن اور ریاضی

فن (پہلا حصہ)

پہلا سوال۔ دھنتے وقت روئی کے ریشے کبھی کبھی ٹوٹتے ہیں اس کا سبب لکھئے۔

دوسرا سوال۔ سلائی پٹڑی کی اوٹنی اور ہاتھ کی اوٹنی کے فائدے اور نقصان کا مقابلہ کیجئے۔

تیسرا سوال۔ کاتتے وقت سوت کیوں ٹوٹتے ہیں؟

چوتھا سوال۔ روئی کے ریشوں کا بیان لکھئے۔

پانچواں سوال۔ تکلی کے مختلف حصوں کے نام لکھئے۔

چھٹا سوال۔ (الف) یرودا کے چرخے میں کتنی سپرنگ لگائی گئی ہیں اور ان کا مقصد کیا ہے؟

(ب) باریک تانت میں کیا کیا خاص باتیں ہوتی ہیں؟

کتائی کا حساب (دوسرا حصہ)

ساتواں سوال۔ ۲۰ تولے روئی میں سے جھڑن کی وجہ سے ۰۰ تولے سوت نکلتا ہے۔ آپ کے درجے میں ۲۰ تولے پونی میں سے

½ ۰۰، تولے سوت نکلا۔ سوت کا نمبر ۱ ہے۔ ایسی صورت میں کتائی کی مزدوری میں سے کتنی کٹوتی کرکے اس جماعت کے کتنے دام جمع کرنا چاہئیں؟ (۲۰ تولے پونی کے لئے جتنی روئی لگتی ہو، اُس کی قیمت ۱۰ ر مان لی جائے اور کتائی، دھنائی کے دام ۱۰ر فی سیر کے حساب سے لئے جائیں۔)

آٹھواں سوال ۔ ایک لڑکے کی تکلی پر کاتنے کی رفتار دو گز فی منٹ ہے۔ سوت کا نمبر ۱۲ ہے۔ وہ تکلی پر چوپی بھر سوت بھرنے کے بعد دوسری تکلی لیتا ہے۔ تو وہ کتنے منٹ کے بعد تکلی بدلتا ہوگا؟

نواں سوال ۔ ۱۲ فیٹ سوت کی تینوں لڑیوں کی مضبوطی نکالنے کے بعد یکسانیت جانچی گئی تو ۰، تکلی۔ سب سے باریک سوت کی لڑی کا نمبر ۲۲ نکلا۔ سب سے موٹی لڑی کا وزن $\frac{1}{259}$ تولے ہوا تو سوت کا اوسط نمبر کیا ہوگا؟

دسواں سوال ۔ بڑی لڑائی کی وجہ سے کپاس کا بھاؤ ۱۴۴ روپے کھنڈی ہوگیا۔ ملاوٹ ۳۲ فی صدی ہے۔ بنولے کی قیمت سے اوٹائی ڈیڑھ گنی ہے۔ اس کپاس کی روئی ۱۲ر سیر بیچی گئی۔ بتاؤ فی صدی منافع یا نقصان کیا ہوا؟

گیارھواں سوال ۔ تین طالب علموں میں ۲ گھنٹے تک کتائی کا مقابلہ ہوا۔ ایک طالب علم نے ساولی چرخہ لیا تھا، دوسرے نے کسان چرخہ، تیسرے نے مقامی چرخہ۔ ساولی چرخے کا اٹیرن ایک گزی تھا، کسان چرخے کا ۴ فٹ کا اور تیسرے طالب علم کے پاس جو چرخہ تھا اس کا اٹیرن ۴۶ انچ کا تھا۔ کتا ہوا سوت امتحان لینے والے کے پاس بھیجتے وقت ہر طالب علم نے اپنے کام کے لئے نیچے لکھے ہوئے نوٹ بھی دیے تھے:-

ساولی چرخے والا طالب علم	۸۴۰ گز
کسان چرخے والا طالب علم	۹۰۰ تار
مقامی چرخے والا طالب علم	۶۰۰ دھاگے

جانچنے پر یہ عدد صحیح پائے گئے۔ امتحان لینے والے نے سوت کو وزن کرا کے عددوں کے سامنے ان کا وزن بھی لکھ دیا۔ ۳ تولے ۴ آنے، ایک تولہ ۱۴ آنے، ۲ تولے ۱۰ آنے۔ آپ اب ان سوتوں کا نمبر نکالئے۔

ودیا مندر ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، وردھا

(دس مہینے والے طالب علموں کے لئے)

کتائی فن (پہلا حصہ)

پہلا سوال ۔ لوہے اور لکڑی کی تکلی میں کیا کیا اچھائیاں اور خرابیاں ہیں؟

دوسرا سوال ۔ آپ کو اپنے لئے چرخہ خریدنا ہے۔ یہ بتائیے کہ چرخے کے خاص پہیئے کے ایک چکر میں تکوے کے کتنے چکر والا چرخہ آپ کو پسند ہوگا اور وہ چکر آپ کی پسند کے مطابق کس حساب سے ہونے چاہئیں۔ (اس میں اپنے سوت کا نمبر، کتائی کرنے والا ہاتھ، دھاگا، اینٹھن کا اندازہ وغیرہ ضروری باتیں بتا کر حساب کیجئے۔)

تیسرا سوال ۔ مہین سوت کے لئے کون سے ریشے (لمبے یا چھوٹے) کی روئی کام میں لانی چاہیے۔ اگر اپنے پاس اچھے ریشے کی روئی ہو تو اس میں سے مہین سوت نکالنے کے لئے کیا کرنا چاہیے۔ مفصل لکھئے۔

چوتھا سوال ۔ نیچے لکھی ہوئی باتوں پر اپنی رائے لکھئے۔

(الف) یروڈا چرخے کا چھوٹا پہیہ بڑے پہیئے سے کتنے فاصلے پر بٹھانا چاہیے؟

(ب) ہاتھ کی اوٹنی میں لاٹ کیوں خراب ہوتی ہے؟

(ج) دھنکی میں आत्मा (آتما) کی کیا ضرورت ہے؟

پانچواں سوال ۔ ودیا مندر ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ میں چرخے سے ایک گھنٹے کی کتائی کی اوسط رفتار کا حاصل ضرب ۱۰۸۶ آیا ہے۔ موٹے حساب سے رفتار کا حاصل ضرب ۱۸۰۰ مانئے۔ یہ بتائیے کہ پورا حاصل ضرب کیوں نہیں آیا۔ سوت کے نمبر یا رفتار کے علاوہ اس کے لئے اور کیا باتیں سبب بن سکتی ہیں۔ اس پر غور اور حساب کرکے تفصیل سے جواب دیجئے۔

کتائی کا حساب

ساتواں سوال ۔ یروڈا چرخے کے بڑے پہیئے کا گھیرا ۱۶ انچ ہے، چلانے والی چرخی کا گھیرا ½ ۱ انچ ہے۔ چلانے والی چرخی (गति चक्र) کے گھیرے سے پہیئے کے گھیرے کی نسبت ۳ : ۷ ہے۔ بڑے پہیئے سے ڈور کے پھسلنے کا اندازہ ۴ فی صدی ہے۔ چلانے والی چرخی پر سے تکوے کی ڈور کے پھسلنے کا اندازہ ۱۰ فی صدی ہے۔ تکوے کی گھرّی کا گھیرا $\frac{1}{12}$ ۱ انچ ہے۔ یہ بتائیے کہ چرخے کے ایک چکر میں تکوے کی گھرّی کو کتنی دفعہ گھمایا جائے گا؟

آٹھواں سوال ۔ ہندستان کی آبادی ۴۰ کروڑ ہے۔ فی آدمی سالانہ ۱۵ مربع گز کپڑا استعمال ہوتا ہے اور ایک مربع گز کی تیاری میں ½ ۱۳ تولے روئی صرف ہوتی ہے تو بتائیے کہ:-

(۱) ہندستان کے کل کپڑے کے لئے کتنی روئی لگ سکتی ہے؟

(۲) اگر روئی سب کی سب لگا دی جائے تو بتائیے کہ کپاس کتنے کھنڈی لگے گی؟

(۳) ایک کھنڈی روئی بونے کے لئے ½ ۳ ایکڑ زمین لگتی ہے تو ہندستان کی ضرورت کے لئے کافی روئی کے لئے کل کتنی زمین درکار ہوگی؟

نواں سوال ۔ (الف) ۲۰ نمبر کے سوت کا گھیرا کیا ہوگا؟ ۲۴ نمبر کے ایک انچ کے تانے کے اور ایک انچ بانے کے سوت میں اینٹھن کی تعداد کتنی ہونی چاہیے؟

(ب) ۱۰ نمبر اور ۸ نمبر کے سوت کو بٹ دینے کے بعد اس طرح کے ہوئے ڈورے کا کیا نمبر ہوگا؟

دسواں سوال ۔ ودیا مندر کے تیسرے درجے کی پہلی ششماہی کا سوت ایک جلاہے کو بننے کے لئے دیا گیا۔ دوسری ششماہی کا سوت دوسرے جلاہے کو دیا گیا۔ جب کپڑے کے تھان بن کر آئے تو معلوم ہوا کہ دونوں نے سوت کے گنڈوں کو یکساں سمجھا تھا۔ لیکن جب وزن کیا گیا تو معلوم ہوا کہ دونوں میں وزن کی نسبت ۴ : ۵ ہے۔ تو بتائیے کہ سوت کے نمبر کی نسبت کیا ہوگی؟

تکلی کا گیت

بہت پرانے زمانے سے ہاتھ کے کام سے گانے کا تعلق چلا آرہا ہے۔ کھیتوں میں کسان اور ان کی عورتیں بیج بوتی ہیں، فصل کی رکھوالی کرتی ہیں، فصل کاٹتی ہیں اور ساتھ ساتھ گانا بھی گاتی جاتی ہیں۔ ندیوں اور جھیلوں میں کشتی والے کشتی کھیتے ہیں، میدانوں میں دیہاتی سڑکوں پر بیل گاڑی ہانکنے والے گاڑی ہانکتے جاتے ہیں اور تانیں اُڑاتے جاتے ہیں۔ چمار جوتا سیتے ہیں، ڈوم ٹوکریاں بناتے ہیں، جلاہے کپڑا بنتے ہیں اور گنگناتے جاتے ہیں۔ ان گیتوں کا جو مضمون ہوتا ہے اُن سے اُن کاموں کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ہندستان میں تو ہمارے کسان اور دستکار کام کرتے وقت جو گیت گاتے ہیں وہ یا تو مذہبی ہوتے ہیں یا اخلاقی۔ پرانے زمانے کے ہمارے ولیوں اور رشیوں منیوں کے گیت عام طور پر اب بھی گائے جاتے ہیں۔ یہ بزرگ بھی اکثر و بیشتر ہاتھ کا کام کرنے والے گذرے ہیں۔ کبیر صاحب جلاہے، داؤد صاحب دھنئے اور روی داس چمار تھے۔ ایسے ہی اور بھی بہت سے بزرگوں کے نام گنائے جا سکتے ہیں جنھوں نے اپنے ہاتھ سے کام کرکے اپنی زندگی کا گذارہ چلایا تھا اور ساتھ ہی ایسی نظموں اور گیتوں کی تصنیف بھی کی جو ہماری قومی زندگی کا قیمتی سرمایہ ہے۔

پورب ہو یا پچھم، انسان کی تاریخ میں ہم دیکھتے ہیں کہ سادہ دستکاریوں اور سیدھے سادے مشینوں کی طرف سے جوں جوں توجہ ہٹتی جاتی ہے، ویسے ویسے گیت اور گانوں کی طرف سے بھی رشتہ ٹوٹتا جا رہا ہے۔ آخر اس کا سبب کیا ہے؟ سماج کے علم کے پنڈت اس مسئلے کی جانچ پڑتال کریں۔ ہمارا تو بچوں کی تعلیم سے تعلق ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بچوں کی تعلیم جب سے لفظوں اور حرفوں کا گورکھ دھندا بنی ہے، اسی وقت سے بچوں کی زندگی سے موسیقی کا لگاؤ بھی ختم ہو گیا ہے۔ ابتدائی تعلیم سے جن لوگوں کا کچھ بھی تعلق ہے، وہ بخوبی جانتے ہیں کہ ابتدائی مدرسوں میں تعلیم کا پتہ بچوں کے رٹنے رٹانے کی آواز سے چلتا ہے اور بس۔

اس نئی تعلیم کی وجہ سے بچوں میں خوشی اور مسرت کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ طریقۂ تعلیم میں ہاتھ کے کام کے ساتھ ساتھ موسیقی کے ذوق کو بھی دخل ہے۔ آج بنیادی تعلیم کے استادوں اور بچوں دونوں کے ہاتھ اور گلے دونوں پھر ساتھ ساتھ کام کرنے لگے ہیں۔ یہ بات ہم آج نہیں کہہ سکتے کہ اس سے طریقۂ تعلیم یا سماجی زندگی پر کیا دیرپا اثر ہوگا۔ مگر ایک بات تو بلاشبہ صحیح ہے کہ بنیادی تعلیم کے استادوں میں تکلی کے گیت اور نظمیں کہنے کا بہت بڑا جوش پیدا ہو گیا ہے۔ یہاں اسی نمونے کا ایک گیت چھاپا جا رہا ہے۔

تکلی کا گانا

تکلی رانی آؤ آؤ تم کو کھیل کھلائیں
کھیل کھیل میں ہنستے ہنستے اچھے ناچ نچائیں
ناچ تمھارا گیت ہمارا کیسی بات نرالی
سنگ تمھارے فرصت میں بھی وقت نہ جائے خالی
کھیل کھیل میں کام کی تم نے سب کو ریت سکھائی
اسی لئے تو پیاری تکلی سب کے من کو بھائی

میوارام شرما وشارد،
استاد پرائمری اسکول،
جیارا، مین پوری (یو-پی)

فہرست مضامین

پرنٹر و پبلشر: حامد علی خاں — مطبوعہ: جدید برقی پریس — [illegible]

رجسٹرڈ نمبر: ایل ۴۴۴۷

نئی تعلیم

(ہندستانی تعلیمی سنگھ کا خاص پرچہ)

قیمت سالانہ عہ	دہلی جون ۱۹۴۰ء	جلد ۲، نمبر ۶

بنیادی تعلیم کا تیسرا سال

سی گاؤں (وردھا) میں ۱۲ اور ۱۳ اپریل کو ہندستانی تعلیمی سنگھ کا دوسرا سالانہ جلسہ ہوا۔ اس جلسے میں بنیادی تعلیم کی پچھلی دو سال کی ترقی کی پڑتال اور ساتھ ہی ساتھ اس بات پر بھی غور کیا گیا کہ اس کی صورت آگے چل کر کیا ہوگی۔ پچھلے دو برسوں کے کام کو دیکھتے ہوئے سنگھ نے نیچے لکھی تجویز منظور کی:-

"سنگھ کی رائے ہے کہ پچھلے دو برسوں کے تجربے کی بنا پر ہم یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ تعلیم کے اس تجربے میں بچوں کی ــــ اور خاص طور پر دیہات کے بچوں کی ــــ تعلیم میں ایک طرح کے انقلاب کے آثار نظر آرہے ہیں۔ ان میں اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا خیال پیدا ہوگیا ہے اور مدرسے کی زندگی میں ایک طرف آزادی کی اور دوسری طرف آگے بڑھنے کے خیال کی جو لہر دوڑ رہی ہے اس میں امید کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔"

مگر ساتھ ہی یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ تعلیم کے لحاظ سے یہ نئی اسکیم کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو مگر اسے شروع کرتے وقت خرچ کا اتنا بھاری بوجھ پڑجاتا ہے کہ اسے بڑے پیمانے پر ملک میں موجودہ حالت میں جاری نہیں کیا جاسکتا۔ اس سلسلے میں سنگھ کی یہ رائے ہے کہ "اس کو شروع کرتے وقت جو خرچ پڑتا ہے وہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ معلوم ہوتا ہو مگر آگے چل کر موجودہ تعلیم پر جو خرچ آتا ہے بنیادی تعلیم پر اس سے کم خرچ آئے گا۔ اس کے علاوہ قوم کو اس بنیادی تعلیم سے جو فائدہ پہنچے گا اُس کا اندازہ پیسوں سے نہیں کیا جاسکتا۔"

اس نئی اسکیم میں تعلیم کے جو امکانات ہیں، اُن کا کچھ اندازہ ہمیں دو سال کے اس ادھورے تجربے سے ہوتا ہے۔ مگر اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کے لئے، اور اس تجویز کی بنیاد مضبوط کرنے کے لئے ابھی بہت سے کام باقی ہیں۔ تعلیمی سنگھ کے اس جلسے میں آیندہ کے پروگرام کے بارے میں خاص طور پر سوچ بچار کیا گیا۔

پہلا سوال ہے اس نئی تعلیم کو آگے بڑھانے کا۔ آج تک جو کچھ تجربہ ہوا وہ مختلف صوبوں ہی کے ذریعے سے ہوا ہے۔ اس کے علاوہ جامعہ ملیہ دہلی، آندھرا کا دستکاری اور فن کا مدرسہ اور پونا کے تلک راشٹریہ ودیا پیٹھ نے بھی اس تجربے میں حصہ لیا ہے۔ مگر آج کل بچوں کی ابتدائی تعلیم زیادہ تر ڈسٹرکٹ بورڈ اور میونسپلٹیوں کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے سنگھ کی ایک تجویز یہ ہے کہ "اب ان مقامی اداروں کو بھی اس تجربے کی طرف متوجہ کیا جانا چاہیے اور انھیں اپنے علاقوں میں بنیادی مدرسے کھولنے کے لئے اور استادوں کو اس نئے طریقۂ تعلیم کے لئے تیار کرنے پر راضی کرنا چاہیے۔"

آج تک جن صوبوں میں یہ نیا تجربہ جاری کیا گیا ہے وہاں مقامی اداروں نے ہاتھ بٹایا ہے اس لئے ہم پورا بھروسہ کر سکتے ہیں کہ یہ مقامی ادارے اس تجربے میں دلچسپی لیں گے اور اُسے آگے بڑھانے میں ہماری مدد کریں گے۔

مگر بنیادی تعلیم پھیلانے سے کہیں زیادہ ضروری سوال ہے خود بنیادی تعلیم کی ترقی کا۔ اس نئی تعلیم کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ کسی دستکاری کے ذریعے بچوں کے ذہن کو ترقی دی جائے۔ اس لئے بنیادی تعلیم کی کسی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ مختلف دستکاریوں میں تعلیم دینے کے جو بھید چھپے ہوئے ہیں وہ ڈھونڈھ نکالے جائیں اور ان کو کام میں لایا جائے۔ اس کام میں سنگھ کی مدد کرنے کے لئے کتائی، بنائی، باغبانی اور لکڑی اور گتے کے کام کے جاننے والوں کی ایک کمیٹی بنائی گئی ہے۔ جوں جوں تجربہ بڑھتا جائے گا اور تعلیم کے واسطے کی حیثیت سے نئی نئی دستکاریوں کی کھوج ملتی جائے گی۔ یہ کمیٹی بھی بڑھتی رہے گی۔

ساتھ ہی ساتھ ہمیں ان دستکاریوں کے کچھ ایسے جاننے والے تیار کرنے ہیں جو اس فن کو اچھی طرح جاننے کے ساتھ ساتھ اس کے تعلیمی پہلوؤں کو بھی اچھی طرح سمجھتے ہوں۔ ایسے لوگ تیار کرنے کی آج کل کافی آسانیاں موجود ہیں اس لئے کہ پچھلے بیس سال سے گاندھی جی کی کوششوں سے چرخا سنگھ کے مختلف مرکزوں نے اس کام میں بہت کافی تجربے کئے ہیں۔ خاص طور پر مہاراشٹر چرخا سنگھ میں اس کے فن کو بہت ترقی

ہوئی ہے۔ سنگھ کی ایک تجویز اس سلسلے میں بھی یہ ہے کہ "بنیادی تعلیم کے ٹریننگ اسکولوں میں بنیادی تعلیم کی نگرانی کے لئے خاص ماہروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ مہاراشٹر چرخا سنگھ کے صدر مقام پر ایسے ماہروں کی تیاری کا مناسب انتظام کیا جائے اور جناب شری کرشن داس جاجو سے درخواست کی جائے کہ وہ اس تیاری کے لئے سنگھ کے سامنے ایک اسکیم پیش کریں

یہ اس اسکیم کا تعلیمی پہلو ہے مگر جب تک اس کے انتظام اور مالی پہلو کو اچھی طرح ٹھیک نہ کر لیا جائے اس وقت تک یہ تعلیم کام کی نہیں ہو سکتی خاص سوال مدرسے کی تیار کی ہوئی چیزوں کی کھپت کا ہے۔ اس سلسلے میں سنگھ کی یہ تجویز ہے کہ بنیادی دستکاری کو چھانٹتے وقت اس بات کی پہلے جانچ کر لینی چاہئے کہ اس علاقے میں کس دستکاری کا زیادہ چلن ہے ساتھ ہی یہ خیال بھی رکھنا چاہیے کہ اس دستکاری میں تعلیم دینا کس حد تک ممکن ہے۔ دوسرے ہر صوبے کو ایک ایسا محکمہ قائم کرنا چاہیے جو اس بات کی جانچ کرے کہ کس حلقے کے لئے کونسی دستکاری مناسب ہے گی۔ اس حلقے کا یہ بھی کام ہو کہ مدرسے کی بنی ہوئی چیزوں کی کھپت کا انتظام کرے۔"

ہمارے سامنے ایک ضروری کام اور بھی ہے اور وہ ہے مختلف مرکزوں میں جو کام ہو رہا ہے اسے ایک دھاگے میں پرونا اور اُن سے جو نتیجے نکلیں ان کو ملک کے سامنے رکھنا۔ اس سلسلے میں سنگھ کی تجویز یہ ہے کہ جن صوبوں میں بنیادی تعلیم کا تجربہ ہو رہا ہے ان صوبوں کے افسروں سے درخواست کی جائے کہ وہ دو چار مرکز نمونے کے طور پر چھانٹ لیں اور وہاں خاص انتظام اور نگرانی میں اس تجربے کو چلائیں اور تجربے کے نتیجوں کو ملک کے سامنے رکھیں۔"

اس مقصد کو حاصل کرنے کی ایک اور ترکیب یہ ہے کہ بنیادی تعلیم کے سب کام کرنے والے سال میں ایک مرتبہ آپس میں ملیں اپنے اپنے تجربوں پر ~~سوچ بچار~~ کریں اور اس کی بنیاد پر آئندہ کا پروگرام طے کریں۔ بنیادی تعلیم کی پہلی کانفرنس پونا میں ہوئی تھی لیکن اس زمانے میں ملک کے اندر اور باہر کی حالت ٹھیک نہ ہونے کے سبب سے اس تجربے کے تعلیمی پہلوؤں پر جتنا چاہیئے تھا اتنا ~~سوچ بچار~~ نہ ہو سکا اور بہت سے سوالوں پر تو غور کرنے کا وقت تک نہیں ملا۔ اس سال بنیادی تعلیم کی دوسری کانفرنس الہ آباد بیسک ٹریننگ کالج کے صدر اور بنیادی تعلیم کے خاص افسر ڈاکٹر خان صاحب نے الہ آباد میں بلائی ہے۔ سنگھ نے اس دعوت کو خوشی کے ساتھ منظور کیا ہے۔ امید ہے کہ کچھ زیادہ وقت دے کر ہم اس سال بنیادی تعلیم کے عملی سوالوں پر ایک ساتھ بیٹھ کر ~~سوچ بچار کر سکیں گے~~ سوچ سکیں گے۔

اس تعلیمی تجربے کے نتیجوں کو جمع کرنے اور انھیں عام لوگوں کے سامنے پیش کرنے کا ذریعہ نمائش ہے۔ آج تک اس قسم کی تین تعلیمی نمائشوں کا انتظام کیا جا چکا ہے۔ پونا میں بنیادی تعلیم کی کانفرنس کے موقع پر اور تری پوری اور رام گڑھ میں کانگریس کی کھادی اور دیہاتی صنعتوں کی نمائش کے ساتھ۔ ان تین نمائشوں کے تجربے سے اثر لے کر سنگھ نے یہ تجویز منظور کی ہے کہ جامعہ نگر دہلی میں بنیادی تعلیم کی ایک مستقل نمائش قائم کی جائے اور اس کے علاوہ موقعے موقعے پر بنیادی تعلیم کی کانفرنس اور کانگریس کی کھادی اور دیہاتی صنعت کی نمائشوں کے ساتھ بنیادی تعلیم کی نمائش کا بھی بندوبست کیا جایا کرے۔

ہم بنیادی تعلیم کے تجربے کے تیسرے سال میں قدم رکھ رہے ہیں۔ ہمیں بھروسہ ہے کہ اس سال ہم اس تعلیم کے تجربے کو اور زیادہ پھیلائیں گے۔ یہی نہیں بلکہ اس کے سامنے جو تعلیمی مقصد ہے اس کی طرف بھی قدم آگے بڑھائیں گے مگر اس کے لئے دو باتیں بہت ضروری ہیں۔ ایک تو یہ کہ جتنے ادارے اور جتنے کام کرنے والے آج اس تجربے میں حصہ لے رہے ہیں وہ سنگھ کا پورا پورا ساتھ دیں اور دوسرے یہ کہ نئے ادارے اور نئے کام کرنے والے اس کی ذمہ داری لینے کے لئے آگے آجائیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ ہماری یہ اپیل سنی جائے گی اور اس تیسرے سال میں یہ نئی تعلیم ایک قدم اور آگے بڑھ جائے گی۔

بنیادی تعلیم کا ایک تجربہ

بنیادی تعلیم کے استادوں سے نئی تعلیم کے صفحوں میں یہ درخواست کی گئی تھی کہ "نئی تعلیم" ان کا اپنا رسالہ ہے۔ اس کا وہ پورا استعمال کریں۔ اس کے ذریعے وہ اپنا تجربہ دوسرے استادوں تک پہنچا سکتے ہیں، اپنی دقتیں اور مشکلیں پیش کر سکتے ہیں اور ایک دوسرے کی مشکلیں حل کرنے میں مدد دے سکتے ہیں۔ ہم بہت خوشی کے ساتھ بھائی بلدیو سنگھ جی کا مضمون یہاں چھاپ رہے ہیں اور اُمید کرتے ہیں کہ دوسرے استاد بھی اپنے اپنے تجربے اسی طرح لکھ کر ہمیں بھیجتے رہیں گے۔

مدیر

رام گڑھ کے موقع پر جو بنیادی کلاس کھولا گیا تھا اور جسے تین مہینے تک چلانے کا مجھے موقع ملا ہے اس کا کچھ تجربہ ایک استاد ہونے کی حیثیت سے مختصر طور پر پیش کر رہا ہوں۔

پڑھائی کی نمائش کے لیے مڈل اسکول کی پہلی جماعت اور انفنٹ کلاس کے بچے لئے گئے تھے۔ ان بچوں کو تعلیم دینے کے لئے برندابن (بیتیا) کے سرکاری بیسک اسکول سے دو استاد بھیجے گئے تھے جن میں ایک میں تھا اور دوسرے بابو نند کشور جی تھے۔ اسکول کا سارا سامان پٹنہ ٹریننگ اسکول سے ملا تھا۔ کلاس کا باقاعدہ کام ۱۷ جنوری ۱۹۴۰ء سے شروع ہوا۔ پہلے دن جب میں نے جماعت کو پڑھایا تو بچوں کی کل تعداد ۷ تھی مگر دوسرے دن سے تعداد بڑھنے لگی۔ ایک ہفتے کے اندر ۲۰، ۲۲ لڑکے مدرسے آنے لگے۔ دلچسپی بڑھنے کا سبب یہ ہوا کہ وہاں پہنچنے پر ہم لوگوں نے ان بچوں کے درمیان نئے نئے کھیل، گانے، کہانیاں اور ناٹک شروع کئے۔ مگر سب سے زیادہ دلچسپی کی چیز ان کے لئے لکڑی کی پھرکی تھی جسے نچانے میں انھیں بڑا مزا آتا تھا۔

بعد میں میں نے انھیں تکلی نچانے کے لئے دی۔ تکلی نچانے میں انھیں کچھ مشکل پیش آتی تھی اس لئے بیچ بیچ میں وہ لکڑی کی گھرنی نچانے کے لئے مانگتے تھے۔ مگر جب انھیں تکلی نچانے کی مشق ہوگئی تو پھر وہ تکلی ہی کو نچا کر بے حد خوش ہونے لگے۔ ایک دن میں نے ان کے سامنے تکلی پر سوت کاتنا شروع کیا۔ یہ دیکھ کر ان کے دل میں بھی کچھ شوق پیدا ہوا اور انھوں نے بھی سوت کاتنے کی خواہش ظاہر کی۔ جب تک تکلی سیدھی رہ کر ایک جگہ کافی دیر تک ناچتی نہیں رہے گی تب تک اس سے سوت نہیں نکل سکتا۔ اس لئے بچوں کو چاہیے کہ پہلے وہ تکلی نچانے کی خوب مشق کرلیں ہم لوگوں کی مدد سے کچھ لڑکوں نے تھوڑا سا سوت کاتا۔ ان کا سوت بہت اچھا نکلا۔ بعد کو آہستہ آہستہ سبھی لڑکوں نے سوت کاتنا شروع کر دیا۔ مگر تین چار چھوٹے بچوں نے کافی محنت کرنے کے باوجود دوسرے لڑکوں جیسا سوت کاتنا نہیں سیکھا۔ پڑھنے لکھنے میں بھی یہ لڑکے کسی قدر کمزور تھے۔

۱۱ فروری کو بابو انوگرہ نرائن سنگھ جی نے جو بہار کے وزیر مال رہ چکے ہیں کلاس کو شروع کیا۔ اس سے پہلے یہاں کے لوگوں کو اس کے بارے میں بہت کم باتیں معلوم تھیں مگر اس جلسے کے بعد یہ خبر ہر طرف پھیل گئی، یہاں تک کہ اکثر آس پاس کے لوگ یہ پڑھائی دیکھنے آنے لگے۔ اس پڑھائی کا چونکہ بچوں کے رہن سہن، بول چال، اٹھنے بیٹھنے، جواب کے ڈھنگ سبھی چیزوں پر پڑا تھا اور استاد کے سامنے نڈر رہنے اور ہمیشہ خوش رہنے کی عادت آگئی تھی، اس لئے لوگ تعلیم کے اس طریقے کو بہت پسند کرنے لگے تھے۔ دیکھنے والے خاص طور پر اس بات سے بہت دلچسپی لیتے تھے اور خوش ہوتے تھے کہ بچے دستکاری کے کام میں جی لگاتے ہیں اور انھیں اس کام کو کرنے میں بڑی خوشی معلوم ہوتی ہے اور وہ اکتانے کا نام بھی نہیں لیتے تھے۔

بنیادی کلاس چلانے کے سلسلے میں رام گڑھ مڈل اسکول کے احاطے میں ایک باغیچہ بھی تیار کرایا گیا تھا۔ بنیادی کلاس کے بچے اسی باغ میں پھول پتی کا کام کرتے تھے۔ ۱۴ مارچ کو گاندھی جی نے رام گڑھ کی نمائش کھولی۔ اس موقع پر بنیادی کلاس کے بچوں کو بنیادی تعلیم کی نمائش میں لے جا کر گاندھی جی کے سامنے اُن کی پڑھائی کی نمائش کی گئی۔ دوسرے دن سے بنیادی تعلیم کی نمائش گاہ ہی میں دونوں وقت کلاس ہونے لگا۔

کانگریس کے اجلاس کے بعد ہم لوگوں کا کام قریب قریب ختم ہی ہوگیا تھا مگر پھر بھی اس بنیادی کلاس کو برابر چلانے کا ذمہ ہزاری باغ ضلع بورڈ نے لے لیا۔ اس لئے ہم لوگوں کو وہاں کچھ روز کے لئے اور ٹھہر جانا پڑا۔ آج کل ہمارے ایک ساتھی کٹ دھاری سنگھ جی اب تک اس کلاس کو چلا رہے ہیں۔

رام گڑھ مڈل اسکول میں بنیادی تعلیم چلانے کے سلسلے میں میرا یہ تجربہ رہا کہ اگر اس طرح مڈل اسکولوں میں بنیادی کلاس کھولے جائیں تو وہاں کسی خاص دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ وہاں تو صرف دستکاری کے سامان اور استاد کی ضرورت ہوگی۔ صرف اسی سے وہاں کا کام اچھے ڈھنگ سے چلایا جا سکے گا۔

۷ جنوری سنہ ۴۰ء سے ۲۷ مارچ سنہ ۴۰ء تک ان چھوٹے چھوٹے بچوں کی دستکاری میں جس رفتار سے ترقی ہوئی ہے اس کا ایک نقشہ بھی نیچے دیا جا رہا ہے۔

بلدیو سنگھ

ماہ	نمبر	کس فی صدی	آدھ گھنٹے کی اوسط رفتار تاروں میں	پچھلے ماہ کی رفتار کے مقابلے میں رفتار کا اوسط	چھیجن فی صدی	کیفیت
جنوری	۱۰	۳۵	×	×	۵۰ فی صدی	
فروری	۱۲	۴۵	۱۸	۳۶ فی صدی	۱۴ فی صدی	نوساری کی پونی کام میں لائی گئی تھی۔
مارچ	۱۱	۵۰	۲۵	۵۰ فی صدی	۸ فی صدی	

ایک مشکل

یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ ہندستانی تعلیمی سنگھ کا سارا کام جہاں تک ہو سکے، ہندستانی میں ہو۔ سنگھ جو کتاب یا ادب شائع کرے، اس کی زبان بھی ہندستانی ہو۔ ہندستانی کی جانچ تو یہ مانی گئی ہے کہ وہ ناگری اور اردو دونوں حرفوں میں بغیر کسی ادل بدل کے لکھا جا سکے اور جسے ہندی اور اردو دونوں زبانوں کے جاننے والے آسانی سے سمجھ سکیں۔ لیکن یہ کام بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ جہاں تک معمولی بول چال کے لفظوں کا تعلق ہے، یہ بات بہت آسان ہے۔ مگر اصطلاحی (Technical) لفظوں کے لئے بہت دقتیں پیش آتی ہیں۔ انگریزی کے زیادہ تر اصطلاحی لفظ ایسے ہیں کہ ان کا ٹھیک ٹھیک مطلب ظاہر کرنے کے لئے ہماری زبان میں لفظ نہیں ہیں، نہ ہندی میں اور نہ اردو میں۔ ان کے لئے یا تو ٹھیٹھ سنسکرت یا ٹھیٹھ عربی کے لفظ استعمال کرنے پڑتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان ٹھیٹھ سنسکرت اور عربی کے لفظوں سے کس طرح بچا جائے؟ Syllabus کے لئے یا تو پاٹھیہ کرم لکھیں یا پھر نصاب، Specialist کے لئے وشے تگیہ یا ماہر، Student کو ودیارتھی کہیں یا طالب علم، Literature کا مطلب ساہتیہ کہہ کر ظاہر کریں یا ادب کہہ کر، Culture کے لئے سمسکرتی کو صحیح سمجھا جائے یا تمدن کو، Democracy کے لئے لوک تنتر کا لفظ لائیں یا جمہوریت کا، اسی طرح کے بیسیوں سوال پیدا ہوتے ہیں جن کا حل کرنا بہت مشکل ہے۔ پھر انگریزی کے بہت سے لفظ ایسے ہیں جن کے مطلب میں کچھ نہ کچھ فرق ہوتا ہے مگر ان کے لئے ہمارے یہاں ایک ہی لفظ ہیں؛

مثلاً Result اور Conclusion کے لئے ہمیں نتیجہ یا نتیجے کا لفظ استعمال کرنا پڑتا ہے۔ تیسری شکل یہ ہے کہ بہت سے ایسے لفظ بھی ہیں جن کے برابر کا لفظ ہی کوئی نہیں ملتا۔ Technique کو کس لفظ سے ظاہر کریں؟ Demonstration Lesson کو کس قسم کا سبق کہا جائے؟ Period کیا چیز ہے؟ یہ سب لفظ ایسے ہیں جو اکثر و بیشتر استعمال کئے جاتے ہیں، عام لفظوں کا تو خیر ذکر ہی کیا ہے۔

اب اس مشکل کا کیا علاج کیا جائے؟ بعض عالم تو یہ کہتے ہیں کہ انگریزی کے بہت سے لفظ اس طرح چل گئے ہیں کہ اگر وہ ویسے کے ویسے ہی بولے جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے، مثلاً اسکول کو کون نہیں جانتا، بلکہ شاید ودیالے کو بہت سے لوگ نہ سمجھیں۔ اسکیم بھی کافی حد تک استعمال میں آتا ہے۔ بنگلہ میں "ٹکنیک" کے لفظ کا استعمال ہونے ہی لگا ہے۔ ناٹکوں اور ناولوں کے "پلاٹ" کا لفظ سب سمجھتے ہیں اور ٹریننگ اسکول کو عام طور پر سب لوگ اسی نام سے جانتے ہیں۔ یہ خیال بھی اپنی جگہ پر ٹھیک ہے اور خاص طور پر سائنس سے تعلق رکھنے والے لفظوں کے لئے تو یہ قاعدہ مان بھی لیا جانا چاہئے۔ لیکن اس سے ہمارا پورا پورا کام نہیں چلتا۔ ہمیں تو بہت سے اصطلاحی لفظ خود بنانے پڑیں گے ورنہ ہماری زبان ہندستانی کی جگہ انگلستانی بن جائے گی۔ آجکل بھی اگر دو انگریزی جاننے والوں کے ساتھ ایک انگریزی نہ جاننے والا جاکر بیٹھ جائے تو وہ ان کی ۵۰ فی صدی باتیں نہیں سمجھ سکے گا۔ اس طریقے کو روکنا چاہئے۔ لیکن یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب ہندوستان کے عالم مل بیٹھیں اور اس سوال پر نہایت سنجیدگی سے غور کریں اور ہندستانی زبان کا ڈھانچہ بنانے کی کوشش کریں۔ یوں ہی بیٹھے بٹھائے کسی نئی زبان کی ایجاد کر دینا ناممکن ہے اور نہ یہی ممکن ہے کہ زبان کو کسی ایک گھیرے میں بند کر دیا جائے۔ کچھ آسان قاعدے تو بنائے ہی جا سکتے ہیں۔

ہم نئی تعلیم کے پڑھنے والوں سے درخواست کرتے ہیں کہ اس بارے میں ان کا جو خیال ہو وہ ہمیں لکھ بھیجیں۔

چندر گپت بانٹے

بنیادی دستکاری کیسے سکھائی جائے؟

گتّے اور لکڑی کے کام کا ایک تجربہ

آج دو سال سے ہم دستکاری کے ذریعے تعلیم دینے کا تجربہ کر رہے ہیں۔ یہ تجربہ زیادہ جگہوں میں کتائی ہی کے ذریعے ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ اسے سکھانے کے لئے ایک طریقہ اور کچھ لکھنے پڑھنے کا سامان بھی تیار ہو چکا ہے۔

آج وردھا کے ودیا مندر ٹریننگ اسکول اور ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ میں ایک اور دستکاری یعنی لکڑی اور گتّے کے کام کو بنیادی دستکاری بنا کر تعلیم دینے کا تجربہ ہو رہا ہے۔ میں یہاں ایک استاد ہونے کی حیثیت سے اسی نئے تجربے کا تھوڑا سا حال دوسرے استادوں کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ پچھلے دو برس سے اس نئی تعلیم کا کام کرنے سے مجھے یہ تجربہ ہوا ہے کہ ہاتھ کے کام کے ذریعے تعلیم دینے کا اصول تو سب لوگوں نے مان لیا ہے مگر ابھی یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی ہے کہ دستکاری کو تعلیم کا ذریعہ بنا کر اسے کیسے سکھایا جائے۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات بھی نہیں ہے اس لئے کہ تعلیم کے اس نئے تجربے میں ہمارے سامنے کوئی صاف کیا ہوا راستہ نہیں ہے جس پر ہم چل سکیں۔ ہمیں تو ہر قدم پر اپنے لئے خود ہی راستہ تیار کرکے اس پر چلنا ہے اور اس سلسلے میں یہ بات بہت ضروری ہے کہ ہم جتنے استاد اس تجربے میں کام کر رہے ہیں، ایک دوسرے کے تجربے سے فائدہ اٹھائیں اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کریں۔

جولائی سنہ ۱۹۳۹ء میں صوبۂ وسطیٰ میں نارمل اسکول کے استادوں کو اس نئی تعلیم کے اصولوں اور پڑھائی کے کام کی تعلیم دینے کے لئے وردھا میں ودیا مندر ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ کے نام سے ایک ٹریننگ کالج کھولا گیا اور کتائی اور لکڑی کے کام کو بنیادی دستکاری مان کر جولائی سنہ ۱۹۳۹ء سے اپریل سنہ ۱۹۴۰ء تک دس مہینے کا ایک کورس جاری کیا گیا۔

یہاں یہ بات کہہ دینا ضروری ہے کہ گتّے کا کام کوئی الگ دستکاری نہیں ہے بلکہ لکڑی اور دھات کے کام کے لئے آگے چلنے کا ایک راستہ ہے۔ اس لئے ان دس مہینوں میں پچھلے پانچ مہینے گتّے کا کام کرا کے باقی پانچ مہینوں میں کام کل ۱۲ دن اور ۱۰۰ گھنٹے ہوا۔ پڑھنے والوں کی تعداد ۲۵ تھی۔ کل ۱۰۷ نمونے تیار کئے گئے۔ ان نمونوں کی تیاری کے سلسلے میں کل ۶۰ روپیوں کا سامان خرچ ہوا اور آمدنی ۱۰۲ روپیوں کی ہوئی۔

پڑھائی کے لحاظ سے دیکھا جائے تو گتّے کا کام سکھانے کے لئے پانچ مہینے کافی نہیں تھے۔ پھر بھی اس کم مدت میں اس دستکاری کے سلسلے میں نیچے لکھی ہوئی باتیں سکھانے کی کوشش کی گئی:-

(ا) دستکاری کا عملی کام (درجہ وار نمونوں کی تیاری)

(ب) عملی کام کا باقاعدہ ریکارڈ تیار کرنا۔

(ج) تعلیم کے ذریعے کی حیثیت سے دستکاری سکھانے کے بنیادی اصول۔

(د) دستکاری کے ساتھ ساتھ دوسرے مضمون بچوں کو کس طرح سکھائے جائیں؟

جن ۲۴ طالب علم استادوں نے گتّے کے کام کا تین مہینوں والا کورس پورا کر لیا تھا انھیں پہلی دسمبر سے پانچ مہینوں تک لکڑی کے کام کا دوسرا کورس شروع کرایا گیا۔ ان طالب علموں کو کام کے لئے ۸۱ دن اور کام کے صرف ۲۰۴ گھنٹے ملے تھے۔ اس مدت میں انھوں نے ۴۴۶ نمونے پورے کئے اور ۱۸ نمونے ادھورے رہ گئے۔ ان نمونوں کے لئے ۵۸ روپیے سامان پر خرچ ہوئے اور اُس زمانے میں بازار کا جو بھاؤ تھا،

اس کے حساب سے ان کی قیمت کا اندازہ ۵ ۲ ۲ روپیے مانا جاسکتا ہے۔

ان پانچ مہینوں میں لکڑی کے کام کی پوری تعلیم دینا ممکن نہیں تھا، لیکن پھر بھی عملی کام کے ساتھ انھیں نیچے لکھی ہوئی باتوں کی تعلیم دینے کی کوشش کی گئی۔

(۱) عملی کام (درجہ وار نمونوں کو تیار کرنا۔
(۲) عملی کام کا سائنٹفک طور پر ریکارڈ رکھنا۔
(۳) بنیادی دستکاری کا طریقہ
(۴) دستکاری اور فن کا تعلق۔
(۵) ایک ساتھ مل کر کام کرنے کا تجربہ۔

اوپر جو تفصیل دی گئی ہے اُس سے ظاہر ہے کہ کسی بھی دستکاری کا صرف عملی کام سکھا دینے سے اس نئی تعلیم کا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہمیں دستکاری کو ایک نئے طریقے سے دیکھنا ہوگا اور اس کے سکھانے کے طریقے میں علمی طریقے سے ترقی حاصل کرنی ہوگی۔ میرے خیال میں دستکاری سکھانے کا جو سب سے اچھا طریقہ ہے اور پچھلے دو برسوں میں میں نے جس کو برتا ہے، اس کا تھوڑا سا حال میں استادوں کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔

بنیادی دستکاری کی تعلیم میں کوئی بھی نیا نمونہ شروع کرنے سے پہلے استاد کو چاہیئے کہ طالب علموں کے سامنے اس کے بارے میں تھوڑی بہت باتیں بتائے۔ گتے یا لکڑی کا کوئی تیار کیا ہوا نمونہ اُنھیں دکھایا جائے" اس کا استعمال اور اس کے فائدے سمجھائے جائیں اور یہ بتایا جائے کہ اگر ایک طالب علم اُسے تیار کرے تو کتنا وقت اور کتنا سامان لگے گا، اور پوری جماعت مل کر تیار کرے تو کتنا وقت اور کتنا سامان لگے گا۔ پھر یہ کہ کس طریقے سے کام کرنے سے کم سے کم محنت اور سامان خرچ ہوگا۔ اس طرح اس نمونے کی تیاری میں پوری باتیں بتا دینے کے بعد اس کو بنانے کی ایک اسکیم پہلے تیار کرلی جائے اور پھر اُسی اسکیم کو سامنے رکھ کر کام شروع کیا جائے۔ اس نئی تعلیمی اسکیم کی یہ ایک نہایت ضروری بات ہے کہ کام شروع کرنے سے پہلے اُس کا ایک نقشہ تیار کرلیا جائے۔

دستکاری کا عملی کام سکھاتے وقت بھی ہر وقت طالب علم کا دھیان اس بات کی طرف لگائے رکھنا چاہیئے کہ کس طریقے سے کام کرنے سے نمونے کی تیاری میں کم سے کم سامان اور کم سے کم محنت خرچ ہوگی، اس لئے کہ ہمیں تو صرف کاریگر تیار نہیں کرنے ہیں بلکہ دستکاری کے ذریعے طالب علموں میں علم کی سچی لگن پیدا کرنی ہے۔ لگن پیدا کرنے کے لئے ان باتوں کا دھیان رکھنا بہت ضروری ہے۔ پہلے سے کام کا نقشہ تیار کرکے کام کرنے سے ان تمام باتوں کی مشق ہوتی ہے جو اس نئی تعلیمی اسکیم کی جان ہیں، جیسے سامان اور اوزاروں کو اچھی طرح سے سمجھنا، ٹھیک ٹھیک حساب لگانا، سلیقے اور ہوشیاری سے ان کا برتنا۔ ایک دوسرے سے مل کر کام کرنے کی عادت یہ سب باتیں کام کے نقشے اور اسکیم کی تیاری میں آجاتی ہیں اور ان کی خوب مشق ہوجاتی ہے۔

دستکاری کی تعلیم میں ایک اور بات جو بہت ضروری ہے یہ ہے کہ کام کو پورا کرکے اس کے بارے میں پورا پورا ریکارڈ رکھنے کی عادت پیدا ہو۔ ہمارے دیس میں یہ بات ہمیشہ سے چلی آرہی ہے کہ جن لوگوں کے ہاتھ کام کرتے ہیں، ان کا دماغ کام نہیں کرتا۔ جو دستکار اور کاریگر ہیں، وہ زبان کی طرف سے کورے ہیں، وہ جو کچھ کرتے ہیں اُسے زبان سے بتا نہیں سکتے اور نہ کسی دوسرے کو اس کے بارے میں کچھ سمجھا سکتے ہیں۔ دستکاری کے کام کا ریکارڈ تو اتنا صاف ہونا چاہیئے کہ جس طرح گانوں کے نقشے کو دیکھ کر دیکھنے والا راگ کا پتہ چلا لیتا ہے اسی طرح ریکارڈ کے نقشے کو ایک دفعہ دیکھ کر پورے کام کی تصویر ہمارے سامنے آجانی چاہیئے۔

اس لئے دستکاری کی تعلیم میں جو کام بھی بنیادی دستکاری کے طور پر سکھایا جائے، اس کی تفصیل یا نقشہ تیار کرنا تعلیم کا ایک بہت ضروری حصہ ہونا چاہیئے اور اس کی طالب علم کو نہایت ہوشیاری سے مشق کرانی چاہیئے۔ طالب علموں کو ریکارڈ رکھنے کی مشق تین طریقوں سے کرانی چاہیئے، ایک تو زبانی، دوسرے لکھ کر اور تیسرے گراف اور تصویروں کے ذریعے۔ کام پورا ہوجانے کے بعد استاد کو چاہیئے کہ وہ تمام طالب علموں سے ایک ساتھ اپنے اپنے کام کا زبانی حال سنا لے کو کہے۔ اس کے بعد ہر طالب علم اپنی نوٹ بک میں اس کا ریکارڈ تیار کرے۔ اس ریکارڈ میں نیچے لکھی ہوئی باتیں ضرور ہونی چاہئیں۔

تاریخ، کام کی کل مدت (گھنٹے اور منٹ میں)، نمونے کا نام، اس کا حال اور اس کا فائدہ، ضروری کچا مال اور اس کی کیفیت، ضروری اوزار اور ان کا کام، کام کے آسان عمل، ان کاموں کے ذریعے جو مضمون پڑھائے گئے ہوں یا سکھائے جاسکتے ہوں اُن کا نام۔ اس کے علاوہ ہر طالب علم کو چاہیئے کہ وہ اپنے کام کا گراف اور خاکے تیار کرے۔

دستکاری کا عملی کام پورا ہونے کے بعد یا جہاں مضمونوں کے پڑھانے میں اس کا تعلق آئے، اس کے ساتھ ساتھ استاد اور طالب علم دونوں کو مل کر اس چیز پر دھیان دینا چاہیئے کہ اس دستکاری کا علم سے کہاں تک لگاؤ ہے۔ اسی چیز کا نام رکھا گیا ہے "کوری لیشن" یا ربط، اور بنیادی تعلیم میں یہی اصول سب سے مشکل مانا جاتا ہے۔ مگر جو استاد اپنی دستکاری کو اچھی طرح سے جانتا ہے، اس کے لئے یہاں بھی کوئی مشکل نہیں ہونی چاہیئے، اس لئے کہ بچوں کو علم سکھانے کا یہی سب سے آسان اور قدرتی طریقہ ہے۔

اس سوال پر کہ تعلیم کے واسطے کی حیثیت سے کوئی دستکاری کس طرح سکھائی جائے، میں نے اپنے تجربے کی بنیاد پر استادوں کے سامنے چند تجویزیں سوچ بچار کے لئے رکھی ہیں۔ اُمید ہے کہ اس سوال کو حل کرنے کی کوشش میں دوسرے استاد بھی اپنی اپنی رائیں دے کر میرا ہاتھ بٹائیں گے۔

کملیشور سنہا صاحب

بنیادی تعلیم کے ہفتے کی دھوم

اس نئی تعلیمی اسکیم کا عام لوگوں میں پھیلانا بھی بنیادی تعلیم کے تجربے کی ایک ضروری کڑی ہے۔ صوبۂ متحدہ میں ابتدائی مدرسوں کے جو سات ریفریشر ٹریننگ سینٹر کھولے گئے تھے، ان میں ایک سینٹر آگرہ بیک سینٹر بھی ہے۔ اپریل کے مہینے میں اس ٹریننگ سینٹر سے استادوں

کے چار گروہ تیار ہو کر نکل چکے ہیں گویا ایک سال کا کام پورا ہو گیا۔ اس موقع پر بنیادی تعلیم کے کام کرنے والوں نے بنیادی تعلیم کے پھیلانے کے لئے اور لوگوں کو اپنے کام کا حال دکھانے کے لئے بنیادی تعلیم کا ایک ہفتہ منانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس ہفتے میں ہر روز ایک بنیادی دستکاری کی نمائش کی گئی اور ساتھ ہی ساتھ لکچروں کے ذریعے یہ بھی بتایا گیا کہ بنیادی دستکاریوں کے ذریعے مختلف مضمون کیسے پڑھائے جا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس تعلیمی اسکیم کے دوسرے ضروری پہلوؤں کو بھی سمجھانے کی کوشش کی گئی۔

بنیادی تعلیم کے پرچار کے لحاظ سے اور عوام کو اس تعلیمی اسکیم کی صحیح پہچان کرانے میں یہ ہفتہ بہت بڑی حد تک کامیاب رہا۔ عوام نے اس کے پروگرام میں دلچسپی لی اور ہر روز بہت کافی تعداد میں لوگ دیکھنے بھی آئے۔ بنیادی تعلیم کے تجربے کے سلسلے میں جو لوگ دلچسپی لیتے ہیں، اُن کے لئے اگر اس ہفتے کا تھوڑا سا حال چھاپ دیا جائے تو شاید نامناسب نہ ہوگا۔

بنیادی تعلیمی ہفتے میں تین دن تک گتے کا کام، کتائی بنائی اور باغبانی کی دستکاریوں کی نمائش کی گئی۔ گتے کے کام کے دن گتے کے نمونے (ماڈل)، ابری کاغذ (مارბل پیپر) اور ردی کاغذ سے دفتی بنانے کی نمائش ہوئی۔ اس مہنگائی کے زمانے میں آخری نمائش خاص طور پر بہت اہم تھی۔ اس کے علاوہ گتے کے کام کے استاد نے لوگوں کو اس دستکاری کے فائدے اور اس کے استعمال بتائے اور اسی سلسلے میں یہ بھی بتایا کہ دوسرے مضمونوں کے ساتھ اس دستکاری کا ربط کیسے پیدا کیا جا سکتا ہے۔ ایک استاد نے لڑکوں کو ایک "نمونے کا سبق" پڑھایا اور مشاہدے کے ذریعے لوگوں کو دکھایا کہ گتے کے کام کے ذریعے سے تعلیم کس طرح دی جا سکتی ہے۔ آخر میں اس ٹریننگ سینٹر کے صدر نے اپنی رپورٹ سنائی اور بتایا کہ ٹریننگ سینٹر میں گتے کی جو چیزیں تیار ہوئی تھیں وہ اچھے داموں اور خاصی تعداد میں بک گئیں۔

اسی طرح کتائی کی دستکاری کی نمائش کے دن تکلی، دیسی چرخے اور یرودا کے چرخے پر استادوں اور بچوں کی کتائی اور نواڑ اور قالین کی بنائی کی نمائش ہوئی۔ تکلی پر استادوں نے جو گیت لکھے تھے وہ سنائے اور "کتائی کی اہمیت اور تعلیم سے اس کا ربط" کے عنوان سے ایک لکچر ہوا۔ آخر میں کتائی اور بنائی کی دستکاری کے افسر نے اپنی رپورٹ پڑھ کر سنائی اور بتایا کہ سنٹر میں جتنا سوت کاتا گیا اُس کی کھپت کپڑے، قالین، دری، نواڑ وغیرہ کی بنائی میں ہوئی اور استادوں کی کتائی کی رفتار فی گھنٹہ ۳۰۰ گز تک پہنچ گئی تھی۔

باغبانی کی نمائش کے دن بچوں نے ہار اور گلدستے بنانے کی نمائش کی اور ۵۰ استادوں کو اپنے ہاتھ کے پیدا کئے ہوئے پھولوں کے بیج بانٹے گئے۔ "باغبانی" اور "شہد کی مکھیاں پالنے" پر لکچر ہوئے اور باغبانی کے افسر نے اپنی رپورٹ میں بتایا کہ باغبانی کے پروگرام میں ترکاریاں پیدا کرنے کی طرف خاص طور پر دھیان دیا گیا تھا۔

ان تین دستکاریوں کے دن منانے کے علاوہ اس نئی تعلیم کے دوسرے پہلوؤں کی طرف بھی لوگوں کو دھیان دلایا گیا اور اس سلسلے میں ایک "تندرستی قائم رکھنے کا دن"، ایک "فن اور آرٹ" کا دن، اور ایک "ہندستانی" دن منایا گیا۔ "تندرستی قائم رکھنے" کے دن کے موقعے پر بچوں کی تندرستی کو دیکھا گیا، اُن کے ناخن کاٹے گئے، جن بچوں کے کپڑے گندے تھے، اُن کے کپڑوں کو استادوں کی نگرانی میں صاف کیا گیا، بچوں کو نہلایا گیا اور صابن تقسیم کئے گئے۔ اس کے علاوہ بچوں اور استادوں کے درمیان لاٹھی اور تلوار کے کھیل اور ڈرل وغیرہ کی بھی نمائش ہوئی۔ آخر میں جلسے کے صدر نے ایک تقریر میں سمجھایا کہ بچوں کی تعلیم میں جسمانی تعلیم کتنی ضروری ہے۔

"فن اور آرٹ" کے دن کے موقعے پر بچوں اور استادوں نے مل کر جلسے کے پنڈال کو خوب سجایا۔ استادوں نے تصویر کشی، مٹی کے کام اور کاغذ کو تراشنے کی نمائش بڑی خوبی سے کی مگر سب سے زیادہ اچھی نمائش بچوں کے آرٹ کی رہی جس میں ان کی اپنی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔ تصویر کھینچنے کے لئے بچوں کے قد کے مطابق بانس کے اسٹینڈ اور ملتانی مٹی سے پتی ہوئی تختیاں بنائی گئیں۔ بچوں نے کھجور کی ٹہنی سے بنے ہوئے برش سے کھڑے ہو کر اپنے اپنے جی سے تصویریں بنائیں اور ساتھ ساتھ اس بات کا دھیان رکھا گیا کہ ہر بچہ تصویر بناتے وقت اپنے پورے ہاتھ کو آزادی کے ساتھ چلا سکے۔ اس نمائش میں یہ بات خاص طور پر دکھائی گئی تھی کہ آرٹ کی تعلیم دینے کے لئے کسی قیمتی اوزار یا مہنگے سامان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ معمولی دیہاتی اوزار اور سامان کے ذریعے بچوں کو اچھی سے اچھی اور اونچی سے اونچی آرٹ کی تعلیم دی جا سکتی ہے۔ آخر میں "آرٹ کی اہمیت" کے عنوان سے ایک لکچر بھی دیا گیا۔

ہندستانی کے دن کے روز بحث مباحثہ، مشاعرہ اور ناٹک کا پروگرام تھا۔ آخری روز بنیادی تعلیم پر عام بات چیت اور تقریریں ہوئیں۔

ہمارا تجربہ یہ رہا ہے کہ بنیادی تعلیم کے اس پروگرام سے لوگوں کو اس نئی تعلیمی اسکیم کی خوب پہچان ہو گئی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اس اسکیم سے انھیں دلچسپی اور ہمدردی بھی پیدا ہو گئی۔ بنیادی تعلیم کے دوسرے کام کرنے والوں سے میری یہ درخواست ہے کہ وہ بنیادی تعلیم کے لوگوں میں پھیلانے کو بھی اپنا ہی ایک کام سمجھیں اور اپنے اپنے اداروں سے لوگوں کی ہمدردی اور لگاؤ بڑھانے کی کوشش کریں۔

جناب ن۔ م بشرما،
افسر انچارج،
سرکاری بنیادی تعلیم کا مرکز،
آگرہ۔

چرخے کی پتلی ڈوری

یرودا چرخے میں دو ڈوریاں ہوتی ہیں، ایک موٹی اور ایک پتلی۔ موٹی ڈوری کے ذریعے بڑے پہیے سے چھوٹے پہیے کی گھرّی پر اور پتلی ڈوری

کے ذریعے چھوٹے پہیئے سے تکوے کی گھرنی پر چال کو ایک سا بنانے کا کام لیا جاتا ہے۔ جیسے چرخے میں تانت بہت خاص چیز ہوتی ہے اسی طرح چرخے میں یہ ڈوریاں بھی بہت خاص چیز ہوتی ہیں۔ انھیں ضرورت سے زیادہ ڈھیلا یا بہت تنا ہوا رکھنے سے کتائی کی چال پر فوراً اثر پڑتا ہے۔ موٹی ڈوری جب ایک بار ٹھیک لگ جاتی ہے تو اس کی طرف دھیان دینا ضروری نہیں ہوتا مگر پتلی ڈوری بہت جلد ٹوٹ جاتی ہے اور خراب ہو جاتی ہے اور اسی لئے اُسے بار بار بدلنا پڑتا ہے۔ اس لئے ہر کاتنے والے کو پتلی ڈوری بنانے میں ہوشیار ہونا چاہیئے۔ کاتنا سیکھنے سے پہلے ہی اگر کاتنے والے ڈوری بنانا سیکھ لیں تو بہت اچھا ہو نہیں تو ڈوری کے ٹوٹتے ہی اُنھیں دوسروں کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

مگر بہت سے کاتنے والے ایسے ہیں جو پتلی ڈوری کے لئے مِل کا بنا ہوا سوت کام میں لاتے ہیں۔ یہ بالکل مناسب نہیں۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہم ہاتھ کا سوت کاتنے کے لئے مِل کا سوت استعمال کریں۔ اس سے زیادہ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ "کھادی سرنجام کاریالے" (کھادی کا سامان تیار کرنے والا کارخانہ) جیسے ادارے جو چرخے تیار کرتے ہیں مل کی ڈوریاں استعمال کرتے ہیں اور انھیں چرخے کے ساتھ بیچتے ہیں۔ چرخا سنگھ سے ڈوریاں بنانے کے لئے جتنا چاہیئے، مہین اور مضبوط سوت لیا جا سکتا ہے اور ان کو بٹ کر ڈوریوں کے لچھے تیار کرنا بہت آسان کام ہے۔

یہ بات تو عام لوگوں کے لئے ہوئی مگر اس سلسلے میں اگر کتائی کی تعلیم کے خیال سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ڈوری بنانا نہ سکھانے سے کتائی کی تعلیم ادھوری رہ جاتی ہے۔ کتائی سے ڈوری بنانے کا کام الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ یہ چیز تو کتائی کا ایک بہت ضروری حصہ ہے۔ مگر میرا ابھی تجربہ یہ ہے کہ استاد اس طرف جتنا چاہیئے اتنا دھیان نہیں دیتے۔ اس لئے درجے میں کتائی کا کام شروع کرنے کے ساتھ ساتھ بچوں کو ڈوری بنانے کی بھی تعلیم دینی چاہیئے۔ ہر طالب علم سے کم سے کم .. اگز پتلی ڈوری تیار کرالینی چاہیئے! ڈوری بنانا یوں تو آسان کام ہے لیکن پھر بھی اسے بناتے وقت کافی احتیاط برتنے کی ضرورت ہے۔ چاہیئے یہ کہ ہر بچہ اپنے ہی تیار کئے ہوئے سوت سے ڈوری تیار کرے اور اس کا بھی حساب رکھے کہ ہر ڈوری سے کتنا سوت کاتا جا سکتا ہے۔ اس طرح اس بات کا علم کہ ڈوری مضبوط ہے یا کمزور، بچہ خود ہی حاصل کرے گا اور آخر وہ ڈوری بنانے کی خود کوشش کرے گا۔

پتلی ڈوری بنانے کا طریقہ کبھی آیندہ بتانے کی کوشش کروں گا۔

پ - ر

ایک درخواست

نئی تعلیم کو نکلتے پورا ڈیڑھ سال ہو چکا۔ اتنے دن میں لوگوں نے اسے کتنا پسند کیا، اس کا اندازہ ہمیں اس بات سے ہے کہ اس کے خریدار تھوڑے تھوڑے کرکے بڑھ رہے ہیں اور اُمید ہے کہ اسی طرح برابر بڑھتے رہیں گے۔ لیکن ہمیں اس میں شبہ ہے کہ جو کام ہم نئی تعلیم کے ذریعے سے لینا چاہتے تھے وہ لے سکے یا نہیں۔ اگر دنیا میں اپنی چیزوں کو بُرا کہنے کا رواج ہوتا تو ہم بلا کسی ڈر کے یہ کہہ دیتے کہ ہم جو کام کرنا چاہتے تھے وہ نہ کر سکے۔ اور اس کی ذمہ داری ہم سے زیادہ خود، نئی تعلیم پڑھنے والوں پر ہے اور خاص کر اُن پڑھنے والوں پر جو کسی نہ کسی طرح تعلیم کے کاموں میں لگے ہوئے ہیں اور جنھیں برابر ایک ایک قدم پر نئی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دنیا کی کل میل جول پر قائم ہے۔ اگر لوگ مل جل کر کام کرنا چھوڑ دیں تو دنیا کی چلتی ہوئی کل ایک دم رک کر رہ جائے اور اگر دنیا کا ہر کام مل جل کر کیا جانے لگا تو یہ کل اور بھی تیزی سے چلنے لگے۔ پھر ہم میں یہ جھجک کیوں؟ ہم اپنی مشکلوں کو دوسروں سے کہتے کیوں ڈرتے ہیں؟ جو پتھر ہمارے راستوں میں اٹکے ہوئے ہیں، انھیں دوسروں کے ساتھ مل جل کر ہٹاتے کیوں نہیں؟

نئی تعلیم نکالنے کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ تعلیم کی ہماری بنائی ہوئی نئی دنیا میں جو نئے نئے تجربے برابر ہوتے رہتے ہیں وہ ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے تک پہنچتے رہیں۔ ہمیں اس راستے میں جو مشکلیں پڑ رہی ہیں وہ وہ نئی تعلیم کے صفحوں کے ذریعے سے ہم دوسروں تک پہنچاتے رہیں تاکہ ایک آدمی دوسرے کے تجربے سے فائدہ اُٹھائے اور دوسرا آدمی تیسرے کی مشکلوں کو حل کرنے کی کوشش کرے۔ اگر نئی تعلیم پڑھنے والے اس مقصد کو سمجھ لیں تو ہم تھوڑے ہی دن میں نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ جائیں۔

اس لئے ہماری درخواست ہے کہ 'نئی تعلیم' کے پڑھنے والے اُسے اچھے سے اچھا بنانے کی کوشش کریں اور اس کی سب سے اچھی ترکیب یہی ہے کہ پڑھانے لکھانے میں جو تجربے انھیں ہوتے ہیں یا جو مشکلیں ان کے سامنے آتی ہیں اُنھیں مضمون کی شکل میں بلا کسی جھجک کے ہمارے پاس بھیجیں۔ 'نئی تعلیم' اُن کا پرچہ ہے۔ اُن کے فائدے کے لئے نکالا گیا ہے تو وہ اس سے فائدہ کیوں نہیں اُٹھاتے؟

سید وقار عظیم ایم۔ اے۔

بنیادی تعلیم کا ادب

وستر پورن: تکلی کی کتائی پر ایک کتاب۔ زبان مرہٹی۔
مصنف۔ جناب کندر دیوان۔
صفحے ۳۰۰۔ قیمت ایک روپیہ

میں اس کتاب پر تنقید نہیں کر رہا ہوں۔ یہ کام تو اس مضمون کو اچھی طرح جاننے والوں کا ہے۔ میں تو صرف کتاب چھپ جانے کی خبر دے رہا ہوں۔

کتائی کا کام کرنے والوں کو معلوم ہے کہ جناب ونوبا جی نے خود مدتوں تجربہ کرکے تکلی کے کام کو کس مرتبے پر پہنچا دیا ہے۔ یہ کتاب انھی کے سکھائے ہوئے ایک ہونہار شاگرد کی لکھی ہوئی ہے۔ اس لئے اس مضمون کے سلسلے میں اس کتاب کے ذریعے لوگوں کو ونوباجی کے تجربے سے فائدہ ہوگا۔

تکلی کی کتائی پر کچھ سال پہلے "تکلی کیسے کاتیں؟" کے نام سے ایک کتاب نکلی تھی۔ مگر اس کتاب میں اسی زمانے تک کی باتیں تھیں۔ "وستر پورن" میں لکھنے والے نے تکلی کی کتائی کے سلسلے میں اب تک جتنی باتیں پیدا ہوئی ہیں، سب اکٹھی کردی ہیں۔ اس کتاب میں تکلی کی کتائی کے علاوہ اور بھی بہت سی کام کی باتیں آگئی ہیں۔ سوت کی وہ شکل جب وہ بننے کے قابل ہوتا ہے۔ ور کتائی سے پہلے کپاس کو چننے سے پونیاں بنانے تک کے تمام کام پوری طرح لکھے گئے ہیں۔ پھر طرح طرح کی دھنائی، سوت کی جانچ، اس کے سلسلے کا سارا حساب کتاب، مدرسوں میں کتائی کا حساب رکھنے کے نقشے اور چارٹ وغیرہ مضمونوں کے سلسلے کی بھی تمام باتیں اس میں لکھی گئی ہیں۔ تکلی پر کاتنے کے تمام طریقوں کا بیان تو خیر ہے ہی، باریک سے باریک سوت کاتنے کا مضمون بھی ہے۔ اس طرح صرف چرخے کے مضمون کو چھوڑ کر کتائی کے سلسلے کے سبھی پہلو اجاگر کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب استادوں کے لئے بہت ہی کام کی ثابت ہوگی۔

اس کتاب کو پڑھتے وقت یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ جس طرح دل پر گذرنے والی باتیں اور اپنے من کے بھاؤ کو لفظوں میں ظاہر کرنا مشکل ہے اسی طرح دستکاریوں کی پیچیدگیوں کو اور کاتتے وقت کتائی کے لئے بدن کی جو جو شکلیں ہوتی ہیں ان کو ٹھیک ٹھیک بیان کرنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ لکھنے والے نے اس مشکل کو بھی بڑی کامیابی سے نباہا ہے چنانچہ اسی سلسلے میں ان کو بہت سے نئے لفظ بھی گھڑنے پڑے ہیں۔

شانتی نکیتن کے نیہار رنجن چودھری نے اس کتاب کی تصویریں اور خاکے بنائے ہیں جو کتاب میں مناسب جگہوں پر لگائے گئے ہیں۔ ان تصویروں سے مضمون کو سمجھنے میں کافی آسانی پیدا ہوگئی ہے۔

اس کتاب کا ہندی ترجمہ بھی جلد ہی شائع ہونے والا ہے۔

شری کرشن داس جاجو،
۲۷ اپریل سنہ ۱۹۴۰ء

فہرست مضامین

پرنٹر و پبلشر: حامد علی خاں　　مطبوعہ: جید برقی پریس　　مدیرہ: آشا دیوی

نئی تعلیم

جلد ۲، نمبر ۷ | دہلی، جولائی سنہ ۱۹۴۰ء | قیمت سالانہ عا

بنیادی تعلیم کا نیا سال

جنتری چاہے کچھ ہی کہے مگر تعلیم کی دنیا میں تو نیا سال برسات ہی سے شروع ہوتا ہے۔ اس جولائی سے جتنے ٹرینگ اسکول اور بنیادی اسکول اپنا نیا سال اور نیا کام شروع کر رہے ہیں انھیں ہم کامیابی کا سندیسہ بھیج رہے ہیں کہ وہ نئی تعلیم کی طرف "نئی تعلیم" کے ذریعے جو قدم اٹھا رہے ہیں وہ مبارک ثابت ہو۔

زیادہ ٹرینگ اسکولوں کے لئے تعلیم کا یہ تجربہ اب نیا نہیں رہا۔ بنیادی تعلیم کے استادوں کی دو ٹولیاں تو تیار ہو چکیں، اب تیسری کی تیاری شروع ہو رہی ہے۔ ان اسکولوں کے پاس دو سال کے تجربوں کا خزانہ جمع ہوگا اور تیسرے سال کا کام شروع ہونے والا ہے۔ ہمیں یہ اُمید ہے کہ آنے والا سال بنیادی دستکاری کے فن کے علاوہ، دستکاری کے ذریعے تعلیم دینے کے طریقے اور بنیادی تعلیم کا ادب تیار کرنے کے لئے ترقی کا ایک نیا دور ثابت ہوگا۔

اسی کے ساتھ بنیادی تعلیم کے جو اسکول وغیرہ پچھلے سال اپنا کام ختم کر چکے ہیں ہم ان کو اس نئے سال کی خوشی کے موقع پر بھول نہیں سکتے بلکہ تعلیمی تجربے میں انھوں نے جو حصہ لیا اُس کی وجہ سے ہم اُن کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ صوبہ متوسط میں نارمل اور ہائی اسکولوں کے استادوں کو اس نئی تعلیم کے اصول اور عملی تجربے کی تعلیم دینے کے لئے پچھلے جولائی میں جو ودیا مندر ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ قائم کیا گیا تھا وہ اسی اپریل سنہ ۱۹۴۰ء میں بند ہو گیا۔ اس انسٹی ٹیوٹ میں کتائی، گتے کا کام اور لکڑی کا کام ان تینوں دستکاریوں کا تجربہ کیا گیا تھا اور یہاں سب سے خاص بات یہ تھی کہ یہاں کے پڑھنے اور پڑھانے والے دونوں تجربہ کار اُستاد تھے۔ یہی نہیں بلکہ ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو استادوں کے تیار کرنے کا کام کر چکے تھے۔

[illegible] کے بعد آج ان استادوں اور لڑکوں میں سے کچھ [illegible] تجربے میں مدد دے رہے ہیں اور کچھ صوبہ متوسط کے [illegible] ہائی اسکولوں میں پھر سے موجودہ تعلیم کا کام کر رہے ہیں۔

مگر ہمیں امید ہے کہ چاہے وہ پرانی تعلیم کا کام کرتے ہوں یا نئی تعلیم کا اس نئی تعلیم کا سندیسہ پھیلانے میں ضرور ہاتھ بٹائیں گے۔

ودیا مندر ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ میں جو استاد تیار کئے گئے تھے ان کی مدد سے صوبۂ متوسط کے ہندی بولنے والے جو استاد ہونا چاہتے ہیں ان کے لئے بیتول میں اور مرہٹی بولنے والوں کے لئے وردھا میں دو نئے بنیادی ٹرینگ اسکول جون میں کام شروع کر رہے ہیں۔ بنیادی تعلیم کے میدان میں ہم ان دونوں نئے اسکولوں کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

پچھلے جولائی میں مدراس سرکار کی طرف سے کوئمبٹور میں جو ٹرینگ اسکول قائم کیا گیا تھا وہ سال بھر کے کام کے بعد بند کر دیا گیا اور بنیادی تعلیم کے کام کو ترقی دینے کی اور کوئی تجویز آج مدراس سرکار کے سامنے نہیں ہے۔ مگر ہمیں امید ہے کہ سرکاری مدد ملے یا نہ ملے تامل ناڈ میں بنیادی تعلیم کا کام ہرگز بند ہونے والا نہیں ہے۔ میونسپلٹی، ڈسٹرکٹ بورڈ وغیرہ مقامی ادارے اسے اپنائیں گے اور اپنے استادوں کو اس نئی تعلیم کی ٹرینگ دلوا کر اپنے آس پاس کے اسکولوں میں اس کا تجربہ شروع کریں گے۔

دیہات کے بنیادی اسکولوں میں جو لوگ نئے سال میں نئے کام کی ابتدا کر رہے ہیں ان سے ہماری ایک خاص اپیل ہے۔ اس نئی تعلیم کا عملی تجربہ وہی کر رہے اور اُن ہی کے کام، حوصلے، لگن اور بھروسے پر ہی اس کی کامیابی یا ناکامیابی منحصر ہے۔ اب جب کہ ہم اس نئے سال میں داخل ہو رہے ہیں دنیا ایک بہت نازک دور سے گذر رہی ہے اور اسے بڑی نازک حالت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ یورپ ہی نہیں تمام دنیا پر ظلم اور بے رحمی کی گھٹا چھائی ہوئی ہے۔ مگر ہمیں یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ زمانہ انسانی تاریخ کا آخری زمانہ ہے۔ ہم میں سے جو اس بات کو مانتے ہیں کہ ہماری سماج ظلم، بے انصافی اور جھوٹ پر نہیں بلکہ سچائی، انصاف اور رحم پر قائم ہے اور جو لوگ

ان چیزوں کو بنیاد سمجھ کر ایک نیا سماج بنانے کی امید رکھتے ہیں اُن کے لئے نئی تعلیم بس ایک نئی تعلیمی اسکیم ہی نہیں بلکہ ایک نئے سماج کی بنیاد ڈالنے کی پہلی کوشش ہے۔ اس لئے جو لوگ دیہات کے بچوں کو لے کر ہاتھ کے کام کے ذریعے تعلیم دینے کا کام کر رہے ہیں وہ اس نئے سماج کے بنانے میں اپنا حصہ بٹا رہے ہیں جو دوستی اور مددی کی بنیاد پر بنے گا۔ ان سے ہماری استدعا ہے کہ وہ اپنی اس بڑی ذمہ داری کو نہ بھولیں کیونکہ انھیں کی مدد سے ہم اپنی منزل کی طرف بڑھ کر اُس تک پہنچ سکتے ہیں۔

کتائی کا ایک تجربہ

اس بات کا اندازہ کرنے کے لئے کہ بڑی عمر کے طالب علموں کے لئے مسلسل کتائی کا کونسا وقت سب سے زیادہ مناسب ہوگا ودیا مندر ٹریننگ اسکول میں کتائی کا ایک تجربہ کیا گیا تھا۔ بنیادی تعلیم کے دوسرے کام کرنے والے بھی شاید اس تجربے کے نتیجوں سے دلچسپی رکھتے ہوں اس لئے اس تجربے کی ایک چھوٹی سی رپورٹ نیچے لکھی جاتی ہے۔

میری رائے میں اگر ہر ٹریننگ اسکول میں کبھی کبھی اس طرح کے تجربے کئے جائیں اور ان کے نتیجے جمع کر لئے جائیں تو اس تعلیم کے تجربے کی سائنٹفک ترقی میں بڑی مدد دیں گے۔

تاریخ : ۲ فروری ۱۹۴۰ء

مضمون: ودیا مندر ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ کا کتائی کا شعبہ اور اس کے سیکشن اے کے ۲۴ ممبر۔

عمر: ۲۰ سال سے ۱۵ سال تک۔

کام کا وقت : دن کے ۱۱ بجے سے ۱ بجے تک۔

حیثیت : اوسط۔

آلے اور سامان : کسان چرخے دکل ساز و سامان کے ساتھ اور کتائی کے سب ضروری آلات جیسے سیاہ کپڑے کے ٹکڑے، ترازو اور باٹ، پونیاں (سورتی)۔

طریقہ : کتائی کا کام دو گھنٹے تک بغیر کسی وقفے کے۔ کام کرنے والا پانچ پانچ منٹ کا حساب رکھتا تھا۔ ہر آدمی لگاتار ۲ گھنٹے تک کاتا کرتا تھا سوائے اس کے کہ ہر پانچ منٹ کے گذرنے پر وہ سوت پر روشنائی کا ایک نشان لگا لیتا تھا۔

بیٹھنے کا طریقہ زیادہ سے زیادہ آرام دہ تھا۔ کتائی صرف دائیں ہاتھ سے ہی ہوتی تھی۔ سب کو ایک ہی نمبر (۲۰ کاؤنٹ) کا سوت کاتنا پڑتا تھا۔

کتائی کے وقت پریت پر کاتنے کی اجازت نہیں تھی۔ ہر آدمی کو چار چار تکوے دیے جاتے تھے۔

دو گھنٹے کا وقت آدھ آدھ گھنٹوں میں بانٹ دیا گیا تھا۔ آدھ گھنٹے میں کاتا ہوا سوت الگ الگ تکووں پر ہی رہنے دیا جاتا تھا اور لپٹے ہوئے سوت کی الگ کی ہوئی لنڈیوں پر ترتیب وار پہلی، دوسری، تیسری اور چوتھی کے نشان لگا دیے جاتے تھے۔

تمام چرخوں اور ان کے سامان اور آلات کی پہلے ہی جانچ کر لی گئی تھی کہ ان میں کوئی خرابی تو نہیں ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی احتیاط رکھی گئی کہ پورے دو گھنٹے تک سارے کام میں کوئی خرابی نہ آئے۔

نتیجے

دو گھنٹے کے بعد ہر تجربہ کرنے والے نے اپنا سوت پہیتے پر لپیٹا اور (۱) ہر پانچ منٹ میں کاتے ہوئے سوت کی لمبائی اور (۲) ہر آدھے گھنٹے میں کاتے ہوئے سوت کی لمبائی ناپ کر لکھ لی۔

ہر آدھے گھنٹے میں کاتے ہوئے سوت کی لٹ پر ایک ایک کر کے پہلی، دوسری، تیسری اور چوتھی کے نشان لگا دیے گئے۔

ان نتیجوں کی فہرست اس طرح تیار کی گئی:-

۱

وقت کا حصہ	کاتے ہوئے سوت کی لمبائی

یہ نتیجے گراف کے ذریعے بتائے جاتے تھے۔

۲ - کتائی کے بعد سوت کی (۱) ہمواری (۲) مضبوطی اور (۳) نمبر جانچے گئے۔

۳ - ہر آدھے گھنٹے میں کاتے ہوئے سوت کی (۱) ہمواری (۲) مضبوطی اور (۳) نمبر جانچے گئے۔

۴ - (۱) کم سے کم اور (۲) زیادہ سے زیادہ رفتار کے وقت نکالے گئے۔

۵ - اوپر لکھے ہوئے عددوں سے یہ حساب لگایا گیا کہ زیادہ سے زیادہ اچھی پیداوار کے ساتھ ساتھ لگاتار کتائی میں سب سے مناسب اور اچھا وقت کا حصہ کون سا ہے (وقت کی وہ منزل جس میں (۱) سب سے زیادہ تیز رفتار ہو اور (۲) سب سے اچھا کام ہوا ہو۔)

۶ - تھکاوٹ کی ابتدا (یعنی (۱) رفتار اور (۲) کام کی کمی) کا وقت دیکھا گیا۔

۷ - اُس روئی کا حساب لگایا گیا جو خراب ہوئی۔

اندرونی حالت

(دل میں پیدا ہونے والے خیالوں کی جانچ)

مسلسل کاتنے سے دماغ پر اس کام کا دو گھنٹے تک کیا کیا اثر پڑتا رہا اس کا صحیح اندازہ کیا گیا جس میں خاص طور پر یہ باتیں لکھی گئیں:-

(۱) دماغ اور جسم پر زور پڑنے اور تیاری کا احساس۔
(۲) کامیابی یا ناکامیابی کا احساس۔
(۳) ایک ہی کام کرتے کرتے اُکتا جانے کا احساس۔

(۴) جسمانی تھکن۔
(۵) کام کے بارے میں دلی احساس۔

خاکہ نمبر ۱

پونیوں اور ضائع شدہ روئی کی کل اور اوسط رقمیں۔

کام کرنے والوں کی تعداد	کل پونیاں جو دی گئیں	کل ضائع شدہ روئی	پونیوں کی اوسط فی کس	ضائع شدہ روئی فی کس	ضائع شدہ روئی فی کس فی صدی
	پائی۔آنے۔روپے	پائی۔آنے۔روپے	پائی۔آنے۔روپے	پائی۔آنے۔روپے	
۲۴	۳۰-۱۵-۳	۱-۱-۶	۱-۴-۶	۰-۰-۹	۴

خاکہ نمبر ۲

اوسط فی کس (۱) رفتار (۲) سوت کا نمبر (۳) سوت کی مضبوطی (۴) دو گھنٹے کی کتائی میں سوت کی یکسانیت۔

رفتار	نمبر	مضبوطی	یکسانیت
۴۰۸	۲۰	۸۳٫۵	۷۶

خاکہ نمبر ۳

ہر آدھے گھنٹے کی (۱) رفتار (۲) نمبر اور (۳) مضبوطی کا اوسط۔

وقت کا حصہ	رفتار	نمبر	مضبوطی
پہلا نصف گھنٹہ	۱۰۵	۲۱	۸۴
دوسرا " "	۱۰۲	۲۱	۹۰٫۴
تیسرا " "	۱۰۳	۲۰٫۶	۷۹٫۴
چوتھا " "	۱۰۱	۱۹٫۲	۸۴

خاکہ نمبر ۴

ہر آدھے گھنٹے میں (۱) سب سے اچھا اور (۲) سب سے خراب کام کرنے والوں کی تعداد

وقت کا حصہ	سب سے اچھا کاتنے والے	سب سے خراب کاتنے والے
پہلا آدھا گھنٹہ	۹	۴
دوسرا " "	۱۰	۱
تیسرا " "	۳	۶
چوتھا " "	۲	۱۳

خاکہ نمبر ۵

ہر نصف گھنٹے میں سب سے اچھے (۱) رفتار (۲) نمبر اور (۳) مضبوطی پر پہنچنے والوں کی تعداد:-

وقت کا حصہ	سب سے اچھے نتیجہ دکھلانے والوں کی تعداد		
	رفتار میں	نمبر میں	مضبوطی میں
پہلا نصف گھنٹہ	۸	۱۲	۹
دوسرا " "	۵	۶	۸
تیسرا " "	۸	۴	۴
چوتھا " "	۳	۲	۳

خاکہ نمبر ۶

رفتار کی گردش کا حساب۔

رفتار	کام کرنے والوں کی تعداد
۲۴۰۰ - ۲۶۰۰	۵
۲۲۰۰ - ۲۴۰۰	۳
۲۰۰۰ - ۲۲۰۰	۲
۱۸۰۰ - ۲۰۰۰	۴
۱۶۰۰ - ۱۸۰۰	۲
۱۴۰۰ - ۱۶۰۰	۲
۱۲۰۰ - ۱۴۰۰	۲
۱۰۰۰ - ۱۲۰۰	۳
۹۰۰ - ۱۰۰۰	۱

خاکہ نمبر ۷

کاتنے والوں کی عمر کے لحاظ سے (۱) رفتار (۲) نمبر (۳) مضبوطی اور (۴) یکسانیت کا اوسط۔

عمر	رفتار	نمبر	مضبوطی	یکسانیت
۲۶ - ۳۰	۳۷۹	۲۰٫۴	۹۲٫۲	۸۰٫۴
۳۱ - ۳۴	۴۳۱	۲۳٫۴	۸۸٫۰	۹۷٫۱
۳۵ - ۳۸	۴۷۰	۱۹٫۲	۸۹٫۰	۷۹٫۶
۳۹ - ۴۲	۳۷۳	۱۴٫۰	۷۲٫۰	۹۰٫۰
۴۳ - ۴۶	۳۷۵	۱۸٫۰	۷۵٫۷	۸۰٫۰
۴۷ - ۵۰	۳۲۵٫۶	۲۱٫۸	۸۲٫۰	۷۸٫۲
۵۱ - ۵۴	۲۷۹	۱۵٫۰	۵۱٫۰	۹۰٫۰

کاتنے والوں کے دلوں میں جو خیالات پیدا ہوئے اُن کا خلاصہ

(۱) **تیاری کا جذبہ**:- سب نے مان لیا کہ تجربہ شروع ہونے سے پہلے ان کے دل میں تیاری کا خیال پیدا ہوا۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ سب سے اچھا کام کر کے دکھایا جائے تین آدمیوں کو اس تجربے کے انوکھا ہونے کی وجہ سے کچھ گھبراہٹ رہی اور اُن کے دماغ پر بھی کچھ زور پڑا بعض لوگوں کو یہ ڈر ہوا کہ چرخے شاید ٹھیک کام نہ دیں یا سوت یکساں طور پر نہ کت سکے۔

(۲) **کامیابی کا جذبہ**:- یہ جذبہ زیادہ تر دوسرے نصف گھنٹے کے دوران میں رہا۔

(۳) **ناکامیابی کا جذبہ**:- یہ جذبہ پہلے اور آخری نصف گھنٹوں میں زور پکڑتا رہا۔ پہلے نصف گھنٹے میں گھبراہٹ کی وجہ سے اور آخری نصف گھنٹے میں تھکن کی وجہ سے۔

(۴) **اکتا جانے کا جذبہ**:- یہ جذبہ تیسرے اور چوتھے آدھ گھنٹوں میں ظاہر ہوا۔ کئی لوگ تو شروع ہی سے کہنے لگے تھے۔

(۵) **جسمانی تھکن**:- جسمانی تھکن کاتنے والوں کو تیسرے نصف گھنٹے کے اخیر میں محسوس ہوئی اور چوتھے نصف گھنٹے میں پورے طور پر ہو گئی۔ آنکھوں، گھٹنوں، ریڑھ کی ہڈی، کندھوں، انگلیوں، کولھوں اور گردن کے پٹھوں میں خاص طور پر تھکاوٹ محسوس ہوئی۔ بعض تو بہت ہی تھک گئے تھے اور خدا خدا کر کے باقی وقت کو پورا کیا۔

نتیجوں کا خلاصہ

(۱) خاکہ نمبر ۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ ضائع شدہ روئی صرف ۴ فی صدی فی کاتنے والے کے حساب سے ہوئی۔ پونیاں بہت صاف اور خوب دُھنی ہوئی روئی کی تھیں۔ چوتھے نصف گھنٹے میں۔ روئی زیادہ ضائع ہوئی کیونکہ کاتنے والے تھک گئے تھے۔

(۲) خاکہ نمبر ۳ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جوں جوں وقت گذرتا گیا کتائی کے درجے اور مقدار میں کمی ہوتی گئی۔ سب سے اچھا اور سب سے خراب کام کا اندازہ (الف) رفتار (ب) نمبر اور (ج) مضبوطی تینوں کو ملا کر لگایا گیا۔

(۳) خاکہ نمبر ۴ سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے زیادہ کاتنے والوں نے سب سے اچھا کام پہلے آدھے گھنٹے میں کیا۔ اسی دوران میں سب سے خراب کاتنے والوں کی تعداد کم سے کم رہی دوسرے آدھے گھنٹے میں حالت بالکل بدل گئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے آدھے گھنٹے کے ختم ہونے تک کام ایسی منزل پر پہنچ گیا تھا جہاں سے فرق شروع ہو گیا۔

(۴) خاکہ نمبر ۵ میں خاکہ نمبر ۴ کی باتیں ذرا زیادہ تفصیل سے دی گئی ہیں اس سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ جیسے جیسے وقت گذرتا گیا کام میں کمی ہوتی گئی۔

(۵) خاکہ نمبر ۶ میں رفتار کا سلسلہ بتایا گیا ہے۔ سب سے تیز رفتار جو معلوم ہوئی دو ہزار پانچ سو اکیاسی ہے اور سب سے مدھم ۸۳۱ ہے۔ ان میں ۱۷۵۰ کا فرق ہے جو بہت زیادہ ہے۔ اوسط رفتار ۱۸۵۰ ہے اور صرف ۱۴ کاتنے والے اس رفتار کو پہنچ سکے۔ متوسط رفتار ۱۸۹۵ ہے جو بارہ کاتنے والوں نے حاصل کی۔ اس لئے باقی بارہ کاتنے والے اوسط درجہ معمولی سے بھی گر گئے۔

بارہ کاتنے والوں میں چار خواتین بھی تھیں۔ یہ متوسط رفتار کو پہنچ گئیں۔ سب سے تیز رفتار اور متوسط رفتار خواتین کی ہی رہی۔

(۶) خاکہ نمبر ۷ میں دستکاری کے لئے اہل ہونے کا عمر سے تعلق بتلایا گیا ہے۔ اوسط سے زیادہ تیز رفتاری سے کاتنے والے چودہ آدمیوں میں سے ۱۲ کی عمر ۲۷ اور ۴۰ کے درمیان تھی۔ دو کاتنے والے جو اوسط سے زیادہ بڑھے ۴۶ اور ۴۷ سال کی عمر کے تھے۔ ۲۹ اور ۴۰ کے درمیان کی عمر کے چار کاتنے والے، ۴۱ اور ۵۱ کی عمر کے سات کاتنے والے اوسط سے گر گئے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۴۰ سال کی عمر سے کمی کا دور شروع ہوتا ہے۔ یہ نتیجے نیچے لکھے جاتے ہیں:-

عمر	اوسط سے بالا	اوسط سے کم
۲۷ - ۴۰	۱۲	۳
۴۱ - ۵۱	۲	۷

غرضکہ ۲۷ اور ۴۰ کے درمیان کی عمر والوں میں سے ۸۰ فی صدی اوسط تک پہنچتے ہیں اور ۴۱ اور ۵۱ کے درمیان کی عمر والوں میں سے صرف ۲۸ فی صدی ہی اس درجے تک پہنچ پاتے ہیں۔

(۷) اوسط (۱) رفتار (۲) نمبر اور (۳) مضبوطی کے گراف دیکھنے سے پتہ لگتا ہے کہ دو گھنٹے کے کام میں:-

(الف) مضبوطی دھیرے دھیرے کم ہوتی جاتی ہے۔

(ب) پہلے نصف گھنٹے سے دوسرے نصف گھنٹے تک نمبر ترقی پذیر ہوتا ہے اور تیسرے نصف گھنٹے میں معیار پست ہو جاتا ہے مگر چوتھے نصف گھنٹے میں پھر ذرا سا بڑھ جاتا ہے۔

(ج) رفتار پہلے سے دوسرے میں کم ہوتی ہے، دوسرے سے تیسرے میں کچھ بڑھتی ہے مگر چوتھے نصف گھنٹے میں پھر گر جاتی ہے۔

(د) ان تینوں باتوں میں سب مل کر جو کمی ہوتی ہے وہ ۵۰ منٹ کی کتائی کے بعد ہی شروع ہوتی ہے۔

نتیجہ

(۱) لگاتار کتائی کے لئے سب سے موافق وقت جس میں کام خوب ہو سکے ایک گھنٹے سے کچھ کم ہی ہوتا ہے۔

(۲) سب سے اچھا کام پہلے آدھے گھنٹے میں ہوتا ہے۔

(۳) سب سے خراب کام چوتھے آدھے گھنٹے میں ہوتا ہے۔

(۴) تیسرے نصف گھنٹے میں لوگ اکتانے لگتے ہیں۔

(٥) اکتانے کے ساتھ ہی تھکن معلوم ہونی شروع ہوتی ہے اور یہ تیسرے آدھے گھنٹے میں سب سے زیادہ معلوم ہوتی ہے۔

(٦) ٤٠ سال کی عمر کے بعد کام کرنے کی طاقت کم ہوتی معلوم ہوتی ہے۔

(٧) اگر ایک گھنٹے سے زیادہ کاتا جائے تو آنکھوں پر خاصا زور پڑتا ہے، خاص کر ٤٥ سے اوپر کی عمر والوں کی آنکھوں پر تو اور بھی زیادہ زور پڑتا ہے۔

ای۔ ڈبلیو۔ فرنیکلن،
ٹریننگ کالج،
جبل پور

یورپ میں کتائی کا پہلا اسکول

تعلیم کو آنے والی زندگی کی تیاری کہنا ٹھیک نہیں، وہ تو خود ایک زندگی ہے، ایسی زندگی جس کی اپنی ضرورتیں ہیں، اپنی اچھائیاں ہیں اور اپنی برائیاں۔ اس زندگی کی پہلی ضرورت تو یہ ہے کہ اس میں بچے کی دلچسپیوں کا خیال رکھا جائے اور دوسری یہ کہ اس کا ناتا سماج کے ساتھ جڑا ہوا ہو۔ اسے سماج کی تمام حالتوں کو دیکھ بھال کر آگے بڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ کسی دیس کی تعلیم کو اس کی سماجی اور مالی حالت سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ انگلستان کا پہلا اسکول وہاں کے رہنے والوں کے پرانے ڈھنگوں کی پیداوار ہے۔ امریکہ کے ہائی اسکول پر ایک حد تک وہاں کی جمہوری زندگی کا رنگ چڑھا ہوا ہے۔ ولایت کے اونچے طبقے کے لوگ دنیا کے بڑے مالداروں میں گنے جاتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے بچوں پر پانچ پانچ سو پونڈ سالانہ تک خرچ کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کے پبلک اسکول بھی بڑے شان دار ہوں گے۔ مگر ہم اپنے ٹوٹے پھوٹے جھونپڑے والے اسکولوں کو اتنا شان دار کیسے بنائیں۔ ہماری ساری امنگیں تو اپنی غریبی کو دیکھ کر ٹھنڈی پڑ جاتی ہیں۔ اسی طرح ان کے نیچے طبقے کے اسکولوں پر بھی مال دار حکومت کا اثر ہے۔ روپیہ پیسہ چاہے کسی طرح بھی ملے ہے تو روپیہ ہی۔ مگر ہم اتنا روپیہ کہاں سے لائیں؟ ہمارا ملک تو غریبوں کا ملک ہے۔ ہماری زندگی اور سماج کی ضرورتوں اور ان لوگوں کی زندگی اور ضرورتوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ اسی لئے ہم اپنے اسکولوں کو سماج کے رنگ میں رنگنا نہیں چاہتے بلکہ ہم تو ان کے ذریعے ایک نئی سماج کی بنیادیں ڈالنا چاہتے ہیں۔ ہم بچوں کو کسی پیشے کے لئے نہیں تیار کرنا چاہتے۔ ہمارا کام تو یہ ہے کہ ہم پڑھائی میں کسی پیشے کو شامل کرکے اپنے غریبوں کو ایک نئی سماجی زندگی کے لئے تیار کریں۔ ہمیں تو ان کے سوچ بچار اور کام کاج کے طریقوں میں انقلاب پیدا کرنا ہے۔ یہی باتیں ہیں جن سے ہمارا پڑھائی کا مقصد بھی دوسروں جیسا نہیں رہتا اور جب ہمارا مقصد ہی دوسروں کا سا نہیں تو اُن کے طریقے ہمارے طریقے کیسے بن سکتے ہیں؟

ہم اپنے ملک میں نئی تعلیم کا تجربہ کر رہے ہیں اور اس تجربے میں دوسروں کے تجربے سے فائدہ اٹھانا، دوسروں کی کی ہوئی غلطیوں کو جان کر ان سے بچنا بہت ضروری ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم کن ملکوں کے تجربے سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کریں۔ بالکل سامنے کا تو اصول یہی ہے کہ ہم جس ملک کے طریقوں کو اپنانا چاہتے ہیں وہ ملک یا تو اب سماجی اور مالی لحاظ سے ہمارے ملک کا سا ہو یا اپنی تاریخ کے کسی پچھلے زمانے میں انھیں راہوں سے گذر چکا ہو جن سے اب ہمارا ملک گذر رہا ہے اور اس لئے تاریخی لحاظ سے ہمیں کسی ایسے زمانے کو دیکھنا پڑے گا جو صنعتی انقلاب (Industrial Revolution) سے پہلے کا ہو۔

یہ وہ زمانہ تھا جب مغربی ملکوں میں زراعت ایک عام پیشہ تھا اور اس کے ساتھ ساتھ چھوٹی چھوٹی گھریلو صنعتوں کا بھی رواج تھا۔ سماج میں آہستہ آہستہ جمہوریت کی لہریں اُٹھنے لگی تھیں مگر جاگیرداری کے بندھن ابھی ٹوٹے نہیں تھے۔ ابھی انسان میں یہ طاقت پیدا نہیں ہوئی تھی کہ وہ سینکڑوں برس میں کھودنے والی کانیں مہینوں اور برسوں کی محنت میں کھود کر پھینک دے۔ سائنس کی نت نئی ایجادوں نے آدمی کو کل نہیں بنایا تھا۔ ابھی یورپ کے لوگوں نے دولت پیدا کرنے کے وہ طریقے نہیں سیکھے تھے جن سے غلام ملکوں کی پیداوار اور دولت کوڑیوں کے مول ان کے ملک میں کھنچ کر آ سکے۔ اگر اس زمانے میں ہمیں کوئی ایسا سیاسی دور مل جائے جس میں لوگوں کے دلوں میں آزادی کا طوفان لہریں لے رہا ہو، نوجوانوں کے دلوں میں سماج کو نئی بنیادوں پر کھڑا کرنے کی تڑپ رہ رہ کر جاگتی ہو، جہاں ہر دل میں جاگیرداری نظام کے بندھنوں کو توڑنے یا اس کے بُرے اثر کو کم کرنے کی فکر پیدا ہو گئی ہو، جہاں ہر دل کسان کے دکھوں کو دور کرنے کے لئے بے چین ہو اور جہاں دنیا کو اس سیدھی سادی حالت پر لانے کی کوشش کی جا رہی ہو جس میں ہر طرف امن تھا، چین تھا اور خوشی تھی۔ اور اگر اسی دور میں ہمیں کوئی ایسا اُستاد مل جائے جو غریبوں کے دکھ درد کو اپنا درد سمجھتا ہو اور جو ہر طرح اُن کے دکھوں کو دور کرنے اور اُن کی سماج کی گتھیوں کے سلجھانے میں لگا رہا ہو تو اس کا تجربہ ضرور ایک حد تک ہمارے راستے کا دیا بن سکتا ہے۔ اُس کی کامیابی سے ہمارے حوصلے بڑھیں گے اور اس کی غلطیوں سے ہم سبق سیکھیں گے۔

اس قسم کا ایک دور سویٹزرلینڈ پر بھی گذر چکا ہے۔ اٹھارویں صدی کے آخر میں وہاں کے کسانوں کی حالت بڑی بُری تھی۔ اُن کا گذارہ معمولی سی کھیتی پر ہوتا تھا۔ کسانوں سے کہیں زیادہ بُری حالت ان [illegible]۔ ماں باپ ان کا خرچ نہ اُٹھا سکتے تھے تو انھیں آ[illegible] تھے اور یہ بچے اِدھر اُدھر جہاں چاہتے مارے مارے پھر[illegible] ملتا تو کبھی کبھی چوری بھی کر لیتے۔ نہ کسی کو ان کے پڑھانے لکھانے کا خیال تھا اور نہ ان کی تندرستی اور صفائی کا۔ اکثر ماں باپ تو ایسے تھے کہ وہ اپنے بچوں سے بھیک منگواتے اور اسی بھیک کی روکھی سوکھی سے سارے کنبے کا پیٹ

پتا۔ جب بھیک کی بیماری چھوت کی طرح ہر طرف پھیلنے لگی تو کیتھولک نے ان بچوں کو پکڑ پکڑ کر کسانوں کو دینا شروع کیا۔ کسان انھیں کھانے کو دیتے مگر اس کے بدلے میں دن رات غلاموں کی طرح محنت بھی لیتے تھے۔ غریبوں کی اس دکھ بھری حالت کا اثر پستالوزی پر بہت زیادہ ہوا۔ اس کا دل ان بچوں کے حال پر روتا تھا۔ وہ لکھتا ہے "میں نے اکثر ان بچوں کو انسان کی بے رحم خود غرضی کے بھیانک پنجے میں دبا ہوا دیکھا۔ ان میں کسی طرح کی ہمت کی جھلک تک باقی نہ رہتی تھی۔ بکریوں کیسے کہ نہ تو جسم باقی رہتا تھا نہ جان۔ بچوں میں ان اچھی باتوں اور طاقتوں کو پلنے بڑھنے کا ذرا بھی موقع نہ ملتا تھا جن سے آدمی نیک اور سچا شہری بن سکتا ہے۔"

پستالوزی انسان کی اس ذلت کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اُسے تعجب ہوتا تھا کہ کسان خود تو خدا کی کتنی پوجا کرتا تھا لیکن اس کے دل میں اس اسپرٹ کی ذرا بھی قدر نہیں تھی جو خدا نے اس میں پیدا کی ہے۔ وہ اکثر کہتا تھا کہ غریبوں کے لئے دنیا میں بس یہی کام نہیں کہ وہ اپنے دل ہی دل میں خدا کو یاد کر لیا کریں۔ ان کا جینا اور مرنا صرف خدا ہی کے لئے نہیں۔ انھیں تو یہ چاہیے کہ وہ اپنے من کی سچی طاقت کو پوری لگن سے سمجھیں اور اس پر بھروسہ کریں۔ انھیں چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو بس اُس بیل ہی سے اچھا نہ سمجھیں جسے وہ ہل میں جوتتے ہیں بلکہ اس امیر سے بھی جو اپنے بدن کو ریشم اور کمخواب سے ڈھانکتا ہے لیکن اس اونچے مرتبے کے لائق نہیں جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

ان باتوں کا پستالوزی پر بہت اثر پڑا اور اس نے نیو ہوف (جس کے معنی ہیں نیا کھیت) میں ان غریب بچوں کے لئے ایک اسکول کھول دیا۔ یورپ کا یہ پہلا اسکول ہے جس میں کتائی اور کپڑا بننے کے کام کو کورس میں رکھا گیا۔ ۱۷۷۴ء میں یہ اسکول شروع ہو گیا اور آس پاس کے گاؤوں کے بہت سے ادھر اُدھر گھومنے والے بچے پستالوزی کے ساتھ رہنے لگے۔ پستالوزی انھیں نہلاتا مہینوں اور برسوں کا چڑھا ہوا میل اُن کے بدن پر سے اُتارتا، کپڑے پہناتا اور کھانا کھلاتا اور سب کے ساتھ اپنے بچوں جیسا برتاؤ کرتا تھا۔ ان بچوں کے کورس میں دو خاص چیزیں تھیں، باغبانی اور کتائی۔ اچھے موسم میں بچے باغبانی کا کام کرتے تھے اور کھیتوں میں پستالوزی کو مدد دیتے تھے اور جن دنوں میں مینہ برستا یا برف گرتی اُن دنوں ایک بڑے کمرے میں بیٹھ کر روئی کاتا کرتے تھے۔ دوسرے مضمونوں کو بہت کم وقت دیا جاتا تھا اور عام طور پر جب بچے ہاتھ سے کام کرتے ہوتے تو پستالوزی انھیں زبانی ہی کچھ پڑھاتا رہتا تھا۔

پستالوزی ان بچوں کو لکھانے پڑھانے میں بہت جلدی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ سب سے پہلے بچوں کو بات چیت کرنے اور اپنے دل کی بات دوسروں سے کہہ سکنے کی مشق کرانی چاہیے۔ پڑھائی لکھائی کا فائدہ بس اسی طرح ہو سکتا ہے۔ وہ اکثر ان بچوں کو ہنسنے ہنسانے کی باتوں میں لگائے رکھتا تھا [illegible] بات چیت زیادہ تر ان کی اپنی زندگی کے بارے میں ہوا کرتی تھی۔ اکثر انجیل کی آیتیں بھی زبانی دُہرائی جاتی تھیں یہاں تک کہ وہ بچوں کو زبانی یاد ہو جاتی تھیں۔

پستالوزی نے اپنا پہلا تجربہ انھیں بچوں سے شروع کیا اور یہ تجربہ بڑا کامیاب رہا۔ تھوڑے ہی دنوں میں ان کی حالت میں بہت بڑا فرق پیدا ہو گیا۔ انھوں نے ہاتھ کے کام میں بڑی ترقی دکھائی اور اس کے ساتھ ساتھ دوسرے مضمونوں میں بھی اچھے رہے۔ اس تجربے سے وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ "کام اور محنت سے ان غریب بچوں کے پلنے بڑھنے میں کوئی رکاوٹ نہیں پیدا ہوتی۔ اصلی رکاوٹ تو ان کی اپنی زندگی کی وہ مشکلیں ہیں جن کا انھیں شروع ہی میں سامنا کرنا پڑتا ہے، اُن کی وہ کمزوریاں ہیں جن کا وہ برابر شکار رہتے ہیں اور اُن کے وہ خیال ہیں جن کو کبھی روکا نہیں جاتا' اور ان سب سے بڑھ کر ان کی وہ مایوسی اور نا اُمیدی ہے جو ان کی زندگی پر اپنا بھیانک سایہ ڈالے ہوئے ہے۔"

کورس

کھیتی باڑی کی تعلیم کے سلسلے میں پستالوزی چھوٹی چھوٹی زمینوں کی کھیتی کے طریقے، چرائی کی زمین تیار کرنا، کھاد کا استعمال، مختلف گھاسوں کی پہچان اور ان کے ملانے کی ترکیب اور پھل دار درختوں کے پلنے بڑھنے اور دیکھ بھال کرنے کا کام سکھانا چاہتا تھا۔ اس سلسلے میں ایک خاص اصول یہ تھا کہ اس کھیتی باڑی کے کام کا بچوں کی زندگی کی ضرورتوں سے گہرا تعلق تھا۔ کھانے پینے کا اور دوسرا خرچ نکالنے کا یہ ایک خاص ذریعہ تھا۔ نیو ہاف کا اسکول بورڈنگ اسکول تھا جہاں اُستاد اور شاگرد ایک بھاری کنبے کی طرح مل جل کر رہتے تھے اور اپنی زندگی کی ضرورتیں کام کر کے پوری کرتے تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ بچے کھیتی باڑی کا کام بڑے پیمانے پر نہ کر سکتے تھے اور نہ ان غریب بچوں کو بڑے ہو کر کھیتی باڑی کے قیمتی سامان مل سکتے تھے۔ ان کی قسمت میں تو زمین کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا تھا جس میں سال بھر میں کھانے بھر کا اناج بھی مشکل سے پیدا ہو سکتا تھا۔ اس لئے پستالوزی نے ترکاریاں بونے پر زیادہ دھیان دیا۔ ترکاریاں بونے میں دو فائدے تھے، ایک تو یہ کہ بچے اس کام میں دلچسپی زیادہ لیتے تھے اور دوسرے ان کے بونے میں روپے پیسے کا بھی زیادہ فائدہ تھا۔

کورس میں دوسرا مضمون حرفہ تھا۔ پستالوزی کہتا تھا کہ غریبوں کے اسکولوں میں کھیتی باڑی اور حرفے کو اکٹھا کرنے کی ضرورت ہے۔ چونکہ بچوں میں جم کر کام کرنے اور صفائی کی عادتیں پیدا کرنا بہت ضروری ہے اس لئے ان کا زیادہ وقت ہاتھ کے کام اور کھیتی باڑی ہی میں خرچ ہونا چاہیے اور ان کی تعلیم کے ہر حصے کو ان دو چیزوں سے لگاؤ ضرور ہونا چاہیے۔

پستالوزی کے اپنے ضلع میں کسانوں کو کھیتی سے اتنی کم آمدنی ہوتی تھی کہ کھیتی باڑی کے ساتھ ساتھ اپنی آمدنی بڑھانے کے لئے انھیں کوئی نہ کوئی دوسرا ہاتھ کا کام کرنا بھی ضروری تھا۔ اور اس لئے پستالوزی کہتا تھا کہ یہ ہاتھ کا کام ہر جگہ کی حالت اور ضرورت کی اچھی طرح دیکھ بھال کرنے کے بعد چھانٹنا چاہیے۔

پستالوزی نے نصاب کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اُس میں اور بنیادی اسکیم کے نصاب میں ایسی باتیں ملتی ہیں کہ تعجب ہوتا ہے۔ پستالوزی کے اسکول کی [illegible] اصولوں کا ذہن [illegible]

سیدھا سادہ تھا۔ بچے بس ترکاریاں ہی کھا سکتے تھے ان کے پاس گوشت خریدنے کو پیسہ نہ تھا۔ چونکہ وہ کام محنت سے کرتے تھے اس لئے سب کے سب ہٹے کٹے اور مضبوط تھے۔ گرمیوں میں انھیں اکثر ننگے سر اور ننگے پاؤں کام کرنا پڑتا تھا۔ پستالوزی اور اس کا بیٹا دونوں انھیں بچوں کے ساتھ رہتے تھے اور انھیں کے ساتھ کھاتے پیتے تھے۔

اسکول میں ایک کپڑے کا استاد اور دو جلاہے ملازم تھے۔ ان کے علاوہ ایک استانی کتائی کے لئے اور دو اچھی کاتنے والیاں، ایک نوکر کرگے کا سوت لپیٹنے کے لئے اور دو مرد اور دو عورتیں بس کھیت پر کام کرنے کے لئے تھیں۔

پستالوزی کا خیال تھا کہ بچوں کو اپنے کام سے اتنا کما لینا چاہیئے کہ وہ اپنا خرچ آپ چلا سکیں۔ اس میں دو فائدے ہیں ایک تو یہ کہ وہ جو کچھ کام کریں گے انھیں برابر یہ خیال رہے گا کہ وہ اُسے اپنے لئے کر رہے ہیں اور دوسرے یہ کہ انھیں کام میں جتنی زیادہ کامیابی ہوگی ان کے رہن سہن کا ڈھنگ بھی اتنا ہی زیادہ اچھا ہوتا جائے گا۔ پستالوزی آٹھ یا نو سال کی عمر کے بچے اپنے اسکول میں بھرتی کرتا تھا اور اُن کے لئے چھ سال کی پڑھائی کا کورس تھا۔ اُس کی رائے تھی کہ پہلے سال پچیس لڑکے بھرتی کئے جائیں اور اس کے بعد ہر سال پندرہ پندرہ۔ اس ترکیب سے چھ سال میں پورے سو لڑکے بھرتی ہو سکتے تھے۔ پستالوزی نے حساب لگایا تھا کہ کتائی کی آمدنی کے بعد چھ سال میں اسکول کی حالت ایسی ہو جائے گی کہ وہ اپنا خرچ آپ نکال سکے۔

۱۷۷۷ء میں اس نے اپنے اسکول کی رپورٹ لکھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اتنے دن کے تجربے کے بعد اسے یقین ہو گیا تھا کہ اسکول کی کامیابی کوئی ناممکن چیز نہیں۔ اسکول کو اس اصول پر چلانا کہ بچوں کے کام کی آمدنی سے ان کا خرچ بھی چل سکے پستالوزی کے نزدیک بڑا اچھا اصول تھا۔ اس کی رپورٹ میں آمدنی اور خرچ کا جو حساب ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے جو کچھ کہا ہے بالکل ٹھیک کہا ہے۔ ۱۷۷۸ء میں برن کی کھیتی کی انجمن نے نیوہاف کے اسکول کے بارے میں یہ لکھا کہ ہم نے کچھ مشہور اور قابل آدمیوں سے اسکول کے کام کی کا جانچ کرائی اور ہمیں پورا بھروسہ ہے کہ پستالوزی اپنے تجربے میں کامیاب ہوگا۔

سچ یہ ہے کہ اس اسکول کے نہ چلنے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ پستالوزی روپیے پیسے اور انتظام کے کام کو اچھی طرح نہ جانتا تھا۔ اس کے دوسرے مدرسوں کے ٹوٹ جانے کی بھی یہی وجہ تھی۔ لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اس نے تعلیم کے جو بنیادی اصول بنائے تھے وہ غریبوں کی مالی، سماجی اور ذہنی ضرورتوں کو ہمدردی کے ساتھ دیکھ بھال کر بنائے گئے تھے۔

پستالوزی اپنے شاگردوں کے ساتھ درجے میں ایک [illegible] اور کھیت میں ایک ہاتھ بٹانے والا ساتھی تھا۔ [illegible] کی کامیابی کا بھید ان استادوں کے کیرکٹر، سچائی اور لگن میں [illegible]

ہے جن کے ہاتھوں میں وہ تجربہ سونپا جائے۔ پستالوزی کو بچوں سے دلچسپی ہی نہیں بلکہ سچی محبت تھی۔ وہ ہر بچے کو ہمدردی اور دھیان سے دیکھتا بھالتا رہتا تھا اور اپنی ڈائری میں بچوں کے بارے میں الگ الگ بڑے دلچسپ اشارے لکھا کرتا تھا۔ چھوٹے چھوٹے جملوں میں بچے کی گھریلو زندگی، پرانی عادتوں، مدرسے میں آ کر جسم یا دماغ کی تبدیلیوں اور اس کی آئندہ کی کامیابی کے بارے میں بہت سی اچھی اچھی باتیں اس کی ڈائری میں ہوتی تھیں۔ اس نے ایک جگہ لکھا ہے "یہ بچی ابھی تک کام چور ہے مگر اس کے دل پر اسکول کی زندگی اپنا اثر ڈال رہی ہے۔ ابھی تک بچی پر اس کے بھیانک بچپن کا اثر باقی ہے، سوجے ہوئے پاؤں اور دوسری بیماریاں۔ اس کی چھوٹی بہن تیز اور خوب ہٹی کٹی ہے لیکن وہ ہر قسم کے اچھے اثر سے دور بھاگتی ہے۔ اس کا یہ حال دیکھ کر میرا دل کانپ اٹھتا ہے پچھلے کچھ دنوں سے میں اس میں بہت سی تھوڑی تھوڑی اچھی نشانیاں دیکھ رہا ہوں۔ اچھا خاصا کات لیتی ہے اور مدرسے میں یا کھیتوں میں ہر قسم کا کام کر لیتی ہے۔"

اس ڈائری سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے قریب قریب تمام شاگرد اچھی خاصی کتائی جانتے تھے اور ان میں سے کچھ تو کپڑا بننا بھی سیکھ گئے تھے۔

ہمیں اُمید ہے کہ بنیادی مدرسوں کے استاد بھی اس طرح کی ڈائریاں لکھتے ہوں گے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے گاؤں کے مدرسے میں اس قسم کی ڈائری رکھی جاتی ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس طرح کے اچھے اشارے افسروں کے مجبور کرنے سے یا انھیں دکھانے کے لئے نہیں لکھے جایا کرتے۔ یہ کام تو اپنی لگن اور لگاؤ سے ہوتا ہے۔ جب تک استادوں میں لگاؤ یا لگن نہیں ان کی ڈائریوں میں وہ دلچسپی اور سچائی نہیں دکھائی دے گی جو ہمیں پستالوزی کی ڈائری میں جھلکتی دکھائی دیتی ہے۔

نیوہاف کا یہ تجربہ پستالوزی کے لئے ایک جوانی کا خواب نہ تھا۔ یہ اس کی زندگی کا آئیڈیل تھا، ایسی زندگی جو اس نے غریبوں کے لئے تج دی تھی۔ وہ غریبوں کی تعلیم کے مسئلہ پر پوری عمر سوچ بچار کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اسی سال کی عمر میں جب زندگی کا دیا ٹمٹمانے لگا تھا اس کا ایک مرتبہ پھر ارادہ ہوا کہ ایک نیا اسکول انھیں اصولوں پر کامیابی سے چلا کر دکھائے۔ لیکن جیسا کہ De Grimpo نے کہا ہے "ہمارے سماجی جسم کا یہ ناسور یعنی غریبوں کی تعلیم کا مسئلہ ابھی تک رس رہا ہے، ابھی تک ٹیسیں مار رہا ہے اور ہندوستان میں تو یہ ناسور بڑھ کر سرطان بن گیا ہے۔"

عبدالغفور،
پروفیسر ٹریننگ کالج،
علی گڑھ۔

تکلی کاتنے کے طریقوں کی قسمیں

(۱) پلتھی چٹکی	دایاں	+	بایاں	=	۲	(ہوا لپیٹ)
(۲) پلتھی ڈھیلی چٹکی	"	+	"	=	۲	(")
(۳) پلتھی ہوائی چٹکی	"	+	"	=	۲	(")
(۴) پلتھی ڈھیلی ہوائی چٹکی	"	+	"	=	۲	(")
(۵) پلتھی چٹکی زمین ٹیک	"	+	"	=	۲	(جھٹکا لپیٹ)
(۶) پلتھی ڈھیلی زمین ٹیک چٹکی	"	+	"	=	۲	(" ")
(۷) کھڑی چٹکی	"	+	"	=	۲	(ہوا لپیٹ)
(۸) کھڑی ڈھیلی چٹکی	"	+	"	=	۲	(" ")
(۹) زانو آسن	"	+	"	=	۲	(جھٹکا یا ہوا لپیٹ)
(۱۰) پنڈلی آسن	"	+	"	=	۲	(")
(۱۱) تلوا آسن	"	+	"	=	۲	(")
(۱۲) کھڑا زانو	"	+	"	=	۲	(ہوا لپیٹ)

میزان ۲۴

شری ونوبا نے اپنی کتاب "بنیادی حرفہ۔کاتنا" میں تکلی پر کاتنے کے مختلف طریقوں پر کام کی باتیں لکھ کر کتائی جاننے والوں کو نئی نئی راہیں دکھائی ہیں۔ مختلف طریقوں سے کاتنا بنیادی مدرسوں کے لئے بڑے کام کی چیز ہے۔ ایک خاص تجربہ یہ ہوا ہے کہ طریقوں کے نام کتائی کے ڈھنگ پر ہونے چاہئیں، صرف طریقوں کے نمبر بتا دینے سے جیسے ۱۲واں، ۲۴واں کہہ دینے سے ہی اُستاد اور لڑکے آسانی سے نہیں سمجھتے اور اس طرح یاد کرنے سے بھی دماغ پر بے کار زور پڑتا ہے۔

اس لئے ہم نیچے ان طریقوں کے ناموں کے بارے میں تھوڑی سی باتیں بتاتے ہیں۔

نمبر ایک سے ۶ نمبر تک ۱۲ طریقے دایاں اور بایاں مل کر ہوتے ہیں۔ ان ۱۲ طریقوں سے کاتنا پالتھی مار کر بیٹھنے سے ہوتا ہے۔ ان میں انگوٹھا، کلمے کی انگلی اور بیچ کی انگلی استعمال ہوتی ہیں۔

ساتویں اور آٹھویں نمبر میں دایاں اور بایاں مل کر ۴ طریقے ہوتے ہیں ان طریقوں سے کاتنا اور لپیٹنا کلمے کی انگلی اور بیچ کی انگلی کی مدد سے کھڑے ہو کر ہوتا ہے۔

نویں طریقے کا مطلب یہ ہے کہ پالتھی مار کر بیٹھنے میں ران پر ہتھیلی کی مدد سے تکلی کو گھمایا جائے۔ لپیٹنے میں جھٹکا لپیٹ یا ہوا لپیٹ دونوں سے باری باری سے کام لے سکتے ہیں یا ایک ہی طریقے سے لپیٹ سکتے ہیں۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔

دسویں طریقے کا مطلب یہ ہے کہ ایک طرف کو دو زانو بیٹھ کر پنڈلی پر ہتھیلی کی مدد سے تکلی کو گھمایا جائے۔ سوت جھٹکا لپیٹ یا ہوا لپیٹ دونوں طریقوں سے لپیٹ سکتے ہیں۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔

گیارھویں طریقے کا مطلب یہ ہے کہ پالتھی مار کر بیٹھا جائے اور جس تلوے پر کاتتا ہو اس تلوے کو دوسرے پیر کی ران پر رکھیں اور اس پر ہتھیلی کی مدد سے تکلی کو گھمائیں۔ سوت لپیٹنے میں جھٹکا لپیٹ یا ہوا لپیٹ دونوں میں سے کسی بھی طریقے کو کام میں لا سکتے ہیں۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔

بارھواں طریقہ یہ ہے کہ کھڑے کھڑے ران پر ہتھیلی کی مدد سے تکلی کو گھمایا جائے۔ اگر دائیں سے کاتتا ہو تو دائیں پیر کو اور بائیں سے کاتتا ہو تو بائیں پیر کو موڑ کر اپنے گھٹنوں کی مدد سے کھڑے ہو جانا چاہئے۔ لپیٹتے وقت بل دینے کے بعد دونوں پاؤں زمین پر ٹکے رہنا چاہئے۔ سوت لپیٹنا ہوا لپیٹ کے طریقے پر ہوگا۔

اس طرح دایاں اور بایاں مل کر سب کل ۲۴ طریقے ہوئے۔

سوت لپیٹنے کے ۳ طریقے معلوم ہوتے ہیں:۔

(۱) انگلیوں کے اوپر پڑی تکلی رکھ کر کلمے کی انگلی اور بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کی مدد سے لپیٹنا۔

(۲) بیچ کی انگلی کے نیچے کھڑی تکلی رکھ کر انگوٹھے کی مدد سے لپیٹنا۔

(۳) جھٹکا لپیٹ یا سرکیہ لپیٹ کو ایک کھیپ میں پوری رفتار سے لپیٹنا۔

ایک بار میں جتنا سوت کتا ہے اتنے کو ایک کھیپ کہتے ہیں۔ ہوا لپیٹ کا مطلب یہ ہے کہ زمین چھوڑ کر لپیٹنا۔ زمین ٹیک کا مطلب ہے تکلی زمین پر ٹیک کر سوت کاتنا۔

شری نارائن چودھری
ٹریننگ اسکول،
پٹنہ۔

فہرست مضامین

پرنٹر و پبلشر: حامد علی خاں مطبوعہ: جید برقی پریس

نئی تعلیم

جلد ۲، نمبر ۱۲	دہلی، دسمبر ۱۹۴۰ء	قیمت سالانہ عہ

بنیادی اسکولوں کے لئے پڑھائی کی کتابیں

["نئی تعلیم" کے نومبر کے نمبر میں "بنیادی تعلیم کا ادب" کے نام سے ایک مضمون چھپا تھا جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ بہار کے ایجوکیشن بورڈ نے بنیادی تعلیم کے ادب کی تیاری شروع کردی ہے۔ اس کام کی پوری ذمہ داری پٹنہ ٹریننگ اسکول کے پروفیسر شری یت شوکمار لال کو سونپی گئی ہے۔ اس سلسلے میں شوکمار لال صاحب نے اپنے خیالات ہمارے پاس لکھ کر بھیجے ہیں۔ ہم ان خیالات کو یہاں چھاپ رہے ہیں۔ ان خیالات میں بہت سی کام کی اور پتے کی باتیں موجود ہیں۔ بنیادی تعلیم کے دوسرے کام کرنے والے صاحبان سے بھی ہماری گذارش ہے کہ وہ اپنے تجربے اور خیالات "نئی تعلیم" میں چھپنے کے لئے بھیجیں جن سے اس مسئلے کے ہر پہلو پر روشنی پڑسکے اور بنیادی تعلیم کے ادب کی تیاری میں مدد مل سکے۔] مدیرہ

...   .

بنیادی تعلیم کے نصاب پر غور کیجئے تو سارے نصاب کا نچوڑ یہ نکلتا ہے کہ بنیادی اسکولوں میں دراصل کتابوں کی پڑھائی کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان اسکولوں میں اول تو بچوں کو کسی نہ کسی کمائی کے حرفے کے ذریعے ہر طرح کی واقفیت خود حاصل کرنی ہے۔ پہلے پہلے تو یہ واقفیت زبانی حاصل کی جائے گی۔ اس کے بعد آگے چل کر اسی واقفیت کے سہارے لکھنے پڑھنے کی مشق کرائی جائے گی۔ واقفیت حاصل کرنے کا دوسرا طریقہ مشاہدہ ہوگا یعنی اپنے آس پاس کی چیزوں اور واقعات پر سمجھ بوجھ سے غور کرنا۔ مشاہدے کا میدان اتنا وسیع ہے کہ اگر اس سے پورے دھیان اور سمجھ کے ساتھ کام لیا جائے تو ایک طرف زمین سے لے کر آسمان تک اور دوسری طرف بابا آدم سے لے کر آج تک کے زمانے کے بے شمار واقعات، نتیجے اور اُن کے راز بچوں کے سامنے روشن ہو جائیں۔ اس طریقے سے جو علم حاصل ہوگا وہ عملی فائدے اور بچوں کی ذہنی نشوونما ہر دو نظر سے اس علم سے ہزار درجے قیمتی اور کارآمد ہوگا جو عام طور پر کتابوں سے حاصل کیا جاتا رہا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ قدرت کی کتاب کے ورق اتنی آسانی سے نہیں اُلٹے جاسکتے ہیں جتنی آسانی سے کتابوں کے ورق اُلٹے جاسکتے ہیں۔

قدرت کی کتاب میں چھپے ہوئے رازوں کو سمجھنے کے لئے بچوں کو ایک ایسے استاد کی رہنمائی کی ضرورت ہے جس کی علمیت مسلّم ہو اور جسے چیزوں کو دیکھنے اور ان کے سمجھنے اور ان کی تہ تک پہنچنے کا چسکا پڑ گیا ہو۔ استاد کی رہنمائی کے علاوہ انھیں ایک اچھے کتب خانے کی ضرورت ہے جہاں سے وہ اپنی رات دن اُٹھنے والی علم کی پیاس کو بجھا سکتے ہوں۔

ہم نے یہ باتیں ایک بلند مقصد (...) کے ماتحت کہی ہیں لیکن عملی اعتبار سے دیکھئے تو نہ تو ہمارے پاس ایسے استادوں کی کافی تعداد میں موجود ہیں اور نہ ہم بچوں سے ایسی امید کرسکتے ہیں کہ وہ ہر روز کافی توجہ اور لگاؤ کے ساتھ قدرت اور اپنے آس پاس کا ایسا مشاہدہ کرسکیں گے جس سے انھیں اوپر لکھے ہوئے معیار کے مطابق علم حاصل ہوسکے۔ جب حالات یہ ہوں تو ہمیں مجبور ہو کر کتابوں کا سہارا لینا ہی پڑتا ہے۔

کتاب کی ضرورت محسوس کرلینے کے بعد اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ان کتابوں میں کس طرح کے مضمون دئے جائیں، ان کے پیش کرنے کا ڈھنگ کیا ہو، اُن کی زبان کس طرح کی ہو۔ مضمونوں کا انتخاب اس طرح کا ہونا چاہئے جس سے بنیادی تعلیم کا مقصد اور اس کے پیچھے جو ارادے چھپے ہوئے ہیں وہ پورے ہوسکیں۔ اس قسم کے چند مضمونوں کا ذکر ہمارے نصاب میں بھی موجود ہے۔ ہم سردست یہاں صرف دو جماعتوں یعنی دوسری اور تیسری جماعتوں کے بارے میں کچھ کہیں گے۔ (پہلی جماعت میں کسی طرح کی کتاب کی پڑھائی کی ضرورت نہیں سمجھی گئی ہے) دوسرے درجے کے نصاب میں ضروری مضمون یہ ہیں: (۱) قدرت کا مطالعہ (۲) سماجی ماحول — بچے کا گھر، اسکول اور گاؤں (۳) تندرستی اور بدن کی صفائی (۴) سماج کے فائدے کی انجمنیں (۵) پیشے اور حرفے (۶) تہوار (۷) قصے کہانیاں (۸) دوسرے ملکوں کے بچوں کی زندگی۔ تیسرے درجے کے لئے ان مضمونوں کے علاوہ حضرت محمدؐ، حضرت عیسیٰؑ اور مہاتما بدھ وغیرہ کی زندگی کے حالات شامل کرنے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ پیشے اور حرفے کے مضمونوں کے علاوہ باقی قریب قریب سبھی مضمون پرانے ڈھنگ کی پڑھائی کی کتابوں میں نظر آتے ہیں مگر مضمونوں کے ایک سے ہونے سے ہمیں یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ اس لحاظ سے نئی

اور پرانی کتابیں بھی ایک سی ہو جائیں گی۔ ایسا نہیں ہوگا۔ چونکہ تعلیم سے ہمارا مقصد ہی بالکل بدل چکا ہے اس لئے انھی پرانے مضمونوں کو ہم بالکل دوسری طرح دیکھیں اور سمجھیں گے۔ اور مضمونوں کے ملتے جلتے ہونے پر بھی ہماری کتابوں کے مضمونوں کی شکل بہت کچھ بدلی ہوئی ہوگی۔ انھی پرانے مضمونوں پر اب جو سبق لکھے جائیں گے ان کے لئے بہت کچھ چھان بین، پوچھ گچھ، تجربے، مشاہدے اور مطالعے کی ضرورت ہوگی۔ بہت سے مضمون اتنے بڑے ہیں کہ ان کے بہت سے پہلو پرانی کتابوں کے سبقوں میں بھی موجود نہیں ہیں۔ ان پہلوؤں کا پتہ لگانا بھی آسان کام نہیں ہے۔ ہم نے ان کا پتہ چلانے کے لئے تین طریقے اختیار کئے ہیں۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ بچوں سے دوسرے تخلیقی کاموں کے علاوہ ایک خاص قسم کا مضمون اور بھی لکھوایا کرتے ہیں۔ ان سے کہا جاتا ہے کہ وہ دس پندرہ جملے کسی ایسی بات پر لکھیں جو انھوں نے گذشتہ کل کو دیکھا یا سنا ہو یا جو کسی طرح سے اُن کے دماغ میں آگئی ہو۔ ان مضمونوں کو پڑھنے سے آہستہ آہستہ ہمارے سامنے ان بچوں کی دنیا آتی جاتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا جاتا ہے کہ ان باتوں سے بڑوں کا بھی کچھ کم تعلق نہیں ہے۔

ہمارا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہم بڑی توجہ اور دھیان سے بچوں کے ایسے سوالوں کو چن چن کر نوٹ کر لیتے ہیں جو وہ درجے میں استادوں سے پوچھتے ہیں اور جن کے اندر کبھی کبھی بڑے معرکے کی باتیں چھپی ہوتی ہیں۔ ہماری تیسری کوشش یہ ہوتی ہے کہ استاد گاؤں والوں کے ساتھ جہاں تک ہو سکے اس طرح گھل مل کر رہیں کہ ان لوگوں کے رہن سہن، کاروبار، رسم و رواج، سلوک اور برتاؤ وغیرہ سے ان کو براہ راست واقفیت حاصل ہوتی رہے۔

ان طریقوں پر عمل کرنے سے جو باتیں ہمارے سامنے آئی ہیں ان میں سے چند اشارے کے طور پر ہم یہاں لکھتے ہیں۔

(۱) لوگوں میں اندھے عقیدے رواج پا گئے ہیں انھیں کس طرح دور کیا جا سکتا ہے۔

(۲) لوگوں میں ایسی عادتیں اور عقیدے جو ہیں تو معقول لیکن جن کو نئی روشنی والے اندھے عقیدے کہتے ہیں۔

(۳) توہمات پرستی (Superstition)، راکشس، بھوت، ڈائن وغیرہ۔

(۴) کھیل کود، ہنسی مذاق، گھومنا پھرنا۔

(۵) عام طور پر تجربے میں آنے والے مسائل۔ پروا ہوا سستی اور بیماری پیدا کرتی ہے۔ یہ کیوں؟ پچھوا ہوا سے چستی اور تیزی آتی ہے۔ یہ کیوں؟ برسات میں دھوپ نہیں رہتی لیکن پھر بھی گرمی بہت ہوتی ہے یہ کیوں؟ خاص خاص موسم اور مہینوں ہی میں خاص خاص تہوار کیوں منائے جاتے ہیں؟

(۶) باہر کے لوگ بستی کو چھوڑتے ہیں جیسے مہاجن وغیرہ

(۷) دنیا کی سب سے پہلی کھیتی، سب سے پہلے جو کھانا پکا کر کھایا گیا ہوگا اور سب سے پہلے جو گھر بنا ہوگا وہ کیسا رہا ہوگا۔

(۸) کون سا غلہ کب اور کہاں سے آیا ہوگا۔ اسی طرح پھل کا بھی مضمون ہے۔

(۹) بہت سے پیشے والے اور دستکار جو پہلے کبھی سکھی تھے اب تباہ ہو گئے۔ کیا وجہ ہے؟

(۱۰) بستی کی صحت و صفائی سے وہاں کے خاص خاص پیشہ وروں کا تعلق۔ نائی، دھوبی، کمہار، جلاہا، گوالا، تیلی، حلوائی، پنہارا، بنیا، حکیم، وید، اوجھا (عامل)، جوتشی وغیرہ۔

(۱۱) ملک یا صوبے کی تاریخ کا کسی مقامی عمارت، کھنڈر، خاندان، پوشاک یا کسی اور چیز کے ساتھ تعلق۔

(۱۲) خاص خاص برہوں، لوریوں اور دوسرے رواج پائے ہوئے گیتوں کو جمع کرنا جن سے مقامی تاریخ اور رہن سہن پر کچھ روشنی پڑتی ہو۔

(۱۳) نٹوں، مداریوں، بنجاروں وغیرہ خانہ بدوش قوموں کا حال۔

(۱۴) مختلف پودوں اور درختوں کے فائدے اور نقصان اور ان کے خاص خاص استعمال۔ جامن کی لکڑی سے کنویں کا چک بنانا۔ سوار (ایک قسم کی گھاس جو پانی کی سطح پر محیط ہوتی ہے) سے چینی کی صفائی۔ املی کی لکڑی کا کوئلہ ارجن اور ببول کی چھال سے رنگ تیار کرنا۔ مولسری کی چھال دانت کے درد کی دوا ہے۔ نیم کی چھال پھوڑے پھنسیوں کے لئے اور اس کی پتیاں چیچک کی بیماری میں مفید ہیں۔ ان چیزوں کے متعلق قصے کہانیاں۔

(۱۵) مختلف جانوروں کا آدمی کی زندگی سے تعلق — جنگلی جانور اور پالتو جانور۔ جانوروں کو پالنا۔ اُن کی عمر، ان کی بیماریاں اور دوا دارو۔ ان کی نسل کی اصلاح، جانوروں کے خاص اوصاف جیسے گدھے کو چیچک اور بکری کو دق نہ ہونا، گھوڑے کی لید سے ٹیٹنس کا ڈر۔

(۱۶) سیاحوں سے سنی ہوئی چند منتخب سیروں کا بیان۔ مکہ مدینہ کیلاش، رامیشورم، اجمیر، کاشی، بمبئی، کلکتہ، کشمیر، تبت وغیرہ

اب ہم ان سبقوں پر غور کریں گے جن کا تعلق پیشوں یا دستکاریوں سے ہے۔ پیشے دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو مدرسوں میں پڑھائے جاتے ہیں اور دوسرے وہ جو بستی میں مختلف لوگوں کے ہوتے ہیں۔ نیچے کے درجوں میں زیادہ تر پہلی قسم کے پیشوں کے متعلق سبق پڑھانے چاہئیں۔ دوسری قسم کے پیشوں میں سے دو ایک ایسے پیشے منتخب کرنے چاہئیں جنھیں بچے ہر وقت روزانہ دیکھا کرتے ہیں اور جن سے ان کو قدرتی طور پر دلچسپی ہو سکتی ہے جیسے کمہار، جلاہے، لوہار، بڑھئی وغیرہ کے کام۔

اسکول میں پڑھائے جانے والے پیشوں کے اور کس قسم کے سبق ہونے چاہئیں، یہ بات بھی معلوم کرنے کی ہے۔ ایسے سبقوں کی کسوٹی یہ ہونی چاہئے کہ بچے ان کو سمجھ کر پڑھ سکیں اور اُنھیں پڑھتے وقت ان کو دلچسپی محسوس ہو۔ کوئی سبق ایسا بھی نہ ہو جس میں ایک ہی وقت میں بہت سی باتوں کی اہمیت جتائی گئی ہو۔ ہر سبق کو اپنے پیام کا الگ الگ حامل ہونا چاہئے۔ وہ پیام چھوٹے بچوں تک آسانی سے پہنچ سکے اور انھیں پڑھ کر ان کو وہی خوشی حاصل ہو جو خود اپنے تجربوں کے ذریعے کسی راز کے معلوم کرنے سے ہوتی ہے۔

اب ہم ان سبقوں کے کچھ نمونے یہاں دیں گے جو ہم نے اب تک تیار کئے ہیں۔

(۱) کتائی، دھنائی اور بُنائی سے تعلق رکھنے والے سبق جیسے "کتائی کا دنگل" "دھنائی کس کی اچھی رہی" وغیرہ۔

(۲) "دو پیشوں کی بحث" (نثر یا نظم میں)۔ "چچا: چرخے، بھتیجے یا بھتیجی: تکلی"۔

(۳) رواج پائی ہوئی کہانیاں جو ربط کے لحاظ سے کچھ بدل دی گئی ہیں۔

(۴) پیشوں سے تعلق رکھنے والی اور دوسری نصیحت آموز کہانیاں کس طرح لائی جا سکتی ہیں — پپیتے کیوں پھل نہیں لائے؟

(۵) آس پاس کے لوگوں پر اسکول کا اثر۔ "کہاں بھیک مانگنا اور کہاں کاتنا!"

(۶) لوگوں کے بے حقیقت ڈروں کو کس طرح دور کیا جا سکتا ہے؟ "راکشس بوتل میں بند۔"

(۷) تندرستی اور بدن کی ترقی کے متعلق سبق "جامن کے پیڑ سے ڈاکٹر کی تباہی" "المونیم کے کٹورے کا دودھ۔"

(۸) سماج کا علم اور قدرت دونوں کے ایک ساتھ سبق۔ "کیا لالٹین میں بھی جان ہے!"

(۹) مطالعۂ قدرت سے تعلق رکھنے والے سبق جن کے ذریعے بچوں کا دھیان مختلف جانوروں کی طرف ٹھیک طور پر دلایا جا سکتا ہے۔ "بغیر ہاتھ پاؤں کا مددگار (کیچوا)"۔ "مُن مُن اور چُن مُن (بکری اور بھیڑ کا بچہ)"۔

(۱۰) پیشے اور سائنس دونوں ساتھ ساتھ۔ "کسان کے دوست۔"

(۱۱) کھیل، پیشہ اور تفریح تینوں ایک ساتھ۔

(۱۲) سماجی ماحول۔ "شادی یا بربادی"۔ "اچھوت کون ہے!"

(۱۳) مختلف ملکوں کے بچوں کی زندگی۔ "برف کے گھر والے۔"

(۱۴) تہوار "دیوالی" "عید"۔

(۱۵) گاؤں کی صنعتوں کی دوبارہ ترقی۔ "کولھو پھر چلنے لگا۔"

(۱۶) رواج پائے ہوئے دیہاتی قصے کہانیاں۔

(۱۷) اچنبھے کی باتیں۔ "پانی برسے اور مچھلی مرے"۔ "شاخیں بڑھیں تو درخت تباہ ہو۔"

(۱۸) معیاری باتیں "ایک نمونے کا پڑوسی" "ایک نمونے کا کنبہ۔"

(۱۹) پیشوں سے تعلق رکھنے والے گیت "سنہرا پیڑ (کپاس)" "پیاری دھنکی" "تکلی کا ناچ۔"

(۲۰) اچھی باتیں۔ "میٹھے بول" (نظم)

(۲۱) سیریں "گاؤں کی سیر"

وغیرہ وغیرہ

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح نئی کتابوں میں دئے جانے والے مضمونوں کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ مقامی حالات اور ماحول کے مطابق بے شمار باتوں پر سبق تیار کئے جا سکتے ہیں۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ان الگ الگ باتوں کو پیش کرنے کا ڈھنگ کیا ہو۔

معمولاً اس طرح کے نئے سبق تین طریقوں سے لکھے جا سکتے ہیں۔ ایک قصے کہانی کے طریقے پر، دوسرے بات چیت (مکالے) کی شکل میں تیسرے بیان کرنے کے ڈھنگ سے۔ ان تینوں طریقوں میں صرف پہلا اور دوسرا طریقہ عام طور پر بچوں کو بھاتا ہے اور اسی لئے ہم نے انھی دو طریقوں کا سہارا لیا ہے۔ تیسرا طریقہ غیر دلچسپ ہوتا ہے اور بچوں کی کتابوں میں اس طریقے کو نہیں برتنا چاہئے۔

سب سے آخر میں اسباق کی زبان کا سوال آتا ہے۔ اس مسئلے میں ہمیں راستہ دکھا دیا گیا ہے۔ ہم اسی راستے پر چل کر ہندوستانی زبان کے استعمال کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمارا یقین بھی ہے کہ کم سے کم نئے درجوں میں تو یہی زبان ہونی چاہئے۔ بہار میں آج پانچ چھ سال سے تیسرے درجے تک یہی زبان کام میں لائی جاتی ہے۔

نئی تعلیم کے استادوں کے لئے جس ادب کی ضرورت ہے، اُسے تیار کرنا کچھ کم مشکل کام نہیں ہے۔ سچ پوچھئے تو اس کے لئے سب سے زیادہ چھان بین، مطالعے اور یادداشتیں جمع کرنے کی ضرورت ہے۔ اس موضوع پر ہمارے جو خیالات ہیں ان پر بھی کبھی روشنی ڈالی جائے گی۔

شوکمار لال

چھوٹے دیہاتی اسکول

(پچھلے مضمون سے آگے)

بچے کی تعلیم کے تین حصے ہیں۔ ایک تو خود بچہ اور اس کا سماجی ماحول یعنی اس کے گھر اور گاؤں کی زندگی، دوسرا حصہ ہے تعلیم کا ذریعہ اور تیسرا استاد۔ تعلیم کے جس طریقے میں یہ تینوں حصے ایک ساتھ مل کر کام کریں وہ طریقہ سماج کی ایک زندہ اور پُر اثر طاقت کی شکل میں کام کرتا ہے لیکن جہاں ان تینوں حصوں میں سے کسی ایک حصے پر دباؤ پڑتا ہے یا اُسے اپنا پورا پورا عمل کرنے کا موقع نہیں ملتا، وہاں سارے تعلیمی نظام پر اور آخر میں سارے سماج پر اس کا اثر پڑتا ہے۔

جب ہم تعلیم کی تاریخ پر غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہر ملک میں ان تینوں حصوں میں سے کسی ایک حصے پر زور دیا جاتا رہا ہے اور اسی کو تعلیم کی جان سمجھا گیا ہے۔ تہذیبی دور کے شروع میں یعنی پرانے اور بیچ کے زمانے میں پورب ہو یا پچھم استاد یا گرو ہی کو سب سے بڑی جگہ دی گئی ہے اور اسی کو تعلیم کی جان سمجھا گیا ہے۔ چین، ہندوستان اور یونان پرانے زمانے کی تہذیب کے مرکز مانے جاتے ہیں۔ ان کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ بچوں کی تعلیم سماج کے کارناموں میں ایک بڑا کارنامہ سمجھی جاتی تھی اور استاد یا گرو کا درجہ سماج میں بہت اونچا اور عزت کا سمجھا جاتا تھا۔ مگر اس زمانے کے تعلیمی نظام میں نہ تو کوئی مقررہ نصاب ہوتا تھا، نہ تعلیم دینے کا کوئی نقشہ، اوقات، نہ کسی قسم کی عمارت۔ ہر استاد یا گرو خود ایک جامعہ (یونیورسٹی) ہوتا تھا۔ درختوں کے نیچے، پہاڑوں کی چوٹیوں پر، شہر یا گاؤں کے چوراہے پر، غرض جہاں کہیں استاد یا گرو آسن جما کر بیٹھ جاتا، وہیں طالب علم اکٹھے ہونے لگتے اور وہیں ایک مسندِ علم (Academy) قائم ہو جاتی۔ انھیں نہ عمارت کی ضرورت تھی، نہ سامان کی اور نہ کتابوں کی۔ استاد چلتے پھرتے بھی زندہ تعلیم کے چلتے پھرتے مدرسے بنے رہتے تھے۔ لیکن جتنی ان کی عزت تھی اتنی ہی ان کی ذمہ داریاں بھی تھیں۔ تعلیم کا موضوع، سامان اور نصاب، طالب علم کی پوری زندگی اور اس کی پرورش اور دیکھ بھال سب کی ذمہ داری استاد پر ہوتی تھی۔ اگر تعلیم کا سارا بوجھ استاد اٹھاتا تھا تو ساتھ ہی استاد کا پورا بوجھ سماج اٹھاتا تھا۔ مغربی تعلیمی نظام کے رواج پانے سے پہلے ہندوستان میں تعلیم کا یہی پرانا ڈھنگ چلا آتا تھا اور آج بھی جہاں مغربی تعلیمی نظام کے قدم نہیں پہنچے ہیں وہاں یہی وضع قائم ہے۔

تاریخ تعلیم کے اس دور کو ہم استادوں یا گردؤں کا دور کہہ سکتے ہیں۔ اس کے بعد یورپ میں صنعتی اور مشینی تہذیب کی ترقی کے ساتھ جیسے جیسے تہذیب کی اہمیت بڑھتی گئی ویسے ہی ویسے تعلیم کے میدان میں بھی اس کا اثر پڑنے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تعلیم کے طریقے میں آہستہ آہستہ استاد کی اہمیت گھٹتی گئی اور سامان اور ذریعے کی اہمیت میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس زمانے میں تعلیم کے انتظام میں اسکول کی عمارت، اسکول کا سامان (ڈیسک، میز، کرسی، تختۂ سیاہ وغیرہ) کتابیں، نصاب، ٹائم ٹیبل وغیرہ جیسی چیزیں تعلیم کے خاص مسائل سمجھے جانے لگے اور استاد کی اہمیت کم ہونے لگی۔ مغربی تہذیب کے پھیلاؤ کے ساتھ تعلیم کے اس نئے تخیل کا اثر بھی ہر طرف پھیل گیا۔

سو برس کے قریب ہوئے، ہندوستان میں تعلیم کے نظام کا یہی زمانہ قائم ہے۔ آج جب کبھی ہم تعلیم کے متعلق سوچتے ہیں تو ہمارے سامنے سب سے پہلا اور سب سے بڑا مسئلہ رہتا ہے اسکول کی عمارت کا، سامان کا، نصاب تعلیم کا، اور ٹائم ٹیبل کا۔ جب یہ سب انتظام پورا ہو جاتا ہے تو ہمیں استاد کا خیال آتا ہے اور اخباروں میں اشتہار دے کر ہم تعلیم کے انتظام کی اس آخری اور سستی ضرورت کو پورا کر لیتے ہیں۔ پہلے جہاں استاد تعلیم کی جان تھا، وہاں اب استاد کا ہونا ایک خانہ پری سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔

لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ خود یورپ کی تعلیمی دنیا میں تو ایک نئے زمانے کی نشانیاں نظر آ رہی ہیں اور ہمارا ہندوستان ہے کہ یہاں تعلیم اُسی پرانے ڈھرے پر چلی جا رہی ہے۔ تعلیم کے اس نئے تخیل کے لحاظ سے اس صدی کو بچوں کی صدی (Century of the Child) کہا گیا ہے۔ تعلیم کی دنیا میں آج ایک نئی گونج پیدا ہو رہی ہے۔ بچہ ہی تعلیم کی ابتدا، انتہا اور بیچ ہے اور وہی تعلیم کا مرکز ہے۔ اسی کے اندر تعلیم کا موضوع، ترقی اور ٹائم ٹیبل پوشیدہ ہوتا ہے۔ تعلیم کے طریقۂ کار میں بچہ ہی راہنما ہے اور سچا استاد بھی سچ پوچھئے تو وہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سچا تعلیمی نظام وہی ہے جو بچوں کی دکھائی ہوئی راہ پر، بچوں کے رجحانات، ان کے شوق اور دلچسپیوں کا مطالعہ کرتا ہوا بچوں کی ضرورتوں کے مطابق تعلیم کا ڈھیر بناتا ہوا چلے۔

اس لئے اگر ہم زمانے کی رفتار کے مطابق چھوٹے دیہاتی اسکولوں کے لئے تعلیم کا اچھے سے اچھا ڈھیر تیار کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں سب سے پہلے اُس دیہاتی بچے کا مطالعہ کرنا ہوگا جو تعلیم کا مرکز اور سب سے پہلا مقصد ہے۔ جن زندہ قوموں نے تعلیم کو ایک سچا اور اہم مسئلہ مان لیا ہے، ان کے یہاں ہر طرح سے بچوں کا، ان کی طبیعت کا، ان کے ذہن اور ذہنی عمل کا، ان کی کمزوریوں کا، ان کے گھر اور سماج کا پورا پورا مطالعہ کیا جاتا ہے اور اس مطالعے کے نتیجوں کی بنیاد پر تعلیم کی عمارت کھڑی کی جاتی ہے۔

لیکن ہمارے ملک کا محکمۂ تعلیم تو صرف ایک پرزہ ہے ایک بہت بڑی مشین کا۔ اسکولوں کی عمارتیں، سامان، پڑھائی کی کتابیں، امتحان، معائنہ، نگرانی، افسروں اور انسپکٹروں کی تنخواہیں اور بجٹ، یہ ہیں وہ مسائل جن کی فائلوں سے محکمۂ تعلیم کے دفتر بھرے رہتے ہیں اور ہمارے محکمۂ تعلیم کے افسروں کے دماغ انھیں فائلوں کے ورق الٹنے اور ان پر Remarks چڑھانے میں صرف ہوتے ہیں۔ اس "غیر معمولی انتظام" میں بھلا چھوٹے بچوں کے لئے کہاں جگہ ہو سکتی ہے اور اس کی ضرورتوں کے مطالعے کی کسے فرصت؟ رابندر ناتھ ٹیگور کی ایک کہانی ہے کہ ایک راجا نے ایک طوطا پالا۔ اُس کے لئے سونے کا پنجرا بنا، اس کی پڑھائی کے لئے بڑے بڑے انتظام ہوئے۔ بڑی بڑی تنخواہوں پر مولوی اور پنڈت بلوائے گئے۔ غرض بڑے زور شور سے اس کی پڑھائی شروع ہوئی۔ یہ سب کچھ ہوتا رہا لیکن یہ کسی کو پتہ نہ چلا کہ بے چارا طوطا کب کا اس دنیا سے سدھار چکا۔

ہمارے ملک کے لوگ محسوس تو کرنے لگے ہیں کہ ہمیں اپنے تعلیمی نظام کو سرے سے بدل دینا چاہئے لیکن جب تک سارا انتظام ہاتھ میں نہ آ جائے تب تک اس ذمہ داری کو بنیادی تعلیم کے کارکنوں، استادوں کو جس حد تک ہو سکے اُٹھانا ہے۔ ہندوستان کے بچوں کا پورا پورا مطالعہ بھی انھی کو کرنا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ کام بہت بڑا ہے اور وقت بہت کم ہے لیکن ہمیں یقین ہے کہ بنیادی تعلیم کے ذریعے ملک کی تعلیم کے نظام میں جو انقلاب پیدا کرنے کا ہم ارادہ کر چکے ہیں، اس کی تکمیل میں سب لوگ ہمارا ہاتھ بٹائیں گے۔

(باقی)

ضلع کی کونسلوں کی طرف سے بنیادی تعلیم کے تجربے

ضلع رائے پور (وسطی صوبہ)

ہندستانی تعلیمی سنگھ کی پچھلے جلسہ میں یہ طے کیا گیا تھا کہ صوبوں کی میونسپل کمیٹیوں سے اور ضلع کے بورڈوں سے درخواست کی جائے کہ وہ بھی بنیادی تعلیم کے تجربے میں حصہ لیں، اپنے استادوں کو بنیادی تعلیم کی ٹریننگ دے کر وہ اپنے پرائمری اسکولوں میں ان ٹریننگ پائے ہوئے استادوں کی مدد سے بنیادی تعلیم کا کام شروع کر دیں۔

انگلستان میں تعلیم کی تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اچھے اچھے تعلیمی تجربوں میں وہاں کی کاؤنٹی کونسلوں اور سٹی کونسلوں نے بہت بڑا حصہ لیا ہے۔ ہمارے ملک میں میونسپل کمیٹیاں اور قصبوں کے بورڈوں کو تعلیم کا کام کرتے ہوئے کافی عرصہ گذر چکا ہے لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انھوں نے تعلیم کے میدان میں کچھ کام کر کے دکھایا ہو۔

لیکن ہمارے سامنے ان ضلع کونسلوں میں رائے پور ضلع کونسل کی ایک بہت اچھی مثال موجود ہے۔ رائے پور مہاکوشل یعنی ہندی وسطی صوبے کا ایک ضلع ہے۔ موجودہ پرائمری تعلیم میں قومی رجحان پیدا کرنے کی کوشش یہاں کی ضلع کونسل کئی سال سے کرتی رہی ہے۔ بنیادی تعلیم کی اسکیم سے بہت پہلے اس ضلع کونسل نے اپنے اسکولوں میں کتائی کا کام شروع کرا دیا تھا اور استادوں کو "ہری جن سیوک" وغیرہ اخبار دے کر اور کبھی کبھی ان کے لئے ٹریننگ کیمپ کھول کر ان کے اندر قومی جذبے کو بیدار کرتی رہی ہے۔

پنڈت روی شنکر شکلا کئی سال تک رائے پور کی ضلع کونسل کے چیرمین رہے تھے۔ ۱۹۳۵ء میں انھوں نے اپنے ضلع کے اسکولوں میں کتائی کی تعلیم جاری کر دی تھی۔ اس کے لئے ۱۹۳۵ء میں مئی کے مہینے میں ایک ڈیڑھ مہینے کا

ٹریننگ کلاس کھولا گیا ہے جس میں تقریباً ایک سو استادوں کو دھننے اور تکلی پر کاتنے کی تعلیم دی گئی۔ کتائی کے لئے روز ۴۰ منٹ دیے جاتے تھے۔ اسکول کو کتائی کا سارا سامان۔ دھنکیاں، تکلیاں، اٹیرنیں، تانت، روئی وغیرہ ضلع کونسل کی طرف سے دیا گیا۔

۱۹۳۶ء اور ۱۹۳۸ء میں ایک ایک مہینے کے دو ٹریننگ کیمپ اور کھولے گئے جن میں ۵۰۔۵۰ استادوں کو تعلیم دی گئی۔ اس طرح ۱۹۳۹ء میں رائے پور ضلع کونسل کے تقریباً ستر اسّی اسکولوں میں کتائی کی تعلیم جاری تھی۔

۱۹۳۹ء میں بنیادی تعلیم کی اسکیم تیار ہوئی اور رائے پور کی ضلع کونسل نے اسے اپنے اسکولوں میں جاری کرنا طے کیا اور اپنے کچھ استاد وِدیا مندر ٹریننگ اسکول وردھا میں بھیجے۔ ان استادوں کے ٹریننگ اسکول سے لوٹنے کے بعد سے مئی ۱۹۴۰ء سے بنیادی تعلیم کے تجربے پر عمل شروع کر دیا گیا۔

بنیادی تعلیم کے کام کی نگرانی اور انتظام کے لئے ایک کارکن کو آرگنائزر مقرر کر دیا گیا۔ ان کی مدد سے ودیا مندر ٹریننگ اسکول سے جو استاد تعلیم حاصل کر کے لوٹے تھے ان کا اور جن مدرسوں میں بنیادی تعلیم کا تجربہ کیا جانا طے پایا تھا ان کے ہیڈ ماسٹروں اور کچھ اور استادوں کا ایک ٹریننگ کیمپ قائم کیا گیا۔ اس طرح جولائی ۱۹۴۰ء میں ۱۲ اسکولوں کے تیرہ ابتدائی درجوں میں بنیادی تعلیم کا تجربہ شروع کر دیا گیا۔ تعلیم پانے والے کل بچوں کی تعداد ۴۱۲ ہے۔ بنیادی دستکاری کے لئے ضروری سامان کونسل دیتی رہتی ہے۔ اب تک ضلع کونسل نے استادوں کی ٹریننگ پر تقریباً تین سو پچاس روپیے اور بنیادی اسکولوں کے سامان وغیرہ پر تقریباً ایک سو پچاس روپیے خرچ کئے ہیں۔

بنیادی اسکولوں میں یادداشتیں رکھنے اور ٹھیک ٹھیک نگرانی کا کافی انتظام کیا گیا ہے۔ تجربے کو شروع ہوئے ابھی تین ہی مہینے ہوئے ہیں لیکن کام کی جو رپورٹ ملی ہے اس سے تجربے کی کامیابی کی امید کی جا سکتی ہے۔ بچوں کی معمولی زندگی، ان کی صفائی، ان کا رہن سہن اور اخلاق عادات، ان کا ذمہ داری کا احساس، ان باتوں میں کافی ترقی نظر آتی ہے۔

اسکولوں میں بنیادی حرفے کے لئے 'کتائی' کا کام چنا گیا ہے۔ چند اسکولوں میں باغبانی کا بھی انتظام ہے جہاں بچے کپاس اور موسمی ترکاریاں اور سبزیاں بوتے ہیں۔

کتائی کے لئے دو گھنٹے دیے جاتے ہیں۔ اس وقت میں دھنائی کا وقت شامل نہیں ہے۔ دھنائی کے لئے الگ سے وقت دیا جاتا ہے۔ پہلے درجے کے بچے اپنے لئے خود روئی دھن کر پونیاں بنا لیتے ہیں۔ کچھ اسکولوں میں تو پڑھائی شروع ہونے کے دو مہینے بعد ہی سے بچے دھنائی کرنے لگے ہیں۔ ان اسکولوں کی جولائی سے اکتوبر کی کتائی کی تفصیل یہ ہے:

بچوں کی تعداد: کل	بچوں کی تعداد: اوسط حاضری	کتائی کے اوسط دن	کتائی کے لئے اوسط وقت روزانہ	کل سوت لچھیوں میں	سوت کا اوسط نمبر	کل سوت کی قیمت	روئی اور پونیوں کی قیمت	کتائی سے آمدنی	استادوں کی دھنائی سے نفع
۴۱۲	۳۱۰	۷۳	۲ گھنٹے	۴۳۲۳	۱۰	لعہ ۹ ر	ملعہ ۳ ۱۳ار	رللعہ ۴۱ ۱۲ار	ـے ۲ ۱۱ر

رائے پور ضلع کونسل کا ہم تہ دل سے استقبال کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ دوسری ضلع کونسلوں پر بھی اس کا اثر پڑے گا۔

ضلع مان بھوم (بہار)

ایک اور ضلع کونسل کا جس نے بہت چھوٹے پیمانے پر بنیادی تعلیم کا تجربہ شروع کیا ہے، تعارف کرا دینا مناسب ہوگا۔ بہار کے ضلع مان بھوم میں جناب نوارن چند داس گپت آنجہانی کے اثر سے کئی سال سے کانگریس کے تعمیری پروگرام کا کام جاری ہے۔ یہاں کے دیہاتی لوگ تعمیری کاموں میں دلچسپی رکھتے ہیں اور کھادی کا ماحول یہاں پہلے ہی سے قائم ہے۔ بہت سے لوگ اپنے کھیتوں میں کپاس کی کاشت کر کے اپنی ضرورت کے مطابق کپڑے تیار کر لیتے ہیں۔

بنیادی تعلیم کی اسکیم کے ملک کے سامنے آتے ہی یہاں کی ضلع کونسل نے اپنے علاقے میں اس کا تجربہ کرنا طے کیا۔ شری نوارن چند کے فرزند ارجمند شری چت بھوشن داس گپت بنیادی تعلیم کی ٹریننگ کے لئے پٹنہ ٹریننگ اسکول میں بھیجے گئے۔ یکم ستمبر ۱۹۴۰ء کو مان بازار تھانے کے مجھوا گاؤں میں ہندستانی تعلیمی سنگھ کے سکریٹری شری آریا نائکم صاحب کے ہاتھوں بنیادی اسکول کا افتتاح ہوا۔ اس اسکول کے متعلق خاص بات یہ ہے کہ اس کی بنیاد ڈالنے میں گاؤں کے لوگوں کی پوری امداد شامل ہے اور اسکول کے لئے مکان، زمین وغیرہ سب انھی کے دیے ہوئے ہیں۔

اس اسکول کو جاری ہوئے دو مہینے ہو گئے ہیں لیکن اتنے تھوڑے سے عرصے میں بچوں اور ان کے سرپرستوں پر بنیادی تعلیم کی اسکیم کا کافی اثر پڑا ہے۔ گاؤں کے سب لوگ اب اپنے بچوں کو بنیادی اسکول میں داخل کرانا چاہتے ہیں لیکن چونکہ بچوں کی تعداد ۳۶ ہو گئی ہے اس لئے اب آگے کا داخلہ بند کر دیا گیا ہے۔ ایک اور استاد کو پٹنہ ٹریننگ اسکول میں ٹریننگ کے لئے بھیجا گیا ہے اور جیسے جیسے ٹریننگ پائے ہوئے استادوں کی تعداد میں اضافہ ہوگا امید ہے کہ اسی مناسبت سے تجربے کا دائرہ بھی وسیع ہوتا جائے گا۔ اس تجربے میں جو ضروری خرچ آتا ہے، اُسے گاؤں کے لوگ اور ضلع کونسل دونوں مل کر برداشت کرتے ہیں۔

مجھوا اسکول کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ بنگالی زبان میں بنیادی تعلیم کا پہلا تجربہ ہے۔ اس لحاظ سے ہم بنگال کی طرف سے اس آغاز کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

سماج کے علم کا ایک سبق

مصر کے پیرامڈوں کی کہانی

[پہلے درجے کی دوسری شش ماہی میں جب بچے یہ جان لیں کہ اچھی روئی سے اچھا سوت کتتا ہے تو ان کو یہ بتایا جا سکتا ہے کہ بڑھیا کپاس ہندوستان میں کہاں کہاں ہوتی ہے اور ہندوستان سے باہر کس کس ملک میں پیدا ہوتی ہے۔ مصر کی کپاس بہت اچھی ہوتی ہے اس لئے اس ملک کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ جب بنیادی دستکاری میں گتے کا کام ہو تب بھی اس ملک کا ذکر آئے گا اس لئے کہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے اسی ملک میں کاغذ ایجاد ہوا تھا۔ انگریزی کا لفظ "پیپر" مصر میں پیدا ہونے والی گھاس "پے پی رس" سے نکلا ہے۔ پرانے زمانے میں مصر کے لوگ اس گھاس کی پٹیاں بنا بنا کر اُن پر لکھا کرتے تھے۔ تیسرے درجے میں جب بچوں کو کپاس کی قسمیں بتائی جائیں تو مصر کی کپاس کے سلسلے میں مصر کے جغرافیے اور تاریخ کے متعلق بھی کچھ سبق پڑھائے جا سکتے ہیں مثلاً دریائے نیل کی کہانی"، "مصر کی تصویر دار لکھاوٹ"، "کاغذ کی تاریخ"، "حبشیوں کی کہانی"، "ان کو غلام کیسے بنایا جاتا تھا"، "مصر کے بادشاہوں کی کہانیاں"، "مصر کی پرانی قبریں"، "اُن کے اندر کی ممیوں اور سامان کی کہانیاں"، "مصر کے مندروں اور پجاریوں کی کہانیاں"، "حضرت موسیٰؑ اور فرعون کی کہانی" وغیرہ۔ یہاں پہلی جماعت کے معیار کا ایک سبق لکھا جاتا ہے جس میں پیرامڈوں کی کہانی بیان کی گئی ہے۔]

...

اُستاد:- بچوں سے، ہم نے تمھیں بتایا تھا کہ بڑھیا کپاس مصر کے ملک میں پیدا ہوتی ہے (یا سب سے پہلے مصر کے ملک میں کاغذ کام میں لایا گیا تھا) سب ایک ساتھ کہیں۔ کون سے ملک میں؟

سب بچے:- مصر کے ملک میں۔

اُستاد:- اچھا آج ہم تم کو مصر کے ملک کی ایک کہانی سناتے ہیں۔ تم جانتے ہو مصر کا ملک کہاں ہے؟

بچے:- جی نہیں۔ ہم نہیں جانتے۔ آپ بتائیے۔

اُستاد:- مصر کا ملک ہمارے یہاں سے بہت دور پچھم کی طرف سمندر پار ہے، پچھم کی طرف جدھر سورج ڈوبتا ہے۔ وہاں پہنچنے میں کئی دن لگتے ہیں۔ جہاز پر بیٹھ کر جانا پڑتا ہے۔ اس ملک میں ایک بہت بڑا دریا ہے۔ اس کا نام نیل ہے۔ مصر میں زیادہ تر ریت ہی ریت ہے۔ نیل ندی کے کنارے کنارے بہت زیادہ کھیتی ہوتی ہے۔ کپاس بھی ندی کے کنارے پیدا ہوتی ہے۔ اگر مصر میں دریائے نیل نہ ہوتا تو وہاں تمام ریت ہی ریت ہوتی اور وہاں کوئی نہ رہتا۔ اسی لئے مصر کے ملک کو دریائے نیل کا ملک بھی کہتے ہیں۔ جب دریائے نیل میں باڑھ آتی ہے تو اس کے کنارے کنارے جو کھیت ہوتے ہیں ان میں نئی مٹی بھر جاتی ہے اور خوب پانی مل جاتا ہے۔ اسی وجہ سے زمین بہت زرخیز بن جاتی ہے۔ اچھا اب کہانی سنو۔

بہت زمانے کی بات ہے اس ملک میں ایک راجا راج کرتا تھا۔ اس کا نام تھا خوخو۔ وہ راجا ایک بہت بڑے محل میں رہتا تھا۔ مصر کے ملک میں بڑے مکان کو "فرعو" کہتے ہیں۔ اسی لئے اس راجا کو بھی لوگ "فرعون" (یعنی بڑے مکان میں رہنے والا) کہنے لگے۔ اس راجا کا راج بہت بڑا تھا اور وہ بہت امیر تھا۔ اس کے محل میں ہزاروں غلام تھے۔ یہ غلام زیادہ تر حبشی قوم کے ہوتے تھے۔ مصر کے ملک کے دکھن کی طرف بہت بڑے بڑے جنگل ہیں۔ ان جنگلوں میں کالے رنگ کے لوگ رہتے ہیں۔ اُن کو حبشی کہتے ہیں۔ راجا کے لوگ ان لوگوں کو جنگلوں میں سے پکڑ لاتے تھے اور ان کو غلام بنا لیتے تھے۔ ان کے علاوہ سوداگر لوگ بھی ان حبشیوں کو پکڑ لے جاتے تھے اور ان کو بیچ بیچ کر روپیہ کماتے تھے۔ امیر لوگ انھیں خرید کر غلام بنا لیتے تھے۔ یہ غلام زندگی بھر کے نوکر سمجھے جاتے تھے۔ ان کو اپنے مالک کا سارا کام کرنا پڑتا تھا۔ نوکری میں صرف سوکھی روٹیوں کے ٹکڑے کھانے کو اور ایک آدھ کپڑا پہننے کو مل جاتا تھا۔ ان سے جانوروں کی طرح بڑی بے رحمی سے کام لیا جاتا تھا۔ ذرا سی غفلت یا غلطی ہونے پر ان کے اوپر کوڑوں کی مار پڑنے لگتی تھی۔ نہ ان بیچاروں کو کبھی چھٹی ملتی تھی، نہ یہ نوکری چھوڑ سکتے تھے اور نہ یہ کہیں بھاگ کر جا سکتے تھے۔

ایک بچہ:- کیوں ماسٹر صاحب! اگر کوئی بھاگ جاتا تو؟

اُستاد:- بھاگ جاتا تو راجا کی پولیس پھر اسے پکڑ لاتی اور وہ پھانسی پر لٹکا دیا جاتا۔ تم نے کبھی غلام کا نام سنا ہے؟ تم سے اگر کوئی اپنا کام کرنے کو کہتا ہے تو تم بھی تو کہہ دیتے ہو "کیا میں تمھارا غلام ہوں!" (اگر بچے غلام کے لفظ کو نہ جانتے ہوں تو انھیں سمجھا دینا چاہیئے۔)

جب مصر کے ملک کا کوئی امیر آدمی مرتا تھا تو اس کی لاش میں مسالہ لگا کر پہاڑ میں کھودی ہوئی قبر میں رکھ دیتے تھے۔ قبر میں مردے کے ساتھ سارا سامان بھی اس کے لئے رکھ دیا جاتا تھا۔ کھانے پینے کی چیزیں، میزیں، کرسیاں، رتھ، سونے چاندی کے زیور، برتن، کپڑے لتے، تصویریں، ہتھیار وغیرہ سب چیزیں رکھ دی جاتی تھیں۔ آدمی جتنا ہی زیادہ امیر ہوتا تھا، اتنی ہی بڑھیا چیزیں اس کے ساتھ اس کی قبر میں رکھی جاتی تھیں۔ بادشاہوں کی قبریں تو اور زیادہ بڑھیا اور شاندار ہوتی تھیں۔ مصر کے لوگ سمجھتے تھے کہ جنت میں ان چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔

جن مُردوں کو مسالہ لگا کر رکھا جاتا تھا انھیں ممی کہتے تھے۔ اس طرح کی بہت سی ممیاں پرانی قبروں میں ملی ہیں۔ ہزاروں سال گذرنے کے بعد بھی وہ لاشیں جوں کی توں پائی گئی ہیں۔ وہ مسالہ کون سا ہوتا تھا، یہ بات ابھی تک معلوم نہیں ہو سکی ہے۔ تم نے کوئی بڑی قبر دیکھی ہو تو بتاؤ۔ ہمارے ملک میں بھی شاہ جہاں بادشاہ نے اپنی بیگم ممتاز محل کی قبر پر ایک نہایت خوبصورت عمارت بنوائی جو دنیا بھر میں مشہور ہے۔ اس کا نام تاج محل ہے اور آگرے کے شہر میں ہے۔

ہاں تو جس راجا کی یہ کہانی ہے، وہ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتا تھا۔

اس کے جو جی میں آتا تھا وہی کرتا تھا۔ لوگ اس سے تنگ آ گئے تھے۔ اُس نے کہا تھا "میری قبر اتنی بڑی بنائی جائے جتنی آج تک کسی کی نہ بنی ہو۔" بس، حکم کی دیر تھی، تیاریاں ہونے لگیں۔ اس کام کے لئے غلام پکڑے اور خریدے جانے لگے۔ ایک لاکھ کے قریب غلام جمع کئے گئے۔ راجدھانی "گزاہ" کے پاس ہی جگہ پسند کی گئی۔ پہلے تو دور دور کے پہاڑوں کی چٹانیں کاٹی گئیں۔ ایک ایک چٹان سو سو دو دو سو من کی تھی۔ یہ پہاڑیاں دریائے نیل کے دوسرے کنارے پر تھیں۔ لوگ بڑی بڑی کشتیاں بنا کر ان میں ان چٹانوں کو لے آئے لیکن ندی کے کنارے سے "گزاہ" کافی دور تھا اور راستے میں کہیں دلدل پڑتا تھا تو کہیں ریت کا میدان۔ یہ بھاری چٹانیں دلدل یا ریتے میں گھسیٹی جاتیں تو انھیں میں پھنس کر رہ جاتیں۔ اس لئے خوفو نے حکم دیا کہ پہلے دریائے نیل سے گزاہ تک ایک پکی سڑک بناؤ۔ دس برس میں تو یہ سڑک تیار ہوئی۔ بہت سے غلام سخت محنت اور بیماری سے مر گئے۔ پھر گاڑیوں میں لاد لاد کر یہ چٹانیں گزاہ تک پہنچائی گئیں۔ بیلوں سے گاڑیاں نہ کھنچیں تو بہت سے غلاموں کو ان گاڑیوں میں جوت دیا جاتا اور انھیں بیلوں کی طرح ہانکا جاتا تھا۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ جب گاڑی خوب لدی ہوئی ہوتی ہے تو کتنا زور لگانا پڑتا ہے۔

جب تمام سامان اکٹھا ہو گیا تو قبر بننی شروع ہوئی۔ چٹانوں کے اوپر چٹانیں رکھی جانے لگیں۔ اس زمانے کے انجنیر (اگر بچے انجنیر نہ جانتے ہوں تو انھیں سمجھا دیا جائے یعنی "مکان بنانے والے لوگ" انجنیر کہلاتے ہیں) بڑے ہوشیار رہتے۔ یہ چٹانیں بڑی مضبوطی اور خوبصورتی سے ایک دوسرے کے ساتھ جڑی گئی ہیں۔ اتنی بڑی اور بھاری بھاری چٹانیں بھلا لوگ کس طرح سے اوپر کو چڑھاتے ہوں گے؟

بیس برس تک برابر کام جاری رہا تب کہیں وہ قبر پوری ہوئی۔ پورے ملک کے غلام اس کام کے لئے پکڑوا منگائے گئے تھے، دوسرے کھیتی باڑی وغیرہ کے سارے کام رک گئے تھے اور ملک کا بہت بڑا نقصان ہو گیا تھا۔ قبر بنانے اور ایک لاکھ غلام مزدوروں کو بیس سال تک کھانا کھلانے میں جتنا کچھ خرچ ہوگا اس کا اندازہ مشکل ہے۔ یہ سب خرچ پورا کرنے کے لئے بادشاہ نے رعایا پر ٹیکس لگائے جس سے لوگوں میں بڑی ناراضگی پھیل گئی۔ جب خوفو مرا تو اُسے اسی بڑی قبر میں دفن کیا گیا۔ مگر لوگ اتنے ناراض ہو گئے تھے کہ اس کے مرنے کے بعد قبر میں سے اس کی لاش نکال لائے اور اس کی بہت بڑی بے عزتی کی۔

تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ یہ قبر کتنی بڑی ہوگی! (بچوں سے پوچھا جائے کہ بڑی سے بڑی عمارت اور اونچی سے اونچی چیز انھوں نے کونسی دیکھی ہے!) اچھا ہم بتاتے ہیں۔ دیکھو جب تم گاؤں سے شہر کی طرف جاتے ہو گے تو دیکھتے ہو گے کہ سڑک کے کنارے کنارے پتھر کی سلیں گڑی ہوتی ہیں اور ان پر کچھ لکھا ہوتا ہے۔ یہ سلیں ایک ایک فرلانگ کی دوری پر گڑی ہوتی ہیں۔ خوفو کی قبر قریب قریب ایک فرلانگ لمبی اور اتنی ہی چوڑی ہے۔ (اگر فرلانگ کا تصور بچوں کے ذہن میں نہ ہو تو کوئی ایک فرلانگ لمبا اور ایک فرلانگ چوڑا کھیت انھیں دکھا دیا جائے یا کوئی چھوٹا کھیت ہو تو اسے دکھا کر کہا جائے کہ اتنے بڑے بڑے اتنے کھیت آپس میں جوڑ دئے جائیں تب اس قبر کی لمبائی چوڑائی کے برابر ہوں گے۔

دیکھو اس قبر کی شکل میں تختۂ سیاہ پر بنائے دیتا ہوں۔ (استاد کو چاہیئے کہ وہ مصری اہرام کی تصویر بنائے) ایسی شکل جس کی ایسی چوٹیاں ہوں، ان کو انگریزی میں "پیرامڈ" کہتے ہیں۔ اسی لئے اس قبر کو بھی "پی رامڈ" ہی کہتے ہیں۔

یہ "پی رامڈ" جتنا لمبا چوڑا ہے اتنا ہی اونچا بھی ہے۔ دور سے پورا پہاڑ دکھائی دیتا ہے۔ ہمارے گاؤں میں جو سب سے اونچا درخت ہو ویسے ہی پچاس ساٹھ درخت ایک کے اوپر ایک رکھ دئے جائیں تب اس "پیرامڈ" کی اونچائی کے برابر ہوں گے۔ (اگر بچوں نے کوئی پہاڑی یا اونچی عمارت دیکھی ہو تو اس سے مقابلہ کیا جائے۔)

اس پیرامڈ کے اندر ایک بڑا کمرہ ہے جس میں خوفو کی ممی رکھی گئی ہوگی۔ اس میں بہت سا سامان بھی ملا ہے۔ اس کمرے کا دروازہ اتنی ہوشیاری سے بنایا گیا ہے کہ باہر سے دیکھنے پر بالکل اُس کا پتہ نہیں چلتا۔

یہ پیرامڈ ایسی جگہ بنا ہوا ہے جہاں دریائے نیل کی زرخیز زمین تو ختم ہو جاتی ہے اور ریتیلا میدان شروع ہو جاتا ہے۔ خوفو کے بعد اُس کے بیٹوں اور پوتوں نے بھی اپنی قبروں کے لئے پیرامڈ بنوائے لیکن یہ پیرامڈ چھوٹے چھوٹے ہیں۔ ریت کے میدان میں پہاڑوں کی طرح کھڑے ہوئے یہ پیرامڈ بہت دور سے نظر آتے ہیں۔

[کہانی کے بیچ بیچ میں بچوں کو سوال جواب اور پوچھ کچھ کا بھی موقع دینا چاہیئے تاکہ وہ چپ چاپ بیٹھے بیٹھے اکتا نہ جائیں اور کہانی کو دلچسپی کے ساتھ سنیں اور سمجھتے رہیں۔]

چندر گپت بارشنے

بنیادی تعلیم کی کانفرنس

"نئی تعلیم" کے اکتوبر کے نمبر میں اطلاع دی گئی تھی کہ بنیادی تعلیم کی دوسری کانفرنس نومبر کے آخری ہفتے یا دسمبر کے پہلے ہفتے میں الٰہ آباد میں ہونے والی ہے۔ فی الحال یہ کانفرنس ملتوی کر دی گئی ہے۔ اب دوسری کانفرنس کہاں اور کس وقت ہوگی اس امر کی اطلاع جنوری کے نمبر میں دی جائے گی۔

سکریٹری
ہندستانی تعلیمی سنگھ

فہرست مضامین

نئی تعلیم

جلد ۳، نمبر ۱ | دہلی، جنوری سنہ ۱۹۴۱ء | قیمت سالانہ عہ

نیا سال

اس پرچے "نئی تعلیم" کا تیسرا سال شروع ہوتا ہے۔ دو سال کا زمانہ کچھ ایسا بہت نہیں ہوتا، لیکن بہت ہو بھی سکتا ہے۔ جس کا زمانہ نئے کاموں، نئے خیالوں اور نئے ارادوں سے خالی ہو اس کی ایک صدی اور ایک دن میں کوئی فرق نہیں ہوتا جس زندگی میں یہ دن ہوں، جو نئے ولولوں اور نئی امیدوں سے پُر ہو اس کا ایک دن بہتوں کی ایک صدی پر بھاری ہوتا ہے۔ یہ ایک دن صدیوں کو رنگ دیتا، صدیوں کو اپنے دن گذارنے کی راہ بتاتا ہے۔

یہ دو سال جو "نئی تعلیم" پر گذرے یہ ایک نئے ارادے کے لئے، ایک نئی امید کے سہارے، ایک نئی کوشش کے سال تھے۔ اس لیے دو سال بھی بہت تھے۔ ہم سب کو جو چاہتے ہیں کہ اپنے دیس کے ہر بچے بچی کے لئے تعلیم کا انتظام ہو جائے اور تعلیم بھی وہ ہو جو ہماری سمجھ میں سب سے اچھی ہو، جس سے بچے کے اندر قدرت کے مہربان ہاتھ نے جو کچھ رکھا ہے وہ پوری طرح اُبھرے اور بڑھے اور یہ بچے اس اچھی تعلیم سے سنور کر ہمارے دیس کو امن اور سلامتی کا گھر بنا سکیں، خود چین سے رہیں اور اوروں کو چین سے رہنے دیں، جہاں امیر غریب کو اور طاقت والا کمزور کو نہ دبا سکے اور سب اپنے اپنے کام سے اپنی ہی نہیں سب کی بھلائی چاہیں —— ہم سب کو جو یہ چاہتے ہیں، یہ جاننا چاہیے کہ ہم نے ایک اچھی گھڑی میں ایک نیا ارادہ کیا ہے، ایک بڑا ارادہ اور بہت اچھا ارادہ۔ اب جو دن گذرتے ہیں انھیں اس ارادے کو پورا کرنے کی کوشش سے بھرنا چاہیے اور اس کوشش کے راستے میں جو کچھ ہمیں دکھائی دے اور جو کچھ ہم پر گذرے وہ دوسرے ساتھیوں کو، جو اپنی اپنی جگہ اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں بتانا اور جتانا چاہیے۔ اس سے بڑا سہارا ملتا ہے اور کٹھن سے کٹھن راہ سہل ہو جاتی ہے۔ اس بتلانے اور جتلانے کا ذریعہ بہت کچھ "نئی تعلیم" ہے۔ اس سے یہ کام لیجئے۔

ذاکر حسین

استادوں کا فرض

میں یقین کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتا کیونکہ مجھے ہندوستان میں سب مرکزوں کے بارے میں ذاتی طور پر واقفیت نہیں لیکن میرا اندازہ یہ ہے کہ بہت سی جگہ بنیادی تعلیم کا کام کچھ سست پڑ گیا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بتائی جا سکتی ہے کہ چونکہ سیاسی الجھاؤ کی وجہ سے کانگرس کی حکومتیں جنھوں نے اس کام کو شروع کیا تھا صوبوں سے علیحدہ ہو گئی ہیں اس لئے کام کرنے والوں میں پہلا سا جوش نہیں رہا اور شاید کہیں کہیں تعلیم کے محکموں کی طرف سے اب ان کی کافی مدد اور ہمت افزائی بھی نہ ہوتی ہوگی لیکن میرے خیال میں اس وجہ سے اس مفید کام کے راستے میں رکاوٹ پیدا نہیں ہونی چاہیے۔ اب ان لوگوں کا جو دراصل تعلیم کے میدان میں ایک مفید انقلاب پیدا کرنا چاہتے ہیں یہ فرض ہو گیا ہے کہ وہ زیادہ کوشش اور ہوشیاری کے ساتھ بنیادی تعلیم کے اس تجربے کو چلائیں۔ جس وقت کانگرس کی حکومتوں کی توجہ سے یہ تحریک ایک دم بہت تیزی سے پھیلنے لگی تھی کم از کم میرے دل میں یہ کھٹکا پیدا ہوا تھا کہ کہیں حکومت کی سرپرستی کے زور پر یہ تحریک بغیر عملی تجربے کی بھٹی میں سے گذرے، بغیر باقاعدہ سائنٹفک جانچ کے، بغیر استادوں کی پوری ٹریننگ کے تمام اسکولوں میں بہت جلد رائج نہ ہو جائے۔ یہ اندیشہ اس وجہ سے نہ تھا کہ مجھے اس تحریک کے اصولی طور پر صحیح ہونے میں شبہ ہے لیکن بہت سی باتیں جو اصولاً ٹھیک ہوتی ہیں اس وقت تک کامیابی کے ساتھ عملی صورت اختیار نہیں کر سکتیں جب تک ان کے لئے مناسب طریقے اور ذرائع اختیار نہ کئے جائیں۔ اس لئے خواہ اس وقت ہمارے کام کا پھیلاؤ کم ہو جائے لیکن ہمیں چاہیے کہ اس عارضی روک کے زمانے میں تحریک کو زیادہ تجربی اور سائنٹفک طریقے پر چلائیں اور بہت سی ان ابتدائی فنی مشکلوں کو حل کرنے کی کوشش کریں جو آئے دن استادوں کو پیش آتی ہیں تاکہ ہم بعد میں آنے والے لوگوں کی رہنمائی زیادہ اطمینان اور بھروسے کے ساتھ کر سکیں۔

غور کیجیے کہ بنیادی قومی تعلیم کی تحریک میں کیا کیا خاص باتیں شامل ہیں۔ اس میں کچھ تو ایسے تعلیمی اصول دہرائے گئے ہیں جن پر عمل کئے بغیر کوئی اچھا نظام تعلیم چل ہی نہیں سکتا خواہ وہ بنیادی تعلیم کو قبول کرے یا نہ کرے۔

کیونکہ ان کی بنیاد بچے کی فطرت، سماج کے مخصوص حالات اور ضروریات پر رکھی گئی ہے مثلاً شہری تربیت کے اصول، بچوں کے لئے عملی کام کی اہمیت، مضامین نصاب کا باہمی ربط، مدرسے اور سماجی ماحول کا قریبی تعلق وغیرہ بعض باتیں انتظامی قسم کی ہیں۔ بنیادی تعلیم کی اسکیم کا جو خاص جزو استادوں سے تعلق رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ مدرسوں کی درسی تعلیم کو کس طرح عملی ([illegible]) تعلیم بنایا جائے۔ اس کا تعلق بنیادی حرفوں کے ساتھ کس طرح قائم کیا جائے تاکہ بچے جو کچھ سیکھیں وہ اپنی کوشش اور عمل سے سیکھیں اور ان کے علم اور عمل میں سچا اور مفید تعلق قائم ہو۔ اس سلسلے پر ہمارے استادوں کو سوچ بچار اور تجربے کرنے کی ضرورت ہے۔ عقل کی آنکھیں بند کرکے بنیادی تعلیم کا مقررہ نصاب پڑھا دینے یا تکلی چلانا سکھا دینے سے ان کا فرض پورا نہ ہوگا۔

اس سلسلے میں میں استادوں کی توجہ چند باتوں کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔ انھیں ہر ہر قدم پر چوکس رہ کر یہ سوچنا چاہئے کہ نصاب میں جو معلومات شامل ہیں ان میں سے کون ایسی ہیں جن کا تعلق بغیر زبردستی کے بنیادی حرفے کے ساتھ قائم ہو سکتا ہے اور کون سی باتیں ایسی ہیں جن کا تعلق اس کے ساتھ قائم نہیں ہو سکتا۔ پھر انھیں یہ دیکھنا چاہئے کہ ان میں سے کن باتوں کو وہ معقولیت کے ساتھ بچوں کے فطری ماحول یا ان کے سماجی ماحول کے ساتھ ربط دے سکتے ہیں اور اس طرح ان کا تعلق بچوں کی زندگی کے ساتھ قائم کر سکتے ہیں۔ یہ خیال کرنا تعلیمی نقطۂ نظر سے غلط ہے کہ نصاب کے ہر لفظ اور ہر نقطے کا تعلق خواہ مخواہ کھینچ تان کرکے بنیادی حرفے کے ساتھ قائم کرنا ضروری ہے۔ شاید اس کے بعد بھی چند باتیں ایسی رہ جائیں جن کو ان تینوں مرکزوں میں سے کسی کے ساتھ بھی ربط دینا ممکن نہ ہو۔ اس وقت دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو وہ باتیں تعلیمی نصاب کے لئے لازمی ہی نہ ہوں گی اور جرأت کرکے انھیں نصاب سے حذف کر دینا چاہئے گویا یوں کہئے کہ بحث اور فیصلے کے لئے دلائل کے ساتھ یہ تجویز پیش کرنی چاہئے کہ انھیں حذف کر دینا ضروری ہے۔ یا ممکن ہے کہ وہ باتیں اہم ہوں اور بچے کی ذہنی نشو و نما یا اس کی سماجی ضرورتوں کا خیال کرکے ان کو پڑھانا ضروری ہو۔ ایسی صورت میں استاد کو یہ سوچنا چاہئے کہ اپنے عام طریقۂ تعلیم کو پیش نظر رکھ کر یہ باتیں کس طرح بچوں کے ذہن میں بٹھائی جا سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ ایک اور مشکل ہے جس کی طرف استادوں کو توجہ کرنی ہوگی اور وہ یہ کہ بہت سی باتیں جو بچے کسی حرفے کے یا کسی مشغلے کے ضمن میں سیکھتے ہیں وہ اکثر ایک دوسرے سے بے تعلق رہتی ہیں یا یوں سمجھئے کہ وہ معلومات خاص خاص مشاغل کے ساتھ نتھی ہو جاتی ہیں، ان کے اندر دب کر رہ جاتی ہیں۔ حالانکہ عقلی تربیت کے اعتبار سے تعلیم کا ایک نہایت ضروری کام یہ بھی ہے کہ وہ رفتہ رفتہ بچوں کی معلومات کو باقاعدہ ترتیب دے اور انھیں آہستہ آہستہ مختلف علوم کی شکل میں منظم کرے۔ یہ دراصل وہی بحث ہے جو علم کی نفسیاتی اور منطقی ترتیب کے نام سے تعلیم کے میدان میں عرصے سے چلی آتی ہے۔ اب تک تو مدرسوں میں یہ غلطی ہوتی رہی ہے کہ وہاں چھوٹے بچوں کے سامنے بھی ہر علم کو منطقی ترتیب سے پیش کیا گیا ہے جس کی وجہ سے ان کو تعلیم میں دلچسپی پیدا نہیں ہوتی۔ اس کا علاج یہی ہے کہ مضامین کو بچوں کی ذہنی نشو و نما کا خیال کرکے نفسیاتی ترتیب کے مطابق پیش کیا جائے یا دوسرے الفاظ میں یوں کہئے کہ بچے علم خود اپنے عمل کے نتیجے کے طور پر حاصل کریں۔ لیکن اس طریقے میں یہ اندیشہ ہے کہ کہیں بچوں کی معلومات اٹکل، بے جوڑ اور بے ربط ہو کر نہ رہ جائیں۔ اس لئے استادوں کو چاہئے کہ وہ اپنی تعلیم اور بچوں کے نصاب کا اس لحاظ سے بار بار جائزہ لیتے رہیں کہ نصاب میں سے کوئی اہم چیزیں چھوٹ تو نہیں گئیں اور بچوں نے جو کچھ سیکھا ہے وہ ان کے ذہن میں کوئی مرتب شکل اختیار کرتا جاتا ہے یا نہیں۔ ورنہ سال کے آخر میں انھیں مشکلات پیش آئیں گی اور نصاب کی تکمیل کے لئے اپنا صحیح طریقۂ تعلیم چھوڑ کر زبانی سبق دینے کا پرانا اور کم مفید طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔

اس مضمون میں میں نے صرف نصاب کے مسئلے کی بعض مشکلوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اسی قسم کی بہت سی اور باتیں ہیں جو تعلیم کے طریقے، مدرسے کے انتظام اور ضبط کے سلسلے میں استادوں کو پیش آئیں گی۔ تجربے اور عقل کی مدد سے ان کا مناسب حل دریافت کرنا انھیں کا کام ہے۔ بے شک کسی نئی اسکیم کا چلانا ایک کٹھن کام ہے اور بنی بنائی ڈگر پر چلنا آسان ہے لیکن تعلیم ایک تخلیقی (Creative) فن ہے اور استادوں کے لئے لطف اور کامیابی اسی میں ہے کہ وہ جرأت کے ساتھ پرانی غلطیوں کو چھوڑ کر اپنے لئے نئے رستے بنائیں تاکہ ان کے شاگرد ایک بہتر تعلیم اور تعلیم کے ذریعے ایک بہتر دنیا سے روشناس ہوں۔

خواجہ غلام السیدین
(ڈائرکٹر تعلیمات، ریاست جموں و کشمیر)

آرٹ کی تعلیم

(جناب نندلال بوس کے مضمون کی بنیاد پر)

سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ سچا آرٹ ہے کیا۔ چونکہ آرٹ ہی سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کسی قوم کے لوگوں میں تمدن کس حد تک ہے اور ان کی زندگی میں خوش مذاقی اور رنگینی کس پیمانے پر موجود ہے۔ اس لئے ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ اچھے اور برے آرٹ کا فرق پہچان سکے۔ ہر آدمی مصور تو ہو نہیں سکتا لیکن اس میں کم سے کم اتنی سمجھ تو ضرور ہونی چاہئے کہ وہ آرٹ کی خوبیوں کو سمجھ سکے اور اس سے لطف اور خوشی حاصل کر سکے۔ مصور کی بنائی ہوئی حسین چیزیں مثلاً تصویر، مورت وغیرہ آرٹ کے موضوع کہلاتے ہیں۔ مصور قوم کے تمدن کو بڑھانے میں بہت مدد دیتے ہیں اس لئے ان کا حوصلہ بڑھانے کے لئے ایسے لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے جو ان کے آرٹ کی قدر کر سکیں۔

لیکن ضرورت صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ لوگ آرٹ کو سمجھ سکیں اور اس سے لطف اٹھا سکیں۔ انسان کو آرٹ کی بھی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی زبان کی۔ کبھی کبھی زبان دل کی باتوں کو اتنی اچھی طرح ظاہر نہیں کر سکتی جس خوبی اور کامیابی سے ان کو آرٹ کے ذریعے ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ اسی

طرح کبھی کبھی آرٹ جن احساسات کی تصویر کھینچنے میں ناکام رہتا ہے زبان ان کے ظاہر کرنے میں کامیاب رہتی ہے۔ لیکن جب زبان اور آرٹ دونوں کا ایکا ہو جاتا ہے، اس وقت احساسات کے ظاہر کرنے کا ایک نہایت زور دار اور کامیاب ذریعہ ہاتھ آجاتا ہے۔

آرٹ کے موضوعوں کی پرکھ کرنے کا حق صرف انھی لوگوں کو ہو سکتا ہے جو اُس کے قاعدوں اور مصوری کے مختلف پہلوؤں سے واقف ہوں۔ ایسے لوگوں کو "آرٹ کا قدرشناس" کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ واضح رہے کہ آرٹ کا مقصد صرف چیزوں کی ہو بہو نقل نہیں ہے۔ اگر حقیقت یہی ہوتی تو فوٹو گرافی کو بہت اونچا آرٹ مانا جاتا۔

بہت سے لوگ آرٹ کے موضوع کو اس کے مضمون اور خیال ہی کو سامنے رکھ کر اسے پرکھتے ہیں۔ یہ لوگ شاید ایک کسان کے جھرّی پڑے ہوئے چہرے کی بہ نسبت ایک نوجوان کے بھرے ہوئے حسین چہرے کو زیادہ پسند کریں گے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ مصور کے لئے نہ تو کوئی موضوع حسین ہے، نہ بدصورت، نہ بھدّا۔ اصل یہ ہے کہ مصور کا کمال اُسے حسین یا بھدّا بنا دیتا ہے۔ سچا آرٹ دل میں بلندی، رواداری اور وسعت پیدا کرتا ہے۔ اس کے برعکس بھدی مصوری دل میں پستی پیدا کر دیتی ہے اور روح میں افسردگی اور مایوسی کا بیج بو دیتی ہے۔

ہر عہد میں لوگوں نے "حسن" کا تخیل قائم کرنے، اُس کا احساس کرنے اور یہ جاننے کی کوشش کی ہے کہ "حسن" کی حقیقت کیا ہے۔ انھوں نے اس کے الگ الگ نام رکھے ہیں اور اس کی مختلف خوبیاں اور نشان قائم کئے ہیں لیکن ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ "حسن" کو سمجھنے کی ساری کوششیں ادھوری رہی ہیں۔ حقیقت میں "حسن" ایسا لفظ ہے جس کا مطلب بہت کچھ گھٹایا بڑھایا جا سکتا ہے۔ لفظ "حسن" ہمہ گیر بھی ہے اور محدود بھی۔ (مثلاً ایک آدمی کو، یا ایک قوم کے افراد کو، یا ایک عہد کے انسانوں کو جو چیز حسین معلوم ہوتی ہے، ضروری نہیں ہے کہ وہی چیز سب لوگوں کو یا ہر زمانے میں حسین ہوگی)۔

اب ہم مصوری کے خاص اصولوں اور اس کے چھ پہلوؤں پر بحث کریں گے۔ ان اصولوں کے ساتھ ہم یہ بھی بتاتے جائیں گے کہ وہ اصول طالب علموں کو عملی طور پر کیسے سکھائے جا سکتے ہیں۔

مصوری کے چھ پہلو

قدیم ہندی شلپ شاستر (مصوری) کے مطابق مصوری کے چھ پہلو ہیں:-

(۱) صورت گری۔ مختلف صورتوں اور شکلوں کی پہچان۔
(۲) تناسب۔
(۳) جذبات نگاری۔
(۴) حسن کاری۔ خوبصورتی یا رنگینی پیدا کرنے کا فن۔
(۵) تشابہ۔ یکسانیت۔
(۶) رنگ آمیزی۔

اب ہم ان پہلوؤں کی اسی ترتیب کے ساتھ مختصر طور سے تشریح کریں گے۔

۱۔ صورت گری:۔ صورت کا مطلب ہے شکل۔ مصوری میں شکل یا تو سائے کی طرح چپٹی ہوگی، یا ٹھوس یعنی تین پہل۔ اگر جیسے کاغذ پر گھن کی شکل مختلف سمتوں سے کھینچی جا سکتی ہے تو گھن کی شکل کی دوسری شکلیں یا گھن سے بننے والی شکلیں بھی کھینچی جا سکتی ہیں۔

ٹھوس شکلوں کے نمونوں میں گھن، گولا، انڈا، بیلن اور سنکھ اور بادام کی شکلیں، اور چپٹی شکلوں میں مربع، مثلث، دائرہ اور انڈے کی شکل شامل کی جا سکتی ہے۔ دوسری سب شکلیں پہلی شکلوں کے ساتے ہیں۔

استاد کو چاہئے کہ ان میں سے کسی ایک شکل کو ذہن میں رکھ کر طالب علموں سے کہے کہ وہ اس سے ملتی جلتی کسی قدرتی یا مصنوعی چیز کی شکل بنائیں۔ مثال کے لئے اگر استاد نے کسی چھ پہلی چیز کو اپنے ذہن میں فرض کیا ہو تو اسے بچوں سے کسی مکان کی شکل بنوانی چاہئے۔ اسی طرح اگر اس کے ذہن میں گولے کا تصور ہو تو اسے طالب علموں سے گھڑے کی شکل بنوانی چاہئے۔ اگر طالب علموں سے دو مختلف شکلوں کی چیزیں بنوائی جائیں تو اچھا ہوگا۔ اس لئے کہ اس طرح انھیں دونوں کے مقابلے کے ذریعے اُن کے فرق کا تجربہ ہوگا۔ لیکن سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ بچوں کو غیر دلچسپ اور بے جان چیزوں کی شکلوں کے جنجال میں نہیں پھنسانا چاہئے۔ اونچے درجوں کے طالب علموں سے تو بے جان چیزوں کی شکلیں بنوائی جا سکتی ہیں۔ اوپر دی ہوئی شکلیں خود بخود استاد کے لئے شمع راہ کا کام دیں گی۔ انھیں شکلوں کو نیلی مٹی سے بنوا کر ان کے متعلق بچوں کو اچھا خاصہ علم سکھایا جا سکتا ہے۔

چپٹی شکلوں کے لئے استاد کو چاہئے کہ طالب علموں کو نمونے کی شکلوں کے پتے دکھائے، مثلاً پیپل، پان، بینگن، نیم، بیلا، چنبیلی وغیرہ کے پتّے۔ طالب علموں کو اس قسم کے پتے جمع کرنے اور ان کی شکلیں بنانے کی طرف رغبت دلانی چاہئے۔

اب ہم ان مختلف شکلوں کی صفتوں کے متعلق گفتگو کریں گے۔

صورت یا شکل کی نیچے لکھی ہوئی ۱۶ خوبیاں بتائی گئی ہیں۔

(۱) پستہ۔ چھوٹا۔ ٹھگنا۔
(۲) بلند۔ لمبا، اونچا یا بڑا۔
(۳) ٹھوس۔ موٹا یا بھاری۔
(۴) سطح چوکور یا کونے دار۔
(۵) مدوّر۔ گول یا گیند کی طرح۔
(۶) روشن سفید۔
(۷) تاریک۔ سیاہ۔
(۸) سرخ۔
(۹) پیلا۔
(۱۰) بیگنی۔
(۱۱) سخت۔
(۱۲) چکنا۔
(۱۳) نازک۔ لطیف۔
(۱۴) پھیلواں۔
(۱۵) ملائم۔
(۱۶) کھردرا۔

لہٰذا جب ہم کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو صرف اس کی شکل ہی نہیں دیکھتے بلکہ اوپر لکھی ہوئی صفتوں میں سے اس کی صفت کا بھی

احساس کرتے ہیں۔

جہاں تک ہو سکے، طالب علموں سے شروع ہی سے رنگین شکلیں بنوانی چاہئیں۔ یہ خیال غلط ہے کہ نوسکھوں کو رنگ کا استعمال اور "شیڈنگ" نہیں کرنا چاہئے اور انھیں صرف پنسل سے شکلیں بنانی چاہئیں۔ بلکہ اس کا الٹا ہونا چاہئے اس لئے کہ جب ہم کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو اس کا رنگ اور شکل دونوں دیکھتے ہیں۔ پھر یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ نوسکھئے کسی چیز کی صرف شکل دیکھیں گے اس کا رنگ نہیں دیکھیں گے۔

۳۔ تناسب اور اندازہ:۔ تناسب مصوری میں اس اصول کو کہتے ہیں جس کے ذریعے ہمیں پیمائش، فرق اور ہمواری اور پس منظر (Perspective) کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔

(مصوری میں پاس کی چیزوں کو بڑا اور دور کی چیزوں کو چھوٹا دکھانے کے ڈھنگ کو (Perspective) کہتے ہیں) ان چیزوں کی سمجھ برابر دیکھتے رہنے سے پیدا ہوتی ہے۔ فرق یعنی شکلوں میں مقابلہ سکھانے کے لئے طالب علموں سے مختلف شکلوں، رنگوں اور نوعیتوں کی چیزوں کی تصویریں بنوانی چاہئیں مثلاً کھجور کے درخت کے پاس آدمی، گھڑے کے پاس گلاس وغیرہ۔ Perspective سکھانے کے لئے دو ایک ہی سی چیزیں بنوانی چاہئیں جن میں سے ایک نزدیک رکھی اور دوسری دور، تاکہ پاس کی چیز دور کی چیز سے بڑی اور صاف دکھائی دیتی ہو۔

۴۔ جذبات نگاری:۔ اندرونی جذبات کا کسی چیز کی ظاہری صورت پر ظاہر ہونا جذبات نگاری کہلاتا ہے۔ مختلف جذبات کے اثر سے چیزیں جو شکلیں اور انداز اختیار کرتی ہیں، انھی کے ذریعے مصوری میں جذبات کو ظاہر کیا جاتا ہے۔ بے جان چیزیں بھی جذبات کا سبب بنتی ہیں مثلاً آگ سے ڈر، گندی جگہ سے نفرت، پھول سے خوشی وغیرہ۔ یہ بات دھیان میں رہنی چاہئے کہ ہم جب تک اپنی ظاہری آنکھوں سے چیزوں کو دیکھیں گے اس وقت تک ان کے جذبات کو نہیں سمجھ سکیں گے۔ جذبات کو دیکھنے اور سمجھنے کے لئے ہمیں ہر چیز کو من کی آنکھوں سے دیکھنا ہوگا۔ جذبات کی صحیح مصوری ہی مصوری ہے۔ مصور کا تصور اسی قدر وسیع ہوگا جس قدر وسیع اس کی آنکھیں اور من ہوں گے، مثلاً بسنت رت جیسے خوشی و مسرت سے بھرے ہوئے موسم کی تصویر کشی کے وقت اگر مصور کا دل افسردگی اور یاس کا شکار ہوگا تو اس کی کوشش کبھی سپھل نہیں ہوگی۔

۴۔ حسن کاری:۔ حسن کاری کے ذریعے مصور جذبات کو قابو میں رکھ کر تصویر میں حسن اور رنگینی پیدا کر سکتا ہے اس لئے کہ جذبات کے اظہار کی بہتات اتنی ہی بری ہے جتنی اس کی کمی۔ جذبات نگاری اور حسن کاری مصوری میں نہایت کڑی منزلیں ہیں جن کو نبھانا صرف منجھے ہوئے مصوروں سے ممکن ہے۔

۵۔ تشابہ:۔ قدرت کے کارخانے میں ایسی بہت سی چیزیں ہیں جن کی شکل، رفتار یا رنگ میں تشابہ نظر آتا ہے مثلاً بلی کی شکل شیر سے ملتی ہے، ہرن کی رفتار بجلی کی رفتار کی طرح ہوتی ہے، اس کے پیروں کا رنگ کنول کے رنگ جیسا ہوتا ہے۔ طالب علموں سے کہنا چاہئے کہ اس طرح کا تشابہ رکھنے والی چیزوں کی تلاش کریں۔ اس سے ان کے مشاہدہ کرنے کا مادہ ترقی پائے گا۔ اس کے علاوہ جب ہم کسی چیز کو کسی دوسری چیز سے ملتا جلتا ہوا دیکھتے ہیں تو ہمیں اس اصل چیز کے نشانات کو ذہن میں رکھنے میں مدد ملتی ہے۔

۶۔ رنگ آمیزی:۔ مصوری کا یہ پہلو رنگ، برش اور مصوری کی دوسری ضروری چیزوں کا ہوشیاری کے ساتھ استعمال سکھاتا ہے اور سادہ تصویر میں وہ جامعیت اور کمال پیدا کر سکتا ہے جو اچھے مصوروں کی تصنیفوں میں پائی جاتی ہے۔ رنگوں کے استعمال کے سلسلے میں یہ بات جتا دینی ضروری ہے کہ رنگوں کے ہلکے اور گہرے پن کا بھی مصور کو علم ہونا چاہئے۔ بال، کوئلہ اور کاجل تینوں کالے ہوتے ہیں لیکن تینوں کے کالے پن میں بہت فرق ہے۔

باقی

چھوٹے دیہاتی اسکول

(پچھلے مضمون سے آگے)

اب ہم کو معلوم ہو گیا کہ چھوٹے دیہاتی اسکول صرف ہندوستان ہی کے نہیں بلکہ دنیا کے قریب قریب سبھی ملکوں کے تعلیمی نظام کے ایک قدرتی اور لازمی روپ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آدمی کی دو بنیادی ضرورتوں ——— کھانا اور کپڑا ——— کو پورا کرنے کے لئے کھیتی باڑی کے سوا دوسرا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اس لئے دنیا کے سب سے زیادہ لوگ کھیتی باڑی کا دھندا کرنے والے کسان ہی رہیں گے اور ان کا سماج یعنی دیہاتی سماج، انسان کے سماجی نظام کا ایک قدرتی اور لازمی روپ رہے گا۔ روس کے علاوہ جہاں بہت بڑے پیمانے پر کھیتی باڑی کا کام ہوتا ہے، ہر ملک کے کسانوں کو چھوٹے چھوٹے سماج میں دور ہی دور رہنا پڑتا ہے۔ اسی سماج کو ہم دیہاتی سماج کہتے ہیں۔ بڑے بڑے کارخانوں اور حوض کے آس پاس یا بڑے بڑے شہروں میں جو گھنی بستی ہوتی ہے، وہ جسمانی، ذہنی، معاشرتی ہر لحاظ سے نقصان پہنچانے والی ہوتی ہے۔ یہ بات ہر سماج کا بھلا چاہنے والا مانتا ہے۔ موجودہ لڑائی کی بدولت صنعتی مرکزوں، گھنی بستیوں اور شہروں میں جو خونی ڈراما روزانہ نظر آتا ہے اس سے امید ہوتی ہے کہ آئندہ لوگ اس طرح سے ایک جگہ اکٹھے ہو کر رہنے سے ڈریں گے اور چھوٹے چھوٹے دیہات ہی انسانی سماج کے قدرتی روپ مانے جائیں گے۔

یہ سب باتیں مان لینے کے بعد ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ چھوٹے دیہاتی اسکول ہی تعلیمی نظام کے سب سے زیادہ قدرتی روپ ہیں۔ پچھلے دو مضمونوں میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ایسے ہی اسکول چھوٹے بچوں کی مکمل نشو و نما کے لئے سب سے اچھے ذریعے ہیں۔ اس بنیادی اصول کو مان لینے کے بعد جب

سوال یہ باقی رہ جاتا ہے کہ چھوٹے دیہاتی اسکولوں کی خاص حالتوں کو سامنے رکھ کر تعلیم کا ایک اچھا نظام کس طرح بنایا جائے۔

ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ تعلیم کے نظام عمل کے تین پہلو ہوتے ہیں، ایک خود بچہ، دوسرا تعلیم کا ذریعہ اور تیسرا استاد۔ ان تینوں پہلوؤں میں بچے کی جگہ سب سے اونچی اور پہلی ہے اس لئے کہ تعلیم کا ڈھانچہ ہمیں اسی کی ضرورتوں کو دھیان میں رکھ کر بنانا ہے۔ اس لئے چھوٹے دیہاتی اسکولوں کے لئے تعلیمی نظام بنانے کا کام ہمیں سب سے پہلے گاؤں کے بچوں اور ان کی ضرورتوں کے مطالعے سے شروع کرنا چاہئے۔

تعلیمی نقطۂ نظر سے بچے کا مطالعہ شروع کرنے سے پہلے ہمیں یہ بات دھیان میں رکھنی چاہئے کہ بچے کی شخصیت کے بھی دو پہلو ہوتے ہیں، ایک تو اس کی اپنی شخصیت، اس کی اپنی دلچسپیاں، رجحانات اور ضرورتیں اور دوسرے اس کی سماجی شخصیت۔ جہاں وہ اپنے گھر اور سماج کا ایک جزو ہے اور اس کی زندگی گھر اور سماج کی زندگی کا ایک حصہ ہے۔

آیئے ہم چھوٹے دیہات کے ایک معمولی بچے کی زندگی پر غور کریں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ بچے کی جو دو سب سے پہلی اور بنیادی ضرورتیں ہیں — کھانا اور کپڑا — وہ اس کے ماں باپ کی سماجی حالت پر منحصر ہیں جن ترقی پسند قوموں میں قوم کے بچے قوم کی ذمہ داری سمجھے جاتے ہیں۔ وہاں بچوں کے لئے اچھی خوراک اور کپڑوں کا سوال قوم کا سوال اور عام طور سے محکمۂ تعلیم کا سوال سمجھا جاتا ہے۔ بچوں کو گھروں میں جو کھانا ملتا ہے اس کی باقاعدہ تحقیقات کی جاتی ہے اور اس میں جو کمیاں پائی جاتی ہیں انھیں محکمۂ تعلیم کی طرف سے پورا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ہمارے دیس کے بچوں کی خوراک کی ایسی تحقیقات کبھی کی ہی نہیں گئی لیکن جن لوگوں کا دیہاتوں سے کچھ بھی لگاؤ ہے، وہ جانتے ہیں کہ ہمارے بچوں کے کھانے مقدار اور نوعیت دونوں لحاظ سے ناقص ہیں۔

سیوا گرام کو ہم ہندوستان کا ایک اوسط درجے کا گاؤں مان سکتے ہیں۔ اس گاؤں میں ایک معمولی کنبے کا اوسط ماہانہ خرچ چار روپے پانچ آنے یعنی ہفتے میں روپیہ سوا روپیہ پڑتا ہے۔ اس حساب سے بچے کے حصے میں روزانہ ایک یا ڈیڑھ پیسے کی جوار کی موٹی روٹی اور کچھ دال آتی ہے۔ لیکن ایک اچھی بات یہ ہے کہ بچے کھیتوں سے کچا اناج اور پھلیاں وغیرہ برابر کھاتے رہتے ہیں جس سے ان کی خوراک میں حیاتین کی جو کمی پڑتی ہے وہ پوری ہوتی رہتی ہے۔

اس لئے بچوں کی خوراک کا سوال ہماری دیہاتی تعلیم کا پہلا سوال ہے اور بچے کا مطالعہ کرنے میں اس کی معمولی خوراک اور اس کی کمیوں اور انھیں پورا کرنے کی تدبیروں کو پہلی جگہ ملنی چاہئے۔

کھانے کے ساتھ فوراً دوسرا سوال پانی کا اٹھتا ہے۔ پینے اور نہانے دھونے کے لئے صاف اور کافی مقدار میں پانی ہمارے گاؤوں کا ایک بہت بڑا سوال ہے۔ لہٰذا دیہات میں پانی کے انتظام کا مطالعہ بھی بچے کے تعلیمی مطالعے کا ایک ضروری جزو بن جاتا ہے۔ جہاں پانی کی کمی ہے، وہاں اس کمی کو پورا کرنے کا انتظام ہمارے تعلیمی نظام کا ایک فرض ہو جاتا ہے۔ بنیادی تعلیم کے نصاب میں بدن اور کپڑوں کی صفائی کو سماج کے علم اور جنرل سائنس کی تعلیم کے سلسلے میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ بہار اور اڑیسہ میں جہاں جہاں نئے بنیادی اسکول کھولے گئے ہیں وہاں صاف پانی کے لئے تعلیمی لوازم کے طور پر ایک ایک کنواں یا برمے (ٹیوب ویل) کا انتظام بھی کیا گیا ہے۔

کھانے اور پانی کے بعد بچے کی دوسری بنیادی ضرورت ہے کپڑا۔ اس سلسلے میں بھی ابھی تک کوئی باقاعدہ تحقیقات نہیں کی گئی ہے لیکن تجربے کی بنا پر ہم یہ بات یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ دیہاتی بچوں کے بدن پر اول تو کپڑے ہوتے ہی نہیں اور اگر ہوتے بھی ہیں تو پھٹے پرانے اور میلے کچیلے۔ ہمارے دیس کے زیادہ تر حصوں کی آب و ہوا ایسی ہے کہ پورے سال بغیر کپڑوں یا بہت کم کپڑوں کے ساتھ گذارا کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے کپڑوں کا سوال خوراک کے سوال کی طرح کچھ زیادہ اہم تو نہیں معلوم ہوتا لیکن سوچنے کی بات ہے کہ کپڑوں کا اثر بچے کے بدن ہی پر نہیں، اس کے دل پر بھی پڑتا ہے۔ جو بچے پھٹے پرانے اور میلے کچیلے کپڑے اپنے بدن پر لپیٹے پھرتے رہتے ہیں، اگر انھیں پائدار اور صاف ستھرے کپڑے ڈھنگ سے پہننے کا موقع ملے تو اس کا اثر ان کی پوری شخصیت پر ضرور پڑے گا۔ اس موقع پر ایک بات ہم نئی کہنا چاہتے ہیں یعنی بچے کے لئے اس کی اپنی محنت سے تیار کئے ہوئے کپڑوں کا امکان۔ نئی تعلیم کی اس بنیادی جسمانی اور ذہنی کمی کو پورا کرنے کی کوشش میں ایسے ذریعے پوشیدہ ہیں جن سے بچے کی پوری نشو و نما ہو سکتی ہے۔

بچے کے کھانے پینے اور کپڑے لتے کے سوالوں کے بعد اس کی تیسری ضرورت جو اس کی خاندانی اور سماجی حالت پر منحصر ہے، اس کا گھر ہے۔ اس لئے بچے کے گھر کا مطالعہ بھی اس کی تعلیمی ضروریات کے مطالعے کا ایک اہم پہلو ہے۔

ان سب باتوں کے بعد اس امر کی تحقیق کی ضرورت ہے کہ گاؤں میں یا گاؤں کے آس پاس بیماریوں کے علاج کے لئے یا گاؤں کی صفائی اور تندرستی کے لئے کیا انتظام ہے۔ اس تحقیق کا بھی یہی نتیجہ نکلے گا کہ اس قسم کا بھی کوئی انتظام نہیں ہے۔ لہٰذا اس کمی کو پورا کرنے کی تدبیر کا سوال بھی ہمارے تعلیمی نظام کا ایک بہت بڑا سوال ہے۔

یہ تو ہوا بچوں کی ضرورتوں اور دیہات کی سماجی ضرورتوں کو پورا کرنے کے انتظام کا مطالعہ۔ اس کے بعد گاؤں کی سماجی، تمدنی اور مذہبی زندگی کا مطالعہ ضروری ہوگا، اس طرح کہ دیکھا جائے کہ زندگی کے یہ پہلو زندہ ہیں یا بے جان، اور یہ کہ ان کا بچے کی زندگی سے کہاں تک تعلق ہے اور وہ کس حد تک اس کی زندگی پر اثر ڈالتے ہیں۔

بچے کی جسمانی اور ذہنی نشو و نما کے لئے ایک بنیادی ضرورت اور بھی ہے اور وہ ہے کھیل کود۔ یہ بات تمام ماہرین تعلیم اور طبیب مانتے ہیں کہ آزادی کے ساتھ کھیل کود کے بغیر کسی بچے کا فطری ابھار نہیں ہوتا۔ اس لئے استاد کو یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ گاؤں میں یا گاؤں کے باہر کونسی ایسی کھلی اور ہوادار جگہ ہے جہاں بچے آزادی سے کھیل کود سکتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ چیز بھی دھیان میں رکھنی ہوگی کہ کونسے ایسے دیہاتی کھیل ہیں جو بغیر کسی سامان یا معمولی دیہاتی سامان کے ساتھ کھیلے جا سکتے ہیں۔ دیہاتی بچوں کے لئے اس لحاظ سے شہری اور امیر گھرانے کے بچوں کے مقابلے میں بہت زیادہ سہولت حاصل ہے۔ کھلی جگہ، کھلی ہوا اور ساز و سامان سے بے نیازی بچوں کی نشو و نما کے بہت اچھے ذریعے ہیں۔ شہروں میں غریب بچوں کو تو کھیل کود کے لئے جگہ ہی نہیں ملتی اور امیر بچوں کے لئے اگر بہت کچھ سرمایہ لگا کر کھیل کود کا انتظام کیا بھی جاتا ہے تو کھیل کود کے لوازم کے بوجھ سے کھیل کود کا اصل مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ دیہات میں تعلیم کا یہ ضروری سامان

یوں تو خود بخود میسر رہتا ہے لیکن اس سے فائدہ اٹھانا استاد کا کام ہوتا ہے۔

دیہاتی سماج اور زندگی میں بچوں کی نشو و نما اور ان کی تمدنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے ایک اور مسالہ قدرتی طور پر موجود ملتا ہے۔ وہ مسالہ ہے دیہاتی تقریبیں، تیوہار، میلے اور جاترا۔ کسی گاؤں کی تمدنی زندگی کا جب ہم مطالعہ اور جانچ کرنے بیٹھتے ہیں تو ہم اس گاؤں کو اسی عینک سے دیکھتے ہیں جو ہمارے یہاں مغربی تہذیب سے مانگ کر لائی گئی ہے۔ ہم یہ دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس گاؤں میں کتنے اخبار آتے ہیں، ریڈیو کا انتظام ہے یا نہیں، ڈاک خانہ ہے یا نہیں، پکی سڑکیں ہیں یا نہیں وغیرہ۔ بڑوں کی زندگیوں میں تو شاید ان چیزوں کی ضرورت محسوس ہوتی ہو لیکن بچوں کی تصوری زندگی میں ان چیزوں کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ انھیں تو سب سے زیادہ ضرورت ہے ہنگاموں اور میلوں کی جن میں ان کے تصور کو بڑھنے اور وسیع ہونے کے موقعے ہوسکتے ہیں۔

مغرب کے ملکوں اور امریکہ میں بچوں کی تعلیم بہت آگے بڑھی ہوئی ہے۔ لیکن ان دیسوں میں صنعتی تہذیب کے دباؤ سے دیہاتی زندگی اور اس کی دلچسپیاں برباد ہوتی جارہی ہیں۔ اسی لئے انھیں پھر سے زندہ کرنے کی کوشش اور دوسرے ملکوں کے تیوہاروں اور تقریبوں کی نقل کی جارہی ہے۔ امریکہ کا وی نشکا ([illegible]) پبلک اسکول بہت زیادہ ترقی پسند اسکول سمجھا جاتا ہے۔ ۳۴-۱۹۳۳ء میں اس اسکول کی ایک استانی مشرقی دنیا کے قدیم ملکوں — خاص کر چین اور ہندوستان — کے دیہاتی کھیل کود، تقریبوں اور تیوہاروں وغیرہ کا مطالعہ کرنے کے لئے بھیجی گئی تھیں تاکہ امریکہ کے بچوں کے لئے اس قسم کی دلچسپیوں کا انتظام کیا جاسکے۔ ہمارے اسکول میں شانتی نکیتن کے اسکول میں تقریب کرنا اور تیوہار منانا تعلیم کا ایک نہایت اہم جزو ہے۔ دیہاتی استاد کا فرض ہے کہ وہ جس گاؤں میں کام کرتا ہو اس گاؤں کی تقریبوں، تیوہاروں اور آس پاس کے میلے ٹھیلوں کا مطالعہ کرتا رہے اور اس بات کا پتہ لگائے کہ ان تقریبوں، تیوہاروں اور میلوں سے بچوں کی تعلیم کے لئے کیا مسالہ مل سکتا ہے۔ ان ہنگاموں کو بھی اُسے اپنے تعلیمی پروگرام کا ایک حصہ بنالینا چاہئے۔

ایک نہایت اہم مسئلہ اور ہے اور وہ ہے بچے کے خاندان کی مذہبی زندگی۔ دیہاتی سماج میں مذہب کی بہت اونچی جگہ ہے۔ گاؤں کے ہر خاندان میں مذہب کا کوئی نہ کوئی خاص پہلو ضرور ہوتا ہے پھر سارے گاؤں کی زندگی میں ایک ملا جلا مذہبی پہلو بھی ہوتا ہے۔ اس مذہبی زندگی کا مطالعہ کرنا بھی استاد کا فرض ہے۔ مذہب کی بھوک بچے کی ذہنی بھوک ہوتی ہے۔ اس لئے اس سوال کا مطالعہ ہمیں پچھلی باتوں کو بھول کر اور بے تعصبی کے ساتھ کرنا ہوگا اور ایک ایسا راستہ نکالنا ہوگا جس سے بچوں میں ایک دوسرے کے مذہبی عقیدوں کے لئے عزت کا خیال پیدا ہو اور ہمارے دیس کے لوگ ایک دوسرے کے جذبات کو سمجھتے ہوئے اور ان کی عزت کرتے ہوئے میل جول اور محبت سے زندگی گذار سکیں۔

استاد کے مطالعے کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ گاؤں کا باہری یا شہری دنیا سے کتنا تعلق ہے اور اس تعلق یا دونوں کے باہمی ربط ضبط کا گاؤں کی زندگی پر کیا اثر پڑا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ استاد کو یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ ڈاک خانہ، ریل، موٹر لاریاں، گاؤں کے لوگوں کی مزدوری کرنے کی غرض سے شہروں میں ہجرت اور اسی قسم کی دوسری باتیں گاؤں کی زندگی میں کیا تبدیلیاں پیدا کرتی ہیں، ان سے کیا کیا اچھائیاں پیدا ہوتی ہیں اور کیا کیا برائیاں پھوٹتی ہیں۔

ہم نے ابتک دیہات کی سماجی زندگی کے صرف روشن پہلوؤں پر بحث کی ہے۔ لیکن گاؤں کی سماجی زندگی کا ایک تاریک پہلو بھی ہے۔ اس کا بھی اثر بچوں کی زندگی پر پڑتا ہے اور بچوں کو اس اثر سے محفوظ رکھنا بھی تعلیم کے دوسرے فرائض کے ساتھ ایک فرض ہے۔ صدیوں سے ہندوستان میں اور خاص طور سے دیہات میں بے اصل عقیدوں اور بُرے رواجوں کا ایک جال بچھا ہوا ہے جس میں پھنس کر بچوں کے دل و دماغ بے کار ہوگئے ہیں۔ علم کی روشنی سے اس تاریکی کو دور کرکے ان کے دماغوں کو آزاد اور بے خوف بنانا نئی تعلیم کا ایک بڑا مقصد ہے۔ اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے پہلے ان بے حقیقت اور اندھے عقیدوں اور بُری رسموں کا مفصل مطالعہ ضروری ہے۔ کچھ عقائد تو تمام ہندوستان میں یکساں پھیلے ہوئے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو خاص خاص دیہاتوں تک محدود اور مخصوص ہیں۔ اس قسم کے عقیدوں اور ایسی باتوں کا کہ فلاں پیڑ پر بھوت رہتا ہے، فلاں جنگل میں مسان بستا ہے، فلاں دریا میں ڈائن رہتی ہے، مطالعہ کرکے عقل اور منطق کی مدد سے انھیں جڑ سے اکھاڑ پھینکنا دیہاتی استاد اور دیہاتی تعلیمی نظام کا ایک بڑا کام ہے۔

آج کل دیہاتوں میں مقدمے بازی کا روگ بھی بہت پھیل گیا ہے۔ ذرا ذرا سی بات اور کھٹ پٹ پر لوگ عدالتوں کا رخ کرنے لگتے ہیں اور اپنی دولت، دماغ اور وقت مفت میں گنواتے ہیں۔ اس بری صورت حال کو روکنا اور آپس میں مل جل کر فیصلہ کرنے کے رجحان کو ترقی دینا بھی دیہاتی تعلیم کا ایک کام ہوگا۔

غرض یہ کہ تعلیمی نقطۂ نظر سے بچے کے سماجی ماحول کے مطالعے کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ مقامی حالات اور استاد کی توجہ پر کامیابی کا بہت کچھ انحصار ہے۔ اگر تعلیم کا مقصد بچے کی مکمل نشو و نما ہے تو اس کی زندگی کا کوئی پہلو تعلیم کے پروگرام سے باہر نہیں رہنا چاہئے۔ یہاں صرف بچے کی سماجی اور خاندانی زندگی کی چند موٹی موٹی باتوں کے مطالعے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ مختصراً یہ باتیں مندرجہ ذیل آٹھ حصوں میں تقسیم کی جاسکتی ہیں:-

(۱) گاؤں اور بچے کے خاندان کی مالی حالت۔ بچے کی خوراک، لباس اور گھر۔
(۲) گاؤں میں پانی کا انتظام۔
(۳) گاؤں میں دوا دارو کا انتظام۔
(۴) گاؤں میں کھیل کود کی سہولت
(۵) گاؤں کی دلچسپیاں، تقریبیں اور تیوہار وغیرہ
(۶) گاؤں اور خاندان کی مذہبی زندگی۔
(۷) گاؤں کا باہری دنیا سے تعلق۔
(۸) گاؤں کے اندھے عقیدے، بری رسمیں اور دوسری باتیں۔

اگلے مضمون میں ہم اس مسئلے پر بحث کریں گے کہ بچے کی آزاد شخصیت کا مطالعہ کس طرح کیا جائے اور اُسے تعلیم کے پروگرام میں کس طرح شامل کیا جائے۔

باقی

بنیادی تعلیم کا تیسرا سال

چھ مہینے کے کام کی رپورٹ (مئی تا اکتوبر ۱۹۴۰ء)

(سکریٹری ہندستانی تعلیمی سنگھ)

بنیادی تعلیم کی اسکیم کو سب سے پہلے کانگریس نے مارچ ۱۹۳۸ء میں منظور کر کے ایک تجویز کے ذریعے دیس کے سامنے رکھا۔ یہ اسکیم ۳۹-۱۹۳۸ء میں اس زمانے کی کانگریسی وزارتوں کی سرپرستی میں صوبۂ متوسط، صوبۂ متحدہ، بہار، اُڑیسہ اور بمبئی کے علاقوں میں تجربے کے طور پر جاری کر دی گئی تھی۔ پہلا سال تو بنیادی تعلیم کے تخیل کے رواج دینے اور پھیلانے، استادوں کے پہلے جتھوں کی تیاری اور تجربہ جاری کرنے کے لئے ضروری انتظاموں میں گذر گیا۔ اس زمانے میں کچھ مدرسے بھی کھولے گئے تھے لیکن اصلی کام دوسرے سال سے شروع ہوا۔ اکتوبر ۱۹۳۹ء میں بنیادی تعلیم کی پہلی کانفرنس پونا میں ہوئی جس میں تجربے کے مختلف پہلوؤں پر غور و بحث کرنے کے بعد اسکیم کے اصولی دعوے کو منظور کر لیا گیا۔

اکتوبر ۱۹۳۹ء میں کانگریسی وزارتوں نے استعفے دے دئے۔ اس صورت حال سے یہ ڈر پیدا ہو چلا تھا کہ کہیں سیاسی فضا کی تبدیلی سے بنیادی تعلیم کا کام ڈھیلا نہ پڑ جائے، لیکن یہ تجربہ مختلف صوبوں میں سرکاری طور پر جاری رکھا گیا ہے۔

پچھلے ۶ مہینوں میں مختلف صوبوں میں بنیادی تعلیم کے تجربے کو جو ترقی حاصل ہوئی ہے، اس مختصر سی رپورٹ سے اس کی موجودہ حالت کا کچھ اندازہ ہو جائے گا۔

سرکاری طور پر بنیادی تعلیم کے تجربے

وسطی صوبہ۔ اگرچہ وسطی صوبے نے سب سے پہلے بنیادی تعلیم کو اپنے محکمۂ تعلیم کی ابتدائی تعلیم کی پالیسی تسلیم کر کے جاری کیا تھا لیکن سرکار کے سامنے اس کی ترقی کا کوئی باقاعدہ پروگرام نہ تھا۔ اس لئے اس کی ترقی رک گئی ہے۔ پہلے سال ودیا مندروں اور وردھا، ناگپور، رائے پور اور جبل پور کے ضلع بورڈوں کے اسکولوں کے لئے استاد تیار کئے گئے۔ دوسرے سال یہ تجربہ ۹۲ ودیا مندروں میں شروع کیا گیا۔ صوبے کے نارمل اسکول، پریکٹسنگ اسکولوں اور ضلع بورڈ کے اسکولوں کے کچھ منتخب استاد ودیا مندر ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ اور ٹریننگ اسکول میں تیار کئے گئے تھے۔ یہ دونوں ادارے اپریل ۱۹۴۰ء میں اپنے اپنے کام ختم کر دینے کے بعد بند کر دئے گئے اور اس کے بعد بنیادی تعلیم کو جاری کرنے کا ایک نیا پروگرام سرکار نے منظور کیا۔ سرکار نے ۴۰-۴۰ اسکولوں کے لئے دو گنجان علاقے — ایک وردھا تحصیل میں مراٹھی کے لئے اور ایک سیونی تحصیل میں ہندی کے لئے — چن لئے ہیں اور وردھا اور سیونی میں استادوں کی ٹریننگ کے لئے دو بیسک نارمل اسکول کھول دئے ہیں۔

۴۰-۱۹۳۹ء میں جن استادوں نے ٹریننگ پائی تھی ان کی مدد سے وردھا کی تحصیل میں اکتوبر ۱۹۴۰ء سے کام کر دیا گیا ہے۔ سرکار نے یہ مدرسے ضلع بورڈ کے ہاتھ سے لے لئے ہیں اور ان کی نگرانی کے لئے اپنی طرف سے ایک سپروائزر مقرر کر دیا ہے۔ سیونی میں جولائی ۱۹۴۱ء سے کام شروع ہوگا جب استادوں کی ٹریننگ پوری ہو جائے گی۔ راؤ بہادر ڈی۔ کے موہنی دوبارہ بنیادی تعلیم کے اسپیشل افسر مقرر کئے گئے ہیں اور سارے تجربے کی پوری پوری ذمے داری انھی کے سپرد کر دی گئی ہے۔ ودیا مندر کے گروؤں کی دوبارہ ٹریننگ یا بنیادی تعلیم کے پھیلانے کے لئے سرکار کے سامنے ابھی کوئی اور اسکیم نہیں ہے۔

صوبۂ متحدہ۔ صوبۂ متحدہ میں کام اسی پیمانے پر چل رہا ہے جیسا پچھلے سال شروع کیا گیا تھا۔ صوبے کے ۴۹ ضلعوں اور میونسپلٹیوں کے ۵۲۰۰ اسکولوں کے انفینٹ کلاسز اور پہلے دو درجے بنیادی درجے بنا دئے گئے ہیں۔ ۴۱-۱۹۴۰ء میں کچھ منتخب اسکولوں کے تیسرے درجے کو بھی بنیادی بنانے کی غرض سے ضلع بورڈوں کے استادوں کے نئے نئے گروہ سات ریفریشر ٹریننگ سنٹروں میں تیار کئے جا رہے ہیں۔ صوبے میں بنیادی تعلیم کے لئے آئندہ کا پروگرام یہ ہے کہ ضلع بورڈوں کے استادوں کو ریفریشر ٹریننگ سنٹروں میں تیار کئے جانے کا کام جاری رکھا جائے اور جولائی ۱۹۴۲ء تک چند چنے ہوئے اسکولوں کو پورے طور سے بنیادی اسکول بنا دیا جائے۔

الہ آباد کا بیسک ٹریننگ کالج صوبے میں بنیادی تعلیم سے تعلق رکھنے والی تمام سرگرمیوں کا مرکز ہے۔ یہاں ریفریشر ٹریننگ سنٹروں کے پروفیسروں کو دوبارہ آگے کی ٹریننگ دی جا رہی ہے تاکہ وہ تیسرے، چوتھے اور پانچویں بنیادی درجوں کو پڑھانے والے استادوں کو تیار کر سکیں۔ صوبے کے تمام تعلیمی سب ڈپٹی انسپکٹروں کو بھی تین مہینے کا ایک ریفریشر کورس پورا کرایا جا رہا ہے۔ یہاں نئی دستکاریوں مثلاً دھات کے کام، بیت کے کام، مٹی کے برتن بنانے کے کام، کپڑے کی چھپائی، چمڑے کے کام، جلد سازی وغیرہ پر بھی تجربے کئے جا رہے ہیں۔ مصوری کے ذریعے اپنے دل کی باتیں ظاہر کرنے کے رجحان کو ترقی دینے کے لئے بھی یہ کالج بہت قیمتی کام کر رہا ہے۔ بنیادی اسکولوں کے بچوں کے لئے درسی اور امدادی کتابیں تیار کرنے کا کام بھی شروع کیا گیا ہے۔

بہار۔ بہار میں بنیادی تعلیم کا کام بورڈ آف بیسک ایجوکیشن کے ماتحت ایک تجربے کے طور پر جاری ہے۔ اس بورڈ کے چیرمین مسٹر ای۔ آر۔ جے۔ آر۔ کزنس ہیں جو بہار گورنمنٹ کے تعلیمی مشیر ہیں۔ موجودہ پروگرام یہ ہے کہ ضلع چمپارن میں بیتیا تھانے کے گنجان علاقے کے اسکولوں میں سات سال میں سات درجوں تک یہ تجربہ بڑھا دیا جائے۔ استادوں کے پہلے جتھے کو جسے صرف پہلے اور دوسرے درجوں کو پڑھانے کی تعلیم دی گئی تھی پٹنے کے بیسک ٹریننگ اسکول میں آگے کی تعلیم دی جا رہی ہے اور ٹریننگ پائے ہوئے استادوں کے دوسرے جتھے نے اس علاقے کے ۲۷ اسکولوں میں پہلے اور دوسرے درجوں کی بنیادی تعلیم کا کام شروع کر دیا ہے۔

اس گنجان علاقے کے بنیادی اسکولوں کا کام اپریل ۱۹۴۰ء میں پورا ہو گیا اور بنیادی تعلیم کی ترقی کی جانچ کرنے کے لئے امتحان لینے والوں کا ایک بورڈ مقرر کیا گیا۔ اس بورڈ میں محکمۂ تعلیم اور ہندستانی تعلیمی سنگھ کے ممبر اور چیرمین

کے سکریٹری شامل تھے۔ بورڈ نے مئی ۱۹۴۰ء میں تین دن تک ایسے بڑے اور اوسط درجے کے چند منتخب اسکولوں کی جانچ کرنے کے بعد ایک رپورٹ لکھی۔ اس رپورٹ کا نچوڑ یہ ہے:-

"استادوں، سپروائزروں اور آرگنائزروں کے کام، بچوں کی لیاقت اور ان کی عادتیں اور پھر ان کی ترقی کی یادداشتوں کو جانچنے اور ان پر پورے طور پر غور کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ان تجربوں سے جو نتیجے نکلے ہیں وہ حوصلہ افزا ہیں۔

بچوں کی بڑھتی ہوئی حاضری اس بات کا ثبوت ہے کہ بچوں میں خود بخود دلچسپی پیدا ہو رہی ہے اور وہ کام میں روز بروز زیادہ خوشی محسوس کر رہے ہیں۔ بچوں کے خوشی سے چمکتے ہوئے چہرے اس تعلیمی اسکیم کی کامیابی اور پختگی کے ثبوت ہیں۔ انھوں نے صفائی سے رہنا سیکھا ہے، ان کے اندر سے جھجک نکل گئی ہے اور اپنے دل کی بات کو ظاہر کرنے کی طاقت میں اضافہ ہوا ہے۔ اس کے علاوہ یہ محسوس کرکے کہ وہ بھی بازار میں بکنے والی چیزیں تیار کر سکتے ہیں، ان میں اپنی طاقت پر بھروسہ کرنے کی ایک نئی امنگ پیدا ہو گئی ہے۔ پرانے طرز کے اسکولوں کے طالب علموں کی بہ نسبت ان بچوں کی واقفیت بھی زیادہ ہے۔ یہ باتیں کامیابی کی طرف لے جانے والی ہیں۔ بچوں کے علاوہ اس اسکیم سے سماج کو بھی فائدہ پہنچا ہے۔"

بہار کے بورڈ نے ضروری تعلیمی ادب تیار کرنے کے لئے دسمبر ۱۹۳۹ء میں ایک لٹریچر کمیٹی بھی مقرر کی اور اس کے لئے ضروری مواد جمع کرنے کا کام پٹنہ ٹریننگ اسکول کے ایک پروفیسر کے سپرد کیا۔ ٹریننگ اسکول اور بنیادی اسکولوں میں عملی کام کے نتیجوں سے بہت کچھ قیمتی مسالہ جمع بھی ہو گیا ہے جسے دسمبر ۱۹۴۰ء میں جمع کرکے شائع کر دیا جائے گا۔

علاقہ بمبئی:- بنیادی تعلیم کا کام بہار کی طرح بمبئی میں بھی تجربے کے طور پر کچھ چنے ہوئے گنجان حلقوں میں جاری ہے۔ گجرات، مہاراشٹر اور کرناٹک کے چار چنے ہوئے گنجان حلقوں کے ۵۲ اسکولوں کے پہلے تین درجوں میں اور دوسرے ضلعوں کے ۲۸ چھوٹے موٹے اسکولوں میں بنیادی تعلیم کا نصاب جاری کیا گیا ہے۔ جولائی ۱۹۴۰ء میں مشرقی خاندیش میں یاول کے آس پاس تین نئے اردو بنیادی اسکول کھولے گئے ہیں۔ بنیادی تعلیم کے نصاب سے مشترک بچوں کی تعلیم کے لئے ایک خاص نصاب تعلیم تیار کرکے ان چنے ہوئے اسکولوں کے انفینٹ کلاسز میں جاری کیا گیا ہے۔

ان تجربوں کو ۱۹۴۱ء میں چوتھے درجے تک بڑھانے کے لئے مراٹھی گجراتی اور کناڑی بنیادی اسکولوں کے استادوں کے تیسرے حصے کو لونی کا رنگام اور دھاروار کے تین ٹریننگ سنٹروں میں ٹریننگ جاری ہے۔ جلگاؤں کا اردو ٹریننگ سنٹر سرکار نے کچھ عرصے کے لئے بند کر دیا ہے۔ آئندہ کا پروگرام یہ ہے کہ جن اسکولوں میں تجربہ جاری ہے انھی تک محدود رہنے دیا جائے اور جب تک پورا نصاب تعلیم مکمل نہ ہو جائے اس وقت تک ہر سال ایک ایک درجے کے لئے استاد تیار کئے جاتے رہیں اور بنیادی تعلیم کا کام اس طرح آہستہ آہستہ بڑھایا جائے۔

اڑیسہ:- اڑیسہ کے صوبے میں بنیادی تعلیم کا کام ضلع کٹک میں بری کے آس پاس کے گنجان علاقے میں تجربے کے طور پر چھوٹے پیمانے پر جاری ہے۔ اس حلقے میں ۱۵ بنیادی اسکول ہیں اور ایک ٹریننگ اسکول ہے جو بنیادی اسکولوں کے تعلیمی اور انتظامی کام کا بھی مرکز ہے۔ اس اسکول کو بیسک ایجوکیشن بورڈ کے چیرمین جناب گوپ بندھو چودھری اور ان کے گرام سیوا ادارے کی رہنمائی کا بھی فائدہ حاصل ہے۔ یہاں دسمبر ۱۹۳۹ء میں استادوں کے پہلے جتھے کی ٹریننگ کا کام پورا ہوا تھا اور مئی ۱۹۴۰ء سے اصلی کام شروع کر دیا گیا تھا۔

استادوں کے دوسرے جتھے کی ٹریننگ دسمبر ۱۹۴۰ء میں پوری ہوگی اور جولائی ۱۹۴۱ء سے بنیادی اسکولوں میں دوسرا درجہ شروع ہو جائے گا۔

مدراس:- مدراس کے علاقے میں بنیادی تعلیم کا کوئی سرکاری مرکز نہیں ہے۔ البتہ مچھلی پٹم کے آندھرا جاتی کلا شالا کے بیسک ٹریننگ سنٹر کو سرکاری منظوری حاصل ہو گئی ہے۔

کشمیر:- کشمیر میں اپریل ۱۹۴۰ء میں ۱۰۰ استادوں کی ٹریننگ مکمل ہونے پر ۶۰ بنیادی اسکول کھولے گئے۔ استادوں کا دوسرا جتھا سری نگر کے بیسک ٹریننگ اسکول میں تیار کیا جا رہا ہے۔ کشمیر کی بنیادی تعلیم کی رپورٹ کا مختصر سا حصہ نیچے لکھا جا رہا ہے جس سے معلوم ہوگا کہ اس نئی تعلیمی اسکیم کا بچوں، استادوں اور سماج پر کہاں تک اور کیا اثر پڑا ہے۔

"نئے تجربے سے استادوں کے پڑھانے کا ڈھنگ بالکل بدل گیا ہے۔ ان کے نقطۂ نظر اور رجحان نے ایک نیا راستہ اختیار کر لیا ہے۔ اب وہ زیادہ ہوشیار، سوچ بچار کرنے والے اور سماجی خیال رکھنے والے ہو گئے ہیں، اور سب سے زیادہ یہ کہ اب وہ اپنی ذمہ داریوں کو پہلے سے زیادہ محسوس کرنے لگے ہیں۔ دستکاری میں اپنی لیاقت بڑھانے اور اپنی معلومات میں اضافہ کرنے کی تو جان توڑ کوشش کر رہے ہیں۔

اس نئی اسکیم کے تجربے کے اثر کا اندازہ لگانے کا وقت ابھی نہیں آیا ہے۔ اس تجربے میں بچوں کے ماں باپ پورا پورا ساتھ تو نہیں دے رہے لیکن وہ مخالفت بھی نہیں کرتے۔ اس میں اب کوئی شک نہیں رہا ہے کہ بنیادی اسکولوں کے بچے آزادی اور کمائی والے کاموں کے ماحول میں رہتے ہیں۔ ان کے چال چلن اور عام اخلاق میں بہت کافی تبدیلی ہو چکی ہے۔ وہ دوسرے اسکولوں کے بچوں کی بہ نسبت زیادہ خوش ہیں۔ ہوشیاری، کام کی خوشی، صفائی ستھرائی، اطاعت اور فرماں برداری، ذمے داری کا احساس اور دوسری اچھی عادتوں میں یہ بچے باقی سماج سے زیادہ آگے نکلے ہوئے نظر آتے ہیں۔"

غیر سرکاری ادارے

جامعہ ملیہ دہلی اور مچھلی پٹم کے آندھرا جاتی کلا شالا کے غیر سرکاری ٹریننگ سنٹروں میں استادوں کے دو دو جتھے تیار ہو چکے ہیں اور تیسرے جتھے کی تیاری ہو رہی ہے۔ آندھرا جاتی کلا شالا کو ابتدا میں کچھ دقتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا اس لئے کہ مدراس میں بنیادی تعلیم کے تجربے کی سرکاری منظوری نہیں ہوئی تھی لیکن شری پٹابھی سیتا رمیا کی کوششوں سے یہ مشکلیں دور ہو گئی ہیں۔ لڑکیوں کے ایک پرائیویٹ اسکول نے دو درجوں میں بنیادی تعلیم جاری کر دی ہے اور یہی اسکول پریکٹسنگ اسکول کا بھی کام دے رہا ہے۔ ٹریننگ پانے والے استادوں کی تعداد کل ۲۵ ہے جن میں سے پندرہ ضلع بورڈوں کے بھیجے ہوئے ہیں۔ یہ سنٹر تعلیمی سنگھ کی رہنمائی میں کام کر رہا ہے اور طالب علم اور استاد دونوں جوش اور عقیدت کے ساتھ تجربہ کر رہے ہیں۔

جامعہ ملیہ دہلی کے ٹریننگ سنٹر میں اس وقت ۱۷ استاد ٹریننگ

حاصل کر رہے ہیں۔ ان میں سے دو کو دلی میونسپل بورڈ نے، دو کو دلی ضلع بورڈ نے، ایک کو برلا ایجوکیشن ٹرسٹ نے، ایک کو جامعہ نے اور ایک کو حیدرآباد کے ایک تعلیمی ادارے نے بھیجا ہے۔ باقی آپ اپنی مرضی سے آئے ہیں۔ اب تک جامعہ کو عمارت کی دقتیں تھیں لیکن اب اس کی ایک اپنی عمارت ہوگئی ہے۔ اس میں کتائی، بنائی، گتے کے کام، بڑھئی کے کام اور کاغذ کے کام کے لئے چار سائبان ہیں، دو پڑھائی کے کمرے ہیں اور دو بڑے کمرے بنیادی تعلیم کی دوامی نمائش کے لئے ہیں۔ ان کے علاوہ استادوں کے رہنے کے لئے چھ اکہرے مکان ہیں۔ پرانے طالب علموں کے لئے چھٹیوں میں دستکاری کی ٹرننگ دینے کا بھی انتظام کر دیا گیا ہے۔

ساس ودکے آچاریہ بھاگوت کی نگرانی میں تلک مہاراشٹر ودیا پیٹھ پونا نے ساس ود کے آس پاس چار گاؤں کے ایک گنجان حلقے میں بنیادی تعلیم کا تجربہ جاری کر رکھا ہے۔ جنوری ۱۹۴۰ء میں ایک اسکول بند ہوگیا۔ باقی تین گاؤں کے مدرسے اپنا کام کر رہے ہیں۔

گرو کل کانگڑی ایک اور قومی ادارہ ہے جس نے بنیادی تعلیم کا تجربہ شروع کیا ہے۔ ۱۹۳۹ء میں یہاں کے دو ٹرننگ پائے ہوئے استادوں کی مدد سے پہلے دو درجوں میں بنیادی نصاب تعلیم جاری کر دیا گیا ہے۔ پچھلے تین مہینوں میں جو کام ہوا ہے وہ کافی ہمت افزا ہے۔

چند چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بھی قابل تعریف کام ہوئے ہیں۔ راج پیپلا کے وجے ودیا مندر راور پلائی کے بنیادی اسکول میں سال بھر سے کام ہو رہا ہے۔ دیاورا ذراج گڈھ بھوپال میں استادوں کے لئے چھوٹا سا ایک ٹرننگ کلاس اور چار درجوں کا ایک بنیادی اسکول کھولا گیا ہے۔ اُدے پور کا ودیا بھون کھیتی باڑی کی بنیادی دستکاری کی بنیاد پر ایک بنیادی اسکول کھولنے کا ارادہ کر رہا ہے۔

تامل ناد میں بھی بنیادی تعلیم کے دو مرکز موجود ہیں۔ ایک رام کرشن ودیالے کے شری اوی ناش لنگم کا چلایا ہوا ایے ری نائکن پالیم کا بنیادی اسکول ہے اور دوسرا پورٹو نواد میں مس پیٹرسن کا قائم کیا ہوا لڑکیوں کا اسکول سیوا مندر ہے۔ یہ دونوں ادارے ہندوستانی تعلیمی سنگھ کی رہنمائی میں کام کر رہے ہیں۔

ضلع بورڈوں کے ذریعے بنیادی تعلیم کا کام

تعلیمی سنگھ نے اپنے پچھلے اجلاس میں یہ تجویز منظور کی تھی کہ میونسپل اور ضلع بورڈوں سے بنیادی اسکول کھولنے کی درخواست کی جائے۔ ابھی تک اس درخواست کو رائے پور کی ضلع کونسل نے منظور کیا ہے اور ۴۰-۱۹۳۹ء میں ودیا مندر ٹرننگ اسکول کے ٹرننگ پائے ہوئے استادوں کی مدد سے ۱۲ اسکولوں میں بنیادی نصاب تعلیم شروع کیا ہے۔ ان اسکولوں کے استادوں کی ٹرننگ اور ان کے سامان وغیرہ کا سارا خرچ کونسل ہی نے دیا ہے اور تجربے کی نگرانی کے لئے ایک تجربے کار رکن کو بھی مقرر کیا گیا ہے۔

بہار کے مان بھوم ضلع بورڈ نے بھی مہرا گاؤں میں ایک بنیادی اسکول کھول کر یہ تجربہ شروع کیا ہے۔ وہاں کے لوگ اسکول کے لئے زمین اور عمارت دے کر اور اس میں اپنے بچوں کو پڑھنے کے لئے بھیج کر اس تجربے میں بورڈ کا ساتھ دے رہے ہیں۔

اہل ناد کی میونسپلٹیوں اور ضلع بورڈوں کو اپنے یہاں بنیادی تعلیم کا تجربہ شروع کرنے پر آمادہ کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنائی گئی تھی۔ اس کمیٹی کے سکریٹری شری رام چندر تھے۔ ادر میونسپلٹی نے اپنے یہاں کے استادوں کے لئے ایک مختصر ریفرشر کورس جاری کیا تھا لیکن اس کے بعد اسکولوں میں بنیادی تعلیم شروع کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔

نتیجے اور نچوڑ

پچھلے چھ مہینے میں بنیادی تعلیم کی ترقی کی اوپر دی ہوئی مختصر رپورٹ سے یہ ظاہر ہے کہ یہ تجربہ ابتدائی منزل طے کر چکا ہے۔ اور مختلف مرکزوں میں جو کام ہو رہا ہے، وہ پورے بھروسے کے ساتھ اور اس یقین کے ماتحت ہو رہا ہے کہ یہ اسکیم تعلیمی سدھار کی ایک اچھی اور مفید اسکیم ہے۔

تجربے کی اس منزل میں آیندہ اس کی نشو و نما کو ٹھیک ڈھنگ پر لانے کے لئے دو باتیں ضروری ہیں۔ ایک تو یادداشتوں کا رکھنا جو نہایت احتیاط اور اہتمام کے ساتھ روزانہ کے کام کے سلسلے میں رکھی جانی چاہئیں اور دوسرے تعلیمی، سماجی اور مالی ہر پہلو سے اس سے نکلنے والے نتیجوں کی جانچ پڑتال۔ پہلے کام کے سلسلے میں سنگھ نے مختلف صوبوں کے نمونے کے اسکولوں میں ماہوار یادداشتوں کی کتابیں چھپوا کر بھیج دی ہیں۔ اس کے علاوہ بمبئی، بہار اور اڑیسہ کے تعلیمی محکمے اور پرائیویٹ ادارے اس کام میں سنگھ کا ساتھ دے رہے ہیں۔

تجربے کے نتیجوں کو احتیاط کے ساتھ جانچنے کی باقاعدہ کوشش ابھی صرف بہار کے ایجوکیشن بورڈ نے کی ہے۔ چمپارن ضلع کے گنجان حلقے کے سال بھر کے کام کی جانچ کرنے کے لئے تعلیم کے پنڈتوں اور تعمیری کام کرنے والے کارکنوں کی ایک کمیٹی بنائی گئی تھی، جس کے جانچ کرنے کا طریقہ یہ تھا۔

چنے ہوئے اسکولوں میں سے تین قسموں — اچھے، برے اور اوسط درجے — کے اسکولوں کا دورہ کیا گیا۔ اسکولوں کی اچھائی کا عام معیار اور بچوں کی لیاقت کا صحیح پتہ لگانے کے لئے بچوں اور استادوں کے کاموں کی بڑی تفصیل سے چھان بین کی گئی۔ اس سلسلے میں یہ دیکھا گیا کہ نصاب تعلیم کہاں تک پورا ہو چکا ہے، بچوں کی نشو و نما کہاں تک ہوئی ہے، اور سماج کے علم اور کمائی کے کاموں کے لئے ان میں کس حد تک دلچسپی پیدا ہوئی ہے۔

ان جانچ کرنے والوں کی رپورٹ بنیادی تعلیم کے کارکنوں اور انتظام کرنے والوں کے لئے بڑے کام کی چیز ثابت ہوگی۔ امید ہے کہ دوسرے صوبے بھی بہار کی طرح اپنے یہاں کے بنیادی اسکولوں کے کاموں کے نتیجوں کی جانچ کریں گے۔

تجربوں کے نتیجوں کی جانچ کرنے کا ایک ذریعہ اور ہے اور وہ ہے بنیادی تعلیم کی کانفرنسیں اور نمائشیں۔ جامعہ نگر، دلی میں بنیادی تعلیم کی دوامی نمائش ترتیب دی جا رہی ہے۔ اور بنیادی تعلیم کی دوسری کانفرنس کے سوال پر بھی غور کیا جا رہا ہے۔ اچھا ہو اگر بنیادی تعلیم کے کارکنوں کی کانفرنسیں ہوتی رہیں اور ان کے نتیجے اور بحث مباحثے "نئی تعلیم" میں دوسرے مرکزوں تک پہنچانے کے لئے شائع ہوتے رہیں۔

پچھلے چھ مہینوں میں جو کام ہوا ہے اس کے نتیجوں کے پیش نظر یہ بات سب کو تسلیم ہے کہ اس تعلیم سے بچوں کی نشو و نما ہوئی ہے۔ حساب

اور سماجی علم کے نصاب اور پہلے درجوں کی دستکاری کی تعلیم کے سلسلے میں چند معمولی تبدیلیاں تجویز کی گئی ہیں۔ لیکن عام طور پر بنیادی نصاب تعلیم قابل عمل ثابت ہوا ہے۔ بہت سے ایسے اسکول ہیں جہاں کے استادوں کی ٹریننگ ادھوری رہ گئی تھی اور ان کو تعلیمی سامان بھی کافی اور اطمینان بخش مقدار میں نہیں ملا تھا۔ انھیں وجہوں سے ان اسکولوں میں نصاب تعلیم کے مطابق دستکاری کی تعلیم کا مقررہ معیار حاصل نہ ہو سکا۔ لیکن جن اسکولوں کی ٹریننگ مکمل تھی اور سامان بھی کافی مقدار میں دیا گیا تھا، وہاں یہ بات پورے طور پر حاصل ہوئی ہے۔

اسکیم کا مالی پہلو

بہار میں جانچ کرنے والوں کا جو بورڈ بنا تھا اس کی رپورٹ کے نیچے دیئے ہوئے حصے سے اسکیم کے مالی پہلو کی مشکلوں اور امکانات کا کافی حد تک اندازہ ہو جائے گا:۔

" بنیادی تعلیم کے مالی پہلو کے امکانات اس کے ایک اہم جزو کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یادداشتوں کی جانچ کرنے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ بنیادی دستکاری سے ہر بچے کی سالانہ اوسط آمدنی ۱۳ آنے اور ۶ پائی ہوئی (۱۲ آنے ۶ پائی کتائی سے اور ایک آنہ باغبانی سے)

نصاب تعلیم کے مطابق پہلے درجے میں ہر بچے کی سالانہ اوسط آمدنی ۲ روپے ۱۰ آنے ہونی چاہیئے۔ لیکن یہ نتیجہ اتنا مایوس کرنے والا نہیں ہے جتنا ظاہری طور پر معلوم ہوتا ہے۔ نصاب تعلیم میں سال بھر کی حاضری ۲۱۶ دن رکھی گئی ہے اور روزانہ ۳ گھنٹے ۲۰ منٹ وقت دیا جانا مقرر کیا گیا ہے۔ اس کے برخلاف ان اسکولوں میں سال بھر کی حاضری صرف ۱۳۹ دن کی رہی اور کام کا وقت روزانہ ۲ گھنٹے رہا۔ اگر ان باتوں کا خیال رکھا جائے تو یہ آمدنی بڑھ کر ۲ روپے ۳ آنے ہو جاتی ہے جو مقررہ مقدار کا ۳۰۲۰۳ فی صدی ہے۔ ہم ان باتوں کی بنیاد پر کہہ سکتے ہیں کہ نا امید ہونے کی کوئی بات نہیں ہے اس لئے کہ حاضری اور کام کے وقت کی کمی اگر منہا کر دی جائے تو نتیجہ مایوسی پیدا کرنے والا نہیں نکلے گا۔ اس کے علاوہ استادوں کی دستکاری کی تعلیم میں ادھوری معلومات کا بھی اثر پڑا ہے۔ ان باتوں کی بنیاد پر کوئی صحیح نتیجہ نکالنا تو مشکل ہے لیکن اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اسکیم کے مالی امکانات اتنے غلط نہیں ہیں جتنے بظاہر معلوم ہوتے ہیں۔ اگر کام سلیقے اور ضابطے کی حالت میں انجام دیا جائے تو نصاب بنانے والوں کے ارادے اگر پورے طور پر نہیں تو بہت بڑی حد تک ضرور پورے ہو سکتے ہیں۔"

بنیادی تعلیم کے استادوں کے سامنے جو مشکلیں آتی ہیں، وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے دو قسم کی معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) بنیادی دستکاری کی ادھوری واقفیت اور مہارت کی کمی جس سے بنیادی تعلیم کا ذریعہ بنانے میں ناکامی ہوتی ہے۔ (۲) سہارے کے لئے ضروری لٹریچر اور درسی کتابوں کی کمیابی۔

بنیادی تعلیم کے کارکنوں کے سامنے سب سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ وہ دستکاری کو تعلیم کا مرکز اور ذریعہ بنانے کے بارے میں علمی طریقے پر مطالعہ اور تحقیق کریں۔ یہ کام ٹریننگ اسکولوں کو کرنا پڑے گا۔ ٹریننگ اسکولوں کی اس کام میں مدد کرنے کے لئے تعلیمی محکمہ نے مئی ۱۹۴۰ء میں دستکاری کے ماہروں کی ایک کمیٹی بنیادی دستکاری کمیٹی کے نام سے مقرر کی ہے۔ اس کمیٹی نے استادوں اور بچوں کی دستکاری کے نصاب میں کچھ سدھار کیا ہے اور اُسے ٹھیک ڈھنگ پر لائے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ کمیٹی کتائی کے سب پہلوؤں کو ترقی دینے کا کام عملی حیثیت سے کر رہی ہے اور استادوں کے لئے کچھ لٹریچر بھی تیار کر رہی ہے۔ "کتائی کا حساب" کے عنوان سے شری کرشن داس گاندھی کی کتاب کے دو حصے شائع ہو چکے ہیں اور اگلے حصے تیار ہو رہے ہیں۔ کمیٹی ٹریننگ اسکولوں اور بنیادی اسکولوں کے لئے دستکاری کے امتحانوں اور یادداشتوں کا کوئی باقاعدہ طریقہ نکالنے کی بھی کوشش کر رہی ہے۔ کتائی اور بنائی سے تعلق رکھنے والے لفظوں اور تعریفوں (اصطلاحات) کی ایک ڈکشنری تیار کرنے کا کام بھی اس کمیٹی کے کاموں میں سے ایک کام ہے۔

استادوں کے لئے ضروری لٹریچر دو قسموں کا ہو سکتا ہے (۱) دستکاری کے تمام پہلوؤں کی تشریح کرنے والی اور مربوط تعلیم کے اصولوں اور طریقوں کو سمجھانے والی کتابیں (۲) تاریخ، جغرافیہ، جنرل سائنس وغیرہ مضمونوں پر آسان آسان کتابیں جن کے مطالعے سے استادوں کی لیاقت میں اضافہ ہو سکے اور وہ ان مضمونوں کو اچھی طرح پڑھا سکیں۔ ویسے تعلیمی محکمہ ان ضرورتوں کو پورا کرنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن صحیح معنی میں لٹریچر تو ٹریننگ اور بنیادی اسکولوں کے عملی کام کے تجربوں ہی کی بنیاد پر تیار کرنا پڑے گا۔ بہار پہلا صوبہ ہے جس نے اس کام کو شروع کیا ہے اور امید کی جاتی ہے کہ دوسرے صوبے بھی بہار کی تقلید کریں گے اور وہی راستہ اختیار کریں گے۔

شذرات

"نئی تعلیم" کے دو سال پورے ہونے کو آئے اور اب یہ تیسرا سال شروع ہوا ہے۔

"نئی تعلیم" تعلیمی میدان میں ایک نئے تجربے کا تعارفی رسالہ ہے۔ آج سے تین سال پہلے جب بنیادی تعلیم کا تجربہ شروع کیا گیا تھا تو ہمارے سامنے کوئی طے کیا ہوا راستہ نہیں تھا۔ ہم نے اس ارادے کے ساتھ اپنا کام شروع کیا تھا کہ ہر قدم پر اپنا راستہ خود بنائیں گے اور آگے بڑھیں گے اور اس طرح ہمارے پیچھے آنے والوں کے لئے راستہ تیار ہوتا جائے گا۔ ہمارا یہ بھی خیال تھا کہ اس تیاری میں "نئی تعلیم" ایک کارآمد آلہ ثابت ہوگا، ہندوستان کے دور دراز صوبوں میں جو لوگ بنیادی تعلیم کے کام میں لگے ہوئے ہیں اُن کو ایک دوسرے کے قریب لانے اور ان کے تجربوں کے ہیر پھیر کا یہ ایک ذریعہ بنے گا اور تعلیم کی اس انقلابی اسکیم پر عمل کرنے کے دوران میں جو دقتیں اور رکاوٹیں پیش

آئیں گی انھیں اس پرچے کے ذریعے ہم تمام کارکنوں کے سامنے پیش کرسکیں گے اور اگر کسی نے ان مشکلوں اور رکاوٹوں کو حل کرنے کا کوئی راستہ نکالا تو اس کو "نئی تعلیم" کے ذریعے ہم ہر کارکن تک پہنچا سکیں گے۔

مگر ہمارے یہ ارادے پچھلے دو سال میں بہت کم پورے ہو سکے ہیں۔ جن استادوں کا یہ پرچہ ہے وہ اسے پڑھتے تو ہیں لیکن انہوں نے اسے عملی طور پر اپنایا نہیں ہے۔ اس رسالے کے صفحے ان کے خیالات سے بہت کم فائدہ اٹھا سکے۔ ان کے روزانہ کے کام، ان کی دقتوں اور کامیابیوں کا بہت کم حال ہمیں معلوم ہو سکا۔ شاید وہ یہ سمجھتے ہوں گے کہ اس پرچے میں شائع ہونے کے لئے بنیادی تعلیم کے سوالوں اور پہلوؤں کے متعلق کوئی بہت گہرا مضمون یا مقالہ لکھنا ہوگا۔ اُن کی خدمت میں ہماری یہ گذارش ہے کہ "نئی تعلیم" کا موضوع ہے ہندوستان کے دیہاتی بچے اور بنیادی تعلیم کے ذریعے ان کی نشو و نما۔ اس موضوع کی وسعت کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اسی لئے دیہاتی بچے کی زندگی اور اس کے سماج سے لگاؤ رکھنے والی سبھی باتیں اس کے اندر آجاتی ہیں۔

"نئی تعلیم" کا تیسرا سال انھیں امیدوں کو لے کر شروع ہوا ہے کہ اس سال یہ اپنے اصلی مقصدوں میں بہت بڑی حد تک کامیاب ہوگا۔ اور جس قسم کی تبدیلی اس کے ظاہری رنگ روپ میں ہوئی ہے ویسی ہی تبدیلی اندرونی رنگ روپ میں بھی ہوگی۔ دیہاتی بچہ، دیہاتی استاد اور دیہاتی دستکاری بنیادی تعلیم کے تین خاص حصے ہیں۔ امید ہے کہ ان کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات اور خیالات اس پرچے کے ذریعے ملتے رہیں گے۔

بنیادی تعلیم کی دوسری کانفرنس

"نئی تعلیم" کے پچھلے پرچے میں اطلاع دی گئی تھی کہ الہ آباد میں بنیادی تعلیم کی جو دوسری کانفرنس ہونے والی تھی وہ ملتوی کر دی گئی ہے۔ اب ہم نہایت خوشی کے ساتھ یہ اطلاع دے رہے ہیں کہ یہ کانفرنس جامعہ نگر، اوکھلا (دہلی) میں مارچ کے دوسرے ہفتے کے لگ بھگ کسی تاریخ میں منعقد ہوگی۔ اسی کانفرنس کے موقع پر جامعہ نگر کی دوامی تعلیمی نمائش کا افتتاح بھی ہوگا۔ تاریخیں مقرر ہونے کے بعد کانفرنس کا پروگرام "نئی تعلیم" اور دوسرے اخباروں میں شائع کر دیا جائے گا۔ کانفرنس اور نمائش کے متعلق بنیادی تعلیم کے کارکنوں کی طرف سے اگر کوئی تجویز یا مشورہ موصول ہوگا تو اُس پر بڑی خوشی سے غور کیا جائے گا۔

سکریٹری،
ہندستانی تعلیمی سنگھ،
سیواگرام، وردھا۔

بنیادی تعلیم کے کام کا روزانہ ریکارڈ

۲۰۰ روپے کا انعام

ہندستانی تعلیمی سنگھ نے طے کیا ہے کہ بنیادی تعلیم کے استادوں سے درخواست کی جائے کہ وہ اپنے اسکول کے ایک بنیادی درجے کے سال بھر کے کام کا صحیح اور ترتیب وار مفصل ریکارڈ لکھ کر سنگھ کو بھیجیں۔ جس استاد کا ریکارڈ سب سے اچھا سمجھا جائے گا اُسے سنگھ کی طرف سے دو سو روپے کا انعام دیا جائے گا۔ یہ مضمون صاف صاف چوڑا حاشیہ چھوڑ کر کاغذ کے ایک طرف لکھا جانا چاہیئے۔ مضمون اپنی مادری زبان میں لکھا جا سکتا ہے۔ تمام مضمون یکم مارچ سنہ ۱۹۴۱ء تک سنگھ کے سکریٹری کے پاس پہنچ جانے چاہئیں۔ پسند کئے ہوئے مضمون پر سنگھ کا ہر طرح کا اختیار رہوگا۔ مضمون لکھتے وقت نیچے لکھی ہوئی باتوں پر خاص طور سے روشنی ڈالنی چاہیئے۔

۱۔ بچے کا سماجی اور قدرتی ماحول۔ (ا) گاؤں۔ گاؤں کی سماجی اور مالی حالت، صفائی، گاؤں کے لوگوں کا رہن سہن، عادات و اطوار، عقیدے، پیشے، تقریب اور تیوہار وغیرہ (”نئی تعلیم“ کے دسمبر سنہ ۱۹۴۰ء کے نمبر میں دو عنوانوں کے ماتحت جو دو مضمون — ”بنیادی تعلیم کے لئے درسی کتابیں“ اور ”چھوٹے دیہاتی اسکول“ — چھپے ہیں، ان میں دی ہوئی باتوں کا بھی لحاظ رکھا جائے۔) (ب) گاؤں کا قدرتی ماحول اور وہ قدرتی ذریعے جن کا تعلیم کے کام میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

۲ - اسکول۔ اسکول کی عمارت، تعلیمی سامان، پانی، صفائی اور ناشتے کا انتظام اگر کیا گیا ہو۔ کھیل کود کے لئے جگہ اور دوسری چیزوں کا انتظام۔

۳ - روزانہ کی زندگی۔ اسکول کا روزانہ کا پروگرام اور زندگی۔ بچوں کی ترقی کی رفتار۔ ان کی دلچسپیاں۔ ان کی ذہنی اور جسمانی کیفیت۔

۴ - بنیادی تعلیم کا بچے کی شخصیت پر اثر۔

۵ - بنیادی دستکاری کے ساتھ دوسرے مضمونوں کو کیسے مربوط کیا گیا اور وہ طریقۂ ربط کس حد تک کامیاب ہوا۔ کیا کیا دقتیں اور مسئلے پیدا ہوئے۔

۶ - سماجی اور قدرتی ربط کے مرکزوں کی معرفت کیا کیا باتیں اور کس طرح سکھائی گئیں۔ سیروں کے ذریعے کتنا کام ہوا۔

۷ - اسکول کا گاؤں سے تعلق۔

۸ - بنیادی دستکاری کی یادداشتیں اور نقشے۔

مضمون کی خوبی کا معیار صرف یہی نہیں ہوگا کہ اچھا کام کس استاد کا رہا ہے۔ کام کی اچھائی کے ساتھ یہ باتیں بھی جانچتے وقت سامنے رکھی جائیں گی کہ کام کے دوران میں کیا کیا دقتیں پیش آئیں اور انھیں حل کرنے کی کیا کوشش کی گئی، استادوں کا بچوں کی گھریلو زندگی اور گاؤں سے کس قسم کا اور کس حد تک تعلق رہا۔ لکھنے اور بیان کرنے کا انداز کیسا ہے۔ ان باتوں کے علاوہ

یہ چیز بھی دیکھنے کی کوشش کی جائے گی کہ مضمون میں کام کی جو تفصیل دی گئی ہے وہ بناوٹی تو نہیں ہے اور کاموں کو ترتیب وار لکھا گیا ہے یا نہیں یہ مضمون ہر استاد اپنی مادری زبان میں لکھ کر بھیج سکتا ہے ۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ مضمون کی زبان ادبیانہ ہی ہو ۔ کوشش یہ ہونی چاہئے کہ اس سے بنیادی تعلیم کے کام کرنے والوں کو کچھ واقفیت بہم پہنچ سکے ۔ صرف روزانہ کے کام کی فہرست ہی لکھ دینی کافی نہیں ہوگی ۔ جس اسکول میں سال بھر تک کام نہ ہوا ہو وہاں کا استاد جتنے مہینے کام ہوا ہے اسی کی تفصیل لکھ کر بھیج سکتا ہے ۔ باقی مہینوں کے لئے کام کا جو پروگرام بنایا گیا ہو اُسے البتہ مضمون میں لکھ دینا ہوگا ۔ لیکن یہ مضمون کسی حالت میں ۲ مہینے سے کم مدت کے کام کا نہیں ہونا چاہئے ۔

فہرست مضامین

پرنٹر و پبلشر : حامد علی خاں — مطبوعہ : جید برقی پریس — مدیرہ : آشا دیوی

نئی تعلیم

جلد ۳، نمبر ۲ | دہلی، فروری سنہ ۱۹۴۱ء | قیمت سالانہ عہ/

آرٹ کی تعلیم

(پچھلے مضمون سے آگے)

تخلیق یا بناوٹ

مصوری میں تخلیق کی بڑی اہمیت ہے۔ ایک تصویر میں خاص چیز ایک ہی ہونی چاہئے۔ دوسری چیزیں اگر ہوں بھی تو اس اصل چیز کے سہارے کے لئے۔ تصویر میں جو خاص چیز دکھائی ہے، اُسے تصویر کے بیچ میں نہیں ہونا چاہئے بلکہ بیچ سے کچھ ہٹا ہوا ہونا چاہئے۔ "بیچ" سے مراد ٹھیک وہ جگہ ہے جہاں چوکور سطح کے چاروں کونوں کو ملانے والی لکیریں (وتر — Diagonals) ایک دوسرے کو کاٹتی ہوں۔ تصویر میں تین یا تین سے زیادہ چیزیں اس طرح نہیں دکھائی چاہئیں کہ وہ ایک سیدھ میں دکھائی دیں یا تصویر کو کاٹتی ہوئی نظر آئیں یا ایک دوسرے کے سامنے یا آپس میں گتھی معلوم ہوں۔ تصویر کی خاص چیز کو نمایاں کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کے لئے ایسے رنگ کا استعمال کیا جائے جو دوسری جگہ استعمال نہ کیا گیا ہو۔ اگر ایسا کوئی رنگ خاص چیز کو دکھانے کے لئے استعمال کرنا ضروری ہی ہو تو اسی سے ملتا جلتا رنگ تصویر میں کسی دوسری جگہ بھی لگانا چاہئے۔ رنگ اور نقشے میں جو میل اور مقابلہ ہوتا ہے، مصور کے لئے تصویر میں اس کا دکھانا بھی ضروری ہے۔

رنگوں کی پہچان اور استعمال

اب ہم رنگوں کے بارے میں کچھ کہیں گے۔ کائنات میں خاص طور پر دو طرح کے رنگ ہوتے ہیں۔ ایک تو شفاف، جیسے کانچ، برف، پانی وغیرہ کے رنگ جن میں سے روشنی گذر سکتی ہے، دوسرے غیر شفاف یا دھندلے جیسے مٹی، لکڑی، چونا وغیرہ کے رنگ جن میں سے روشنی نہیں گذر سکتی۔ لال، پیلا اور نیلا بنیادی رنگ ہیں۔ ان تینوں کے آپس میں ملنے سے دوسرے رنگ بیگنی، ہرا، نارنجی وغیرہ بن جاتے ہیں۔ لال اور نیلے رنگ کے ملنے سے بیگنی رنگ بنتا ہے، پیلا اور نیلا ملنے سے ہرا، اور لال اور پیلا ملنے سے نارنجی۔ ہرا رنگ لال رنگ کا متضاد ہے، بیگنی پیلے کا اور نارنجی نیلے کا۔ تصویر کے اثر کو کامیاب بنانے کے لئے رنگوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔ نیلے رنگ کے ساتھ لال رنگ بہت نمایاں ہو جاتا ہے مگر بیگنی اور نارنجی رنگ کے ساتھ میل کھاتا ہے۔ اسی طرح دوسرے میل کھانے والے رنگ ایک دوسرے کو لطیف اور خوشگوار بنا دیتے ہیں۔ ہر رنگ کے بے شمار درجے ہوتے ہیں۔ گلابی، سیندوریا، خون کا رنگ، کوئل کی آنکھ کا رنگ وغیرہ لال رنگ کے الگ الگ درجے ہیں۔ اسی طرح برف، دودھ، چونا، موتی سفید رنگ کے درجے ہیں۔ صرف "ہرا" کہنے سے یہ پتہ نہیں چل سکتا کہ کس طرح کا رنگ مراد ہے۔ لیکن اگر ہم "طوطے کا رنگ" کہہ دیں تو ہمارے ذہن میں صحیح رنگ کا تصور آ جاتا ہے کہ اس سے وہ ہرا مراد ہے جو طوطے کا ہوتا ہے۔ ہم آگے رنگوں کی ایک فہرست دے رہے ہیں، جس سے مختلف رنگوں اور ان کے درجوں کے تصور میں آسانی ہوگی لیکن رنگوں کے درجوں کی پوری پہچان کے لئے ضروری ہے کہ طالب علم کو چند ایسی قدرتی چیزوں کی پہچان بھی ہو جن میں یہ مختلف رنگ ہوتے ہیں۔

کنول کا رنگ، راکھ کا رنگ، چمپئی رنگ، طوطے کا رنگ، کشمشی رنگ، بادامی رنگ، عنابی رنگ، سلیٹی رنگ، گلنار رنگ، آسمانی رنگ، کبوتر کا رنگ، مور کا رنگ وغیرہ بہت سے رنگوں کے نام ہندوستان میں بہت زمانے سے چلے آتے ہیں اور ان سے ٹھیک ٹھیک رنگوں کا تصور قائم ہو جاتا ہے۔

استاد کو چاہئے کہ فہرست میں دی ہوئی چیزوں میں سے جتنی ممکن ہوں، جمع کر کے ڈرائنگ کے کمرے میں رکھ چھوڑے۔ جو چیزیں نہ مل سکتی ہوں یا زیادہ دن باقی نہ رہ سکتی ہوں ان کی اچھی اچھی نقلیں بنا کر رکھی جا سکتی ہیں۔ اگر ان سب چیزوں کا ایک عجائب گھر قائم ہو جائے تو طالب علموں کو رنگوں کے درجے سمجھنے اور انھیں یاد رکھنے میں بہت کافی مدد مل سکتی ہے۔ ان سے کہا جائے کہ ایک ہی رنگ کی مختلف چیزوں کے نام بتائیں اور ان رنگوں کی کاغذ پر نقلیں بھی اتاریں۔ استاد کو چاہئے کہ وہ طالب علموں کو بتائے کہ جب سورج کی کرنیں کسی تین پہل والے شیشے سے گذر کر کسی پردے پر پڑتی ہیں تو پردے پر سات رنگ دکھائی دیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورج کی روشنی سات رنگوں سے مل کر

یعنی سب لال، نارنجی، پیلا، ہرا، آسمانی، نیلا اور بیگنی۔

رنگوں کی فہرست

رنگ	دھات	جانور	پھل پھول	عنصر
لال	گرم کیا ہوا سرخ لوہا، سیندور، مونگا، گیرو، لال مٹی۔	کوئل کی آنکھ، مرغ کی چوٹی، طوطے کی چونچ، کبوتر کے پنجے، لال چڑیا۔	ٹھونگچی، (چرمٹی)، سیب، انار کے پھول، گلاب، کسم کے پھول، عناب۔	اُگتا ہوا سورج، انگارا۔
نیلا	توتیا (نیلا تھوتھا) نیلم، لاجورد	نیل کنٹھ، مور، کوے کا انڈا۔	نیل، نیلا کنول	پانی۔ آسمان
پیلا	ہڑتال، گندھک، پیلی مٹی۔	مینا کی چونچ اور آنکھ، پیلی چڑیا۔	جوہی کا پھول، گیندے کا پھول، خُردکا پھول، چنگ کی کلڑی، لیموں، ہلدی، کیلا۔	آگ، کلورین گیس۔
ہرا	مورتھوتھا، کسیس، پنا، فیروزہ	طوطا، ہرا سانپ، ہرے رنگ کے ٹڈے۔	طرح طرح کے پتے، ساگ پات، تربوز، مونگ۔	
نارنجی	سیرا، کسیس		کیسر، گندہ کا پھول، نارنگی، پپیتا کا گودا	آگ
بیگنی یا کاسنی	پوٹاشیم پرمینگنیٹ (کنویں میں ڈالنے والی لال دوا)		بیگن، کٹیلی کا پھول، کاسنی کا پھول، سوسن کا پھول۔	آیوڈین
بھورا	تانبہ، برنز	کتا، گائے، گھوڑا۔	لکڑی، تمباکو، کتھا، املی کا بیج، اصلی گرد، منقیٰ، بادام۔	برومیم کا دھواں
مٹیالا	جست، سیسہ، المونیم، راکھ، سلیٹ	جنگلی کبوتر		
کالا	لوہا، کاجل، کوئلہ، گریفائٹ	کوئل، کوا، ریچھ، بال، سانپ، مشک۔	تربوز کے بیج، شریفے کے بیج، آبنوس کی لکڑی۔	کوئلہ، اندھیرا
سفید	چونا، سنگ مرمر، کھریا، چینی مٹی، چاندی۔	بطخ، انڈا، ہنس، دودھ، موتی، ہاتھی دانت	سفید کنول، موتیا اور چنبیلی کا پھول، کپاس، چاول، کافور	برف

کائنات کا مشاہدہ کرنے سے رنگوں کے بارے میں خوش مذاقی پیدا ہوتی ہے۔ پھولوں، کیڑوں، تتلیوں وغیرہ کے رنگوں پر باریکی سے غور کرنا چاہیئے۔ اس سے رنگوں کے میل کا تصور ترقی پائے گا۔ آج کل کپڑوں میں اور روزمرہ کے کام کی چیزوں میں جو بھدے رنگ نظر آتے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ کائنات کے مشاہدے کی کمی سے لوگوں کا مذاق پست ہوگیا ہے۔ ان کے دل اس قدر بے حس اور سخت ہوگئے ہیں کہ ہلکے رنگ انھیں بھاتے ہی نہیں۔ وہ صرف تیز، بھڑکیلے اور دل میں نفرت پیدا کرنے والے اور ناخوش گوار رنگ پسند کرتے ہیں۔ ان رنگوں کو کام میں لانے کی ذمہ داری شہری لوگوں پر ہے اس لئے کہ انھیں کائنات کا مشاہدہ کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ وہ تو صرف مصنوعی رنگوں کو کام میں لاتے ہیں اور اسی بناوٹ کا نتیجہ یہ بدمذاقی ہے۔

سجاوٹ کے کام میں اور تصویر میں بہت سے رنگوں کا استعمال اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ ایک تصویر میں ایک ہی رنگ نمایاں رہنا چاہیئے اور عام طور پر زیادہ سے زیادہ دو یا تین رنگوں کا استعمال ہونا چاہیئے لیکن یہ رنگ بھی نمایاں رنگ سے میل کھانے والے اور اس کے مددگار کی حیثیت رکھنے والے ہونے چاہئیں۔ رنگ کو گہرا کرنے کے لئے اس میں کالا رنگ ملانا ٹھیک نہیں۔ اس سے رنگ میں بھدا پن آجاتا ہے۔ اس کام کے لئے کسی گہرے رنگ کا استعمال کرنا چاہیئے، مثلاً لال رنگ کو گہرا کرنے کے لئے نیلا رنگ ملایا جاسکتا ہے اور سفید رنگ کو گہرا کرنے کے لئے بیگنی رنگ۔

مسالے اور ان کا استعمال

جہاں تک ہوسکے ہمیں اپنے آرٹ میں اسی مسالے کا استعمال کرنا چاہیئے جو ہمارے چاروں طرف قدرتی طور پر آسانی سے مل سکے۔ قیمتی اور کافی مقدار میں ملنے والے مسالوں کا استعمال کرکے سُندر اور خوبصورت چیزیں بنا لینا مشکل نہیں ہے۔ لیکن سادے اور ناکافی مسالوں سے آرٹ کا عمدہ نمونہ پیش کرنے کے لئے اعلیٰ تخیل اور مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ سادی چیزوں کے استعمال سے تخیل اور مہارت کی ترقی ہوتی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قیمتی مسالے استعمال ہی نہ کئے جائیں۔ قیمتی چیزوں کا استعمال بھی ہونا چاہیئے لیکن خاص خاص موقعوں اور ضرورتوں پر۔

تختۂ سیاہ کی بجائے کمرے کا فرش بہت اچھا کام دے سکتا ہے۔ اگر فرش کچا ہو تو اُسے ہموار کرکے اس پر کھریا یا کوئلے سے تصویریں بنائی

جاسکتی ہیں۔ ریت کی موٹی تہ بنا کر اس پر لکڑی کی نوک سے شکلیں کھینچی جاسکتی ہیں۔ ریت کی تہ پر شکلیں کھینچنا تختۂ سیاہ پر شکلیں کھینچنے سے زیادہ دلچسپ ہوتا ہے۔ ریت سے ایک اور فائدہ بھی ہے۔ اگر اس پر ذرا پانی چھڑک دیا جائے تو اس سے کھلونے اور نمونے بھی بنائے جاسکتے ہیں۔ دیوار کا کچھ حصہ بھی تختۂ سیاہ کا کام دے سکتا ہے۔

زمین یا فرش پر مصوری کے لئے نیچے لکھے ہوئے رنگین مسالے کارآمد ہوں گے :۔

سفید —— چاول کا آٹا۔
پیلا —— پسی ہوئی ہلدی میں ذرا سا چاول کا آٹا ملا دیا جائے۔
ہرا —— ہری بیل کے پسے ہوئے برادے میں چاول کا آٹا ملا دیا جائے۔
کالا —— کوئلے کا سفوف
لال —— گیرو کے برادے میں چاول کا ذرا سا آٹا ملا دیا جائے۔

اسی طرح دوسری چیزوں سے اور طرح کے رنگ بھی تیار کیے جاسکتے ہیں۔

طالب علموں سے تختۂ سیاہ پر مشق کرانا بہت ضروری ہے۔ تختۂ سیاہ پر کام کھڑے ہو کر کرنا چاہیے۔ شکل کھینچتے وقت پورا بازو بالکل سیدھا، بدن سے اور تختے سے زاویۂ قائمہ بناتا ہوا ہونا چاہیے۔ ہاتھ کو کندھے کی جگہ سے گھمانا چاہیے کہنی پر سے نہیں۔ دیہات میں عورتیں تیوہاروں کے موقعوں پر جو رنگین شکلیں اور چوک وغیرہ بناتی ہیں وہ بھی لڑکے اور لڑکیوں کو سکھانا چاہیے۔ اس طرح ان کو مصوری کی تعلیم دینے میں بہت مدد ملے گی۔

ڈرائنگ اور مصوری سکھانے کے لئے ایک نہایت دلچسپ نمونہ اس طرح بنایا جاسکتا ہے۔ ایک بانس کو لے کر اس کے ایک سرے پر کچھ دور تک چیر دیا جائے۔ یہ سرا چھوٹی موٹی چیزیں پکڑنے کے لئے چمٹے کا کام دے گا۔ چمٹے کا سرا گیلی مٹی میں گاڑ دیجئے۔ جس چیز، پھول، پتے کی شکل بنانی ہو اُسے بانس کے چمٹے میں اٹکا دیجئے اور بانس کو ایک کاغذ اور ایک چراغ (یا کوئی اور روشنی) کے بیچ میں اس طرح قائم کر دیجئے کہ اس چیز کا سایہ کاغذ پر پڑے۔ چراغ کو آگے یا پیچھے سرکا دینے سے سائے کا سائز بڑا یا چھوٹا کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح پھولوں، پتوں وغیرہ کو کئی طرح ٹیڑھا، آڑا رکھ کر اس کی شکل پر غور کیا جاسکتا ہے۔ ماڈل ڈرائنگ (نمونے کے مطابق شکل بنانا) سکھانے کے لئے استاد خود بانس کی کھپچیوں سے کچھ نمونے بنائے جیسے (ا) گول (ب) ایک دوسرے کو کاٹتے ہوئے دو گول دائرے (ج) مخروطی (د) مربع (ہ) پی را مڈ (و) بیلن، وغیرہ۔ ان سب شکلوں کا سایہ اوپر بتائے ہوئے طریقے پر کاغذ پر ڈالا جائے اور طالب علموں سے کہا جائے کہ وہ ان کی شکلیں بنائیں۔ یہ نمونے ایک فٹ سے کم سائز کے نہ ہوں۔

طالب علموں سے مٹی کے نمونے بھی بنوانے چاہئیں۔ اس کام کے لئے نرم گیلی مٹی مناسب رہے گی۔ مٹی کو گیلا رکھنے کے لئے اسے ایک گڑھے میں ڈھک کر رکھنا چاہیے۔

لکڑی کے تختے کو بھی چکنا کر کے اس پر کھریا سے تصویر بنائی جاسکتی ہے۔ اگر برش نہ مل سکیں یا برش کے قابل بہت باریک کام نہ ہو تو لکڑی کے ایک سرے پر روئی لپیٹ کر بھی کام لیا جاسکتا ہے۔ انگلینڈ یا امریکہ وغیرہ کے بنے ہوئے برشوں سے جاپانی برش زیادہ اچھے ہوتے ہیں۔

ربر کے استعمال سے جہاں تک ہو سکے، بچنا چاہیے۔ بار بار ربر کے استعمال سے مصوری سیکھنے والے میں کمزوری اور محتاجی سی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ نہ تو بہت دور تک سوچ سکتا ہے اور نہ ٹھیک کام کر سکتا ہے۔ ربر سے بچنے کی عادت پیدا کرنے کے لئے سلیٹ یا تختۂ سیاہ پر مشق کرنا مفید ہوتا ہے۔ کاغذ پر ڈرائنگ بنانے کے لئے ہمیشہ ملائم (Soft) پنسل کا استعمال ہونا چاہیے۔ سخت پنسل سے ڈرائنگ بھی نگاہوں کو سخت محسوس ہوتی ہے۔ پنسل کو بیچ سے ہلکے ہاتھ سے پکڑنا چاہیے۔ جب تک شکل ٹھیک نہ بن جائے اس وقت تک لکیریں ہلکی بنائی جائیں اور جب شکل ٹھیک بن جائے تو اس وقت ہلکی لکیروں کو گہرا کرنا چاہیے۔ اس طرح کام کرنے سے ربر کا بہت کم کام پڑے گا اور اس کے استعمال سے بچنے کی عادت پیدا ہو جائے گی۔ سلیٹ اور سلیٹ کی پنسل بھی بہت کام کی چیزیں ہیں۔ سلیٹ پر رنگین شکلیں بنانے کے لئے رنگین کھریا کی پنسلیں (Chalk - Sticks) کام میں آسکتی ہیں۔ بیٹھ کر کام کرنے کے لئے ڈھلواں ڈیسک آرام دہ ہوتا ہے۔ جہاں تک ہو سکے، بیٹھ کر کام کرتے وقت پیٹھ سیدھی رکھنی چاہیے۔

پیسٹل (ایک طرح کی رنگین پنسلیں) بھی مصوری کے کام کے لئے کام کی چیز ہے۔ اس سے عموماً گتے پر تصویریں بنتی ہیں اور یہی زیادہ موزوں بھی ہوتا ہے۔ ڈرائنگ کے خاص خاص حصوں کو پہلے ہلکے ہاتھ سے رنگ دینا چاہیے، پھر ان رنگے ہوئے حصوں پر دوسرے رنگوں سے باریک کام کرنا چاہیے۔ اگر تیز رنگ تصویر میں دکھانے ہوں تو پہلے سفید پیسٹل سے کاغذ کو رنگ دینا چاہیے اور پھر دوسرے رنگ لگانے چاہئیں۔ کچھ لوگ رنگ لگا کر اسے انگلی یا کپڑے سے گھس دیتے ہیں مگر اس طرح رنگ میلا ہو جاتا ہے اور جب تک زیادہ ضرورت نہ ہو، رنگ کو اس طرح گھسنا نہیں چاہیے۔

نوسکھوں کو ڈرائنگ سکھانے کے لئے اور بھی کچھ سامان کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً کاغذ (سادہ یا رنگین) اور کاغذ کاٹنے کی قینچی۔ طالب علموں کو آمادہ کرنا چاہیے کہ وہ اپنی پسند اور خواہش سے کاغذ کی مختلف شکلیں پھول، پتیاں، بیلیں وغیرہ کاٹیں۔ طالب علموں کو مختلف شکلوں کی پہچان کرانے کے لئے رنگین بیج (جیسے املی، شریفے وغیرہ کے بیج) دالیں، پتھر کے ٹکڑے بھی دکھانے چاہئیں۔ ان کو مختلف سمتوں سے جما کر رکھنے سے طرح طرح کی شکلیں بن سکتی ہیں۔ چاہیے یہ کہ پہلے استاد اپنے ہاتھ سے شکلوں کے خاکے (Outlines) کھینچ دے اور پھر طالب علموں سے ان خاکوں میں بیج یا دوسری چیزیں جما کر رکھوائے۔

ہم نے یہاں یوں تو بہت کافی تجویزیں پیش کر دی ہیں لیکن استاد اپنی سوجھ بوجھ سے دوسرے ذریعے اور طریقے بھی کام میں لا سکتا ہے۔ طالب علم کے پاس رنگوں کا بکس، برش اور دوسری چیزوں کے اکٹھا ہونے تک انتظار نہیں کرنا چاہیے۔ معمولی چیزوں سے بھی ڈرائنگ کی تعلیم شروع کی جاسکتی ہے۔

ڈرائنگ کے لئے عملی جیومیٹری (Practical Geometry) کا علم بہت ضروری ہے۔ عملی جیومیٹری صرف کتاب کے مسئلوں ہی سے نہیں بلکہ دوسرے عملی ذریعوں (مثلاً مکان، باغیچہ، آرائش وغیرہ کے نقشے بنوا کر) سے سکھانی چاہیے۔ طالب علموں کو بتانا چاہیے کہ بغیر پرکار کی مدد کے زمین پر دائرہ کیسے کھینچا جاتا ہے۔ دائرے کے برابر برابر حصے کیسے کئے جاتے ہیں، زمین کے چوکور ٹکڑے کے چاروں کونے برابر درجے کے کیسے بنائے جاتے ہیں۔ بغیر پیمانے کے چیزوں کے دو یا چار برابر برابر حصے صرف اندازے سے کس طرح کئے جاتے ہیں وغیرہ۔ ان

طریقوں کو استعمال کرنے سے بچوں میں مشاہدے کی قوت میں ترقی ہوگی۔

تھوڑا سا وقت اس کام کے لئے بھی رکھنا چاہئے کہ طالب علم اپنی مرضی سے آزادی کے ساتھ شکلیں، مٹی کے نمونے وغیرہ بناسکیں تاکہ ان کے تخیل کو پھیلنے کا موقع مل سکے۔ اس موقع پر ان کو کسی طرح کی ہدایت یا مشورہ نہیں دینا چاہئے تاکہ ان کے تازہ ذہن کی پرواز میں بلندی پیدا ہوسکے۔

عملی ہدایتیں

استاد کو سب سے پہلے یہ بات دھیان میں رکھنی چاہئے کہ طالب علم میں مصوری کا ذوق پیدا ہو جائے۔ اگر طالب علم میں کسی چیز کا ذوق پیدا نہ ہوا تو اسے ہزار تعلیم دیجئے وہ کورا ہی رہے گا۔ بغیر رجحان اور ذوق کے مشین کی طرح کام کرنے کوئی شخص آرٹ نہیں سیکھ سکتا۔ اور جب چیز سے دلچسپی نہ ہو دل میں اس کا ذوق نہیں پیدا ہوگا۔ لیکن اچھا استاد ہر چیز میں دلچسپی پیدا کرسکتا ہے۔ مشہور مصوروں کی تصویریں جمع کرکے، سنگ تراشی اور پچیکاری کے نمونے دکھا کر، گلکاری اور دستکاری کی چیزوں کا مشاہدہ کراکے، کائنات کے حسن کو بے نقاب کرکے، تمائشی جگہوں کی سیر کراکے اور دلچسپ دلچسپ بات چیت کے ذریعے استاد طالب علم کے دل میں چیزوں کو سیکھنے کا شوق پیدا کرسکتا ہے۔ اور پھر مصوری تو خود ہی ایک دلچسپ مضمون ہے۔ اگر اس سے بھی طالب علم کو دلچسپی نہ ہو تو اسے مصوری کا قصور نہیں بلکہ استاد کی کم مائگی کا نتیجہ سمجھنا چاہئے۔

نیچے لکھی ہوئی کتابوں سے مصوری کی تعلیم میں مدد لی جاسکتی ہے:۔

ڈرائنگ بکس (ای۔ بی۔ ہاویل)

روپاولی حصہ اول و دوم (نندلال باسو، شانتی نکیتن)

پھول کاری حصہ اول، دوم اور سوم (" ")

پریکٹیکل جیومیٹری

نوٹس آن آرٹ: شلپ آرٹ (نندلال باسو)

انڈین اناٹومی (اوپندرناتھ ٹھاکر)

(مترجم شری چندر گپت باشنے)

کشمیر میں "محنت کا ہفتہ"

[گذشتہ سال ریاست کشمیر کے تمام اسکولوں میں "محنت کا ہفتہ" منایا گیا تھا، جموں کے صوبے میں اپریل میں اور کشمیر کے صوبے میں جون میں۔ اس ہفتے کی تحریک ریاست کے محکمہ تعلیم کے ڈائرکٹر جناب خواجہ غلام السیدین صاحب کی طرف سے ہوئی تھی۔ موصوف نے اس تعلیمی تقریب کی ایک نہایت دلچسپ رپورٹ جاری کی ہے جو تعلیمی نقطہ نظر سے نہایت اہم ہے اور اسی غرض سے ہم اس کا کچھ حصہ یہاں شائع کررہے ہیں۔ اس رپورٹ سے یہ اندازہ ہوگا کہ سماجی کاموں کے ذریعے تعلیمی فائدہ کس حد تک حاصل کیا جاسکتا ہے۔ ادارہ]

ہفتے کے کام کی رپورٹ

ریاست جموں وکشمیر میں تعلیم کی از سرِ نو تنظیم کا مقصد صرف یہی نہیں ہے کہ نصابِ تعلیم یا طریقۂ تعلیم میں اصلاح کی جائے بلکہ اس کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ آئندہ نسلوں میں ایک نئے سماجی اور سیاسی رجحان کو پیدا کیا جائے۔ ہندوستان کے موجودہ تعلیمی نظام کے خلاف سب سے بڑی شکایت یہ ہے کہ وہ مدرسے کی دنیا اور مدرسے کے باہر کی دنیا میں ایک خلیج حائل کردیتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پڑھی لکھی جماعت عوام سے الگ تھلگ ہوجاتی ہے اور اس کے دماغ پر پڑھے ہونے کا ایک غلط سا تسلط ہوجاتا ہے۔ یہ جماعت ہاتھ سے کام کرنے کو توہین سمجھتی ہے اور ان مزدوروں کو جو ہاتھ کا کام کرتے ہیں نیچے درجے کا انسان سمجھنے لگتی ہے۔ یہ شکایت بڑی حد تک صحیح ہے۔ تعلیمی نظام کی اسی خرابی نے پڑھے لکھے لوگوں کے دماغ ماؤف کررکھے ہیں اور تعلیم کو زندگی سے بے تعلق اور محض کتابی بناکر اس کو اصلیت سے دور ہٹا دیا ہے۔

پرائمری اور سیکنڈری اسکولوں میں "محنت کا ہفتہ" منانے سے محکمے کا مطمح نظر یہ تھا کہ ہاتھ کے کام کی سماجی اور سیاسی قدر کے متعلق بچوں کے دلوں میں ایک نیا تخیل پیدا کیا جائے اور انھیں مدرسے کی طرف سے مختلف پہلوؤں سے سماج کی سیوا کا موقع دیا جائے۔ اس سلسلے میں جتنے کام کرنے والے لوگ تھے سب کا یہ پختہ یقین تھا کہ بچے اس طرح کے کام میں بڑی خوشی سے حصہ لیں گے اور انھیں اپنے تخلیقی اور تعمیری رجحانات کو عمل میں لانے اور لوگوں کی بھلائی کے لئے کچھ محنت کرنے کا موقع مل سکے گا۔ اس کام کے سلسلے میں یہ شبہ بھی نہ دور تھا کہ ممکن ہے عام لوگ اور بچوں کے والدین اس قسم کی دلچسپیوں کو پسند نہ کریں اس لئے کہ ایک خالی الذہن مبصر کے نزدیک بظاہر یہ وقت کا مفت ضائع کرنا ہے اور اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ بچوں کو تعلیم سے ہٹاکر مزدوروں، قلیوں، راجوں اور بھنگیوں کے کام پر لگایا جاتا ہے۔ مگر یہ کوشش بہرحال ایک اچھی کوشش تھی اور بچوں کے سماجی رجحانات کی تربیت کے اس عظیم الشان تجربے کو محض مخالفت کے ڈر سے ترک نہیں کیا جاسکتا تھا۔ خوشی کی بات ہے کہ والدین کی طرف سے اس تجربے کی بہت کم مخالفت ہوئی اور جو لوگ اس کا مذاق اڑانے پر تلے ہوئے تھے وہی خود تعریف کرنے لگے۔ بعض مقامات پر تو یہاں تک ہوا کہ بچوں کے ساتھ ان کے والدین بھی مدرسے کی مرمت، سجاوٹ اور گاؤں کی صفائی کے کاموں میں مصروف ہوگئے۔ اس کامیابی کا سہرا کچھ تو مدرسوں کے استادوں کے سر ہے جنھوں نے بڑے سلیقے اور نیک نیتی سے کام کرکے اپنے مخالفین کو رام کرلیا تھا اور کچھ یہ بات بھی ہے کہ اب زمانہ ایسا آگیا ہے کہ لوگ محنت مزدوری کو برا نہیں سمجھتے۔ جو لوگ ریاست کے قدیم زمانے کے حالات سے واقف ہیں ان کا خیال ہے کہ اگر یہی کام آج

سے بیس سال پہلے کیا جاتا تو دنگا فساد نہ سہی ایک گڑبڑ ضرور رچ جاتی۔

ہفتہ منانے کے سلسلے میں سب سے پہلے محکمۂ تعلیم کے اہلکاروں کی ایک کانفرنس کی گئی۔ اس کانفرنس میں اس تجربے کے مقاصد کے متعلق بات چیت ہوئی اور مختلف تجویزوں اور مشوروں پر غور کیا گیا۔ اسی کانفرنس میں انھیں یہ بھی بتایا گیا کہ وہ اس کام کو بددلی سے نہ کریں اور یہ نہ سمجھیں کہ محکمۂ تعلیم کی طرف سے ان کے اوپر کوئی بار ڈالا گیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ انھیں یہ مشورہ بھی دیا گیا کہ وہ اس کام کے اصلی مقاصد ـــ فائدے کے کاموں سے محبت اور سماج کی سیوا اور مزدوری کرنے والوں سے میل جول ـــ بچوں کو ذہن نشین کرا دئے جائیں تاکہ وہ اس سلسلے میں جو کام کریں وہ سمجھ داری اور سلیقے سے کریں۔

کانفرنس کے بعد تمام انسپکٹروں اور ہیڈ ماسٹروں کے نام ایک گشتی چٹھی جاری کی گئی۔ اس چٹھی کا مضمون حسب ذیل تھا:-

"میں اس ہفتے کی کامیابی کو تعلیمی نقطۂ نظر سے نہایت اہم سمجھتا ہوں .... اس کام کی سیاسی اور سماجی قدر یہ ہے کہ اس کے ذریعے اسکول کو اپنے ماحول اور سماج کی زندگی سے قریب کا تعلق پیدا ہوتا ہے اور بچوں کو سماج کی سیوا کا موقع ملتا ہے اور وہ اور سماج کے افراد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ دونوں کے مفاد میں کسی قسم کا فرق نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اگر بچوں سے ان کے کام کی باقاعدہ رپورٹ تیار کرائی جائے اور ان سے کہا جائے کہ اپنے اسکول اور گاؤں کا سدھار اپنا سدھار ہے تو اسکول کی کامیابی اور اچھائی کے لئے ان کے دلوں میں ایک نئی دلچسپی اور امنگ پیدا ہوگی۔ اگر اس کام کے ساتھ لکھائی پڑھائی یا کسی اور تعلیمی کام کو بھی مربوط کر دیا جائے گا تو وہ خود بخود نہایت انہماک کے ساتھ اس کام میں لگ جائیں گے۔"

ہفتے کو کامیاب بنانے کے لئے ریاست کے محکمۂ تعمیرات کے چیف انجینیر، میونسپلٹیوں اور ٹاؤن ایریا کمیٹیوں اور میڈیکل ڈپارٹمنٹ سے بہت کافی مدد ملی۔

اس ہفتے میں ریاست کے تمام پرائمری، سیکنڈری اور ہائی اسکولوں کے طلبا نے نیچے لکھے ہوئے کام انجام دئے:-

(۱) اسکول کی عمارت کی مرمت اور لپائی پتائی، فرنیچر، میدان اور مدرسے کے اردگرد کی صفائی اور مدرسے کی آرائش۔

(۲) گلی کوچوں سے پتھر، شیشے کے ٹکڑے، لوہے کی کیلیں وغیرہ جن سے تکلیف پہنچ سکتی تھی انھیں ہٹانا۔

(۳) پینے کے پانی کی جگہوں، چشموں، تالاب وغیرہ کی صفائی اور کنوؤں کی کھدائی میں قلیوں کی امداد۔

(۴) چھوٹی چھوٹی نالیوں اور پرنالوں پر گذرنے والوں کی آسانی کے لئے چھوٹی چھوٹی پلیاں بنانا۔

(۵) گلی کوچوں کے گڈھوں کو بھرنا، راستوں کی صفائی اور مرمت، ٹوٹی پھوٹی ہوئی "ڈھکیوں" (اونچے راستے) کی درستی۔

(۶) عام لوگوں کو صفائی اور تندرستی، کھاد کو گڈھوں میں جمع کرنے، کھیتی کے نئے طریقوں اور نئے اوزاروں کے استعمال، "ان پڑھ بالغوں" کی خواندگی، بچوں کی تعلیم، محنت مزدوری کے کام کی قدر اور دوسری کام کی باتوں کی اہمیت سمجھائی گئی تاکہ وہ معمولی بیماریوں اور آئے دن کی الجھنوں سے نجات پا سکیں۔ یہ کام جلسوں اور جلوسوں کے ذریعے انجام دئے گئے۔

(۷) بچوں کو روزانہ نہلانا اور نہانے دھونے کے لئے جگہیں مقرر کرنا۔

(۸) ان پڑھ بالغوں کو اپنا نام لکھنا سکھانا۔

(۹) پانی کے بہاؤ کو ٹھیک کرنا اور دلدل کی زمین کو درست کرنا۔

(۱۰) اسکول کے میدان میں گھاس لگانا۔

جلسوں اور جلوسوں کے علاوہ کیمپ فائروں (کیمپ کی زندگی) کا بھی انتظام کیا گیا تھا۔ ان کیمپوں میں بچوں کو ناٹکوں، مکالموں اور گانے بجانے کے ذریعے اپنی شخصیتوں کے اظہار کا موقع ملا۔

اس ہفتے کے پروگراموں سے بچوں کو سماج کی سیوا اور ان سے میل ملاپ کے تعلیمی فائدوں کے علاوہ یہ موقع بھی ملا کہ وہ آپس میں مل بیٹھ کر خوش ہوں جس کا ہمارے آج کل کے مدرسوں میں قحط ہے۔ اسکولوں کی مرمت، لپائی پتائی، سامان وغیرہ کی صفائی اور قرینہ، باغبانی کے کام اور کہیں کہیں چھوٹے موٹے عمارتی کام کا ان کو عملی تجربہ ہوا۔ چھوٹے بچوں اور ۱۴ - ۱۵ سال کے لڑکوں کے لئے اس خیال سے زیادہ خوشی اور کسی بات میں نہیں ہوتی کہ "یہ میرا اسکول ہے کیونکہ میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے"۔ اس سے ان کے دلوں میں اپنے اسکول کے لئے ایک طرح کی اپنایت اور محبت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ استاد اور طالب علم ایک ساتھ کام کرتے کرتے ایک دوسرے کے دوست بن جاتے ہیں اور استاد کے سامنے ہر بچے کی اصلی لیاقت اور ایک کا دوسرے کے مقابلے میں فرق اجاگر ہو جاتا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہوتی ہے کہ استاد اور طالب علم دونوں اپنے سماج سے قریب ہو جاتے ہیں۔ سماج ان کو اپنے بھلے کے لئے کام کرتے دیکھتا ہے تو اس کے افراد جو پہلے اس کام کو تعجب اور اندیشے کی نظر سے دیکھتے تھے خود بخود ان کی تعریف کرنے لگتے ہیں اور ان کے ساتھ شریک بھی ہو جاتے ہیں۔ اگر ہمارے اسکول اس طرح حقیقی اور مستقل روپ سے اپنے اور عوام کے درمیان سماج کی سیوا اور میل ملاپ کا تعلق پیدا کر لیں تو ان کا وجود صحیح معنوں میں تعلیم کا مرکز بن جائے۔

اس طرح کے پروگراموں سے زیادہ سے زیادہ تعلیمی، سماجی اور سیاسی فائدہ حاصل کرنے کے لئے تین چار باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:-

(۱) سب سے پہلے تو یہ کہ صرف استاد ہی نہیں بلکہ استاد اور طالب علم دونوں مل جل کر نہایت احتیاط سے اپنے کام کا ڈھانچہ بنائیں اور اسے انجام دینے کی ترکیبیں سوچیں۔ اس سے ان میں سوجھ بوجھ اور میل جول کے کاموں کو سلیقے سے انجام دینے اور کم سے کم سامان ہی سے جو آسانی سے میسر ہو سکے، اپنا کام چلا لینے کی عادت پیدا ہوگی۔ اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ جو کوشش کریں گے، وہ بے کار نہیں ہوگی اور ان میں سستی پیدا ہونے نہیں پائے گی۔

(۲) اس کام کا معنوی مقصد ہر سال بچوں کو سمجھانا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ ان کے اوپر کس قسم کا اثر مترتب ہوتا ہے۔ انھیں یہ محسوس نہیں ہونے دینا چاہئے کہ ان کے اوپر کسی قسم کا خارجی دباؤ ڈالا جا رہا ہے بلکہ وہ یہ سمجھیں کہ وہ اپنی لیاقت اور محنت اپنے اسکول اور اپنے بھائی بندوں کے بھلے کے لئے صرف کر رہے ہیں اور اسی کے ساتھ ان میں یہ جذبہ بھی پیدا ہو جائے کہ زندگی کا سب سے بڑا مقصد اور فائدہ خدمت میں ہے۔

(۳) سماج کی سیوا کے ان کاموں کا مدرسے کے روزانہ کے کاموں سے تعلق پیدا کرنے کی کوشش بھی کرنی چاہئے۔ اس کوشش کے بہت سے طریقے ہیں ـــ بچوں کی ٹولیاں بنا دی جائیں جو اپنے کاموں کی رپورٹ تیار کریں۔ بچوں سے ان کے عملی تجربوں کے متعلق مضمون لکھوانا۔

مرمت وغیرہ پر جو خرچ آئے ان سے ان کا حساب کرانا۔ گاؤں کی سماجی حالت کی رپورٹ تیار کرانا وغیرہ کاموں کے متعلق جو مضمون لکھوائے جائیں گے ان میں جو زندگی اور حسن ہوگا وہ ان مضمونوں میں نہیں ہو سکتا جو جماعت میں لکھوائے جائیں گے۔

(۴) بچے مرمت وغیرہ کا جو بھی کام کریں ان میں بتدریج ترقی ہونی چاہئے۔ بچوں میں ان کاموں کے ساتھ ساتھ یہ جذبہ پیدا ہونا چاہئے کہ جو بھی کام کیا جائے سلیقے اور اچھائی کے ساتھ کیا جائے۔ اس سلسلے میں راج بڑھئی یا لوہار کے صلاح مشورے کی ضرورت پڑے تو وہ بھی ضرور حاصل کرنا چاہئے۔

کون جانتا ہے کہ یہی معمولی سی ابتدا آگے چل کر ایک بہت بڑی تحریک کی بنیاد نہ بن جائے گی جس کے ذریعے ہر طبقے کے افراد کے لئے سماج کی سیوا اور محنت مزدوری کا کام لازمی قرار دے دیا جائے گا اور کے علم ہے کہ اسکولوں اور کالجوں کے طالب علموں کی تازہ تبازہ طاقت کو سال سال بھر یا چھ چھ مہینے کام میں لا کر ملک کی جہالت، ناخواندگی، بیماری، گندگی، سماجی تعصب اور دوسری لعنتوں کو دور کیا جا سکے جو ہماری قومی زندگی میں گھن لگا رہی ہیں۔ یہی کام دوسرے ملکوں میں کیا جا رہا ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ ہمارے ملک میں بھی نہ کیا جائے۔ اگر جنگ کی آگ میں کودنے کے لئے نوجوں کی نوجیں تیار کی جا سکتی ہیں تو امن وامان کے زمانے میں سماج کی سیوا اور قوم کی نئی تنظیم کے لئے اسی طرح کی تازہ دم فوجیں کیوں نہیں تیار کی جا سکتیں۔

خواجہ غلام السیدین

یہ مضمون فاضل مضمون نگار کے انگریزی مضمون کا ترجمہ ہے۔
مدیر

بنیادی دستکاری — کتائی کی جانچ

(آشا دیوی)

بنیادی تعلیم کے عملی تجربے میں ایک بڑا سوال یہ ہے کہ جو بنیادی دستکاری تعلیم کا ذریعہ قرار دی گئی ہے اور جس کے رابطے سے بچوں کے ذہن اور دوسری تمام قوتوں کو نشوونما دینا ہے اس کی جانچ کس طرح کی جائے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ اس میں ٹریننگ پانے والے استادوں نے کس حد تک ترقی کی ہے۔ اس لئے کہ نئی تعلیم کا سارا دارومدار اسی دستکاری کی لیاقت اور کارکردگی پر ہے۔

آج تک بڑے پیمانے پر صرف ایک ہی دستکاری — کتائی — کا تجربہ کیا گیا ہے۔ پچھلے دو برسوں میں ٹریننگ اسکولوں میں تیار ہونے والے استادوں کی کتائی کی لیاقت دیکھنے کے لئے جیسے جیسے موقع ملتا گیا ویسے ویسے جانچ کے نئے نئے طریقے بھی نکلتے گئے ہیں۔ نئی تعلیم کے مئی سنہ ۱۹۴۰ء کے نمبر میں اس موضوع پر ایک مضمون چھپ چکا ہے۔ لیکن جس طرح دستکاری کے دوسرے تعلیمی پہلو ابھی ابتدائی حالت میں ہیں اسی طرح دستکاری کی لیاقت کی جانچ کا پہلو بھی ابھی شروع ہی کی منزل میں ہے۔ اب تک کتائی اور بنائی کی دستکاری کو پیشے اور کمائی کے نقطۂ نظر سے دیکھا جاتا تھا اور اسی رعایت سے ان کی لیاقت کی جانچ کا معیار بھی مزدوری کی مقدار کو مانا جاتا تھا۔ لیکن بنیادی تعلیم نے استادوں کی دستکاری کی جانچ اب اس حیثیت سے کرنی ہے کہ وہ تعلیم کا ایک بنیادی واسطہ ہے یعنی جانچ کرتے وقت ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ آیا استادوں میں دستکاری سیکھ کر اتنی علمیت، فن کی اتنی مہارت اور اتنا خود اعتمادی کا مادہ پیدا ہوا یا نہیں کہ وہ بچوں میں اس دستکاری سے دلچسپی، مسرت اور حوصلہ پیدا کر دیں، پھر ان رجحانات کو آہستہ آہستہ پختہ کر سکے اور اس کے ذریعے بچوں کے تمام رجحانات کو ترقی دے سکے۔

دستکاری کے میدان میں یہ نیا نقطۂ نظر اور فن کی مہارت کا یہ معیار دو چار روز کی کوشش سے نہیں پیدا ہو سکتا۔ اس کے لئے وقت کی ضرورت ہے اور ان لوگوں کے آپس میں مل جل کر کام کرنے کی ضرورت ہے جو اس کام میں لگے ہوئے ہیں۔

دستکاری کے تعلیمی پہلوؤں کو ترقی دینے کے لئے ہندوستانی تعلیمی سنگھ کی مقرر کی ہوئی بنیادی دستکاری کی سب کمیٹی نے کتائی کی جانچ کے بارے میں بھی غور کیا ہے اور سردست تجربے کے لئے ایک عارضی اسکیم بھی تیار کی ہے۔

گذشتہ دسمبر میں پٹنہ ٹریننگ اسکول سے استادوں کی جو نئی ٹولیاں نکلی ہیں ان کی دستکاری کی لیاقت کی جانچ کی ضرورت پڑی تھی۔ اس موقع پر جانچ کے لئے جو طریقہ اختیار کیا گیا تھا اس کا مختصر سا ذکر یہاں اس لئے کیا جاتا ہے کہ تعلیم کے دوسرے کام کرنے والے اس پر غور کریں اور اس سلسلے میں وہ جو تجویزیں سوچیں انھیں "نئی تعلیم" میں چھپنے کے لئے بھیج دیں تاکہ اس تجربے میں ان سے مدد مل سکے۔

جانچ کے طریقے میں پہلا اصول یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ جانچ دستکاری کی تعلیم پانے والوں کے سال بھر کے کام کے ریکارڈوں اور ایک حد تک سالانہ امتحان کے نتیجوں کی ملی جلی بنیاد پر قائم کی جائے۔

سال بھر کے کام کے ریکارڈوں کی جانچ کے لئے تین خاص پہلوؤں کو بنیاد بنایا گیا۔

(۱) سال بھر کے کام کے نمونے — پھرکیاں، دھنائی کے پول، پونیاں، سوت اور ان سے بنے ہوئے کپڑے۔

(۲) استادوں اور طالب علموں (ان طالب علموں سے وہ استاد مراد ہیں جو ٹریننگ حاصل کرنے کے لئے جاتے ہیں) کی یادداشتیں اور نوٹ بکیں۔

(۳) استادوں کا ہر طالب علم کے متعلق سال بھر کا تجربہ۔

پٹنہ ٹریننگ اسکول میں سب سے پہلے طالب علموں کی یادداشتوں اور نوٹ بکوں کی جانچ کی گئی اور پھر ان کے کام کے متعلق استادوں سے پوچھ گچھ کی گئی۔ اس سلسلے میں یادداشت کی کاپیاں، نوٹ بک، کام

حساب کتاب، مزدوری، سوت کی مقدار اور قسم، یادداشت رکھنے کا طریقہ غرض قریب قریب ہر پہلو کو دھیان میں رکھا گیا۔ یہ بھی دیکھا گیا کہ آیا یادداشتوں کے ڈھنگ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دستکاری کا کام علمی اصول کے مطابق اور علمی رجحان کے ماتحت کیا گیا یا نہیں، یادداشتیں باقاعدہ اور ٹھیک ہیں یا نہیں اور دستکاری کی تعلیم کے بتدریج آگے بڑھنے سے طالب علم میں علمی رجحان، کام کی باضابطگی اور حساب کتاب ٹھیک رکھنے کی عادت جڑ پکڑ رہی گئی ہے یا نہیں۔

یہ تو ہوئی کتائی کے عملی پہلو کی جانچ۔ اسی کے ساتھ ساتھ کتائی کے نظریے پر طالب علموں نے جو نوٹ تیار کئے تھے وہ بھی دیکھے گئے۔ یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ استادوں نے کپاس کی کاشت سے لے کر کتائی کے فن کے نظریے تک بہت اچھے لکچر دیئے تھے اور طالب علموں نے ان کے نوٹ بھی بڑی خوبی سے تیار کئے تھے۔

سال بھر کے کام کی جانچ کے بعد کتائی کا عملی امتحان لیا گیا۔ کتائی کے امتحان کے متعلق ذاکر حسین کمیٹی کی رپورٹ میں لکھا ہے: "کتائی کی دستکاری میں طالب علموں کی لیاقت جانچنے کے لئے ہفتوں تک کا طویل امتحان لیا جاسکتا ہے۔" اس تحریر کے مطابق آخری دو ہفتوں میں پوری توجہ کے ساتھ کتائی کا پروگرام رکھا گیا اور یہی ان کا آخری امتحان سمجھا گیا۔ اس پروگرام کو پورا کرنے کے لئے روزانہ تین گھنٹے کا وقت رکھا گیا تھا جس میں تنائی، دھنکی کی تیاری، دھنائی، پونیاں بنانا، مختلف نشستوں اور طریقوں سے تکلی پر کاتنا، یرودا چرخے پر کاتنا غرض ہر کام ہوتا تھا۔ اس عرصے میں جانچ کے معیار کے طور پر مختلف کاموں کے طریقے، ان کے آلات و اوزار اور ان کے عمل، اور سوت کے کس، نمبر اور یکسانیت کا خاص طور پر خیال رکھا گیا۔ امتحان میں شریک ہونے والے طالب علموں میں جس کی مزدوری کا اوسط گھنٹے میں ایک پیسہ بھی آگیا وہ مزدوری کے لحاظ سے دستکاری کی لیاقت کی جانچ میں کامیاب سمجھا گیا۔

کتائی کے فن کے نظریے کا بھی ایک امتحان لیا گیا تھا۔ اس کی بنیاد کچھ تو نوٹ بکوں پر رکھی گئی اور کچھ زبانی سوالات کی بنیاد پر۔ اس کے علاوہ ہر طالب علم سے کتائی کے نظریے سے متعلق ایک ایک سو سوال تیار کرائے گئے اور انھیں دیکھ کر ان کی فنی معلومات (Technical Knowledge) کا اندازہ لگا لیا گیا۔

اس کام کے بعد بہار چرخہ سنگھ کے سکریٹری لکشمی نرائن صاحب اور رام دیو ٹھاکر صاحب کو بلاکر آخری دو دنوں میں کتائی کی دستکاری کے نیچے لکھے ہوئے پہلوؤں کی جانچ کرائی گئی (۱) پھرکیاں بنانا (۲) روئی کو کھولنا اور صاف کرنا (۳) دھننا اور پونیاں بنانا (۴) یرودا چرخے پر کتائی کرنا (۵) تکلی کی کتائی (۶) تنائی۔ اس امتحان کی خاص بات یہ تھی کہ امتحان لینے والوں نے کام کی رفتار کے طریقوں اور اس کی خوبصورتی پر زیادہ زور دیا۔ کتائی کے کام میں "خوبصورتی" کا لفظ کچھ عجیب سا معلوم ہوگا۔ کتائی کی "خوبصورتی" کی تشریح خود لکشمی نرائن صاحب نے کی ہے۔ لکھتے ہیں:-

"پٹنہ ٹریننگ اسکول سے جو طالب علم پڑھانے اور دستکاری سیکھ کر وردا بن کے پرائمری اسکولوں میں کام کرنے کے لئے جائیں گے اُن کی کتائی کی دستکاری کی جانچ کرنے سے معلوم ہوا کہ ان میں بہت سے طالب علموں کا دھیان کتائی سے مزدوری بڑھانے کی طرف گیا ہے لیکن دستکاری کا تعلیمی پہلو اصل میں یہ نہیں ہے۔ دستکاری کے تعلیمی پہلو کا مقصد تو یہ ہے کہ استاد اور شاگرد دل لگا کر جو کام کریں وہ زیادہ سے زیادہ خوبصورت ہو۔ جب چیز خوبصورت ہوگی تو ظاہر ہے اس میں جی بھی لگے گا اور اگر کسی کام میں جی لگ جائے تو کام کی رفتار اور خوبی دونوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ کام کی رفتار اور خوبی سے کمائی کا مقصد خود بخود اور زیادہ اچھے طریقے سے پورا ہو جاتا ہے۔ لہذا بنیادی تعلیم میں چاہے وہ ٹریننگ اسکول میں ہو یا بنیادی مدرسوں میں، خاص توجہ اس بات پر دینی چاہئے کہ دستکاری کے نتیجے میں جو مال تیار ہوتا ہے وہ زیادہ سے زیادہ خوبصورت اور کارآمد ہو۔ کتائی کے فن کا اصلی راز یہ ہے کہ رفتار کے بڑھنے کے باوجود سوت کی نوعیت میں فرق نہ آئے۔ کتائی کا کام کپاس کی کھیتی ہی سے شروع کرنا چاہئے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ عام طور پر کتائی سے جو سوت ملتا ہے، اس کی نسبت سے یہ طریقہ اختیار کرنے سے سوت کی مزدوری کم ہو جائے، لیکن کپاس کی کھیتی سے شروع کرکے کتائی کے تمام پہلوؤں کی تعلیم دینے سے چکنا اور چمکیلا سوت نکلے گا، کام کرنے والوں کی دلچسپی بڑھے گی اور تعلیمی نقطۂ نظر سے بھی اس طریقے سے بہت اچھا نتیجہ نکلے گا۔"

اب جانچ کے سب سے اہم پہلو کا مسئلہ آتا ہے۔ بنیادی تعلیم کے لئے تیار ہونے والا استاد دستکاری کے فن میں کتنا ہی ماہر کیوں نہ بن جائے، اس کا رجحان کتنا ہی علمی کیوں نہ ہو، اور دستکاری کے لئے اس کے دل میں کتنی ہی گہری عقیدت کیوں نہ ہو، لیکن کامیاب استاد کی حیثیت سے اس کے اس معیار کو دیکھنا ہے کہ وہ کامیابی کے ساتھ دستکاری کو تعلیم کا واسطہ بنا سکتا ہے یا نہیں اور اس کے ذریعے اس میں بچے کی پوری شخصیت کو ابھارنے کی اہلیت پیدا ہوئی ہے یا نہیں۔ لیکن اس معیار کی جانچ دو چار روز کے امتحان سے ممکن نہیں ہے۔ اس کے لئے تو ضرورت ہوگی کہ اس کے عملی کاموں کا ایک مدت تک جائزہ لیا جاتا رہے، تب کہیں جاکر اس کی اس حیثیت سے سچی پرکھ ہو سکے گی۔

اسی مشکل کا خیال کرتے ہوئے پٹنہ ٹریننگ اسکول کے تیار ہونے والے استادوں کی اس حیثیت سے جانچ نہیں کی گئی ہے۔ البتہ جب وہ چمپارن ضلع کے بنیادی اسکولوں میں جاکر دو چار مہینے کام کرلیں گے، اس وقت خود ان کے کام کی اور بچوں کی ترقی کی بنیاد پر ان کی اصلی لیاقت کی جانچ کی جائے گی اور یہی ان کی آخری جانچ ہوگی۔

اڑیسہ میں بنیادی تعلیم

(پربھاکر دیوان)

اُتکل یعنی اڑیسہ کو شعر و ادب اور آرٹ کا گہوارہ تسلیم کیا گیا ہے، اس لئے کہ پرانے زمانے میں یہ سرزمین علم و فن اور صناعی کا مرکز رہی ہے۔

بھونیشور اور کونارک دساکھی گوپال وغیرہ کے مندروں کے پتھر کے بتوں اور سنگ تراشی سے آرٹ کے اعلیٰ ذوق کا پتہ چلتا ہے۔ دھات اور کپڑے کی دستکاری میں اڑیسہ کا درجہ بہت اونچا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اڑیسہ کے بنیادی تعلیم کے مرکز پر اس صوبے کے شاعرانہ ماحول اور دستکاری کی قدیم روایات کا قدرتی طور پر بہت کافی اثر پڑا ہے۔ اڑیسہ کا بیسک ٹریننگ اسکول اور بنیادی اسکول دونوں شہری آبادی سے بہت دور خالص دیہات کے ماحول میں واقع ہیں۔ ضلع کٹک کی برنگی تحصیل میں جاج پور ریلوے اسٹیشن سے کوئی ۴۴ میل کا فاصلہ طے کرکے یہاں پہنچنا پڑتا ہے۔ ۴۰ میل کا سفر موٹر کے ذریعے اور کوئی ۴ میل کا سفر پیدل طے کرنا پڑتا ہے۔ اس ۴ میل کے پیدل سفر میں بھی دو ندیاں کشتی پر پار کرنا پڑتی ہیں۔ لیکن ٹریننگ اسکول کی سہانی فضا میں پہنچ کر راستے کی کلفت بالکل بھول سی جاتی ہے۔ اسکول کے پاس ہی ایک ندی برکینی نام کی بہتی ہے جس کی سفید اور چمکتی ہوئی ریتلی وادی میں اسکول کی جھونپڑیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ ندی کے دوسرے کنارے پر ناریل کے ہرے بھرے جھرمٹ میں سے ایک اور چھوٹا سا گاؤں جھانکتا نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ اسکول کے چاروں طرف کہیں سبزیوں کے کھیت بہار دیتے ہیں تو کسی طرف دھان کے ہرے بھرے کھیت لہلہاتے ہوتے ہیں۔ ایک طرف بانس اور تاڑ کے جنگل دکھائی دیتے ہیں تو دوسری طرف آموں کے باغ۔ غرض ان قدرتی مناظر نے اسکول کے ماحول کو چار چاند لگا دیے ہیں۔

جو لوگ شہر کے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی آسمان سے باتیں کرنے والی پختہ عمارتیں دیکھنے کے عادی ہو چکے ہیں انھیں شاید اڑیسہ کے ان جھونپڑوں میں بسے ہوئے اسکولوں کو دیکھ کر تعجب ہو۔ مگر سچ پوچھئے تو بنیادی تعلیم کے نمونے کے مدرسے اور ماحول یہی جھونپڑیاں اور جنگل ہیں۔ اسکولوں کے لئے یہ جھونپڑے بہت کم خرچ سے تیار کئے گئے ہیں مگر اس کے باوجود ان جھونپڑیوں میں ہر طرح کی سہولتیں حاصل ہیں۔

اسکول کی یہ خصوصیت اصل میں اڑیسہ کے بیسک ایجوکیشن بورڈ کے صدر اور مشہور لیڈر جناب گوپ بندھو چودھری کی تحریک سے پیدا کی گئی ہے۔ اسکول کے پاس ہی گوپ بندھو چودھری صاحب کا آشرم بھی ہے یعنی جس گنجان علاقے میں بنیادی تعلیم کا تجربہ کیا جا رہا ہے وہی علاقہ اس آشرم کی سرگرمیوں کا بھی مرکز ہے۔ اس اتفاق کی وجہ سے آشرم کے تعمیری کاموں اور اس کی خدمات کا فائدہ ٹریننگ اسکول اور بنیادی اسکولوں کو بھی حاصل ہوتا رہتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ٹریننگ اسکول کو آشرم سے ہر طرح کی امداد اور تعاون بھی ملتا رہتا ہے۔ بنیادی تعلیم کی پوری اسکیم دیہات کو مرکز مان کر تیار کی گئی ہے۔ اس لحاظ سے اڑیسہ کا بیسک ٹریننگ اسکول اسکیم کے مطابق اصل ماحول میں ہونے کے سبب سے استادوں میں خالص دیہاتی رجحان پیدا کرنے میں نسبتاً زیادہ کامیاب رہے گا۔

ایک اور بڑے فائدے کی بات یہ ہے کہ ٹریننگ اسکول بنیادی اسکولوں کے بالکل بیچ میں ہے۔ کوئی بنیادی اسکول ٹریننگ اسکول سے چھ سات میل سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہے۔ اس طرح ٹریننگ اسکول اور بنیادی اسکولوں میں قریبی تعلق قائم ہے اور دونوں کو ایک دوسرے کے تجربوں سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملتا رہتا ہے۔ اس حالت میں کہ بنیادی تعلیم ابھی تجربے کی منزل میں ہے ٹریننگ اسکولوں سے بنیادی اسکولوں کا اس قسم کا تعلق نہایت ضروری اور مفید ہوگا۔

اوپر جو کچھ کہا گیا ہے اس سے یہ اندازہ ہو گیا ہوگا کہ اڑیسہ میں بنیادی تعلیم کا تجربہ اس کے مقصد اور اصولوں کے عین مطابق اور صحیح ماحول میں کیا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں یہ تجربہ چھوٹے پیمانے پر ہوتے ہوئے بھی بڑی کامیابی کے ساتھ ہو رہا ہے۔

استادوں کا پہلا جتھا ٹریننگ اسکول سے تعلیم حاصل کرکے ۱۹۳۹ء میں نکلا تھا اور انہی کی مدد سے ۱۹۴۰ء میں ۱۲ اسکولوں میں تجربے کا کام شروع کیا گیا تھا۔ ان استادوں کو اپنا کام نہایت ناموافق فضا میں شروع کرنا پڑا۔ یہ پیچیدگی خاص طور پر ہریجنوں کے مسئلے کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ وہاں کے ہندوؤں نے ہریجنوں کے بچوں کے داخلے کی وجہ سے نہ صرف اسکولوں کا بائیکاٹ کر دیا بلکہ استادوں کو اس بائیکاٹ کا شکار بنا لیا۔ لیکن استادوں نے اپنی شرافت اور اپنے خادمانہ برتاؤ سے ہندوؤں کی مخالفت کا زہر کم کر دیا ہے اور یہی نہیں بلکہ انھوں نے اب تو گاؤں کی عام زندگی میں بھی اپنایت اور بھائی چارے کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کر دی ہے جو اب تک برابر جاری ہے۔ وہ لوگ روزانہ تھوڑا سا وقت گاؤں کی صفائی اور سدھار کے لئے دیتے ہیں۔ اور رات کو بڑے بوڑھے سیانوں کی تعلیم کا بھی انتظام کیا ہے۔ کچھ استادوں نے تو ناریل وغیرہ کے درخت لگانے اور مویشیوں کے لئے اچھے چارے کی کاشت کی طرف بھی توجہ کی ہے۔ اسکولوں میں کہیں کہیں کھڈی کے سنڈاس کا انتظام ہے اور ان اسکولوں کے استاد یہی طریقہ گاؤں میں بھی جاری کرنے کی کوشش میں ہیں۔ استاد عام طور پر دیہات کے تمام سماجی کاموں میں حصہ لیتے ہیں اور ہر دیہاتی تقریب میں برابر شریک رہتے ہیں۔

اسکولوں کی عمارتیں بھی گھاس پھوس، مٹی اور لکڑی سے بنائی گئی ہیں۔ چھت کی جگہ دھان کے پوال کے چھپر ڈال دیے گئے ہیں۔ ہر اسکول میں دو بڑے کمرے، ایک اسٹور اور ایک دھنائی کا کمرہ رکھا گیا ہے۔ کسی کسی اسکول میں استاد کے رہنے کے لئے بھی ایک کوٹھری بنا دی گئی ہے۔ ہر اسکول کے احاطے میں ایک ایک کنواں ہے جو اپنی بناوٹ کے لحاظ سے عام کنوؤں سے مختلف ہے اور اپنی آپ مثال ہے۔ ان کنوؤں کی دیواروں کو پکا کرنے کے لئے اینٹوں کی چنائی نہیں کرائی گئی ہے بلکہ مٹی کے بڑے بڑے گول برتن دیواروں میں پھنسا دیے گئے ہیں۔ اسکول کے چاروں طرف باغبانی کے لئے کھیت ہیں جن میں کیوڑا، کپاس، مولی، گوبھی، کرم کلہ اور دوسری سبزیوں کی کاشت کی جاتی ہے۔ غرض یہ کہ اسکول ہر لحاظ سے نہایت خوبصورت اور سہانا معلوم ہوتا ہے۔

بنیادی تعلیم کے نصاب میں پہلے درجے کے لئے جو معیار مقرر کیا گیا ہے ان اسکولوں نے اسے بہت اچھی طرح حاصل کر لیا ہے۔ حساب میں تو اڑیسہ کے بنیادی اسکولوں کے بچے نصاب کے معیار سے بھی آگے نکل گئے ہیں۔ دلچسپیوں کے لحاظ سے دیکھئے تو بچے آپ کو آسمان کے تاروں کی باتیں سنائیں گے اور مختلف کھیلوں اور ناٹک کے ذریعے آپ کا جی بہلائیں گے۔ بنیادی دستکاری میں بھی انھوں نے بہت زیادہ ترقی کی ہے۔ بعض اسکول تو ایسے ہیں کہ وہاں بچوں کی کتائی کی رفتار کا اوسط نصاب میں مقرر کئے ہوئے معیار سے بھی زیادہ بڑھ گیا ہے۔ کتائی کے تفصیلی نقشے تو ابھی نہیں مل سکے ہیں البتہ اپریل سے نومبر ۱۹۴۰ء تک کے کام کا گوشوارہ ملا ہے جس سے رفتار کا کچھ اندازہ ہو جائے گا۔

بچوں کی تعداد	کام کے کل دن	کام کا روزانہ وقت	کل سوت توروں میں	کل مزدوری پائی آنے روپے	مزدوری فی بچہ پائی آنے
۳۳۳	۱۵۴	۲½ گھنٹے	۱۱۷۴۳	۱۶۲-۱-۸	۷ - ۱۰

نصاب کے مطابق جو مزدوری آنی چاہئے اس سے یہ اوسط بہت کم ہے۔ لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ نصاب میں کام کے کل دن ۲۸۰ رکھے گئے ہیں اور روزانہ کا کام کا وقت ۳ گھنٹے مقرر کیا گیا ہے۔ ان اسکولوں میں کام کے کل دن ۱۵۴ ہیں اور روزانہ کے کام کا وقت پونے دو گھنٹے۔ اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر کام کے لئے پورا وقت دیا جائے تو مزدوری کا مقررہ معیار حاصل کر لینا مشکل نہیں ہوگا۔

اسکولوں کے بچے صاف ستھرے اور تندرست ہیں اور ان کے چہرے خوشی اور خود اعتمادی سے چمکتے نظر آتے ہیں۔ ان کی صفائی کی عادت، ان کا انتظام، ذمے داری کا احساس، چال چلن، تمیز اور سلیقہ، سب کے ساتھ ان کا عزت اور ادب سے پیش آنا ایسی باتیں ہیں جنھیں دیکھ کر ممکن نہیں کہ دیکھنے والے ان کی طرف نہ کھنچ جائیں۔

استادوں کے کام کے بارے میں اوپر لکھا ہی جا چکا ہے۔ ان باتوں کے علاوہ انھوں نے کتائی وغیرہ کے متعلق اپنی یادداشتیں بڑے سلیقے اور اہتمام سے رکھی ہیں۔ وہ اپنے کام سے دلچسپی لیتے ہیں۔ ان باتوں کو دیکھ کر یہ نتیجہ آسانی سے نکالا جا سکتا ہے کہ اڑیسہ میں بنیادی تعلیم کا تجربہ بڑے اچھے ڈھنگ پر ہو رہا ہے اور اس کا مستقبل بہت امید افزا ہے۔

اس سال استادوں کا دوسرا جتھا تیار ہو کر نکلا ہے جو اسکولوں میں جا کر دوسرے درجے میں بنیادی تعلیم کا تجربہ شروع کریں گے۔ اگلے سال تیسرے درجے میں تجربہ شروع کرنے کے لئے نئے استاد تیار کئے جائیں گے۔

شذرات

الہ آباد کا بیسک ٹریننگ کالج

الہ آباد کا بیسک ٹریننگ کالج صوبہ یوپی کی بنیادی تعلیم کا مرکز ہے۔ یہاں صرف استادوں کی تیاری ہی کا کام نہیں ہوتا بلکہ بنیادی تعلیم کے تمام پہلوؤں — خاص طور پر آرٹ کے ذریعے اپنی فطرت کا اظہار (Self-Expression) — پر تجربے کئے جا رہے ہیں۔ اس کالج کے کام کی ایک نہایت دلچسپ رپورٹ کالج کے پرنسپل ڈاکٹر عبادالرحمٰن خاں صاحب نے شائع کی ہے۔ رپورٹ کا عنوان "ہمارا کام" ہے۔ اس میں کالج کی تاریخ اور اس کی لگاتار ترقی کی پوری داستان آگئی ہے۔ رپورٹ کا تفصیلی تعارف تو "نئی تعلیم" کے اگلے پرچے میں کرایا جائے گا۔ یہاں ہم اس کی تمہید کے چند اقتباسات درج کریں گے۔

"بنیادی تعلیم وہ طریقۂ تعلیم ہے جس میں تعلیم کسی بنیادی دستکاری کو مرکز قرار دے کر دی جاتی ہے۔ تعلیم کے طریقے میں یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے، حالانکہ ہندوستان میں اس کا رواج ابھی چند برسوں سے ہوا ہے — خاص طور پر گاندھی جی کی وردھا تعلیمی اسکیم کے ذریعے جس کو ذاکر حسین کمیٹی نے تعلیمی روپ میں پیش کیا ہے۔ الہ آباد کی اسکیم بیسک ٹریننگ کالج کے آزادانہ تجربوں کی بنیاد پر تیار کی گئی ہے لیکن یہ بنیاد ہمیشہ سے اس تعلیمی تخیل کے مطابق رہی ہے جو اپنی فطرت کے اظہار (Self-Expression) کو تعلیم کا بنیادی اصول سمجھتا ہے۔ لیکن وہ اظہار فطرت نہیں جس سے بے اعتدالی اور خود غرضی پیدا ہوتی ہے۔ مقامی دستکاریوں کے ذریعے اسکول کا لگاؤ سماج کی زندگی سے پیدا کیا جاتا ہے اور تعلیم کے اس غیر حقیقی روپ کو فنا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جو زیادہ تر ہندوستان کے تعلیمی نظام میں نظر آتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان میں تعلیم ایک ایسی چیز بن گئی ہے جس کا زندگی سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ بیسک ٹریننگ کالج پر سخت تنقیدیں بھی کی گئی ہیں لیکن ان کی وجہ بیشتر یہ ہے کہ تنقید کرنے والوں کو دراصل یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ یہاں ہو کیا رہا ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے اس میں کس حد تک کامیابی ہوئی ہے۔ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ یہ ایک سیاسی چال ہے — نازیوں کی سی زبردستی ہے — کہ جس کی پابندی کے ذریعے بچوں کو سرمایہ داروں کی ایک فوج بنا دیا جاتا ہے۔ ان تنقید نگاروں اور الزام دینے والوں کے لئے سوائے اس کے اور جواب نہیں ہے کہ 'صاحب، تشریف لا کر ملاحظہ تو فرمائیے'۔ نہ کسی قسم کی زبردستی کی جاتی ہے اور نہ کوئی زبردستی کا نظام سکھایا جاتا ہے — بچے کام میں اتنی دلچسپی لیتے ہیں اور اپنے کام میں اتنے کھو جاتے ہیں کہ اپنے کام کا نظام ان کی سمجھ میں خود بخود آجاتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ ایک طرح کا خبط ہے جس کا نتیجہ دستکاریوں کے سدھار کے علاوہ اور کچھ نہیں نکل سکتا۔ لیکن اس کے برعکس واقعہ یہ ہے کہ یہی طریقہ دنیا کی چیزوں اور زندگی کے پہلوؤں کی قدر و قیمت سمجھنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اس کا مقصد ہے بچوں کو شہری بنانا، ان کو مکمل مرد و عورت بنانا۔ بچہ جو کچھ پہلے سیکھتا تھا، وہی اور اس سے کچھ زیادہ اب سیکھتا ہے، لیکن اب جو کچھ سیکھتا ہے جلدی سیکھتا ہے اور سیکھی ہوئی بات کا اپنے ماحول سے صحیح تعلق پہچانتا ہے۔ ہم نے تعلیمی مقصدوں اور طریقوں کو ایک دوسرے ڈھنگ سے بیان کیا ہے اور یہی مقصد اور طریقے آہستہ آہستہ شہری اور دیہاتی دونوں قسم کے اسکولوں میں رواج بھی پا رہے ہیں۔ ابھی تک صرف دو درجوں کو بنیادی درجوں میں تبدیل کیا گیا ہے۔ جب تک پورے پانچوں درجے بنیادی درجے نہ بن جائیں تصویر کا پورا نقشہ سامنے نہیں آ سکتا۔ دقتیں ضرور ہیں — اور وہ ہیں پرائمری تعلیم کے بھدے اور بھاری بھرکم طریقوں کے رواج کی وجہ سے، دیہاتی استادوں کی لیاقت اور ان کے عادات و اطوار کی وجہ سے، ہر طرف پھیلی ہوئی غریبی اور بیماریوں کی وجہ سے اور خود انسانی فطرت کے اس رجحان کی وجہ سے جو ہر نئی چیز کی مخالفت کے لئے انسان کو ابھارتا ہے۔ لیکن ہمارے تجربوں سے جو نتیجے نکلے ہیں، وہ بہت بڑی حد تک حوصلے اور امید کو بڑھاتے ہیں اور یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ہمارا تجربہ کامیاب ہو گیا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ علم حاصل کرنے کا یہ سیدھا راستہ نہیں ہے اور نہ یہ

کوئی جادو کی پڑیا ہے۔ جب نظام نو ہم تعلیم کہتے ہیں اس کے لئے ہمیں پھر بھی اپنی یادداشت پر زور دینا ہوگا لیکن وہ یادداشت جس میں تخیل اور سوچ بچار کی روح ہوگی، خوبصورتی کی چھاپ ہوگی اور جس کا روپ آئندہ کی ترقی کے یقین کی روشنی سے پیدا ہوا ہوگا۔ اس کا مقصد ہوگا حقیقتوں کا نچوڑ حاصل کرنا نہ کہ پروپگنڈا اور بے حقیقت رایوں کا گورکھ دھندا۔ ہمارا مقصد ہے بچے کی اصلی تعلیم جس سے وہ اپنی قوتوں کو بڑھانے اور اپنے بھائیوں کے بھلے کے لئے صرف کرسکے۔

وسطی صوبہ کی ضلع کونسلوں کے چیرمینوں کی کانفرنس

وسطی صوبے میں محکمۂ تعلیم نے ارادہ کرلیا ہے کہ صوبے کے تمام پرائمری اسکولوں میں بنیادی تعلیم جاری کردی جائے گی۔ چنانچہ وردھا اور سیونی کے ضلعوں میں بنیادی تعلیم کے تجربے شروع بھی کردئے گئے ہیں لیکن ابھی دوسرے اسکولوں کو اس کا تجربہ شروع کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ کچھ عرصے سے صوبے کے تمام اسکولوں میں جو ضلع کونسلوں کے ماتحت چلتے ہیں یکساں پالیسی نہیں برتی جارہی ہے اور محکمۂ تعلیم کی طرف سے ایک نئے نصاب (Revised Syllabus) کے مطابق جسے ڈی سلوا سلیبس کہتے ہیں، پڑھائی پر زور دیا جاتا ہے۔ اس صورت حال پر غور کرنے کے لئے گذشتہ ۱۰ جنوری کو ناگپور میں صوبے کی تمام ضلع کونسلوں کے چیرمینوں کی ایک کانفرنس ہوئی تھی جس کے صدر ناگپور ضلع کونسل کے چیرمین جناب بان کھیڑے تھے۔ کانفرنس میں وسطی صوبے کے محکمۂ تعلیم کے ڈپٹی ڈائرکٹر ایل۔جی۔ڈی سلوا صاحب اور ہندستانی تعلیمی سنگھ کے سکریٹری آریانائکم صاحب بھی بلائے گئے تھے۔ ڈی سلوا صاحب نے سرکاری پالیسی کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ سرکار کو ابھی بنیادی تعلیم کے نصاب کا پورا پورا تجربہ نہیں ہے اور اگرچہ محکمۂ تعلیم کا آخری مقصد بنیادی تعلیم ضرور ہے لیکن سرکار بغیر تجربہ کئے ہوئے یہ پتہ نہیں لگا سکتی کہ سب سے اچھا، آسان اور کم خرچ طریقہ کونسا رہے گا۔ انھوں نے نئے سلیبس پر جو انھی کا تیار کیا ہوا ہے زور دیا۔ آریانائکم صاحب نے بنیادی تعلیم کے نصاب کا ایک خاکہ پیش کیا اور اب تک جو عملی تجربے ہوچکے ہیں ان کو کانفرنس کے سامنے رکھا۔ انھوں نے کہا کہ بنیادی تعلیم مہنگی نہیں ہے بلکہ یہی وہ طریقہ ہے جس سے بچوں کی شخصیت کا پورا نشو و نما ہوسکتا ہے اور اسی کی برکت سے ان میں چستی و چالاکی، سمجھداری اور صفائی کی عادت پیدا ہوسکتی ہے۔

کانفرنس میں ان دونوں پہلوؤں پر بہت کافی بحث کی گئی اور آخر میں وردھا ضلع کونسل کے نائب صدر جناب ڈیش مکھ صاحب کی پیش کی ہوئی تجویزیں منظور کی گئیں۔ ان تجویزوں کی تائید ورنگ ضلع کونسل کے چیرمین اگروال صاحب کی طرف سے ہوئی۔

(۱) چونکہ سرکار نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ بنیادی تعلیم کا طریقہ سب سے اچھا ہے اور چونکہ اس اسکیم کو اپنانے کا اس کا خود بھی ارادہ ہے اس لئے اس کانفرنس کی رائے ہے کہ اگر موجودہ طریقۂ تعلیم میں کچھ تبدیلی کرنی ہی ہے تو اس کا رخ بنیادی تعلیم کی طرف ہونا چاہئے کسی دوسری طرف نہیں۔

(۲) یہ کانفرنس صوبے کی تمام ضلع کونسلوں سے درخواست کرتی ہے کہ وہ اوپر کی تجویز میں جو پالیسی بیان کی گئی ہے اس پر عمل کریں۔

(۳) یہ کانفرنس سرکار سے درخواست کرتی ہے کہ وہ وسطی صوبے اور برار کے ڈائرکٹر تعلیمات کے میمو ۹۹۳۵ مورخہ اگست ۱۹۴۰ء کو منظور کرے۔

(۴) یہ کانفرنس اس بات پر سخت احتجاج کرتی ہے کہ سرکار اپنے وعدے کے خلاف استادوں کو نئے نصاب کے مطابق ٹریننگ دے رہی ہے۔

فہرست مضامین

نئی تعلیم

جلد ۳، نمبر ۳	دہلی، مارچ ۱۹۴۱ء	قیمت سالانہ عہ

بنیادی تعلیم کے کچھ تجربے

۱۔ گروکل کانگڑی میں بنیادی تعلیم کی چھ ماہی رپورٹ

ہندوستان کے مشہور قومی ادارے گروکل کانگڑی میں بنیادی تعلیم کا تجربہ اس سال کے شروع میں شروع کیا گیا تھا۔ اس تجربہ کی تین مہینے کی رپورٹ ہم سے پہلے دی جا چکی ہے۔ یہ رپورٹ بہت کافی حد تک حوصلہ بڑھانے والی تھی۔ لیکن دوسرے تین مہینوں کی رپورٹ اس سے زیادہ امید افزا ثابت ہوئی۔

اس دوسری ششماہی میں اس تجربے کے سلسلے میں جو خاص کام ہوا ہے وہ کپاس کی کھیتی ہے۔ اس تجربے کا مقصد یہ تھا کہ یہ ادارہ اپنی کپاس کی ضرورتیں خود ہی پوری کرے اور اسی تعلق سے طالب علموں کو کھیتی کا بھی تھوڑا بہت تجربہ ہو جائے۔ نمبر ۵۲۰، پنجاب امریکن کپاس ۱۹، مربع گز کے رقبے کے کھیت میں بوئی گئی تھی جس میں ۳۰ سیر روئی پیدا ہوئی اور یہ پیداوار فی ایکڑ ۱۱۰۴ پونڈ کے حساب سے ہوئی ہے۔ سرکاری زراعتی رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے زیادہ پیدا ہونے والی کپاس ان کے یہاں نمبر ۲۸۹ پنجاب امریکن ہے جو فی ایکڑ ۱۰۰۶ پونڈ حساب سے پیدا ہوئی ہے۔

اس اعتبار سے اس تجربے میں ہمیں جو کامیابی حاصل ہوئی ہے وہ نہ صرف ہمارے لئے بلکہ بنیادی تعلیم کے تجربہ میں کام کرنے والے سبھی کارکنوں کے لئے امید افزا ہے۔

اس نئے تجربے کے سلسلے میں چند باتیں خاص طور سے لکھنے کے قابل ہیں اس کھیتی میں ہل چلانے اور بنولے بونے کا جو کام ہوا ہے اسے چھوڑ کر باقی تمام کام خود طالب علموں نے کیا ہے۔ کھیتی کی حفاظت، نرائی، سنچائی اور کپاس کے چننے کے سب کام طالب علموں نے بڑی خوبی سے انجام دئے۔ کپاس میں سے ۵۶ فیصدی بنولے اور ۴۴ فیصدی روئی نکلی اس روئی سے ۲۰ نمبر تک کا سوت نہایت آسانی سے کاتا جا سکتا ہے۔

دُھنائی کا کام پچھلی ششماہی کے آخر میں شروع کیا گیا تھا۔ اس ششماہی میں اسے اور ترقی دی گئی، پانچویں درجے کے ۵، چوتھے اور تیسرے درجے کے چھ چھ اور دوسرے درجے کے سات لڑکوں نے دُھنائی کا کام سیکھا۔ اس چھ ماہی میں ان طالب علموں نے کل ۲۵ سیر روئی دھنی اور ۱۰۰ سیر دُھنی ہوئی روئی سے پونیاں بنائیں۔ دھنائی اور پونیاں بنانے کا سارا کام قریب قریب مقررہ وقت ہی میں ہوا۔ اس کام میں ۱۲ عدد تانت (۳۲ × ۴ گز) اور ۱۲ عدد کانکر خرچ ہوئے۔ کانکر بہت گھٹیا قسم کے تھے جو تین چار روز میں پھٹ جاتے تھے۔ اس دقت کو دور کرنے کے لئے بعد میں کانکر میں سخت چمڑا استعمال کیا جانے لگا۔

چھ ماہی کے آخر میں حساب لگانے پر معلوم ہوا کہ مختلف کاموں میں جن سامانوں کی ضرورت پڑی ان کا خرچ نکالنے کے بعد ادارے کو ایک سو چار روپے ساڑھے دس آنے کا نفع رہا۔ اس حساب کی پوری کیفیت گوشوارہ نمبر ۱ میں دی گئی ہے۔ کپڑے کی قیمت یہاں جو لوگ کھادی کا کام کرتے ہیں، اُن کے مشورے سے لگائی گئی ہے۔

گوشوارہ نمبر ۱ کے دیکھنے سے اور بھی کئی باتیں معلوم ہوں گی۔ مثلاً اس چھ ماہی میں ادارے میں ۲۷ × ۱۳۰، گز کپڑا تیار ہوا۔ کل روئی جو خرچ ہوئی اُن کا وزن ۱۳۵½ سیر تھا۔ سوت کا وزن ۱۰۷½ سیر۔ اور کپڑے کا وزن ۱۰۶½ سیر تھا۔ یعنی کتائی میں ۲۲ فیصدی اور بُنائی میں ۹ فیصدی مال ضائع ہوا۔ جو مال بنائی میں خراب ہوا اس کے تناسب سے معلوم ہوتا ہے کہ طالب علموں نے جو سوت تیار کیا تھا وہ بہت اچھا تھا۔

گوشوارہ نمبر ۲ میں سامان کی تفصیل دی گئی ہے۔ کتائی کا کام شروع کرنے اور اسے اب تک جاری رکھنے کے دوران میں جو سامان منگوانا یا بنوانا پڑا اور اس مدت میں جو ٹوٹ پھوٹ ہوئی وہ سب اس گوشوارے میں درج ہے۔ سامانوں کی قیمت ہی کے ساتھ وہ خرچ بھی لکھ دیئے ہیں جو ریل یا دوسری باربرداری کے سلسلے میں ہوئے۔

دوسری ششماہی میں کتائی پہلی ششماہی کی بہ نسبت زیادہ ہوئی ہے اور اس کی رفتار بھی پہلے سے زیادہ رہی ہے اس چھ ماہی میں طالب علموں کی کتائی کا آدھ گھنٹے کا جو اوسط آیا ہے، اس کی پوری کیفیت گوشوارہ نمبر ۳ میں دی گئی ہے۔ پچھلی ششماہی میں طالب علموں کی کتائی کی لیاقت کا گوشوارہ نئی تعلیم کے کسی پچھلے نمبر میں چھپ چکا ہے۔ اس گوشوارہ کا اس ششماہی کے گوشوارے سے مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس ششماہی میں ترقی کی کیا رفتار رہی۔

مہاتما گاندھی شروع ہی سے بنیادی مدرسوں کی اس خصوصیت پر زور دیتے رہتے ہیں۔ وہ اپنا خرچ خود اٹھائیں۔ چنانچہ مختلف صوبوں میں طالب علموں کی کمائی سے صحیح اوسط کو جانچنے کی کوشش بھی کی جا رہی ہے۔ جنوری سنہ ۱۹۴۱ء کے پرچے میں بتایا جا چکا ہے کہ بہار میں ایک طالب علم کی سال بھر کی کمائی کا اوسط ۴ گھنٹے روز کام کرکے ۱۳ آنے چھ پائی ہے۔ جسمیں بار آنے کتائی کے ۱۰ روپئے دو آنے باغبانی کے کام کے ہیں گرد کل کے مدرسے میں روزانہ کام کا وقت ڈیڑھ گھنٹہ رکھنے کے باوجود ۶ مہینے میں کل آمدنی ۴۰۱ روپے ساڑھے آٹھ آنے ہوئی ہے۔ کام کے کل دن ۱۳۲ تھے۔ حالانکہ نصاب کے مطابق ۱۴۴ ہونے چاہئیں۔ طالب علم کل ۱۶۰ تھے۔ اس طرح اس چھ ماہی میں ایک طالب علم کی کمائی کا اوسط ایک آنہ دو ½ پائی بیٹھتا ہے جس میں باغبانی کے کام کی مزدوری شامل ہے۔

گوشوارہ نمبر ۲ میں پہلے درجہ کی کتائی کی پچھلے ۶ مہینے کی تفصیل دی گئی ہے۔ اس تفصیل میں سوت کے تار، کتائی کے کل دن۔ اور کل حاضری کا حساب بھی دیا گیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ طالب علموں نے کس طرح رفتہ رفتہ ترقی کی ہے۔ ۱۲ طالب علموں نے ۶ مہینے کی مدت میں کل ۲۲۶ ½ تولہ سوت کاتا ہے۔

مگر اس ترقی کے باوجود بہت سی خامیاں ابھی رہ گئی ہیں۔ مثلاً ابھی پڑھائی کی طرف پورا دھیان نہیں دیا جا سکا ہے۔ بنیادی تعلیم کو کامیابی سے چلانے کے لئے دو ایک سال کی مدت تو آخر لگ ہی جائیگی۔

گوشوارے

گوشوارہ نمبر ۱

آمدنی: پائی	آمدنی: آنے	آمدنی: روپے	تفصیل	خرچ: پائی	خرچ: آنے	خرچ: روپے
۶	۱۴	۱۰۳	وصول سامان جو موجود ہے حوالہ سامان	۰	۸	۱۳۰
			حوالہ ۱۰۵ سیر روئی پنجاب مرکنٹ نمبر ۲۰۰ د	۳	۱۱	۹۴
			" بنائی ۱۳ × ۲۰۰ گز	۳	۲	۵۴
			" نکالی	۰	۴	۲
			" دھلائی	۰	۴	۶
			" دھنائی ۱۱۰ سیر روئی	۰	۱۴	۲۱
۰	۱۳	۶	وصول از فروخت پونیاں ۴ سیر ۱۲ چھٹانک	۰	۱۲	۳۰۹
۰	۱۰	۹	" " " روئی ۱۰ ½ سیر			
۰	۷	۲۸۶	" " " کپڑا ۱۳ × ۲۷ گز			
۰	۱۰	۷	" " " سامان مختلف			
			بچت	۶	۱۰	۱۰۴
۶	۶	۴۱۴		۶	۶	۴۱۴

گوشوارہ نمبر ۲

	کل سامان: نام چیز	کل سامان: تعداد	کل سامان: قیمت	جو سامان خرچ ہوا: تعداد	جو سامان خرچ ہوا: قیمت	جو سامان گم ہوا: تعداد	جو سامان گم ہوا: قیمت	جو سامان فروخت ہوا: تعداد	جو سامان فروخت ہوا: قیمت	جو سامان موجود ہے: تعداد	جو سامان موجود ہے: قیمت
۱	چیتی چرخہ	۲	لعہ							۲	لعہ
۲	کسان چرخہ	۳	معہ/۳							۳	معہ/۳
۳	ساوی چرخہ	۱	ے/							۱	ے/
۴	ہاتھ کی اوٹنی	۱	[illegible]							۱	[illegible]
۵	سلائی بٹری	۱	۰۳/							۱	۰۳/
۶	مگن چرخہ	۱	[illegible]							۱	[illegible]
۷	چھوٹی ڈھنکی	۷	[illegible]	۱	۸/					۷	[illegible]
۸	تکوے	۸	[illegible]			۱	۳	۵	۱۵/	۲	۶/
۹	کانگر	۱۹	۱۰/	۱۲	۶/					۷	۴/
۱۰											

	کل سامان نام چیز	تعداد	قیمت	جو سامان خرچ ہوا تعداد	قیمت	جو سامان گم ہوا تعداد	قیمت	جو سامان فروخت ہوا تعداد	قیمت	جو سامان موجود ہے تعداد	قیمت
۱۰	تانت	۷۷	[illegible]	۳۲	[illegible]			۲	۶/	۴۳	[illegible]
۱۱	پونی کی سلائی	۲۰	[illegible]					۱	۱/	۱۹	[illegible]
۱۲	پونی دانی اور ہتھا	۱۰	[illegible]							۱۰	[illegible]
۱۳	گوٹلا	۱۷	[illegible]							۱۶	[illegible]
۱۴	لٹھی	۲۶۷	[illegible]	۴	۸/	۳۰	[illegible]	۳۶	[illegible]	۲۲۷	[illegible]
۱۵	ایٹرن	۲۰۱	[illegible]	۱۰	۱۲/	۶	۸/	۱۶	[illegible]	۱۶۹	[illegible]
۱۶	ترازو	۳	[illegible]							۳	[illegible]
			[illegible]		[illegible]		[illegible]		[illegible]		[illegible]

گوشوارہ نمبر ۳

جماعت	آدھ گھنٹہ فی بچہ زیادہ سے زیادہ تار	کم سے کم تار	اوسط
پہلی	۹۰	۹	۲۶ ¼
دوسری ا	۵۰	۳۱	۴۹
" ب	۸۴	۲۹	۵۲ ½
تیسری ا	۱۰۶	۲۹	۵۳
" ب	۱۱۲	۳۰	۶۱
چوتھی ا	۹۰	۳۷	۶۱
" ب	۱۲۰	۴۱	۶۶
پانچویں	۱۰۵	۴۳	۷۲

گوشوارہ نمبر ۴

مہینہ	تار	کتائی کے دن	کل حاضری	طالبعلموں کی تعداد
بیساکھ	۴۹۰۳	۲۱	۲۱۰	۲۱
جیٹھ	۱۷۲۷۰	۲۸	۵۰۳	۲۱
اساڑھ	۱۴۹۱۶	۲۳	۳۷۵	۲۱
ساون	۱۶۴۰۳	۲۸	۳۹۵	۲۱
بھادوں	۲۱۱۷۰	۲۱	۳۱۷	۲۱
کنوار	۶۳۵۷	۱۱	۱۲۲	۲۱
	۸۶۰۸۹	۱۳۲	۲۰۲۴	

۲۔ تامل ناڈ میں بنیادی تعلیم کا ایک تجربہ

تامل ناڈ کے ضلع کوئمبٹور میں پےری ناٹک پالیم نام کا ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ اس گاؤں کے پاس اوی ناشی لنگم چیٹیار کا قائم کیا ہوا شری رام کرشن ودیالیم نام کا ایک مدرسہ قومی تعلیم کا کام کر رہا ہے۔ بنیادی تعلیم کی اسکیم جب سے ملک کے سامنے پیش کی گئی اسی وقت سے اوی ناشی لنگم صاحب اس سے دلچسپی لیتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ان کی کوشش سے مئی ۱۹۳۸ء میں بنیادی تعلیم کے استادوں کے لئے اس تعلیمی ادارے میں ایک ٹریننگ کیمپ کھولا گیا تھا۔

اسی گاؤں میں کلانیلم نام کا ایک پرائمری اسکول تھا جس میں پانچ جماعتوں تک کی پڑھائی ہوتی تھی جولائی ۱۹۴۰ء سے اس اسکول کو شری رام کرشن ودیالیم نے بنیادی تعلیم کے تجربے کے لئے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا اور تجربے کی ذمے داری اپنے یہاں کے ایک استاد شری اردناچلم کو سونپ دی تھی اردناچلم جی مدراس یونیورسٹی کے ایک ٹرینڈ گریجوایٹ ہیں اور وردھا میں بنیادی تعلیم کی ٹریننگ بھی لے چکے ہیں۔ آپ نے اپنے یہاں کے چھ مہینے کے کام کی جو رپورٹ بھیجی ہے وہ نیچے دی جاتی ہے۔ (ادارہ)

کلانیلم ایک معمولی سا دیہاتی پرائمری اسکول ہے۔ اس میں ۲۰۰ بچے اور ۷ استاد ہیں۔ ان سات استادوں میں سے صرف تین ایسے تھے جو تکلی پر معمولی کاتنا جانتے تھے اور بنیادی تعلیم کا تو کسی کو ذرا بھی تجربہ نہیں تھا لیکن اس کے باوجود بنیادی تعلیم کے تجربے کے لئے ہم نے پہلے درجے سے ۲۱۶ بچوں کو چنا۔ دوسرے درجوں میں بنیادی تعلیم کا تجربہ شروع نہیں کیا گیا بلکہ صرف کتائی ایک مضمون کے طور پر رکھی گئی۔ اس تجربہ میں مناسب ماحول پیدا کرنے کے لئے تمام طلبا اور استاد آدھ گھنٹے تک خاموش کتائی کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ استادوں کو بنیادی تعلیم کے اصول پر تعلیم دینے کے ڈھنگ سکھانے کیلئے دوپہر کی چھٹی کے وقت کتائی کے اصول بتائے جاتے ہیں اور دستکاری کے ذریعے تعلیم دینے کا گر سکھایا جاتا ہے۔

دستکاری — کتائی شروع کے پانچ مہینوں تک پہلے درجے میں کتائی کے کام کے لئے صرف ایک گھنٹہ روزانہ کا وقت رکھا گیا۔ چھ مہینے کے بعد جب حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ جماعت کی کتائی کی رفتار کا اوسط فی طالب علم ۴۴ تار ہے اور چھ مہینے کی مدت میں فی طالب علم پیداوار کا اوسط پانچ گنڈیاں ہے۔ یہ ہمارے تجربہ کا پہلا سال تھا۔ اب ہمارا خیال ہے کہ اگر پہلے ہی سے دستکاری کے لئے روزانہ دو گھنٹے کا وقت دیا جاتا تو آسانی کے ساتھ نصاب پورا کیا جا سکتا تھا۔

دستکاری بنیادی تعلیم کا مقصد نہیں ہے بلکہ یہ ایک ذریعہ ہے

جس سے بچے کی ہر پہلو سے نشو و نما کی جا سکتی ہے۔ ہم نے اس تخیل کو پہلے ہی سے سامنے رکھا ہے اور اسی کے مطابق کام کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ہماری یہ بھی کوشش رہی ہے کہ پوری تعلیم دستکاری، اس کے لوازم اور ماحول کو ملا جلا کر دی جائے۔ تھوڑے سے تجربے سے ہمیں یہ محسوس ہوا کہ تعلیم اگر کسی دستکاری کے ربط کے ساتھ دی جائے تو اس میں جان آ جاتی ہے۔ وہ یک طرفہ نہیں رہتی اور بچے کی ہر پہلو سے نشو و نما کرتی ہے اور ساتھ ساتھ طالب علم اور استاد دونوں کے لئے خوشی اور دلچسپی کی چیز بن جاتی ہے۔

مادری زبان: مادری زبان کی تعلیم بیشتر زبانی دی گئی۔ کوئمبٹور بنیادی تعلیم کے لئے نہایت مناسب جگہ ہے اس لئے کہ یہاں کپاس اچھی ہوتی ہے۔ ہم نے بچوں کو کپاس کے کھیتوں میں لے جا کر اس کی کھیتی کے بارے میں ان سے بات چیت کی۔ اسی سلسلہ میں کپاس، روئی اور پونیوں کی حفاظت کا سوال آیا اور ہم لوگ اس سوال پر بات چیت کرتے ہوئے گاؤں کے بڑھئی اور کمہار کے گھروں تک پہنچے۔ وہاں یہ گفتگو رہی کہ بڑھئی صندوق اور لکڑی کی دوسری چیزیں کس طرح بناتا ہے اور اسے ان چیزوں کی تیاری میں کن کن چیزوں سے کام لینا پڑتا ہے۔ کمہار کے یہاں مٹی کے برتنوں کے بارے میں اسی قسم کی بات چیت ہوئی۔ اس کے بعد ہم دھنائی کے ایک بڑے کارخانے میں گئے اور وہاں کپاس کی صفائی اور دھنائی کے طریقے دیکھے۔ جلاہے کے مکان کا تو کئی بار چکر لگایا گیا۔ وہاں ہم نے خاص طور پر پُریاں لگانا، تانا بانا کرنا اور بُننا دیکھا اور سب چیزوں کے بارے میں آپس میں گفتگو کی۔ کپڑے کے بارے میں جو بات چیت ہوئی، اس میں کپڑے کی دھلائی اور سلائی کے پہلو بھی سامنے آئے اور اس سلسلہ میں ہم نے دھوبی اور درزی کے مکانوں کی بھی سیر کی۔

اس سیر تفریح میں ہمیں مادری زبان، ڈرائنگ، سماج کا علم اور جنرل سائنس کی تعلیم کے لئے بہت کافی مسالہ مل گیا۔ اس کے علاوہ ہم نے گاؤں کی مختلف تقریبوں، تیوہاروں، میلوں وغیرہ سے بھی پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ ان کے متعلق کہانیاں سنائیں اور ان کہانیوں کی بنیاد پر بچوں کو مختلف طرح کے کھیل کھلائے۔

لکھنا پڑھنا: ذاکر حسین کمیٹی کے تیار کئے ہوئے نصاب میں پہلے چھ مہینے میں لکھائی پڑھائی بالکل نہیں ہے۔ ہم نے پہلے دو مہینے تک بچوں سے لکھنے پڑھنے کا کوئی کام نہیں لیا۔ البتہ ان کو تصویریں اور نقش و نگار بنانے کے کافی موقعے دئے گئے۔ ہمارا یہ تجربہ بھی بہت اچھا رہا۔ بچے اپنے گھر سے اپنی مرضی کے مطابق تصویریں بنا بنا کر لاتے ہیں۔ ان ننھے ننھے مصوروں سے بلند پایہ شاہکاروں کی امید تو کی نہیں جا سکتی، مگر اس کے باوجود ان کی تصویریں ان کی اظہار کی لیاقت اور ان کے معصوم خیالات کا آئینہ ہوتی ہیں۔

ہمیں بچوں کے والدین کے اصرار پر تیسرے مہینے سے لکھنے پڑھنے کا کام بھی شروع کرنا پڑا۔ زبان کی تعلیم میں ہم نے سب سے پہلے دستکاری اور بچوں کی آس پاس کی زندگی سے متعلق آسان لفظ لئے۔ اب بچے کم و بیش سو لفظ پہچان کر پڑھ اور لکھ لیتے ہیں۔ لکھائی کا کام بچے بڑی دلچسپی اور شوق سے کرتے ہیں۔ کتائی کے گھنٹے کے ختم ہوتے ہی وہ اپنے اپنے سوت جلد جلد لپیٹ کر سلیٹ اور پنسل سنبھال لیتے ہیں اور اپنی مرضی کے مطابق لفظ اور جملے لکھنے لگتے ہیں۔

سماج کی تعلیم: بنیادی تعلیم کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اثر سے بچے اپنے کام میں شوق اور دلچسپی ظاہر کریں۔ ہمارے یہاں صرف یہی نہیں ہے کہ وہ اپنے ہر کام میں خوشی محسوس کریں بلکہ وہ اپنی ذمے داریاں کو بھی بڑی خوشی سے انجام دیتے ہیں۔ اسکول کی صفائی، حاضری اور دستکاری کے اوزاروں کی دیکھ بھال کا کام انہی کی جماعت کی مختلف ٹولیوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ بچے یہ کام نہایت خوشی اور انہماک سے انجام دیتے ہیں۔ آپس میں مل جل کر کام کرنا اور اپنے سارے کام خود اپنے ہاتھوں انجام دینا اور اسی قسم کی دوسری اچھی عادتیں ان میں پیدا ہو رہی ہیں اور یہی سماج کے علم کا مفہوم اور شہری زندگی کی بھی تعلیم ہے۔

شروع شروع میں ہمارے سامنے ایک بڑا اور اہم سوال ہریجن بچوں کا تھا۔ یہ بچے اونچی ذات کے ہندو بچوں کے ساتھ بیٹھ بھی نہیں سکتے تھے۔ آج وہی بچے انہی ہریجن بچوں کے ساتھ پریم اور محبت سے اٹھتے بیٹھتے لکھتے پڑھتے اور کھیلتے کودتے ہیں۔

حساب: حساب کی تعلیم جب سے دستکاری کے ربط کے ساتھ دی جانے لگی ہے، اس میں جان سی پڑ گئی ہے اور حساب ایک عملی چیز بن گیا ہے۔ ان چھ مہینوں میں بچوں نے ۱۰۰ تک گنتی اور دس تک کی جمع تفریق سیکھ لی ہے۔ ان بچوں کا حساب علم دوسرے درجے کے بچوں سے زیادہ پختہ ہے اس لئے کہ انھوں نے اس سلسلے میں جو سیکھا ہے دستکاری کے کام میں اُسے برت کر سیکھا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہمارے جو بھائی اب تک پرانے نصاب کے اصولوں پر تعلیم دے رہے ہیں، ان کے اور ہمارے کام کے باہمی مقابلے کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ مدراس کے سرکاری نصاب کے مطابق بچوں کو سال کے آخر میں ۲۰۰ لفظ لکھنا اور پڑھنا آنا چاہیئے لیکن لفظوں کی اس فہرست میں زیادہ تر کتاب کے لفظ ہوتے ہیں جن کا بچوں کی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ہمارے یہاں کے بچوں نے ابھی تک صرف ایک سو لفظ سیکھے ہیں مگر یہ لفظ ان کی زندگی کا جزو بن گئے ہیں۔ اس لئے کہ انھیں انھوں نے صرف کتاب کے ذریعے نہیں بلکہ اپنے ذاتی تجربے سے سیکھا ہے۔ حساب میں بھی وہ دوسرے اسکولوں کے بچوں سے پیچھے نہیں ہیں۔ یہ بات اس ضلع کے ڈسٹرکٹ انسپکٹر نے بھی اس اسکول کی جانچ کے بعد تسلیم کی ہے۔

اس تجربے میں ہمارے اسٹاف میں استاد بنیادی تعلیم کے اصولوں کے مطابق پڑھانے کے لئے اچھی طرح تیار نہیں تھے۔ جگہ بھی کم ہے لیکن اس کے باوجود ہمارا خیال ہے کہ ہم نے بچوں کی ہر پہلو سے نشو و نما کی طرف قدم بڑھایا ہے۔ بچوں کے ساتھ کام کرتے وقت ہم نے ایک بات کا خاص طور سے لحاظ رکھا ہے اور وہ یہ کہ ہم نے اُن کی شخصیت کا بہت بڑی حد تک احترام کیا ہے اور اس کی آزادانہ ترقی کے لئے موقعے بہم پہنچاتے ہیں۔

(شری اروناچلم)

۳۔ ہریجن لڑکیوں کا ایک مدرسہ

بہت سے استاد ایسے بھی ہیں جنھوں نے بنیادی تعلیم کے لئے ٹریننگ تو پائی ہے لیکن انھیں بنیادی تعلیم کا کام کرنے کا موقع نہیں مل سکا ہے۔ اس لئے وہ یا تو موجودہ تعلیم ہی کے کام میں لگے ہوئے ہیں یا کوئی دوسرا کام کر رہے ہیں۔ اب ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر یہ لوگ واقعی بنیادی تعلیم

سے دلچسپی رکھتے ہیں تو کس طرح اپنی فرصت کے وقت میں اس نئی تعلیم کے وقت میں اس نئی تعلیم کے کام کو آگے بڑھا سکتے ہیں۔ اس مسئلے کا ایک بہت اچھا حل شری متی شانتا نرولکر نے پیش کیا ہے۔ آپ نے وردھا کے ودیا مندر ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ میں ٹریننگ حاصل کی تھی اور آپ کے کل اجمیر کے لڑکیوں کے ایک ہائی اسکول میں ہیڈ مسٹریس ہیں۔ آپ نے چھٹیوں کے زمانے سے فائدہ اٹھا کر ہریجن لڑکیوں کا ایک اسکول قائم کر کے بنیادی تعلیم کے عملی تجربے کی ایک کوشش کی ہے۔ نیچے ہم اسی کوشش کا مختصر سا حال شائع کرتے ہیں۔ (ادارہ)

مجھے اس بات کا تھوڑا سا تجربہ ہوا ہے کہ بنیادی تعلیم کے تجربے میں کس حد تک کام لیا جا سکتا ہے۔ اس تجربے کو نئی تعلیم کے شائقین کے سامنے بھی رکھنا چاہتی ہوں۔

اجمیر میں جاگر پاٹھ شالا کے نام سے ہریجن لڑکیوں کا ایک مدرسہ ہے۔ اس مدرسے میں تین درجے ہیں اور لڑکیوں کی تعداد ۳۰ ہے۔ ایک دن اس مدرسے کا ایک جلسہ تھا۔ میں بھی اتفاق سے اس میں شریک تھی۔ اس جلسے کے پروگرام کھیل کود بھی تھے۔ لڑکیوں نے مختلف قسم کے کھیلوں کے علاوہ اسی پروگرام میں چرخے کی کتائی کی بھی نمائش کی تھی۔ مگر اس کتائی سے ان کی پڑھائی کو کوئی لگاؤ نہ تھا اور اسی سے اس کا تعلیمی پہلو بھی پیش نظر نہیں آیا تھا۔ میں نے اسکول کے پریذیڈنٹ اور سکریٹری سے کہا اگر وہ مجھ سے دستکاری کے ذریعے بنیادی تعلیم کے اصولوں پر پڑھائی کا انتظام کرنے کو کہیں تو میں بھی مدد کروں گی۔

خوشی کی بات ہے کہ پریذیڈنٹ اور سکریٹری صاحبان نے میرے اس مشورے کو پسند کیا اور اس تجربے کے لئے مناسب انتظام کیا اور ضروری سامان مثلاً تکلیاں، پٹے اور پونیاں وغیرہ بھی اکٹھا کیں۔ میں نے مدرسے کی استانیوں سے بھی بات چیت کی۔ انھوں نے تعلیم کے اس نئے طریقے سے بڑی دلچسپی ظاہر کی اور پڑھائی میں میرے بتائے ہوئے اصولوں پر چلنے کا وعدہ کیا۔

مجھے اسکول کے موجودہ نصاب کو قائم رکھتے ہوئے بنیادی تعلیم کا تجربہ شروع کرانا تھا اس لئے میں نے سب سے پہلے لڑکیوں کی پڑھائی کی کتابیں دیکھیں۔ ان کتابوں کو دیکھ کر میں اس نتیجے پر پہنچی کہ ان سب سے بہت کام لیا جا سکتا ہے۔ صرف سبقوں کی ترتیب کو بدلنے کی ضرورت ہوگی تاکہ ایک سبق کا دوسرے کے ساتھ قدرتی تعلق ہو جائے اور ہر روز کی پڑھائی کا پہلو اس روز کی کتائی کے کام ہی سے نکل سکے۔ میں نے کتاب کے سبقوں کو ایک دوسرے سے مربوط کرنے کی کوشش کی۔ اس کا ایک نمونہ یہ ہے۔

کتائی	ہندی	حساب	جغرافیہ
تکلی کی شکل	محنتی لوہار	گز فیٹ، انچ	—
کپاس	ایمان دار کسان	من سیر چھٹانک	پیداوار
آدھ گھنٹے کی خاموش کتائی	وقت، گھڑی	گھنٹے منٹ	دن رات

جن سبقوں کا کتائی سے کوئی تعلق نہیں تھا انھیں میں نے سماج کے سبق کے طور پر پڑھانے کی صلاح دی۔

ساتھ ہی ساتھ میں نے استانیوں کو بنیادی تعلیم کا مقصد اور ڈھنگ سمجھانے کی بھی کوشش کی۔ نئے ڈھنگ سے پڑھانے کے لئے میں نے چند سبقوں کے متعلق نوٹ تیار کر کے انھیں دے دیئے۔ اور باقی سبقوں کے لئے انھیں مشورہ دیا کہ ابھی نوٹ کے نمونے پر وہ اور سبقوں کے نوٹ خود تیار کر کے مجھے دکھائیں اور پڑھائی کے دوران میں ان کو جو دقتیں پیش آئیں انھیں ایک نوٹ بک میں لکھتی جائیں تاکہ ان پر بعد میں غور کیا جا سکے۔

میں نے اس مدرسے میں نئی تعلیم کا تجربہ دوسرے درجے کی لڑکیوں سے شروع کیا۔ پہلے میں نے انہیں ہاتھ سے کتائی شروع کرائی اور ساتھ ہی ساتھ کتائی کی ڈائری رکھوانا شروع کر دیا۔ اس ڈائری میں لڑکیاں اپنے کام کی رپورٹ، سوت کا پورا حساب، اپنے کام کی ترقی یا تنزل لکھتی ہیں اور اس کی وجہ۔ اس طرح لڑکیاں کتائی کی مشق کے ساتھ ساتھ اپنے کام کی جانچ بھی خود کر لیتی ہیں۔

ہفتے کے چھ دن مجھے اپنے ہائی اسکول کے کام میں دینے پڑتے ہیں اس لئے میں تھوڑا ہی وقت لڑکیوں کے اس اسکول میں دیتی ہوں۔ اس کے بعد ان کی ڈائریاں دیکھتی ہوں اور استانی سے مل کر ان کے کام کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ پھر اگلے ہفتے کے لئے ان کی ڈائریوں میں کتائی کے متعلق ایسے سوالات لکھ دیتی ہوں جن کے جواب میں ایک طرف تو لڑکیاں اپنے کام کی رپورٹ لکھتی ہیں اور دوسری طرف انھی جوابوں کے ذریعے کتائی کے ساتھ دوسرے مضمونوں کی پڑھائی کا پہلو بھی آسانی سے نکل آتا ہے۔ ہم نے کتائی کی رفتار پر اتنا زور نہیں دیا ہے جتنا سوت کی خوبصورتی اور مضبوطی پر دیا ہے اور یہی چیز ہم نے لڑکیوں کو بھی سکھائی ہے کہ وہ اپنے کام کی جانچ کے وقت یہ نہ دیکھیں کہ ہم نے کتنا سوت کاتا ہے۔ بلکہ یہ دیکھیں کہ ہم نے کیسا سوت کاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ بہت سی دقتوں کے ہوتے ہوئے اپنے کام میں بہت ترقی کی ہے اور ان کے سوت کی یکسانیت دیکھنے کے قابل ہے۔

ہمارے کام میں دقتیں بے شک بہت ہیں۔ سامان کی کمی ہے استانیوں کو کتائی کا ہنر نہیں آتا اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ دستکاری کے ذریعے تعلیم دینے کے ڈھنگ بھی نہیں جانتیں۔ اور یہ طریقہ ان کے لئے ایک بالکل نئی چیز ہے۔ لیکن اس مدرسے کا قدرتی ماحول، لڑکیوں کا حوصلہ اور کام سے شوق اور خود اس نئی تعلیم کی خوبیاں ہی تو ہیں۔ ہماری ہمت بڑھاتی ہیں اور اس ڈیڑھ مہینے کی کوشش کا نتیجہ دیکھ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ بہت سی دقتوں اور رکاوٹوں کے ہوتے ہوئے بھی ہماری کوشش کامیاب رہی ہے۔

(شانتا نرولکر)

بنیادی دستکاری کتائی کی اصطلاحیں

بنیادی تعلیم کی کامیابی کے لئے سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ جس دستکاری کے ذریعہ تعلیم دی جائے اُسے باضابطہ علم کی حیثیت دی جائے۔ ابھی تک بیشتر بنیادی اسکولوں میں تعلیم کا ذریعہ کتائی کی دستکاری رہا ہے اور بنیادی تعلیم اور ہندوستانی کا کام کرنے

والے دونوں مل کر اس دستکاری کو باقاعدہ علم کی حیثیت سے پیش کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ کتائی کے ہنر میں جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے اور اس کے جو مختلف کام ہوتے ہیں، ان کے لئے اس طرح کے نام طے کرنے چاہئیں جنھیں سب لوگ مان لیں اور جن سے تعلیم میں مدد لی جا سکے اس کے بغیر اس ہنر پر نہ کتابیں لکھی جا سکتی ہیں نہ اس کے مختلف اور الگ الگ پہلوؤں کی تشریح کی جا سکتی ہے اور نہ اسے ایک علم کی حیثیت سے سکھایا جا سکتا ہے۔

اس ضروری کام کے لئے ہندستانی تعلیمی سنگھ کی طرف سے ایک بنیادی دستکاری کمیٹی بنائی گئی ہے۔ اس کمیٹی نے کتائی کے ہنر کی اس طرح کے تمام ضروری کاموں اور چیزوں کے لئے ناموں کی تجویز اور تعریف کی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ کپاس کی چنائی سے لے کر کپڑا بننے تک جتنے بھی کام ہوتے ہیں مثلاً (۱) کچا مال جو اس ہنر میں کام آتا ہے (۲) آلات و اوزار (۳) ان کے مختلف حصے۔ (۴) کام کے مختلف پہلو (۵) تیار مال اور ان کی خصوصیتیں ان سب سے متعلق ایسے صحیح ہندوستانی نام اور لفظ ایک کتاب میں جمع کر دئے جائیں جن کو ہندوستان کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک بنیادی تعلیم اور کھادی کا کام کرنے والے سمجھیں اور استعمال کریں۔

اصطلاحات وضع کرنے کے اس کام میں سب سے پہلا قدم یہ اٹھایا گیا ہے کہ چرخہ سنگھ کی مختلف صوبوں کی شاخوں سے درخواست کی گئی ہے کہ ان کے یہاں کھادی کے کاریگروں میں جو جو اصطلاحیں استعمال کی جاتی ہیں، وہ انھیں اکٹھا کر کے بھیجیں اس کام کے لئے کچھ فارم بھی تیار کرا کے ان شاخوں کے پاس بھیجے گئے ہیں۔

تعلیمی سنگھ کا ارادہ ہے کہ پہلے تجربے کے طور پر ایک چھوٹی سی لغت مرتب کر کے شائع کی جائے۔ اس سلسلے میں بھی ایک طریقہ سمجھ میں آتا ہے کہ ان لفظوں میں سے وہ لفظ جو ہندستانی میں آسانی سے چل جائیں، انھیں اور ان کے ساتھ کچھ نئے لفظ جوڑ کر الفاظ کی لغت تیار کی جائے۔ آئندہ جوں جوں ہمارا تجربہ بڑھتا جائے گا، اور بنیادی تعلیم اور کھادی کے کارکنوں سے مشورہ ملتا جائے گا۔ اس لغت میں اضافہ ہوتا رہے گا اور اس میں اصلاحیں ہوتی رہیں گی۔ تعلیمی سنگھ کا اندازہ ہے کہ اس طرح جو مجموعہ تیار ہوگا۔ وہ اصطلاحوں کی ایک مفید لغت کی حیثیت سے تعلیم کے کام میں کارآمد ثابت ہو سکے گا۔

خوشی کی بات ہے کہ اس کام میں چرخہ سنگھ کی بہت سی شاخیں اور دوسرے ادارے بھی مدد کر رہے ہیں اور اپنے اپنے صوبے کے استعمال ہونے والے لفظ جمع کر کر کے بھیج رہے ہیں۔ لیکن اب تک جو لفظ ہم تک پہنچے ہیں وہ کھادی کی اصطلاحوں کی ایک مکمل تو کیا ایک معمولی جیسی لغت کے لئے بھی کافی نہیں ہیں۔ یہ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے دیس کے کاریگر خواہ ہاتھ کے کام میں کتنے ہی ہوشیار کیوں نہ ہوں لیکن وہ اپنے کام یا اس میں برتی جانے والی چیزوں کی ٹھیک ٹھیک لفظوں میں تشریح نہیں کر سکتے۔ اور اسی لئے ان سے کتائی کی کوئی بنی بنائی اصطلاح یا تعریف کی زیادہ امید نہیں کی جا سکتی۔ ہمیں نئے نئے لفظ بنانے پڑیں گے۔ چنانچہ آج کل چرخہ سنگھ کے کام کے سلسلہ میں روزانہ نئے نئے لفظ ایجاد ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن اس میں کمی یہ ہے کہ لفظوں کی یہ ایجاد کسی مرتب پروگرام یا منصوبے کے ماتحت نہیں ہے۔ تعلیمی سنگھ کا مقصد صرف اتنا ہے کہ جو کام اب ہو رہا ہے وہ باقاعدہ ہو جائے اور اسے ہم سب مل جل کر کریں۔

نئے لفظوں کی ایجاد اور بولے جانے والے لفظوں کو جمع کرنے کا کام ایسا نہیں ہے جو تھوڑے سے وقت میں مکمل ہو جائے گا اور نہ یہ کسی ایک شخص یا چند آدمیوں کی کمیٹی کے اکیلے بس کا کام ہے۔ اس کام کو پورا کرنے کے لئے بنیادی تعلیم اور کھادی کے کام میں لگے ہوئے تمام کارکنوں کی مدد کی ضرورت ہوگی۔ اس کام میں جو بھائی ہاتھ بٹانا چاہتے ہوں ان سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ تعلیمی سنگھ کے دفتر سے خط و کتابت کریں اور الفاظ کو جمع کرنے کے لئے سنگھ سے چھپے ہوئے فارم منگوائیں۔

جو صاحبان اس کام سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ ان کی امداد حاصل کرنے کا ایک اور ذریعہ سوچا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ نئی تعلیم میں کتائی کی اصطلاحوں کے موضوع پر ایک بحث چھیڑ دی جائے۔ کتائی کی اصطلاحوں کی تیاری کے سلسلے میں جو مسئلے سامنے آئیں گے ان پر بھی غور و بحث کی جائے گی۔ نئے لفظوں کی ضرورت، ایک ہی چیز یا نام کے لئے مختلف جگہوں پر مختلف اصطلاحوں کا استعمال ایک ہی لفظ کا مختلف جگہوں پر مختلف استعمال اور اسی قسم کے دوسرے جو مسئلے ہوں گے۔ ان پر سب سے صلاح و مشورہ بھی کیا جائے گا۔

امید کی جاتی ہے کہ بنیادی تعلیم کے تجربے اور کھادی کے کاموں میں جو صاحبان دلچسپی لیتے ہیں وہ اس بحث میں حصہ لیں گے اور سنگھ کی اس کوشش میں اس کا ہاتھ بٹائیں گے۔

کتائی کی اصطلاح کا ایک مسئلہ

(گوز، ڈھونڈھ اور ٹیر)

ہندستانی میں کپاس کے پھل کے لئے گوز، ڈھونڈھ اور ٹیر تین لفظ بولے جاتے ہیں۔ ڈھونڈھ کو ڈھونڑھا اور ڈھینڑھی بھی کہتے ہیں اس بات کا پتہ نہیں چلتا کہ یہ تینوں لفظ ایک ہی معنی میں بولے جاتے ہیں یا ان میں آپس میں کچھ فرق بھی ہے۔ لکھنے اور بولنے والے یہ سمجھ کر کہ ان تینوں کا ایک ہی مطلب ہے۔ تینوں لفظوں کو استعمال کرتے ہیں لیکن اصطلاح تیار کرنے کے نقطۂ نظر سے ایک ہی معنی کے لئے کئی لفظوں کا ہونا ٹھیک نہیں ہے۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ اگر ہو سکے تو ان تینوں لفظوں کے الگ الگ مفہوم مقرر کر دیں۔

کپاس میں جس وقت پھل آنے لگتا ہے، اس وقت وہ ہرا ہوتا ہے اس کچے پھل کے لئے کوئی نام ہونا چاہیئے۔ اس کے بعد کچا پھل پھوٹ جاتا ہے اور وہ اس میں کپاس باہر نکل آتی ہے۔ پھل کی اس کیفیت کے لئے بھی ایک الگ نام ہونا چاہئے۔ جب پھل پھوٹ جاتا ہے تو اس کی کئی پھانکیں ہو جاتی ہیں اور ہر پھانک میں سے کپاس کی ایک ایک لڑی نکلتی ہے۔ اس لڑی کے لئے بھی ایک الگ لفظ کا ہونا ضروری ہے۔ ہمارے خیال میں ان تینوں کیفیتوں کی الگ تشریح کے لئے ترتیب وار گوُلر، ڈھونڈھ اور ٹیر کے الفاظ استعمال کرنے چاہئیں۔

گوُلر کا لفظ خاص طور پر اُومر کے پھل کے لئے بولا جاتا ہے۔ لیکن یو۔ پی میں اسے کپاس کے پھل کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں، گوُلر کے لفظ سے بغیر پھوٹے ہوئے پھل یعنی کپاس کے کچے پھل کا مفہوم نکلتا ہے۔ اس لئے اسے کپاس کے کچے پھل کے لئے استعمال کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے اس مفہوم کے لئے ڈھونڈھ یا ٹیر کے الفاظ نہیں استعمال کرنے چاہئیں۔ گوُلر کی ایک شکل گُلر بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن ہندوستانی زبان کا جھکاؤ مشدد الفاظ کی طرف بہت کم رہتا ہے اس لئے ہمیں "گُلر" کے لفظ کو غلط سمجھ کر چھوڑ دینا چاہیئے۔ یوں بھی بولتے میں "گوُلر" آسانی سے زبان سے ادا ہو جاتا ہے۔ دوسرے لسانیات (زبانوں کا علم) کے نقطۂ نظر سے بھی یہی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

گوُلر کے بعد "ڈھونڈھ" کا لفظ آتا ہے۔ اس لفظ کی آواز ہی پھل کے پھوٹنے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ لہٰذا کپاس کے پھوٹے ہوئے پھل کے لئے اس لفظ کا استعمال مناسب معلوم ہوتا ہے اس لفظ کے بارے میں بڑی گڑبڑ ہے۔ کوئی اسے ڈھونڈھ کہتا ہے۔ کوئی ڈھونڈھا کوئی ڈھینڈھی کوئی ڈونڈا اور کوئی ڈونڈی۔ کچھ لوگ ڈھ اور ڈ کی آوازوں کو ملا کر ایک لفظ بناتے ہیں اور استعمال کرتے ہیں اس گڑبڑ کو دور کر کے کوئی ایک لفظ صحیح تسلیم کر لینا چاہیئے۔ میرے خیال میں تلفظ کا قاعدہ یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے لفظ میں ایک ہی آواز کو دہرا کر بولنا زیادہ آسان اور اچھا ہوتا ہے۔ جیسے ٹم ٹم اسے اگر ٹم ٹھم یا ٹھم ٹم کر دیا جائے ایسے زبان ادا کرنے وقت کسی قدر دقت محسوس کرے گی۔ اس خیال کے پیش نظر ڈھونڈھ کے لفظ میں سے دو طرح کی آوازوں کے میل کو تو ختم کر دینا چاہیئے اب رہ جاتا ہے ڈھونڈھ یا ڈونڈ۔ ڈھینڈھ یا ڈینڈ۔ ڈھونڈھا یا ڈونڈا۔ اور اسی طرح اعراب کے اختلاف کے ساتھ اس کی مختلف شکلیں ہیں ان شکلوں میں کس شکل کو منظور کرنا مناسب ہوگا۔ یہ فیصلہ کرنا ذرا مشکل ہے میرے اپنے خیال میں "ڈھونڈھ" کا لفظ مناسب رہے گا۔

تیسرا لفظ ہے ٹیر۔ اس لفظ کی آواز میں اکہرا پن جھلکتا ہے اور اسی وجہ سے میں اسے کپاس کی پھوٹی ہوئی لڑی کے لئے پیش کرتا ہوں یہ لفظ میرٹھ کے آس پاس کی دیہاتی بولی میں بولا جاتا ہے۔ اس کی بھی "ڈھونڈھ" کی طرح مختلف شکلیں ہیں۔ ٹیر، ٹینٹر اور ٹنیٹ ان تینوں شکلوں میں مجھے ٹیر کا لفظ زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔

اس طرح ان تینوں لفظوں کے ایک ہی چیز کے لئے استعمال ہونے کے باوجود ان کے الگ الگ مفہوم ہو جاتے ہیں۔ ان لفظوں کی تعریف اگر مقرر کر لی جائے تو کپاس کے کچے پھل، پھوٹے ہوئے پھل کی ایک لڑی کے لئے لمبے لمبے جملوں کا سہارا نہیں لینا پڑے اور ہم ایک لفظ کہہ کر اپنا مطلب ادا کر سکیں گے۔

یہ بات یاد رہے کہ یہ تین لفظ عام بحث کے لئے پیش کئے گئے ہیں۔ ہماری نجی رائے جو ان کے متعلق ہے، وہ ہم نے اوپر پیش کر دی ہے۔ اب اگر کوئی صاحب ان کے لئے کوئی اور تجویز لانا چاہئیں تو مہربانی فرما کر "نئی تعلیم" کے اوراق میں پیش کریں۔

(پربھاکر دوان)

بنیادی تعلیم اور کتائی کی خوبصورتی

فروری ۱۹۴۱ء کے پرچے میں شری متی آشا دیوی نے بنیادی تعلیم میں کام کرنے والے صاحبوں کو دستکاری کے کام میں خوبصورتی پیدا کرنے کی جانب توجہ دلائی ہے۔ اس سلسلے میں پٹنہ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ کے ہونے والے استادوں کے امتحان کی رپورٹ سامنے تھی۔ رپورٹ میں خاص طور اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ بنیادی تعلیم کا منشا یہ ہے کہ استاد اور طالب علم دستکاری سے جو چیز تیار کریں وہ زیادہ سے زیادہ خوبصورت ہو۔ خوبصورت کتائی سے ہماری جو مراد ہے، اُسے یہاں ذرا زیادہ پھیلا کر لکھیں گے۔

میں نے یہاں بنیادی تعلیم کے سلسلے میں کتائی کی خوبصورتی کا جو ذکر کیا ہے اُس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ تعلیم کے لئے جو کتائی کی جاتی ہے اس میں اور کمائی کے لئے جو کتائی کی جاتی ہے، اُس میں کوئی بنیادی فرق ہے۔ دونوں طرح کی کتائی کا ایک ہی مقصد ہو سکتا ہے، یعنی بڑھیا سوت۔ جو لوگ صرف مزدوری کے لئے سوت کاتتے ہیں، ان کا سوت بھی اگر موٹا پتلا اور کمزور ہو، تو ان کی مزدوری پر اس کا اثر پڑتا ہے۔ گاؤں میں کتائی کا جو پیشہ بہت پہلے زمانے سے اب تک چلا آ رہا ہے۔ اُس میں بھی کاتنے والے سوت کی اچھائی پر زیادہ سے زیادہ دھیان دیتے ہیں۔

کتائی کی اس صفت کی ایک مثال یہ ہے کہ متھلا (بہار) میں میں چرخہ سنگھ قائم ہونے سے پہلے بھی "کتائی کی طرح کی ایسی کتائی ہوا کرتی تھی اور اب بھی ہوتی ہے۔ جس میں خوبصورتی گویا کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ ایک کوکٹی کپاس کی کتائی اور ایک جینؤ کے لئے تلی کی کتائی۔ دونوں طرح کی کتائی کے لئے بہار کی مقامی کپاس ہی استعمال ہوتا ہے۔ اسے وہ لوگ بڑی احتیاط اور اہتمام کر چنتے ہیں۔ کبھی ادھ سڑی ہوئی کپاس پہلے ہی سے الگ کر دیتے ہیں کوکٹی کپاس کی تنائی بڑی خوبی سے کرتے ہیں اور چونکہ تجربہ ہو گیا ہے اس لئے ان کے کام میں تیزی بھی بہت ہے۔ ادھنے کے موقعے پر کوکٹی کپاس کی تنائی اتنی صفائی کے ساتھ کی جاتی ہے کہ اُسے دھنتے وقت بہت زیادہ چوٹ دینے کی ضرورت نہیں رہتی۔ ایک چھوٹی سی دھنکی پر جس پر موبخ یا تانت کا ڈور لگا ہوتا ہے۔ دھنائی کا کام ہو جاتا ہے۔ کوکٹی کپاس کا سوت کاتتے وقت پُرانے

چرخے کی آواز بہت سریلی ہوتی ہے۔ اور چرخے کی بناوٹ کچھ ایسی ہوتی ہے کہ کاتتے وقت چلانے میں وہ بہت ہلکا رہتا ہے۔ اس طرح جو سوت تیار ہوتا ہے وہ ریشم کی طرح چمکیلا ہوتا ہے اور کوکنی کپاس کے سوت کا بنا ہوا کپڑا سوتی ہونے کے باوجود ریشم کی طرح نرم اور چمکدار ہوتا ہے۔ کوکنی کپاس کاتنے والے چرخے پر تکلے لگاتے ہیں جس سے یہ آسانی ہوتی ہے کہ ٹھوکر لگنے یا کسی اور وجہ سے اگر تکلا ٹیڑھا بھی ہو جاتا ہے تو [illegible] چرخے ہی پر سیدھا کر لیتے ہیں اور [illegible] کسی قسم کی تکلیف نہیں اٹھانی پڑتی۔

[illegible] بانس کی [illegible] اسے [illegible] اس میں بھی [illegible] ہوتا ہے [illegible] لوگ [illegible] کام [illegible] والی کپاس [illegible] کی طرح [illegible] والی نہیں ہوتی اس کی [illegible] پہلے [illegible] کو صاف کر کے لوگ [illegible] ہیں [illegible] ہاتھ سے نہایت نرمی سے ریشوں کی [illegible] بنالیتے ہیں۔ بانس کی تیلیاں جن پر ان [illegible] نہایت آسانی سے بن جاتی ہیں لیکن انھیں بنانے [illegible] آسانی [illegible] عمدہ سوت [illegible] ہے کہ کرنٹی کی پیالی میں رکھ کر ان کو [illegible] جاتا ہے اس طرح تکلی میں کافی رفتار آجاتی ہے اور نہایت ہموار [illegible] سوت نکلنے لگتا ہے [illegible] تکلی کی رفتار دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے [illegible] تکلی [illegible]

[illegible] سوت تیار ہو گیا

کتائی کے [illegible] مختلف طریقے جو اوپر بیان کئے گئے ہیں بنیادی تعلیم کے نقطۂ نظر سے بہت اہم اور مفید ہیں اور بنیادی تعلیم کے طالب علموں کے [illegible] کی چیزیں ہیں۔ اگر طالب علم ان طریقوں کے علمی پہلو پر غور [illegible] اور [illegible] پر عمل کرنے کی کوشش کریں تو [illegible] ان کی نشو و نما کے لئے کافی سامان حاصل ہو سکتا ہے [illegible] بات یہ ہے کہ یہ طریقے اس قدر سادے ہیں کہ نازک اور معصوم بچے بھی ان پر آسانی سے عمل کر سکتے ہیں۔ منگلا میں ایک [illegible] وہاں تین تین سال کی لڑکیاں بڑی خوبی سے کپاس کے ریشوں کو بیج سے الگ کر لیتی ہیں ۱۹۲۵ء میں [illegible] ایک صاحب منگلا تشریف لائے تھے وہ ایک چھ سال کی لڑکی کو تکلی پر باریک کتائی کرتے دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔

ان سب باتوں کا نچوڑ یہ ہے کہ کام خواہ کتنا ہی کم کیوں نہ ہو لیکن جو ہو خوبصورتی اور [illegible] ہو۔ تعلیمی اعتبار سے تو اس کی خوبصورتی [illegible] ہے۔ اگر بنیادی اسکولوں سے گھٹیا درجے کی چیزیں تیار ہو کر نکلیں تو سمجھ لینا چاہیئے کہ ہم نے ایک بنیادی تعلیم کے بنیادی اصول ہی کو نہیں سمجھا ہے۔ میرا تو یہ خیال ہے کہ جب تک ہم اس اصول کو اپنے سامنے نہیں رکھیں گے [illegible] اس وقت تک بنیادی تعلیم کا کام آگے بڑھ ہی نہیں سکے گا۔

شری لکشمی نارائن

سکریٹری - چرخہ سنگھ (شاخ بہار)

کھادی کے کام کے ذریعے تعلیم

(شری [illegible] نے [illegible] میں [illegible] اور [illegible] میں ایک [illegible] مدرسہ میں پڑھاتے تھے۔ ادھر چھ سال سے [illegible] کے مقام پر کھادی کا کام کر رہے ہیں [illegible] ہے جہاں گاندھی جی نے نمک کا قانون توڑا تھا۔ جس کھیت میں ان کی جھونپڑی تھی اسی جگہ [illegible] اپنا کام کرتے ہیں [illegible] دیوان جی کام کھادی کا کر رہے ہیں لیکن اس کام میں بھی ان کی نظر تعلیم پر رہتی ہے۔ انھوں نے اپنے کام کی [illegible] تیار کی ہے۔ اس میں ایسی باتیں ہیں جو بنیادی تعلیم کا کام کرنے والوں کے لئے بہت کارآمد ثابت ہوں گی۔ [illegible] پہلو جس میں اس حقیقت کا [illegible] تعلیم [illegible] بنیاد [illegible] پر ہو۔ تجربہ کیا گیا ہے ہم سب کے لئے نہایت اہم اور قیمتی ہے۔)

(ادارہ)

آج کل یوں تو میرا کام کھادی تیار کرنے کا ہو گیا ہے لیکن اس کام میں میری نظر تعلیمی [illegible] ہے اور [illegible] میں اپنے تعلیمی تجربے کا ایک جزو سمجھتا ہوں اور [illegible] اسی نظریہ کا یہ فیض ہے کہ مجھے اپنے کام سے بے حد دلچسپی ہے۔ تجربے میں آ کر میرا یہ یقین روز بروز پختہ ہوتا جاتا ہے کہ آج کل کی ضرورت حالات کے پیش نظر ہندوستان کے لئے چرخہ ہی لوگوں کی تعلیم کا مفید ذریعہ ہے۔ بچہ، لڑکا، لڑکیاں اور خود عام [illegible] کسی کی تعلیم کا سوال کیوں نہ ہو۔ اس کی مکمل نشو و نما کے لئے اچھے سے اچھا سامان چرخے اور چرخے کے تمدن میں بہت بڑی مقدار میں موجود ہے۔ میرے نزدیک تو یہ نظریہ میرے تجربہ کا نچوڑ ہے۔

میرا کام، میری کٹیا اور میری کھادی کے کارخانے دونوں جگہ یکساں رہتا ہے۔ کٹیا میں میرے ساتھ [illegible] ۹ لڑکے رہتے ہیں میری کوشش یہ ہوتی ہے کہ میں آشرم کی زندگی ان لڑکوں کے ساتھ مل جل کر بسر کروں۔ کھادی کا کارخانہ تو گاؤں کے لئے کھادی تیار [illegible] کی جگہ ہے لیکن میں اپنی کٹیا کو اپنا مدرسہ سمجھتا ہوں۔ میرے خیال میں تعلیم دینا اور تعلیم حاصل کرنا دونوں ایک ہی تجربے کے مختلف پہلو ہیں۔ اور اس لئے دونوں کام ایک دوسرے کے [illegible] سہارے پر چلتے ہیں۔ اکثر بھائیوں کے لئے غالباً یہ بات سمجھنی مشکل ہو کہ میں کٹیا اور کارخانے میں تعلیم کا کون سا کام کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اسی مشکل کو دور کرنے کے لئے میں اپنی کٹیا کے [illegible] پروگرام کا تھوڑا سا حال بیان کرنا ضروری

سمجھتا ہوں۔

ہماری کٹیا کا روزانہ کام اس طرح چلتا ہے :- میرے ساتھ رہنے والے لڑکوں میں سے چھ لڑکے ایسے ہیں جو دن رات میرے ساتھ ہی رہتے ہیں، صرف کھانا کھانے کے لئے اپنے گھر جاتے ہیں۔ اس لئے مجھے ان کے لئے کوئی خرچ نہیں اٹھانا پڑتا بلکہ روشنی کے لئے ان سے ۴ روپئے کس ماہوار لیا جاتا ہے۔ کٹیا کے سارے کام - جھاڑو دینا - چراغ بتی کا انتظام کرنا پانی بھرنا - پاخانے صاف کرنا، ہم لوگ باری باری سے خود ہی کرتے ہیں کھادی کے کارخانے کے لئے ہمیں روزانہ آٹھ دس گھنٹے دینے پڑتے ہیں، اس کے بعد صبح و شام دعا سے فارغ ہونے کے بعد ڈیڑھ پونے دو گھنٹے ہم سب کاتتے ہیں۔ اس سال گاؤں میں ملیریا کا بہت زور تھا اور اسی وجہ سے اس سال میری مرضی کے مطابق کتائی کا کام نہ ہو سکا۔ لیکن اس کے باوجود ہم دسوں کی کتائی کی مزدوری ۹۹ روپے کے لگ بھگ تھی۔ اس میں سے ۸۲ روپے کی کتائی تو میری اپنی محنت کی تھی اور باقی ۲۰ روپیہ کی کتائی ۹ لڑکوں کی تھی

ہماری روزانہ کی زندگی کے اس پروگرام میں تعلیم کا جو پہلو چھپا ہوا ہے میں اسے ذرا واضح طور سے بیان کروں گا۔ سچی تعلیم کے بارے میں میرے خیالات کچھ اس طرح کے ہیں :-

(۱) تعلیم دی نہیں جاتی بلکہ خود ہی حاصل ہو جانے والی چیز ہے۔ اس نظریئے کے تحت میرے نزدیک تعلیمی اسکیم اس انداز کی ہونی چاہئے جس سے بچوں کو یہ محسوس نہ ہونے پائے کہ انھیں کچھ "سکھایا" جا رہا ہے اور نہ خود استاد یہ سمجھیں کہ وہ بچوں کو کچھ "سکھا" رہے ہیں۔

(۲) اس نظریئے کو مان لینے کے بعد کسی بنے بنائے طریقے (نصاب، یا ٹائم ٹیبل) کے کوئی معنی نہیں رہتے۔ زندگی کے ہر شعبے میں اور ہر قدم پر تعلیم کا جو مسالہ موجود ہے، اسی کے ذریعے سچی تعلیم مل سکتی ہے۔ یہی وہ چیز ہے جسے میں بنیادی تعلیم کا راز سمجھتا ہوں

(۳) بچپن ہی سے ہر فرد کے اندر کچھ پوشیدہ قوتیں موجود ہوتی ہیں ان قوتوں کا باہر آنا قدرتی بات ہے تعلیم کا کام صرف یہ ہے کہ ان قوتوں کے پھوٹنے میں جو دشواریاں، یا رکاوٹیں پیدا ہوں انھیں دور کر دیا جائے اور ان قوتوں کے پھیلاؤ کے لئے انھیں زیادہ سے زیادہ موقع مل سکے۔

میں اپنے طالب علموں کے ساتھ انہی اصولوں کو سامنے رکھ کر کام کرتا ہوں۔ تعلیم سے میرا مقصد یہ ہے کہ ان قوتوں کی نشو و نما میں کوئی رکاوٹ نہ ہو اور اس نشو و نما کا موقع طالب علم کو اس کی روزانہ کی زندگی ہی میں میسر آ جایا کرے۔ اسی مقصد کی کامیابی کے لئے میں ہمیشہ بیدار اور ہوشیار رہنے کی کوشش کرتا ہوں۔

نشو و نما سے میری جو مراد ہے، میں اسے صاف کر دینا چاہتا ہوں۔ نشو و نما کے دو پہلو ہیں۔ سمجھ بوجھ (شعور) کی نشو و نما اور مختلف پوشیدہ قوتوں کی نشو و نما۔ ان دونوں قسموں کی نشو و نما بچے کو اس کی روزمرہ کی زندگی ہی سے مل سکتی ہے۔ بچہ جو بھی کام کرے اس میں صفائی، باقاعدگی اور لگن ہونی چاہئے۔ جسمانی محنت کا شوق ہو۔ کام کرتے وقت سستی اور ڈھیلا پن نہ ہو۔ چیزوں کے ٹھیک استعمال اور ان کی حفاظت کا احساس ہو اور پیسہ، وقت اور سامان کو احتیاط اور سمجھ کے ساتھ خرچ کرنے کا سلیقہ ہو۔

ان کے ہر کام میں ہوشیاری اور ترقی کی کوشش رہے۔ ان میں علمی نظر پیدا ہو اور ان کے کام کرنے کا طریقہ صحیح اور با سلیقہ ہو۔ ان کے دماغ میں اپج ہو، اور نئے کاموں کو ہاتھ میں لینے کی طاقت۔ کام کے وقت میں دوسروں سے مل کر اپنی اور دوسروں کی طاقت اور وقت کو منظم کر کے آگے بڑھنے کی صلاحیت ہو، ہر بات میں اپنا ہی بھلا دیکھنے اور اپنی ذات کے لئے دولت جمع کرنے کی ذہنیت کے بجائے خدمت اور ایثار کا جذبہ ہو۔ یہی وہ تعلیم ہے جسے میں دستکاری کے ذریعے دی جانے والی تعلیم سمجھتا ہوں۔

ان رجحانات اور ان قوتوں کی نشو و نما کے لئے میں اپنی کٹیا اور کھادی کے کارخانے دونوں کو تعلیم کا ذریعہ سمجھتا ہوں اور محبت کو اس سارے تعلیمی تجربے کی بنیاد۔ میں کام کرنے اور کام لینے کے لئے صرف محبت اور سمجھانے کا سہارا لینے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس طرح کام لینے کی کوشش میں میں نے دیکھا ہے کہ مجھے اپنی زندگی اور معاملات میں ہمیشہ ہوشیار رہنا پڑا ہے، اور جس وقت کام کے کسی پہلو میں گڑبڑ آ جاتی ہے، یا جس طرح ہم نے سوچا تھا اس کے مطابق کام نہیں ہوتا، اس وقت غصہ یا ناراضی کو راہ نہ دے کر پہلے سے زیادہ اطمینان، محبت، سنجیدگی اور احتیاط سے کام کرنے اور کام لینے کی کوشش کرنی پڑتی ہے۔ میرے کام کی اصل رکاوٹ اور وقت صرف یہ ہے کہ طبیعت کا یہ رجحان اور اطمینان کی کیفیت کس طرح حاصل کی جائے۔

اسی مسئلے پر سوچ بچار کرتے وقت مجھے ہدایت کی جو تھوڑی بہت روشنی حاصل ہوئی ہے۔ اسے میں یہاں نہایت عاجزی اور انکسار کے ساتھ پیش کرتا ہوں۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ جو استاد محبت سے کام کرنا چاہے اسے سب سے پہلے یہ تعلیم ملنی چاہئے کہ وہ کام کے نتیجے کے لالچ سے آزاد ہو جائے۔ انسان جو غصے، ناراضگی اور بے چینی کے جال میں پھنس جاتا ہے۔ طبیعت کا سکون کھو بیٹھتا ہے اور آخر میں اپنا کام بھی بگاڑ لیتا ہے یہ سب نتیجہ ہے اسی کام کے صلے کے لالچ کا۔ دوسرا جو سبق مجھے ملا ہے یہ ہے کہ استاد کو اس اندیشے کی طرف سے ہمیشہ باخبر رہنا چاہیے کہ کہیں اس کی ذات بچے کی قدرتی نشو و نما میں رکاوٹ نہ ثابت ہو یا وہ طالب علم سے کام لینے کے دوران میں اس کے اوپر کسی قسم کا جبر نہ کر بیٹھے۔ یہ مانا کہ ہر کام میں شروع ہی سے خوشی کا محسوس ہونا ہمیشہ ممکن نہیں ہے لیکن طالب علم سے کوئی کام کیوں نہ ہو اسے مجبور کر کے نہیں لینا چاہیے۔ اگر کسی کام میں بچہ پہلے دلچسپی نہ لے یا اس کی طرف بد دلی کا اظہار کرے تو اس سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ جب بچہ سمجھ جائے گا کہ اسی کام میں اسے آزادی حاصل ہے اور اس سے وہ ترقی کر سکتا ہے تو وہ خود اپنی بد دلی کو دلچسپی میں بدلنے کی کوشش کرے گا اور اسی کوشش میں اسے مدد دینا استاد کا کام ہے۔ آگے چل کر جب بچہ اپنے ایک فرض کو پورا ہوتا ہوا دیکھے گا تو اسے خوشی ہوگی اور اس کام سے اس کے دل میں محبت بھی پیدا ہو جائے گی۔

مختصر یہ کہ میں طالب علم کے ارد گرد ایسا ماحول پیدا کرنے کی کوشش میں رہتا ہوں جس میں بچے کی آزادانہ نشو و نما ہو سکے۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ میں اپنے اس تجربے میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں۔ البتہ اتنا جانتا ہوں کہ میرے طالب علموں کو اپنے کام سے خوشی ہوتی ہے ہم استاد اور طالب علموں میں آپس میں میل محبت ہے اور ہمارا یہ یقین ہے کہ ہم جس راستے پر چل رہے ہیں، وہ صحیح ہے۔ یہی یقین ہے جو اس تجربے میں ہر قدم پر میری ہمت بڑھاتا رہتا ہے۔ (دل خوش دوان جی)

بنیادی اسکولوں کے متعلق حکومت اڑیسہ کا فیصلہ

مجھے حکومت اڑیسہ کے ہوم ڈپارٹمنٹ کے اس حکم کا علم ہوا ہے جس میں اس صوبے کے پندرہ بنیادی اسکولوں کو بند کر دینے کے فیصلہ کا اعلان کیا گیا ہے۔

میں اس کے متعلق صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ فیصلہ بیحد غیر دانشمندانہ اور گمراہ کن ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حکومت نے بڑی کاوش کے ساتھ یہ بیان کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس نے اس اسکیم کو صرف ایک تجربے کی حیثیت سے اپنے یہاں جاری کیا تھا۔ اس کے نزدیک چونکہ یہ تجربہ ناکام رہا ہے اس لئے اس کا جاری رکھنا صوبے کے بہترین مفاد کے خلاف ہے۔ میرے خیال میں حکومت نے جس تجربے کو شروع کیا تھا اس کے ختم ہونے سے پہلے ہی یہ فیصلہ کر کے بڑی جلد بازی سے کام لیا ہے۔ اس تجربے کے جن ابتدائی مراحل یعنی بنیادی تعلیمی مجلس مشاورت کے قیام اور استادوں کی تیاری کے انتظام کی ضرورت تھی ان سے گزر جانے کے بعد حکومت نے تجربہ کو ابھی پچھلے سال فروری ۱۹۴۳ء میں شروع کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ یہ فیصلہ بڑی احتیاط اور بڑے سوچ بچار کے بعد کیا گیا تھا جبکہ تمام مسائل پر باضابطہ طور پر غور ہوا تھا۔ حکومت کا پہلا ارادہ جو اس نے اسکول کھولنے کے متعلق کیا تھا بعد کو نظرثانی کے بعد بدل بھی گیا تھا اور وہ اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ بہتر یہ ہوگا کہ ابتدا میں یہ تجربہ چھوٹے پیمانے پر کیا جائے۔ اس لحاظ سے شروع میں ۱۵ بنیادی اسکول جن میں سے ۵ سات درجوں تک کے ہوں اور ۱۰ چار درجوں تک کے قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ فیصلہ ۲۰ فروری ۱۹۴۳ء کا ہے۔ ان نئے اسکولوں کے لئے جنہیں حکومت نے قائم کیا تھا، استادوں کا تقرر مارچ ۱۹۴۳ء میں ہوا جبکہ مئی ۱۹۴۳ء میں استادوں کی تعلیم ختم ہو گئی۔ جولائی میں سیلاب آگیا جس کی وجہ سے نظام میں بہت بے ترتیبی اور گڑبڑی واقع ہوئی۔ دسمبر ہی میں ان سات درجوں اور چار درجوں والے بنیادی اسکولوں کے تجربہ کی قسمت کا فیصلہ کر دیا گیا۔ اس سے قبل جب بنیادی تعلیم کے بورڈ نے دوسرے درجے کھولنے کے لئے انتظامات کرنے چاہے تو ڈائرکٹر تعلیمات نے ان کی ۲۰ نومبر ۱۹۴۳ء کی چٹھی کے جواب میں انھیں ہدایت کی کہ بغیر حکومت کی باضابطہ اجازت کے نہ تو دوسرا درجہ کھلوایا جائے اور نہ ان پندرہ اسکولوں کے لئے ہنرمند استادوں کا تقرر کیا جائے تاکہ اسی حالت میں حکومت نے کسی آئندہ حکم کے متعلق نیا فیصلہ کر لیا جائے۔ ۲۹ جنوری ۱۹۴۴ء کے حکمنامے سے اور پھر ۹ فروری ۱۹۴۴ء کے کمیونکے سے حکومت کے اس منشاء کی تصدیق ہوئی جس میں اس فیصلہ کا اعلان کیا گیا ہے کہ یہ پندرہ بنیادی اسکول اور ٹریننگ اسکول بند کر دیئے جائیں گے۔ مئی سے دسمبر تک کی مدت یقیناً اتنی کم ہے کہ اس میں ان اسکولوں کی کامیابی یا ناکامی کے متعلق فیصلہ صادر کرنا صحیح نہیں ہے جو سات سال یا چار سال گزر جانے کے بعد ہی اصلی حالت میں آسکتے تھے۔

یہ خیال کہ حکومت کا اصل ارادہ یہ تھا کہ وہ اس تجربے کو ایک سال تک چلا کر ایک ایسی تعلیمی اسکیم کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ کرے گی جس کی مدت ۷ سال کی ہے، اس قدر مہمل ہے کہ اس پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔

آگے چل کر اس حکم میں گورنمنٹ نے فیصلہ کو یہ کہہ کر حق بجانب ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس بات کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ بنیادی اسکول کہیں ہوتے ہوتے نرے کتائی کے مدرسے بن کر نہ رہ جائیں اور آگے یہ کہ اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اڑیسہ کے باشندوں کے لئے کسی اس سے زیادہ زندگی بخش ذریعہ تعلیم کی ضرورت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ حکومت کی مراد زندگی بخش ذریعہ تعلیم سے درجے میں میٹھے بیٹھے اور رٹنا سکھانے والے ذریعہ تعلیم کی طرف اشارہ نہیں ہے۔ جس صوبے میں اس قسم کے بٹھا کر رٹانے والے ہزاروں اسکول ہوں وہاں ان پندرہ کتائی کے اسکولوں کے وجود کا تصور کچھ زیادہ اندیشہ ناک نہیں۔ لیکن اس خیال سے کہ اس بارے میں کسی قسم کا مغالطہ نہ پیدا ہو، میں ایک بات صاف کر دینا چاہتا ہوں کہ اس اسکیم کے تیار کرنے والوں نے بار بار اس چیز پر زور دیا ہے کہ بنیادی اسکولوں کے لئے دستکاری ذریعہ تعلیم کے طور پر بچے کے ماحول کا پورا پورا لحاظ رکھ کر منتخب کی جانی چاہئے۔ بنیادی قومی تعلیم کی کمیٹی کی پہلی رپورٹ میں خود کتائی اور بنائی کے ساتھ ساتھ دوسرے بنیادی حرفوں کے متعلق یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں:—

"بڑھئی کا کام، کھیتی، پھلوں اور سبزی کی باغبانی، چمڑے کا کام اور دوسرے حرفے جو مقامی اور جغرافیائی اعتبار سے مناسب ہوں، چنے جا سکتے ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ وہ حرفے تعلیم کے امکانات سے بھرپور ہوں اور انسان کے مفادات اور اس کی دلچسپیوں سے اس کا قدرتی طور پر ربط اور میل ہو۔"

اگر کسی وجہ سے حکومت اڑیسہ کتائی کے کام کو تعلیمی نقطۂ نظر سے کارآمد نہیں سمجھتی تھی اور اسے ذریعہ تعلیم بنانے سے اتفاق نہیں رکھتی تھی تو وہ بڑی آسانی سے کسی ایسے حرفے کا انتخاب کر سکتی تھی جسے وہ صوبے کے باشندوں کے لئے کتائی کے مقابلہ میں زیادہ مفید سمجھتی اور اس کے بعد اس میں استادوں کی ٹریننگ کا انتظام کرتی۔ بعض دوسرے صوبوں میں گورنمنٹ کی طرف سے قائم کئے ہوئے سنٹروں میں استادوں کو تعلیم دی جا رہی ہے۔ لیکن کیا کتائی واقعی اتنی خراب چیز ہے؟ کیا اڑیسہ کے ان پندرہ اسکولوں میں کہیں سے یہ مثال مل سکتی ہے کہ وہاں کے بچے کتائی کے کام سے بیزار ہوں یا بنیادی حرفے کے طور پر جاری تھی دلچسپی نہیں لیتے تھے؟ کیا اس کام سے بچوں یا ان کے سرپرستوں کی کوئی شکایت موجود ہے؟ اور کیا یہ اسکول واقعی صرف کتائی کے اسکول ہو کر رہ گئے تھے؟ میں نے اس بارے میں بہت سے مقتدر لوگوں کی رائیں پڑھی ہیں جن میں سے چند تو سرکاری حیثیت سے خود اڑیسہ گورنمنٹ سے متعلق ہیں اور ان کی رائیں پڑھ کر میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ حکومت نے اپنے کمیونکے میں جن خطرات کا اندیشہ ظاہر کیا ہے اس میں وہ کہاں تک حق بجانب ہے۔

سب سے آخر میں لیکن بڑی شد و مد کے ساتھ بنیادی تعلیم کے اس پہلو کو نشانہ بنایا گیا ہے کہ یہ اسکیم اپنا تعلیمی خرچ خود اٹھا سکتی ہے۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ کم سے کم حکومت اڑیسہ نے اس پہلو کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ بیشتر حکومتوں اور دوسرے صاحبان نے جو بنیادی تعلیم سے متعلق نہیں ہیں، بنیادی تعلیم کے اس پہلو کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کی ہے اور بنیادی تعلیم کا کام کرنے والوں کو مشورہ دیا ہے کہ اس پہلو پر غیر معمولی زور نہ دیا جائے۔ اب کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان صاحبان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اس پہلو کی ...

کے بغیر بنیادی تعلیم کو زندہ رہنے کا موقع ہی نہیں دینا چاہتے۔ لیکن مطمح نظر کی اس مفید تبدیلی سے قطع نظر کر کے میں چاہتا ہوں کہ اس معاملے میں بیسک ایجوکیشن کمیٹی کے نظریے کا اعادہ کر دوں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ تعلیمی اسکیم جسے انھوں نے تیار کیا ہے، اپنی جگہ پر بہت مناسب ہے اور خواہ وہ اپنا بار آپ اٹھانے کے قابل نہ بھی ثابت ہو، پھر بھی اُسے اس حیثیت سے تسلیم کر لینا چاہئے کہ وہ ایک ایسی تعلیمی پالیسی ہے جو زمانہ کے لحاظات بھی بہت موزوں ہے اور تعلیمی پالیسی اور قومی تعمیر کا ایک ذریعہ بھی بن سکتی ہے اور یہ ایک حسن اتفاق ہے کہ اس اچھی تعلیم میں اپنے اخراجات کا ایک بڑا حصہ برداشت کرنے کی صلاحیت بھی موجود ہے۔ مختلف لوگوں نے اس خیال کو مختلف انداز سے سمجھا ہے۔ لیکن کسی بڑے سے بڑے ماہر نے بھی ہم پر یہ الزام نہیں لگایا ہے کہ ہمارے عقیدے کے مطابق پہلی جماعت کے سات سات سال کے بچے اپنے اسکول کو خود کفیل بنانے میں کامیاب ہو سکیں گے اور اگر وہ اس میں ناکام رہیں تو اسکول کو ختم ہو جانا چاہئے۔ خود کمیونکے کے خیال کے مطابق اسکیم کو "بہ حیثیت مجموعی خود کفیل ہونا چاہئے"۔ حکومت نے پہلے درجہ میں چند مہینوں تک اس کا تجربہ کیا ہے اور اس تجربہ کی بنا پر اس نے اسکیم کے "بہ حیثیت مجموعی" خود کفیل ہونے کی حقیقت سمجھ لی۔ اور اس کی بنا پر اس کے متعلق اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔

آمدنی اور خرچ کی کیفیت صحیح ہے

حکومت نے اسکیم کی جو سب سے بڑی خرابی ثابت کی ہے وہ یہ ہے کہ ان پندرہ اسکولوں کی آمدنی آمدنی کے اس اندازے سے کم ہے جو بنیادی قومی تعلیم کی رپورٹ میں تجویز کیا گیا ہے۔ لیکن یہ بھی پورے طور پر ثابت نہ ہو سکی۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ آمدنی کا جو اندازہ رپورٹ میں دیا گیا ہے اسی کی قسم کھالی جائے مگر پھر بھی کمیٹی والے اس معاملے میں بہت بڑی حد تک حق بجانب ثابت ہوئے ہیں۔ رپورٹ میں جو اندازہ لگایا گیا ہے وہ صاف اور نمایاں طور پر اس حساب کو سامنے رکھ کر لگایا گیا ہے کہ کام کے ۲۸۸ دن ہوں گے اور روزانہ اس کے لئے ۳ گھنٹے ۲۰ منٹ وقت دیا جائے گا۔ اس حساب سے پہلے درجے کی آمدنی پہلے ۱۴۴ دنوں میں فی بچہ ۸؎ ہو گی اور بقیہ ۱۴۴ دنوں میں ۱۲؎۔ اگر کام کے گھنٹے اور دن کم کر دیئے جائیں یا کام میں وقت اور نظام کی پابندی نہ کی جائے تو جو لوگ کام میں مہارت پیدا کرنے کے رازوں سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ آمدنی میں اسی تناسب سے کمی نہیں پڑے گی جس تناسب سے وقت اور مدت میں کمی ہوئی ہے بلکہ اس سے زیادہ کمی واقع ہو جائے گی، اڑیسہ کے اسکولوں نے ۱۵۴ روز تک کام کیا اور روزانہ کام کا وقت نصاب کے مقرر کئے ہوئے وقت کا نصف تھا۔ اس کے علاوہ ان کے کام میں سیلاب کی وجہ سے بری طرح گڑبڑی بھی پیدا ہو گئی تھی۔ پھر خود کمیونکے کا اعتراف ہے کہ ان کی آمدنی کا اوسط فی بچہ کے حساب سے پڑا تھا گویا قریب قریب بالکل اتنا ہی جتنا مقرر کئے ہوئے حساب کے مطابق کام کرنے سے امید کی جا سکتی تھی۔

کمیونکے میں حکومت مدراس کے اس تجربہ کو جاری نہ کرنے کی طرف جو اشارہ کیا گیا ہے اس سے میں بالکل متاثر نہیں ہوا۔ ہاں مدراس کی حکومت نے بنیادی تعلیم کو اپنے یہاں جاری نہیں کیا۔ مگر اڑیسہ حکومت نے اسے اپنے یہاں شروع کیا۔ اور اس قابل نہ ثابت نہ ہو سکی کہ اُسے انجام تک پہنچا سکے اور اب بے بنیاد دلائل کا سہارا لے کر اس سے منہ پھیرنا چاہتی ہے۔

رہا یہ معاملہ کہ اڑیسہ کی حکومت اس تعلیمی نظام کی قدر و قیمت کا اندازہ دوسروں کے تجربوں کو دیکھ کر لگانا چاہتی ہے تو اس کے متعلق میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ لوگ جو کسی چیز کے تجربے کے لئے دوسروں پر بھروسہ کرتے ہیں، اپنے عمل کے خطرات اور اندیشوں کے خود ذمے دار ہوتے ہیں۔ تعلیم ایسی چیز نہیں ہے جس کی نقل رات کی رات اتاری جا سکے۔ یہ ترقی کی طرف بڑھتی ہے اور اس میں وقت لگتا ہے لیکن صرف آٹھ مہینے نہیں۔

ڈاکٹر ذاکر حسین

بنیادی تعلیم کی دوسری کانفرنس

۱۱، ۱۲، ۱۳ اور ۱۴ اپریل کو جامعہ نگر دہلی میں بنیادی تعلیم کی دوسری کانفرنس کا ہونا طے پایا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بنیادی تعلیم کی چھوٹی سی نمائش کا بھی انتظام کیا جائے گا۔ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کو جو آج بنیادی تعلیم کا کام کر رہے ہیں یا جو اس نئی تحریک سے دلچسپی رکھتے ہیں اس کانفرنس اور نمائش میں شرکت کی دعوت دی جاتی ہے۔

اس کانفرنس میں خاص طور پر بنیادی تعلیم کے عملی سوالوں پر بحث کی جائے گی۔ کانفرنس کا ایک عارضی پروگرام نیچے دیا جاتا ہے۔

۱۱ر اپریل۔ شام۔ کانفرنس کا افتتاح

۱۲ر اپریل۔ صبح۔ ۱۔ نمائش کا افتتاح

۲۔ پچھلے دو سالوں میں بنیادی تعلیم کی ترقی کی رپورٹ

شام۔ بنیادی تعلیم کے استادوں کی ٹریننگ پر بحث

۱۳ر اپریل۔ صبح۔ بنیادی تعلیم کے نصاب اور طریقہ تعلیم پر بحث

شام۔ "بنیادی اسکولوں کے کام پر بحث"

۱۴ر اپریل۔ صبح۔ "بنیادی تعلیم میں آرٹ کی جگہ" اور نئی بنیادی دستکاریوں پر بحث

۱۴ اپریل شام ۔ کانفرنس کی تمام بحثوں کا نچوڑ اور آخری بحث اس کے علاوہ بنیادی تعلیم کے مختلف پہلوؤں پر کچھ تقریروں کا بھی انتظام کیا جائے گا ۔

جو حضرات کانفرنس اور نمائش میں حصہ لینا چاہتے ہیں یا ان کے متعلق کچھ مشورے بھیجنا چاہتے ہیں وہ براہ مہربانی سکرٹری ہندستانی تعلیمی سنگھ، سیوا اگرام ضلع وردھا سے خط و کتابت کریں

سکریٹری ہندستانی تعلیمی سنگھ
سیوا اگرام، وردھا

فہرست مضامین

[illegible]

نئی تعلیم

جلد ۳، نمبر ۴ | دہلی، اپریل سنہ ۱۹۴۱ء | قیمت سالانہ عہ/

چھوٹا دیہاتی اسکول

ہم نے یہ بات مان لی ہے کہ اگر ہم ہندوستان کے دیہات کے بچوں کے لئے ایک ایسی تعلیمی اسکیم بنانا چاہتے ہیں جو ان کے سماجی ماحول سے ملتی جلتی ہو تو سب سے پہلے ہمیں یہ سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ ان کا سماجی ماحول کیا ہے۔ اسے سمجھنے کے لئے ہمیں اپنے دل اور دماغ دونوں سے کام لینا پڑے گا اور ایسی صورت میں ہمارا یہ مطالعہ ہماری زندگی کا ایک پہلو بن کر بچوں کی تعلیم کا ایک صحیح ذریعہ بن سکے گا۔

آدمی کی زندگی کا زیادہ حصہ تو سماج کے رجحانات کا ہی ایک حصہ ہے۔ اسی لئے بہت پرانے زمانے سے بچوں کو سماج کا ایک کامیاب ممبر بنانا تعلیم کا ایک خاص مقصد سمجھا گیا ہے۔ تمام پرانی تہذیبوں کی تاریخ میں ہم دیکھتے ہیں کہ تعلیم کے اس سماجی پہلو پر کافی زور دیا گیا ہے اس کی سب سے اچھی مثال تو چین کی پرانی تہذیب میں پائی جاتی ہے۔ ملک چین کے ایک پرانے استاد کنفیوشس کا ایک قول یہ ہے کہ:-

"تعلیم کیا ہے؟ سب چیزوں کے بارے میں سچ کی تلاش ہی ہے۔ سچائی حاصل ہونے پر تعلیم پوری ہوتی ہے۔ تعلیم پوری ہونے سے ہم ٹھیک ٹھیک سوچ سکتے ہیں۔ ٹھیک ٹھیک سوچنے سے ہی طبیعت کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اسی طبیعت کے اطمینان سے روحانی خوشی ممکن ہے۔ روحانی خوشی سے گھریلو زندگی میں آرام اور سکون نصیب ہوتا ہے۔"

اور گھریلو زندگی میں آرام اور اطمینان ہونے سے سارے ملک کو آرام اور اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ گھریلو زندگی میں آرام اور اطمینان ہی اس وقت تعلیم کا آخری مقصد تھا۔

اسی طرح موجودہ سوویٹ روس میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر ایک بچے کو سماج میں اپنی ذمہ داری اٹھانے کے لئے اور اپنی کوشش سے سماج کو اور آگے لے جانے کے لئے تیار کرنا ہی استاد کا سب سے بڑا کام سمجھا جاتا ہے۔ یہ سماجی تعلیم ان کی ساری تعلیم کا ایک خاص حصہ ہے۔

لیکن اگر اس تعلیم سے ہمارا مقصد بچوں کی پوری تربیت ہے تو ہم یہ نہیں بھول سکتے کہ بچوں کی اس سماجی زندگی کے علاوہ اس کی اپنی ایک زندگی اور اپنی ایک شخصیت ہے۔ تعلیمی نقطۂ نظر سے بچوں کی اس آزاد شخصیت کی بہت قیمت ہے کیونکہ اسی آزاد شخصیت کی ترقی سے شاعر، فن کار، فلسفی اور عالم تیار ہوتے ہیں۔ اور جس سماج میں تعلیم کے دوران میں اس آزاد شخصیت کی ترقی کے لئے کافی موقع نہیں ملتا وہ سماج آہستہ آہستہ مردہ ہو جاتا ہے۔ اس میں اونچے درجے کی صلاحیت بہت کم ہوتی ہے۔

آج ہم اپنے ملک کے بچانے کے لئے تعلیم کی ایک نئی اسکیم کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں۔ ہمارے سامنے تاریخ کا یہ سبق موجود ہے کہ جہاں کہیں تعلیم کے ان دونوں پہلوؤں میں سے ایک پہلو پر خاص زور دیا گیا ہے اور دوسرے کو پیچھے رکھا گیا ہے وہاں آخر میں جا کر اس کا اثر ملک کی ساری زندگی پر پڑا ہے۔ اس لئے آج ہماری کوشش یہی ہونی چاہیے کہ اپنے بچوں کو ہم ایسی تعلیم دیں کہ وہ اچھے شہری بنیں اور ساتھ ساتھ ان کی آزاد شخصیت کو ترقی کا پورا پورا موقع ملے۔

ایک چھوٹے سے دیہاتی اسکول میں یا ایک معمولی دیہاتی استاد کے پاس شاید ہی اتنی طاقت یا ایسا ذریعہ ہو کہ وہ سب بچوں کی مختلف ضرورتوں کو پورا کر سکے یا انھیں ظاہر ہونے کا موقع دے سکے۔ لیکن اس کے لئے سب سے زیادہ ضرورت ہے ایک موافق ماحول کی جہاں کسی طرح کا دباؤ نہ ہو۔ اگر استاد چاہیں تو ایسا ماحول چھوٹے دیہاتی اسکولوں میں آسانی سے پیدا کر سکتے ہیں۔ معلم کا اصلی کام بچوں کو ترقی کا موقع دینا اور ان کی طاقت کے مطابق اس شکل میں مدد پہنچانا ہے۔ یہ وہ اسی صورت میں کر سکتے ہیں جب وہ ہر ایک بچے کی خاص ضرورتوں کو سمجھیں اور اس طرح سے سمجھنے کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک ہمدردی اور دوسرے ہر ایک بچے کا الگ الگ باقاعدہ طریقے سے سمجھنا۔ یہ کہنا تو آسان ہے لیکن اسے عمل میں لانا اتنا آسان نہیں ہے سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس طرح سے ہر ایک بچے کو الگ الگ سمجھنے اور اس کی ضرورتوں کا مطالعہ کرنے کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ اور اس سے بھی بڑا سوال یہ ہے کہ استاد اپنے دوسرے کاموں میں سے اس کے لئے وقت کس طرح سے نکالیں۔

کچھ عرصے سے مغرب کی تعلیمی دنیا میں اس بات کی دھن لگی

ہوتی ہے کہ کس طرح سے بچوں کے ذہنی رجحانات کو سمجھا جائے، اس کی عقل کو کس طرح سے تولا جائے تاکہ اس طرح سے ناپ تول کرنے کے بعد اس کی تکمیل کے لئے تعلیم کا ایک پروگرام تیار کیا جا سکے۔ مغرب کی یہ بہچان بہت سا شغف ہے اس لئے جب سے مغرب کے تعلیم سے دلچسپی رکھنے والے اس طرح ہر بچے کی عقل، طاقت اور دلچسپیوں کا مطالعہ کرنے کی ضرورت محسوس کرنے لگے ہیں تب سے اس مطالعہ کے لئے صحیح طریقے نکالنے کی کوشش میں بھی لگے ہوئے ہیں۔ اس طرح سے مغربی ملکوں میں، خاص کر امریکہ میں، بچوں کے مطالعے اور جانچ کے لئے جو طریقے برتے جا رہے ہیں ان کی کچھ کچھ خبر ہندوستان تک بھی آپہنچی ہے۔

مغرب میں آج جن طریقوں کو کام میں لایا جا رہا ہے وہ بڑی تلاش کا نتیجہ ہیں اور آج بھی تلاش جاری ہے۔ اس لئے انھیں کام میں لانے کے لئے کافی تیاری کی ضرورت پڑتی ہے۔ خاص کر نفسیات کے مطالعے اور اس سے واقف ہونے کی سخت ضرورت ہے۔ جب تک ہمارے معلم ان باتوں کے لئے تیار نہ ہوں تب تک ان کے لئے ان تجربوں کا کام میں لانا فائدہ مند نہ ہوگا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ایسی صورت میں تو فائدہ کی بہ نسبت نقصان کا زیادہ اندیشہ ہے۔

ایک شبہ اور بھی ہے اور وہ یہ کہ شاید یہ بھی مغرب کی مشینی تہذیب کا ہی ایک ذریعہ ہو۔ جس طرح کارخانوں میں بڑے پیمانے پر چیزیں تیار کرنے کے لئے کچا مال شناخت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور ان کے لئے طریقے ایجاد کئے جاتے ہیں اسی طرح یہاں اسکولوں میں لاکھوں بچے تیار کرنا ہیں۔ یہاں ان کی عقل اور طاقت معلوم کرنے کے لئے جو طریقے دیے جائیں گے ان کا ڈھنگ بھی مشین کی طرح ہوگا۔

استاد کے لئے پڑھے لکھے ہونے کی ضرورت تو ہے ہی لیکن اس سے بھی زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کے پاس ایک ماہر فن کی باریک نظر بھی ہو تاکہ وہ بچوں کی شخصیت کو ایک علمی چیز نہ سمجھ کر اسے ایک ادھوری فن کی پیداوار سمجھیں۔

جس نظر سے ایک ماہر باغبان ایک ادھ کھلے پھول کو دیکھتا ہے یا مصور ایک نامکمل تصویر کو دیکھتا ہے وہی نظر تعلیم کا سچا راستہ ہے۔ بچوں کی ناسمجھی میں جو استاد ان کی فطرت کا عکس دیکھ سکتا ہے وہی سچا معلم ہے۔ جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے کہ بچے کا سماجی ماحول جاننے کے لئے دل اور دماغ دونوں کو کام میں لانا چاہئے اسی طرح ہر ایک بچے کا الگ الگ مطالعہ کرنے کے لئے بھی دل اور دماغ دونوں سے کام لینا ضروری ہے بلکہ دماغ سے زیادہ ضرورت دل کی ہے۔ عملی کاموں میں ہمدردی زیادہ کام دیتی ہے۔

اس مطالعے کے لئے گاؤں میں جتنا موقع مل سکتا ہے اتنا اور کہیں نہیں مل سکتا۔ وہاں بچوں کی تعداد کم ہوتی ہے اسکول اور گھر کا رشتہ زیادہ قریبی ہوتا ہے۔ معلم کو اسکول میں اور اسکول کے باہر بچوں کے ساتھ مل جل کر رہنے کا، کام کرنے کا، کھیلنے کا، انھیں کھیلتے ہوئے کام کرتے ہوئے اپنی دھن میں اکیلے گھومتے ہوئے ہر حالت میں دیکھنے کا کافی موقع ملتا ہے۔ اور ان حالتوں کے سمجھنے کے لئے کسی خاص طریقے یا سائنس کے ذرائع کی ضرورت نہیں۔ ضرورت اتنی ہی ہے کہ استاد انھیں دلچسپی کی نگاہ سے دیکھیں، ہمدردی کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کریں اور پھر فرصت کے وقت اپنے اس تجربے کے نتیجے کو اپنی ڈائری میں لکھتے جائیں۔

ہم نے کہا ہے کہ بچوں کے مطالعے کے لئے کسی خاص طریقے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم صرف ایک ذریعہ ضروری سمجھتے ہیں اور وہ ہے استاد کی ڈائری یا نوٹ بک۔ استاد بچے کے گھر یا گاؤں کی دیکھ بھال کرے۔ لیکن اگر اس دیکھ بھال سے پورا تعلیمی فائدہ اٹھانا ہے تو یہ نہایت ضروری ہے کہ وہ جو کچھ دیکھے، محسوس کرے یا سمجھے اسے ساتھ ہی ساتھ ٹھیک طریقے سے لکھتا بھی جائے۔

ہم استادوں سے یہ توقع نہیں رکھ سکتے کہ بچوں کے بارے میں جتنے تجربے حاصل کریں گے ان سب کو اپنے دماغ میں ہی جمع رکھتے جائیں گے۔ لیکن اگر انھوں نے ان باتوں کو ایک بار لکھ لیا تو یہ یادداشتیں بچوں کے سمجھانے اور پڑھانے میں انھیں برابر مدد پہنچائیں گی۔ اگر ایک استاد برسوں تک ایک ہی اسکول میں کام کرتا رہے اور اصولی طریقے سے اپنی ڈائری لکھتا رہے تو اپنے اور بچوں کے کام کی ایک سلسلے وار تفصیل اس کے پاس تیار رہے گی۔ اس کے بعد جو نئے استاد آئیں گے ان کے کام میں بھی یہ ڈائریاں صحیح راستہ دکھانے کا کام کریں گی۔

اتنا ہی نہیں۔ آج ہمارے دیہاتی بچوں کا کوئی باقاعدہ حال سامنے نہیں ہے۔ ہمارے معلم اگر اپنے کام کے سلسلے میں ان باتوں کو لکھتے جائیں گے تو صرف استاد کے سوالوں کو ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے موجودہ مالی، سماجی اور سیاسی سوالوں کے مطالعے کا بھی بہت سا مسالہ اس سے مل سکے گا۔

پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بچوں کے یہ ریکارڈ کس طریقے سے رکھے جائیں اور ان کے لئے ضروری وقت کہاں سے نکالا جائے۔ بچوں کی ان یادداشتوں کے رکھنے کا کوئی یکساں طریقہ طے نہیں کیا جا سکتا۔ ہر استاد اپنی سمجھ اور لیاقت کے مطابق ریکارڈ تیار کرے گا۔ لیکن ان میں اتنی باتیں ضرور شامل کرنی چاہئیں۔ بچے کے گھر اور خاندان کی حالت، اس کی تندرستی کا حال، اس کے کام میں دلچسپی اور ترقی، اس کی خاص دلچسپیاں اور کمزوریاں۔ یہ تو ہوئی ڈائری کی ابتدا۔ اس کے بعد یہ امید کی جاتی ہے کہ جوں جوں استادوں کی بچوں سے بے تکلفی بڑھتی جائے گی اور جوں جوں بچوں کے کام میں اُن کی صحبت میں، ان کی ساری زندگی اور برتاؤ میں تبدیلیاں ہوتی جائیں گی، استاد انھیں برابر مختصر طور پر نوٹ کرتے جائیں گے۔

دوسرے ملکوں اور دوسری زبانوں میں بچوں کے بارے میں یادداشت کس طرح تیار کی جاتی اور رکھی جاتی ہے اس کے دو ایک نمونے یہاں دیے جاتے ہیں۔ سب سے پہلے ہم ایک بہت پرانا ریکارڈ دے رہے ہیں۔

مغرب کے ایک استاد پستالوزی کا نام سب جانتے ہیں۔ اس کا تھوڑا سا ذکر نئی تعلیم (جولائی سنہ ۴۰ء) میں کیا جا چکا ہے۔ پستالوزی کا خیال تھا کہ بچوں کی آزاد شخصیت ایک انمول چیز ہے اور اس بات کا اندازہ کر لینا ہی تعلیم کا کام ہے۔ اس لئے اُس زمانے میں اپنے ہزاروں کاموں کے ہوتے ہوئے بھی وہ اپنے اسکول کے بچوں

کی الگ الگ ڈائریاں رکھنے کے لئے وقت نکالتے تھے۔ ان ڈائریوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر بچے کا مطالعہ ان کے لئے کتنی قیمت رکھتا تھا۔

"یہ بچی ابھی تک کام چور ہے لیکن اس کے دل پر شنوں کی زندگی اثر ڈال رہی ہے۔ ابھی تک بچی پر اس کی ڈراونی زندگی کا اثر باقی ہے — پھوٹے ہوئے پاؤں اور دوسری بیماریاں .... اس کی یہ حالت دیکھ کر میرا دل کانپ اٹھتا ہے ...... کچھ عرصے سے میں اس میں تھوڑی اچھی نشانیاں دیکھ رہا ہوں۔ خاصا کاتتی ہے اور مدرسے اور کھیتوں میں ہر قسم کا کام کرلیتی ہے۔"

امریکہ کے دیہاتی اسکولوں میں ہر ایک بچے کا مطالعہ کس طرح کیا جاتا ہے اور اس کا ریکارڈ کس طرح تیار کیا جاتا ہے اس کا ایک نمونہ نیچے دیا جاتا ہے۔

بچوں کی تعلیم میں جو مسائل سامنے آتے ہیں

ان کے مطالعے کی انفرادی یادداشت

(یہ یادداشتیں استادوں اور انسپکٹروں کے استعمال کے لئے ہیں)

۱۔ بچہ

معمولی

صحت اور ضرورتیں — اونچائی اور سینہ وغیرہ، تندرستی اور طاقت۔

خاص — سننا، دیکھنا، ٹانسل، دانت، خوراک، بولی، جلد اٹھنے بیٹھنے کا طریقہ۔

دماغ اور خیالات کی خصوصیات — دماغی امتحان اگر لیا گیا ہے تو اس کے نتیجے۔ دماغی چستی یا سستی۔ اثر جلدی لیتا ہے یا آہستہ؟ سمجھ کیسی ہے؟ خیالات کو ظاہر کرنے کی طاقت کیسی ہے؟ سمجھنے کی قوت کیسی ہے؟ الفاظ کتنے یاد ہیں؟ دوسروں کے اوپر حکومت کرنے کی ذہنیت ہے یا محکوم بننے کی؟ شرمیلا ہے یا نڈر؟

دوسری خصوصیات — دوسروں کے دل کو کھینچتا ہے یا نہیں؟ اپنے اوپر بھروسہ رکھنے والا ہے یا نہیں؟ ریاضی سے دور رہنے کی کوشش کرتا ہے یا نہیں؟ محنتی ہے یا نہیں؟ اخلاق اچھا ہے یا نہیں؟ ایمان دار ہے یا نہیں؟ خوش اخلاق ہے یا بداخلاق؟ اپنی خواہشات کو قابو میں رکھ سکتا ہے یا نہیں۔ اچھی چیز کی قدر کرنے والا ہے یا نہیں؟ سنجیدہ ہے یا شوخ؟ دوسروں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے یا ان سے بیزار ہے؟ جوشیلا ہے یا نہیں؟ اپنی عقل سے نئی نئی باتیں سوچتا ہے یا نہیں؟ کام دلچسپی سے کرتا ہے یا نہیں؟ سچا ہے یا جھوٹا؟ ادب کرتا ہے یا نہیں؟ مزاج کیسا ہے؟ بدمزاج ہے یا چھچھورا؟

خاص لیاقتیں — کن باتوں میں خاص دلچسپی لیتا ہے یا کن خاص باتوں کی لیاقت رکھتا ہے — موسیقی، مشینری، کھیل تماشے، تقریر کرنا؟ اپنے ہاتھوں سے چیزیں تیار کرنا۔ سماجی تبدیلیاں؟

۲۔ بچہ اور اس کا گھر

ماں باپ — جیتے ہیں یا نہیں؟ عمر، ذات، پیشہ؟ پڑھائی کہاں تک ہے؟ مالدار ہیں یا نادار؟ سماج میں پوزیشن؟ ایک جگہ رہتے ہیں یا گھومتے پھرتے ہیں؟ مذہبی رجحان کیا ہے؟ خاص خاص دلچسپیاں کس کس طرف ہیں؟ باقاعدگی سے رہتے ہیں یا نہیں؟ سب کے ساتھ مل جل کر رہتے ہیں یا نہیں؟

گھر کی حالت — ماں باپ کی تندرستی؟ دونوں مزدوری کے لئے باہر کام کرتے ہیں یا گھر میں رہتے ہیں؟ پڑوس کیسا ہے؟ گھر کی مالی حالت کیسی ہے؟ ماں باپ بچوں پر بھی نظر رکھتے ہیں یا نہیں؟ گھر کا انتظام کیسا ہے؟ گھر میں بچے پر کتنا کام اور کتنی ذمہ داریاں رہتی ہیں؟ گھر میں بچے کو پڑھنے کی یا اپنا کام کرنے کی کوئی آسانی ہے یا نہیں؟ گھر میں بچے کو کچھ آرام ملتا ہے یا نہیں؟ بچہ کب اور کتنا سوتا ہے؟

۳۔ بچہ اسکول میں

اب کونسے درجے میں ہے؟ کتنے سال اسکول میں رہا ہے۔ ہر درجے میں کتنے سال گذارے ہیں؟ کتنی بار استاد بدلے ہیں؟ غیر حاضری اور اس کے اسباب؟ اسکول کے کام میں لیاقت؟ کن باتوں میں بچہ سب سے زیادہ ہوشیار ہے اور کن میں سب سے کم؟ پڑھنے اور کام کرنے کی عادتیں کیسی ہیں؟ اسکول میں بچے کا دل لگتا ہے یا نہیں؟ دوسروں کے ساتھ مل کر کام کرتا ہے یا نہیں؟ آگے پڑھنا چاہتا ہے یا جلد سے جلد اسکول چھوڑ دینا چاہتا ہے؟ خاص دلچسپیاں اور شوق کی چیزیں کیا ہیں — موسیقی، کھیل کود، چیزیں جمع کرنا، چیزیں تیار کرنا، جانوروں کو پالنا؟

کمزوریاں اور مشکلات کیا ہیں؟ اسکول کا کام باقاعدگی سے کرسکتا ہے یا نہیں؟ کن کن مضمونوں میں آج نہیں بڑھ سکتا۔ تندرستی خراب رہتی ہے؟ گھر کی حالت اچھی نہیں ہے؟ کلاس کے دوسرے بچوں سے عمر زیادہ ہے اس لئے ہمت ہارتا ہے؟ اپنے خیالات کے اظہار میں دقت ہوتی ہے؟ اپنی سماجی کمزوری کے وزن سے دبا جاتا ہے؟ باہر کے کام میں وقت صرف ہوتا ہے اس لئے اسکول کا کام نہیں کرپاتا؟ کام پر جانا چاہتا ہے؟ گھر میں کوئی ہمت افزائی کرنے والا نہیں ملتا۔ وقت فضول باتوں میں ضائع کرتا ہے اس لئے دل لگا کر کام نہیں کرسکتا۔ عادتیں خراب ہیں۔ بدزبان ہے ....

(باقی آئندہ)

اڑیسہ میں بنیادی تعلیم

اڑیسہ سرکار کے حکم سے آج اڑیسہ میں بنیادی تعلیم کا کام سرکاری طور پر بند کردیا گیا ہے لیکن بنیادی تعلیم کا کام بند نہیں ہے۔ سرکار کے اس حکم پر غور کرتے ہوئے یہ یقین کرلیا گیا تھا کہ سرکاری حکم سے بنیادی تعلیم بند ہونے والی چیز نہیں ہے۔ اس کے اندر جو قوت

ہے وہ اسے زندہ رکھے گی ہماری یہ امید اور یقین غلط ثابت نہیں ہوا۔ اڑیسہ میں بنیادی تعلیم کا کام آج بھی چل رہا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ایسا ایک نیا ڈھنگ اختیار کر رہا ہے جس سے امید ہوتی ہے کہ نئی تعلیم کا جو اصلی رنگ ہونا چاہیئے اس کا ایک نمونہ اڑیسہ میں دیکھنے کو ملے گا۔

بنیادی تعلیم کو گاندھی جی نے "اپنے پیروں پر آپ کھڑی ہونے والی تعلیم" کہا ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اس طرح کی تعلیم اپنے پیروں پر آپ کھڑی ہو سکتی ہے کیونکہ اصل میں اپنے پیروں پر آپ کھڑا ہونا اس کی لیاقت کی کسوٹی ہے۔ "اپنے پیروں پر آپ کھڑا ہونا" ان لفظوں کی طرح طرح سے تعریفیں اور تاویلیں کی گئی ہیں سرکار اڑیسہ نے بھی اس طریقے کو بند کرنے کے لئے گاندھی جی کے ان الفاظ کا سہارا لیا ہے۔ ہم اپنے پیروں پر آپ کھڑے ہونے کی اصطلاح سے یہ سمجھتے ہیں کہ جو تعلیم باہری مدد پر بھروسہ نہ کر کے اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی طاقت رکھے۔ آج اڑیسہ میں بنیادی تعلیم کی اس کسوٹی کی جانچ ہو رہی ہے۔ آج اس کی پشت پر نہ گورنمنٹ کی مالی امداد ہے اور نہ اس پر سرکاری منظوری کی پابندی۔ آج اس کا چلنا نہ چلنا گاؤں کے سہارے پر اور بنیادی تعلیم کے استاد اور حامیوں پر منحصر ہے۔ اگر اڑیسہ میں بنیادی تعلیم آج اس امتحان میں پوری اتری تو تعجب نہیں کہ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کے لئے ایک نمونہ بن جائے۔

جب شروع میں معلوم ہوا کہ گورنمنٹ کا یہ ارادہ ہے کہ تعلیم کے اس طریقے کو بند کر دیں تو سب سے پہلے یہ کوشش کی گئی کہ گورنمنٹ اپنی رائے بدلے اور اس کام کو سرکاری طرف سے ہی جاری رکھا جائے۔ لیکن سرکار نے اپنی رائے نہیں بدلی۔ تب اس سوال پر شروع ہی سے سوچنے کی ضرورت پیش آئی۔ گاؤں والوں نے ان اسکولوں کے چلانے کی ذمہ داری اپنے سر لے لی جو افسر شری جیندر مہارانا سرکار کی طرف سے اس کام کی نگرانی کے لئے رکھے گئے تھے وہ نوکری سے استعفی دے کر معمولی حیثیت سے یہ کام کرنے کو تیار ہو گئے اور کچھ استاد بھی کم سے کم تنخواہ پر اس کام میں مدد دینے کو تیار ہو گئے اور اس طرح اڑیسہ میں بنیادی تعلیم کی صحیح بنیاد رکھی گئی۔

اڑیسہ کے لوگوں کی طرف سے بنیادی تعلیم کا کام چلانے کے لئے جو انجمن قائم کی گئی ہے اچاریہ ہری ہر داس اس کے صدر ہیں۔ شری گوبندھو چودھری اور سر جیندر مہارانا سکریٹری کا کام کر رہے ہیں۔ اس کام کے چلانے کے لئے پانچ ہزار روپے کی ایک مدد کی پیشکش کی گئی ہے۔ امید ہے کہ اس میں سے ایک ہزار روپے گاؤں والوں سے مل سکیں گے پندرہ سرکاری اسکولوں میں سے نو اسکولوں میں ابھی کام چل رہا ہے۔ بارہ استاد کام کر رہے ہیں اور ان استادوں کی امداد کے لئے ایک اپیل کی گئی ہے۔ امید ہے کہ اڑیسہ کے نوجوان اس اپیل کا جواب دیں گے۔

جتنی چیزیں الگ کرنے کے قابل تھیں گورنمنٹ نے الگ کر دی ہیں گورنمنٹ سے درخواست کی گئی تھی کہ جن مکانوں میں اب تک اسکولوں کا کام چل رہا تھا ان میں کام چالو رکھنے کی اجازت دے۔ سرکار نے یہ جواب دیا کہ گاؤں والے ان عمارتوں کو کام میں لا سکتے ہیں بشرطیکہ وہ ان کی مرمت وغیرہ کی ذمہ داری لیں اور جب سرکار کو ضرورت پڑے انھیں واپس کر دیں۔ اڑیسہ میں بنیادی تعلیم کے کام کرنے والوں سے ہمار[ا کہنا] ہے کہ وہ ان عمارتوں کا بھی خیال چھوڑ دیں اور گاؤں میں جو مکان [ملیں] اسی سے کام چلائیں۔

اڑیسہ کے اس طریقے کو اچھی طرح سے جاننے کے لئے ہم [نے] گوپ بندھو چودھری سے استدعا کی تھی کہ وہ اس سے متعلق اپنے [تجربے] لکھ کر نئی تعلیم کے لئے بھیجیں تاکہ اس سے بنیادی تعلیم کے دوسر[ے کام] کرنے والے بھی فائدہ اٹھا سکیں۔ انھوں نے اس کے جواب میں [ا]نھیں مشکلات کے بارے میں لکھا ہے جن کا سامنا اس وقت کر[نا پڑا] وہ لکھتے ہیں:۔

"اس میں ابتدا میں جن مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا ان کا میں کچھ [ذکر کرنا] چاہتا ہوں مجھے امید ہے کہ یہ خیال بنیادی تعلیم کے دوسرے کام [کرنے] والوں کے بھی کچھ کام آئے گا۔ میرے خیال میں بنیادی تعلیم کے [لئے] سب سے بڑی اور سب سے پہلی مشکل ہے اس تعلیم کی ہر طرح کی طرف سے کھلی ہوئی اور پیٹھ پیچھے مخالفت۔ یہ خود غرضانہ سیاست کے میدان میں ہی نہیں بلکہ تعلیم کے میدان میں بھی پائی جاتی ہے۔

دوسری مشکل ہے بنیادی تعلیم کے استاد تیار کرنے کے لئے پروفیسروں اور بنیادی تعلیم کا تجربہ چلانے کے لئے اچھے رجحانات والے استادوں کی۔ اڑیسہ کے تجربہ میں بھی ان دونوں مشکلات [سے] گذرنا پڑا۔ ٹریننگ اسکول کے لئے جتنے Teachers ... ہمیں ملے تھے ان میں سے اچھے رجحانات رکھنے والے تھوڑے دو چیزوں سے وہ خاص کر گھبراتے تھے ایک تو خالص دیہاتی زند[گی کی] مشکلات اور دوسرے ٹریننگ اسکول کی زندگی کا سخت انتظام۔ اپنی صفائی کا کام اپنے ہاتھ سے کرنے کا اصول جن میں تھا کچھ قوی جذ[بہ] اور اس کے لئے کچھ تکلیف برداشت کرنے کی طاقت اور تیاری [تھی] آخر تک ٹھہرے لیکن اس ضابطہ کا فائدہ بعد میں معلوم ہوا جب سیلاب [اور] ہیضے کی وبا ساتھ ساتھ پھیلی تو یہی بنیادی اسکولوں کے استادو[ں کے] امتحان کا موقع تھا۔ ٹریننگ اسکول میں ان کے صبر کا تب پھل ملا

تجربے کی جگہ کے انتخاب کے لئے جو کمیٹی مقرر کی گئی تھی اس نے بری کے آس پاس کے گاؤں منتخب کئے تب یہ فکر ہوئی کہ یہ علاقہ اور ریل سے اتنا دور ہے کہ شہری تعلیم یافتہ لوگ اور سرکاری افسر شا[ید] یہاں نہ پہنچ سکیں۔ اس لئے اس نئی تعلیم کا جو پیغام ہے اس کو پہنچ[نے کا موقع] نہیں ہوگا۔ کسی حد تک تو یہ شبہ ٹھیک تھا لیکن یہ فائدہ ضرور ہوا کہ تجربہ شہر کے مخالف اثر سے بچا رہا اور اس نئی تعلیم کی اسکیم کو ٹھیک عمل میں لانے کی جو کوشش کی گئی اس میں کوئی رکاوٹ نہیں پڑ[ی]

مارچ ۱۹۴۰ء میں جب پندرہ گاؤں میں پندرہ بنیادی اس[کول] کھل گئے تب سب سے پہلی دقت جو ہمارے سامنے آئی وہ بدگم[انی تھی] شروع میں تو اس کی وجہ سے طالب علموں کی تعداد بھی گھٹ گئی اس موقع پر استادوں کی خدمت کے جذبے اور صبر کے امتحان کا [پھر] موقع ملا۔ ایک شک گاؤں والوں کو پریشان کر رہا تھا اور وہ یہ کہ [دستکاری] کے ذریعے کس طرح تعلیم دی جا سکتی ہے لیکن اس فکر کو دور ہو[نے میں زیادہ] وقت نہیں لگا۔ بری کے ... School ...actising میں پچھلے چھ مہینے سے جو کام ہو رہا تھا اس سے بچوں کی ترقی کو دیکھ کر اس کے وہ بھی حامی ہو گئے تھے۔ اس کا اثر قریب کے گاؤں میں ہم

لگا اور آہستہ آہستہ دوسرے گاؤں کے لوگ بھی تعلیم کو اپنانے لگے
آخر یہ کہنا نامناسب نہیں ہوگا کہ اگر ہمیں شروع میں اتنی مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑتا تو ممکن ہے کہ آج سرکاری امداد کے بغیر بھی بنیادی تعلیم کا کام چندے کے لئے استادوں اور گاؤں والوں میں جو ضد نظر آتی ہے وہ نہ ہوتی (سچائی کے راستہ میں بہت مشکلات ہوتی ہیں)

اسی سچائی کو سامنے رکھ کر یہ تجربہ شروع کیا گیا تھا اور آج بھی تجربے کا ایک دوسرا پہلو شروع کیا جا رہا ہے ۔ اس کا پھل ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے لیکن اس خیال سے ہماری ہمت بڑھتی ہے کہ سچے کام میں نیک نیتی اور محنت کبھی بیکار نہیں جاتی ۔

بیسک ٹریننگ اسکول سیونی

(صوبہ متوسط میں بنیادی تعلیم کی جو حالت ہے اس کا حال کبھی کبھی "نئی تعلیم" میں دیا جاتا ہے۔ صوبہ متوسط میں بنیادی تعلیم کے کام کے لئے دو علاقے چنے گئے ہیں۔ مرہٹی علاقہ میں ضلع وردھا اور ہندی علاقہ میں سونی۔ ضلع وردھا میں پچھلے دو سال سے بنیادی تعلیم کے چلانے کا خیال کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ اس کی تھوڑی بہت ابتدا بھی ہو چکی ہے۔ وردھا کے ودیا مندر ٹریننگ اسکول میں وردھا ڈسٹرکٹ بورڈ کے استادوں کی تین ٹولیوں کو ٹریننگ دی جا چکی ہے۔ ان میں سے کچھ استادوں کو چن کر تحصیل وردھا کے ۲۰ ڈسٹرکٹ بورڈ کے اسکولوں میں اکتوبر ۱۹۴۰ء سے بنیادی تعلیم کا تجربہ شروع کیا گیا ہے۔ ان اسکولوں کو حکومت نے ضلع کمیٹی سے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ اور ان کے کام کو ٹھیک ٹھیک چلانے کے لئے بنیادی تعلیم کے ایک خاص تجربہ کار اور لائق شخص کو مقرر کیا گیا ہے۔ بیسک نورمل اسکول وردھا میں، استادوں کا ایک نیا گروہ اس کام کے لئے تیار کیا جا رہا ہے۔

چونکہ اس تعلیم کے لئے ہندی علاقہ میں کوئی استاد نہ تھا اس لئے صوبہ متوسط کے ہندی علاقہ میں اس سال اس کو نہ چلایا جا سکا۔ ہندی صوبہ کے استادوں کو ٹریننگ دینے کے لئے سونی نے پرانے نورمل اسکول کو بنیادی نورمل اسکول بنایا گیا ہے اور ودیا مندر ٹریننگ اسکول کے سپرنٹنڈنٹ جناب اتم سنگھ تومر اس بنیادی نورمل اسکول کے سپرنٹنڈنٹ مقرر کئے گئے ہیں۔ حکومت کا خیال ہے کہ جون ۱۹۴۱ء سے ضلع سونی کے چالیس اسکولوں میں یہ تجربہ شروع کیا جائے۔ حکومت ان اسکولوں کو اپنے ہاتھ میں لینے کے لئے ضلع کمیٹی سے خط و کتابت کر رہی ہے۔

جناب اتم سنگھ تومر نے بنیادی نورمل اسکول سونی کے کام کا جو حال ہمیں لکھ کر بھیجا ہے اسے ہم بڑی خوشی کے ساتھ یہاں چھاپ رہے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ صوبہ متوسط ہندی میں بنیادی تعلیم کے استعمال کی ایک پختہ اور مضبوط بنیاد رکھی جا رہی ہے۔)

(ادارہ)

سونی کے بنیادی ٹریننگ اسکول میں اس مرتبہ بہتر استاد بنیادی تعلیم کے کام کے لئے تیار کئے جا رہے ہیں، ان میں سے ۵۶ استاد تجربہ کار پرانے استاد ہیں اور پرانے طریقہ تعلیم کے مطابق ٹرینڈ ہیں، ۴۱ ڈسٹرکٹ بورڈ سونی کی طرف سے بھیجے گئے ہیں اور سونی ضلع کے بنیادی اسکولوں میں کام کرنے کے لئے تیار کئے جا رہے ہیں۔ باقی طلبا صوبہ متوسط کے ہندی علاقہ کے مختلف ضلعوں سے بھیجے گئے ہیں۔ ان استادوں سے کسی ایک کی بھی عمر ۳۵ سال سے زیادہ نہیں۔ ان لوگوں کو ایک سال کی ٹریننگ دی جائے گی اور اس عرصہ میں یہ کوشش کی جائے گی کہ وہ بنیادی اسکولوں کے ابتدائی چار درجوں کو پڑھانے کے لائق ہو جائیں۔ ۱۶ نئے استاد لئے گئے ہیں۔ یہ سب میٹرک پاس ہیں اور ان لوگوں کو دو سال کی ٹریننگ دی جائے گی یہ بھی بنیادی تعلیم کے ابتدائی چار درجوں کو پڑھانے کے لئے تیار کئے جا رہے ہیں

بنیادی دستکاری

ٹریننگ اسکول سونی میں بنیادی دستکاری کتائی ہے ضمنی طور پر گتے کا کام بھی سکھایا جاتا ہے۔ ٹریننگ اسکول میں کھیتی اور باغبانی کے لئے سہولتیں ہونے کی وجہ سے اس کے لئے بھی پڑھائی کے کاموں میں مناسب جگہ دی گئی ہے ۔

کتائی کو ہفتہ میں ۱۲ گھنٹے دیئے جاتے ہیں۔ انھیں میں سے دو گھنٹے کتائی کے اصولوں کے لئے ہیں۔ باقی دس گھنٹے عملی کام کے لئے شروع کا کچھ زمانہ سامان وغیرہ جمع کرنے میں صرف ہوا اور جولائی سے کتائی کا کام باقاعدہ شروع ہوا۔ جولائی سے نومبر تک ہوا میں نمی رہنے کی وجہ سے کپاس کی صفائی۔ اوٹائی اور دھنائی نہ ہو سکی اس لئے بنی ہوئی پونیوں سے ہی سے کتائی کا کام شروع کرنا پڑا۔ نومبر سے دھنائی وغیرہ کا کام شروع ہوا۔ جولائی سے نومبر تک تکلی پر کتائی کی کافی مشق ہو جانے کے بعد چرخے پر کتائی شروع ہوئی۔ ہفتے میں ایک بار تکلی اور ایک بار چرخے کی دونوں ہاتھوں سے مشق کی جاتی ہے۔ ہر ایک نئے کام میں کچھ مشق ہو جانے کے بعد اس کام سے تعلق رکھنے والے پڑھائی کے مضامین کا ذکر کیا جاتا ہے۔ نصاب کا کون سا مضمون کس موقع پر، کون سے درجہ میں، کس حد تک اور کس طریقے سے سکھایا جا سکتا ہے۔ ان باتوں پر پوری آزادی سے بحث کی جاتی ہے اور بحث کے بعد یہ باتیں ٹھیک ڈھنگ سے اور تفصیل کے ساتھ لکھائی جاتی ہیں۔

ہر درجہ کے طالب علم چار چار ٹولیوں میں بانٹے گئے ہیں۔ ہر ایک ٹولی باری باری سے کمرہ کی صفائی وغیرہ کی دیکھ بھال کرتی ہر ایک پر ایک سردار "MONITOR" اور پورے درجہ کے لئے ایک خاص سردار چنا جاتا ہے۔ کلاس کا سردار پورے درجے کے لئے سامان کے کمرے سے سامان لاتا ہے اور ٹولیوں کے سرداروں کو بانٹ دیتا ہے۔ اور ٹولی کا سردار اپنی ٹولی

میں تقسیم کر دیتا ہے اور اس کا حساب رکھتا ہے۔ ہر مہینے ٹولی کا مانیٹر بدلتا ہے تاکہ ٹولی کے ہر ایک لڑکے کو مانیٹر بننے کا موقع ملے۔

بنیادی دستکاری کی تعلیم دینے میں یادداشتیں رکھنے کا خاص طور سے انتظام کیا گیا ہے۔ ریکارڈ رکھنے کے لئے دو طرح کے فارم بنائے گئے ہیں ایک ٹولی کے لحاظ سے اور دوسرا پوری جماعت کے لئے۔ ٹولیوں والے ریکارڈ میں ہر ایک طالب علم سامان کی آمد و خرچ، کام کا وقت، کتائی کے تار، ان کا وزن، رفتار اور سوت کا نمبر مضبوطی وغیرہ کا حساب خود کرتا اور لکھتا ہے۔ ہفتے کے بعد ٹولی کے ہفتہ وار فارم میں ٹولی کا ہفتہ کا پورا حساب لکھا جاتا ہے، ہر ایک فارم پر پوری پوری ہو جانے کے بعد طلبا کے ٹولی کے سردار کے اور استاد کے دستخط لئے جاتے ہیں ٹولی والے ریکارڈ نوٹ بک میں ہر ایک فارم کے کچھ سادے ورق بھی رکھے گئے ہیں۔ ہر ایک کام کے ساتھ جتنے مضمون پڑھائے جا سکیں ان کے بارے میں اس میں نوٹ دئیے جاتے ہیں۔ شروع ہی سے سوت کی حالت پر نہیں بلکہ سوت کی طاقت پر خاص توجہ دی تاکہ جو سوت بھی بنے وہ مضبوط ہو۔

کتائی کے سامان کے لئے دو کمرے رکھے گئے ہیں۔ ایک کمرے میں وہ کچا سامان رکھا گیا ہے جو ہر روز لینے دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ دوسرے میں تیار شدہ سامان جمع کیا گیا ہے۔ سامان لینے اور دینے کا یہ طریقہ رکھا گیا ہے کہ ہر مہینے کے شروع میں کچا سامان دیا جاتا ہے اور آخر میں حساب سے لیا جاتا ہے۔ طلبا خود جا کر سامان لیتے اور واپس کرتے ہیں اور سامان کو حفاظت اور ترتیب سے رکھنا وغیرہ سب کام انھیں کی مدد سے کیا جاتا ہے۔ اس طرح سے انھیں کتائی کے کام کی حفاظت اور انتظام کرنے میں عملی تعلیم دی جاتی ہے۔

کھیتی اور باغبانی

ٹریننگ اسکول کے عملی کام میں کھیتی اور باغبانی پر پوری پوری توجہ دی جاتی ہے۔ ہر دوسرے دن لڑکے صبح ۷ بجے سے ۸ بجکر ۳۰ منٹ تک باغیچہ میں زمین تیار کرنے، پودے لگانے، کھاد دینے، پانی دینے وغیرہ کا عملی کام موسم کے مطابق کرتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کام کی علمی معلومات کے لئے ہر ہفتے ایک گھنٹہ ۳۰ منٹ کا وقت اور ملتا ہے۔ باغیچہ میں تقریباً ۲۰ فٹ لمبی اور ۲۰ فٹ چوڑی کیاریوں میں دو دو لڑکے مل کر کام کرتے ہیں ان کیاریوں میں پھلواری اور سبزی بوئی جاتی ہے۔ کھیت کی فصلوں کے لئے اور پھلوں کی کھیتی کے لئے کچھ کیاریاں علیحدہ رکھی گئی ہیں۔ ان کیاریوں میں طلبا کبھی کبھی ٹولیوں میں کام کیا کرتے ہیں۔ اس طرح سے کھیتی کے نصاب میں پھول، ساگ، سبزی، پھل اور کھیتی میں لگائی جانے والی فصلوں کی تعلیم دی جاتی ہے۔ بنیادی تعلیم کے عملی کام کے سبقوں میں پھلوں کی کھیتی سکھانے کے لئے بہت ہی کم جگہ دی گئی ہے۔ دیہات سدھار کے نقطہ نظر سے اس کی بڑی اہمیت ہے۔ اس نقطہ نظر سے پھلوں کی کھیتی پر خاص طور سے زور دیا جا رہا ہے۔

جو استاد پہلے کھرپا اور پھاوڑے اٹھانے اور ذرا سی محنت کے بعد گھبرانے لگتے تھے وہ آج اس کام میں خوشی محسوس کرنے لگے ہیں۔ اور اس بات کا بھی احساس کرنے لگے ہیں کہ اس کام سے ان کی جسمانی، دماغی اور سماجی ترقی ہو رہی ہے۔ استادوں اور طلبا میں پیڑ پودوں سے محبت پیدا کرنے کا شوق، کھیتی کے کام میں توجہ، محنت کے کام کے لئے عزت یہ سب اچھی باتیں نظر آنے لگی ہیں۔ یہی چیزیں بنیادی تعلیم کی کامیابی کی امید کے نشانات ہیں۔

گتے کا کام

گتے کے کام کے لئے تھوڑا ہی وقت دیا جاتا ہے اس لئے اس کا ایک ایسا چھوٹا سا پروگرام بنایا گیا ہے جس سے ہر ایک طالب علم کو پانچ چھ نمونے بنانے کا موقع ملے اور ساتھ ہی ساتھ اس میں دستکاری کے اصول اور طریقے اس طرح سے سکھا دئیے جائیں کہ وہ لوگ نئے نمونے دیکھ کر انھیں خود بنا سکیں۔ بچوں کو سکھانے کے لئے ایسے نمونے چن لئے گئے ہیں جو ان کے اسکول اور کلاس کے کام کے لئے کارآمد ہوں اور جو بنیادی دستکاری کتائی سے تعلق رکھتے ہوں مثلاً (۱) سوت کا لچھا رکھنے کا ڈبہ (۲)، راکھ رکھنے کا ڈبہ (۳) پونیاں رکھنے کا ڈبہ (۴)، البم (۵)، بلاٹنگ پیڈ (۶)، سادہ فائل (۷) ڈھکن دار فائل (۸) لیٹر (۹) نوٹ بک وغیرہ۔ اس کے علاوہ دفتری اور کاغذ بنانا بھی سیکھتے ہیں اور اس سلسلہ میں انھیں مصوری کی بھی تعلیم مل جاتی ہے۔

ہر ایک ماڈل کی تیاری کے سلسلہ میں انھیں نیچے لکھی ہوئی باتوں کی تعلیم دی جاتی ہے۔ سامان کی حفاظت، حساب سے سامان لینا اور واپس کرنا، ناپ تول کر ماڈل کی ڈرائنگ بنانا، ماڈل بنانا، تصویر بنا کر ماڈل کو خوبصورت بنانا، ماڈل کا حساب تیار کرنا، کام کا وقت، خرچ شدہ سامان اور بچت وغیرہ کا حساب رکھنا۔

جنرل سائنس

جہاں تک مناسب ہے جنرل سائنس کی تعلیم بنیادی دستکاری کھیتی، باغبانی، مشاہدہ اور استعمال ایسے عملی کاموں کے ذریعہ دی جاتی ہے۔ پہلے مہینے میں طالب علم سے اس بارے میں پوری بحث کی گئی کہ اس مضمون کی زندگی میں کیا اہمیت ہے۔ اس نئے پڑھائی کے کام میں کن مضامین کا کن موقعوں سے ربط دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں انھیں یہ بھی سمجھانے کی کوشش کی گئی کہ اس مضمون کی تعلیم کس طرح سے ہونی چاہیئے۔ مشقی اسکول کے بنیادی درجوں میں تجربہ کر کے طلبا کو سمجھایا جاتا ہے۔

سماج کا علم

سماجی علم کے نصاب کے دو حصے ہیں پہلے حصہ میں کہانیوں کی شکل میں پہلے زمانے کے حالات اور زندگی کے حالات سنائے جاتے ہیں اور دوسرے حصے میں عملی طور پر شہری ہونے کے اصول بتائے جاتے ہیں۔ سب سے پہلے اس نصاب کا مقصد اور اس کے پڑھانے کا طریقہ طلبا کو اچھی طرح سمجھایا گیا۔ کافی بحث کے بعد پرانے زمانہ کی کہانیاں طلبا کو لکھا دی گئیں۔ سماجی علم کے عملی حصہ کی تعلیم دینے کے لئے اسکول کے کام کی تشریح اس طرح کی گئی ہے کہ طلبا خود ہی سماجی علم کے اسباق کو نہ صرف سمجھ لیں بلکہ اس کے عملی فائدہ

سے وہ ان کی زندگی کا ایک جز بن جائے۔

اس کے بعد بچوں کو اس کی عملی تعلیم اور سماجی علم کے فوائد کا ان کو سمجھانا استادوں کے لئے مشکل کام نہ ہوگا۔ سماجی علم کے نصاب میں یکجا مل کر کام کرنا اور ذمہ داری برداشت کرنا ان دونوں باتوں پر خاص زور دیا گیا ہے۔ اس لئے ٹریننگ اسکول کی زندگی کی تشریح اس طرح کی گئی ہے کہ ہر ایک جماعت میں طلبا کو چار حصوں میں تقسیم کر لیا گیا ہے۔ ایک سامان بانٹنے کی ٹولی دوسری صفائی کی ٹولی تیسری تقسیم کی ٹولی اور چوتھی سجاوٹ کی ٹولی۔ یہ ٹولیاں ایک ایک ہفتہ تک اپنا اپنا کام کرتی ہیں۔ اس کے بعد ان کا کام بدل دیا جاتا ہے۔ ہر ایک ٹولی کے کام کی دیکھ بھال کے لئے ٹولی کا سردار رہتا ہے۔ اس کا کام کلاس کے انتظام میں استادوں کی مدد کرنا اور ٹریننگ سکول کے سب مجلسی کاموں میں کلاس کے نمائندہ کے طور پر ساتھ دینا ہے اس ٹولی سسٹم سے اسکول کے سب کاموں میں مدد ملتی ہے۔ باغیچہ میں کھیتی کا کام کرتے وقت سامان بانٹنا، جمع کرنا، کام کی تقسیم اور اس کا ریکارڈ رکھنا۔ ان کی جانچ کرنا یہ سب کام ٹولی کے سردار کے ذمہ دار ہیں۔ اسی طرح کلاس کا سردار پوری کلاس کے ہفتہ وار کام کی جانچ کرتا ہے۔

ایک کلاس کو دوسری کلاس کے مقابلہ کا جو خوف رہتا ہے اس سے بچانے کے لئے ٹریننگ اسکول کے سب طلبا چار حصوں میں تقسیم کئے گئے ہیں، ہر ایک حصہ میں کلاس کے طلبا رہتے ہیں۔ ان حصوں (ٹولیوں) کے نام خوبیوں کے لحاظ سے رکھے گئے ہیں۔ مثلاً سچائی گروپ، خدمت گروپ، سکون گروپ اور انصاف گروپ۔ سماجی خدمت پر گروپ وار یا گروپ کے لحاظ سے کام لیا جاتا ہے۔

بورڈنگ ہاؤس

بورڈنگ کے حساب، تندرستی، صفائی، کھیل، تفریح، مریضوں کی خدمت وغیرہ سب کاموں کی ذمہ داری طلبا ہی پر ہے اور بورڈنگ ہاؤس میں صحت و صفائی، معمولی سجاوٹ، وقت پر کام کرنا، پیار و محبت سے رہنا۔ ان سب باتوں پر خاص طور سے توجہ دی جاتی ہے۔ اسکول کے کام میں سماجی خدمت کے موقعے نکالے گئے ہیں۔ بچوں کی زندگی میں سماجی علم کی اس کاروباری تعلیم کا نمایاں اثر دکھائی دینے لگا ہے۔

عجائب گھر

ٹریننگ اسکول میں تعلیمی کاموں میں مدد کرنے کے لئے ایک اچھے عجائب خانہ کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اس میں بنیادی دستکاری کتائی سے کھیتی اور باغبانی سے۔ گتے کے کام سے اور دوسرے مضامین کے نصاب سے تعلق رکھنے والی چیزیں جمع کی جاتی ہیں۔ ان چیزوں کو جمع کرانے اور سجانے کا کام جہاں تک ہو سکتا ہے طلبا ہی سے لیا جاتا ہے۔

بنیادی تعلیم کے ادب کی تیاری

بنیادی تعلیم کی ٹریننگ پوری ہونے کے بعد مارچ کے مہینہ سے ایک خاص کام یعنی بنیادی تعلیم کے ادب کی تیاری کا کام ہو رہا ہے اس کام میں ان دیہاتی اسکول کے استادوں کے تجربہ سے جو ہمارے یہاں ٹریننگ حاصل کرتے ہیں بڑا فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔ خاص طور پر تین طرح کے ادب کی تیاری کا کام ہاتھ میں لیا گیا ہے (۱) بنیادی تعلیم کے نصاب کی پوری پوری واقفیت استادوں کے لئے جمع کرنا (۲) استادوں کے لئے طریقۂ تعلیم پر ہدایت۔ (۳) ہر درجے کے بچوں کے لئے پڑھنے کا سامان۔ اس کام میں مدد کرنے کے لئے طلبا کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ سوچنے اور غور کرنے والے استادوں کے لئے لائبریری کی کتابوں سے نصاب کے جملہ مضامین کے بارے میں پوری پوری واقفیت جمع کرتے ہیں اور بچوں کے لئے بھی سبق اور نظمیں تلاش کرتے ہیں

(۲) پیوپل ٹیچر ٹریننگ اسکول کے استادوں کی مدد سے طریقہ تعلیم پر ہدایات تیار کر رہے ہیں۔ (۳) باقی طلبا ان مضامین کی جو کہ تیار کرتے ہیں صاف نقل کرتے ہیں یہ کام ابھی شروع ہوا ہے یہ ٹریننگ اسکول کے طلبا، استاد اور سپرنٹنڈنٹ اس کام میں لگے ہوئے ہیں اور امید ہے کہ ٹریننگ ختم ہونے سے پہلے ہی ہر ایک پیوپل ٹیچر کو پہلی جماعت کے پڑھانے کے لئے ضروری ادب لکھا دیا جائے گا تاکہ انھیں بنیادی اسکولوں میں جا کر اپنا کام شروع کرنے میں کوئی دقت نہ ہو۔

جناب اتم سنگھ تومر

بہار میں بنیادی ادب

بنیادی تعلیم کے پھیلانے میں ادب کا کیا درجہ ہے؟ اس کے بارے میں کافی بحث ہو چکی ہے۔ بنیادی تعلیم کے کام کرنے والوں میں سب کی یہ رائے ہے کہ اگر کتابوں کی مدد بالکل نہ لی جائے یا کم سے کم مدد لی جائے اور اس طرح بچوں کو تعلیم دی جا سکتی تو یہ طریقہ سب سے بہتر ہوتا لیکن اس بات کو بھی سب ہی جانتے ہیں کہ اس طرح کی تعلیم دینے کے لئے جس قابلیت کے استاد چاہئیں ان کا ملنا مشکل معلوم ہوتا ہے اس لئے ہمیں کتابوں کی مدد لینی ہی پڑتی ہے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آج بچوں کا جو موجودہ ادب ہے اس کا بہت ہی تھوڑا حصہ ہمارے کام کا ہے کیونکہ یہ ادب عام طور سے شہری لوگوں کے لکھے پڑھے طبقے کے بچوں کے لئے تیار کیا گیا ہے۔

بنیادی تعلیم کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ ہندوستان کے سب بچوں کے لئے ہے کسی ایک خاص طبقہ کے بچوں کے لئے نہیں۔ اس لئے آج ہمیں ہندوستان کے سات لاکھ گاؤں کے بچوں کے لئے ایک نیا ادب بنانا

ہے۔ ہمیں تو آج ایسے ادب کی ضرورت ہے جو اصلی دیہاتی بچوں کے لئے ہو اور جس کا تعلق بچوں کی روزمرہ زندگی سے ہو۔ اس کی زبان بھی ویسی ہو جو دیہاتی بولی کی خامیوں سے آزاد ہو لیکن دیہاتی زبان کی سب خوبیاں اس میں موجود ہوں۔

بہار میں پہلے ایک سال سے بنیادی اسکولوں کے بچوں کے لئے ایک نیا لٹریچر مرتب کرنے کی جو تیاری ہو رہی ہے اس کا نام پہلے ہی "نئی تعلیم" میں دیا جا چکا ہے۔ پٹنہ ٹریننگ اسکول میں بچوں کے پڑھنے کے لئے جتنا سامان اکٹھا کیا گیا تھا ان میں سے کچھ سبق چھانٹ کے تیسری جماعت کے بچوں کے لئے ایک چھوٹی سی بچوں کی کتاب تیار کی گئی ہے۔ بہار کے بیسک ایجوکیشن بورڈ نے اس کتاب کو منظور کیا ہے تعلیمی سنگھ کی طرف سے چھاپا جا رہا ہے۔ اس کو چھاپنے میں جو دیر ہو رہی ہے وہ صرف اس لئے ہے کہ ہم ایک ایسے اچھے مصور کی فکر میں ہیں جو ان کہانیوں میں بچوں کے لئے خوبصورت تصویروں سے جان پیدا کر دے۔ آج ہمارے اسکولوں کے بچوں کے لئے جو کتابیں تیار کی جاتی ہیں اور استعمال کی جاتی ہیں۔ ان میں جتنی مضمون کی کمی ہے اتنی ہی تصویروں کی بھی ہے۔ کسی نہ کسی طرح سبق تیار کر کے سستے سے سستے مصور کے قلم سے معمولی تصویروں سے سجا کر کتابیں تعلیم کے نام سے بچوں کے ہاتھ میں دی جاتی ہیں۔ ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ یہی وہ وقت ہے جب بچوں میں ادب اور مصوری کی خواہش پیدا کی جاتی ہے جس طرح بچوں کی جسمانی نشوونما اور ترقی کے لئے خراب اور سستا کھانا دینا نقصان دہ ہے۔ ان کے ہاتھوں میں سستا ادب اور سستی تصویریں دینا ان کی دماغی ترقی کے لئے اتنا ہی مضر ہے۔

اس لئے ہماری یہ کوشش ہے کہ جو پہلی کتاب ہم بنیادی اسکولوں کے بچوں کے ہاتھ میں دیں جہاں تک ہو سکے وہ خوبصورت ہو۔ ہم جس عمدہ ادب کا خواب دیکھ رہے ہیں اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے ہمیں ایک اچھے شاعر اور مصور کا انتظار کرنا ہوگا جب تک وہ شاعر اور مصور نہیں آتا اس وقت تک ہمیں ان کے لئے زمین تیار کر لی ہے

بہار میں جو ادب تیار کیا جا رہا ہے اس کے متعلق ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ بنیادی تعلیم کے مقصد کو پورا کرتا ہے۔ لیکن اصلی اور سچی بنیاد پر یہ کام شروع کیا گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ایسے مضمون چنے گئے ہیں جو بچوں کی روزمرہ کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ انھیں بنیادی تعلیم کے مقصد کی طرف آگے بڑھاتے ہیں ان سبقوں کو کہانیوں اور گفتگو کی شکل دی گئی ہے لیکن ساتھ ساتھ یہ کوشش بھی کی گئی ہے کہ اس میں دیہاتی بولی کی مٹھاس اور آسانی قائم رہے۔

اس کتاب کے یہ سبق ہم صرف ایک تجربہ کے طور بنیادی تعلیم کے کام کرنے والوں کے سامنے رکھتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ جیسے جوں جوں بنیادی تعلیم کا کام آگے بڑھتا جائے گا بنیادی اسکولوں میں اور ٹریننگ اسکولوں میں بچوں کے لئے ایک نیا ادب بنتا جائے گا۔

بہار میں جو "ادب" تیار کیا جا رہا ہے اس کے ایک دو نمونے نیچے دئے جاتے ہیں۔

(۱) دو پیسہ کی لکڑی زندگی بھر

بھیدی تیواری اب گھر ہی پر رہتے ہیں۔ بیس برس تک انھوں نے پولیس میں نوکری ہے۔ وہ بستی میں دس پیسے کے آدمی سمجھے جاتے ہیں۔ لوگ ان کی بڑی عزت کرتے ہیں

شام کو جب دروازے پر بیٹھتے تو دس پانچ آدمی ضرور ہی اکٹھے ہو جاتے ان کے منہ سے دیش ودیش کی کہانیاں سن کر لوگ لوٹ پوٹ ہوا کرتے تھے۔

برسات کے دنوں کی بات ہے۔ گھر گھر ایندھن کی دقت ہو رہی تھی۔ بھیدی تیواری کی بیٹھک پر آج اسی بات پر بحث ہو رہی تھی کوئی کہتا کہ ایندھن کے پیچھے سارا گوبر برباد ہو جاتا ہے۔ کوئی گڑگڑا تا کہ پیسہ بھی دینے پر گوبر لکڑی کچھ بھی نہیں ملتا ہے۔ کاندو۔ گونڈ۔ بڑھئی۔ ارکیا۔ لکڑہارا کسی کے گھر پر ایک چنی بھی نہیں ہے۔ گھر میں اناج ہوتے ہوئے بھی فاقہ کی نوبت آ رہی ہے۔

اس پر بھیدی تیواری نے اپنے ایک ساتھی وٹھل سنگھ کی کہانی سنائی۔ وٹھل سنگھ نے جس دن نوکری شروع کی تھی۔ اس دن اس نے رسوئی بنانے کے لئے دو پیسے کی لکڑیاں خریدی تھیں۔ بس یہی لکڑیاں اس کی زندگی بھر چلتی رہیں۔ یہ سن کر لوگوں نے زور کا قہقہہ لگایا تو انھوں نے کہا کہ بھائی اس میں ہنسنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ نہ اس میں کوئی جھوٹ ہے۔ یہ ایک سچی اور سیدھی بات ہے۔ وٹھل سنگھ دو پیسے کی لکڑیوں سے کبھی دو اور کبھی تین دن رسوئی بناتا تھا۔ رسوئی بنا کر فوراً کوئلے بجھا لیا کرتا تھا اور کوئلہ بیچ کر وہ دو پیسے بچا لیا کرتا تھا۔ پھر انھیں پیسوں سے لکڑیاں خریدتا اور رسوئی بناتا۔

اس پر ایک آدمی پوچھ بیٹھا "تیواری جی ہمارے گھروں میں بھی جب تب لکڑیاں جلائی جاتی ہیں۔ پھر ہم کیوں نہیں کوئلے سے لکڑیوں کے دام نکال لیتے؟"

تیواری جی نے سمجھایا، بھائی وٹھل سنگھ رسوئی بناتے وقت ایک منٹ کے لئے بھی ٹس سے مس نہیں ہوتا تھا۔ نہ ایک منٹ کے لئے وہ آنچ ہی کو بھکنے دیتا تھا۔ پھر جب کوئی انگارا بھڑک جاتا اور آنچ سے بے لاگ ہو جاتا تو وہ ان کو فوراً بجھا دیا کرتا تھا۔ جب کوئی اتنا دھیان دے تو پھر کیوں نہ کوئلوں سے پیسے نکالے۔

(۲) فصل چوپٹ ہونے لگی

آج سے تقریباً دو سو برس پہلے کی بات ہے کہ کسی ٹاپو میں نئے نئے لوگ بس رہے تھے۔ کچھ جنگل کاٹے گئے تھے۔ وہاں کھیتی شروع ہو چکی تھی۔ کئی برس تک اچھی فصلیں ہوئیں۔

اسی دوران میں لوگوں کو شکار کا چسکا پڑا۔ خاص کر چڑیوں ہی پر آفت آئی۔ کچھ ہی دنوں بعد وہ تلاش کرنے پر بھی نہ دکھائی دیتی تھیں۔ شکاری اپنے برسے دنوں پر افسوس کرنے لگے کھیتی کا کام پورے زور اور محنت سے ہو رہا تھا لوگ طرح طرح کے

اس کی ترقی میں لگے ہوئے تھے ۔ نئی نئی طرح کے ہل، پھاوڑا، اچھی سے اچھی قسم کے اوزار سب کچھ کام میں لائے جا رہے تھے ۔ کھادوں کو تیار کرنا اور کھیتوں میں دینا تو وہ کبھی بھی نہ بھولتے تھے ۔ پانی دینے کا پورا اور اچھا انتظام کیا جا رہا تھا ۔ کھیتوں کی رکھوالی بھی مستعدی سے کی جاتی تھی ۔ مگر سب کچھ ہونے پر بھی فصل چوپٹ ہونے لگی جس وقت فصلیں زوروں سے بڑھنے کو ہوتیں ٹھیک اسی وقت کیڑے مکوڑوں کی باڑھ سی آجاتی ۔ دیکھتے دیکھتے سارے کھیت صاف ہو جاتے ۔ لوگ بڑے پریشان ہوئے ۔ ان کی عقل حیران تھی کہ کیا ہوا جو یہ نئی آفت آئی ۔

بہت کچھ چھان بین ہوئی ۔ آخر میں یہ بات طے پائی کہ دو برس میں جو چڑیاں شکار میں ماری گئی ہیں اسی کا یہ نتیجہ ہے ۔ کیڑوں کی باڑھ کو روکنے والا ایک مضبوط گروہ جاتا رہا ۔

اب سوال پیدا ہوا کہ کیا کیا جائے ۔ سوچ بچار کر کر بڑ، پاکڑ، پیپل اور گولر جیسے سایہ دار اور پھل دار درخت لگائے گئے ۔ باہر سے بگلا، نیل کنٹھ، ہدہد، مینا وغیرہ چڑیاں لائی گئیں ۔ سب سے بڑھ کر ایک بات اور ہوئی وہ یہ کہ ایک قانون کے ذریعے چڑیوں کا شکار کرنا بارہ برس کے لیے بند کر دیا ۔ ادھر اسکولوں کے لڑکوں نے چڑیوں کی حفاظت اور مدد کرنے کے لئے اپنی بیسیوں جماعتیں قائم کیں ۔

تین چار برس میں وہ ٹاپو پھلوں کا خزانہ بن گیا ۔ تبھی سے وہاں کے لوگ ہر سال لاکھوں من چینی اور دھان وغیرہ چیزیں باہر کے ملکوں میں بھیجا کرتے ہیں ۔

(۳) اب کھادی مضبوط ہوگی

نندو نے ایک دن اپنے بابوجی کے بدن پر مل کا کپڑا دیکھا ۔ تو پوچھا "کیوں بابوجی ! آپ اب کھادی نہیں پہنتے ؟"

بابوجی ۔ دیکھو نندو ! کھادی کا کپڑا جہاں ایک بار پھٹا تو بس بے کار ہو جاتا ہے ۔ اس کی مرمت نہیں ہو سکتی ۔

نندو ۔ اب ویسی بات نہیں رہی بابوجی ! ہمارے بیسک اسکول کا سوت مضبوط ہوتا ہے ۔ اس سوت کی کھادی کمزور نہیں ہوتی ۔

بابوجی ۔ تم لوگ سوت کو مضبوط بنانے کے لئے کون کون سی تدبیریں کرتے ہو ؟

نندو ۔ ایک تو ہم دھنائی ہوشیاری کے ساتھ کرتے ہیں ۔ دھنائی نہ تو کم اور نہ زیادہ ہونی چاہئے ۔ دھنی ہوئی روئی کی پول جب ایک بار سے اس پار یعنی سب جگہ یکساں دکھائی دینے لگتی ہے تو دھنائی اچھی سمجھتے ہیں اور دھننا بند کر دیتے ہیں ۔

بابوجی ۔ اجی ! دھنائی پر دھیان دینے سے بھلا سوت پر مضبوطی کیسے آتی ہے ؟

نندو ۔ دھنتے وقت ریشوں پر زیادہ چوٹ لگ جائے تو وہ ٹوٹ جاتے ہیں ۔ اگر ٹوٹتے نہیں تو کمزور تو ضرور ہو جاتے ہیں ۔ انھیں وجوہات سے سوت کمزور ہوتا ہے ۔ جب دھنائی ٹھکانے سے ہوگی تو یہ کمزوری نہ آنے پائے گی ۔

بابوجی ۔ ہاں، تو پھر دھنائی کے بعد کیا کرتے ہو !

نندو ۔ دھنائی کے بعد ہم پونیاں بنا کر سوت کاتتے ہیں ۔ کاتتے وقت ہم لوگ سوت میں کافی بل دیتے ہیں ۔ بل سارے سوت میں برابر چڑھنے چاہئیں ۔ اس لئے ہم لوگ تکلی روک کر سوت نہیں کھینچتے ۔ تکلی کی رفتار کے مطابق ہی سوت نکالتے جاتے ہیں ۔ پونی پر تکلی کا دباؤ بھی یکساں رکھتے ہیں اور ہر بار لپیٹتے وقت ایک فٹ سوت رکھ چھوڑتے ہیں ۔ سوت کو خراب بھی نہیں ہونے دیتے ہیں ۔ ہم لوگ سوت کی ہمواری پر بھی زور دیتے ہیں ۔

نندو جھٹ اپنا اٹیرن لے آیا اور اس پر سے تھوڑا سوت اتار کر بابوجی کو دکھایا ۔

نندو ۔ دیکھئے بابوجی ! یہ سوت کتنا ہموار ہے ۔ اپنے کان کے پاس اس کو توڑ کر اس کے ٹوٹنے کی آواز تو سنئے ۔

بابوجی ۔ ہاں نندو ! تم ٹھیک کہتے ہو ۔ یہ سوت تو "ڈھک" بولتا ہے ۔ لیکن بازار والی کھادی کا سوت تو کھینچنے پر "پس" کر کے ٹوٹ جاتا ہے ۔

نندو ۔ ہاں بابوجی ! اسی وجہ سے تو کہتا ہوں کہ ہم لوگوں کے سوت کی کھادی مضبوط ہوتی ہے ۔

بابوجی ۔ اچھا ! اب میں مل کا کپڑا نہیں خریدوں گا ۔ اب سے تمھارے بیسک اسکول کی بنی ہوئی کھادی ہی پہنوں گا ۔

بنیادی تعلیم کی دوسری کانفرنس

[بنیادی تعلیم کی دوسری کانفرنس ۱۱/اپریل سنہ ۴۱ء سے ۱۴/اپریل تک جامعہ نگر (دہلی) میں ہوئی ۔ اس کی مفصل رپورٹ تو ہم اگلے پرچے میں چھاپیں گے ۔ اس وقت نئی تعلیم کے ناظرین کی دلچسپی کے لیے کانفرنس کا تھوڑا سا حال دے رہے ہیں ۔ امید ہے کہ ناظرین اسے دلچسپی سے پڑھیں گے ۔ ادارہ]

کانفرنس ۱۱/اپریل کو شام کو ۵ بجے جامعہ نگر میں ایک خوبصورت پنڈال میں شروع ہوئی ۔ کانفرنس میں شریک ہونے کے لئے گجرات، بنگال، سی ۔ پی، بہار، جنوبی ہند، اڑیسہ، یو ۔ پی، کشمیر، حیدرآباد، اندور اور راجپوتانہ سے کوئی سو کے قریب نمائندے آئے تھے ۔ ان کے علاوہ جامعہ ملیہ اسلامیہ اور دہلی کے کچھ تعلیمی اداروں کے نمائندے اور بہت سے دوسرے تعلیم سے دلچسپی رکھنے والے بھی کانفرنس کی کارروائیوں میں برابر شریک رہے ۔

کانفرنس کا افتتاح راجندر بابو نے کیا تھا اور افتتاح کرتے وقت آپ نے جو تقریر کی اس میں سننے والوں کے لئے بہت سی کام کی باتیں تھیں ۔ راجندر بابو کا پورا خطبہ ہم اگلے مہینے کے نئی تعلیم میں چھاپیں گے ۔

راجندر بابو سے پہلے ڈاکٹر ذاکر حسین نے اپنا خطبہ پڑھا ۔ خطبے کے متعلق عام طور پر کانفرنس میں یہ رائے تھی کہ خطبے میں جو کچھ کہا گیا تھا

اور جس طرح کہا گیا تھا اس کا ایک ایک لفظ سوچنے سمجھنے کا تھا۔ اس خطبے کو سن کر یہ سننے والا یہ محسوس کر رہا تھا کہ ہندوستانی زبان میں بھی لفظوں کا ایسا خزانہ موجود ہے کہ وہ مشکل سے مشکل اور اونچے سے اونچے خیال کو آسانی سے ادا کر سکتی ہے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین کا پورا خطبہ بھی ہم اگلے مہینے کے نئی تعلیم میں چھاپیں گے۔ وہ ہندوستانی زبان کے ادب میں ایک ایسی چیز ہے کہ نئی تعلیم کے پڑھنے والے کو اس کا انتظار بڑے شوق سے کرنا چاہئے۔

۱۲ اپریل کی صبح سے کانفرنس کی اصل کارروائی شروع ہوئی۔ سب سے پہلے ہندوستانی تعلیمی سنگھ کے سکریٹری نے بنیادی تعلیم کے تجربے پر اپنی رپورٹ پڑھی اور اس میں بتایا کہ ملک کے مختلف حصوں میں بنیادی تعلیم کے جو تجربے کئے جا رہے ہیں وہ کس حد تک کامیاب رہے ہیں۔ اس رپورٹ کے بعد مختلف صوبوں اور ریاستوں کے سرکاری نمائندوں نے اپنے اپنے یہاں کے تجربوں کا حال بتایا۔ ان تجربوں میں سب سے زیادہ سبق آموز کشمیر کا تجربہ ہے۔ اس کا مختصر حال بھی اگلے مہینے کے "نئی تعلیم" میں دیا جائے گا۔

۱۲ اپریل کی شام کو آگرہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر اور دہلی کے ایجوکیشن سپرنٹنڈنٹ مسٹر چیٹرجی نے بنیادی تعلیم کی نمائش کا افتتاح کیا اور اس سلسلے میں نہایت صاف دلی اور انصاف کے ساتھ نئی اور پرانی تعلیم کا فرق بتاتے ہوئے نئی تعلیم کی ہر پہلو سے تعریف کی۔ بنیادی تعلیم کی نمائش کئی حیثیتوں سے بے حد دلچسپ اور سبق آموز تھی۔ اس کا بھی تھوڑا سا حال ہم اگلے مہینے کے نئی تعلیم میں دے رہے ہیں۔

۱۳ تاریخ کی صبح کو غیر سرکاری اداروں کے نمائندوں نے اپنے اپنے کام کی رپورٹیں پڑھیں اور بتایا کہ کس طرح نئی تعلیم نے بچوں کی زندگی میں ایک نئی جان پیدا کر دی ہے۔ رپورٹوں کے بعد کانفرنس کے صدر ڈاکٹر ذاکر حسین نے ان کا خلاصہ بیان کیا اور رپورٹوں میں جن دقتوں کی طرف اشارہ کیا گیا تھا ان کے مناسب جواب دئے۔ اسی دن شام کے سشن میں مربوط پڑھائی کے سلسلے میں کچھ بہت مفید تقریریں ہوئیں اور مضمون پڑھے گئے۔ اسی دن رات کو کانفرنس کے انتظام سے دہلی کے ٹاؤن ہال میں پروفیسر سیدین نے 'بنیادی تعلیم' کے ضروری پہلوؤں پر ایک بصیرت افروز تقریر کی۔ اس تقریر میں بھی جو کام کی باتیں آگئی تھیں ان کا مختصر سا ذکر اگلے مہینے کانفرنس کی مفصل رپورٹ میں کیا جائے گا۔

۱۴ اپریل کی صبح کو ربط کے اصول پر پھر تقریریں اور بحثیں ہوئیں۔ اس کے بعد کتائی کا نیا نصاب پیش کیا گیا اور وہ کافی بحث مباحثے کے بعد منظور کر لیا گیا۔ اسی دن شام کو استادوں کی ٹریننگ پر کئی مضمون پڑھے گئے اور ان پر دلچسپ بحثیں ہوئیں۔ چونکہ کام ختم نہیں ہوا تھا اس لئے رات کو پھر کانفرنس کا ایک اجلاس ہوا۔ اس میں پہلے بنیادی تعلیم میں آرٹ کی اہمیت پر ایک بہت دلچسپ تقریر ہوئی اور ایک بہت اچھا مضمون پڑھا گیا۔ اس کے بعد کانفرنس کے صدر ڈاکٹر ذاکر حسین نے کانفرنس کے سامنے وہ نتیجے پڑھے جو اس کے مختلف اجلاسوں میں بحث مباحثوں کے بعد نکالے گئے تھے۔ ان نتیجوں میں سب سے اہم یہ تھا کہ کانفرنس میں سرکاری' غیر سرکاری اور نجی اداروں کی جو رپورٹیں پڑھی گئیں اُن سے اندازہ لگایا گیا ہے کہ نئی تعلیم نے بچوں کو جسمانی' دماغی اور اخلاقی ہر حیثیت سے پہلے کے مدرسوں کے لڑکوں سے بہت اچھا بنا دیا ہے۔ دوسری خاص تجویز یہ تھی کہ باوجود اس کے کہ ربط کی تعلیم میں بڑی گنجائش ہے لیکن کانفرنس کا خیال ہے کہ ربط کو مشین کی طرح کام میں نہیں لانا چاہئے بلکہ بنیادی دستکاری' بچے اور اس کے گرد و پیش تینوں چیزوں سے پوری طرح فائدہ اٹھانا چاہئے۔ تیسری خاص تجویز یہ تھی کہ بنیادی اسکولوں میں آرٹ کے کام کو خاص جگہ ملنی چاہئے۔ اس کے علاوہ ۸ تجویزیں اور تھیں ہم ان سب کا حال اگلے مہینے کے نئی تعلیم میں دیں گے۔

سب سے آخر میں صدر نے مختلف جگہ سے آنے والے نمائندوں کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد کاکا کالیلکر صاحب نے صدر اور جامعہ ملیہ کے اخلاق اور مہمان نوازی کا شکریہ ادا کیا اور اس کے بعد کانفرنس ختم ہوئی۔

ایڈیٹوریل

بنیادی اسکولوں کی جانچ

اپریل کے مہینے سے اسکولوں کے کام کا سال پورا ہوتا ہے۔ اس مہینے میں سب جگہ بنیادی اسکولوں کی جانچ کی جائے گی اور اسی جانچ کے نتیجوں کی بنیاد پر ہم کہہ سکیں گے کہ ہماری سال بھر کی کوششیں کہاں تک کامیاب ہوئی ہیں۔ اس لئے کہ یہ جانچ کس طریقے سے کی جائے اور بنیادی اسکولوں کی کامیابی اور ناکامی ناپنے کے لئے ہماری کسوٹی کیا ہو اس سوال پر غور کرنے کا یہی موقع ہے۔

بنیادی تعلیم کی اسکیم میں امتحان کے سوال پر ڈاکٹر حسین کمیٹی نے یہ ہدایتیں دی ہیں:-

"بنیادی اسکولوں کی قابلیت کا اندازہ تین طرح سے کیا جا سکتا ہے ایک تو سالانہ جانچ کے ذریعے' دوسرے بنیادی حرفے میں طالب علم کی قابلیت کے ذریعے اور تیسرے اسکول کے طلبار اور استاد قریب کے گاؤں کی زندگی میں جو درستی کر سکے ہیں اس کے ذریعے۔ اس کے علاوہ اگر ہر سال ضلع کے سب اسکولوں کے کام کی ایک نمائش کی جائے تو اس سے کام کی ایک اچھی کسوٹی قائم رکھنے میں بہت مدد ملے گی۔"

اس سالانہ جانچ کا طریقہ اور کسوٹی کیا ہو؟ اس کے بارے میں تھوڑا سا سوچا جائے۔ بنیادی حرفے کی قابلیت کے جانچنے کا کیا طریقہ ہو اور اس کی کسوٹی کیا مانی جائے۔ اس سوال کی طرف کافی دھیان دیا گیا ہے اور آج ٹریننگ اسکول اور بنیادی اسکولوں میں کتائی کی رفتار' پیداوار' مزدوری' پھیپن' سوت کا نمبر' ہمواری اور مضبوطی کی جانچ بہت گہری نظر سے کی جا رہی ہے یہاں تک کہ یہ خوف ہے کہ ہم کہیں یہ نہ بھول جائیں کہ

یہ ہاتھ کا کام تو بچوں کی تربیت کے لئے ایک ضمنی شکل میں چنا گیا ہے۔

اس لئے آج جو لوگ بنیادی اسکولوں کی جانچ کرنے والے ہیں اُن سے ہماری درخواست ہے کہ وہ کتائی کے کام کا امتحان ضرور لیں۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی سمجھنے کی کوشش کریں کہ اس کے ذریعے بچوں کا دل اور دماغ کہاں تک خوش اور کھلا ہے۔ اس کام میں بچوں کی دلچسپی بڑھ رہی ہے یا نہیں؟ اپنی فرصت کے وقت بچے اپنی خوشی سے کاتتے اور آپس میں کتائی کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں یا نہیں؟ اس کے بارے میں ان کو کوئی تلاش کی فکر نظر آتی ہے یا نہیں یعنی استاد سے سوال کرتے ہیں یا نہیں؟ اپنے کام میں اور اپنے ساتھیوں کے کام میں غلطی یا ڈھیلا پن دیکھ کر اصلاح کی کوشش کرتے ہیں یا نہیں؟ اپنے کام کے سامان کو ترتیب سے لیتے اور واپس کرتے ہیں یا نہیں؟

بنیادی دستکاری کے بعد مادری زبان اور حساب کا سوال آتا ہے۔ ان دونوں مضمونوں کا نصاب تفصیل سے دیا گیا ہے اور اس کا پتہ چلانا مشکل نہیں ہے کہ یہ مضمون بچے کی زندگی اور کام کے ساتھ ساتھ قدرتی طور سے ربط پیدا کرکے سکھائے گئے ہیں یا نہیں۔ ہم صرف ممتحن سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھیں کہ ہر روز کی بات چیت، حساب کتاب اور ناپ تول میں بچوں کو قدرتی لگاؤ ہے یا نہیں!

ہم خاص طور پر یہاں استاد اور ممتحین کی توجہ جنرل سائنس اور سماج کا علم کے نصاب میں جو باتیں بتلائی گئی ہیں ان کی طرف پھیرنا چاہتے ہیں۔ سب سے پہلے ہمیں دیکھنا ہے کہ بچوں میں اپنا بدن، اپنے کپڑے اور اپنے آس پاس کی جگہ صاف رکھنے کی عادت پڑ گئی ہے یا نہیں! ہم تو یہ مانتے ہیں کہ اسکول کا اور کام کتنا ہی اچھا ہو اگر بچوں میں بنیادی عادتوں کی بنیاد نہ پڑی ہو تو وہ اسکول اور استاد ناکامیاب رہے۔ یہ ماننا بھی چاہئے۔ ہم جانتے ہیں کہ جو عادتیں سماج کے علم کے نصاب میں دی گئی ہیں اُن کی بنیاد تھوڑی مدت میں ڈالنا کتنی مشکل بات ہے لیکن پھر بھی ہم امتحان لینے والوں سے یہ امید رکھیں گے کہ جتنا وقت بھی وہ اسکول کو دیں وہ بچوں کے اُٹھنے بیٹھنے، کھیلنے کودنے، کام کرنے، ایک دوسرے سے ملنے، استاد سے بات چیت کرنے کے ڈھنگ کو اسی نظریے کے مطابق گزاریں۔ اگر وقت ہو تو کلاس کی یا الماری کی چیزوں کو اِدھر اُدھر بے ترتیب رکھ کر بچوں سے ترتیب وار رکھنے کو کہیں اور دیکھیں۔ انھیں باتوں کی بنیاد پر دیکھیں گے کہ سماج کے علم کا نصاب پورا ہوا ہے یا نہیں!

سماجی علم کے نصاب کے دوسرے حصے کے بارے میں کافی شکایتیں سننے میں آئی ہیں۔ ہم بار بار کہتے آئے ہیں کہ جو کہانیاں دی گئی ہیں وہ جغرافیہ یا تاریخ کے نصاب کے طور پر نہیں ہیں وہ تو صرف بچوں کے دور کے ملکوں اور گذرے ہوئے زمانے کے لوگوں کی زندگی اور واقعات کے متعلق سوچنے بچارنے کے خیالات کو جگانے کے لئے ہیں۔ اگر بچہ چین کے پانچ بادشاہوں میں سے ایک کا بھی نام نہ جانے تو کوئی ہرج نہیں۔ اگر استاد نے کسی بھی کہانی کے ذریعے اس کی صلاحیتوں کو جگایا ہو تو کافی ہے۔

عام سائنس کا نصاب باغبانی کے نصاب سے ملتا ہوا ہے اسی لئے جن اسکولوں میں بچوں کے لئے باغبانی کا کوئی انتظام نہیں وہاں علم سائنس کا نصاب پورا کرنا بہت مشکل ہے۔ تب بھی اس نصاب کا جو پہلا مقصد رکھا گیا ہے کہ "بچے گرد و پیش کی دنیا کو سمجھ کر دیکھیں اور اس میں خوش ہوں۔ ان میں ہر ایک چیز کو غور سے دیکھنے کی عادت پیدا ہو جائے" یہ مقصد کہاں تک پورا ہوا یہ دیکھنا ممتحن کا ایک خاص کام ہے۔ اگر ممتحن وقت دے سکیں تو ہماری خواہش ہے کہ بچوں کو ساتھ لے کر گھومنے جائیں اور یہ جانچنے کی کوشش کریں کہ بچے باریکی سے گرد و پیش کی دنیا کا مشاہدہ کرتے ہیں یا نہیں۔ عام سائنس کی جانچ کا ایک معمولی طریقہ اسکول میں جمع کی ہوئی چیزوں کا بھی ہے۔

ہمیں یاد رکھنا ہے کہ امتحان بچوں کی قابلیت کی جانچ نہیں ہے جتنا کہ اسکولوں کی۔ اس لئے بچوں کے کام کی جانچ کرنے سے پہلے ہمیں یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ تعلیمی نقطۂ نظر سے اسکول میں کیا خامیاں ہیں۔ جس اسکول میں بچوں میں صفائی کی عادتیں پیدا کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے اس کو بے کار سمجھنا چاہئے۔ اس نظریے سے چمپارن صوبہ بہار کے ہر ایک بنیادی اسکول میں اسکول کے ضروری سامان کے طور پر ایک ایک ٹیوب ویل اور پاخانہ وغیرہ قائم کئے گئے ہیں۔ اسی طرح جس اسکول میں باغبانی کے لئے یا بچوں کے کھیل کود کے لئے کوئی جگہ یا سہولتیں نہ ہوں یا جس اسکول میں بچوں کے آرام سے اٹھنے بیٹھنے اور کام کرنے کی جگہ نہیں ہے تو اس اسکول کو ہم تعلیم کا گھر نہیں کہہ سکتے ہیں۔

تعلیم کا کام پورا کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہمارے گاؤں کے بچوں کی خوراک میں جو کمیاں ہیں ان کو اسکول میں پورا کرنے کی کوشش کی جائے۔ یہ آج ہمارے ملک کی اور تعلیمی قیام کی جو موجودہ حالت ہے اسے دیکھتے ہوئے اسکولوں کی جانچ میں اس بات پر زور نہیں دے سکتے۔

جن لوگوں کے ہاتھوں میں بنیادی تعلیم کے انتظام کا کام ہے ان سے ہماری درخواست ہے کہ ضلع کے اسکولوں کے کام کی جانچ کے لئے ذاکر حسین کمیٹی کی رپورٹ میں جس سالانہ نمائش کی ہدایت کی گئی ہے اُس کے بارے میں سوچیں۔ اگر ہر سال سالانہ جانچ کے موقع پر ہر ایک علاقے میں ایک نمائش کا انتظام کیا جائے تو ہمیں یقین ہے کہ اسکولوں کی جانچ کی ایک اچھی کسوٹی مل جائے گی۔

بچوں کے اور اسکولوں کے کام کی ٹھیک ٹھیک جانچ کے لئے ہماری صرف یہی ہدایات ہیں۔ جیسے جیسے ہمارے کام کا تجربہ بڑھتا جائے گا ویسے ہی ویسے اس جانچ کے طریقے اور مقصد ہمارے سامنے صاف ہوتے جائیں گے۔ اس لئے اس مہینے میں جہاں جہاں بنیادی اسکولوں کی جانچ کی جائے گی ان سب جانچ کرنے والوں سے ہماری درخواست ہے کہ اپنی جانچ کے طریقے اور رپورٹ "نئی تعلیم" کے لئے لکھ کر بھیجیں تاکہ سب کے ملے جلے تجربے سے ایک خاص طریقہ بن سکے۔

کتائی اور بنائی میں اصلاح اور ترقی

چرخہ سنگھ کے صدر دفتر سے کتائی اور بنائی کی دستکاری میں اصلاح اور ترقی کی ایک اسکیم تیار کی گئی ہے جو بنیادی تعلیم کے کام کرنے والوں کے لئے بھی کافی اہمیت رکھتی ہے۔ ان کے فائدے کے لئے اس کا خلاصہ نیچے دیا جاتا ہے۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہر دستکاری کے پھیلانے کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ اس کے اوزاروں میں اور اس کے کام کے طریقوں میں اصلاح ہوتی جائے اور جہاں ضرورت ہو وہاں نئی نئی باتیں ایجاد کی جائیں۔ جب سے کھادی کا کام شروع ہوا اسی وقت سے چرخہ سنگھ

یہ ضرورت محسوس کر رہا ہے اور جوں جوں اس میں کام کرنے والوں کا گلتے اور بننے کا تجربہ بڑھتا گیا ہے ویسے ہی کتائی بنائی، رنگائی چھپائی وغیرہ کے اوزار اور کام کے طریقوں میں اصلاح ہوتی آئی ہے۔ اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ ۲۳-۱۹۲۲ء میں جہاں کھادی جیسے اوزاروں میں ٹاٹ جیسی موٹی اور معمولی کھادی کے علاوہ کچھ نہیں بنتا تھا وہاں آج ہر طرح کی باریک سے باریک اور خوبصورت سے خوبصورت کھادی مل سکتی ہے۔

لیکن آج تک جو کچھ اصلاح اور ترقی کا کام ہوا ہے وہ زیادہ تر شخصی طور پر ہی ہوا ہے۔ چرخہ سنگھ کبھی کبھی اس کی طرف کارکنوں کی توجہ دلاتا رہا ہے لیکن اس کے لیے کوئی اسکیم چرخہ سنگھ کے پاس نہیں تھی۔ آج چرخہ سنگھ کے کارکنوں اور کتائی بنائی کے کام میں دلچسپی لینے والے لوگوں کی بھی اس کام کی طرف دلچسپی بڑھتی نظر آرہی ہے۔ جب سے بنیادی تعلیم جاری ہوئی ہے تب سے کتائی اور بنائی کے کام ۰۰۰ اور شروع ہوا ہے۔ یہ دستکاری اب صرف پیٹ بھرنے کا ایک دھندا نہیں رہی ہے بلکہ تعلیم کے میدان میں عقل اور ہاتھ کے کام کو پھیلانے میں ایک خاص قسم کی جگہ لے رہی ہے۔

ان باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے چرخہ سنگھ نے یہ طے کیا ہے کہ اپنی محدود معلومات کے مطابق کتائی اور بنائی کی دستکاری میں اصلاح اور ترقی کا کام شروع کیا جائے۔ آج چرخہ سنگھ اتنا ہی کر سکتا ہے کہ جہاں اصلاح اور استعمال کا کام چل رہا ہے وہاں سے واقفیت حاصل کر کے دوسرے لوگوں تک پہنچائی جائے۔ جہاں تک ہو سکے ہر طرح اس کام میں مدد پہنچائی جائے اور ساتھ ہی ساتھ کامیاب مصلح کے لئے مناسب واقفیت اور معلومات بہم پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ یہ معلومات کپاس کی پیداوار سے لے کر کپڑے کی تیاری تک سب منزلوں اور اس کے سب اوزاروں سے متعلق ہو سکتی ہے۔

اس اصلاح اور ترقی کے کاموں میں کیا نظریہ رہے اس کے متعلق کچھ کہہ دینا یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔ مغرب میں کام کے اوزاروں میں جو اصلاح ہوتی رہی ہے اس سے انسان کی دستکاری اور عقل گھٹتی رہی ہے اور مشین کا درجہ بڑھتا گیا ہے لیکن ہم کو ایسے طریقے سوچنے کی ضرورت ہے جن سے انسان کی دستکاری کا کام بڑھے اور اس کو چلانے کی خوشی حاصل ہو اور اس کے متعلق ضروری اشیاء آس پاس سے مل سکیں۔

بنیادی تعلیم کے کارکنوں کے لئے بھی آج تعلیم کے نقطہ نظر سے کتائی کی دستکاری میں کافی اصلاح اور ترقی کی ضرورت ہے ہمیں پوری امید ہے کہ کتائی اور بنائی کے کام کو پھیلانے میں ان کا بھی ایک بڑا حصہ رہے گا۔

فہرست مضامین

پرنٹر و پبلشر: حامد علی خاں	مطبوعہ: جید برقی پریس	مدیر: آشا دیوی

نئی تعلیم

جلد ۳، نمبر ۵ | دہلی، مئی سنہ ۱۹۴۱ء | قیمت سالانہ عہ

بنیادی تعلیم کی دوسری سالانہ کانفرنس

خطبہ استقبالیہ

(ڈاکٹر ذاکر حسین، صدر ہندوستانی تعلیمی سنگھ)

راجن بابو بھائیو اور بہنو۔

آج بنیادی تعلیم کی دوسری کانفرنس شروع ہو رہی ہے۔ ہمارے بلاوے پر آپ سب لوگ دور اور نزدیک سے سفر کی تکلیفیں اٹھا کر، کاموں کا ہرج کرکے اس میں شریک ہونے آئے ہیں۔ ہم آسانی سے آپکا شکریہ ادا نہیں کر سکتے۔ مگر یقین جانیے کہ ہم دل سے آپ کے شکر گذار ہیں۔ ہمیں بڑی امید ہے کہ اپنی بات سُنا کر اور دوسروں کی سُن کر اپنی کامیابیوں سے اوروں کی ہمت بڑھا کر اور اپنی ناکامیوں سے دوسروں کو ہوشیار کرکے آپ کے یہاں ملنے سے ملک صحیح بنیادی تعلیم کی راہ پر ایک قدم اور آگے بڑھا سکے گا۔

آپ کو یاد ہوگا کہ پہلی بنیادی تعلیمی کانفرنس کو ایک مالدار صوبہ کی حکومت نے بلایا تھا۔ آج آپ ایک غریب قومی ادارے کے بلاوے پر یہاں جمع ہوئے ہیں۔ آپ کو اگر رہنے سہنے اور کھانے پینے کا ویسا آرام نہ ہو تو ہمیں معاف کر دیجئے اور یقین جانیئے کہ آپ کے آرام میں اگر کوئی کمی ہے تو اس وجہ سے نہیں ہے کہ ہم آرام دینا نہیں چاہتے، بلکہ شاید اس وجہ سے ہو کہ ہمارے پاس اس کا پورا سامان نہیں ہے۔ اور مجھے تو یقین ہے کہ آپ شاید ان چھوٹی چھوٹی تکلیفوں کو دھیان میں بھی نہ لا سکیں گے۔ لیکن پہلی اور دوسری کانفرنس کے اس فرق سے دھیان اس طرف ضرور جاتا ہے کہ یہ بنیادی تعلیم کا کام ہے کس کا کام؟ حکومت کا یا نجی آدمیوں اور اداروں کا۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم سب اس بات کو اچھی طرح سوچیں۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے بنیادی تعلیم کی تجویز نجی آدمیوں نے بنائی تھی۔ اگر کوئی حکومت ان کی تجویز کو نہ اپنا پاتی تب بھی شاید یہ لوگ تعلیم کے جس انداز کو ٹھیک سمجھتے تھے اس کو کہیں نہ کہیں موقع پاکر چلاتے اور اپنے تجربہ سے اوروں کو شاید کوئی نئی راہ دکھا سکتے یا جیسے بہت سی خیالی تجویزیں بنائی جاتی ہیں یہ تجویز بھی بنائی جاتی اور ایک چھوٹی سی کتاب کی شکل میں کہیں کہیں کسی کتب خانہ میں بلا کرتی۔ لیکن میں آپ سب سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ کے خیال میں یہ پہلی اور دوسری صورت برابر ممکن تھی؟ میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ تجویز بنی ہی اس لئے تھی کہ بنانے والے کے نزدیک ہمارے ملک میں ایک اچھی ریاست کے بننے کا وقت قریب آگیا تھا۔ اگر وہ ریاست بن جائے تو وہ اس کام کو سنبھالے۔ وہ نہ بنے تو تعلیمی کام کرنے والوں کا فرض ہے کہ وہ اسے چلائیں اور اس کو چلا کر بھی اور اچھی ریاست کے آنے کا وقت نزدیک لے آئیں۔ اس تجویز کے بنانے والوں کو ضرور معلوم ہوگا کہ اچھی ریاست کا بننا کھیل نہیں۔ بنتے بنتے بنتی ہے۔ اس۔ شاید وہ پہلے ہی سے اسے ریاست کی مدد بغیر چلانے کے لئے کمر کس بیٹھے ہوں گے۔ یہ تو بس ایک اتفاق کی بات تھی کہ اس تجویز کو کئی صوبوں کی حکومتوں نے تھوڑی بہت کتر بیونت کے ایک ہی وقت میں مان لیا اور بغیر بہت تیاری کے اور کہیں کہیں ایسے لوگوں کے ہاتھوں جنھیں اس پر پورا بھروسہ نہ تھا اسے چلا دیا۔ کہیں چھوٹے پیمانے پر کہیں بڑے پیمانے پر اور آج بھی ان میں سے کئی جگہ تو یہ تجربہ پوری محنت سے چلایا جا رہا ہے۔ کہیں کہیں ذرا بے دلی سے اسے ایسے گھسیٹ رہے ہیں۔ جیسے بس کئے کی لاج ہو۔ اور ایک آدھ جگہ تو م۔۔ ا جھینے کے لیے تجربہ کے بعد جیسے تھک کر یا پشیمان ہو کر اس سے توبہ بھی کر لی گئی ہے۔ اس میں تو شک نہیں کہ یہ حکومتیں اس تجویز کو نہ مان لیتیں تو اس پر جتنا تجربہ ہوا ہے وہ نہ ہو پاتا مگر ساتھ ساتھ یہ بھی سچ ہے کہ حکومت کے باہر بھی لوگوں میں شاید اس سے اتنی خواہ مخواہ کی بیزاری بھی نہ ہوتی۔ صرف اس وجہ سے بعض ایسی حکومتوں نے اسے چلایا جن سے یہ لوگ راضی نہ تھے، وہ اس تجویز کو جانچنا اور ماننا تو کیا ایک نظر دیکھنا بھی نہیں چاہتے۔ یہ بھی ہوا۔ کہ حکومت نے اسے حکم سے چلوایا کام کہیں کہیں تو ضرور ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آیا جو خود یا تو اس تجویز کو سمجھے نہیں تھے یا کسی ایسی وجہ سے جس کا تعلیم سے کوئی واسطہ نہیں وہ اسے پسند نہ کرتے تھے۔ گویا حکومت کے ہاتھ میں اس کے آنے سے اگر فائدہ ہوا تو نقصان بھی ضرور ہوا۔ پھر ہمیں کیا کرنا چاہیئے کیا اس کی کوشش کرنا چاہیئے کہ اس کام کو حکومتوں ہی کے ہاتھ میں دیں یا یہ کہ غیر سرکاری قوتوں کو اس کی خدمت میں لگائیں۔ میں اپنی رائے آپ کو بتا دوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ بنیادی تعلیم کا کام ریاست

کا کام ہے۔ یہ اتنا بڑا اور اتنا پھیلا ہوا کام ہے کہ نجی کوششیں اسے سمیٹ نہیں سکتیں۔ لیکن اگر ریاست کسی ایک فرقہ یا ایک گروہ کی حکومت کا نام ہے تو یہ ایسی چلتی پھرتی چھاؤں ہے کہ تعلیم اس کے ہاتھ میں کبھی زیادہ دیر تک ٹھیک راستہ پر نہیں چل سکے گی۔ ہاں اگر ریاست سماجی زندگی کی اس تنظیم کو کہتے ہیں جس کی بنا عدل پر ہو، جو خود روز بروز اپنی اس بنیاد کو مضبوط کر کے اخلاقی ترقی کرتی جاتی ہو اور دن بہ دن اپنے شہریوں کی کوشش سے ہر گروہ اور ہر طبقہ کیا ہر آدمی کی اخلاقی شخصیت کی پوری ترقی کا راستہ اس میں سہل سے سہل ہوتا جاتا ہو، تو پھر تعلیم ایسی ریاست کا سب سے ضروری کام ہے اس لئے کہ خود اس کی اخلاقی ترقی اس کام سے ہوتی ہے۔ دنیا کی کوئی ریاست کامل بے عیب ریاست نہیں ہو سکتی۔ مگر بعض ریاستوں کی نیو اخلاق اور نیکی پر ہوتی ہے۔ بعض کی نہیں ہوتی۔ بعض اخلاقی بہتری کی طرف چلتی ہیں بعض نہیں چلتیں۔ بعض عدل کے قریب ہونا چاہتی ہیں بعض نہیں چاہتیں۔ بعض میں سب کے لئے ترقی کی راہیں کھلی ہوتی ہیں بعض میں کچھ کے لئے کھلتی ہیں اور کچھ کے لئے اور بند ہوتی جاتی ہیں۔ بنیادی تعلیم کا کام پہلی قسم کی ریاست کا کام ہے۔ دوسری قسم کی ریاست کے ہاتھ میں یہ نہ پہنچے تو اچھا۔ ہمارے ملک میں ابھی اس اخلاقی ریاست کا بننا باقی ہے۔ پھر جب تک وہ نہیں بنتی کیا ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں؟ نہیں۔ جس طرح آزاد اور اچھے آدمیوں کا یہ فرض ہے کہ وہ جلد سے جلد اپنی سماجی زندگی کی بنیاد ایسی اخلاقی ریاست پر رکھیں جیسی کہ میں نے ابھی بیان کی ویسے ہی ہر سچے تعلیمی کام کرنے والے کا فرض ہے کہ وہ ایسی ریاست کے بننے میں اپنے کام سے مدد دے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کا کام اس ریاست میں بہت کٹھن ہوگا۔ لیکن اس وجہ سے اسے چھوڑا تو نہیں جا سکتا۔ ہاں یہ ضرور جاننا چاہیے کہ کھودنا بہت ہوگا اور پانی بہت کم نکلے گا۔ مگر کیا عجب ہے کہ اس محنت ہی سے لوگوں کا دھیان کچھ پلٹے اور ہمارے ملک میں وہ ریاست وجود میں آجائے جو ہمارے دھیمے کام کو ایک ہی ہلہ میں کہیں سے کہیں پہنچا دے۔

اس وقت ہماری خوش قسمتی سے بابو راجندر پرشاد جی یہاں موجود ہیں اور ہماری کانفرنس کا ابھی چند منٹ میں افتتاح فرمائیں گے۔ میں ان کی معرفت تعلیمی کام کرنے والوں کی یہ التجا اپنے ملک کے سب سیاسی رہنماؤں کی خدمت میں پہنچانا چاہتا ہوں کہ خدا کے لئے اس ملک کی سیاست کو سدھاریئے اور جلد سے جلد ایسی ریاست کی طرح ڈالیئے جس میں قوم قوم پر بھروسہ کر سکے۔ کمزور کو زور آور کا ڈر نہ ہو، غریب امیر کی ٹھوکر سے بچا رہے، جس میں سب امن کے ساتھ پہلو بہ پہلو پھل پھول سکیں اور ہر ایک سے دوسرے کی خوبیاں اجاگر ہوں۔ جہاں ہر ایک وہ بن سکے جس کے بننے کی اس میں صلاحیت ہے اور وہ بن کر اپنی ساری قوت کو اپنی سماج کا چاکر جانے۔ میں جانتا ہوں کہ ان باتوں کا کہہ دینا سہل ہے اور کرنا کسی ایک آدمی کے بس کی بات نہیں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ آج یہ بات ہمارے سیاسی رہنماؤں کے ہاتھ میں اتنی ہے جتنی کہ پہلے کبھی نہ تھی کہ کچھ سمجھ کر کچھ سمجھا کر کچھ مان کر کچھ منوا کر ایسی ریاست کی نیو رکھ دیں۔ جب تک یہ نہیں ہوتا ہم تعلیمی کام کرنے والوں کا حال قابل رحم ہے۔ ہم کب تک اس سیاسی ریگستان میں ہل چلائیں۔ کب تک شبہ اور بیگانگی کے دھوئیں میں تعلیم کو دم گھٹ گھٹ کر سسکتے دیکھیں۔ کب تک ہم اس ڈر سے تھراتے رہیں کہ ہماری عمر بھر کی محنت اور عمر بھر کی محبت کو کوئی ایک سیاسی حماقت کوئی ایک سیاسی ضد بھسم کر دے گی۔ ہمارا کام بھی کوئی پھولوں کی سیج تو ہے نہیں۔ اس میں بھی بہت مایوسیاں ہوتی ہیں اور اکثر دل ٹوٹتا ہے۔ پھر جب ہمارے قدم ڈگمگائیں تو ہم کہاں سہارا ڈھونڈیں کیا اس سماج میں جس میں بھائی بھائی یک دل نظر نہیں آتے۔ کوئی قدر آخری قدر نہیں معلوم ہوتی۔ جس میں کوئی گیت نہیں جو سب مل کر گائیں کوئی تہوار نہیں جو سب مل کر منائیں۔ کوئی شادی نہیں جس میں سب مل کر رچائیں۔ کوئی دکھ نہیں جسے سب بٹائیں۔ ہماری یہ مشکل دور کیجئے اور جلد کیجئے۔ اب بھی بہت دیر ہو چکی ہے اور دیر نہ جانے کیا دن دکھائے۔

بھائیو اور بہنو میں نے راجن بابو کے یہاں ہونے سے فائدہ اٹھا کر یہ جو باتیں کہیں وہ میں جانتا ہوں کہ آپ سب کے دل کی گونج ہیں۔ لیکن اگر راجن بابو کچھ نہ کریں یعنی سیاسی رہنما کچھ نہ کریں یا نہ کر سکیں تو کیا ہمیں تھک کر بیٹھ جانا چاہیئے۔ ہو سکتا ہے کہ تھکاوٹ ہم میں اتنا دم نہ چھوڑ سکے کہ ہم کچھ کر سکیں مگر جب تک ایسا نہیں ہے اس بات کا خیال بھی اچھا نہیں لگتا۔ اگر ہم کو بھروسہ ہے کہ بنیادی تعلیم کا کام ہماری قوم کے لئے ایک ضروری کام ہے تو ہمیں بیٹھے بیٹھے سیاست کا منہ تکنا نہ چاہیے کہ جب یہ درست ہو جائے اور جب ایسی ریاست بن جائے جو اپنے کندھوں پر سب شہریوں کی تعلیم کا بوجھ اٹھا سکے تو اس وقت ہم بھی اس کی مدد کریں گے۔ نہیں۔ اگر ہم آج ہی سے اس اچھے کام میں لگے نہ رہیں گے تو شاید اس وقت بھی اپنی بے سمجھی اور ناتجربہ کاری سے کام کو بگاڑیں گے۔ اچھی سے اچھی ریاست بھی تو اپنے ایک اشارے سے وہ چشمے نہیں بہا سکتی جن کے سوتے پہلے سے رستے نہ ہوں۔ اس لئے اس کام کو تو چلانا ہی ہے اور اس طرح چلانا ہے کہ جب کوئی حکومت بنیادی تعلیم کے کام کو ہاتھ میں لینا چاہے تو وہ یہ نہ کہہ سکے کہ ہم جانتے نہیں کہ یہ کام کیسے ہوگا اور ہو بھی سکے گا یا نہیں۔ اور یہی نہیں کہ جب حکومتیں اس کام کو سنبھال لیں اور اسے ہماری منشا کے موافق ہی چلائیں تو کیا اس وقت ہمارا کام ختم ہو جائے گا۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ نہیں کوئی ریاست ایسی نہیں ہوتی کہ اس میں ترقی کی ضرورت نہ ہو اور ہر اچھی ریاست اگر سچائی اور نیکی پر اس کی بنا ہے اچھی سے اچھی ہوتی جاتی ہے۔ آدمی کے ارادوں کا یہی حال ہے آگے بڑھتے ہیں نہیں تو پیچھے ہٹنا ہوتا ہے۔ اچھی ریاست ہوتی وہ ہے جس کے شہری اپنی زندگیوں سے اسے برابر بہتر بناتے جائیں۔ اس لئے اگر ریاست نے بنیادی تعلیم کے کام کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تب بھی اچھے سمجھدار اور تعلیم کے کام سے لگاؤ رکھنے والوں کی ایک فوج کی فوج اس تعلیم کو بہتر بنانے میں حکومت کے مدرسوں کے باہر بھی لگی ہوگی۔ وہ ایسے تجربے کر سکیں گے جو حکومت شاید اپنے کام کے پھیلاؤ کی وجہ سے نہ کر سکے اور وہ اپنے تجربوں سے ان کی کامیابیوں سے اور اپنی ناکامیوں سے حکومت کے پھیلے ہوئے تعلیمی کام کو نئی راہیں دکھا سکیں گے۔ مختصر یہ کہ غیر سرکاری لوگوں پر کام کا بوجھ آج بھی ہے اور کل بھی رہے گا۔ سیاسی ادل بدل ہوتے رہیں گے۔ مگر بنیادی تعلیم کا کام چلے گا۔ کبھی کبھی حکومت کے ہاتھوں کبھی حکومت کے بغیر۔ بنیادی تعلیم کی تجویز میں جو چیزیں بنیادی ہیں انھیں اب ہماری قوم جہاں تک میں سمجھتا ہوں ہاتھ سے نہیں دے گی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جب کبھی ہمارے ملک میں ایسی حکومت ہوگی جو سب کی بھلائی یکساں چاہے

گی جو امیر غریب، ہندو مسلمان، ہندوستانی و غیر ہندوستانی میں فرق نہ کرے گی۔ اور جو سب کی رضامندی سے اور سب کی بھلائی کے لئے ہوگی۔ تو وہ اپنے سب لڑکے لڑکیوں کے لئے کم سے کم سات سال کی مفت تعلیم کا انتظام کرے گی اور اسے لازمی بنائے گی۔ میں نے سات سال سے کم سے کم کہا۔ اور ریاست کے وسائل بڑھیں گے تو شاید وہ مدت کو بڑھائے گی۔ لیکن اب کسی ذمہ دار حکومت میں۔ اپر پرائمری اور لوئر پرائمری اور ابتدائی اور ثانوی تعلیم کے گاہکوں کے چکر میں آ کر قوم کبھی سات سال سے کم مدت کی مفت اور لازمی تعلیم پر راضی نہ ہوگی دوسری بات جو اس طرح آخری طور پر طے سمجھی چاہیئے یہ ہے کہ یہ سات سال کی تعلیم مادری زبان میں ہوگی۔ تیسری بات جو میری رائے میں انہی دو کی طرح کبھی ہاتھ سے نہ دی جائے گی، وہ یہ ہے کہ تعلیم کے ان سات سال میں کام کو بیچ کی جگہ دی جائے گی اور جہاں تک ہو سکے گا اسی کے ذریعہ اور سکھانے اور بتانے کی چیزیں سکھائی اور بتائی جائیں گی۔ اس تیسری بنیادی بات کا بھی میری جان میں تو کوئی دل سے مخالف ہے نہیں مگر یہ ذرا نئی سی بات ہے اس لئے اس کے سمجھنے میں خود بنیادی تعلیم کا کام کرنے والوں کو بھی دقت ہوتی ہے۔ آپ اجازت دیں تو میں اس وقت تھوڑے سے لفظوں میں اپنا خیال بتاؤں کہ تعلیمی کام کے معنی کیا ہیں اور ہم جو کتابوں کے مدرسوں کو کام کے مدرسوں میں بدلنا چاہتے ہیں۔ تو کام سے کیا مطلب لیتے ہیں یا کیا مطلب لینا چاہتے ہیں۔

کام کو تعلیم میں داخل کرنے کا چرچا آج سے نہیں، بہت دنوں سے ہے۔ مگر جتنے منہ اتنی باتیں۔ کوئی کہتا ہے کام کو اصول کے طور پر مانو اسے مضمون نہ بناؤ۔ کوئی کہتا ہے اسے ایک مضمون بنا دو۔ اسے ایک گھنٹہ دے دو مگر اور سب کام جوں کا توں رہنے دو۔ کوئی کہتا ہے کام ایسا ہو کہ کچھ دام بھی ہاتھ آئیں۔ کوئی کہتا ہے حرکت میں برکت ہے۔ بچوں کو ذرا ہاتھ پیر چلانے کا موقع دو چاہے کچھ بنے یا نہ بنے۔ یہ کوئی مزدوروں کا کام تھوڑی ہی ہے۔ یہ تو تخلیقی CREATIVE کام ہے۔ میں ان لوگوں میں سے کسی سے جھگڑا مول نہیں لیتا صرف اپنا خیال ظاہر کرنا چاہتا ہوں میرا خیال ہے کہ جب ہم تعلیم کے سلسلہ میں کام کا ذکر کریں تو ہمیں وہی کام دھیان میں رکھنا چاہیئے جس سے تعلیم ہو۔ ذہن کی تربیت ہو آدمی اچھا آدمی بنے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آدمی کا ذہن اپنے کئے کو پرکھ کر اس کے اچھے بُرے پر نظر کر کے ترقی کرتا ہے اور آدمی جب کچھ بناتا ہے یا کوئی کام کرتا ہے چاہے یہ کام ہاتھ کا ہو چاہے دماغ کا، تو اس کام سے اسے ذہنی تعلیمی فائدہ اس وقت پہنچ سکتا ہے جب وہ اس کام کا پورا پورا حق ادا کرے، اس کام کے لئے اپنے کو ذرا تجے۔ اپنے اوپر ذرا غلبہ پائے، کام سے تعلیمی فائدہ وہی اٹھاتا ہے جو اس کا حق ادا کرنے میں اس کام کے ڈسپلن کو اپنے اوپر اوڑھ لے اس لئے ہر کام تعلیمی کام نہیں ہوتا۔ کام تعلیمی جب ہی ہو سکتا ہے کہ اس کے شروع میں ذہن کچھ تیاری کرے جس کام میں ذہن کو دخل نہ ہو وہ کام مردہ مشین بھی کر سکتی ہے اور اس سے ذہن کی تعلیم یا تربیت نہیں ہوتی۔ کام سے پہلے کام کا نقشہ، کام کا خاکہ ذہن میں بنانا ضروری ہے پھر دوسرا قدم بھی ذہنی ہوتا ہے یعنی اس نقشہ کو پورا کرنے کے ذریعے سوچنا۔ ان میں سے کسی کو لینا کسی کو چھوڑ دینا تیسرا قدم ہوتا ہے، کام کو ان چنے ہوئے ذریعوں سے کر ڈالنا اور چوتھا قدم ہے کئے ہوئے کو پرکھنا کہ جو نقشہ بنایا تھا۔ جو کرنا چاہا تھا وہی کیا۔ اور جس طرح کرنے کا ارادہ کیا تھا اسی طرح کیا یا نہیں اور نتیجہ اس قابل ہے یا نہیں کہ اسے کیا جاتا یہ

چار منزلیں نہ ہوں تو تعلیم کا کام ہو ہی نہ سکے گا۔ لیکن اگر یہ چاروں ہوں بھی تب بھی ہر کام تعلیمی نہیں ہو جاتا۔ ہر ایسے کام سے کچھ ہنرمندی ضرور پیدا ہو جاتی ہے۔ چاہے ہاتھوں کی ہنرمندی ہو چاہے ذہن کی چاہے زبان کی۔ لیکن ہنرمندی تعلیم نہیں ہے تعلیم پائے ہوئے آدمی کی جو تصویر ہم سب کے سامنے آتی ہے اس میں خالی ہنرمندی کا رنگ نہیں ہوتا۔ ہنرمند چور بھی ہوتے ہیں، ہنرمند دھوکے بھی دیتے ہیں، ہنرمند سچ کو جھوٹ بھی کر دکھاتے ہیں۔ ایسی ہنرمندی تعلیم کا مقصد نہیں ہو سکتی۔ تعلیمی کام وہی ہو سکتا ہے جو کسی ایسی قدر کی خدمت میں کیا جائے جو ہماری خود غرضی سے پرے ہو اور جسے ہم مانتے ہوں۔ جو اپنی ہی غرض کا کام کرتا ہے وہ ہنرمند ضرور ہو جاتا ہے۔ مگر تعلیم یافتہ نہیں ہوتا جو قدروں کی خدمت کرتا ہے وہ تعلیم پا جاتا ہے۔ قدر کی سیوا میں آدمی کام کا حق ادا کرتا ہے اپنا مزا نہیں ڈھونڈھتا۔ اس سے وہ آدمی بنتا ہے۔ اپنا اخلاق سنوارتا ہے۔ اس لئے کہ اخلاق اور ہے کیا اس کے سوا کہ جو قدریں ماننے کی ہیں ان کی سیوا میں آدمی اپنی خواہشوں اور لالچوں اور مزوں کو دبائے اور اس قدر کی پوری پوری سیوا کرے اور اس سیوا کا جو حق ہے وہ پورا پورا ادا کرے، کام کی یہ صفت ہاتھ کے کام میں بھی ہو سکتی ہے اور دماغ کے کام میں بھی۔ اور ہاتھ کا کام بھی اس سے خالی ہو سکتا ہے اور دماغ کا کام بھی۔ سچے کام کا مدرسہ وہی ہے جو بچوں میں کام سے پہلے سوچنے اور کام کے بعد جانچنے اور پرکھنے کی عادت ڈالے تاکہ کام سے اس کی عادت سی پڑ جائے کہ جب کبھی کوئی کام کریں، ہاتھ کا یا دماغ کا اس کا پورا پورا حق ادا کرنے کی کوشش کریں۔ کام کو تعلیم کا ذریعہ بنانے والوں کو ہر دم یاد رکھنا چاہیئے کہ کام بے مقصد نہیں ہوتا کام ہر نتیجہ پر راضی نہیں ہوتا۔ کام بس کچھ کر کے وقت کاٹ دینے کا نام نہیں۔ کام خالی دل لگی نہیں۔ کام کھیل نہیں، کام کام ہے بامقصد محنت ہے۔ کام دشمن کی طرح آپ اپنا محاسبہ کرتا ہے پھر اس میں پورا اترتا ہے تو وہ خوشی دیتا ہے جو اور کہیں نہیں ملتی۔ کام ریاضت ہے، کام عبادت ہے

لیکن ریاضت اور عبادت میں بھی تو لوگ خود غرض ہو جاتے ہیں اپنی جنت پکی کر لی دوسرے سے کیا مطلب۔ کام کا سچا مدرسہ اگر صحیح تعلیم کی جگہ ہے تو کام کو کبھی اکیلے کی خود غرضی نہیں بننے دیتا۔ بلکہ سارا مدرسہ کا مدرسہ ایک کام میں لگی ہوئی جماعت بن جاتا ہے جس میں سب مل کام کرتے ہیں اور سب کے کام ہی سے سب کام پورا ہوتا ہے۔ سب سے سب کا کام نکلتا ہے اور سب کے کئے بغیر کام بگڑتا ہے۔ کسی ایک کی غلطی سے سب کے کام کا ہرج ہوتا ہے۔ کمزور کو پیچھے چھوڑ کر آگے چل دینا مشکل ہوتا ہے۔ یوں مل مل کر کام کرنے میں کھوے سے کھوا ... ہے تو وہ صفت پیدا ہوتی ہے جن کی ہمارے ملک میں بڑی کمی ... یعنی آدمی کا آدمی سے نباہ کر سکنا اور ذمہ داری کا وہ احساس جس ... سماج کا ہر کام ہر ایک کا کام بن جاتا ہے۔

اور پھر کام کا اچھا مدرسہ اس پر بھی راضی نہیں ہو جاتا کہ بچوں نے کام سے اپنی تربیت کر لی۔ کام سے اس کے نیچے ایک سماج ... سے بن گئے اور اس کے فرض اور ذمہ داریاں جاننے اور سمجھنے ... نہیں، بلکہ برتنے اور اٹھانے بھی لگے۔ بلکہ کام کا اچھا مدرسہ اس مدرسہ کی سماج کو بھی کسی اونچے مقصد کا سیوک بناتا ہے۔ تاکہ کہیں یہ نہ ہو کہ بچے اکیلوں کی خود غرضی سے تو بچ جائیں مگر اس سے بچ کر سماجی خود غرضی کے دلدل میں پھنس جائیں، غرض کام کا مدرسہ اگر بن جائے

تو وہ اپنے بچوں کو اس طرح کام کرنا سکھا دیتا ہے جیسا کہ کام کا حق ہے ان کو مل جل کر کام کرنے کا موقع دیتا ہے اور ان میں یہ یقین پیدا کر دیتا ہے کہ ان کا کام سماج کی خدمت ہے اور پھر اس سماج میں بھی اس بات کی لگن پیدا کر دیتا ہے کہ آدمی کے خیال میں اچھی سے اچھی سماج کا نقشہ آسکتا ہے اس سے اس کی سماج روز نزدیک ہوتی جائے۔ وہ اس بات کی بنیاد ڈالتی ہے کہ سماج میں ہر آدمی کوئی کام کا کام کرے۔ اس کام کو اپنا سماجی منصب اور اخلاقی فرض جانے اور اپنے کاموں سے اور اپنی زندگی سے اپنی سماج کو اچھی سماج بنانے میں مدد دے۔

اگر کبھی ہماری سماج اچھی سماج بن گئی تو وہ ایسے مدرسوں بغیر ایک دم ہی کیسے جی لے گی لیکن جب تک پہلے ایسے مدرسے نہ ہوں گے وہ سماج آسانی سے بن کیسے جائے گی اس لئے جس سے بن پڑے ایسے مدرسے بنائے۔ میری درخواست صرف آپ سے نہیں ہے جو بنیادی تعلیم کے ساتھی ہیں ان سے بھی ہے اور دل سے ہے جنھوں نے بنیادی تعلیم کی تجویز کو برا جانا ہے۔ میں ان سے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بنیادی تعلیم اگر وہی چیز ہے جو میں نے ابھی بیان کی تو آپ اس کے مخالف کیسے ہو سکتے ہیں۔ ضرور ہے کہ کسی اور چیز نے آپ کو اس کا مخالف بنایا ہو۔ شاید آپ کو بنیادی تعلیم کے اس نصاب میں جو ایک بھی کمیٹی نے بنایا تھا، کچھ باتیں نہ بھائی ہوں گی۔ کچھ باتیں آپ کے نزدیک اس میں کم ہوں گی کچھ ایسی ہوں گی جنھیں آپ ناپسند کرتے ہوں گے مگر نصاب بنیادی تعلیم کی اسکیم نہیں ہے۔ نصاب اصول نہیں ہے۔ نصاب ایسا نہیں کہ بدلا نہ جا سکے نصاب پیش کرتے وقت بھی ان نصاب بنانے والوں نے خود یہ کہہ دیا تھا کہ یہ امتحانی اور آزمائشی چیز ہے۔ اس پر آج تک کوئی آدمی درجن کمیٹیوں نے غور اور بحث کر کر کے کچھ کچھ گھٹایا بڑھایا ہے۔ اور بہت کچھ مان لیا ہے لیکن یہ ماننا بھی کوئی آخری بات نہیں ہے۔ ابھی دو دن بعد اس کانفرنس میں اس نصاب پر بحث ہوگی اور نہ جانے اس کے کتنے عیب سامنے آئیں گے۔ لیکن ان عیبوں کی وجہ سے تجویز کے بنیادی اصولوں کو تو میری رائے میں صحیح اور درست ہیں، چھوڑ نہ دینا چاہیئے۔ اس میں تو چھوڑنے والے ہی کا نقصان ہے۔ ان اصولوں کو سامنے رکھ کر دوسرا نصاب بنایئے اسے کچھ مدرسوں میں آزمایئے۔ اور خود اپنے نتیجہ کو پرکھئے۔ اچھا ہوگا تو دوسرے بھی اس سے فائدہ اٹھائیں گے اور اگر آپ غلطی پر ہوں گے تو غلطی سمجھ میں آجائے گی۔ شاید آپ اس تجویز کو اس وجہ سے ناپسند کرتے ہوں کہ جنھوں نے اسے بنایا آپ کو وہ لوگ پسند نہیں لیکن اچھی اور ٹھیک بات تو اچھوں کا کھویا ہوا مال ہیں، جہاں بھی ہو وہ اسے اٹھا لیتے ہیں اس بات سے آپ کیوں اپنے فیصلہ پر اثر ڈالتے ہیں کہ پہلے یہ تجویز کس نے بنائی اور کہاں بنائی اور کن لوگوں نے اس کو پہلے مانا۔ ناموں کی نہ پرستش ہی کرنی چاہئے۔ نہ ناموں سے یوں بھڑکنا چاہیئے۔

مجھے معاف کیجئے میں نے آپ کا بہت سا وقت لے لیا میں دل سے آپ کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ آپ کے سامنے تین دن خاصا محنت کا کام ہے۔ پھر ان تین دن کے بعد اور بھی محنت آپ کے لئے ہے یعنی۔ یہاں جو کچھ سوچا جائے گا اسے کرنا ہے اگلے سال پھر اپنے کام کے نتیجوں کو پرکھنا ہوگا۔ اور جس طرح ہم اپنے کام کے مدرسوں میں بچوں کو کام سے تعلیم دینا چاہتے ہیں اسی طرح خود اپنے کام سے اپنی تعلیم کا کام لینا ہوگا۔ خدا ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنے کو اپنے کام سے اس کا اچھا چاکر بنا سکیں۔ اس سے دعا ہے کہ ہمیں سیدھی راہ دکھلائے۔ ان لوگوں کی راہ جن پر اس نے انعام کیا اور ان کی راہ سے بچائے جو سیدھے راستہ سے بھٹک گئے اور جن سے وہ ناخوش ہوا۔

(بقیہ صفحہ ۸)

دیئے جائیں اور ان کے روزانہ کام کی رپورٹ کو جمع کر کے چھپوا دیا جائے، اسی طرح بچوں اور استادوں کی ضرورت کے لئے بھی پڑھائی کا کافی سامان چھاپنے کی ضرورت ہے۔

(۸) یہ کانفرنس بنیادی دستکاری کمیٹی کے نئے بنائے ہوئے دستکاری کتائی کے اس نصاب کو منظور کرتی ہے۔ جو اس نے استادوں کے پہلے تین درجوں کے لئے بنایا ہے

(۹) کانفرنس کا خیال ہے کہ جن جگہوں پر پرانے مدرسے بڑی تعداد میں بنیادی مدرسے بنائے جا رہے ہیں، وہاں کے موجودہ نارمل اسکولوں اور ٹریننگ سینٹروں میں بھی بنیادی تعلیم کی ضرورت کے لحاظ سے تبدیلیاں ہونی چاہئیں۔

(۱۰) کانفرنس کے خیال میں بنیادی مدرسوں میں پانچ سال تک پڑھانے کے لئے استادوں کو کم سے کم دو سال کی ٹریننگ دینی چاہیئے یہ ٹریننگ چاہے لگاتار دو سال تک ہو یا الگ الگ ایک ایک سال کر کے۔

(۱۱) کانفرنس پہلے کی طرح اس دفعہ بھی اس بات پر زور دیتی ہے کہ بنیادی مدرسوں میں آرٹ کی تعلیم کو خاص جگہ دی جائے تاکہ وہ بنیادی دستکاری کے کام کا ایک ضروری حصہ بن جائے۔

ایڈیٹوریل

ہندوستانی تعلیمی سنگھ کی تجویز کے مطابق "نئی تعلیم" کے اردو ایڈیشن کی ادارت اور اشاعت کا کام اب سے استادوں کا مدرسہ (جامعہ ملیہ جامعہ نگر۔ دہلی) کے سپرد کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ نئی تعلیم میں دلچسپی رکھنے والے تمام حضرات اس کام میں ہماری مدد کریں گے۔ اس پرچے کے لئے مضمون لکھیں گے، اپنے تجربوں کے ریکارڈ بھیجیں گے اور اس کے نئے خریدار بنانے کی کوشش کریں گے۔

کوشش کی جائے گی کہ جلد سے جلد نئی تعلیم کے ہندی ایڈیشن کی طرح یہ پرچہ بھی ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو نکلے اس لئے ہندی اور اردو دو پرچے مضمونوں کے اعتبار سے ہو بہو یکساں نہیں ہوں گے بلکہ ان میں ایک ہی مضمون آگے پیچھے چھپا کرے گا

اب سے نئے خریداروں کے لئے اس پرچے کا چندہ ہندی ایڈیشن کی طرح بجائے ایک روپے کے ایک روپیہ چار آنے ہوگا۔ اس بارے میں تمام خط و کتابت نیچے کے پتے پر کرنی چاہیئے

مدیر نئی تعلیم
جامعہ نگر۔ دہلی

افتتاحیہ خطبہ

(ڈاکٹر راجندر پرشاد)

کانفرنس کا افتتاح کرنے کے لئے مجھے بُلا کر آپ نے جو میری عزت بڑھائی ہے اس کے لئے میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں، میں محسوس کرتا ہوں کہ مجھے اس عزت کا کوئی حق نہیں، جب تک کہ میں بھی بنیادی تعلیم کے کام میں وہی گہری دلچسپی نہ لوں جو اس کانفرنس میں حصہ لینے والے بھائیوں اور بہنوں کو ہے۔ میں نے اپنی کمی کو محسوس کرتے ہوئے بھی اس بلاوے کو اس امید پر قبول کر لیا ہے کہ جن لوگوں نے مجھے یہ عزت دی ہے وہ اس حق کی بہت گہری جانچ پڑتال کرنے کی پرواہ نہیں کریں گے۔

۱۹۳۷ء میں ہریجن میں کچھ مضمون لکھ کر گاندھی جی سب سے پہلے اس اسکیم کو ملک کے سامنے لائے۔ وہ مغرب کے ماہرین تعلیم کی کتابوں کو پڑھ کر اپنے نتیجوں پر نہیں پہنچے تھے بلکہ انھوں نے ملک کی خوفناک حالت کو دیکھ کر اس بات کی سخت ضرورت محسوس کی کہ تعلیم کو سارے ملک میں پھیلایا جائے لیکن انھیں یہ معلوم تھا کہ حکومت کی موجودہ مالی حالت اس قابل نہیں ہے کہ تعلیم کے موجودہ طریقے کو پھیلا کر اسے ملک میں عام کیا جا سکے۔ انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ بچوں کی تعلیم کا جو طریقہ اس وقت جاری ہے وہ کیسا فضول ہے اور اس میں کتنا وقت اور کام برباد ہوتا ہے اس لئے انھوں نے یہ سوچا کہ تعلیم کو اپنا بوجھ خود اٹھانے کے قابل ہونا چاہئے تاکہ وہ امیر غریب دونوں کے لئے کام کی ہو سکے۔

کوئی تعلیم علمی حیثیت سے اس وقت تک اچھی نہیں کہی جا سکتی جب تک وہ بچوں کو ہاتھ پاؤں اور آنکھ کے اچھی طرح استعمال کرنے کا موقع نہ دے سکے۔ گاندھی جی خود اپنے آپ ہی ان نتیجوں پر پہنچے تھے۔ لیکن یہ خیال ان کے لئے بالکل نئے نہیں تھے، اس لئے کہ اس سے بہت پہلے ۱۹۲۱ء میں نان کوآپریشن کے زمانے میں جو قومی مدرسے جاری کئے گئے تھے ان کے بارے میں گاندھی جی کا خیال تھا کہ ان میں کتائی کو ایک خاص مضمون کی حیثیت دی جائے اس زمانے میں گاندھی جی نے اس سے متعلق جو کچھ لکھا ہے اسے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا خیال تھا کہ تعلیم کو کتائی کے ذریعے وہ اپنے پیروں پر کھڑی ہونے کے قابل بنا دینا چاہتے تھے۔ ۱۹۲۱ء میں جو مدرسے کھولے گئے ان میں سے کچھ نے یہ تجربہ کیا بھی۔ لیکن اس وقت کتائی کے بارے میں لوگ اتنی باتیں نہیں جانتے تھے اور انھیں اس کا اندازہ نہیں تھا کہ کتائی علمی حیثیت سے کتنا فائدہ پہنچا سکتی ہے۔

اس سلسلہ میں کچھ ایسے لوگوں نے بے سلسلہ اور بے معنی تجربے کئے جو اس دستکاری کے متعلق سوائے اس کے اور کچھ بھی نہیں جانتے تھے کہ وہ ایک معمولی دستکاری ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ قومی مدرسے بس تھوڑے دن تک کتائی کے مدرسوں کی طرح چل کر دوسرے مدرسوں کی طرح کے ہو گئے۔ ان میں اور دوسرے مدرسوں میں بس فرق یہی تھا کہ انھیں سرکاری مدد نہیں ملتی تھی اور اس لئے ان میں پڑھنے والوں کے خیال میں ذرا آزادی ہوتی تھی۔

۱۹۳۷ء تک کتائی نے بہت ترقی کر لی تھی۔ بہت سے سمجھدار کام کرنے والوں نے اپنی محنت سے اس سے متعلق فنی اصول اور طریقے معلوم کئے اور بہت سے اوزار بنائے۔ اور بہت تفصیلی اور علمی باتیں جمع کیں۔ عملی تجربوں سے جو کچھ حاصل ہوا تھا اس کی مدد سے ۱۹۳۷ء میں گاندھی جی نے کتائی کی دستکاری کے ذریعے تعلیم دینے کے متعلق زیادہ خود اعتمادی سے لکھا۔ ان کی لکھی ہوئی باتوں پر ہر طرف بحثیں شروع ہوئیں۔ یہ بحثیں کچھ تو کام کی تھیں اور کچھ کی بنیاد نادانی پر تھی۔ کچھ کے پیچھے تعصب چھپا ہوا تھا اور کچھ میں ایسی سنجیدگی تھی جس کے پیچھے شک و شبہ چھپا ہوا تھا۔

واردھا میں ایک کانفرنس بلائی گئی جس میں تعلیمی کام میں تجربہ رکھنے والوں کو بلوا دیا گیا۔ اس کانفرنس میں کئی صوبوں کے وزیر تعلیم بھی شریک ہوئے۔ کانفرنس نے ایک کمیٹی بنائی۔ اس کمیٹی نے ڈاکٹر ذاکر حسین کی صدارت میں ایک مفصل اسکیم تیار کی۔ اور یہ اسکیم اس وقت سے "واردھا اسکیم" یا "ذاکر حسین کمیٹی کی رپورٹ" کے نام سے مشہور رہوئی۔ بہت سے لوگوں کو تعجب بھی ہوا کہ جو چیز صرف کتائی کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ایک آدمی کے دماغ سے نکلی تھی، اس کی تائید مغرب کے سارے نئے تعلیمی ادب اور بچوں کی تعلیم سے دلچسپی رکھنے والے سارے ماہرین نفسیات کی کہی ہوئی باتوں سے ہو رہی ہے ہم میں سے بہت سے ایسے ہیں جو کسی بات کو اس وقت تک صحیح نہیں سمجھتے جب تک اس بات کی تائید امریکہ اور یورپ کے کسی بڑے آدمی کے قول سے نہ ہوتی ہو ایسے شکی لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ مغرب کا نیا ادب ہر جگہ اس بات کی تائید کر رہا ہے۔ اس طرح لوگوں نے ان باتوں کی روشنی میں اس اسکیم کو پرکھنا اور جانچنا شروع کر دیا۔

جہاں تک میں اندازہ کر سکا ہوں گاندھی جی کی اسکیم میں تین خاص باتیں تھیں۔

(۱) پہلی یہ کہ تعلیم کے معنی یہ نہیں ہیں کہ بچہ کتابوں سے یا کسی اور طرح کچھ باتوں کو رٹ کر اپنے دماغ میں جمع کر لے۔ بلکہ تعلیم وہ ہے جو بچے کو اس بات کا موقع دے کہ وہ اپنی قدرتی قوتوں سے کام لے کر ترقی کر سکے اس لئے تعلیم وہی اچھی ہے جس میں بچہ اپنے ہاتھ پاؤں ہلا سکے یا دوسرے لفظوں میں یہ کہ اچھی تعلیم وہ ہے جس میں بچہ "کر کے سیکھتا ہے" اور یہ تعلیم کسی دستکاری کے ہی ذریعہ سے ہو سکتی ہے۔

(۲) دوسری بات یہ کہ تعلیم بچے کی مادری زبان میں ہونی چاہئے۔

(۳) تیسرے یہ کہ اگر تعلیم کو عام بنانا اور پھیلانا ہے تو اسے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل ہونا چاہئے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو اس تعلیم کی حیثیت "خواب" سے زیادہ نہیں۔

پہلی دو باتیں تو ایسی ہیں جو ہمیں مغرب کے نئے سے نئے تعلیمی اصولوں میں بھی بالکل اسی طرح ملتی ہیں جیسی ہماری اسکیم میں۔ اور اسی لئے ان کے متعلق ان لوگوں کی طرف سے کوئی اعتراض نہیں

ہوا جو اپنے ہر خیال کے لئے مغرب کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ اس طرح اعتراض تو بند ہو گئے لیکن لوگوں کا تعصب اتنی جلدی ختم نہیں ہو سکتا اس لئے لوگ اسکیم کو اب تک یہ کہہ کر بُرا ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اس اسکیم سے مدرسے صرف کتائی کے مدرسے بن کر رہ جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات بار بار کہی جا چکی ہے کہ ہم نے اپنی اسکیم میں کتائی کو صرف اس لئے خاص جگہ دی ہے کہ برسوں کی محنت کے بعد بہت سے اچھے اور سمجھدار کام کرنے والوں نے اس پر سوچ بچار کر کے اسے سائنٹیفک طریقے سے ترقی دی اور اسے ایک باقاعدہ فن بنا دیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ یہ دستکاری ایسی ہے جسے آسانی سے عام بنایا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ اس کے بہت سے اچھے سکھانے والے موجود ہیں۔ پھر بھی یہ کبھی نہیں کہا گیا کہ مدرسوں کو صرف اسی دستکاری سے کام لینا چاہئے۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ دوسری دستکاریوں سے بھی کام لینا ضروری ہے۔ اور سچ پوچھئے تو کتائی کے علاوہ بہت سی اور بھی دستکاریاں ہیں جنھیں مدرسوں نے چلایا ہے اور ان میں کامیابی حاصل کی ہے۔

اسکیم کا تیسرا حصہ ایسا ہے جس پر ان لوگوں کی طرف سے بھی بہت سے اعتراض کئے گئے جو دوسری حیثیتوں سے اسکیم کے ساتھ ہمدردی رکھتے تھے۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ اگر اس بات پر زور دیا گیا کہ بچے اپنے کام سے کمائیں تو اس کا بات کا ڈر ہے کہ مدرسے کارخانے بن کر رہ جائیں گے اور اس طرح بجائے اس کے کہ بچے مدرسوں میں تعلیم حاصل کریں یہ مدرسے ایسے ادارے بن جائیں گے جہاں بچوں کی محنت سے ناجائز فائدہ اٹھایا جائے گا۔ اس لئے اسکیم کے مالی پہلو سے نظر ہٹا کر اس بات پر زور دیا گیا کہ یہ اسکیم اس لئے اچھی ہے کہ وہ بچوں کو دستکاری کے ذریعے تعلیم دیتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ بات ٹھیک تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم یہ سوچنے پر بھی مجبور ہیں کہ جب سے اسکیم کے مالی پہلو کو پیچھے ڈال دیا گیا ہے اس کے بہت زیادہ پھیلنے اور عام ہونے کا امکان بھی بہت کم ہو گیا ہے لیکن مجھے امید ہے کہ کام کے نتیجوں اور تجربوں سے ہمیں اس بات کا اندازہ ہو جائے گا کہ اسکیم کا مالی پہلو اتنا ضروری ہے کہ اگر ہم بنیادی تعلیم عام بنانا چاہتے ہیں تو اس پہلو کی طرف اور زیادہ دھیان دینا پڑے گا۔

حکومت ہند کے سینٹرل ایڈوائزری بورڈ آف ایجوکیشن نے ایک کمیٹی بنائی کہ وہ اس اسکیم کے متعلق اپنی رائے دے۔ اس کمیٹی نے اسکیم کے بنیادی اصولوں کو مان لیا۔ اس کے بعد سے شبہ اور ہٹ دھرمی کے بادل رفتہ رفتہ ہٹنے لگے اور اب اسکیم کو ہندوستان کے سب تعلیمی ماہروں نے پسند کرنا شروع کر دیا۔

سی۔ پی اور یو۔ پی کی حکومتوں نے بھی اس اسکیم کو اپنی تعلیمی پالیسی کا ایک حصہ بنا لیا ان کے پاس جتنا سامان اور جتنے پڑھانے والے موجود تھے۔ ان کے لحاظ سے وہ جتنے مدرسے آسانی سے کھول سکتے تھے، کھول دئے اور استادوں کی ٹریننگ کا بھی انتظام کر دیا۔ اسکیم کی کامیابی کے لئے سب سے زیادہ ضرورت اچھے استادوں کی ہے، اس لئے ان دو صوبوں میں بھی اچھے استادوں کی کمی کی وجہ سے اسکیم کو سب مدرسوں میں جاری نہیں کیا جا سکا۔ اور اسی لئے مدرسوں کے کھولنے میں بڑی احتیاط سے کام لینا پڑا۔ بمبئی اور بہار نے بھی اس اسکیم کو آزمائشی طور پر کچھ خاص علاقوں کے تھوڑے سے مدرسوں میں جاری کیا۔ وہاں یہ تجربہ اب تک چل رہا ہے۔ اڑیسہ نے بھی اسکیم کو آزمائشی طور پر اختیار کیا اور اسے پندرہ مدرسوں میں شروع کیا۔ لیکن چھ یا سات مہینے تک چلا کر حکومت نے اسے یہ کہہ کر بند کر دیا کہ تجربہ کامیاب ثابت نہیں ہوا۔ کشمیر میں یہ تجربہ وہاں کے لائق ڈائرکٹر تعلیمات پروفیسر سیدین کی نگرانی میں، جنھوں نے اس اسکیم کی تیاری میں شروع ہی سے بہت بڑا حصہ لیا ہے، بڑی کامیابی سے چل رہا ہے کچھ ہی اداروں نے بھی اس تجربے کو اختیار کر کے اسے اپنے مدرسوں میں چلانا شروع کیا۔ ان اداروں میں جامعہ ملیہ جہاں آج ہم سب اکٹھے ہوئے ہیں سب سے آگے ہے۔ اس کے علاوہ پچھلی بیٹھک کی آندھرا جاتی کلاشالا، ملک بھر راشٹر اودیا پیٹھ اور گرودگل کانگڑی بھی اس تجربے کو چلا رہے ہیں۔

پچھلی مرتبہ جب یہ کانفرنس اکتوبر ۱۹۳۹ء میں پونا میں ہوئی تھی تو اس وقت یہ اسکیم یا تو سرکاری پالیسی کی حیثیت سے یا صرف آزمائشی طور پر مختلف صوبوں، ریاستوں اور اداروں میں جن کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے اختیار کی جا چکی تھی۔ اور اس کانفرنس کا مقصد یہ تھا کہ مختلف صوبوں اور اداروں میں جو تجربے ہوئے ہیں یا جو دقتیں محسوس کی گئی ہیں ان کے متعلق آپس میں بحث کر کے ان پر غور کیا جائے۔ اس کے بعد یہ امید تھی کہ یہ کانفرنس عام طور پر ہر سال ہوا کرے گی اور یہ تجربہ جو اتنے زیادہ سوچ بچار اور سمجھ بوجھ کے بعد شروع کیا گیا ہے بہت دن تک جاری رہے گا۔ اور اس طرح اس نظریے کو کہ دستکاری کے ذریعے تعلیم دے کر بچوں کو ترقی دی جا سکتی ہے، اس کے بارے میں علمی طریقے سے نتیجے نکالے جا سکیں گے اور یہ بھی معلوم کیا جا سکے گا کہ بچوں کے کام کی آمدنی سے تعلیم کو کس حد تک اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل بنایا جا سکتا ہے یہ بات ظاہر ہے کہ جس تعلیم میں بچوں کو سات سال تک تعلیم دینے پر زور دیا گیا ہے، اس کی کامیابی یا ناکامی کا اندازہ سات مہینے میں ایمانداری سے نہیں لگایا جا سکتا۔ لیکن اڑیسہ کی حکومت نے ایسا ہی کیا۔ ہم یہ اچھی طرح محسوس کرتے ہیں کہ کوئی حکومت اس قسم کے تجربوں کے چلانے میں ہچکچاتی ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ لیکن یہ بات کسی کی سمجھ میں مشکل ہی سے آئے گی کہ صرف سات مہینے کے تجربے کے بعد کسی اسکیم کی اچھائی برائی پر کس طرح فیصلہ دیا جا سکتا ہے پھر بھی اس بات سے ذرا تسلی ہوتی ہے کہ دوسرے صوبوں کی حکومتیں اب تک اس اسکیم کو چلا رہی ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ اس کانفرنس میں بھی آپ پھر ان تجربوں سے بحث کریں گے جو آپ نے پچھلے اٹھارہ مہینوں میں حاصل کئے ہیں اور اپنے تجربوں کی بنیاد پر علمی طور سے اسکیم کی صحیح قدر کا اندازہ لگا سکیں گے مجھے اس بات کا بھی یقین ہے کہ آپ کے تجربوں سے آپ کے سامنے اسکیم کی خرابیوں اور دقتوں کے ساتھ اس کی اچھائیاں بھی آئیں گی اور آپ اپنی دقتوں کو دور کرنے اور اچھائیوں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔

جیسا کہ اس سے پہلے گھڑی گھڑی کہا جا چکا ہے کہ اسکیم کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی سامنے لا کر انھیں اپنے تجربے کی روشنی میں پرکھنا ضروری ہے۔ لیکن مجھے اس بات کا یقین ہے کہ اسکیم کے بنیادی اصول بالکل پکے ہیں اور میں جانتا ہوں کہ آپ کے تجربے نے حالانکہ وہ ابھی بہت تھوڑے دن کا اور بہت محدود ہے آپ کو بھی ان کے پکے ہونے کا یقین دلا دیا ہوگا

ہمیں دو باتیں یاد رکھنی چاہئیں۔ ہمارے لمبے چوڑے ملک میں جہاں کی آبادی کوئی چالیس کروڑ ہے، قریب قریب سات لاکھ گاؤں ہیں، اگر ہم یہ سمجھ لیں کہ سو آدمیوں میں سے پندرہ ایسے بچے ہوں گے جن کی عمر سات سے لے کر چودہ سال تک ہوگی اور جن کے لئے یہ اسکیم بنائی گئی ہے، تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ہمیں قریب قریب چھ کروڑ بچوں کے لئے پڑھائی کی آسانیاں پیدا کرنی ہیں موجودہ مدرسوں میں اور تعلیم کے موجودہ طریقے کے مطابق اتنے بچوں کی تعلیم کا خرچ اٹھانا صوبے کی حکومتوں کے بس کی بات نہیں اور اس لئے اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ یہ حکومتیں ابتدائی تعلیم کی ایک عام اسکیم کے چلانے میں ہچکچاتی ہیں۔

اس اسکیم نے ہمارے لئے ایک نئی راہ کھول دی ہے اور اسے عام بنانا اب گویا ہماری سیاست کا ایک عملی کام ہو گیا ہے اس لئے ہمیں چاہیئے کہ اپنی ہمدردی اور مدد سے اسے پھلنے پھولنے اور ترقی کرنے کا زیادہ سے زیادہ موقع دیں اور اسی لئے ہمیں اس بات کو عمل کے قابل نہ سمجھ کر اس پر ہنسنا نہیں چاہیئے کہ تعلیم کو اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل بنایا جائے۔ دوسری طرف ہمیں اس بات سے ڈر کر بھی نہیں ہچکچانا چاہیئے کہ ہمارے مدرسے کارخانے بن کر رہ جائیں گے۔ یا ان میں بچوں کی محنت سے ناجائز فائدہ اٹھایا جائے گا۔ یا ہمارے مدرسوں کی پیداوار ہمارے کاروباری نظام کو الٹ پلٹ کر دے گی۔ پہلی بات کی ہم اپنے آپ روک کر سکتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ ہمارے مدرسوں میں اس کی اچھی طرح روک کی بھی گئی ہے۔ اور یہ ضروری نہیں کہ دوسری بات ہمیں اتنا مجبور کرے کہ ہمیں بچوں کی تعلیم سے زیادہ اپنی صنعتوں کا خیال رکھنے کی ضرورت ہو۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ اسکیم کے ساتھ کوئی رعایت برتی جائے میں تو انصاف چاہتا ہوں اور جانتا ہوں کہ آنے والے زمانے کا بننا اور بگڑنا ان تجربوں پر منحصر ہے جو ایمانداری کے ساتھ کئے جائیں گے۔ مجھے معلوم ہے کہ اس تعلیم کے خرچ کا مسئلہ بڑی حد تک اس وقت حل ہو جائے گا۔ جب ہمیں اپنے تجربوں کے نتیجے اچھی طرح معلوم ہو جائیں گے۔

دوسری بات ہمیں یہ یاد رکھنی ہے کہ موجودہ تعلیم میں وقت اور روپیہ دونوں بہت زیادہ برباد ہوتے ہیں جو لڑکے ہمارے ابتدائی مدرسوں سے پاس ہو کر نکلتے ہیں۔ ان میں سے بہت بڑی تعداد ایسی ہے جو اس کے اونچے درجوں تک نہیں پہنچتی اور جو لڑکے اونچے درجوں تک پہنچ بھی جاتے ہیں ان میں سے بڑی تعداد ایسے لڑکوں کی ہے جو دھیرے دھیرے اپنی پڑھی ہوئی باتیں بھول جاتے ہیں اور اس طرح مدرسے میں انھوں نے جو تھوڑی بہت باتیں سیکھی تھیں، انھیں کھو بیٹھتے ہیں۔ بنیادی تعلیم کی اسکیم اس خرابی کو دور کرنا چاہتی ہے۔ چیزوں کا برباد ہونا یوں تو ہر جگہ برا ہے لیکن ہندوستان جیسا غریب ملک تو بالکل اس قابل نہیں کہ اس نقصان کو برداشت کر سکے۔ اس لئے ہمیں چاہیئے کہ ہم اس اسکیم کی اچھی طرح جانچ پڑتال کریں جو اس نقصان سے بچانا چاہتی ہے۔

ایک بات اور بھی ہے جس کی طرف میں آپ کو دھیان دلانا چاہتا ہوں۔ ہم بچوں کو "کام کر کے سیکھنے" کا سبق دے رہے ہیں اور یہ چیز ابتدائی تعلیم میں خاص کر بہت فائدے اور کام کی ہے۔ لیکن آگے چل کر ہم یہ نہیں کر سکتے کہ کتابوں سے بالکل کام نہ لیں اس لئے کتابیں تیار کرنا بھی ضروری ہے ہمیں اب تک ایک خاص قسم کی کتابوں کی عادت پڑی ہوتی ہے جو نصاب میں داخل ہوتی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ کتابیں ہمارے بنیادی مدرسوں میں کام نہیں دے سکتیں۔ ہمیں اپنے مدرسوں کے لئے خود ایک ادب تیار کرنا ہوگا بنیادی تعلیم سے دلچسپی رکھنے والے اس چیز کی طرف سے بالکل بے خبر نہیں ہیں۔ بنیادی مدرسوں کے لئے جو کتابیں لکھی جائیں انہیں مضمون اور زبان دونوں لحاظ سے ان بچوں کی دلچسپی کے مطابق ہونا چاہیئے۔ جن کے لئے وہ لکھی گئی ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ تعلیمی سنگھ یا کسی اور ادارے نے ایسے لفظوں کی کوئی حد مقرر کرنے کی کوشش کی ہے یا نہیں۔ جو ان بچوں کی کتابوں میں استعمال کئے جائیں۔ بچے جوں جوں بڑھیں گے لفظوں کا خزانہ بھی بڑھتا جائے گا۔ اور اسی لئے یہ مناسب ہے کہ ہم لفظوں کو اس طرح سلسلہ وار جمع کریں کہ وہ ہر درجے کی کتابوں میں الگ الگ کام میں لائے جا سکیں۔ بلاس پور میں رام چندر درماجی اس طرح کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں اور میں اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر کانفرنس اور تعلیمی سنگھ کا دھیان اس کام کی طرف لانا چاہتا ہوں کہ جب وہ بنیادی مدرسوں کے لئے کتابیں تیار کرائیں تو اس بات کو سامنے رکھیں۔

اسکیم کی کامیابی بڑی حد تک استادوں کی قابلیت اور لگن پر منحصر ہے۔ ان کی ٹریننگ ضروری ہے اور بنیادی تعلیم کا پھیلاؤ اسی طرح کے سیکھے ہوئے استادوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے ساتھ ہی ممکن ہے۔ ان استادوں کی صرف ٹریننگ ہی کافی نہیں۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ اس اسکیم میں استاد اور بچہ ایک مشین کے دو حصے ہیں کہ اگر مشین کو چلایا جائے تو دوسرا حصہ بھی ایک ساتھ ضرور چلے گا اور اسی لئے ضرورت ہے کہ استاد اپنے کام میں سمجھ بوجھ کے ساتھ دلچسپی لے صرف اسی صورت میں ہم ان نتیجوں کی امید کر سکتے ہیں جو ہمارے سامنے ہیں۔ اس لئے اسکیم کو کامیاب بنانے کے ہمیں جوشیلے آدمیوں کی ضرورت ہے۔ خاص کر اس آزمائش کے دور میں اور بھی زیادہ۔ استادوں میں جو کچھ کمی ہے وہ اس کی نگرانی کرنے والوں کو پوری کرنی چاہیئے اور اس لئے ضروری ہے کہ نگرانی کرنے والے بھی استادوں کی طرح ٹریننگ حاصل کر چکے ہوں اور اپنے کام میں اسی کی طرح جوشیلے ہوں۔

ہمیں یہ سوچ کر بیٹھ نہیں رہنا چاہیئے کہ اسکیم شک و شبہ اور سوال و جواب کی منزل سے گزر چکی ہے اور اب اس کا تجربہ

بے تعصبی اور ایمانداری کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ اڑیسا کا تجربہ ہمارے لئے ایک سبق ہے اور اس سے ہم یہ سیکھتے ہیں کہ تعصب کو جیتنے میں دن لگتے ہیں، ہمیں اس طرح کے ناانصافی اور ناسمجھی کے فیصلوں کے لئے بھی تیار رہنا چاہئے۔ لیکن جب ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ یہ اسکیم اچھی ہے اور اس سے ملک کی بہت بڑی بھلائی ہو سکتی ہے تو ہمیں جم کر اور بھروسے کے ساتھ اسے چلاتے رہنا چاہئے۔ اس اسکیم نے اب تک بہت سے بے غرض اور جوشیلے کام کرنے والوں کی خدمات حاصل کر لی ہیں۔ یہ لوگ تعلیم کے ایسے جاننے والے ہیں اور اس کام میں انھوں نے ایسی لگن سے حصہ لیا ہے کہ اسے دیکھ کر ہمیں اسکیم کی اچھائی اور کامیابی کا پورا یقین ہوتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جوں جوں دن گزرتے جائیں گے اور سائنٹفک طریقے سے جو کام ہو رہا ہے اس کے نتیجے ہمارے سامنے آتے جائیں گے، وہ تھوڑا بہت تعصب بھی دور ہوتا جائے گا جو لوگوں کے دلوں میں موجود ہے اور لوگ اسکیم کو رفتہ رفتہ اپناتے اور عام بناتے جائیں گے۔ وہ دن بڑا شاندار دن ہوگا۔ جو لوگ اس کام میں لگے ہوئے ہیں اور جن کے دل میں اسے آگے بڑھانے کی لگن ہے ان کے لئے یہ دن بڑی خوشی کا ہوگا۔

خدا کرے آپ میں وہ شاندار کام کرنے کی قوت، بھروسا اور سمجھ پیدا ہو جسے آپ نے شروع کر رکھا ہے اور آپ اپنے آنے والے زمانے پر اعتماد سے نظر ڈال سکیں، اب میں آپ کو خدا حافظ کہتا ہوں اور آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ جو آپ کانفرنس میں کریں وہ ایسا ہو کہ جس پر ہم سب فخر کر سکیں۔

کانفرنس کی تجویزیں

(۱) یہ کانفرنس یہ محسوس کرکے خوش ہے کہ سرکاری، غیر سرکاری اور نجی اداروں کے بنیادی مدرسوں کی رپورٹوں سے یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ اس تعلیم نے بچوں کی تندرستی، ان کے برتاؤ اور دماغی حالت کو بہت اچھا بنا دیا ہے۔ بنیادی مدرسوں کے بچے زیادہ پھرتیلے، خوش اور اپنے اوپر بھروسا کرنے والے ہیں، وہ اپنی بات کو اچھی طرح کہہ سکتے ہیں۔ ان میں مل جل کر کام کرنے کی عادتیں پیدا ہو رہی ہیں۔ وہ ذہنی بندھنوں سے آزاد ہوتے جا رہے ہیں۔ شروع میں ہر نئے کام میں جو دقتیں ہوتی ہیں انھیں دیکھتے ہوئے ہم ان نتیجوں سے بہت خوش ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آئندہ اس سے بھی اچھے نتیجے نکلیں گے۔

(۲) کانفرنس اس بات پر افسوس ظاہر کرتی ہے کہ اڑیسا کی حکومت نے بہت کم دنوں کے تجربے سے ہی بنیادی مدرسوں کے بند کر دینے کا فیصلہ کر دیا ہے۔ کانفرنس کے نزدیک یہ فیصلہ بہت جلد بازی اور ناسمجھی کا ہے، وہ یہ بیان کرنا چاہتی ہے کہ ۲۸ فروری ۱۹۴۸ء کا سرکاری اعلان غلط ہے اور دھوکے میں ڈالنے والا ہے۔ بنیادی تعلیم کا اچھی طرح تجربہ کئے بغیر یہ کہہ دینا کہ اڑیسا میں یہ تجربہ ناکامیاب رہا بڑی ہٹ دھرمی کی بات ہے۔ اس بارے میں ہندوستانی تعلیمی سنگھ کے صدر نے جو بیان دیا ہے۔ کانفرنس اس کی تائید کرتی ہے۔ اور اتکل (اڑیسا) کے بنیادی تعلیم کے بورڈ کے کام کی تعریف کرتی ہے، جس نے اس تجربے کو جاری رکھنے کا کام شروع کیا ہے۔ کانفرنس اس بورڈ کے ساتھ اپنی پوری ہمدردی ظاہر کرتی ہے۔

(۳) کانفرنس ان حکومتوں، لوکل بورڈوں اور نجی اداروں کی کوششوں کو سراہتی ہے۔ جو بنیادی تعلیم کی کمیٹی کی رایوں پر چل کر بنیادی تعلیم کے کام کو کہیں چھوٹے پیمانے پر اور کہیں کہیں بڑے پیمانے پر پھیلانے میں لگے ہوئے ہیں لیکن کام چلانے کے طریقوں میں جگہ جگہ کچھ اہم اور کچھ معمولی فرق پیدا ہو گئے ہیں۔ اس لئے کانفرنس چاہتی ہے کہ کم سے کم کچھ مدرسے بالکل انھیں راہوں پر چلائے جائیں جو اسکیم میں بتائی گئی ہیں، اور اس لئے ان مختلف اداروں سے اور خاص کر تعلیمی سنگھ سے یہ کانفرنس درخواست کرتی ہے کہ کچھ ایسے مدرسے بھی قائم کئے جائیں تاکہ کچھ سائنٹیفک نتیجے نکالے جا سکیں۔

(۴) یہ کانفرنس یقین کے ساتھ یہ بات جانتی ہے کہ بنیادی تعلیم کی ترقی کیلئے اچھی اور ہمدردانہ نگرانی کی بہت ضرورت ہے اس لئے سفارش کرتی ہے کہ تمام جماعتیں جو اس کام میں لگی ہوئی ہیں، نگرانوں کی ٹریننگ کا انتظام بہت جلد کریں تاکہ یہ نگران بنیادی تعلیم کے اصولوں سے واقف ہو کر اس نئے تجربے میں راہ دکھانے کا کام کر سکیں۔

(۵) چونکہ بنیادی تعلیم کا ابتدائی نصاب اپنی اصلی یا تھوڑی بہت بدلی ہوئی شکل میں تین سال سے زیادہ سے عمل میں آ رہا ہے، کانفرنس کا خیال ہے کہ اس تجربے کی بنا پر کچھ ایسی باتیں کی جائیں جن سے پتہ چل سکے کہ اس میں کچھ چیزوں کا بدلنا اور بڑھانا ضروری ہے یا نہیں۔ نصاب ایک بڑھتی ہوئی اور لچکدار چیز ہے۔ اس لئے تعلیم کے ماہروں کو اس پر برابر نظر رکھنی چاہئے۔ اس لئے کانفرنس سفارش کرتی ہے کہ مختلف ادارے اور خاص کر تعلیمی سنگھ اپنی علمی تحقیق شروع کرے تاکہ نصاب کی جانچ پڑتال کے بعد اسے بچوں کی زندگی سے قریب لایا جا سکے اور استادوں کی رہنمائی کی جا سکے کہ وہ اپنے کام کو پرکھنے کے لئے کون سی کسوٹی رکھیں۔

(۶) مختلف جگہوں کی رپورٹوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ تعلیم میں ربط کی بڑی گنجائش ہے لیکن یہ کانفرنس پہلے کی طرح اب بھی اس بات پر زور دیتی ہے کہ ربط کو مشین کی طرح کام میں نہیں لانا چاہیئے۔ بلکہ بنیادی دستکاری، بچے اور اس کے اردگرد تینوں چیزوں سے پوری پوری مدد لینی چاہیئے۔

(۷) کانفرنس کا خیال ہے کہ بنیادی تعلیم کے استادوں کو ربط کے کام میں بڑی مدد ملے گی، اگر اچھے استادوں کی ڈائریوں کو مرتب کرکے چھاپ دیا جائے۔ اس لئے کانفرنس کا خیال ہے کہ کچھ مدرسے خاص طور پر اچھے استادوں کے ہاتھ میں دے

(بقیہ صفحہ ۴)

پرنٹر و پبلشر: حامد علی خاں
مطبوعہ جید برقی پریس
مدیر سلامت اللہ

نئی تعلیم

جلد۳، نمبر۶ | جامعہ نگر (دہلی)، جون ۱۹۴۱ء | قیمت سالانہ عہ

نظمیں

نیچے کی نظمیں استادوں کے مدرسے جامعہ نگر (دہلی) کے طالب علموں نے اوکھلا گاؤں کے بنیادی مدرسے کے بچوں کے لئے لکھی تھیں۔ بچے کاتتے وقت ان نظموں کو بڑی دھن سے گاتے ہیں، امید ہے کہ دوسرے بنیادی مدرسوں کے بچوں کے لئے بھی یہ دلچسپ ثابت ہونگی۔

مدیر

تکلی

لوہے پیتل والی تکلی ہلکی پھلکی منّی تکلی
پتلی سیدھی پچی تکلی پیاری پیاری اچھی تکلی
دیس کی راج دلاری تکلی

گھر گھر گھر گھر شور مچایا سوتے ہوئے لوگوں کو جگایا
غفلت کے پردے کو اٹھایا آزادی کا رنگ جمایا
چال چلی وہ پیاری تکلی

تیر نہیں، تلوار نہیں ہے توپ ہے لیکن دھار نہیں ہے
عادت میں تکرار نہیں ہے چین سمندر پار نہیں ہے
اف رے تیری ہشیاری تکلی

دیسی روئی، دیسی کپڑا دیس کی دولت دیس کا ٹکڑا
اپنے گھر ہے اپنا پیسا اوروں کا منہ تکنا کیسا
ہم ہیں اور ہماری تکلی

آزادی کی جنگ لڑیں گے غیر کی اب کیا بات سنیں گے
سر پھر کیوں اترا کر جھکیں گے اپنے پر جب فرض کریں گے
دھنکی - روئی - پونی تکلی

(مرزا رشید بیگ)

کتائی

آؤ لڑکو تکلی چلاؤ ننگوں کو کپڑے پہناؤ
بھوکوں کو روٹی دلواؤ نردھن کو دھنوان بناؤ
کاتو کاتو سب سے کتاؤ

دیس کا مل کر کام بناؤ کھادی پہنو سب کو پہناؤ
باہر سے مت مال منگاؤ بے کاروں سے کام کراؤ
کاتو کاتو سب سے کتاؤ

آپس کے جھگڑوں کو مٹاؤ سوت کا رشتہ سب کو بتاؤ
تاج کا مل کر نغمہ گاؤ گھر گھر یہ پیغام سناؤ
کاتو کاتو سب سے کتاؤ

(تاج الدین)

اطلاع

۱- جولائی ۱۹۴۱ء سے یہ رسالہ ہر انگریزی مہینے کی پہلی تاریخ کو جامعہ نگر سے شائع ہوا کرے گا۔

۲- خریداروں کو چاہئے کہ خط و کتابت کے وقت ریپر پر چھپے کے ساتھ دئے ہوئے نمبر خریداری کا ہمیشہ حوالہ دیں۔ ورنہ مطلوبہ کارروائی کرنے میں دشواری ہوگی۔

دفتر "نئی تعلیم" جامعہ نگر (دہلی)

کشمیر میں بنیادی تعلیم کے کام کی رپورٹ

کشمیر میں بنیادی تعلیم کا تجربہ ۱۹۳۸ء میں شروع ہوا تھا۔ اس سلسلہ میں میں تین چار موٹی موٹی باتیں پیش کروں گا۔ ۱۹۳۸ء میں ریاست میں تعلیم کی از سر نو تنظیم کے لئے ایک کمیٹی مقرر ہوئی تھی۔ اس کمیٹی کو ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب کی رہنمائی حاصل تھی۔ اس کمیٹی نے دوسری تجویزوں کے علاوہ ریاست میں بنیادی تعلیم کے چلانے کی اسکیم پیش کی اور مجھے اس بات کے بیان کرنے میں بڑی خوشی ہے کہ کشمیر کی حکومت کا رویہ اس معاملے میں برابر ہمدردانہ رہا ہے۔ وہاں کے وزیر اعظم نے جو تعلیمی معاملوں میں خاص دلچسپی اور نظر رکھتے ہیں، اس تحریک کے چلانے اور پھیلانے میں مجھے بہت مدد دی ہے اور جہاں تک ہو سکا ہے، ہر قسم کی سہولتیں مہیا کی ہیں۔ سب سے پہلے ہم نے سری نگر میں استادوں کے لئے ٹریننگ اسکول کھولا، جس میں ہر سال سو استاد داخل ہوتے ہیں۔ ان میں سے پچیس ۲۵ جگہیں ان لوگوں کے لئے مخصوص ہوتی ہیں جو پرائیویٹ مدرسوں میں استاد ہیں۔ یا جو معلمی پیشہ اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ اور باقی وہ استاد ہیں جو محکمہ تعلیم میں ملازم ہیں۔

اس ٹریننگ اسکول میں تین بنیادی دستکاریاں سکھانے کا انتظام کیا گیا ہے۔ کھیتی باڑی، گتے اور لکڑی کا کام اور کتائی اور بنائی۔ ٹریننگ اسکول کے ساتھ ساتھ ایک پریکٹسنگ اسکول بھی ہے۔ کشمیر کی ریاست کے دو صوبے ہیں۔ جموں اور کشمیر۔ چونکہ ہم ایک بڑا ٹریننگ اسکول کشمیر میں کھول چکے تھے، اس لئے جموں میں کام شروع کرنے کیلئے ہم نے وہاں بھی ایک بنیادی مدرسہ کھولا۔ پہلے سال ہمارے پاس ٹریننگ اسکول کے لئے استادوں کی کمی تھی، اس لئے ایک ریفریشر کورس جاری کیا گیا اور اس کورس میں شریک ہو کر جو استاد نکلے، ان کے سپرد ٹریننگ کا کام کیا گیا۔ چونکہ پہلے سال استادوں کے لئے یہ کام بالکل نیا تھا اور اسکیم کا تجربہ نہ تھا، اس لئے جو استاد ٹریننگ حاصل کرنے آتے تھے، انہیں ہم نے ڈیڑھ سال کی ٹریننگ دی۔ اس دوران میں نہ صرف اسکول کے طلبہ نے بلکہ ٹریننگ اسکول کے استادوں نے بھی دستکاری میں ضروری مہارت حاصل کر لی۔ اب ہم استادوں کو ایک سال کی ٹریننگ دیتے ہیں، کیونکہ کام کا ڈھانچا اب پوری طرح تیار ہو چکا ہے۔ بعض صوبوں میں ٹریننگ کے لئے اس کے مقابلے میں بہت کم وقت رکھا گیا ہے۔ چنانچہ یو۔ پی میں تین مہینے کی ٹریننگ کئی دفعہ کر کے دی جاتی ہے۔ اس میں کچھ فائدے بھی ہیں لیکن ہم نے جو طریقہ اختیار کیا ہے، اس کی ضرورت اس وجہ سے محسوس ہوئی کہ جب تک ان استادوں کو کافی وقت تک تعلیم کے نئے طریقوں، خیالوں اور تجربوں سے واقف نہ کیا جائے وہ اس اسکیم کو پوری کامیابی کے ساتھ نہیں چلا سکتے کیونکہ ان کا ابتدائی علم اور ذہنی نشو و نما دونوں محدود ہوتے ہیں۔

ہماری تجویز یہ ہے کہ ہر سال تیس ۳۰ معمولی ابتدائی مدرسے لیکر انہیں بنیادی مدرسوں میں تبدیل کریں۔ فی الحال ہر ایسے مدرسے میں ایک یا دو ٹرینڈ استاد رکھے گئے ہیں۔ جوں جوں اور زیادہ استاد ٹریننگ پا کر نکلتے جائیں گے، باقی مدرسوں میں بھی بنیادی تعلیم کا کام شروع ہوتا جائے گا۔ ابھی ہم نے اپنے بنیادی مدرسے بڑے بڑے قصبوں میں شروع کئے ہیں، جو معائنہ کرنے والے افسروں کے صدر مقام کے قریب ہیں تاکہ ان کا معائنہ آسانی سے اور بار بار ہو سکے۔

ہم نے اپنے مدرسوں میں جو نصاب جاری کیا ہے، وہ بڑی حد تک بنیادی تعلیم کے نصاب سے ملتا جلتا ہے۔ لیکن ہم نے اس نصاب کو صرف بنیادی مدرسوں ہی میں نہیں بلکہ ریاست کے تمام مدرسوں میں جاری کیا ہے۔ اس کے علاوہ جو مدرسے بنیادی تعلیم کا کام نہیں کر رہے ہیں ان میں بھی دستکاری کی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے۔ لیکن یہ دستکاری وہاں تعلیم کے ذریعہ کی حیثیت نہیں رکھتی، بلکہ اس کی تعلیم استاد خود اپنی اپج اور کوشش سے اپنی قابلیت اور مقامی حالات کے مطابق دیتے ہیں۔ کاکا صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا تھا کہ انسان ایک ہی وقت میں یہ نہیں کر سکتا کہ زمین پر بھی چلے اور پانی میں بھی تیرے، اس لئے ان کا خیال ہے کہ ایک ہی وقت میں اور ایک ہی جگہ پر دو طرح کے مدرسے نہیں چل سکتے۔ لیکن ہمارے پاس چونکہ زمین اور پانی دونوں چیزیں ہیں، اس لئے ہمیں دونوں ہی طریقوں سے کام لینا پڑتا ہے۔ اس طرح ہمیں آگے چل کر معمولی مدرسوں کو بنیادی مدرسوں میں تبدیل کرنے میں آسانی ہوگی۔

ہم نے ریاست میں استادوں کے ریفریشر کورسوں کا انتظام بھی کیا ہے جس میں اب ساڑھے تین سو استاد شریک ہو چکے ہیں۔ ان استادوں کو تعلیم کے طریقوں کے ساتھ ساتھ دستکاری بھی سکھائی گئی ہے۔ ایک مدرسے میں ٹاٹ بنانے کا کام شروع کیا گیا ہے۔ کام شروع کرنے کے لئے استادوں نے کچھ چندہ کیا تھا۔ اور کچھ سامان مانگ کر لائے تھے۔ لیکن اب اس کام نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ سارے جموں کے ضلع میں مدرسوں کو جس قدر ٹاٹ کی ضرورت ہے اسے یہ مدرسہ پورا کر لیتا ہے۔ ٹاٹ بنانے کا کام لڑکے مدرسے کے علاوہ گھر پر بھی کرتے ہیں، اس سے ایک سال کے اندر ان کی آمدنی دگنی ہو گئی ہے۔ ہمارے کچھ مدرسوں میں ریشم، اون اور سوت کی کتائی کا کام بھی شروع کیا گیا ہے، لکڑی اور گتے کا کام بھی جاری ہے۔ جہاں زمین اور پانی کی آسانی ہے، وہاں کھیتی سکھانے کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔

ہمارے تمام ابتدائی مدرسوں میں پانچ جماعتیں ہوتی ہیں۔

بنیادی تعلیم کا کام ابھی صرف پہلی دو جماعتوں میں شروع ہوا ہے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ ہر سال اگلی جماعت میں بنیادی تعلیم کا کام بڑھاتے جائیں گے۔ اور ضرورت کے مطابق ایک ٹرینڈ استاد اور دیتے جائیں گے۔ اس طرح رفتہ رفتہ سات جماعتوں میں بنیادی تعلیم جاری ہو جائے گی۔

ممکن ہے کہ آپ کو یہ معلوم کرنے میں دلچسپی ہو کہ بچوں پر اس تعلیم کا کیا اثر ہوا ہے۔ مدرسوں کا معائنہ کرنے سے میرا اندازہ ہے کہ بچوں میں پہلے سے زیادہ چستی، مستعدی، دلچسپی اور پھرتی پیدا ہوگئی ہے، پہلے وہ افسروں اور باہر کے آدمیوں کو جو ان سے ملنے آتے تھے دیکھ کر گھبراتے تھے، ان میں جھجک تھی۔ اب یہ باتیں بہت کچھ دور ہو چلی ہیں۔ دستکاری کی وجہ سے ان میں مل جل کر کام کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی ہے۔ نہ صرف یہ کہ وہ اپنے مدرسے کے ساتھیوں کے ساتھ مل جل کر کام کرتے ہیں، بلکہ وہ گاؤں کے دوسرے بچوں کی بھی خدمت کرتے ہیں۔ ان میں صاف رہنے کی عادت پیدا ہوگئی ہے۔ کہیں کہیں انہوں نے محلے کے بچوں کے لئے کھیلوں کے مرکز قائم کئے ہیں۔ ریاست میں ہر سال جو لیبر ویک (Labour Week) منایا جاتا ہے، اس کے دوران میں وہ گاؤں کی صفائی کا کام بہت خوشی سے کرتے ہیں۔ اپنے ماحول کے متعلق بہت سی باتیں، مثلاً پرندے، جانور، درخت اور آمد و رفت کے طریقے وغیرہ، جو وہ پہلے نہیں جانتے تھے، اب جاننے لگے ہیں۔ اس تعلیم کا ایک عمدہ اثر یہ بھی ہوا ہے کہ بچوں کے والدین جو پہلے یا تو بنیادی تعلیم کے مخالف تھے، یا اس میں بالکل دلچسپی نہیں لیتے تھے، اب اس کی طرف توجہ کرنے لگے ہیں اور بحیثیت مجموعی اس تبدیلی کو پسند کرتے ہیں۔

مربوط طریقے پر تعلیم دینے کا کام ابھی مدرسوں میں پوری طرح نہیں ہو رہا ہے۔ لیکن یہ کام رفتہ رفتہ ان کی سمجھ میں آئے گا۔ اس کے لئے تجربہ اور سمجھ کی ضرورت ہے۔ اس سلسلہ میں ٹریننگ اسکول کے طلبہ کے کام کو منظم کرنا خاص طور پر ضروری ہے۔ وہ اپنے سبقوں کے اشارے لکھتے ہیں، اور دستکاری کے ساتھ ربط دیتے ہوئے سبقوں کو ترتیب دیتے ہیں۔ پچھلے ڈھائی سال میں اس طرح کے کئی ہزار سبقوں کے اشارے تیار ہو چکے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کا مطالعہ کرکے بہترین مواد کو ایک کتاب کی شکل میں شائع کر دیا جائے تاکہ دیہات میں کام کرنے والے استاد اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ جامعہ ملیہ کے استادوں کے مدرسے نے اس طرح کا مواد بہت اچھی طرح جمع کیا ہے۔ ان کے یہاں استادوں کی رہنمائی کے لئے خاص مواد جمع ہو گیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ جہاں کہیں ٹریننگ اسکول ہیں یا تجربے کے طور پر بنیادی مدرسے چلائے جا رہے ہیں، وہاں اس قسم کے مواد کی چھان بین کرکے استادوں اور بچوں دونوں کے لئے مفید قسم کی کتابیں تیار کی جائینگی۔

خواجہ غلام السیدین
ڈائریکٹر تعلیمات ریاست کشمیر

اُستاد کی ڈائری

مرتبہ: جامعہ ملیہ اسلامیہ
جامعہ نگر (دہلی)

(ہم "نئی تعلیم" کے ذریعہ مربوط سبقوں کا ایک سلسلہ شروع کرنا چاہتے ہیں۔ پہلے ہم اول جماعت کے نصاب سے متعلق سبق لینگے اور جب یہ نصاب ختم ہو جائے گا تو دوسری جماعت کا نصاب لیا جائے گا۔ اسی طرح آگے بھی یہ سلسلہ جاری رکھا جائے گا۔ ہمیں امید ہے کہ "نئی تعلیم" سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اور خاص کر بنیادی مدرسوں کے استاد ان سبقوں کو بہتر بنانے کے لئے اپنے مشورے دے کر اس منصوبے کو کامیاب بنانے کی کوشش کرینگے۔ ہمارا خیال ہے کہ اس طرح اس مسئلہ کو حل کرنے میں بھی بڑی مدد ملے گی کہ ہم دئے ہوئے نصاب کو کس طرح پڑھائیں۔ امید ہے کہ یہ پروگرام اگر ایک طرف معمولی استادوں کے لئے نمونے کا کام دے گا، تو دوسری طرف جوش اور سوجھ بوجھ رکھنے والے استادوں کے لئے بھی ایک محرک ثابت ہوگا۔ نیچے دیا ہوا سبق اس سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔ مدیر)

کپاس بونے کا طریقہ

جب بچوں نے کتائی کا کام شروع کیا، تو میں نے سب سے پہلے انہیں روئی صاف کرنے کے لئے دی اور اسے صاف کرنے کا طریقہ بتا کر ان سے کہا کہ وہ اسے خود صاف کریں۔

روئی صاف کرتے ہوئے ایک بچے نے جس کا نام ہری تھا، پوچھا "ماسٹر صاحب یہ روئی کہاں سے آئی ہے؟"

میں — میں نے کپاس رآمو (گاؤں کا ایک کسان) کے یہاں سے خریدی تھی۔ اور پھر ہم نے بنولے نکال کر اس کی روئی بنائی جسے تم صاف کر رہے ہو۔

سعید (ایک دوسرا لڑکا) ۔ ماسٹر صاحب: رآمو کے گھر کپاس کہاں سے آئی؟

میں ــ رآمو کسان ہے ۔ اس نے پچھلے سال اپنے کھیت میں کپاس بوئی تھی ۔ وہ بہت محنتی آدمی ہے ۔ گاؤں میں سب سے زیادہ کپاس اس کے یہاں پیدا ہوئی تھی ۔ وہ اس سال بھی کپاس بونے کے لئے اپنا کھیت تیار کر رہا ہے ۔ اور دو چار روز میں بوئیگا ۔

برج لال (ایک اور لڑکا) ۔ جس روز رآمو کپاس بونے جائے اس روز ہمیں بھی اس کے کھیت پر لے چلئے ۔ ہم دیکھیں گے کہ کپاس کیسے بوئی جاتی ہے؟

سب بچے ــ ہاں ماسٹر صاحب ضرور لے چلئے ۔

جس دن رآمو کپاس بونے کے لئے گیا، میں بچوں کو اس کے کھیت پر لے گیا ۔ جس وقت ہم وہاں پہنچے، تو کسان ہل چلا رہا تھا ۔ چادر کی ایک جھولی اس کے کندھوں سے لٹک رہی تھی ۔ اس میں بنولے تھے ۔ وہ ایک ہاتھ سے ہل تھامے ہوئے تھا اور دوسرے سے جھولی میں سے بنولے نکال نکال کر پھینک رہا تھا ۔ میں نے کسان سے کہا "ہمارے بچے یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ کپاس کیونکر بوئی جاتی ہے ۔ اگر کچھ ہرج نہ ہو تو اپنی جھولی سے کچھ بیج ہمیں دے دیجئے تاکہ میں بچوں کو دکھا سکوں کہ آپ کیا بو رہے ہیں" ۔ کسان نے مجھے کچھ بیج دے ۔

میں ــ (ایک ایک بیج ہر لڑکے کو دیکر) غور سے دیکھو اور بتاؤ کہ یہ کیا چیز ہے ۔

احمد (ایک اور لڑکا) ۔ یہ تو بنولا ہے ۔ یہ گوبر میں مسلا ہوا معلوم ہوتا ہے ۔

میں ۔ ہاں یہ ٹھیک ہے ۔ اچھا یہ تو بتاؤ کہ گوبر میں بنولے کیوں مسلتے ہیں؟

احمد ۔ گوبر کی کھاد سب سے اچھی ہوتی ہے ۔ اسی لئے گوبر کو بنولوں میں ملا لیتے ہوں گے ۔

میں ــ نہیں یہ ٹھیک نہیں ہے ۔ اچھا یہ سادہ بنولے لو اور انہیں ذرا بو کر تو دیکھو ۔

احمد نے کسان کی طرح بنولے بکھیرنے کی کوشش کی لیکن وہ بنولے الگ الگ گرنے کے بجائے گچھوں کی شکل میں گر پڑے ۔

احمد ۔ ماسٹر صاحب! یہ بنولے تو ایک دوسرے سے چمٹے ہوئے ہیں ۔ الگ الگ نہیں گرتے ۔

میں ۔ اچھا تو اب یہ گوبر ملے ہوئے بنولے بو کر دیکھو ۔

احمد نے ۔ اب جو بنولے بونا شروع کیا ۔ تو وہ الگ الگ گر رہے تھے ۔

میں ۔ اب تمھیں معلوم ہوا کہ بنولوں کو بونے سے پہلے گوبر میں کیوں مسل لیتے ہیں ۔

احمد ۔ ہاں اب معلوم ہوا کہ بنولوں کو گوبر میں اس لئے مسل لیتے ہیں کہ وہ الگ الگ ہو جائیں اور بوتے وقت انہیں بکھیرنے میں آسانی ہو

برج لال ۔ ماسٹر صاحب! یہ تو ٹھیک ہے ۔ لیکن رامو زمین میں ہل کیوں چلا رہا ہے ۔ ویسے ہی بنولے کیوں نہیں بو دیتا ۔

ہری ۔ ہوں! تم یہ بھی نہیں جانتے ۔ ہل چلانے سے زمین ملائم ہو جاتی ہے ۔ نرم زمین میں بیج آسانی سے پھوٹ نکلتا ہے ۔ فصل اچھی ہوتی ہے ۔

سعید ۔ لیکن رامو بنولے ہل کے ساتھ ساتھ کیوں بو رہا ہے؟ ۔ ایک دم سارے کھیت میں ہل چلا کر بنولے کیوں نہیں بکھیر دیتا؟

میں ۔ ہل کے ساتھ ساتھ بونے سے کئی فائدے ہیں ۔ ایک تو یہ کہ بیج گہرائی میں پہنچ جاتا ہے ۔ نیچے کی زمین میں نمی ہوتی ہے ۔ اس لئے پودا جلدی نکلتا ہے ۔ دوسرے یہ کہ ہل سے سیدھی لکیریں کھنچتی جاتی ہیں ۔ اگر بیج ان لکیروں میں بکھیر جائیں گے تو کپاس کے پودے بھی سیدھی قطاروں میں اگیں گے ۔ اس سے کپاس چننے وقت آسانی ہوگی ۔ آدمی بیچ میں سے گزر سکے گا ۔ اور ایک ایک پودے سے کپاس چن لے گا ۔

برج لال (کسان سے) ۔ بیج بونے کے بعد آپ کیا کریں گے؟

رامو ــ بیٹا! اس کے بعد میں پیٹرا پھراؤں گا ۔ وہ دیکھو سامنے جو چپٹا، چوڑا لکڑی کا تختہ رکھا ہوا ہے، ان سے سارے کھیت میں پھراؤں گا ۔

برج لال ۔ اس کے پھرانے سے کیا فائدہ؟

رآمو ۔ تم دیکھتے ہو کہ مٹی کے ڈھیلے ہل چلاتے وقت اکھڑ گئے ہیں، وہ اس سے دب کر ٹوٹ جائیںگے ۔ زمین ہموار ہو جائے گی ۔ سارے بیج مٹی سے ڈھک جائیں گے اور چڑیاں پرندے بیج نہ چن سکینگے ۔

ہری ۔ ماسٹر صاحب! چلئے اب مدرسے واپس چلیں ہم نے یہاں دیکھ لیا کہ کپاس کیسے بوتے ہیں ۔

مدرسے میں آنے کے بعد میں نے پھر اس سبق سے متعلق تمام باتیں بچوں سے ان سوالوں کے ذریعہ دریافت کیں ۔

۱ ۔ بنولوں کو بونے سے پہلے گوبر میں کیوں مسلتے ہیں؟

۲ ۔ بنولے بونے کے لئے کھیت جوتنے کی کیوں ضرورت پڑتی ہے؟

۳ ۔ کھیت بونے کے بعد سارے کھیت میں پیٹرا کیوں پھراتے ہیں؟

(کمال)

نوٹ ۔ اس سبق کو عام سائنس کے نصاب سے متعلق سمجھنا چاہیئے ۔

"تحریر"

اوکھلا کا بنیادی مدرسہ

اس مقالہ میں یہ بتانے کی کوشش کی جائے گی کہ اوکھلا کے مدرسہ میں بنیادی تعلیم کی اسکیم کے مطابق کس حد تک کام ہوا ہے اور کہاں تک کامیابی ہوئی ہے۔ لیکن اسے سمجھنے کے لئے ان حالات کا جاننا ضروری ہے جن کے ماتحت کام کرنا پڑا ہے۔ ہم نے اپنے تجربوں سے بعض عام نتیجے بھی نکالے ہیں۔ ہم اس بات کو مانتے ہیں کہ منطقی نقطۂ نظر سے یہ بات ٹھیک نہیں ہے کہ ایک مدرسہ کے تجربوں کو عام شکل میں پیش کیا جائے۔ لیکن ہمارے ملک میں دیہی حالات کچھ اس قدر یکساں ہیں کہ ہماری یہ امید کچھ ناجائز نہ ہوگی کہ اس چھوٹے مضمون سے وہ تمام لوگ جنہیں دیہات کی تعلیم سے دلچسپی ہے ان مشکلات کا کسی حد تک اندازہ لگا سکیں گے جو دیہات میں مدرسہ چلانے کے کام میں عام طور سے پیش آتی ہیں۔

اوکھلا ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ یہاں مشکل سے پچاس ساٹھ گھر ہیں اور گھر بھی کیا پھوس اور مٹی کے چھوٹے چھوٹے جھونپڑے ہیں۔ باشندے بہت غریب ہیں۔ اکثر لوگوں کا پیشہ مویشی پالنا، دودھ بیچنا، اور مزدوری کرنا ہے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کے پاس اپنی زمینیں ہیں۔ وہ کھیتی کرتے ہیں۔ لیکن پانی کی کمی کی وجہ سے یہاں کی زمین کچھ زیادہ کام کی نہیں ہے ....

..... گاؤں والوں کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی روزی کمانے میں مدد دیتے ہیں۔ بعض مویشی چراتے ہیں، اور بعض نہر پر مزدوری کرتے ہیں اور اس طرح روزانہ دو چار پیسے کما لیتے ہیں نہر پر اکثر سیلانیوں کا ہجوم رہتا ہے۔ بچوں کو ان کی وجہ سے مختلف قسم کے چھوٹے موٹے کام مل جاتے ہیں۔ جیسے موٹر گاڑی کی دیکھ بھال کرنا، سامان کا ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا، پانی یا کڑیاں مہیا کرنا وغیرہ۔ پورے گاؤں میں صرف دو ہی آدمی ایسے ہیں جن کے بدن پر سفید کپڑے دکھائی دیتے ہیں۔ اور جن کے گھر پکے معلوم ہوتے ہیں۔ ان میں ایک تو ہے گاؤں کا نمبردار اور دوسرا یہاں کا ساہوکار۔ گاؤں کے قریب قریب سبھی لوگ ساہوکار کے مقروض ہیں یہاں تک کہ نمبردار پر بھی اس کا بہت قرضہ ہے۔ غرض کہ سارے گاؤں میں ساہوکار کا طوطی بولتا ہے۔ اس کے خلاف کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔

جولائی ۳۸ء سے پہلے اس گاؤں میں کوئی مدرسہ نہیں تھا۔ صوبہ دہلی کی حکومت نے بنیادی تعلیم کا تجربہ کرنے کے لئے جولائی ۳۸ء میں اوکھلا میں ایک مدرسہ کھولنے کی تجویز منظور کی۔ لیکن شرط یہ تھی کہ جامعہ ملیہ یہ مدرسہ قائم کرے۔ اور جب مدرسہ چلنے لگے تو اس کی تعلیم کی دیکھ بھال کرے۔ حکومت نے اس کام کے لئے ۲۵۰ روپیہ بطور خاص امداد کے اور ۲۵-۱-۳۰ کے گریڈ میں ایک استاد کی تنخواہ دینا منظور کیا۔ چنانچہ جب استادوں کا مدرسہ اگست ۳۹ء میں دہلی سے جامعہ نگر آیا۔ تو گاؤں میں مدرسہ کھولنے کی کوشش کی جانے لگی۔

ہمیں جلد سے جلد اس مدرسہ کو قائم کر کے کام شروع کر دینا تھا کیونکہ استادوں کے مدرسہ کے لئے ایک مشقی مدرسہ کا ہونا ضروری تھا۔ یوں تو جامعہ کا ابتدائی مدرسہ یہاں پہلے ہی سے موجود تھا۔ لیکن اسے مشقی مدرسہ بنانا ہمارے لئے کچھ زیادہ مفید نہ ہوتا۔ جامعہ کے مدرسہ کے بچے زیادہ تر دور دور کے شہروں سے آتے ہیں۔ اور ان کا تعلق اکثر امیر گھرانوں سے ہوتا ہے۔ ہمیں ایک دیہی مدرسہ کی ضرورت تھی۔ تاکہ ہم ان تمام مسائل (Problems) سے براہ راست واقف ہو سکیں جو بنیادی تعلیم کے کام میں پیش آتے ہیں۔

جب ہم نے گاؤں میں مدرسہ قائم کرنے کی کوشش شروع کی تو بعض لوگوں نے گاؤں والوں کو ہمارے خلاف بہکا دیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر جامعہ والے یہاں مدرسہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو تمہاری خیر مت نہیں۔ ان کی یہ چال ہے۔ وہ مدرسہ کا ڈھونگ رچا کر تمہاری زمینیں لینا چاہتے ہیں۔ اسی قسم کا اور بھی بے بنیاد پروپیگنڈا کیا گیا۔ اس پروپیگنڈے میں گاؤں کا نمبردار اور ساہوکار پیش پیش تھے۔ اصل میں اس قسم کے لوگ ہر اس کام کی راہ میں روڑے اٹکاتے ہیں۔ جس سے جنتا میں بیداری پیدا ہونے کا امکان ہو۔ کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ ان کا الو اسی وقت سیدھا ہو سکتا ہے جبکہ جنتا جاہل ہو۔ بے چارے ان پڑھ ان کے داؤں پیچ اور لوٹنے کھسوٹنے کی چالیں نہیں سمجھ سکتے۔ سرمایہ دار اور پبلک کے مفاد ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں۔ ان میں سے ایک کی زندگی دوسرے کی موت کا سبب ہوتی ہے۔ گاؤں کے چھوٹے سرمایہ داروں کے ہتھکنڈے دنیا کے بڑے سرمایہ داروں کی پیچیدار چالوں سے مختلف نہیں ہیں۔ فرق صرف شدت کا ہے نہ کہ قسم کا۔ سرمایہ دار اپنے طفیلی وجود کو قائم رکھنے کے لئے جنتا میں وہ شعور پیدا ہی نہیں ہونے دیتا۔ کہ وہ اپنی تباہی کے سببوں پر سوچ بچار کرے اور اسے دور کرنے کی کوشش کے لئے تیار ہو۔ چنانچہ سرمایہ داری کی تمام قوتیں مل کر جنتا میں تعلیم کی روشنی پھیلنے نہیں دیتیں۔

اب سے ایک مہینے پہلے تک جس عمارت میں ہمارا مدرسہ تھا۔ وہ گاؤں کے ساہوکار کے قبضہ میں تھی۔ گاؤں کے وہ لوگ، جنہیں ہماری نیک نیتی پر بھروسا تھا کہتے تھے، کہ یہ عمارت گاؤں والوں نے ہزر گے، بلکاروں کی مدد سے چوپال کے لئے بنوائی تھی، لیکن بعد میں ساہوکار نے اپنی چالبازی سے اس پر بے جا قبضہ جما لیا تھا۔ ہم نے ساہوکار سے کہا کہ وہ یہ مکان ہمیں مدرسہ کے لئے دے دے۔ لیکن ساہوکار کرایہ پر دینے کو بھی تیار نہ ہوا ہم لوگ اس حلقہ کے ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ کے پاس گئے اور ان کے ذریعہ سے یہ طے کرایا کہ فی الحال یہ مکان ایک مہینہ کے لئے مدرسہ کے واسطے دے دیا جائے تاکہ اسی دوران میں کوئی دوسرا انتظام کیا جا سکے۔

اب ہم نے گاؤں میں ایک عام جلسہ کیا۔ جس میں گاؤں کو تعلیم کے فائدے بتائے اور ان سے مدرسہ میں اپنے بچے بھیجنے کو کہا۔ اس طرح یہ مدرسہ ۲ اکتوبر ۱۹۳۹ء سے باقاعدہ شروع ہوا۔ کہاں تو بنزدار اور ساہوکار یہ کہتے تھے کہ گاؤں میں پڑھنے کے قابل لڑکے ہی نہیں اور کہاں ایک ہی ہفتہ کی کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیس لڑکے مدرسہ میں داخل ہو گئے۔ کام شروع کرنے کے لئے ہم نے استادوں کے مدرسہ کے ایک ٹرینڈ (Trained) استاد کی خدمات حاصل کیں۔

کام تو شروع ہو گیا۔ لیکن قاعدے سے نہیں۔ یہ عمارت مدرسہ کے لئے بالکل ناموزوں اور ناکافی تھی۔ اور اس پر طرہ یہ کہ مالک مکان اس میں کسی قسم کی تبدیلی کرنے کی اجازت دینے کو تیار نہیں تھا۔ یہاں تک کہ اس نے عمارت کے احاطہ میں بچوں کو باغبانی کرنے سے بھی منع کر دیا۔ کیوں کہ اُسے یہ خطرہ تھا۔ کہ آہستہ آہستہ یہ عمارت اُس کے قبضہ سے نکل جائے گی۔ مجبوراً ہم نے یہاں صرف کتائی کا حرفہ شروع کیا۔ مختلف عمر اور مختلف صلاحیتوں کے بچوں نے ہماری مشکلات میں اور بھی اضافہ کر دیا کئی بچے تو سات سال سے کم عمر کے تھے اور تین چار بچے دس سال تک کے ہوں گے۔ بعض کچھ پڑھنا لکھنا بھی جانتے تھے۔ اس لئے بچوں کو دو مختلف جماعتوں میں رکھا گیا۔ لیکن باقاعدہ دو جماعتیں نہیں بنائی جا سکتی تھیں۔ کیوں کہ پڑھنا لکھنا جاننے والے بچے حساب اور دوسرے مضمونوں میں بالکل کورے تھے۔

ابھی ہم اچھی طرح سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ مہینہ ختم ہو گیا اور ساہوکار نے مکان خالی کرنے کا مطالبہ شدت سے کرنا شروع کر دیا۔ اب تک ہم عمارت کا کوئی انتظام نہ کر سکے تھے اور نہ اس کی کوئی اُمید ہی تھی۔ کہ ہم آیندہ جلد ہی کوئی عمارت بنا سکیں گے۔ آخرکار مجبور ہو کر ہم نے حکومت کو لکھ دیا کہ جب تک وہ مدرسہ کی عمارت کا انتظام نہیں کرتی کام کرنا غیر ممکن ہے۔ حکومت نے آخرکار ساہوکار سے چند شرطوں پر یہ عمارت مدرسہ کے لئے لے لی۔

یہاں تک تو ہم نے اس مدرسہ کے انتظامی پہلو سے بحث کی ہے۔ اب ہم اس کے تعلیمی پہلو پر روشنی ڈالیں گے۔ یہاں بچوں کو پڑھنا سکھانے کے لئے کہانی کا طریقہ برتا گیا۔ اس سے بچوں کو پڑھنا سیکھنے میں بڑی آسانی ہوئی۔ کتائی کے لئے شروع میں روزانہ صرف ایک گھنٹہ وقت دیا گیا۔ لیکن فروری ۱۹۴۱ء میں جب استادوں کے مدرسہ کے طلبہ وہاں مشقی سبقوں کے لئے جانے لگے تو کتائی کے وقت کو آہستہ آہستہ بڑھا کر دو گھنٹہ روزانہ کر دیا گیا۔ چھ مہینہ تک کام کرنے کے بعد اُن کی کتائی کی اوسط رفتار حسب ذیل ہوگئی۔

	نام	عمر	رفتار (آدھ گھنٹہ کی تاریں جن کا ایک تار ۴ فیٹ)
۱۔	ودیا دیوی	۱۰ سال	۶۰
۲۔	انار دیوی	۱۰ "	۵۵
۳۔	برج کشور	۷ سال	۴۰
۴۔	نند کشور	۷ "	۴۰
۵۔	فخرالدین	۷ "	۳۵
۶۔	اصغر علی	۷ "	۳۰
۷۔	عبدالغفور	۷ "	۳۵
۸۔	عبدالمجید	۷ "	۲۳
۸۔	محمد عمر	۷ "	۲۶
۹۔	کستوری دیوی	۵ "	۲۶
۱۰۔	نذیر محمد	۵ "	۱۵
۱۱۔	امراؤ سنگھ	۵ "	۱۵

نصاب کے مطابق پہلی ششماہی کے آخر میں آدھ گھنٹہ کی رفتار ۴۰ تار ہونی چاہئے لیکن یہ اُس صورت میں ہونا چاہئے جبکہ کتائی کا کام ۳ گھنٹہ ۲۰ منٹ روزانہ ہوتا ہو۔ اور بچے ۷ سال سے کم عمر کے نہ ہوں لیکن اس مدرسے میں کتائی کا کام زیادہ سے زیادہ دو گھنٹہ روزانہ ہوا اور بعض بچوں کی عمر ۷ سال سے کم تھی۔ کتائی کی رفتار میں کمی کی ایک اور وجہ تھی کہ بچے گھر کے بعض کاموں کی وجہ سے مدرسہ میں پابندی سے حاضر نہیں رہ سکتے تھے۔

اس جگہ ہم بنیادی تعلیم کے ان اعتراض کرنے والوں کو جواب دینا چاہتے ہیں، جو کہتے ہیں کہ بچے کتائی کے خشک۔ پھیکے اور جلد تھکا دینے والے کام کو دیر تک نہیں کر سکیں گے۔ اس سے ان کی صحت پر بھی برا اثر پڑے گا۔ ہمیں تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ یہ قیاس آرائیاں بے معنی ہیں۔

ہمارے یہاں سات سال کے نیچے بلکہ اس سے بھی کم عمر کے بچے دو گھنٹے بڑی خوشی سے کاتتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات تو دوسرے سبقوں کے دوران میں بھی کاتنے کی خواہش ظاہر کرتے ہیں۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کتائی کا کام بجائے تکلیف دہ ہونے کے دلچسپ ہے۔

جسمانی تربیت کے متعلق صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ بچے پہلے سے زیادہ تندرست اور صاف نظر آتے ہیں۔ مدرسہ کی طرف سے جو کپڑے اُنہیں پہننے کے لئے ملتے ہیں۔ اُنھیں سلیقہ سے استعمال کرتے ہیں۔ اگر غلطی سے کوئی چھوٹا بچہ منہ ہاتھ دھو کر مدرسہ نہیں آتا تو استاد فوراً اس کا منہ ہاتھ دُھلاتا ہے۔ کبھی کبھی اتوار کے دن یا دوسری چھٹیوں میں استاد اُنہیں دریا پر لے جاتا ہے۔ وہاں وہ اپنے کپڑے ریہ مٹی اور سوڈے سے دھوتے ہیں۔ اس طرح اُنہیں اپنے کپڑے دھونے کا طریقہ معلوم ہو گیا ہے۔ مدرسہ کی طرف سے بچوں کے ناشتہ کے لئے بھیگے ہوئے (Sprouted) چنوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ شروع میں کچھ عرصہ تک بچوں نے چنے کھانے میں شوق ظاہر نہیں کیا۔ لیکن بعد کو خوشی سے کھانے لگے۔

بچوں کی اخلاقی تعلیم کا اندازہ لگانے کے لئے ہمیں اُن کی مدرسہ میں داخل ہونے سے پہلے کی حالت کا مقابلہ موجودہ حالت سے کرنا چاہئے۔ جب وہ مدرسہ میں آئے تھے تو بری بری گالیاں

سکتے تھے۔ آپس میں لڑتے جھگڑتے تھے اور کبھی کبھی تو مار پیٹ تک کی نوبت آجاتی تھی۔ لیکن اب حالت یہ ہے کہ جہاں کہیں ملتے ہیں "ماسٹر صاحب السلام وعلیکم" یا "ماسٹر صاحب نمستے" کہہ کر استقبال کرتے ہیں۔ اور اب وہ آپس میں بہت کم گالی گلوج کرتے ہیں۔ اُن میں کسی حد تک صاف ستھرے رہنے کی عادت بھی پڑ گئی ہے، اگرچہ اس معاملہ میں اُن کے گھر ہماری مدد نہیں کرتے۔ بعض بچے تو اپنے گھر جاکر ماں باپ کو صفائی ستھرائی کے بارے میں باتیں بتاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں تو ماسٹر صاحب نے پانی کے برتن رہنے کا کمرہ، پہننے کے کپڑے اور اپنی تمام چیزیں صاف رکھنے کے لئے کہا ہے، کیوں کہ اگر ہماری چیزیں گندی ہوں گی، تو ہم بیمار پڑ جائیں گے۔ پھر آپ ان باتوں کو گھر میں کیوں نہیں کرتے؟"

جہاں تک نظری تعلیم کا تعلق ہے۔ بچوں نے پورا نصاب ختم کرلیا ہے۔ ربط کے معاملہ میں ہمیں کوئی خاص دشواری پیش نہیں آئی۔ ہاں باغبانی کا صرفہ نہ ہوسکنے کی وجہ سے جنرل سائنس کی تعلیم میں وہ خوبی پیدا نہ ہوسکی، جو ہونی چاہئے تھی۔ بچوں کو زبان اور سماجی علم سے متعلق بہت سی دلچسپ کہانیاں یاد ہو گئی تھیں۔ اُنھیں بہت سی نظمیں زبانی یاد تھیں۔ اور وہ انہیں اکثر کتائی کے وقت گایا کرتے تھے۔ وہ آسان اور سادہ جملے پڑھ سکتے تھے۔ اور کچھ لکھنا بھی جانتے تھے۔ ہمارا خیال ہے کہ عام معلومات میں کسی دیہی مدرسہ کے اس عمر کے بچے اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔

بچوں کو باہمت اور نڈر بنانے کی کوشش کی گئی۔ اُن کے مدرسہ میں کوئی بھی اجنبی آجائے۔ اُنھیں کسی قسم کا خوف، جھجک یا شرم محسوس نہیں ہوتی۔ آئے دن تعلیم سے دلچسپی رکھنے والے دیسی اور بدیسی لوگ اس مدرسہ کو دیکھنے آتے رہتے ہیں۔ اگر وہ ان بچوں سے کچھ پوچھتے ہیں، تو وہ بے دھڑک جواب دیتے ہیں۔ دیہات کے عام بچوں کو دیکھتے ہوئے یہ بات بہت غیر معمولی ہے۔ مثل ہے کہ گاؤں کے بچے "لال پگڑی والے" کے نام سے ڈرتے ہیں۔ لیکن یہاں یہ حال ہے کہ بچے سفید لوگوں سے باتیں کرنے سے بھی نہیں ہچکچاتے۔

اس مدرسہ میں اظہار ذات (Self-expression) کے لئے کافی موقع دئے جاتے ہیں۔ بچے چیزوں کے بارے میں اپنے خیالات آزادی سے ظاہر کرتے ہیں۔ یہ کام زیادہ تر زبانی ہوتا ہے۔ اور کبھی کبھار ڈرائینگ کے ذریعہ بھی۔ پچھلے سال جماعت اول کے بچے کاغذ تراشی کا کام بھی کرتے تھے۔ لیکن وہ امسال نہیں کرایا جا سکا۔ پچھلے سال کے ڈرائنگ اور کاغذ تراشی کے نمونے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ کہ غریب گھروں کے اتنے چھوٹے بچے ایسی اچھی چیزیں کیونکر بنا لیتے ہیں۔ اُن کے جمالیاتی ذوق کی نشو و نما میں سابقہ مدرسہ کی عمارت کے نقش و نگار کو بھی بڑا دخل تھا۔ اس مدرسہ کی دیواروں پر مختلف قسم کی رنگین اور خوبصورت تصویریں بنائی گئی تھیں۔ ایک بچے نے اپنے گھر کو بھی خوبصورت بنانے کے لئے ویسے ہی نقش و نگار بنانے کی کوشش کی تھی۔

پچھلے سال قومی ہفتہ کے موقع پر بچوں نے جو کچھ کیا وہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ انہوں نے اپنے مدرسہ اور مدرسہ کے احاطہ کی خوب صفائی کی بعض نے رنگین کاغذ کاٹ کر اپنے مدرسہ کو سجایا۔ پھر سہ پہر کو کتائی کا مقابلہ ہوا جس میں قریب قریب سب بچے شریک ہوئے۔ پھر شام کو ایک جلسہ ہوا۔ جس کا اعلان بچوں نے اپنے اپنے محلوں میں پہلے سے کر دیا تھا۔ جلسہ میں بڑی بھیڑ تھی۔ اُس میں بتایا گیا کہ ہم قومی ہفتہ کیوں مناتے ہیں۔ اور اُس کا ہماری زندگی سے کیا تعلق ہے۔ استادوں کے مدرسہ کے طلبہ نے کچھ اپنی نظمیں بھی سنائیں، جو انہوں نے خاص اِسی موقع کیلئے لکھی تھیں۔ بعض نے دیہات کے متعلق گیت گائے۔ گاؤں والوں نے بھی اِس جلسہ میں عملی حصہ لیا۔ اُن میں سے کچھ لوگوں نے بنوٹ کا کام دکھایا۔

دیہات سدھار کا کام :-

مدرسہ اور سماج میں قریبی تعلق پیدا کرنے کے لئے ہم نے گاؤں سدھار کا کام شروع کیا تھا۔ اُس کے لئے ایک انجمن بنائی تھی۔ جس کا الحاق جامعہ کے شعبہ تعلیم و ترقی سے کرالیا تھا۔ ہماری اِس انجمن کے ناظم استادوں کے مدرسہ کے ایک معلم تھے۔ اِس انجمن کے ممبروں میں ابتدائی مدرسہ جامعہ نگر کے بعض استاد، ہمارے مدرسہ کے پرنسپل صاحب اور بعض طلبا شامل تھے۔ کام شروع کرنے کے لئے ہم نے کچھ چندہ کیا تھا۔ بعد کو شعبہ "تعلیم و ترقی" سے بھی تھوڑی سی مدد ملنے لگی۔ ہم نے یہ کام شروع کرنے سے پہلے گاؤں کی آبادی کی جانچ پڑتال کی کہ یہاں کتنے آدمی رہتے ہیں، اُن کی روزی کے ذریعے کیا ہیں، وہ کس کس قسم کے کام کر سکتے ہیں، کتنے بچے ہیں، ان کی عمریں کیا ہیں، کتنے پڑھے لکھے ہیں اور کتنے اَن پڑھ ہیں وغیرہ۔

جامعہ نگر میں جو عمارتیں بن رہی تھیں۔ اُن میں بے روزگاروں کو کام دلانے کی کوشش کی گئی۔ رات کا ایک مدرسہ بالغوں کی تعلیم کے لئے قائم کیا گیا، جو پچھلے سال کے آخر تک جاری رہا۔ اس مدرسہ میں کبھی کبھی ہم میں سے بعض لوگ مختلف موضوعوں پر مثلاً فصلی بیماریاں صحت و صفائی کے اُصول، سماجی خرابیاں اور اُن کے دور کرنے کی تدبیریں، دُنیا کے موجودہ حالات اور اُن کا ہماری زندگی سے تعلق وغیرہ پر باتیں گاؤں والوں کو بتاتے رہتے تھے۔ اور وہ لوگ بڑی دلچسپی سے ہماری باتیں سنتے تھے۔ اِس انجمن کی طرف سے کبھی کبھی گاؤں والوں کی دلچسپی کے لئے تفریحی جلسہ بھی کئے جاتے تھے۔ قومی ہفتہ کے سلسلہ میں استادوں کے مدرسہ کے استادوں اور لڑکوں نے گاؤں کی گلیوں اور کنوؤں کو صاف کیا۔ رات کے جلسہ میں صفائی کی خوبیاں بتائیں۔ اور اپنے گاؤں اور گھروں کو ہمیشہ صاف رکھنے کی ضرورت سے آگاہ کیا۔

گاؤں میں مریضوں کی دیکھ بھال کرنے اور دوا پہنچانے کا کام استادوں کے مدرسہ کے دو طالب علموں نے بڑی خوبی سے انجام دیا۔ تھا۔ گاؤں والوں پر اِس کا بہت اچھا اثر ہوا۔ اور ہماری طرف سے اُن کے شکوک بڑی حد تک دور ہو گئے۔

یہ ہے مختصری روئداد اُن کاموں کی جو ہم نے پچھلے سال گاؤں

والوں کی زندگی کو بہتر اور دلچسپ بنانے کی خاطر کئے گئے تھے۔ ہم نے پچھلے سال کے تجربوں سے کیا فائدہ اٹھایا، اور امسال کس حد تک کامیابی ہوئی۔ اس کا ذکر پھر کبھی کیا جائیگا۔

گو اب گاؤں کا بنیادی مدرسہ اپنی نئی عمارت میں آگیا ہے۔ اس میں پہلے کے مقابلہ میں جگہ بھی زیادہ ہے، اور سامان بھی بہتر ہے۔ لیکن ہمارا کام یہیں ختم نہیں ہوجاتا۔ جب تک گاؤں کے عام باشندوں کی اخلاقی اور تمدنی حالت اچھی نہ ہوجائے، ہمارا کام ادھورا رہے گا۔ اور ہم مدرسہ کے بچوں میں بھی سماجی خوبیاں پیدا کرنے میں ناکام رہیں گے، کیوں کہ بچے کی روزانہ زندگی کا صرف ایک تہائی حصہ مدرسہ میں گزرتا ہے۔ اور باقی دو تہائی مدرسہ سے باہر کی دُنیا میں۔ اس لئے اگر گاؤں کی عام فضا اچھی نہ ہوگی تو بچوں میں کوئی خوبی بھی مستقل طور پر پیدا نہیں کی جاسکتی، کیوں کہ اس صورت میں مدرسہ کی چہار دیواری کے باہر دنیا بالکل مختلف ملے گی۔ اور جو باتیں مدرسہ میں بڑی محنت اور کوشش سے سکھائی گئی تھیں، وہ بہت جلد بھول جائیں گی۔

سلامت اللہ۔ جامعہ نگر۔ دہلی

رَبط کا مَوجُودہ تَصوّر

مربوط پڑھائی کی نئی اسکیموں نے اُن بنیادی اُصولوں میں جن پر تعلیم کا دارومدار ہے، ایک نیا مفہوم پیدا کردیا ہے۔ ان اسکیموں کی بنیاد سماجی اور نفسیاتی محرکوں پر ہے۔ جدید نفسیات نے علم اور عمل کے باہمی رشتے کی اہمیت نمایاں کردی ہے۔ 'ذہن' کے معنی میں وسعت اور گہرائی پیدا ہوگئی ہے۔ اور جہاں تک انسانی زندگی کے ابتدائی دوروں کا تعلق ہے، خیالات کے علاوہ اس میں بعض اور لچکدار عناصر بھی شامل سمجھے جاتے ہیں۔ نئے مدرسے کا بنیادی اُصول "کچھ کرتے رہنا" ہے، چاہے اس "کرنے" میں ہاتھ پاؤں استعمال کئے جارہے ہوں یا ذہن۔

ڈیوی کا خیال ہے کہ سوچنا بچارنا بجائے خود کوئی چیز نہیں اور نہ وہ بجائے خود کوئی مقصد ہی ہوسکتا ہے۔ یہ عمل تو کسی دقت کو دور کرنے کی ضرورت سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کا مقصد اس دقت کو حل کرنے کی کوئی ترکیب نکالنا ہے۔ ترکیب پر غور کرنا اور ذہن میں اسکے نتیجوں کی ایک تصویر بنانا، اس کے بعد اپنے عمل کی مختلف منزلیں مقرر کرنا اور ان میں مناسب ترتیب پیدا کرنا۔ یہ سوچنے بچارنے کی فطری اور لازمی نیتجے ہیں۔ عمل کی یہ شعوری منزلیں محض سوچنے بچارنے اور تحقیق کرنے کی منطق سے بہت پہلے ظہور میں آتی ہے۔ سوچنے بچارنے سے ذہنی عادت کی جو تربیت ہوتی ہے وہ عمل کی بہترین تیاری ہے۔

یہاں ہمیں ذہن کے ایک نئے تصور، اور اس کی نشو ونما کے نئے راستے کا پتہ چلتا ہے۔ ہمیں اس تصور کے اثر کی جھلک ربط کی تعلیم کے نئے طریقوں میں نظر آتی ہے۔ ہربارٹ اور اس کی طریقے پر چلنے والے علم کو عام پسند بنانا چاہتے تھے اور نئے طریقوں میں استاد اسے نفسیاتی بنانا چاہتا ہے۔

بنیادی تعلیم کی اسکیم اور ربط کا طریقہ جو اس اسکیم کا ایک خاص حصہ ہے، ذہن اور طریقہ تعلیم کے اسی نظریہ پر مبنی ہے۔ لیکن اس میں دوسرے طریقوں کی کمیاں اس کے توازن اور لچک سے پوری ہوجاتی ہیں۔ یہ طریقہ ربط کو اس مضحکہ خیز حد تک نہیں پہنچنے دیتا۔ جہاں وہ زبردستی کی ٹھونس ٹھانس معلوم ہونے لگتا ہے۔ ہمارا نقطہ نظر اتنا مبہم اور تاریک نہیں کہ وہ ایک خود پسند استاد کے ہاتھوں میں جا کر صرف ایک نمائش اور ظاہری دلچسپی کی چیز بن کر رہ جائے۔ میرے خیال میں بنیادی تعلیم میں ربط کا پہلو ہی وہ چیز ہے جو اس ملک کی تعلیم کے نصاب کے مسئلہ کا سب سے قیمتی حل ہے۔ مدرسہ اور سماج کے درمیان جو خلیج حائل ہوگئی ہے، یہ صرف اسی کو دور نہیں کرے گا۔ بلکہ مدرسہ کے نصاب کی ساری پرانی تنظیم، جو علم اور تجربے کو دو بالکل علیحدہ اور ایک دوسرے سے نہ ملنے والی چیزیں خیال کرتی ہے، اس سے بہت اچھا اثر قبول کرے گی۔ اور اس طرح علم اور تجربہ ایک بالکل رسمی گھٹی ہوئی فضا سے نکل کر آزادی میں سانس لے سکے گا۔ اس میں ترکیب سے زیادہ ان کی تحلیل کو اہمیت حاصل ہے، مقابلہ کی جگہ میل جول ہے۔ اگر ہم مربوط پڑھائی کا ایک باقاعدہ فن مرتب کرلیں تو اسے آسانی کے ساتھ اس غریب استاد کے ہاتھ میں دے سکیں گے۔ جو لکیر کا فقیر ہونے میں ضرب المثل ہوگیا ہے۔ موجودہ حالت میں واقعی یہ بات بے حد ضروری ہے کہ کوئی اس طرح کی اسکیم بنا کر تعلیمی دنیا کو بھٹکے ہوئے اس غریب الدیار مسافر کے ہاتھ میں دے دی جائے اور نہ نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ بھٹکا ہوا مسافر ان وسعتوں میں گم ہوکر رہ جائے گا۔

اگر ہم کسی طرح یہ فن بنانے میں کامیاب ہوجائیں تو پرانے راستوں پر چلنے والا استاد اس کا خیر مقدم کرے گا۔ وہ اس کا خیر مقدم اس لئے نہیں کرے گا کہ یہ طریقہ ایک نئے تخلیقی راستے کی طرف لے جاتا ہے۔ اس کی کمزوری یہ نہیں بلکہ ایک دوسری چیز ہے۔ وہ تو اس طریقے کا خیر مقدم اس لئے کرتا ہے کہ اسے دوسرے طریقے میں بہت سے خطرے نظر آرہے ہیں۔ وہ تو ایک قوی ہیکل اژدر کی طرح خود اپنے ہی بوجھ کے نیچے دبا جارہا ہے۔ وہ استاد جس نے علم کو منطقی انداز میں تقسیم کرکے اپنی آسانی کے لحاظ سے ذہن کے کابک میں ٹھونس رکھا ہے، اس بے چارے کے سامنے ہر طرح کے مضمونوں کا ایک سیلاب سا آرہا ہے، جنہیں تعلیمی نقطہ نظر کو چھوڑ کر سیاسی، سماجی یا مالی غرض ہر نقطہ نظر سے نصاب میں شامل کرنے کا شور مچا رہا ہے۔

عام طور پر لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ موجودہ مدرسوں کے طالب علموں میں وہ باقاعدہ اور صحیح علم نہیں ہوتا جو اب سے ایک دو نسل پہلے کے طالب علموں میں ہوتا تھا۔ پرانے مکتبوں اور پاٹھ شالاؤں

کی بنیاد انسانیت پر ہوتی تھی بچوں کی اخلاقی اور ذہنی تربیت کا جو عنصر ان قدیم تعلیم گاہوں میں تھا، وہ اِن سائنس اور علم جدید کے ملے جُلے نصاب پر چلنے والے مدرسوں میں ناپید ہے۔ موجودہ طریقہ تعلیم سرے سے ناکامیاب ثابت ہو رہا ہے۔ وہ بچوں میں وہ ذہنی اور علمی خصوصیتیں پیدا نہیں کر سکا، جو پرانے استاد کو بے حد عزیز تھیں۔ جہاں ایک مضمون گویا دوسرے مضمون کے پیچھے بلا مقصد لڑھکتا چلا جاتا ہے، وہاں اس کے سوا اور کیا امید کی جا سکتی ہے کہ علم کے مختلف پہلوؤں کے متعلق کچھ سطحی اور سرسری معلومات حاصل ہو جائیں۔ ہمارے موجودہ مدرسے استاد اور شاگرد کے اس عزیز رشتے تک کو قائم نہیں رکھ سکے ہیں، جو ہر پرانے استاد کو جی جان سے پیارا تھا۔ اور جس میں استاد علم کا چشمہ تھا جس سے شاگرد اپنی علم کی پیاس بجھاتے تھے حقیقت میں اگر ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم بچے کے ذہن اور اس کے سماجی احساس کی نشو و نما کریں تو ہمیں مضمونوں کی تعداد اور پڑھانے کے سامان کی مقدار گھٹانی پڑے گی۔ یا ان کی جگہ مربوط پڑھائی کا کوئی طریقہ جاری کرنا پڑے گا۔

پرانے زمانے میں مربوط پڑھائی کو جو اہمیت حاصل تھی، اور جو اہمیت اب ہے، اس کا کسی قدر مفصل ذکر کر چکنے کے بعد، اب ہم کو اِس تجربہ اور چھان بین کی طرف بھی نظر دوڑانی چاہیے جو ہمیں اِس طرح کی مربوط پڑھائی کا کوئی طریقہ تیار کرنے میں مدد دے سکے۔ تعلیمی کاموں کی رفتار بھی مطبیعی اور مادی دنیا کی رفتار کی طرح ضرورت سے زیادہ تیز نہیں ہو سکتی جلد بازی کے فیصلے اور نتیجے ہمیں صرف گمراہ کر دینگے۔ استاد اور ریاست دونوں عام طور پر فوری نتیجوں سے متاثر ہو کر انہیں آگے بڑھانے کی کوشش کرنے لگتے ہیں اور یہی وقت ہماری تعلیمی اسکیم کو بھی کم سے کم ایک موقع میں تو ضرور پیش آ چکی ہے۔

تعلیم کی راہ ایک بہت اونچے قسم کی تخلیقی راہ ہے۔ اس میں کسی اونچے فن کی تمام خوبیوں کا ہونا ضروری ہے۔ اور دوسرے فن کی طرح، اس کی پرکھ بھی خود اسی کے پیدا کئے ہوئے گُروں اور ان کسیوں کی بنا پر ہوتی ہے جو اس کے لئے منتخب کئے ہوئے طریقے میں موجود ہوتی ہیں۔ تعلیم کی تصویر بنانے کے لئے ہمارے پاس بڑی اچھی سطح موجود ہے۔ لیکن ہر دوسری سطح کی طرح، تعلیم کی سطح بھی ایک ایسے چوکھٹے سے گھری ہوئی ہے جو اسی کے لئے مناسب اور موزوں ہے۔ یہ چوکھٹا بچے کی نفسیاتی اور اخلاقی نشو و نما کے قانون ہیں۔ ہمیں کوئی نئی عمارت کھڑی کرتے ہیں اس صورت میں اور بھی دیکھ بھال اور احتیاط کی ضرورت پڑتی ہے، جب چاروں طرف زمین کئی نسلوں کی پرانی رسموں کی عمارتوں کے کھنڈروں سے ڈھکی پڑی ہو۔ اور اسے صاف کر کے ہمیں اپنی عمارت کھڑی کرنی ہو۔

دوسرے ملکوں میں مربوط پڑھائی کا جو نصاب بنا ہے۔ اس میں بہت زیادہ وقت اور محنت صرف کرنی پڑی ہے۔ اِس لئے یہ سوچ لینا کہ بنیادی مدرسے صرف ایک یا دو سال کے تجربے سے ایک بالکل نیا پروگرام تیار کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ عقلمندی کی بات نہیں یہ کام اتنا مشکل ہے کہ ڈاکٹر فرک اور اس کے ساتھیوں نے جرمن جمنازیم میں پورے آٹھ سال تک تجربہ اور محنت کرنے کے بعد ملک کے سامنے مربوط پڑھائی کا ایک پروگرام پیش کیا تھا۔ پچھلی بڑی لڑائی کے بعد آسٹریا میں تعلیم کی وزارت نے جب اصلاحی جماعت بنائی، تو ہر گلوکل کی رہنمائی میں نصاب کی از سر نو تنظیم کا ایک پروگرام بنایا گیا۔ سات سال کے طویل تجربے کے بعد انہیں یقین کے ساتھ ان دلچسپیوں کا پتہ چلا، جو مختلف عمروں کے بچوں کی ضرورت اور ان کی ذہنی نشو و نما کے لحاظ سے مفید تھیں۔

پونا کانفرنس کے فیصلے کے مطابق یہ بات ممکن اور تعلیمی نقطۂ نظر سے مفید ہے کہ بچوں کو ربط کے ذریعے پڑھایا جائے۔ لیکن اس کانفرنس نے یہ بھی جتلا دیا تھا کہ ربط زبردستی ٹھونس کر نہ پیدا کیا جائے۔ اور تعلیم کا ربط صرف بنیادی حرفے ہی سے نہیں بلکہ بچے کے طبعی اور سماجی ماحول سے بھی پیدا کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ یہ دونوں ماحول تعلیمی نقطۂ نظر سے بے حد مفید موقعے بہم پہنچاتے ہیں اور ان کی مدد سے بچوں کے بنیادی علم کو بہت بہتر بنایا جا سکتا ہے۔

بنیادی حرفے اور دوسرے مضمونوں کے درمیان تفصیل کے ساتھ ربط کے امکانات معلوم کرنے کے لئے کئی برس کے متواتر تجربے اور علمی تحقیق کی ضرورت ہے۔ اور اس کے لئے جوشیلے استاد سے زیادہ اچھے ماہروں کا مشورہ اور رہنمائی ضروری ہے۔ اس سے بھی زیادہ اس بات کی ضرورت ہے کہ ملک کے مختلف حصوں میں بنیادی تعلیم کا کام کرنے والے جو تجربے کر رہے ہیں، انہیں آپس میں ملایا جائے۔ اگر اس طرح مل جل کر کام نہ کیا گیا تو یقینی اس کے بعد کسی مرتب اسکیم کا بننا بے حد دشوار ہے۔ امریکا میں ربط کی اسکیم کے ناکام رہنے کی اصل وجہ یہ تھی کہ یہ اسکیم بنانے والی کمیٹی نے مل جل کر کام کرنے کی اہمیت پر زیادہ توجہ نہیں دی۔ مل جل کر کام کرنا صرف اس لئے ضروری نہیں کہ اس کے بغیر اس طرح کی کسی اسکیم کا بننا غیر ممکن ہے بلکہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ اس کی مدد سے ان دلچسپ شغلوں کا علم ہو جاتا ہے جن سے کام لے کر تعلیم زندگی کے ان پہلوؤں سے قریب تر ہو جاتی ہے، جہاں تک اسکیم کی ابھی طرح رسائی نہیں۔

نصاب کے ہر مضمون کے لئے الگ الگ ریکارڈ کی کاپیاں یا استاد کی ڈائریاں ہونی ضروری ہیں۔ معمولی طور پر تو یہ ڈائریاں استاد کے کام کو صحیح راہوں پر لگانے کا ایک ذریعہ ہیں۔ لیکن ہمارے کام میں یہ ڈائریاں پڑھائی کے فن اور عمل میں ایک تحقیقی عنصر کا کام دے سکتی ہیں۔ خاص کر تجربے کے اس دور میں جب ہم بھول چوک اور جانچ پڑتال کی راہوں سے گزر رہے ہیں یہ بڑے کام کی چیز ہے۔ اِن ڈائریوں میں اُس بات کا تھوڑا سا حال ہوگا جو بچوں کو پڑھائی جانے والی ہے۔ یا اُس طریقے کا ذکر ہوگا۔ جس کی مدد سے یہ علم بچوں تک پہنچایا جائے گا۔ لیکن ڈائری کا سب سے زیادہ قیمتی

حصہ وہ ہوگا جس میں استاد اپنے تجربے کی بنا پر یہ لکھیگا کہ اس نے کتنا کام کرایا اور کس طرح اسے بچوں کے ذہن تک پہنچایا۔ اگر ہم اس بات کا پورا پورا ریکارڈ رکھ سکیں کہ پڑھانے وقت استاد اور بچوں کے درمیان کیا باتیں ہوئیں تو ہم اچھی طرح بچے کے ذہن کی حالت اور اس کی ذہنی ضرورتوں کا پتہ چلا سکتے ہیں اور ہمیں معلوم ہو سکتا ہے کہ بچے کو اس کی زندگی سے قریب کی مادی چیزوں کی مدد سے پڑھانے اور زندگی سے دور کی خیالی چیزوں کی مدد سے پڑھانے میں کیا فرق ہے۔ یہ طریقہ تعلیمی دنیا میں کچھ نیا نہیں۔ روس کی جنرل ریسرچ لیبوریٹری آف ایجوکیشن نے درجے میں ایک زود نویس کو بٹھا کر اس قسم کے مکمل ریکارڈ لکھوائے اور ان کی مدد سے وہاں بعض بہت اچھے نتیجے نکالے گئے ہیں۔ بچے کے ذہن کے ان پوشیدہ اور نامعلوم رازوں کی تحقیقات، ممکن ہے کبھی ہمیں اس قابل بنا دے کہ ہم اپنی تعلیم یا اسی قسم کے دوسرے تعلیمی طریقوں کو زیادہ مضبوط بنیادوں پر کھڑا کر سکیں۔ یہ بات تشفی بخش ہے کہ ہمارے بعض بنیادی مدرسوں میں اس طرح کے تجربے بھی ہو رہے ہیں۔ لیکن ہمیں ابھی لوگوں کے دلوں سے بہت سے شک شبہے دور کرنے ہیں۔ اس لئے کہ لوگوں کو عام طور پر یہ شبہ ہے کہ تعلیمی دنیا میں نظریے عمل کی جگہ لیتے جا رہے ہیں۔ اور تعلیم کے راستے میں استاد علمی نظریہ بنانے والے ماہر سے پچھڑا جا رہا ہے۔ ہمارے یہاں بھی "نئی تعلیم" نے تعلیمی مسئلوں پر لکھنے والے کام کرنے والوں سے زیادہ پیدا کر دیے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ کاش ہم کوئی ایسی تحریک پیدا کر سکیں کہ پڑھانے والے ان معاملوں میں علمی حیثیت سے زیادہ شریک ہونے لگیں۔ اور اسی طرح تعلیمی دنیا کی تحقیق اور تجربے میں وہ بھی برابر کے حصے دار بن جائیں۔ ہمیں ان میں کسی طرح پڑھانے کے گر کی سی خود اعتمادی پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے تاکہ وہ یہ اچھی طرح محسوس کرنے لگیں کہ تعلیمی مسئلوں کے حل کرنے میں ان کا شریک ہونا بھی بے حد ضروری ہے۔ اس بات سے میرا خیال ایک واقعہ کی طرف جاتا ہے۔ تعلیم کے ایک ڈائریکٹر نے ایک استاد سے کہا کہ وہ اپنے روزانہ کام کا سال بھر کا ایک عارضی پروگرام تیار کر لے۔ استاد نے تعجب سے جواب دیا۔ "عارضی پروگرام میں کسی عارضی پروگرام کا قائل نہیں۔ میں تو آپ کو اپنے تجربے کی سچی باتیں بتا سکتا ہوں۔" میرا جی چاہتا ہے کہ کاش ہم میں ایسے بہت سے استاد پیدا ہو جائیں جو ہمیں ایسی ہی سچی باتیں بتا سکیں، اس لئے کہ تجربے کی سچی باتیں ہی کسی مضبوط تعلیمی اسکیم کی بنیاد بن سکتی ہیں۔

ہمیں اس بات کی گہری چھان بین کی ضرورت ہے کہ ایسے طریقے کہاں کہاں رائج کئے گئے ہیں۔ روس کے طریقے کے جدید پروگرام میں ہر درجے کے ہر مضمون کے نصاب سے دو یا تین ذرا بڑی قسم کے سماجی موضوع منتخب کر لئے جاتے تھے۔ ان موضوعوں کی مدد سے ہر مضمون میں جتنا نظری مواد شامل ہو جاتا تھا اس پر غور کر کے اسے باقاعدہ طور پر مرتب کر لیا جاتا تھا اور آخر میں اصل موضوع کے متعلق عملی طور پر جو نتیجے نکلتے تھے ان کی بنا پر ایک رپورٹ تیار کی جاتی تھی۔ آسٹریا کے مدرسوں میں استاد کو اپنے ہفتے بھر کے کام کی رپورٹ تیار کرنی پڑتی ہے۔ اسے ڈائریکٹر دیکھتا اور اس پر دستخط کرتا ہے۔ ڈکرولی میتھڈ (Decroly Method) میں بچے جو چارٹ تیار کرتے ہیں اور اپنے مشاہدوں کو کاپیوں میں درج کرتے ہیں اس کا بھی کسی حد تک یہی مقصد ہے۔

پونا کانفرنس اور تعلیم کے ایڈوائزری بورڈ دونوں نے اس بات کی ضرورت محسوس کی ہے کہ بچوں کی تعلیم کو صرف بنیادی حرفے ہی سے نہیں بلکہ ان کے ماحول سے بھی مربوط ہونا چاہئے۔ ہم تجربے کے طور پر جو مدرسے چلا رہے ہیں ان میں بھی اسی قسم کی ضرورت محسوس کی گئی ہے۔ سیگاؤں کے مدرسے نے اس سلسلے میں بہت جرأت آمیز اقدام کیا ہے اور اپنے نصاب کی بنیاد بچے کی چار بنیادی ضرورتوں پر رکھی ہے، پانی، کھانا، کام اور کھیل۔ یہ طریقہ ہربرٹ اسپینسر کے قیمتی اصولوں اور ڈکرولی کے طریقے سے اتنا ملتا جلتا ہے کہ اسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ ڈکرولی کے طریقے میں بچے کی بنیادی ضرورتیں یہ ہیں - (۱) کھانا، (۲) عناصر سے حفاظت یعنی مکان اور لباس (۳) دشمنوں اور خطروں سے بچاؤ اور (۴) کام۔

حرفہ زیادہ سے زیادہ ان میں سے صرف دو ضرورتوں کے ساتھ تعلق پیدا کر سکتا ہے - اور اس لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی پڑھائی میں اس کی کمی بچے کی دلچسپی کی دوسری چیزوں کی مدد سے پوری کریں۔ چھوٹے درجوں میں کئی چیزوں کو ربط کا مرکز بنا کر اور بڑے درجوں میں صرف ایک چیز کو مرکز بنا کر پڑھانا، بچوں کی نفسیاتی ضرورتوں کے لحاظ سے سب سے مناسب طریقہ ہے۔ دلچسپی کے ان مرکزوں کا انتخاب بچے کے ماحول کا اچھی طرح مطالعہ کرنے کے بعد کرنا چاہئے۔ مثلاً پانی حاصل کرنے کا مسئلہ ان جگہوں کے لئے سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے، جہاں پانی کی کمی ہو۔ لیکن جہاں پانی کی افراط ہے وہاں دلچسپی کا مرکز دوسری چیزیں بن سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ ہمیں - - - - - - - بچے کی ضرورتوں، موسم کی تبدیلیوں اور آس پاس کے ماحول کے مطابق اس کی زبان کی ترقی کی طرف بھی دھیان دینا چاہئے اور ان میں سے ہر چیز سے مدد لینی چاہئے۔ تعلیم میں ہفتے میں ایک دن آس پاس کی جگہوں کی سیر کے لئے ہونا چاہئے اور اس کے علاوہ سال میں کم سے کم چھ تفریحی سفروں کا انتظام ہونا چاہئے۔ بنیادی دلچسپی کا مفصل پروگرام حالانکہ مدتوں کے تجربے کے بعد تیار ہو سکے گا، لیکن یہ بھی بے حد ضروری ہے کہ استادوں کے لئے عارضی طور پر ایک تفصیلی پروگرام بنا لیا جائے۔ یہ پروگرام اچھے اور جوشیلے استاد کے لئے ایک محرک اور ڈھیلے استاد کے لئے نمونے کا کام دے گا۔

آخر میں ایک بار پھر اس بات پر زور دینا چاہتا ہوں کہ اس اسکیم میں ربط کا پہلو صرف بنیادی مدرسوں ... ہی کے لئے

نہیں بلکہ پرانے طرز کے مدرسوں کے لئے بھی ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ربط کے کام میں ذہنی کام کی مقدار سے زیادہ اس کی خوبی کو اہمیت حاصل ہے۔ ربط کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں ذہنی قوت کی بڑی بچت ہوتی ہے اور بہت زیادہ دقتوں کے بغیر انسان آزادی کی راہ پر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہ طریقہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ ذہن کو شروع سے آخر تک تعلیم کے سب سے نمایاں پہلو کی طرف متوجہ رہنا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ ہو کہ بچے پر اس کی عمر کے اس دور میں جب عادتیں بنتی ہیں اور جب اس میں تجسس کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اس طریقہ کی مدد سے سچائی کے سوتوں کی راہ کھل جاتی ہے اور اس طرح وہ اپنی آئندہ ترقی اور نشو ونما کی مضبوط بنیاد رکھتا ہے۔ اس سے اس میں شروع ہی سے مشاہدہ اور کوشش کرنے کی عادتیں پختہ ہونے لگتی ہیں۔ یہ طریقہ علم کو عملی جامہ پہنانے کا سبق دیتا ہے۔ اس سے فیصلہ اور صحیح نتیجے نکالنے کی قوت پیدا ہوتی ہے۔ یہی طریقہ مدرسے اور زندگی کے درمیان صحیح اور سچا تعلق پیدا کرتا ہے۔ اپنی ذاتی کوشش سے مکمل شخصی آزادی حاصل کرنا ہی ربط کے نظریے کا اصل مقصد ہے۔ مشہور استاد کرنل پارکر جو چار سال تک لگاتار دنیا کی سب سے بڑی جمہوری حکومت کو اندرونی جھگڑوں کی خرابیوں سے بچانے کی جد وجہد میں مصروف رہا، اس نے امریکا کے استادوں کے سامنے ربط کا اپنا نظریہ پیش کرتے وقت یہ الفاظ کہے تھے "صرف ایک جمہوریت ہی میں یہ ممکن ہے کہ ذاتی آزادی کے نظریے کو عملی جامہ پہنایا جا سکے۔ ذاتی آزادی اور ربط کے اصول بالکل یکساں اور ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ اس لئے اے میرے ساتھیو! خدا انسان اور جمہوریت پر گہرا عقیدہ اور بھروسا رکھتے ہوئے میں ربط کے اس نظریے کو سچائی کا مشورہ سمجھ کر تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں۔"

یہی الفاظ اسی زور کے ساتھ بنیادی اسکیم کے ربط کے اصول کے متعلق کہے جا سکتے ہیں۔

(عبد الغفور۔ علی گڑھ)

دستکاری کی نفسیات

(پروفیسر درسین کے مضمون "Psychology of Handicraft" سے اقتباس)

یہاں ہم اس موضوع کے صرف تعلیمی پہلو پر بحث کریں گے۔ اس لئے "دستکاری کی نفسیات" کا مطلب صاف طور پر یہ ہوگا کہ دستکاری سے ذہنی نشو ونما میں کیا مدد ملتی ہے۔ بے شک ہمارے موضوع کا ایک اور مطلب ہو سکتا ہے یعنی دستکار کی ذہنیت جو اس کے کام کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ لیکن یہاں یہ بات ہمارے موضوع سے متعلق نہیں ہے، اگرچہ دستکار کی ذہنیت نے جو تمدنی اعتبار سے گھٹیا سمجھی جاتی ہے، پچھلے زمانہ میں عرصہ تک اس بات پر بہت گہرا اثر ڈالا ہے کہ ہم ہاتھ کے کام کس نظر سے دیکھیں۔ ہمیں اس مضمون میں کہیں کہیں اس کا بھی حوالہ دینا ہوگا۔

شروع میں ہمیں یہ سوچ بچار کرنا ہے کہ کیوں اور کیسے دستکاری فرد کی تعلیم کا ایک لازمی ذریعہ بن سکتی ہے۔ میں جو دلیل پیش کرنا چاہتا ہوں، اس کا تعلق ایک ایسی بات سے ہے جو انسانی فطرت سے ایک لازمی نتیجہ کے طور پر حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے ہمیں سب سے پہلے یہ جاننا چاہیے کہ انسانی فطرت کیا ہے اور پھر اس کا وہ لازمی نتیجہ کون سا ہے (جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے)۔ وارڈ ایک مشہور عالم نفسیات کہتا ہے "تجربہ عمل کے ذریعہ ماہر بننے کا ایک طریقہ ہے۔" لفظ "ماہر" میں بھی ایک عمل اشارہ پایا جاتا ہے۔ اس لئے زندگی کے تجربے کے معنی ہیں کام کے ذریعہ ماہر بننا۔ انسانی تجربہ یا ذہن یا فطرت کا یہ نفسیاتی تصور ہے۔ "تعلیم" اب خوش قسمتی سے "نفسیات" کا پاس کرنے لگی ہے اور اب اس نے یہ اچھی طرح محسوس کر لیا ہے کہ نفسیاتی قانون کے خلاف کام کرنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں ہے، بلکہ اُن قانونوں کا استعمال چاہتے ہوئے نتیجے حاصل کرنے کے لئے بہت ضروری ہے۔ "تجربہ" کے اس مطلب سے تعلیم کا مقصد اور طریقہ دونوں ہمارے سامنے آجاتے ہیں۔ مقصد تو یہ ہے کہ انسان عام طور پر زندگی کی ذاتی اور سماجی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کے قابل ہو جائے اور خاص کر زندگی کے کسی ایک شعبے یا تجربے کے کسی ایک پہلو میں ماہر ہو جائے۔ یا یوں کہئے کہ تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ انسان سماج کے ایک رکن کی حیثیت سے اچھی اور خوش زندگی بسر کرنا سیکھے اور کوئی ایک کام سیکھ لے جس کے ذریعے وہ جنتا کی سیوا کر سکے اور اس طرح اپنے لئے سماج کے اندر بجا طور پر وہ چیزیں حاصل کر سکے جن سے زندگی میں اچھائی اور خوشی پیدا ہوتی ہے۔ یہاں تعلیم کے طریقے کی طرف بھی اشارہ موجود ہے یعنی کام کرکے تجربہ حاصل کرنا یا سیکھنا۔ یا یوں کہئے کہ ہاتھوں کو استعمال کرکے چیزیں بنانا اور اس طرح تجربہ حاصل کرنا۔

ماہر بننے کا مقصد اتنا انقلاب انگیز نہیں معلوم ہوتا جتنا کہ ہاتھ کے ذریعے تعلیم حاصل کرنے کا طریقہ۔ لیکن یہ ٹھیک نہیں ہے۔ اب کچھ کرتے رہنا عام طور سے انسانی فطرت کا سب سے بڑا میلان سمجھا جانے لگا ہے۔ اور یہ میلان خاص کر بچپن کے زمانے میں زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔

یہ ثابت کرنے کے لئے کہ دستکاری لازمی طور پر تعلیم کا ذریعہ کیوں ہونا چاہئے، میں ایک اور وجہ بتاؤں گا۔ انیسویں صدی میں انسانی فطرت کے صرف ذہنی پہلو پر زور دیا جاتا تھا۔ اور ذہن کے مختلف عملوں کو ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ سمجھا جاتا تھا۔

یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ذہن مختلف خانوں میں بٹا ہوا ہے اور ہر خانے سے ایک خاص ذہنی عمل کا تعلق ہے۔ لیکن آج حالت بالکل مختلف ہے۔ تجربی سائنس کی بنا پر ذہنی اور جسمانی کردار کا ایک ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ اور اب اس کے بجائے کہ ذہن کے مختلف حصے علٰحدہ علٰحدہ کام کرتے ہیں، یہ بات صحیح سمجھی جاتی ہے کہ ہر کام میں پورا ذہن کام کرتا ہے۔

اگر یہی بات ہے تو تعلیمی نتیجہ صاف ہے۔ ہمیں شخصیت کے ذہنی اور عملی پہلوؤں کو ساتھ ساتھ ترقی دینی ہوگی، کیونکہ ان کو ایک دوسرے سے الگ کرنے کی کوشش انسانی فطرت کو صدمہ پہنچائے گی۔ چونکہ یہ دونوں پہلو ایک ہی زنجیر سے بندھے ہوئے ہیں اور بچپن میں عملی پہلو زیادہ نمایاں ہوتا ہے، اس لئے تعلیم لازمی طور پر عملی یعنی کام کے ذریعے ہونی چاہئے۔ یا یوں کہئے کہ ان دونوں پہلوؤں کے ایک ہی بنا پر یہ نتیجہ نکالنا درست ہوگا کہ ذہن کی تربیت ہاتھ کی تربیت کے ذریعے ہو سکتی ہے۔

یہاں ایک اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ پھر تو ہمارے مدرسوں میں ذہنی تعلیم کے لئے کوئی خاص جگہ نہ رہے گی۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ اوپر جو کچھ کہا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ فرد کی ابتدائی تعلیم ہاتھ کے کام کے ذریعے ہوگی، کیونکہ زندگی کی اس منزل پر کچھ کرکے رہنے کی خواہش بہت تیز ہوتی ہے۔ خالص ذہن سے کام لینے کی طاقت بچپن کے آخری دور یعنی تیرہ چودہ سال کی عمر میں پیدا ہوتی ہے، جب کہ فرد نسبتاً پختگی حاصل کر لیتا ہے۔ اس کے بعد کسی حد تک خالص ذہنی کام ممکن ہے۔ لیکن یہاں بھی یہ صرف ان لوگوں کے لئے ممکن ہے، جن کے ذہن کافی ترقی کر چکے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ ایسے صرف چند ہی لوگ ہوتے ہیں۔ اس لئے بلوغ کے بعد بھی بڑی اکثریت کے لئے سیکھنے کا کامیاب طریقہ وہی رہے گا۔ یعنی کرکے سیکھنا۔"

یورپ میں پچھلی کئی صدیوں سے ذہنی تعلیم پر خاص کر زور دیا گیا ہے۔ اس کا مقصد ایسا انسان پیدا کرنا تھا جس کے پاس معلومات کا ایک خزانہ ہو اور جو ذہنی اعتبار سے تیز ہو۔ "ارادہ" اور "جذبات" کی تربیت کی طرف بہت کم دھیان دیا جاتا تھا۔ اس کا قدرتی نتیجہ بدقسمتی سے ایک بڑی تباہی کی شکل میں ظاہر ہوا ہے۔ ذہن کی قوتوں میں توازن کی کمی سے لوگ عام طور پر بہت سی ذہنی پیچیدگیوں میں پھنس گئے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اب نفسیات پورا انسان پیدا کرنے پر زور دینے لگی ہے۔ واردھا اسکیم جو "ربط" پر اس قدر زور دیتی ہے، در اصل ایک ایسی تعلیم کا نقشہ پیش کرتی ہے جس کا مقصد پورا انسان پیدا کرنا ہے۔

(باقی آئندہ)

نتیجہ امتحان معلّمی

جامعہ ملیہ اسلامیہ جامعہ نگر (دہلی)

نام طالب علم	درجہ (ڈویژن) نظری	عملی	ترقہ
۱۔ اکرام الدین	سوم	دوم	اول
۲۔ انیس المرتضیٰ	دوم	سوم	دوم
۳۔ بنواری لال	اول	دوم	اول
۴۔ پرتھوی ناتھ بھان	سوم	سوم	دوم
۵۔ تاج الدین	سوم	سوم	اول
۶۔ ترلوکیہ ناتھ	سوم	سوم	اول
۷۔ جگدیش راج	اول	دوم	دوم
۸۔ جمیل الرحمان	دوم	دوم	دوم
۹۔ دھرم سنگھ	سوم	سوم	دوم
۱۰۔ رام سنگھ	دوم	دوم	اول
۱۱۔ رضا احمد	سوم	سوم	دوم
۱۲۔ غلام محمد	دوم	سوم	اول
۱۳۔ کشوری لال	اول	اول	اول
۱۴۔ محمد شفیع	دوم	دوم	دوم
۱۵۔ منشی خاں	دوم	دوم	اول
۱۶۔ ہری سنگھ	دوم	اول	اول

حافظ فیاض احمد (مہتمل)
جامعہ ملیہ اسلامیہ جامعہ نگر (دہلی)

اطلاع

جامعہ ملیہ اسلامیہ کا استادوں کا مدرسہ حسب معمول ایک سال کی ٹریننگ دینے کے بعد پھر گرمی کی تعطیل کے لئے بند ہو گیا ہے۔ اب نیا سال یکم اگست ۱۹۴۴ء سے شروع ہوگا۔ یہاں بنیادی تعلیم کے مدرسوں کے لئے استاد تیار کئے جاتے ہیں۔ دیگر نظری مضامین کے ساتھ باغبانی، کتائی، اور گتے اور لکڑی کا کام بطور بنیادی حرفوں کے سکھایا جاتا ہے۔ داخلے کے لئے کم از کم میٹرک پاس ہونا شرط ہے۔ جو صاحب داخلہ کرانا چاہتے ہوں وہ اپنی درخواست چھپے ہوئے فارم پر حسب ذیل پتے پر ۱۰ جولائی تک بھیج دیں تاکہ جگہ محفوظ کر لی جائے۔ داخلے کا فارم اور دستور العمل درخواست کرنے پر دفتر سے مفت ملتا ہے۔

پرنسپل
استادوں کا مدرسہ جامعہ نگر دہلی

فہرست مضامین

پرنٹر و پبلشر: حامد علی خاں
مطبوعہ جید برقی پریس
مدیر: سلامت اللہ

نئی تعلیم

جلد ۳ ، نمبر ۱ | جامعہ نگر (دہلی)، جولائی سنہ ۱۹۴۱ء | قیمت سالانہ عہ

چمپارن میں بنیادی تعلیم کے دو سال

ضلع چمپارن بہار میں ایک غیر ترقی یافتہ علاقہ سمجھا جاتا ہے۔ یہاں غریبی تو ہے ہی، اس کے علاوہ یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ اس علاقے کے رہنے والے ذہنی اعتبار سے بھی کچھ پست ہیں۔ کہاوت ہے کہ کوئی عقلمند شخص بھی جا کر اگر اس علاقے میں کچھ دن ٹھہرے تو ڈر ہے کہ وہ اپنی عقل کھو بیٹھے۔ لیکن اسی چمپارن ضلع کی بڑی خوش قسمتی ہے کہ ہندوستان میں گاندھی جی نے ستیاگرہ کا پہلا تجربہ یہیں کیا تھا اور بہار میں بنیادی تعلیم کا پہلا تجربہ بھی اسی علاقے میں شروع کیا گیا ہے۔

جب بنیادی تعلیم کے پہلے تجربے کے لئے چمپارن ضلع کے بیتیا تھانے کا ایک چھوٹا سا علاقہ چنا گیا تو بہت سے اندیشے ظاہر کئے گئے۔ ایسا بھی کہا گیا کہ تجربے کا میدان موزوں نہ ہونے سے کہیں سارا تجربہ ناکامیاب ثابت نہ ہو جائے۔ لیکن جنہوں نے یہ علاقہ چنا تھا ان کے سامنے بھی اپنا مقصد صاف تھا۔ اس تجربے میں ہم اس بات کی جانچ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ہندوستان کے معمولی دیہاتی بچوں کو اپنے ہی ماحول میں ایک دیہاتی دستکاری اور ان کے آس پاس کی زندگی کے ذریعے ہم انہیں پوری تعلیم دے سکتے ہیں یا نہیں اور انہیں اپنے گھر گاؤں اور دیس کا سچا شہری بنا سکتے ہیں یا نہیں۔ اس تجربے کے لئے ایک غیر ترقی یافتہ علاقہ جہاں بچے کی نشوونما، تعلیم کے لئے اور کسی قسم کے ذریعے نہیں ہیں بلکہ جہاں اسے پیچھے کھینچنے کے لئے ہر طرح کا مسالہ موجود ہے، ناموزوں نہیں بلکہ سب سے موزوں میدان ہے، کیونکہ ایسے میدان میں ہم اس تجربے کے نتیجے کو صاف شکل میں دیکھ سکیں گے اور بچوں میں جو کچھ ترقی کی نشانیاں دکھائی دیں گی، ان کے بارے میں بے شک کہہ سکیں گے کہ یہ اس نئی تعلیم کے نتیجے ہیں۔

اس لئے ہمارا خیال ہے کہ چمپارن ضلع میں بنیادی تعلیم کا جو تجربہ کیا جا رہا ہے، وہ ایک سچا تجربہ ہے۔ اپریل سنہ ۳۹ء میں چمپارن ضلع کے بیتیا تھانے کے ایک چھوٹے سے علاقے میں قریب تیس بنیادی مدرسے کھولے گئے۔ تجربہ کا میدان تقریباً تیرہ میل لمبا اور تقریباً تین میل چوڑا ہے۔ تقریباً چالیس مربع میل کے اس علاقے میں اس تجربے سے پہلے صرف ایک مڈل اسکول، ایک پرائمری اور سات لوئر پرائمری اسکول تھے۔ تعلیم کا پرچار محض نام کو تھا۔ زیادہ سے زیادہ گاؤں میں شاید دو تین ہی لوگ ایسے نکلتے تھے جو اپنا نام لکھ سکیں یا دستخط کر سکیں۔ اس لئے ان بنیادی مدرسوں میں تعلیم کی پہلی بنیاد سے ہی کام شروع کرنا پڑا۔ نہ بچوں میں ہی مدرسے جانے کی عادت تھی اور نہ بچوں کے سرپرستوں میں بچوں کو مدرسے بھیجنے کی خواہش موجود تھی۔ گاؤں کی مالی حالت ایسی ہے کہ بچوں کو بھی ماں باپ کے کام میں مدد کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے سب سے پہلے ان مدرسوں کے سامنے بچوں کو مدرسے میں اکٹھا کرنے کا کام رہا۔ اس کے بعد بچوں کی تعلیم میں سب سے پہلا سوال بچوں پر صفائی کی عادتیں ڈالنے کا تھا۔ دیہاتی تعلیم کے کام کرنے والے سبھی یہ بات جانتے ہیں کہ کچھ غریبی اور کچھ جہالت کی وجہ سے ہمارے گاؤں کے بچے کتنے گندے رہتے ہیں۔ جب تک ان کی صفائی کے لئے مدرسے میں کوئی انتظام نہ ہو، اس وقت تک زبانی تعلیم سے بچوں کی زندگی پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ اس خیال سے ہر ایک مدرسے میں صاف پانی کے لئے ایک نل کے کنویں کا اور پاخانے کا بھی انتظام کیا گیا۔ ہر مدرسے میں دستکاری کے ذریعے تعلیم دینے کے لئے ضروری سامان دیا گیا۔ اور اس نئی تعلیم کا تجربہ شروع ہوا۔

مئی سنہ ۱۹۴۱ء میں اس علاقے میں تجربے کے دو سال پورے ہوئے۔ ان دو سال میں کام کی جانچ کے لئے بہار کے بیسک ایجوکیشن بورڈ

کی طرف سے نگرانوں کی ایک کمیٹی مقرر کی گئی۔ اس میں بہار چرخہ سنگھ کے دو نمائندے، ہندوستانی تعلیمی سنگھ کے تین نمائندے، بہار کے محکمۂ تعلیم کی طرف سے پرائمری تعلیم کے افسر، چمپارن ضلع کے ڈسٹرکٹ انسپکٹر، شمالی حصے کے ڈویژنل انسپکٹر اور پٹنا ٹریننگ کالج کے ایک اُستاد شامل تھے، اور تھے پٹنا انجینئرنگ کالج کے استاد صدیق صاحب جو آج دو سال سے اسی علاقے میں دیہاتی مدرسوں کے لئے عمارتوں کا تجربہ کر رہے ہیں۔ پٹنا کے سینٹ زیویرز اسکول کے پرنسپل فادر مور ان بھی اس بورڈ میں شامل تھے۔ یعنی دیہاتی بچوں کی تعلیم کے لئے آج جتنے ادارے کام کر رہے ہیں، ان سب کے تجربے سے اس بورڈ میں فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی گئی۔

اس وقت ستّو مرہ میں کے علاقے میں ۳۵ بنیادی مدرسے کام کر رہے ہیں۔ مدرسوں میں تین درجے کھولے گئے ہیں۔ بچوں کی تعداد قریب دو ہزار اور استادوں کی تعداد بیاسی ہے۔ ان مدرسوں کی دیکھ بھال کے لئے ایک ناظم اور دو نگراں رکھے گئے ہیں۔ مدرسوں کی عمارت اور سامان کی نگرانی، نئے مکانوں کی تیاری، کچے مال کی خرید اور اسے مدرسوں میں بانٹنے، تیار مال کو اکٹھا کرنے اور بیچنے وغیرہ کا کام ناظم کے ذمے ہے۔ نگرانوں کا کام ہے اس نئے تعلیمی تجربے میں استادوں کی مدد اور رہنمائی کرنا۔ لیکن جب تک ان نگرانوں کو بنیادی تعلیم کے روزمرہ کام اور مسئلوں کا تجربہ نہ ہو، اس وقت تک یہ ڈر ہے کہ وہ استادوں کے کام میں پوری پوری مدد نہ دے سکیں گے۔ اس لئے ان کے کام کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے۔ ہفتے میں ایک دن دونوں نگراں مل کر ایک مدرسے کے کام میں پورا حصہ لیتے ہیں، سارے ہفتے کے لئے کام کا پروگرام بناتے ہیں، استادوں کے ساتھ مل کر ان کے کام کے بارے میں بات چیت کرتے ہیں اور ضرورت کے مطابق پڑھانے کا کام بھی کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ایک ایک مدرسہ ایک ایک نگراں کے ذمے رکھا گیا ہے۔ ہر نگراں اپنے مدرسے میں پورا ایک دن رہتا ہے اور پڑھائی کے کام کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ اُمید کی گئی ہے کہ ہر نگراں ہر مدرسے میں مہینہ میں کم سے کم پورا ایک دن اور ایک رات رہے گا۔

مدرسوں کے کام کی جانچ کے بارے میں ذاکر حسین کمیٹی کی رپورٹ میں بتایا گیا ہے "ایجوکیشن بورڈ اپنے مدرسوں کی کامیابی کا فیصلہ تین طرح سے کر سکتا ہے۔ ایک تو سالانہ جانچ کے ذریعے، دوسرے بنیادی دستکاری میں بچوں کی قابلیت کے ذریعے، اور تیسرے مدرسے کے طالب علم اور استاد آس پاس کے گاؤں کی زندگی میں جو سدھار کر سکے ہیں، اس کے ذریعے۔ اس کے علاوہ اگر ہر سال ضلع کے مدرسوں کی ایک نمائش کی جائے، تو اس سے کام کی ایک اچھی کسوٹی قائم کرنے میں بہت مدد ملے گی۔"

ان باتوں کو سامنے رکھ کر کمیٹی نے پورے پانچ دن مدرسوں کی کامیابی کا فیصلہ کرنے کی کوشش کی، اور معائنہ کا نیچے لکھا طریقہ برتا۔ پہلے سب نگرانوں نے ایک ساتھ مل کر جانچ کے طریقے کے بارے میں غور کیا۔ اس کے بعد ایک ساتھ مل کر دو تین مدرسوں کا مطالعہ کر کے مدرسوں کا کام جانچنے کے لئے کسوٹیاں مقرر کی گئیں۔ پھر دو تین نگرانوں کی الگ الگ کمیٹیاں بنائی گئیں اور ان کمیٹیوں نے الگ الگ مدرسوں کے کام کی الگ الگ جانچ کی۔ یہ کوشش کی گئی کہ ہر ایک کمیٹی میں دستکاری کا ایک ماہر ہو، جو دستکاری کے کام میں طلبہ کی قابلیت ناپ سکے۔ دستکاری کے کام میں قابلیت ناپنے کے لئے بھی کام کی مقدار یا مزدوری پر زیادہ دھیان نہ دے کر کام کی خوبصورتی، کام کرنے کے طریقے اور سمجھ پر زیادہ دھیان دیا گیا۔ بچوں کے سماجی رجحانات کی اور اپنے آپ کو اچھی طرح ظاہر کرنے کی صلاحیت کی جانچ کے لئے دو تین مرکزی مدرسوں میں آس پاس کے مدرسوں کے بچوں کے کھیل کود، مکالمے وغیرہ کے مظاہروں کا انتظام کیا گیا۔ ان جلسوں میں گاؤں کے لوگ، استاد، نگراں سبھی نے حصہ لیا۔

آخر میں اس علاقے کے سب مدرسوں کے کام کی ایک نمائش کی گئی اور گاؤں والوں کے دیکھنے کے لئے یہ نمائش تین دن تک رکھی گئی۔

سب سے پہلے مدرسوں کی باہری شکل و صورت کا معائنہ شروع کیا گیا۔ بہار کے بیسک ایجوکیشن بورڈ کی طرف سے تعلیمی تجربے کے ساتھ ساتھ دیہاتی مدرسوں کے لئے اچھے، اچھے اور سستے سے سستے مکانوں کا بھی تجربہ کیا جا رہا ہے۔ بنیادی تعلیم کی اسکیم سب بچوں کے لئے مفت اور لازمی تعلیم کی ایک اسکیم ہے اور اسے کام میں لانے کے لئے آج کے نمونے کے ڈسٹرکٹ بورڈ یا پبلک ورکس ڈپارٹمنٹ (P.W.D) کے مدرسوں کی پکی اور قیمتی عمارتیں ہماری پہنچ کے باہر ہیں۔ اس لئے یہ تجربہ کیا جا رہا ہے کہ مدرسوں کی عمارت دیہاتی ڈھنگ کی اور دیہاتی سامان سے بنی ہوئی ہوں۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ان میں جگہ کافی ہو، ہوا اور روشنی کے آنے کا اچھا انتظام ہو، وہ آسانی سے صاف ستھری رکھی جا سکیں اور دیکھنے میں خوبصورت ہوں۔ سب سے پہلے مدرسے کی عمارتیں، گھاس، پھوس، لکڑی، بانس اور مٹی سے بنائی گئیں۔ لیکن تجربے سے معلوم ہوا کہ کنڈے کے گھاس کی دیواریں بہت کمزور ہوتی ہیں اور پھوس کے چھپروں میں گرمی کے دنوں میں آگ لگنے کا ڈر رہتا ہے۔ اس لئے اور مضبوط عمارتیں بنانے کے تجربے کئے جا رہے ہیں۔ ہر سال تجربے کے مطابق عمارتوں میں تبدیلیاں کی جا رہی ہیں۔

ہر مدرسے کے ساتھ باغیچے کے لئے کم سے کم ایک بیگھا زمین ہے۔ یہ زمین گاؤں والوں اور زمینداروں سے مفت ملی ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ اس زمین کا اچھا استعمال کیا گیا ہے اور قریب قریب سبھی مدرسوں میں مدرسے کے آس پاس ایک خوبصورت باغیچہ بھی ہے۔ دور سے ہی مدرسے کی نئے ڈھنگ کی عمارت اور باغیچہ ایک نئے نشان کے طور پر نظر آتا ہے۔

ہر مدرسے کے احاطے میں اس نئی تعلیم کے ضروری سامان کے طور پر ایک نل کا کنواں، کھدائی اور پاخانے کے لئے لوہے کے کھمبوں پر کارگر چادر کی ایک چھتری، سوکھی مٹی رکھنے کے لئے ایک کوٹھری اور بچوں کے کھیلنے کے لئے جھولا، سیڑھی پھسلن، ڈور جھولا وغیرہ کا انتظام کیا گیا ہے۔ بہار کے ایجوکیشن بورڈ نے یہ بات مان لی ہے کہ بچوں میں صحت اور صفائی کی عادتیں ڈالنے کے لئے اور انہیں خوشی سے اور آزادی سے

کھیل کود کا موقع دینے کے لئے ضروری سامان دینا چاہیے۔

مدرسے کی عمارتوں کے اندر دستکاری کے ذریعے تعلیم دینے کے لئے ضروری سامان اور اوزاروں کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ ہمیں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ استاد اور طلبہ دونوں میں سامان کو ترتیب سے لینے، رکھنے اور ان کے ذریعے کام کرنے کی عادتیں پختہ ہونے لگی ہیں۔ ان مدرسوں میں سے کسی کے اندر جاتے ہی یہ تجربہ ہوتا ہے کہ یہ ایک منظم کام کی جگہ ہے۔

ہم تو ان مدرسوں کا باہری روپ، اور باہری چیزوں کا تعارف اس نئے تعلیمی تجربے میں اس کی بھی اہمیت ہے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ بچے کے چاروں طرف جتنا سامان اور چیزیں ہیں، وہ سب اس بچے کی تعلیم کے ذریعے ہیں۔ اس لئے اس سامان کا ٹھیک ٹھیک استعمال کہاں تک ہوتا ہے اور اس سے مدرسے کا کام کہاں تک ٹھیک چلتا ہے، اس کا بھی پتہ چل سکتا ہے۔

لیکن ہمارے سامنے جو اصل کام تھا، اس کے لئے ہمیں ان مدرسوں کے کام میں اور گہرا جانا پڑا۔ بنیادی تعلیم کا یہ دعویٰ ہے کہ ایک دیہاتی دستکاری کے ذریعے، اور بچوں کے چاروں طرف جو سماجی اور طبعی زندگی ہے، اس کے ذریعے بچے کی ساری طاقتوں کی نشو و نما ہو سکتی ہے۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ پچھلے دو سال کا تجربہ اس دعویٰ کی کہاں تک تصدیق کرتا ہے۔

اس بات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگانا آسان نہیں ہے۔ نصاب کے مختلف مضمونوں میں قابلیت جانچنے سے ہی اس تعلیمی تجربے کی جانچ نہیں ہو سکتی۔ بچے کی نشو و نما ایک پھول کے کھلنے کے مانند نازک عمل ہے۔ اسے جانچنے کے لئے کوئی بنی تلی باہری کسوٹی کام نہیں دے سکتی۔ اس کے لئے وقت کی ضرورت ہے۔ صبر کی ضرورت ہے اور بچے، ان کے استاد اور انکے گھر جو تعلیم کے تین جزو ہیں ان کے ساتھ گہرے تعارف کی ضرورت ہے، اس لئے پچھلے پانچ دنوں میں جو معائنہ ہم نے کیا اسے ہم ایک سچا معائنہ نہیں مانتے۔ پھر بھی اس ناکافی معائنہ سے جو تجربہ ہم نے حاصل کیا ہے، اسے ہم بنیادی تعلیم کا کام کرنے والوں کے غور و فکر کے لئے ان کے سامنے رکھتے ہیں۔

سب سے پہلے ہم نے یہ دیکھنے کی کوشش کی کہ اس تجربے کے ذریعے بچوں کی ذہنی نشو و نما کہاں تک ہوئی ہے اور ہو رہی ہے۔ کیا ان میں علم کی لگن پیدا ہو گئی ہے؟ اور وہ اپنے آس پاس کی دنیا کے بارے میں سوچتے ہیں؟ سوال پوچھتے ہیں؟ اپنا دستکاری کا کام سمجھ کے ساتھ کرتے ہیں؟ اوزاروں کا استعمال سمجھ بوجھ کر کرتے ہیں؟ کیا ان میں اپنے کام کے اوزاروں کچا اور تیار مال وغیرہ کے بارے میں اچھائی برائی پرکھنے کی قابلیت پیدا ہو گئی ہے؟ وہ اپنے کام کے سلسلے میں ضروری حساب کتاب، ناپ جوکھ کر سکتے ہیں؟ اپنے کام کا صاف صاف اور پورا بیان کر سکتے ہیں یا نہیں؟ ان میں اپنے خیالات ظاہر کرنے کی طاقت بڑھی ہے یا نہیں؟

جہاں تک ہم سمجھ سکتے ہیں، اس نئے تعلیمی تجربے سے بچوں کی ذہنی نشو و نما ہوئی ہے۔ پہلے درجے کے بچوں کے ساتھ جب ہم تیسرے درجے کے بچوں کا مقابلہ کرتے ہیں، تو یہ بات اور بھی صاف ہو جاتی ہے۔ پہلے درجے کے جو بچے ابھی تین چار مہینے ہوئے ہی مدرسے میں آئے ہیں، ان کے چہروں پر اٹھنے، بیٹھنے، بولنے چالنے کے ڈھنگ پر ابھی جہالت اور بے حسی کی ایک سایہ سی ہے۔ دوسرے درجے کے بچوں کے چہروں سے اور ان کے سارے میلانات سے یہ سایہ دھیرے دھیرے ہٹتی جا رہی ہے۔ جو بچے دو سال کا کام پورا کر کے تیسرے درجے میں پہنچے ہیں انکے کام کرنے کے ڈھنگ سے، ان کی زبان سے اور انکے چہروں سے یہ سایہ بالکل ہٹ گئی ہے اور اس کی جگہ ایک نئی زندگی جھلکتی ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ سب کے سب بچوں میں یہ باتیں نمایاں ہو گئی ہیں۔ لیکن ایسے جاندار بچوں کی تعداد اتنی بڑی ہے کہ اسے ہم اس تعلیمی تجربے کا نتیجہ مان سکتے ہیں۔ ہمیں یہ بھی دیکھنا تھا کہ بچوں کی عقل کی ترقی کے ساتھ ساتھ، ان کی ساری زندگی پر کیا اثر پڑا ہے؟ کیا انکے سارے کام اور عام میلانات میں ضبط کا اثر نمایاں ہے؟ اگر ہے تو کیا یہ کام کے ذریعے اور آزادی سے پیدا ہوا سچا ضبط ہے یا باہری دباؤ کا نتیجہ ہے؟ کیا ان کے اٹھنے، بیٹھنے، کام کرنے اور بولنے کے ڈھنگ میں زندگی پیدا ہوئی ہے؟ کیا ان میں ذمہ داری محسوس کرنے اور ایک ساتھ ملکر کام کرنے کی عادتیں پیدا ہوتی ہیں؟ کیا وہ کوئی کام ہاتھ میں لیں تو اسے پورا کر کے ہی چھوڑتے ہیں؟ وہ اپنے کام میں خوشی اور عزت محسوس کرتے ہیں؟ کیا ان کی قوت مشاہدہ میں ترقی ہوئی ہے؟ کیا وہ آس پاس کی زندگی کے بارے میں زیادہ باخبر ہو گئے ہیں؟ بچوں میں ذاتی صفائی کی عادتیں پیدا کرنے کی اور ان کے مدرسے کی زندگی میں صفائی اور تنظیم کا ماحول پیدا کرنے کی جو کوشش کی جاتی ہے اس کا کوئی اثر کیا ان کی انفرادی اور گھریلو زندگی پر پڑا ہے؟

جتنا تھوڑا وقت ہم نے ان مدرسوں میں صرف کیا اس کے اندر ان سوالوں کا کوئی اطمینان بخش جواب ملنا ممکن نہیں تھا۔ تو بھی یہ معلوم ہوا کہ کچھ چنے ہوئے مدرسوں کا کام اسی مقصد کی طرف بڑھ رہا ہے۔

ہم نے یہ بھی سمجھنے کی کوشش کی کہ بنیادی نصاب کے مختلف مضمونوں میں یہ بچے کہاں تک قابلیت حاصل کر سکے ہیں۔ یہ قابلیت کہاں تک بنیادی دستکاری اور بچوں کے سماجی اور طبعی ماحول کے ذریعے حاصل کی گئی ہے اور کہاں تک باہر سے۔

ہمارا عام تجربہ یہ ہے کہ ان بنیادی مدرسوں کے پہلے اور دوسرے درجے کے بچے لکھنے، پڑھنے اور حساب میں دوسرے پرائمری اسکولوں کے بچوں سے کچھ پیچھے ہیں۔ لیکن عام معلومات، اور اظہار خیالات کی قابلیت میں اپنے درجے کے دوسرے بچوں سے کہیں آگے ہیں۔ تیسرے درجے کے بچوں نے ابھی اپریل مہینے سے ہی کام شروع کیا ہے۔ ان کے بارے میں ہمیں پوری امید ہے کہ تیسرے درجے کے لئے جو نصاب رکھا گیا ہے، اسے وہ پورا کریں گے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ سکیں گے۔ کس مضمون کا نصاب کس طریقے سے اور کہاں تک پورا کیا جا سکا، اس کے بارے میں ایک تفصیلی وار نوٹ اگلے پرچے میں دیا جائے گا۔

یہ تو ہوئی بچوں کی نشو و نما کی بات۔ لیکن اس تعلیمی تجربے کے تین جزو ہوتے ہیں۔ ایک بچہ، دوسرا اس کا استاد اور تیسرا اس کا گھر۔ جس تعلیمی نظام میں بچے کے ساتھ ساتھ اس کا استاد، اس کا گھر اور اس کا گاؤں بھی آگے نہیں بڑھتا، اسے بے جان سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ اس میں آگے

پڑھنے کی طاقت نہیں ہے۔

اس لئے ہم نے بچوں کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ استادوں کے مطالعہ کی بھی کوشش کی۔ ہمارا تجربہ ایسا رہا کہ ان میں سے کافی استاد لگن اور محنت کے ساتھ اس نئی تعلیم کو عمل میں لانے کی کوشش کر رہے ہیں اور اس کوشش سے بچوں کی نشو و نما کے ساتھ ساتھ ان کی اپنی بھی ترقی ہو رہی ہے۔ مدرسے کی زندگی کے ساتھ گاؤں اور گھر کا تعلق کتنا گہرا ہے اسے وہ بخوبی محسوس کرتے ہیں اور مدرسہ کے ساتھ گاؤں کے تعلقات بڑھانے کی بھی کوشش کر رہے ہیں۔ کچھ استادوں نے آس پاس کے گاؤں کی زندگی کے بارے میں مطالعہ بھی کیا ہے۔

نئی تعلیم میں ایک خاص بات یہ ہے کہ ہر استاد اس کے اندر اپنی خاص دلچسپیوں یا صلاحیتوں کو ترقی دے سکتا ہے۔ ہمیں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اچھے مدرسوں میں لائق استادوں نے اس طرح سے نئی تعلیم کے ایک ایک پہلو کو ابھارا ہے۔

اب رہا آخری سوال۔ وہ اس تعلیمی تجربے کی سب سے بڑی کسوٹی ہے۔ یعنی مدرسے کے ساتھ آس پاس کے گاؤں کا کیا تعلق ہے اور بچوں کی گھریلو زندگی پر یا گاؤں کی زندگی پر مدرسے کا کچھ اثر پڑا ہے یا نہیں۔ اس سوال کے جواب کے لئے تو سال کا عرصہ کافی نہیں ہے۔ پھر بھی ہم مانتے ہیں کہ تھوڑا بہت جو ہم نے دیکھا ہے، وہ اُمید کی علامت ہے۔

اس علاقے میں جب سب سے پہلے کام شروع ہوا، تو آس پاس کے گاؤں کے لوگ مدرسوں کے بارے میں مایوس تھے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ وہ مخالف بھی تھے۔ اس علاقے کے اونچی ذات کے لوگ، زمیندار اور ساہوکاروں کے طبقے کے لوگ ڈرتے تھے کہ عوام میں تعلیم کا پرچار ہو جانے سے ان کی اپنی عظمت کہیں ضائع نہ ہو جائے۔ اس لئے وہ غریبوں اور ہریجنوں کو جھوٹے خوف سے ڈراتے تھے اور مدرسوں میں بچوں کو بھیجنے سے بد دل کرتے تھے۔

اس لئے یہ کام مخالفت کے ماحول میں شروع ہوا اور بچوں کے ماں باپ کی ہمدردی ان مدرسوں کی طرف ہونے میں کچھ وقت لگا۔ اس کے بعد دھیرے دھیرے استادوں اور نگرانوں کی کوشش سے مدرسے کے ساتھ چاروں طرف سماج کا تعلق بڑھتا گیا ہے۔ مدرسوں کی طرف سے بھی بچوں کو سماج سیوا کی اور شہریت کی تعلیم دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اپریل مہینے میں اس علاقے کے ہر مدرسے میں ایک محنت کا ہفتہ منایا گیا تھا۔ اس ہفتے میں سب مدرسوں کے استاد و طلبہ نے مل کر گاؤں کی سڑکوں اور کنوؤں کی صفائی کی تھی۔ کچرا پھینکنے کے لئے گڑھے تیار کئے تھے اور عام طور سے گاؤں کی صفائی کے لئے کوشش کی تھی۔ بیچ بیچ میں مدرسوں میں دل بہلاؤ اور کھیل کود وغیرہ کا انتظام کیا جاتا ہے۔ اور آس پاس کے گاؤں کے لوگ ان جلسوں میں مدعو کئے جاتے ہیں۔

اب یہ لگتا ہے کہ گاؤں کے لوگ ان مدرسوں کو اپنی چیز سمجھنے لگے ہیں اور بہت سے گاؤں والے مدرسے کے بارے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ معائنے کے موقع پر دو تین گاؤں کے مدرسوں میں بچوں کے کھیل کود، مکالمے، ڈرامے وغیرہ کے مظاہرے کئے گئے تھے۔ اِن جلسوں میں گاؤں کے لوگوں نے پورا حصہ لیا۔ اور گاؤں کی طرف سے نگرانوں کا خیر مقدم کیا۔

چوسے ٹولا نامی گاؤں کی کہانی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس گاؤں کے بوڑھے اپنا سارا وقت مدرسے میں ہی صرف کرتے ہیں اور بچوں کو مدرسے لانے میں استادوں کی مدد کرتے ہیں۔ معائنے کے موقع پر گاؤں والوں نے نگرانوں کو اپنے گاؤں میں مدرسے کا کام دیکھنے کے لئے دعوت دی اور موٹر کے لئے اپنے ہاتھوں سے مدرسے تک راستہ بنا دیا اس راستے کے بنانے میں گاؤں کے بچے، بوڑھے سبھی شامل تھے۔ اس دوران میں گاؤں میں آگ لگ گئی اور اس سے آدھا گاؤں جل گیا اس لئے یہ تجویز ہوئی کہ مدرسے کے بچوں کے کھیل کود کا جلسہ کسی دوسرے گاؤں میں رکھا جائے، تو گاؤں کے لوگ سکریٹری صاحب کے پاس حاضر ہوئے۔ اُنہوں نے کہا کہ آگ لگی تو کیا ہماری دعوت بدستور اپنی جگہ قائم ہے۔

مقررہ تاریخ کو اس گاؤں کے مدرسے میں آس پاس کے گاؤں کے مدرسوں کے بچوں کا جلسہ ہوا۔ بچوں نے کھیل کود، ڈرامے وغیرہ کئے۔ سب گاؤں والے حاضر تھے، بچوں کے پروگرام میں حصہ لیا۔ اور مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور بہت خاطر کی۔ اس گاؤں میں مدرسے اور گاؤں کے اشتراک عمل کا جو نقشہ ہم نے دیکھا، وہ بنیادی تعلیم کے مستقبل کا پیش خیمہ ہے، جب ہر بنیادی مدرسہ گاؤں کی زندگی کا جزو بن جائے گا۔

اب تک ہم نے صرف اس تجربے کا روشن پہلو ہی پیش کیا ہے، ساتھ ساتھ جو اس میں خامیاں رہ گئی ہیں، ان کا بھی کچھ ذکر کرنا ضروری ہے۔ ہمارا تجربہ ایسا رہا کہ دستکاری کے کام اور مدرسے کے عام پروگرام میں ضبط اور تنظیم پر کچھ زیادہ زور دیا جا رہا ہے۔ اس وجہ سے بچوں میں آزاد خیالی اور تجسس جتنا بڑھنا چاہئے تھا، اتنا بڑھنے نہیں پایا ہے۔ استادوں سے ہماری درخواست ہے کہ بنیادی تعلیم کا آزادی کے ساتھ ضبط کا جو آئیڈیل (آدرش) ہے اسے نہ بھولیں اور مدرسے کے پروگرام میں ایسا موقع دیں جس میں بچے خوشی سے کام کر سکے اور سوال پوچھ سکے۔

ایک بات کی کمی ہمیں خاص طور پر اور محسوس ہوئی۔ وہ یہ کہ بچے جانوروں اور کی قدرتی زندگی کے بارے میں کافی باخبر نہیں ہیں۔ اور ان کی قوت مشاہدہ کو ترقی دینے کی کافی کوشش نہیں کی جا رہی ہے۔

بنیادی تعلیم کا تجربہ سات سال کا تجربہ ہے۔ چمپارن میں ابھی دو سال سے ہی کام ہو رہا ہے۔ لیکن اس کام سے جو نتیجے نکلے ہیں اور بچوں کی، استادوں کی اور آس پاس کے دیہاتوں کی زندگی پر اس کا جو اثر دکھائی دیتا ہے، اس سے اُمید ہوتی ہے کہ سات سال کے اندر بنیادی تعلیم کا پورا نقشہ اِس علاقے میں ہمیں دیکھنے کو مل جائیگا۔ اور ستیاگرہ کی تاریخ میں چمپارن نے جیسے رہنمائی کا کام کیا ہے، ویسا ہی بنیادی تعلیم کی تاریخ میں بھی کر سکے گا۔

آشا دیوی

استاد کی ڈائری

مہنجداڑو کے حالات

بچو! کل تم نے دیکھا تھا کہ کپاس کیسے بوئی جاتی ہے۔ کپاس کی کھیتی ہمارے دیس میں بہت پُرانے زمانے سے ہوتی چلی آئی ہے۔ جب دُنیا کے قریب قریب سبھی دیسوں کے رہنے والے ننگے پھرتے تھے یا درختوں کی چھال اور پتیوں سے اپنے تن ڈھانپتے تھے، اس وقت بھی ہمارے دیس میں لوگ کتائی اور بنائی کا کام جانتے تھے اور اپنے پہننے کے لئے کپڑا تیار کرتے تھے۔

ہری بہت ہوشیار لڑکا تھا، بیچ ہی میں بول اُٹھا "ماسٹر صاحب! یہ کیسے معلوم ہوا کہ پُرانے زمانے میں ہمارے دیس میں کتائی اور بنائی کا کام ہوتا تھا؟

میں — اچھا یہ میں تمھیں بتاتا ہوں۔ ہمارے دیس میں پچھم کی طرف ایک دریا ہے۔ اس کا نام ہے سندھ۔ اس کے کنارے ایک گاؤں ہے جس کا نام ہے مہنجداڑو۔ تھوڑے دنوں کی بات ہے کہ اس گاؤں میں ایک کمہار رہتا تھا۔ اس کے دو لڑکے تھے۔ ایک دن وہ برتن بنانے کی مٹی کھودنے گیا۔ اس کے لڑکے بھی اس کے ساتھ گئے۔ ایک جگہ بہت سے گڑھے تھے۔ وہ ان گڑھوں ہی سے مٹی لایا کرتا تھا۔ وہاں پہنچ کر اس نے اپنا پھاوڑا ہاتھ میں لیا اور ایک گڑھے میں گھس کر مٹی کھودنے لگا۔ پاس ہی ایک چھوٹا سا گڑھا تھا۔ لڑکے اس میں گھس گئے اور اپنی چھوٹی کھرپیوں سے مٹی کھودنے لگے۔ انہوں نے ابھی تھوڑی ہی مٹی کھودی ہوگی، کہ بڑے لڑکے نے چھوٹے سے کہا "ذرا ٹھہرو۔ یہاں کوئی چیز ہے۔ میں ابا کو بلاتا ہوں۔" اس نے اپنے باپ کو آواز دی "ابا یہاں آیئے۔ دیکھئے ہمارے گڑھے میں کیا چیز ہے" باپ بیچارا پھاوڑا لے کر بھاگا بھاگا آیا۔ وہ سمجھا کہ شاید کوئی سانپ یا بچھو ہوگا۔ آکر دیکھا تو وہاں کوئی سانپ ہے نہ بچھو۔ گڑھے کی دیوار میں ایک کالی سی چیز دکھائی دے رہی ہے۔ اس کا ایک حصہ تو چپٹا اور گول گول سا ہے اور دوسرا ایسا جیسے زمین میں تین چار کھونٹے گڑے ہوں۔ اس نے آہستہ سے کھود کر اسے باہر نکالا، تو دیکھتا کیا ہے کہ وہ پتھر کا ایک خوبصورت چرخا تھا۔ اس نے کہا "آہا! یہ تو پتھر کا چرخا ہے۔ دیکھو کیسا خوبصورت ہے!"

احمد — ماسٹر صاحب، وہ چرخا زمین کے نیچے کہاں سے آیا؟

میں — میں یہی تو تمھیں اس کہانی سے بتانا چاہتا ہوں کہ وہ چرخا وہاں کہاں سے آیا تھا اور کتنا پُرانا تھا۔ اچھا تم بتاؤ تو سہی کہ کمہار نے پھر کیا کیا ہوگا؟

احمد — وہ چرخے کو چپکے سے لے کر گھر بھاگ گیا ہوگا۔

ہری — نہیں ماسٹر صاحب! اس نے وہاں کچھ اور تلاش کرنے کی کوشش کی ہوگی۔ چرخا کوئی ایسی قیمتی چیز تو تھی نہیں، جسے چھپانے کے لئے وہ فوراً گھر بھاگ جاتا۔

میں — ہری تم ٹھیک کہتے ہو۔ یہی ہوا کمہار نے سوچا کہ یہاں کوئی اور چیز بھی ضرور ہوگی۔ یہ سوچ کر پتھر کے چرخے کو تو ایک طرف رکھ دیا۔ اور لگا زور زور سے پھاوڑا چلانے۔ کھودتا رہا۔ کھودتا رہا۔ ایک جگہ ایسا معلوم ہوا، جیسے کسی مٹکے کا منہ ہے۔ اس نے ہاتھ سے چھو کر دیکھا، تو سچ مچ وہ مٹکے کا منہ ہی نکلا۔ اس نے آہستہ آہستہ چاروں طرف سے کھود کر مٹکے کو باہر نکالا۔ وہ بہت بھاری تھا۔ اس نے مٹکے کا ڈھکنا اُٹھایا، تو بہت خوش ہوا۔ مارے خوشی کے اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ بھلا وہ خوش کیوں نہ ہوتا، مٹکا تو روپوں پیسوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے جھٹ اپنی چادر بچھائی اور مٹکے کو اوندھا کرکے سب روپے پیسے اس میں سے نکال لئے۔ روپے چوکونے تھے، اور پیسے موٹے موٹے اور گول گول تھے۔ اُن پر جانوروں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ کسی پر بیل کی، کسی پر گائے کی، تو کسی پر چڑیا کی۔

میں — اس سے کمہار کیا سمجھا ہوگا؟

مقبول — وہ سمجھا ہوگا کہ اس گڑھے میں خزانہ ہے۔

میں — ہاں ٹھیک ہے۔ وہ سمجھا کہ وہاں ضرور خزانہ ہے۔ پھر کیا تھا اس نے روپوں کو چادر میں باندھ کر تو ایک طرف رکھا اور اپنے لڑکوں کو ہٹا کر پھر کھودنے لگا۔ اس نے گڑھے کو بہت دور نیچے تک کھود ڈالا۔ مگر کوئی چیز نہ نکلی۔ تھکا تو تھا ہی، اس نے غصے میں آکر جو زور سے پھاوڑا مارا، تو گڑھے کی دیوار پھٹ گئی۔ اس نے دیکھا نہیں دوسرا پھاوڑا اتنے ہی زور کے ساتھ مارا، تو دیوار دھڑام سے نیچے گر گئی۔ وہ اس کے نیچے دب کر مر ہی گیا ہوتا، اگر پھرتی سے کود کر پیچھے نہ ہٹ جاتا۔

گڑھا مٹی سے پٹ گیا تھا اور کمہار پھاوڑا کندھے پر رکھے گڑھے کے کنارے کھڑا سوچ رہا تھا: "کیا کروں؟" وہ تھا اپنی دُھن کا بہت پکا۔ اس نے اپنے دل میں کہا "میں اس گڑھے کو ضرور کھودوں گا" اور اس میں سے خزانہ نکال کر دم لونگا" یہ سوچ کر وہ آگے بڑھا اور مٹی اُٹھا اُٹھا کر اِدھر اُدھر پھینکنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کا پھاوڑا کسی سخت چیز پر لگا۔ اس نے مٹی ہٹائی تو چکی کا ایک پاٹ نکلا۔ اس نے اسے اُٹھا کر ایک طرف رکھا۔ تھوڑا اور نیچے کھودا، تو تین بغیر دستے کے چاقو اور دو کلہاڑیاں ملیں۔ ان کو بھی اس نے چکی کے پاٹ کے پاس رکھ دیا، اور پھر گڑھے میں سے مٹی نکالنے لگا۔ سورج ڈوب گیا لیکن گڑھا ابھی تک خالی نہیں ہوا تھا۔ لڑکوں کو بھوک لگ رہی تھی۔ انہوں نے کہا "ابا! ہمیں تو بھوک لگ رہی ہے۔ چلئے گھر چلیں!" وہ خود بھی تھک کر چور ہو رہا تھا۔ اس نے کہا "اچھا چلو چلیں۔ باقی مٹی کل نکالیں گے۔ اب تو اندھیرا ہو گیا ہے" پھر اس نے روپوں کی گٹھری، پتھر کا چرخا، چکی کا پاٹ اور کلہاڑیاں تو گدھے پر لاد دیں اور چاقو لڑکوں کو دے دئے۔ اور تینوں باپ بیٹے گھر کو چل دئے۔

میں — راستے میں کمہار نے اپنے بیٹوں سے اس واقعہ کے بارے

میں کیا کہا ہوگا؟

جگدیش ۔ اس نے لڑکوں کو سمجھایا ہوگا "دیکھو بیٹا، کسی سے مت کہنا کہ ہمارے ابا کو گڑھے سے روپے ملے ہیں، نہیں تو گاؤں والے ہم سے چھین لیں گے۔"

گھر پہنچ کر روپوں کی گٹھری اور دوسری چیزیں اس نے اپنی بیوی کو دے دیں، اور اس سے کہا کہیں چھپا کے رکھ دو، اور اسے بھی سمجھایا "دیکھو کسی کو اس بارے میں کچھ نہ بتانا، نہیں تو ہمیں جو کچھ ملا ہے، لوگ چھین لیں گے۔"

میں ۔ دوسرے دن کمہار نے کیا کیا ہوگا؟

احمد ۔ وہ پھر اسی گڑھے کو کھودنے گیا ہوگا، کہ خزانہ نکال لے۔

میں ۔ ہاں وہ دوسرے دن سورج نکلنے سے پہلے اٹھا۔ اپنا پھاوڑا لیا۔ گدھے پر سوار ہوا، اور اسے دوڑاتا ہوا گڑھے کی طرف چل دیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے اپنا کام شروع کر دیا۔ لیکن جس بات کا اُسے ڈر تھا، وہ ہو کے رہی۔ تھوڑی دیر بعد وہ دیکھتا کیا ہے کہ بہت سے لوگ اپنا اپنا پھاوڑا لئے گڑھے کی طرف بھاگے چلے آ رہے ہیں۔

میں ۔ اچھا بتاؤ تو سہی ۔ دوسرے لوگ وہاں کیسے آ گئے؟

ہری ۔ کمہار کی بیوی یا لڑکوں میں سے کسی نے کہیں یہ بات بتا دی ہوگی۔

میں ۔ ہاں یہی ہوا۔ کمہار کی بیوی اور بڑے لڑکے نے تو کسی سے روپوں کی بات نہیں کہی ۔ چھوٹے لڑکے کو اس کی ماں نے پڑوسیوں کے ہاں آگ لینے کے لئے بھیجا۔ وہ بیچارہ بھولا بھالا تھا ۔ اسے کیا خبر کہ یہ بات چھپانے کی ہے، یا نہیں۔ اس نے اپنے پڑوسیوں سے روپوں کی ساری بات کہہ دی ۔ پھر کیا تھا یہ بات سارے گاؤں میں پھیل گئی ۔ جو سنتا، فوراً پھاوڑا لے کر گڑھے کی طرف دوڑ جاتا ۔ دوپہر ہوتے ہوتے گاؤں کے سارے آدمی وہاں پہنچ گئے۔ کمہار بیچارہ ڈر کے مارے، وہاں سے بھاگ آیا۔

جگدیش ۔ ماسٹر صاحب! پھر تو گاؤں والے سارا خزانہ بہت جلد کھود کر اپنے اپنے گھر لے گئے ہوں گے۔

میں ۔ نہیں بھئی! وہ گاؤں والے کوئی تمہاری طرح مل جل کر کام تھوڑی ہی کرتے تھے، جو سارا خزانہ کھود کر آپس میں بانٹ لیتے ۔ بلکہ ہوا یہ کہ گاؤں والے لگے آپس میں جھگڑنے۔ ایک نے کہا "پہلے میں آیا تھا ۔ میں کسی کو نہیں کھودنے دوں گا" دوسرا بولا "واہ! چلے وہاں سے بڑے کھودنے والے! کسی کی مجال ہے کہ ایک پھاوڑا بھی زمین میں مارے، گڑھا میری زمین میں ہے۔ آئے تو، کون کھودتا ہے اس کو؟" کسی نے جا کر اس جھگڑے کی خبر تھانیدار کو دے دی ۔ اس نے پانچ چھ سپاہی بھیج دئے۔ سپاہیوں کو دیکھ کر سب گاؤں والے وہاں سے بھاگ گئے۔ سپاہیوں نے وہاں پہرہ لگا دیا۔ اس کی اطلاع سرکار کو دی گئی ۔ وہاں ایک سرکاری افسر آیا۔ اس نے بہت سے مزدور بلائے اور ان سے گڑھا کھدوانا شروع کیا۔ بھئی گڑھا کیا تھا، وہ تو ایک شہر کا دروازہ تھا۔ اس کے نیچے سے تو ایک بہت بڑا شہر نکل آیا۔ ایک جگہ سے پہلے چھوٹی چھوٹی پکی اینٹیں نکلیں۔ پھر ایک بہت بڑا مکان نکل آیا۔ وہ، بہت صاف ستھرا اور اچھا مکان تھا۔ ایسا، جیسا کہ آجکل امیر آدمیوں کا ہوتا ہے ۔ اس میں کھڑکیاں تھیں، روشن دان تھے، ایک طرف کنواں تھا اور نہانے کا ایک حمام بھی تھا۔ حمام کے اندر ایک حوض تھا۔ گھر کا آنگن بہت کھلا ہوا تھا، اور وہ پکی اینٹوں کا بنا تھا ۔ اس میں چھوٹی چھوٹی پکی نالیاں بنی ہوئی تھیں۔ ان سے گندہ پانی نکلتا ہوگا۔

مزدور جب اس مکان کے آنگن میں سے مٹی ہٹا رہے تھے، تو ایک جگہ جا کر وہ یکدم ٹھٹھک گئے۔ آنگن میں ان کو ایک زرد سی چیز نظر آئی۔ وہ سمجھے کوئی زرد رنگ کا زہریلا سانپ بیٹھا ہے۔ بس وہ ڈر کے بھاگ کھڑے ہوئے ۔ پھر وہ ایک سپاہی کو ساتھ لے کر آئے ۔ اس نے دیکھ کر کہا "بے وقوفو! یہ کسی مردہ آدمی کی کھوپڑی ہے۔ پھر وہ اس کے پاس گئے، اور آہستہ آہستہ اس کے اردگرد کی مٹی ہٹائی دیکھا تو وہ سچ مچ ایک لڑکے کا سر نکلا۔ وہ آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا ۔ اور مٹی کے اندر دب گیا تھا۔ مٹی نے اس کا گوشت کھا لیا تھا۔ بس ہڈیاں ہی ہڈیاں رہ گئی تھیں۔ اُس نے آنگن میں اینٹوں کا ایک چھوٹا سا گھر بنا رکھا تھا ۔ اس کے سامنے ایک چھوٹا سا مٹی کا چرخا پڑا تھا۔ اس نے اپنی ماں کو کاتتے دیکھ کر کہا ہوگا "اماں اماں! میں بھی ایک چرخا بنا کر کاتا کروں گا"۔ پھر اس نے مٹی کا ایک چھوٹا سا چرخا بنا لیا ہوگا۔ اس کے پاس چار پانچ چھوٹی چھوٹی پیالیاں بھی پڑی تھیں۔ ایک پیالی میں گولیاں تھیں، وہ اُن سے کھیلتا ہوگا۔ دوسری پیالی میں پتھر کے چھوٹے چھوٹے خوبصورت ٹکڑے تھے۔ اور باقی خالی تھیں ایک طرف مٹی کی ایک چھوٹی سی چڑیا تھی۔ ایک مٹی کی گائے تھی۔ وہ بہت خوبصورت تھی۔ ایک چھوٹے سے چولہے پر ایک ننھی سی ہنڈیا بھی رکھی تھی۔

میں ۔ تم نے دیکھا کہ اس بچے کے پاس کھیلنے کے لئے کتنے اور کیسے اچھے کھلونے تھے؟

احمد ۔ ہاں ۔ اتنے تو ہم میں سے کسی کے پاس نہیں ہیں۔

اس مکان کے کمروں میں سے مٹی نکالی گئی، تو بہت اچھے اچھے برتن نکلے۔ ان میں سے کچھ تو مٹی کے تھے اور کچھ تانبے کے۔ اُن پر رنگا رنگ کے خوبصورت بیل بوٹے بنے ہوئے تھے۔

ایک مزدور کو تانبے اور چاندی کے زیور ملے۔ اس نے سپاہی کی نظر بچا کر جھٹ اپنی گرہ میں باندھ لئے۔ ایک اور مزدور کو پتھر کے بُندے ملے۔ وہ بھی انہیں پہلے مزدور کی طرح چھپانے لگا لیکن سپاہی نے اس کو دیکھ لیا، اور ڈنڈے سے اس کی خبر لی۔

مزدور لگاتار کئی مہینے کھودتے رہے۔ ایسے ہی اور بہت سے پکے مکان نکلے۔ گلیاں اور بازار نکلے۔ چرخے، تکلیاں، برتن، زیورات مہریں وغیرہ جو چیزیں یہاں ملی ہیں، سرکار نے ایک عجائب گھر میں حفاظت سے رکھوا دی ہیں۔

میں ۔ اچھا کیا اب تمہاری سمجھ میں آ گیا کہ یہ چیزیں زمین کے نیچے کہاں سے آ گئی تھیں؟

ہری ۔ ہاں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑا شہر زمین کے نیچے کسی طرح دب گیا ہوگا۔

(بقیہ صفحہ ۱۲ پر)

نئی تعلیم

نیچے دیا ہوا مضمون اس مقالے کا ایک حصہ ہے جو عبدالغفور صاحب (معلم ٹریننگ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نے پچھلے سال استادوں کے مدرسے (جامعہ ملیہ اسلامیہ جامعہ نگر دہلی) کی انجمن طلبہ کے ایک جلسہ میں پڑھا تھا۔

مدیر

مدرسے کی سماجی اہمیت کو آج نہیں ہزاروں سال سے انسان نے سمجھا اور خوب سمجھا ہے۔ جب ایتھینا کے موشگافانہ فلسفہ اور اس کی گھٹیا سیاست سے تنگ آ کر افلاطون نے ایک نئی سماج کا تخیل پیش کیا، تو اس نے تعلیم کو پوری سماجی تشکیل کا سنگ بنیاد قرار دیا۔ اس کی نگاہ میں تعلیم قومی زندگی کا ایک ایسا شعبہ نہیں تھا جو دوسرے شعبوں کا دُم چھلا بنا ہوا ہو جس کے وزیر کو گورنر کے حال اس وقت بار یابی ملتی ہو جب شام کی پرچھائیں لمبی ہوتی جا رہی ہو۔ اور حضور گورنر بہادر ٹینس کے لئے تیار ہو رہے ہوں۔ اس کی نگاہ میں تعلیم ایک کسوٹی تھی افراد کو مختلف سماجی طبقوں میں تقسیم کرنے کے لئے، اس کی اسکیم میں معلم ایک حاکم تھا پوری سماج پر راج کرنے کے لئے۔ معلم اور حاکم! شاید آج کل کا آئی۔سی۔ایس (I.C.S.) اس پر ایک ہنس کر کے رہ جائے مگر یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ پرانی قوموں میں خواہ وہ بنی اسرائیل تھے یا مجوسی۔ آرین تھے یا کلدانی۔ ان کے قائد اور ان کے پیام بر ان کے معلم تھے۔ جب سے دنیا میں پیام بر آنے بند ہو گئے معلم کا رتبہ بھی گھٹ گیا، اور اگر آپ کو کسی تمدن کی ترقی اور رفعت کا صحیح اندازہ لگانا ہو تو اس کے سماجی زینہ پر معلم کی جگہ تلاش کیجئے۔ دیکھئے کہ دھکیل دھکیل کر اسے جو تیوں میں گھسیڑ دی گئی ہے یا اب تک کم بخت اپنی سخت جانی کی وجہ سے کسی سیڑھی پر لٹکا ہوا ہے۔ مثال کے طور پر سوئزرلینڈ کے گاؤں میں اگر کوئی صاحب حیثیت شخص موٹر رکھ سکتا ہے تو وہ گاؤں کا استاد ہے پنجاب کے اکثر دیہات میں اگر کوئی گاؤں کا آزاد فرد کمینوں کے زمرے میں شمار کیا جاتا ہے تو وہ مدرسے کا استاد اور مکتب کا ملا ہے۔

یہ چیز یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب کبھی دنیا میں کوئی سیاسی انقلاب آیا، جب کبھی سماج کے پرانے اور فرسودہ ایوان پر سے نئے خیالات کی یادِ صرصر چلی۔ اور اس کی کڑیاں اور ستون جھڑ جھڑا کر گرنے لگے تو تعمیری کام کے لئے مصلحین نے ہمیشہ مدرسہ کا رخ کیا۔ سرزمین فرانس کی خوفناک تنہائیوں میں ایک خانہ بدوش کی طرح گشت کرنے والے روسو نے دیکھا کہ چند حیوانی صورتیں کھیتوں میں نظر آ رہی ہیں۔ قریب آ کر جو پہچانتا ہے تو وہ انسان نکلے۔ اس المیہ انکشاف پر اس کی زبان سے وہ تاریخی جملہ نکلا جس کی صدائیں اب تک وقت کے ایوانوں کو گونجاتی رہی ہیں۔ کہ انسان آزاد پیدا ہوا ہے لیکن ہر جگہ زنجیروں میں جکڑا ہوا ملتا ہے۔ ان نے "سوشل کنٹریکٹ" سے وہ صور پھونکا جس سے ایک دنیا نے خوابیدہ بیدار ہو گئی مگر جہاں اس کے عالمگیر طلسم سے سیاسی زنجیر کی کڑیاں ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگیں، وہاں تخریبی عمل کے ساتھ ساتھ

اس نے تعمیری پروگرام بھی مکمل کر دیا۔ "امیل" لکھ کر اس نے بچہ اور بچے کے ساتھ بالغ کے لئے ذہنی اور جسمانی آزادی کو ایک زندہ حقیقت بنا دیا کیونکہ تعلیم ہی فرد کو اس قابل بنا سکتی تھی کہ وہ نئی حاصل کی ہوئی آزادی کے تیز نشہ کو سہار سکے اور اس کے خمار کا مداوا کر سکے۔

اسی طرح جب روسی غلام نے استعماریت کے مجبور ہاتھوں سے آزادی کا پروانہ چھینا اور تمام مزارع آزاد کسان بن گئے، تو ٹالسٹائی نے یاسنایا پولیانا (Y. Polyana) میں اپنا مشہور مدرسہ کھولا۔ وہ چاہتا تھا کہ روسی کسان اس نئے پائے ہوئے کھلونے کو محض بجا بجا کر خوش نہ ہو سکے بلکہ اس ساز کا ترنم اس کی تعمیر حیات کا کام دے۔ اس کی تانیں اس کی خوابیدہ قوتوں کو جگا دیں۔ اور میرے دوستو! جب آزادی کے زندگی بخش نغمے نے ان کی ذہنی اور اخلاقی سوتوں کو جگا یا تو خود ٹالسٹائی کے لئے غریب کسان بچوں کی تخلیقی کوششوں میں ان کا ساتھ دینا کچھ دشوار سا ہو گیا۔ کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ ٹالسٹائی ایک نو سال کے بچے کو تخلیقی انداز تحریر میں ابھی ابتدائی اشارات بھی نہ دینے پایا تھا کہ بچہ اسے اپنا تخلیقی افسانہ لکھنے کو کہتا ہے۔ بچہ اس درخواست پر مجبور ہے کیونکہ ابھی خود اچھی طرح سے لکھنا نہیں جانتا۔ بچہ افسانہ زبانی بیان کرتا جا رہا ہے اور لکھنے میں ٹالسٹائی ہانپتا کانپتا بار بار پیچھے رہ جاتا ہے۔ اس کی رائے میں ان بچوں کے تخلیقی کارنامے اپنے قسم کے ادب میں اور سب پر بھاری تھے۔ اور انقلاب روس کے بعد تو وہاں تعلیم کو جو اہمیت دی گئی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ تعلیم اور سیاست کا ہمیشہ چولی اور دامن کا ساتھ رہا ہے۔ معلم اور مفکر نے تعلیم کو ہمیشہ تجدید حیات کے لئے استعمال کیا اور سیاست داں نے اس کو اپنے اغراض و مقاصد کا آلہ کار سمجھا۔ تعلیم شروع میں تو ان کی چہیتی بیوی تھی مگر رفتہ رفتہ اس کی حیثیت کچھ مطلقہ کی سی ہوتی چلی گئی اور آج کل مغرب کی (Totalitarian) استعمار پسند حکومتوں میں تو وہ بالکل ایک باندی بن کر رہ گئی ہے۔

ان کا نظام تعلیم ایک ہیبت ناک مشین ہے۔ ان کے ہاتھ میں ایک کارخانہ داری کی بے روح صفائی ہے۔ ان حکومتی تعلیم کے یہ سیاسی ٹھیکیدار ایک خاص ٹائپ، ایک خاص نمونہ تیار کرتے جا رہے ہیں۔ اور جیسے ایک ٹیلیفون کے ذریعہ پورے کارخانے کا اعصابی مرکز بن جاتا ہے حکومت کرنے والی پارٹی کا دفتر بھی ایک مرکز ہوتا ہے، جہاں سے پورا نظام تعلیم ایک بٹن کے ذریعے کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔ سنا ہے جب ہندوستان کے سب سے بڑے معلم وہیں پہنچے تو انہیں ایک نازی تعلیمی افسر کے کمرے

میں جانے کا اتفاق ہوا۔ فاشی افسر جو تعلیم کے اس میکانکی تخیل میں عقیدہ رکھتا تھا شاید اس لئے انہیں وہاں لے گیا تاکہ انہیں اس عالمگیر مشین کے کل پرزے دکھا دے جس سے ایک سڑک کوٹنے والے انجن کی طرح فرد کی ذاتی اپج اور اٹھان کو کوٹ کر ہموار کر دیا جاتا ہے۔ اس کمرے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک جانب تو ایک ٹیلیفون پڑا ہے۔ بتایا گیا کہ کس طرح وہ اس کے ذریعہ ان تمام مدارس کو جو اس کی نگرانی میں ہیں احکام بھیج سکتا ہے اور اس کے ساتھ ایک معنی خیز مسکراہٹ سے اس نے ایک ریڈیو کے قسم کے آلے کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ اس سے میں ہر وہ چیز سن سکتا ہوں جو کسی مدرسے کے کسی کمرے میں ہوتی ہے۔ شکر ہے وہ مشین اب تک ہندوستان نہیں پہنچی، ورنہ اس کے سب سے پہلے خریدار شاید ہمارے انسپکٹر اور ہیڈ ماسٹر ہوتے۔ سیاست دان آجکل ایک دریائے تند ہے جس کے تانت اور ریشے نظام تعلیم میں ایک خوفناک اور پوشیدہ طریق سے سرایت کئے ہوئے ہیں۔

ہم نے دیکھا کہ کیسے ہر انقلاب کے بعد سماج کی نگاہیں بار بار تعلیم کی طرف اٹھتی رہی ہیں کیونکہ اس سے ہمیں یہ اُمید ہو سکتی ہے کہ یہ نئے اقدار اور معیار کو مستقل بنا سکے گی، ان پر کوئی سچی اور حقیقی نیت لگا سکے گی۔ اس طرح ہندوستان بھی اگر آج نہیں تو کم از کم دو سال پہلے امید افزا نگاہوں سے مشرق کی طرف تک رہا تھا ایک نئے دور کی صبح کے لئے۔ اور نئی تعلیم اس نئے دور کا معاشی اور سماجی پہلو تھی۔

ہم ایک خواب دیکھ رہے تھے۔ خدا نہ کرے وہ خواب کثرت تعبیر ہا سے پریشان ہو جائے۔ ہم ایک خواب دیکھ رہے تھے ایک نئے سماج کا جس میں موجودہ معاشی اور اقتصادی خرابیاں ایک حد تک دور ہو جائینگی جس میں غیر منصفانہ تفرقات ایک بھولا ہوا افسانہ ہوں گے، جہاں ایک فرد دوسرے کا معاون ہوگا، اس کا مد مقابل نہیں ہوگا۔ جہاں سماج کا تشکیلی اصول تعاون اور ہم آہنگی ہوگا جہاں سوسائٹی کا بنیادی اُصول حیوانی دنیا کی بہیمانہ کشمکش نہ ہوگا۔

اس خواب کی ایک تعبیر بنیادی تعلیم کی اسکیم تھی، وہ تعلیم جس کا مقصد حیات بچے کو ایسی سماج کے لئے تیار کرتا ہے جس میں ہر فرد اپنا بوجھ خود اُٹھانے کے قابل ہو، جہاں وہ صحیح معنی میں آزاد ہو اقتصادی ذہنی اور سماجی لحاظ سے، جہاں اسے ہر قسم کی سہولتیں مہیا ہوں اپنے قوا کی اُٹھان کے لئے، اپنی اپج کی نشو و نما کے لئے۔ وہ سماج جس میں ہر فرد اپنا سر فخر سے اٹھا سکے اور دوسروں کی نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر دیکھ سکے۔

میرے دوستو یہ نیا کام آسان نہ تھا۔ مشکل تھا اور بہت مشکل۔ اب تک ہم ایک تعلیمی شاہراہ پر چلتے آ رہے تھے۔ اس قسم کی صاف شفاف اور امن والی سڑک جیسی ہمارے آقاؤں نے گرانڈ ٹرنک روڈ کے نام سے ہمارے لئے بنا دی ہے۔ ہمیں وہ بھیڑوں کے گلے کی طرح سے اس پر ہانکتے چلے آئے اور ہمارے ہانکنے کے لئے ایک محکمہ بھی بنا دیا جس کا نام پبلک انسٹرکشن کا محکمہ رکھا گیا تعلیم کا محکمہ نہیں بلکہ عوام کے لئے ہدایات کا محکمہ۔

میرے عزیزو وہ یہ ایک مہربان ماں کی ہدایتیں نہ تھیں یہ اس قسم کی ہدایات تھیں جو اکثر شہروں کی سول لائنز میں لکھی ہوتی ہیں، "یہ پرائیویٹ روڈ ہے۔ اندر آنا منع ہے۔ احاطہ میں سیر کرنے والا گرفتار کیا جائے گا"۔ ہمارے نگہبانوں کو بھیڑوں کا اتنا فکر نہ تھا جتنا ارد گرد کے لہلہاتے کھیتوں اور شاداب باغوں کا۔ ان کا خیال تھا کہ یہ بھیڑوں کا گلہ کسی کے کھیت میں نہ گھس جائے۔ وہ اپنے مقصد میں ایک حد تک کامیاب ہوئے۔ سرمایہ داری کے باغ اور کھیت محفوظ رہے۔ مگر بھیڑوں کے لئے کہیں بھی چارہ باقی نہ رہا۔ پہلے تو کہیں کہیں بچی کھچی گھاس پر منہ مار ہی لیا کرتی تھیں اب سب دروازے ان پر بند ہو گئے۔

میرے دوستو Education اور Instruction میں وہی اصولی فرق ہے جو ایک انسان اور مشین میں ہو سکتا ہے۔ تو سمجھو لو کہ اب تک ہماری تعلیم محض Instruction تھی۔ اب تک ہماری تعلیم محض خواص کے لئے تھی، عوام کے لئے نہیں۔ اب تک ہماری تعلیم نظری تھی عملی نہیں۔ اور نظری بھی کس قدر تنگ نظری!!

مگر خواص کو اس کا علم نہ تھا کہ عوام بھی ہیں۔ اگر وہ ہزاروں کی تعداد میں ہیں تو عوام کروڑوں ہیں۔ وہ عوام کے بغیر پل بھر زندہ نہیں رہ سکتے مگر عوام ان کے بغیر صدیوں سے زندہ چلے آتے ہیں اور رہینگے۔ خدا جانے ان اللہ کے بندوں کو غریب عوام سے اس قدر بیگانگی کیوں تھی۔ اللہ میاں تو میرے خیال میں غریبوں سے محبت کرتا ہے۔ ورنہ اتنے ڈھیروں کے ڈھیر غریب کیوں پیدا کرتا۔

اب بنیادی اسکیم کے ماتحت حقیقی تعلیم شروع ہوئی ہے اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ بنیادی اسکیم سے پہلے کوئی ادارے نہ تھے مگر جامعہ اور شانتی نیکتن کے نخلستانوں سے پورے صحرا کی ویرانی چھپ نہیں سکتی۔ اور نہ ہی ایک بلبل سے خزاں کا اجڑا ہوا چمن نغمہ ستان بن سکتا ہے۔ نئی سکیم کا اجرا ایک بورڈ تھا تعلیمی شاہراہ پر، جس پر کھلے اور جلی حروف میں لکھا تھا۔ یہاں سے اب تخلیقی اور تعمیری دور کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ وہ دور جو بچے کی ہمہ گیر نشو و نما میں ممد و معاون ہوگا۔

اس اسکیم کا مرکز بچہ ہوگا اور بچے کو تیار کرنا ہوگا اس کے سماجی معاشی اور طبعی ماحول کے لئے۔ مگر سوال یہی تھا کہ کس ماحول کے لئے؟ کیا وہی ماحول جس میں وہ پیدا ہوا؟ کیا اسے بھی اپنے ماں باپ کی طرح پرانے بندھنوں میں گرفتار رہنا ہوگا؟ کیا اسے بھی توڑ موڑ کر ٹھونس ٹھانس کر پرانے سماج کے سانچے میں سمانا ہوگا؟ نہیں! نہیں! نئی تعلیم کا مقصد اس سے کہیں بلند ہے۔ اس کا مقصد بچے کو کسی ماحول کے لئے تیار کرنا نہیں بلکہ مدرسوں کی امداد سے ایک نئے ماحول کی تخلیق کرنا ہے۔

لوگ ہنستے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ان مسجد کے ملّاؤں کی امداد سے تم ایک نئی سماج کی بنیاد ڈالو گے؟ لوگ تم پر ہنستے ہیں۔ میرے دوستو لوگوں کو ہنسنے دو۔ ہنستے ہی گھر بستے ہیں۔ سماج کی کشتی میں آگے ہی سوراخ ہو چکے ہیں۔ تہرانگیز قوا سے اس کے اندر سے چھوٹے پڑ رہے ہیں۔

اس کشتی کے سرمایہ دار۔ آپ خود بنے ہوئے کھیون ہار کہیں کپڑا ٹھونس کر۔ کہیں گھٹنا ٹیک کر ان کو بند کر رہے ہیں۔ انہیں یہ حرکات ذبوحی کرنے دو۔ اس ٹوٹتے ہوئے ایوان میں ؍ اس جھڑ جھڑاتی ہوئی عمارت میں صبح کی جان بخش ہوا کے جھونکے آ کے رہینگے اور وہ زہریلے جراثیم جو ایک مدت سے اس میں پل رہے ہیں۔ مر کر رہینگے۔

میری مراد اس سے یہ نہیں کہ ہم لوگ مدرسے کو چھوڑ کر ریاست کے میدان میں پھاند پڑیں۔ میری مراد تو یہ ہے کہ ہم نئی تعلیم کے ذریعہ بچے کے خیالات میں ایک نئی رَو، اس کے عمل میں ایک نیا رجحان پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائینگے۔ میرے دوست خیال کی دنیا میں بڑی طاقت ہے۔ خیال وہ عظیم الشان طاقت ہے کہ اس کی بجلی اگر اتفاقاً ڈوب جائے تو فطرت کی طاقتیں اور دوزخ کی قوتیں اس کے سامنے لرز جاتی ہیں۔

ہم بچے کو ایک بنیادی حرفے کے ذریعہ سے تعلیم دینا چاہتے ہیں بس ہمارا بنیادی اصول عمل ہے، قول نہیں۔ یہ پہلی حدِ فاصل ہے پرانی اور نئی تعلیم کے درمیان، ایک عملی ہے دوسری قولی۔ ایک میں حرکت ہے دوسری میں سکون و جمود اور اگر حرکت ہے بھی تو وہ شعوری نہیں ہے۔

(باقی آئندہ)

دستکاری کی نفسیات

جامعہ نگر

(گذشتہ سے پیوستہ)

اس بات پر بحث کرنے سے کہ دستکاری کس طرح تعلیم کا لازمی ذریعہ بن سکتی ہے، دستکاری کی نفسیات کے بعض پہلو سامنے آ گئے ہیں۔ اب ہم اپنے موضوع کو اور پھیلائیں گے۔ ہم نے شروع میں بتایا تھا کہ ہمارے موضوع کا مقصد یہ ہے کہ دستکاری کس طرح ذہن کی ترقی کرتی ہے۔ ہاتھ کا کام بچے کی زندگی کا اصول ہے اور ہم نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ بچے کو اس قسم کے کام میں لگا رہنا چاہئے اور اس کے ذریعے وہ باتیں سیکھنی چاہئیں جن کی ضرورت اسے رفتہ رفتہ اپنی زندگی کی دلچسپیوں کو اجاگر کرنے میں ہو گی۔ یہی وہ چیز ہے جسے تعلیمی نفسیات کا روشن اصول "کر کے سیکھنا" ظاہر کرتا ہے۔

اب ہم دستکاری کے ایک اور اہم پہلو پر غور کریں گے۔ ہر شخص مانتا ہے کہ توجہ کی تربیت کرنا بچپن کا خاص تعلیمی مسئلہ ہے۔ میرے نزدیک اصل میں تعلیم کا ایک بڑا مقصد توجہ پر اچھی طرح قابو پا لینا ہے۔ اس سے انسان کی شخصیت کی تمام قوتوں کو پوری طرح بڑھنے کا موقع ملے گا۔ بچے کی توجہ کبھی ایک جگہ دیر تک قائم نہیں رہتی۔ اور اُستاد کو ہر وقت اسے ادھر اُدھر دیکھنے سے منع کرنا پڑتا ہے۔ ہاتھ کا کام توجہ کو ایک جگہ رکھنے کا سب سے آسان طریقہ ہے۔ اس سے بچوں کی کچھ کرتے رہنے کی قدرتی ضرورت پوری ہوتی ہے اور اس لئے اس منزل پر اس کے ذریعے ذہن کی بہترین تربیت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ شروع میں توجہ باہر کی چیزوں کی طرف کھنچتی ہے۔ بچہ اپنے خیالات اور جذبات سے زیادہ باہر کی دنیا کی تبدیلیوں میں دلچسپی رکھتا ہے۔ حرکت اور تبدیلی ہاتھ کو کام کے دو لازمی جزو سمجھتے ہیں۔ اس لئے اس لحاظ سے بھی دستکاری بچے کی فطرت کے مطابق ہے۔

عام کتابی تعلیم کے پاس کوئی ایسا کارآمد ذریعہ نہیں ہے، جس سے کام کی تمام تفصیلات کی طرف توجہ کرنے کی عادت ڈالی جا سکے۔ یہاں تک کہ حساب جیسے باقاعدہ علم میں بھی بچے اپنی غلطی کی مقدار کا خیال نہیں کرتے۔ لیکن ہاتھ کے کام میں تمام تفصیلات پر توجہ دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ اور توجہ قائم رکھنے کی ضرورت اور اس کا ثبوت کام کے نتیجے سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے۔ کام میں کامیابی اسی وقت ہو گی جب کہ اس کے تمام چھوٹے چھوٹے حصوں کو توجہ سے کیا جائے گا۔

ہم نے اوپر اس بات پر غور کیا ہے کہ دستکاری میں تعلیم کے ایک ذریعے کی حیثیت سے کیا خوبیاں ہیں۔ لیکن اگر تعلیم زندگی کے لئے تیاری ہے، تو ہاتھ کی تربیت خود بھی اپنی جگہ ایک بڑی چیز ہے۔ ہر شخص کو زندگی میں بہت سے چھوٹے چھوٹے کام کرنے پڑتے ہیں، وہ انہیں خود آسانی سے کر سکے گا، اگر اس نے کسی دستکاری میں ٹریننگ حاصل کر لی ہے۔

دستکاری اخلاقی تعلیم کا بھی ایک اچھا اور کارآمد ذریعہ ہے۔ اب خوش قسمتی سے یہ بات مان لی گئی ہے کہ اخلاقی تعلیم پڑھانے یا نصیحت کرنے سے نہیں ہو سکتی۔ یہ تو صرف عمل اور مثال سے ہی ہو سکتی ہے۔ دستکاری میں استاد اور بچوں کے درمیان اور بچوں اور بچوں کے درمیان عملی طور پر مختلف قسم کے سماجی تعلقات پیدا کرنے کا موقع ہوتا ہے۔ اور اس طرح بہت سی اخلاقی خوبیاں، مثلاً، ایمانداری، صفائی وغیرہ پیدا کی جا سکتی ہیں۔ کام کی تفصیلات کی طرف توجہ دینا اور اس میں کامیابی کی خاطر ہر وقت ہوشیار اور چوکنا رہنا خود بھی اپنی جگہ ایک اہم خوبی ہے۔ یعنی اپنی ذات کے لئے ایمانداری۔ عام کتابی تعلیم میں کسی مضمون یا اس کے ایک حصے کی تیاری کے بارے میں اپنے کو بہت آسانی سے دھوکا دیا جا سکتا ہے۔ یعنی فرد یہ سمجھ سکتا ہے کہ اس نے دیا ہوا کام اچھی طرح تیار کر لیا ہے، چاہے واقعی ایسا نہ بھی ہو، کیونکہ اس میں کوئی ایسی روک نہیں ہوتی جس سے فوراً حقیقت کا پتہ چل جائے اور دھوکا نہ ہو۔ لیکن دستکاری کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے، مثال کے طور پر میز بنانے میں اس قسم کا دھوکا نہیں ہو سکتا۔ اس میں ٹھیک جتنا کام کیا گیا ہے اس کا صاف ثبوت سامنے آ جائے گا۔ یہاں نہ انسان خود دھوکا کھا سکتا ہے اور نہ دوسرے ہی کو دے سکتا ہے۔

آخر میں، میں سب سے بڑی نفسیاتی بات پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جسے دستکاری کو ایک طریقہ تعلیم کی حیثیت سے کامیاب بنانے کے لئے ضروری شرط سمجھنا چاہئے۔ ہم اکثر شکایت کرتے ہیں کہ موجودہ تعلیمی نظام میں امتحان کو بہت زیادہ مرکزیت حاصل ہوگئی ہے۔ طلبہ علم کی محبت کی وجہ سے نہیں بلکہ صرف امتحان پاس کرنے کی غرض سے سیکھتے اور پڑھتے ہیں۔ اس لئے وہ بعد کو زندگی میں پڑھنے لکھنے کا کام جاری نہیں رکھتے۔ نفسیاتی زبان میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ تعلیم کے موجودہ نظام میں امتحان محرک ہے نہ کہ علم۔ تجربوں کے ذریعے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ کسی چیز کو یاد رکھنے کا مقصد کس طرح اس بات کا فیصلہ کرتا ہے کہ کب تک وہ چیز یاد رہے گی اور وہ کس کام آسکے گی۔ یہ بہت مشہور ہے کہ وکیل اپنے مقدموں کی تفصیلات صرف اس وقت تک یاد رکھتا ہے جب تک ان کا فیصلہ نہیں ہوجاتا۔ اور اس کے بعد اسے ان مقدموں سے متعلق قریب قریب سبھی باتیں بھول جاتی ہیں۔ بظاہر یہ بات کچھ عجیب سی معلوم ہوتی ہے لیکن ہے یہ بالکل صحیح۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مقدمے کے فیصلے کے بعد اس سے متعلق معلومات کو ذہن میں رکھنے کے لئے پھر کوئی مقصد باقی نہیں رہتا۔

یہ بات تعلیمی اعتبار سے بڑے کام کی ہے۔ ہم اب تک اس کی اہمیت اچھی طرح نہیں سمجھتے۔ لیکن نئی تعلیم اس کی طرف سے آنکھیں بند کرکے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ دستکاری کی نفسیات میں استاد جس مقصد کو سامنے رکھ کر اپنا کام ترتیب دیتا ہے اور جس مقصد سے طلبہ اسے کرتے ہیں، ایک اہم چیز ہے۔ ہر چیز سے زیادہ یہ مقصد اس بات کا فیصلہ کرے گا کہ دستکاری کو کس نظر سے دیکھا جائے اور اس کا تمدنی ماحول کیا ہو۔ اگر دستکاری کو ذہنی اعتبار سے مفید بنانا مقصود ہے، تو یہ تعلیمی لحاظ سے ٹھیک ہے۔ یہ بہت اہم چیز ہے کہ ہم کسی کام کو کس مقصد سے کرنا چاہتے ہیں اور اسے کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور ان دونوں کے ٹھیک ہونے کی صورت میں اس قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہوسکتا کہ واردھا اسکیم کے مدرسوں میں طلبہ کارخانے کے مزدور بن جائیں گے یا تمدنی ماحول خراب ہوجائے گا۔

پروفیسر اندرسین
ہندو کالج - دہلی

نئی تعلیم کے چند پہلو

نئی تعلیم اب تعارف کی محتاج نہیں رہی، اور نہ پرانی اور نئی تعلیم کا مقابلہ کرکے اس کی اہمیت کو واضح کرنا ہی ضروری نظر آتا ہے، نئی تعلیم نئے خیالات کے ماتحت موجودہ زمانے کے سیاسی، مالی اور سماجی سدھار کے لئے وجود میں آئی ہے، اور اس چیز کو تسلیم کرلیا گیا ہے کہ عام اور موثر تعلیم ہی ملکی بہبود کا واحد ذریعہ ہے، ایسی تعلیم کے لئے مندرجہ ذیل باتیں ہمیشہ سامنے رکھنی چاہئیں۔

(۱) بچے کی ذاتی ضروریات۔

(۲) سماج یا ریاست کی ضروریات

مندرجہ بالا دونوں باتوں پر ہمیں علیحدہ علیحدہ غور کرنا ہوگا۔ اگر ہم یہ کہیں کہ صرف پہلی بات کو پورا کرنا ہی تعلیم کا صحیح مقصد ہے تو ہم غلطی پر ہوں گے۔ ہم مدتوں سے یہی سوچتے آئے ہیں کہ بچے کو تعلیم دلا کر ایک اعلیٰ فرد بنا دیا جائے، ہم نے بچے کے سامنے سماج کی تصویر پیش کرنے کی کوشش ہی نہیں کی جس میں اسے رہنا ہے کہ اس کے دل میں قومیت اور وطنیت کا احساس پیدا ہو۔ اس کی غیرت اور حمیت کے احساسات کو اس طرح دبائے رکھا ہے کہ وہ جوان ہوکر اپنی تن آسانی اور تن پروری کے سامنے قوم اور وطن کی پرواہ نہیں کرتا اور قومیت اور وطنیت کی تبلیغ کرنے والوں کو ہنگامی اور شوریدہ سر کہنے سے نہیں چوکتا۔ اگر ہم صرف دوسری بات یعنی سماج یا ریاست کی ضرورت کو اپنی تعلیم کا صحیح مقصد سمجھیں تو وہی دقت اٹھانا پڑے گی جس کا سامنا جرمنی اور اٹلی کے باشندے گذشتہ دس پندرہ سال سے کر رہے ہیں اور ان کی خوفناک مثالیں آج ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور کانوں سے سن رہے ہیں۔ ان کے یہاں آٹھ اور نو برس کا بچہ فوجی تربیت حاصل کرتا رہا ہے اور کر رہا ہے، جبکہ ہندوستان میں اس عمر کا بچہ ماں کے بغیر رات کو آرام کی نیند نہیں سوسکتا۔ کوئی زمانہ ایسا بھی تھا جبکہ جرمنی کا نصاب تعلیم سب سے اچھا تسلیم کیا جاتا تھا، مگر اب وہ ایک افسانہ سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا ڈکٹیٹر کے سامنے صرف ایک ہی مقصد ہوتا ہے یعنی اپنے ملک کی خدمت اور انتقام کی آگ میں جل جانے کی تڑپ۔ وہ ہرگز ایسا نہیں چاہتا کہ بچوں میں خود سوچنے کا مادہ پیدا ہو، کیونکہ اس سے سماج کی روح میں ایک تغیر واقع ہونے کا اندیشہ ہے۔ پس دونوں ضرورتوں کو لازم و ملزوم قرار دینے کے سوائے اور کوئی چارہ کار نظر نہیں آتا۔ اگر ذرا اور غور کیا جائے تو ان دونوں باتوں میں زیادہ اختلاف بھی نہیں ہے، جس کی تربیت صحیح طور پر ہوئی ہے، صرف وہی اچھی طرح سے ملکی خدمات سرانجام دے سکتا ہے۔ اس میں اتنی سوجھ بوجھ پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ ملکی مسائل سمجھنے لگے، خود اچھا بنے اور دوسروں کو اچھا بنانے کی کوشش کرے۔ پس ہماری ذاتی تربیت محض اپنے ہی لئے نہیں ہے بلکہ اس سے جائز فائدہ اٹھانے کا حق ملک اور سماج کو ہے۔ انجیل میں حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں۔

He, who saveth his life shall lose it,
But, who loseth his life shall save it,

(جس کی زندگی صرف اپنے لئے ہے، وہ اسے ضائع کرتا ہے، لیکن وہ جو اپنی زندگی دوسروں کے لئے وقف کر دیتا ہے، امر ہوجاتا ہے)، تعلیم کی وہ سکیمیں جو سماجی ضرورتوں کا خیال کئے بغیر بچوں کی ذاتی ترقی اور نشو و نما کو مرکزی حیثیت دیتی ہیں، اور وہ جو انفرادی صلاحیتوں کو پامال کرکے بچے کو محض ریاست کا خادم بنانا چاہتی ہیں ہرگز مفید اور کامیاب ثابت نہیں ہوسکتیں۔ تعلیم کا صحیح مقصد اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے، جب ان دونوں

اصولوں کو ایک نظام عمل میں لایا جائے۔ اور ہماری خوش قسمتی ہے کہ اب ہمارے ملک میں جو لوگ اس قسم کی اسکیموں کو وضع کر رہے ہیں اِن باتوں کو اچھی طرح سے سمجھتے ہیں۔

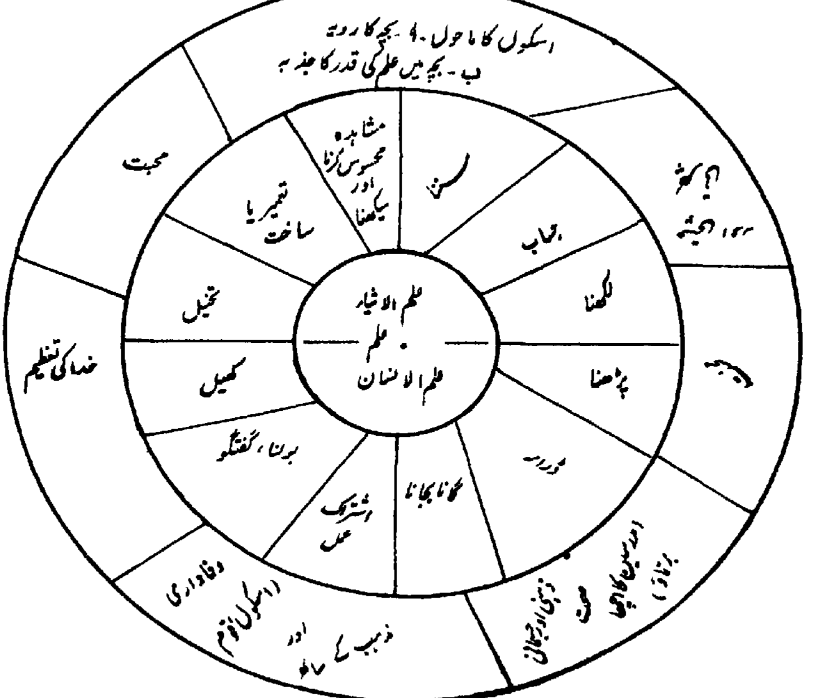
ہمارے سامنے سب سے پہلے ہماری ابتدائی تعلیم کا مسئلہ ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے ملک میں کتنے لوگ بستے ہیں، اُن کی زندگی کا دار و مدار کن پیشوں اور صنعتوں پر ہے، اُن کی تہذیب کیا ہے اور تمدن کیسا ہے۔ اور آخر میں اُن کی اقتصادی حالت کس قسم کی ہو رہی ہے۔

آپ تھوڑی دیر کے لئے اتنا غور کیجئے کہ اگر اسکول نہ ہو تو بچہ اپنی تعلیم کے لئے گھر میں کن کن باتوں پر غور کرے اور کون کون سی ذمہ داریاں اپنے اوپر لے یعنی اگر گیارہ سال کی عمر تک بچے کو اسکول جانے کا موقع نہ ملے تو وہ خود اپنی تعلیم کے لئے کون کون سے راستے اختیار کرے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اُس کی تعلیم کچھ نہ کچھ ضرور ہوگی۔ لیکن اُس کا انحصار اُس کے گرد و پیش کے ماحول پر ہے، یعنی اگر کوئی لڑکا بڑھئی کے گھر پیدا ہوا ہے تو وہ بڑھئی کا کام سیکھ سکتا ہے اور اس فن سے بہت کچھ واقفیت حاصل کر سکتا ہے، ممکن ہے وہ زراعت کے متعلق کچھ بھی نہ سمجھتا ہو، اور اسی طرح کسی مسلمان گھرانے کی لڑکی گھر کے اندر امور خانہ داری سے بخوبی واقف ہو سکتی ہے لیکن دُنیا کی اور باتوں سے جو گھر کی چار دیواری کے باہر واقع ہو رہی ہیں بالکل ناواقف ہو سکتی ہے گویا اسکول میں آنے سے پہلے بچے کی تعلیم کا انحصار ماحول، خاندان اور سماج پر ہی ہوتا ہے۔

اسکول کے جاری ہونے کی وجہ یہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں ہر وہ کام جو بچے کے لئے ضروری ہے، گھر پر نہیں سیکھا جا سکتا۔ پرانے زمانے میں بھی اسکولوں کی ضرورت محسوس ہوئی تھی لیکن وہ مذہبی تعلیم کے لئے کھولے گئے تھے۔ گھروں میں اس قسم کی تعلیم کا انتظام مشکل تھا۔ انگریزی حکومت کے دور میں اسکول اس لئے جاری کئے گئے کہ ہندوستانی سرکاری کام میں مدد دے سکیں لیکن اُس وقت اور اِس وقت کی ضروریات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس وقت انگریزی اور کوئی ایک مشرقی زبان کا پڑھ لکھ لینا روزی کمانے کے لئے ایک یقینی ذریعہ تھا، اور یہی ایک چیز تھی جس نے ذہنیتوں کو پست کر دیا، اور بہت سے امتیازات و افتراق کا سامان مہیا کیا۔ تعلیم کا انحصار صرف تین چیزوں پر تھا، ۱۔ لکھنا ۲۔ پڑھنا اور ۳۔ حساب۔ اس کے علاوہ ہر ایک چیز کو فضول اور تضیع اوقات کا موجب قرار دیا جاتا تھا۔ لیکن آج وہ زمانہ ہے کہ ہمارے سامنے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ان تین ذریعوں کے علاوہ اور بھی بہت سے مفید ذریعے نظر آ رہے ہیں۔

ذیل میں حصول علم کے ذرائع کو واضح کرنے کے لئے ایک خاکہ پیش کیا جاتا ہے اس کے بعد ہر ذریعے کا مختصر طور پر ذکر کیا جائے گا۔

مرکزی حیثیت میں نے علم کو دی ہے۔ درمیانی دائرہ علم کا ہے، اس کے دو حصے کر دئے گئے ہیں، پہلا اشیا کا علم دوسرا لوگوں کا علم۔ اشیا کے علم میں سورج، چاند، ستارے، میز، کرسی، وغیرہ یعنی وہ تمام اشیا جو بچے کے مشاہدے میں آتی ہیں۔ شامل ہیں گویا اس نصف دائرے میں حصول علم سے مراد اُن تمام اشیا کو سمجھنا اور اُن کو تقریر اور تحریر کی



صورت میں دوسروں تک پہنچانا ہے جو اُس کی سمجھ میں آسکتی ہیں۔ مثلاً بچے کو اپنے لباس، اپنی خوراک اور اُن تمام اشیاء کا جو اُس کی ضرورتوں کو پورا کرتی ہیں۔ پورا پتہ ہونا چاہئے۔ دوسرے نصف دائرہ میں حصول علم سے مراد بچے کا اپنی ہستی اور دوسروں کی شخصیت کو پہچاننا ہے، اور اُن فرائض کو سمجھنا ہے جو اُس کے جسمانی اور ذہنی ارتقا کے ساتھ ساتھ اُس پر عائد ہوتے جاتے ہیں۔ اس علم میں تاریخ، ہندسہ، مذہب، وطنیت اور قومیت وغیرہ بھی کچھ شامل ہے، اس کے ساتھ ہی ساتھ ایک اور بات کی تشریح ابھی ضروری ہے جو علم کے اِن دونوں حصوں پر محیط کئے ہوئے ہے، یہ علم اخلاقیات ہے۔ اور اس کو عملی طور پر جانے بغیر ہماری تعلیم بیکار اور حصول تعلیم کے ذرائع بے سود ہیں۔ اخلاقیات کی تعلیم سے نہ صرف ہم بچے کی انفرادی اصلاح کرتے ہیں بلکہ جب وہ اجتماعی زندگی میں قدم رکھتا ہے، تو اس کے اثرات اور بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔

پہلے پہل امریکہ میں یہ خیال تھا کہ اگر تمام قوم کو خواندہ بنا دیا جائے تو قوم اچھی بن سکتی ہے، لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ مہذب قسم کے ڈاکو یونیورسٹی کے گریجویٹ تھے۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ اُن کی تعلیم میں اخلاقیات کو دخل نہ تھا۔ ہندوستان میں تو خاص طور پر اخلاقیات کی تعلیم کی ضرورت ہے، جہاں قوم اپنی ہیئت بدلنے کے درپے ہے بلکہ یوں کہیے کہ مجبور ہے۔ مثال کے طور پر ایک استاد بچے کو مچھروں کے متعلق پڑھاتا ہے۔ اُس کے طریقہ تعلیم میں کوئی خوبی نہیں سمجھنی چاہئے، جب تک کہ اُس کا اثر بچے پر نمایاں نہ ہو یعنی طالب علم کو ملیریا کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے بعد خود بھی اس سے بچنے کی تدابیر اختیار کرنا چاہئیں اور اپنے ہمسایوں کو بھی بتانا چاہئے کہ وہ اس مہلک مرض سے کیونکر بچیں۔ کوئی شخص کتنا ہی پڑھا لکھا اور سوجھ بوجھ رکھنے والا کیوں نہ ہو کبھی اچھا کام نہیں کر سکتا اگر اُس میں ایثار، قربانی اور محبت کی رُوح نہیں ہے۔

آپ کسی گاؤں یا شہر میں جائیے۔ آپ کو پڑھے لکھے لوگوں کے ایسے بہت سے مکان ملیں گے جو اندر اور شاید باہر بھی گندے ہونگے اور آپ یہ بھی دیکھیں گے کہ بعض پڑھے لکھے امیر آدمیوں کے گھر بہت آراستہ اور صاف ستھرے ہیں لیکن اُن کے غریب پڑوسیوں کے مکان نہایت بوسیدہ اور گندے ہیں، آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ ان دونوں قسم کے لوگوں کی تعلیم کا آخر فائدہ کیا ہے۔ پہلے قسم کے لوگوں نے ہزاروں اُصول حفظانِ صحت کے پڑھے، صفائی پر نظمیں زبانی یاد کیں، دیواروں پر لگے ہوئے صفائی کے چارٹوں کو اپنے نامۂ اعمال کی طرح سیاہ کیا، لیکن پھر بھی ان پر اثر نہ ہوا۔ دوسرے قسم کے لوگوں نے سب کچھ پڑھا، لکھا لیکن صرف اپنے لئے۔ اپنا معیار زندگی اتنا اونچا کر لیا کہ بیچارے پڑوسی اپنی کٹیا میں طاعون کے مرض سے تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ اُن کے دل میں یہ حسرت ہی رہی کہ اے کاش وہ پڑوس کے صاحب بہادر کے کتے ہی ہوتے یا پڑوس کے سیٹھ صاحب کے سانڈ ہی ہوتے کہ بیٹھے بٹھائے خدمت ہوتی اور پیٹ بھر کر کھانے کو تو ملتا۔ یہ ہے ہماری تعلیم کا اثر جس سے اخلاقیات کو جان بوجھ کر الگ کر دیا گیا ہے، حالانکہ اس کا وسیع دائرہ دنیا بھر کے تمام علوم کو محیط کئے ہوئے ہے۔ مہاتما گاندھی فرماتے ہیں کہ جو لوگ گاؤں میں کام کریں اُن کی پادریانہ رُوح ہونی چاہئے، جس سے مراد یہ ہے کہ وہ بنی نوع انسان کی خدمت کو خدا کی خدمت سمجھیں پس اخلاقیات کی تعلیم اتنی زیادہ ضروری ہے کہ وہ کبھی حالت میں الگ نہیں کی جاسکتی۔

(باقی آئندہ)

(بسلسلہ صفحہ ۶)

ہیں۔ یہی ہوا۔ کہتے ہیں کہ بہت پرانے وقتوں میں یہاں ایک بہت بڑا شہر تھا۔ ایک دفعہ وہاں بھونچال آیا اور وہ شہر زمین کے نیچے دب کر برباد ہوگیا۔ جو چیزیں کھدائی کے بعد وہاں ملی ہیں، ان سے اس علم کے جاننے والوں نے نتیجہ نکالا ہے کہ وہ اب سے پانچ ہزار سال پہلے کی ہیں، جب کہ دُنیا کے اکثر دیسوں میں لوگ جنگلی جانوروں کی طرح غاروں میں یا درختوں پر رہتے تھے۔

اب تمہیں معلوم ہوا کہ ہمارے دیس میں کتنے پرانے زمانے سے کتائی اور بنائی کا کام ہوتا چلا آیا ہے اور اس وقت لوگ کتنے اچھے ڈھنگ سے رہتے تھے اور کتنی اچھی چیزیں بناتے اور برتتے تھے۔ ان کا شہر اور گھر کیسا اچھا تھا۔ اگر تم چاہو تو اُن کے گھر کا نمونہ خود اپنی اینٹیں تیار کرکے بنا سکتے ہو۔

سب بچے۔ ہاں ماسٹر صاحب۔ ہم گھر ضرور بنائیں گے۔

میں نے پھر بچوں کو اینٹیں بنانے کے چھوٹے چھوٹے سانچے دے۔ ان سے مٹی تیار کروائی۔ اینٹیں بنوائیں انہیں بھٹی میں پکوایا اور پھر موہنجدڑو کے گھر کا ایک نمونہ تیار کروایا۔ اس کام میں بچوں نے بہت دلچسپی لی۔

"کمال"

نوٹ۔ یہ سبق سماجی علم کے نصاب سے متعلق ہے۔

"مدیر"

فہرست مضامین

اطلاع

۱۔ خریداروں کو چاہئے کہ خط و کتابت کے وقت ریپر پر پتے کے ساتھ دئے ہوئے نمبر خریداری کا ہمیشہ حوالہ دیں۔ ورنہ مطلوبہ کارروائی کرنے میں دشواری ہوگی۔

دفتر "نئی تعلیم" جامعہ نگر دہلی

پرنٹر و پبلشر:۔ حامد علی خاں   مطبوعہ جید برقی پریس   مدیر: سلامت اللہ

نئی تعلیم

جلد ۳، نمبر ۸ | جامعہ نگر (دہلی) اگست ۱۹۴۱ سنہ عیسوی | قیمت سالانہ عہ

پلانی کا بنیادی مدرسہ

قصبہ پلانی برلا خاندان کی جنم بھوم ہے۔ یوں تو اس کی آبادی پانچ ہزار سے زیادہ نہیں ہے، لیکن برلا ٹرسٹ نے اسے راجپوتانے میں تعلیم کا ایک اچھا مرکز بنا دیا ہے۔

برلا بنیادی مدرسے کی بنیاد ۱ جولائی ۱۹۳۹ء کو رکھی گئی۔ ارادہ یہ تھا کہ اس میں بنیادی تعلیم کے پورے سال کے نصاب کا تجربہ کیا جائے اور مدرسے کو خود پرور بنانے کی کوشش کی جائے۔ لیکن افسوس ہے کہ کئی دشواریوں کی وجہ سے ہمارا یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا۔ سب سے بڑی دشواری تو یہ ہے کہ جیپور ریاست کے محکمے نے ہمیں دو سے زیادہ بنیادی تعلیم کے استاد باہر سے بلانے کی اجازت نہیں دی ہے، اس لیے ہمیں اپنے مدرسے کے ہی استادوں سے کام لینا پڑتا ہے، جو بنیادی تعلیم کے اصولوں سے بالکل ناواقف ہیں

جن دنوں ہم نے یہ تجربہ شروع کیا، راجپوتانے میں بڑے زور کا قحط پڑ رہا تھا۔ برلا خاندان کی طرف سے مدرسے کے بچوں کے لیے کھانے اور کپڑے کا انتظام کر دیا گیا۔ اس لیے بچوں کی تعداد دو سو پچاس تک پہنچ گئی۔ لیکن ۱۹۳۹ء کے آخر میں بارش ہو جانے سے حالت بدل گئی اور دیوالی تک بچوں کی تعداد صرف آدھی ہی رہ گئی۔

انہیں بچوں کو لے کر ہم نے ۱۹۴۰ء میں پھر نئے جوش سے کام شروع کیا۔ اور پہلے دو درجوں میں بنیادی نصاب جاری کر دیا۔ باقی درجوں میں ریاست کے تعلیمی محکمے کا نصاب چالو ہے۔

ہمارے مدرسے کے بچے کتائی، بنائی اور کھیتی باڑی کا کام کرتے ہیں۔ مدرسے کا وقت آٹھ گھنٹے رکھا گیا ہے، جس میں کل ملا کر چودہ پیریڈ ہوتے ہیں۔ کام کے بیچ میں بیس بیس منٹ کے تین وقفے ہوتے ہیں۔ دستکاری کے لیے ڈیڑھ گھنٹہ، کھیتی باڑی کے لیے ڈیڑھ گھنٹہ اور باغبانی کے لیے آدھا گھنٹہ دیا جاتا ہے۔ پہلے چار درجوں میں صرف کتائی یا بنائی کا کام سکھایا جاتا ہے۔ باغبانی سب کے لیے لازمی ہے، لیکن کھیتی باڑی صرف تیسرے سے ساتویں درجے تک کے بچوں سے کرائی جاتی ہے۔

بچے ہوسٹل کی صفائی کرتے ہیں، برتن صاف کرتے ہیں اور اپنے لیے کھانا بھی خود ہی پکاتے ہیں۔ چودہ سال کا بچہ تیس تیس منٹ کے دو پیریڈ میں پانچ سیر آٹے کی روٹیاں تیار کر لیتا ہے۔ اسی عمر کے دو بچے تیس تیس منٹ کے تین پیریڈ میں تیس پینتیس بچوں کے لیے کھانا تیار کر لیتے ہیں۔ پہلے تین درجوں کے بچوں کو کھانا پکانے میں مدد دینے کے لیے ایک نوکر بھی دے دیا گیا ہے۔

سردیوں میں کھانا پکانے کے لیے دن کے کام سے الگ وقت دیا جاتا ہے۔ لیکن گرمیوں میں صبح کھیتی باڑی کے پیریڈ میں ایک ایک ٹولی کھانا پکاتی ہے۔ شام کو کھیل کود ہوتے ہیں۔ والی بال، باسکٹ بال وغیرہ کے علاوہ ایسے بھی کھیل کھلائے جاتے ہیں جن میں کسی خاص سامان کی ضرورت نہ ہو۔ بچے صبح پانچ بجے اٹھتے ہیں اور رات کو دس بجے سو جاتے ہیں۔ دن میں انہیں تین گھنٹے چھٹی دی جاتی ہے۔

حالانکہ ہم اپنے مدرسے میں پوری طرح بنیادی تعلیم کے نصاب پر عمل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے ہیں، لیکن ہم نے مدرسے کے سب کاموں میں بنیادی تعلیم کی اسپرٹ کو قائم رکھا ہے۔ مربوط پڑھائی کا ریکارڈ ہم نے نہیں رکھا ہے، لیکن دستکاری کے کام کا ریکارڈ ٹھیک طرح رکھا گیا ہے۔ ان ریکارڈوں سے پتہ لگتا ہے کہ بچوں میں نیچے لکھی اچھائیاں پیدا ہوئی ہیں

(۱) مختلف ذاتوں کے بچوں میں دوستی اور اچھے تعلقات
(۲) بات چیت کی ایک زبان
(۳) محنت کی عزت اور ہاتھ کے کام سے پریم
(۴) ذات پات کے خیال کا خاتمہ

بنیادی تعلیمی نمائش

جامعہ نگر دہلی

یوں تو ہمارے ملک میں دوسرے ترقی یافتہ ملکوں کی طرح تعلیمی انفرنسیں آئے دن ہوا کرتی ہیں اور اپنے بحث و مباحثہ اور تجویزوں کے ذریعے تعلیم کے مختلف پہلوؤں کو بہتر بنانے کی کوشش کرتی ہیں، لیکن ان تعلیمی کانفرنسوں میں بہت ہی کم ایسی ہوتی ہیں، جن میں تعلیمی نمائش کا بھی انتظام کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ ان کے مقاصد کے لئے تعلیمی نمائش غیر ضروری ہے یا یہ کہ وہ اس کی اہمیت کو محسوس نہیں کرتے۔ لیکن تعلیم کی ہر تجرباتی اسکیم کے لئے ضروری ہے کہ وہ تمام لوگ، جن سے اس کا تعلق ہے، جب ایک جگہ اکٹھا ہوں، تو نہ صرف اپنے اپنے تجربوں سے ایک دوسرے کو آگاہ کریں، بلکہ انہیں ایک دوسرے کے عملی کام کے نمونے دیکھنے کا بھی موقع ہو، تاکہ یہ چیز صاف طور پر ان کے سامنے آجائے کہ اس اسکیم پر کہاں تک عمل کیا جا رہا ہے اور وہ کتنا آگے بڑھی ہے۔ اس سے نہ صرف یہ فائدہ ہوگا کہ لوگ اچھے نمونوں کو اپنا کر اپنا آئندہ کا کام بہتر بنانے کی کوشش کریں گے، بلکہ اس سے کانفرنس کے بحث و مباحثہ میں بھی بڑی مدد ملے گی۔ چونکہ ہماری بنیادی تعلیم کی اسکیم بھی تجرباتی حیثیت رکھتی ہے، اس لئے ضروری ہے کہ جہاں اس پر سوچ بچار کرنے کے لئے کانفرنس بلائی جائے، وہاں اس سے متعلق ایک تعلیمی نمائش کا بھی انتظام کیا جائے۔ چنانچہ امسال جب بنیادی تعلیم کی دوسری سالانہ کانفرنس جامعہ نگر میں کی گئی، تو اس کے ساتھ ایک تعلیمی نمائش بھی رکھی گئی، جس کے متعلق چند ضروری باتیں نیچے درج کی جاتی ہیں۔

اس نمائش میں بنیادی تعلیم سے متعلق تقریباً بھی بڑے بڑے اداروں نے حصہ لیا۔ اس میں کشمیر، جموں، جامعہ ملیہ اور پٹنہ کے بنیادی مدرسے اور استادوں کے مدرسے، اور پلانی، رانپور، سیواگرام، سیوانی اور اودھا کے مدرسے شریک تھے۔ ان کے علاوہ گاندھی آشرم ریوڑا اور مکتبہ جامعہ نے بھی اس میں حصہ لیا تھا۔

ہم نمائش کی چیزوں کو چار حصوں میں تقسیم کریں گے۔

(۱) بچوں کا کام، جس میں دستکاری، ڈرائنگ اور دوسرے کام مثلاً مٹی کے کھلونے بنانا، کاغذ تراشی وغیرہ، زبانی انشاء کسی موضوع کے متعلق بچوں کے بنائے ہوئے جملے۔ اول جماعت کے بچوں کے لئے یہ کام بہت ضروری ہے، کیونکہ وہ لکھنا نہیں جانتے اور تحریری کام شامل ہیں۔ (۲) استادوں کا کام، جس میں سبقی اشارات (ڈائری)، مفرد توضیحات Concrete Illustrations اور دستکاری کے نمونے شامل ہیں۔ (۳) حرفوں سے متعلق اوزار، سامان، چارٹ وغیرہ اور (۴) تعلیم سے متعلق عام چارٹ، نقشے، ماڈیل وغیرہ۔

نمائش گاہ کے پہلے کمرے میں کشمیر اور جموں کا سامان تھا۔ اس میں بچوں کی دستکاری کے اچھے اچھے اور خوبصورت نمونے تھے جنہیں دیکھ کر تعجب ہوتا تھا کہ وہ بچوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ خاص کر گبے اور لکڑی کا کام بہت عمدہ تھا۔ اس میں بچوں کے ماحول کا اثر نمایاں معلوم ہوتا تھا۔ کشمیر پرانے زمانے سے اپنی دستکاریوں کے لئے مشہور رہا ہے۔ کشمیری بہت اچھے کاریگر ہوتے ہیں۔ ان کے بچے اپنے گھروں میں، دستکاری سے متعلق بہت سی باتیں سیکھ لیتے ہیں۔ اس لئے جب وہ مدرسے میں آتے ہیں، تو دستکاری اُن کے لئے کوئی نئی چیز نہیں ہوتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بہت جلد اچھی اچھی چیزیں بنانے لگتے ہیں۔ بڑے بچوں کے تحریری کام کے نمونے بھی اچھے تھے۔ ان میں یہ دکھانے کی کوشش کی گئی تھی کہ کبھی دستکاری کے ذریعے بچے کیا کیا سیکھتے ہیں، گویا کہ ان میں ربط کا طریقہ واضح کیا گیا تھا۔ لیکن چھوٹے بچوں کے کام کے نمونے بہت کم تھے۔ کچھ تصویریں بھی دیواروں پر لگی ہوئی تھیں۔ یوں تو وہ اچھی تھیں، لیکن بنیادی تعلیم سے ان کا کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا تھا۔

استادوں کے کام کے نمونوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ بنیادی تعلیم کی اسکیم کو سمجھ بوجھ کر عمل میں لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ استادوں کے تیار کئے ہوئے سبقوں کے نمونے اور بچوں کے حرفے کے ریکارڈ تعلیمی اعتبار سے سراہنے کے قابل تھے۔

حرفوں سے متعلق اوزاروں میں دو خاص قسم کے چھوٹے چرخے قابل ذکر ہیں۔ یہ بہت ہلکے، کم جگہ گھیرنے والے، سادہ اور خوبصورت تھے۔ مختلف ڈزائنوں کے اونی اور سوتی کپڑے بھی دیکھنے کے قابل تھے۔

دوسرے کمرے میں جامعہ کے مختلف مدرسوں کا کام دکھایا گیا تھا۔ اس کمرے کو مختلف دستکاریوں میں کام آنے والے اوزاروں کی گتے پر کٹی ہوئی رنگ برنگی تصویروں کے ذریعے سجایا گیا تھا، جس سے اندر داخل ہوتے ہی یکدم محسوس ہوتا تھا کہ یہ بنیادی تعلیم کی نمائش ہے۔ اس میں ابتدائی مدرسے کے بچوں کی بنائی ہوئی گتے کی چیزیں مثلاً البم، فائل، بلاٹنگ پیڈ وغیرہ تھیں۔ یہ چیزیں خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ کارآمد بھی تھیں۔ بچوں کی ڈرائنگ کے نمونے اور کاغذ کی چیزیں بھی عمدہ تھیں۔ جماعت دوم کے بچوں کا بنایا ہوا موہنجو داڑو کے ایک مکان کا ماڈیل خاص کر قابل ذکر ہے۔ اسے دیکھنے سے ہندوستان پانچ ہزار سال پہلے کی تہذیب کا کچھ اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ جماعت سوم کا ایک قلمی رسالہ تعلیمی اعتبار سے بہت اچھا تھا، جس میں انہوں نے اپنے ایک تعلیمی سفر کے حالات لکھے تھے۔ جماعت چہارم کے بچوں نے اسکیمو کی زندگی سے متعلق کافی مواد جمع کیا تھا، جسے ایک خوبصورت

رسالے کی شکل میں پیش کیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ کئی ایک ماڈیل بھی تھے مثلاً اسکیمو کے گھر کا اور جانوروں کے ماڈیل

استادوں کے مدرسے کے طلبہ کے تیار کیئے ہوئے مربوط سبق، جو چھوٹی چھوٹی کتابوں کی شکل میں پیش کئے گئے تھے، خاص توجہ کے مستحق تھے۔ ان میں یہ دکھانے کی کوشش کی گئی تھی کہ اول جماعت کے کل نصاب کو مربوط طریقے سے کیونکر پڑھایا جا سکتا ہے۔ مختلف سبقوں سے متعلق توضیحی سامان (Illustrative Material) خاصی مقدار میں جمع کیا گیا تھا اور وہ اچھا تھا۔ ان کے دستکاری کے نمونے بھی اچھے تھے۔ یہاں جامعہ کے ثانوی مدرسے (Secondary school) کی دستکاری کا بھی سامان تھا۔ لڑکوں کی بنائی ہوئی فاؤنٹین قلم کی روشنائی، مچھر بھگاؤ تیل، ویسلین، منجن اور لکڑی کی چھوٹی چھوٹی میزیں وغیرہ سبھی صاف ستھری اور اچھی تھیں، لیکن بنیادی تعلیم سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

کتائی کے شیڈ (Shed) میں اس دستکاری سے متعلق کافی سامان تھا۔ مختلف قسم کی کپاس کے نمونے، کتائی اور دھنائی کے عمل سے متعلق چارٹ اور تصویریں (جن میں دکھایا گیا تھا کہ یہ کام کیسے کرنے چاہئیں)۔ کپاس کی پیداوار کے نقشے اور کتائی کے مالی پہلو کو ظاہر کرنے کے لئے چارٹ اور تصویریں وغیرہ سب چیزیں سبق آموز تھیں۔ اسی کے پاس دوسرے شیڈ میں گتے اور لکڑی کے کام سے متعلق چارٹ تھے۔ اور وہاں ابری بنانے کا مظاہرہ (Demonstration) بھی کیا گیا تھا۔

تیسرے کمرے میں کئی بنیادی مدرسوں کا سامان تھا۔ جامعہ ملیہ کے تعلیمی مرکز (قرول باغ) کے بچوں کا کام خصوصاً اُن کی بنائی ہوئی ابریاں اور گتے کی چیزیں بہت خوبصورت اور اچھی تھیں۔ انہیں دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ وہ بچوں کی بنائی ہوئی ہیں۔ اول جماعت کے بچوں کی زبانی انشا کی ترتیب خاص ذکر کے مستحق ہیں۔ استادنے بچوں کے جملوں کو خوبصورت خط میں لکھوا کر کتاب کی شکل میں رکھا تھا۔ یہ کام استادوں کے لئے بہت اہمیت رکھتا ہے، لیکن اکثر اس کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ بہت سے استاد یہ سمجھتے ہیں کہ انشا کا کام اس وقت تک شروع نہیں کیا جا سکتا جب تک بچہ اچھی طرح لکھنا نہ سیکھ جائے۔ لیکن یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ بچوں کو شروع سے ہی اپنے خیالات آزادانہ طور پر ظاہر کرنے کا موقع دینا چاہئے۔ اگر استاد ان خیالات کا ریکارڈ رکھے، تو اسے بچوں کی سوجھ بوجھ اور پہنچ کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔

اسی کمرے میں تین اور مدرسوں کا سامان تھا۔ چلانی کے مدرسے کے بچوں کی دستکاری کے نمونے بہت عمدہ تھے۔ ان میں ایک دری تھی، جو نہ صرف خوبصورت تھی بلکہ مضبوط بھی تھی۔ دستکاری کا باقاعدہ ریکارڈ دکھایا گیا تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہاں کے استادوں نے اس کام کو بہت سنجیدگی اور نیک نیتی سے کیا ہے۔ دوسرے بنیادی مدرسوں کو بھی اس طرف خاص توجہ دینی چاہئے۔ رامپور ڈسٹرکٹ کونسل کے بنیادی مدرسوں کے سوت کی بنائی ہوئی رنگین اور سادی کھادی دیکھ کر اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اتنے کم وقت میں دستکاری نے کیسی تعجب خیز ترقی کر لی ہے۔ اگر سات آٹھ سال کے بچوں کے کاتے ہوئے سوت سے اچھا اور مضبوط کپڑا بن سکے، تو بڑی کامیابی سمجھنی چاہئے۔ اس کے پاس ہی بنیادی مدرسہ سیوا گرام کا سامان تھا۔ اس مدرسے کے کتائی کے چارٹ خاص کر قابل توجہ تھے۔ ان میں سال بھر کے کام کا ماہواری ریکارڈ دیا ہوا تھا۔ ہر ماہ کتنا سوت تیار ہوا، کتائی کی اوسط رفتار کیا تھی، کتائی اور دھنائی سے کتنی آمدنی ہوئی وغیرہ باتیں بہت احتیاط اور خوبی سے دکھائی گئی تھیں۔ اس سے بنیادی دستکاری کے مالی پہلو پر خاصی روشنی پڑتی تھی۔ پہلے درجے کے بچوں کے کاتے ہوئے سوت کی اچھی، مضبوط اور خوبصورت کھادی بھی رکھی ہوئی تھی۔

ان مدرسوں کے علاوہ اسی کمرے میں سیونی کے مشقی مدرسے Practising school اور میرٹھ ٹریننگ سینٹر کا سامان تھا۔ سیونی کے مدرسے کے سوت اور کھادی کے نمونے اچھے تھے۔ میرٹھ سینٹر کے کچھ استادوں کی بنائی کاغذ کی جلدیں (Book craft) اور مٹی کے برتن خاص طور پر دیکھنے کے قابل تھے۔

چوتھے کمرہ میں اودھا کے بنیادی مدرسہ کا سامان تھا۔ اس میں بچوں کے کاتے ہوئے سوت کے نمونے، اپنے عجائب گھر کے جمع کی ہوئی چیزیں مثلاً چڑیوں کے پر، رنگ برنگے پتھر، پیڑوں کے پتے، ڈاک کے ٹکٹ وغیرہ، اور اُن کا تحریری کام تھا۔ یہ سب باتیں اس بات کا ثبوت تھیں کہ وہاں تعلیمی کام بہت سوچ سمجھ کر باقاعدگی کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔

استادوں کے تیار کئے ہوئے ربط کے کچھ چارٹ بھی تھے، جن میں یہ دکھانے کی کوشش کی گئی تھی کہ نصاب کے مختلف حصوں کو کس طرح مربوط کیا جا سکتا ہے۔ پڑھانے میں مدد کے لئے کچھ توضیحی سامان بھی تھا، جس سے پتہ چلتا تھا کہ استادوں نے اپنے آرٹ کے مختلف پہلوؤں پر بہت توجہ، وقت اور طاقت صرف کی ہے۔

دوسری منزل پر پہلے کمرے میں گاندھی آشرم رنیوا، پٹنا ٹریننگ اسکول اور اس کے مشقی مدرسے کی نمائش تھی۔ گاندھی آشرم رنیوا میں مختلف دستکاریوں پر اس خیال سے تجربے کئے جا رہے ہیں کہ کون سی دستکاریاں تعلیمی، مالی اور فنی نقطۂ نظر سے مدرسوں میں جاری کی جا سکتی ہیں۔ اس میں چمڑے، گتے، لکڑی اور سوت کی چیزیں تھیں۔ یہ سبھی چیزیں اپنی اپنی جگہ بہت خوبصورت اور کام کی تھیں۔ ان میں آرٹ کو کافی دخل تھا، لیکن اصل بات جو ہمیں دیکھنا ہے، وہ یہ ہے کہ کیا یہ دستکاریاں ہمارے بچوں کی تعلیم کا ذریعہ بن سکتی ہیں اور اگر ایسا ہو سکتا ہے، تو پھر کیا ہمارے بچے دوسرے تعلیمی کاموں کا نقصان کئے بغیر ویسی ہی صاف اور خوبصورت چیزیں تیار کر سکتے ہیں۔ یہ بات تو صرف تجربے سے ہی معلوم ہوگی۔ ہر حال ہمیں اس ادارے کا مشکور ہونا چاہئے کہ وہ ایک ایسا کام کر رہے ہیں جس سے ہم اپنے تعلیمی کام میں فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

پٹنا اسکول کی گتے اور کاغذ کی چیزیں، سوت اور کھادی، گھاس اور کھجور کی ٹوکریاں، دھنکنے کے لئے سرکنڈے کی چٹائیاں وغیرہ ایسی چیزیں تھیں جنہیں دستکاری کا اچھا نمونہ کہا جا سکتا ہے۔ بچوں کا تحریری کام استادوں کے سبقی اشارات (Lesson-notes) اور

صحت و صفائی کے چارٹ بھی تعلیمی نقطہ نظر سے اچھے تھے۔

اوپر والے دوسرے کمرے میں مکتبہ جامعہ کی شائع کی ہوئی کتابوں کی نمائش تھی۔ اس میں کچھ کتابیں بنیادی تعلیم سے متعلق بھی تھیں۔ ہمارے ملک میں بچوں کے لٹریچر کی بڑی کمی ہے۔ اس کمی کو مکتبہ پورا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ چنانچہ نمائش میں اس قسم کی بہت سی کتابیں موجود تھیں، جو خاص کر بچوں کی دلچسپیوں کا خیال رکھتے ہوئے لکھی گئی ہیں۔

پس اس نمائش سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ بنیادی تعلیم کی اسکیم اور بہت سی اسکیموں کی طرح محض ایک ذہنی چیز نہیں ہے۔ بلکہ اس اسکیم کے ماتحت کام کرنے والوں نے اپنی سوجھ بوجھ اور ضروریوں کے مطابق اسے عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی ہے۔ جو چیزیں اس نمائش میں ہونی چاہئے تھیں وہ قریب قریب سبھی موجود تھیں۔ ہاں تعلیم سے متعلق عام چارٹ اور نقشے وغیرہ ضرور کم تھے۔ مثال کے طور پر نمائش میں ایسے چارٹ اور نقشے نہیں تھے جن پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہو جاتا کہ ہمارے ملک کی یا مختلف صوبوں کی موجودہ تعلیمی حالت کیا ہے، حکومت کے دوسرے محکموں کے مقابلے میں تعلیمی محکمے پر کتنا روپیہ خرچ کیا جاتا ہے۔ دوسرے ترقی یافتہ ملکوں میں ان کی حکومتوں کا تعلیم کے معاملہ میں کیا رویہ ہے۔ وغیرہ

یوں تو نمائش کا انتظام بہت اچھا تھا یعنی اس میں چیزیں قرینے سے لگی ہوئی تھیں اور انھیں دکھانے اور سمجھانے کے لئے موزوں آدمی مقرر تھے، لیکن دیواروں پر لگے ہوئے چارٹ، تصویریں اور نقشے مختلف سائز کے تھے، اور اس وجہ سے حسن آرائش میں کچھ کمی سی محسوس ہوتی تھی۔ اگر وہ ایک ہی سائز کے ہوتے، تو ان کے لگانے میں آسانی ہوتی، بہت سی جگہ بیکار خالی نہ رہتی اور یکسانی کی وجہ سے وہ دیکھنے میں بھی بھلے معلوم ہوتے۔ آئندہ نمائش کے موقع پر انتظام کرنے والوں کو اس طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ دوسری بات جس کا ہمیں خیال رکھنا چاہئے، یہ ہے کہ نمائش دیکھنے کے لئے خاص وقت معین ہونا چاہئے۔ امسال کانفرنس کا کام کچھ اس طرح پھیلا ہوا تھا کہ دن بھر میں مشکل سے ہی کوئی وقت نمائش دیکھنے کے لئے ملتا تھا۔ چنانچہ کانفرنس ختم ہونے پر جب کاکا کالیلکر انتظام کرنے والوں کا شکریہ ادا کرنے کے لئے کھڑے ہوئے، تو انہوں نے اس بات کی طرف نہایت اچھے انداز میں اشارہ کیا تھا۔ انہوں نے کہا نمائش اتنی دلکش تھی اور اسے دیکھنے کے لئے اتنا کم وقت دیا گیا تھا کہ ہماری حالت اس بھوکے جیسی ہو گئی تھی، جس کے سامنے بڑھیا مٹھائیوں سے بھری ہوئی تھالی رکھی گئی ہے، لیکن کھانے کی اسے ممانعت ہے۔ اس لئے آئندہ سے کانفرنس کے پروگرام میں نمائش دیکھنے کے لئے روز ایک گھنٹہ خاص طور پر رکھا جانا چاہئے۔

اس کے علاوہ ایک بات اور ہے جس کا تعلق اتنا نمائش کا انتظام کرنے والوں سے نہیں ہے جتنا کہ ان اداروں سے ہے، جو نمائش میں شریک ہوتے ہیں۔ جو لوگ نمائش دیکھنے آتے ہیں، وہ سب کے سب ہندی اور اردو دونوں رسم الخطوں سے واقف نہیں ہوتے ہیں۔ اگرچہ ہم اس بات کو مانتے ہیں کہ بنیادی تعلیم کا کام کرنے والوں کے لئے ان دونوں رسم الخطوں کا جاننا بہت ضروری ہے، لیکن انھیں سیکھنے میں کچھ وقت لگے گا۔ اس لئے موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے تمام اداروں کو جو نمائش میں شریک ہوتے ہیں، اپنی چیزوں پر ہندی اور اردو دونوں میں سرخیاں لکھوا کر لانا چاہئے، تاکہ انھیں دیکھنے اور سمجھنے میں کسی کو دشواری نہ ہو۔ اس معاملہ میں جامعہ ملیہ نے قدم بڑھایا۔ چنانچہ اس ادارے کی بھیجی ہوئی تمام چیزوں پر ہندی اور اردو دونوں میں سرخیاں دی ہوئی تھیں، جس سے وہ لوگ بھی جو اردو رسم الخط سے اب تک واقف نہیں ہیں کم از کم یہ بات تو آسانی سے سمجھ سکتے تھے کہ وہ چیزیں کس بات سے متعلق ہیں۔ دوسرے اداروں کو بھی اس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

"سلامت اللہ"

نئی تعلیم

(گزشتہ سے پیوستہ)

اصول ربط (Correlation) سے تمام مضامین کیسی رنگین کس قدر جاذب بنت میں کاڑھ دئے گئے ہیں۔ اب درس کے مضامین علحدہ علحدہ پیوند نہیں ہوں گے جو ایک فقیر کے مانگے ہوئے چغہ کی طرح ہوتے ہیں جن پر رنگ برنگ کی ٹکڑیاں لگی ہوتی ہیں یہ ایک پوشاک ہوگی جو بچے کے ذہنی اور اخلاقی بالا پر راست آ سکے گی۔ تعلیم کے مضامین الگ الگ ڈبوں میں بند اور مفید نہ ہوں گے۔ جہاں وہ ندی کے پیچھے چھوڑے ہوئے پانی کی طرح علحدہ علحدہ گڑھوں میں پڑے سڑ رہے ہوں۔ علم ایک لہراتا ہوا۔ ٹھاٹھیں مارتا ہوا دریا ہوگا تازگی اور شادابی کا نشان لیتا ہوا۔ زندگی اور حرکت کا پیغام دیتا ہوا۔ مگر اس سے بھی زیادہ اہم یہ ہے کہ بچہ ہر صنعت و حرفت کے معاشی اور اخلاقی پہلوؤں کو پہچان لے گا۔ بچہ ہر پیشہ اور ہر پیشہ ور کی اہمیت کو جان جائے گا۔ وہ سمجھے گا کہ ہر ادنے سے ادنے پیشہ ور ایک جز و لاینفک ہے سماجی تعمیر کا اس کے بغیر سوسائٹی کا ایوان شو نا نہیں نامکمل ہے بدصورت نہیں بے ڈول ہے جس امیر کے بچہ نے رندہ چلاتے ہوئے اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھا ہے، وہ دوسری بار جب ایک بڑھئی کو کام کرتے دیکھے گا۔ تو اس کا دل چاہے گا کہ وہ اس کھردرے ہاتھ کو عزت سے چومے جس پر ایک مشقت کی زندگی نے تقدیر کی گہری لکیریں کھینچ دی ہیں، اور جب ایک غریب بچہ اپنے پیشہ میں داخل ہوگا تو وہ اس کی پوری سماجی اور معاشی اہمیت کو سمجھے گا۔ وہ اپنا مقصد آپ ہوگا۔ وہ دوسروں کا آلہ کار نہ ہوگا۔ وہ جان لے گا کہ وہ بھی سماجی مشین کا ایک پرزہ ہے لیکن نہایت اہم پرزہ۔ پرزہ کیا وہ سماجی جسم کا ایک عضو ہے وہ جسم جو خود اپنے فعل کا شعور رکھتا ہے اور اپنے تعلقات کا دوسروں سے بھی۔

جہاں تک مادری زبان کا تعلق تھا آپ نے اس کا پورا پورا حق ادا کیا۔ آزاد ہندوستان میں آزاد شہری کے لئے آزادانہ اظہار رائے

کی ضرورت ہے بدقسمتی سے مدتوں ہمیں اپنی مادری زبان میں قوت اظہار سے محروم رکھا۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے بولنے والے گونگے ہمارے سننے والے بہرے۔ ہمارے دیکھنے والے اندھے ہو گئے۔ آپ کی نئی کتابوں میں ہندوستان کے بے زبان طبقے نے (اور بے زبان جانوروں میں ہی نہیں ہوتے۔ انسانوں میں بھی ہوتے ہیں) زبان پائی ہے۔ ان کے کان ایک نئی صدا سننے کے لئے تڑپ رہے ہیں۔ ان کی آنکھوں کے سامنے ایک نئی دنیا آگئی ہے یہ کتابیں صحیح معنوں میں عوام کے لئے ہیں۔ ان کے دکھ درد کی سچی تصویر ہیں۔ ان کی زبان میں لکھی گئی ہیں۔ اور انہیں ہی پڑھائی جائینگی۔ ہندوستان کی تعلیمی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ مادری زبان باندی نہیں رہی۔ پھر رانی بن گئی ہے اور وہ باندی جو رانی کی جگہ چھین کر خود رانی بن بیٹھی تھی اس جرم میں ملک بدر کر دی گئی ہے۔ شاید یہ سزا تو کچھ زیادہ ہی سخت ہے۔

پھر ایک آزاد ہندوستان کی آزاد شہریت پر ایک نئے رنگ میں زور دیا گیا ہے۔ اب بچوں کو اہلکاروں کے حقوق نہیں جتائے جائینگے بلکہ قومی خدمت گاروں کے فرض بتائے جائینگے تاریخ ہندوستان کے نصاب کا وہ تاریک کونہ جس میں Civics کے چند حقائق سمٹے رہتے تھے۔ اب کتاب میں بند نہ رہے گا بلکہ ہمارے گاؤں اور شہر کی زندگی میں قوت عمل کی تازہ زور و شور دے گا۔ آپ کے ہاتھوں کا نکلا ہوا طالب علم میرے ٹکٹ گھر کے سامنے اپنا جسمانی تطابق ر اس ڈھنگ سے نہ کرے گا کہ ایک کی کہنی دوسرے کی پسلی میں اور دوسرے کا گھونسا پہلے کی ناک میں ہو۔ میرے خیال میں جس دن ہم ایسے موقعوں پر اپنی باری کے لئے انتظار کرنا سیکھ جائینگے۔ اس دن ہمیں اصلی سوراج حاصل ہو جائے گا۔

مگر دوستو! جیسے ایک دولھا کے بغیر بارات بے رونق نہیں بے معنی ہوتی ہے اچھے تربیت یافتہ استادوں کے بغیر یہ اسکیم بھی ناکام رہے گی۔ اب تک استاد تعلیمی بارات کا مشعلچی رہا ہے۔ اس کی حیثیت ایک تماشا دکھانے والے Window dresser کی رہی ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میر انشا کے کسی دوست نے دربار لکھنؤ سے خفا ہو کر دکن کا ارادہ کر لیا انشا کو نواب سعادت علی خاں سے انکا جذبہ ظاہر کرنا تھا۔ عرض کرنے لگے حضور آج عروس دولت کو دیکھا کانوں میں دو بندے جگمگ جگمگ کر رہے تھے۔ وہ کون؟ دونوں صاحبزادے گلے میں چندن ہار دمک رہا تھا وہ کون؟ وزیر۔ مگر ماتھے پر جو نظر جاتی ہے تو کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ اللہ سہاگ قایم رکھے۔ (اپنے دوست کا نام لے کر) وہ کہیں نظر نہیں آتے۔ تو میرے دوستو! اس بنیادی اسکیم کے سہاگ کو قائم رکھنے والے تم ہی ہو۔

ایک اچھے استاد کے بغیر سارے تعلیمی منصوبے بیکار رہ جاتے ہیں۔ سب اسکیمیں اکارت رہ جاتی ہیں تمام مدرسے فضول ہوتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ نئی تعلیم کی کامیابی حرفے کو صحیح طریق سے پڑھانے میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ نئی تعلیم کی کامیابی ربط کے اصول میں ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ اس کامیابی کا راز اگر کسی چیز میں پنہاں ہو سکتا ہے تو وہ استاد کے جوش و خروش میں۔ اس کے ولولے میں ہے۔ اس تڑپ میں ہے جو ایک استاد اپنے کام کے لئے اپنے دل کی گہرائیوں میں پاتا ہے۔ ان بچپن کے جذبات اور تاثرات میں ہے جو اب تک اس کے دل میں خوابیدہ ہیں اور جنہیں ایک اچھے مدرسہ کا ماحول بیدار کر سکتا ہے۔

تم دل میں ضرور کہتے ہو گے کہ خوب یہ حضرت تو اچھے خاصے سرمایہ دار ہیں علمی لحاظ سے بھی اور مالی لحاظ سے بھی۔ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو زندگی کی کشمکش سے کسی نہ کسی ترکیب سے بچ نکلے ہیں۔ خود کنارے پر ہیں۔ بیم موج اور گرداب حائل کا منظر دیکھ رہے ہیں اور ہمیں نصیحت کرتے ہیں کہ تم اسی کشمکش میں رہو۔ اسی زندگی کے گندے جوہڑ میں کیچڑ اچھالتے رہو۔ میرے عزیزو میں اس قصور کا اعتراف کرتا ہوں۔ اگرچہ میں باہر کھڑا ہوں۔ مگر میرا دل احساس کرتا ہے اس گرانمایہ کشمکش کا جس میں تم مردانہ وار ہاتھ بٹا رہے ہو۔ تم مجاہد ہو۔ ایک خاموش انقلاب کے مردانہ وار مجاہد۔ اگر محمل زندگی گراں ہے تو حدی کو لہک لہک کر اور تیز پڑھو۔ اگر جام حیات تلخ کام ہے تو اس میں تھوڑی سی تندی اور شامل کر لو۔

اگر اس ادارے سے واپسی پر سماج تمہاری خاطر خواہ قدر نہ کر سکے تو دل شکستہ نہ ہونا۔ ہماری سماج وہ سماج ہے جس میں تعلیم کے سبھی پہلوؤں پر قیمت لگا دی جاتی ہے قیمت کیا اکثر سٹہ بازی کر دی جاتی ہے مگر اس کی اصل غایت پر ایک کوڑی بھی نہیں دی جاتی۔ آہستہ آہستہ ہمارے سماج میں بھی اقداری تبدیلیاں ہوتی جا رہی ہیں۔ اس ماحول میں بھی نگاہیں آہستہ آہستہ اصلی قیمت کی طرف اٹھنے لگی ہیں۔ تصنع اور بناوٹ کے ڈھکنے جو سرمایہ داری اور استعمار پسند حکومت نے ہماری آنکھوں پر چڑھا دئے تھے اترتے جاتے ہیں۔ لوگ آہستہ آہستہ انسان کو اپنے اصلی رنگ میں پہچاننے لگے ہیں۔

میرے دوستو! سماجی دھلائی سے استاد کبھی گھبرائے نہیں ہیں انہیں ان کا رنگ تو پرانی عہد مغلیہ کی چھینٹ کا سا ہے جو جتنا دھلتا جائے اتنا نکھرتا آتا ہے۔ دوسرے نقلی رنگ آہستہ آہستہ پھیکے پڑتے جائینگے۔ بالآخر چھٹ جائینگے۔ گو زمانہ تمہارے کام کی قدر زیادہ کرتا جائیگا اپنے کام کو اردگرد ماحول معیاری رہے تو جا بجا تابندہ ہونے والی نسلیں تمہارے کارناموں پر فخر کرینگی اور تمہارا شوق اور ولولہ وہ تابندہ جوہر ہوگا جس سے مدرسے کی فضا جگمگا اٹھے گی۔

مدرسے کی فضا! یہ فضا ہی تو وہ اسپرٹ ہے جو انسان دیکھتا نہیں لیکن محسوس کرتا ہے۔ ایک ادارہ ہوتا ہے جس میں انسان سانس لیتا ہے تو گھبراہٹ سی ہوتی ہے معلوم ہوتا ہے کسی قصاب خانے کی سی بو باس ہے۔ دوسرا ادارہ ہوتا ہے جس میں انسان محسوس کرتا ہے کہ بجلی کی سی لہریں دوڑ رہی ہیں۔ اس میں حرکت ہے۔ آزادی ہے۔

میرے عزیزو! یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ تمہیں اب ادارہ کام کرنے کے لئے ملا ہے جس کا بنیادی اصول آزادی و ضبط ہے۔ جہاں اس غلامستان میں بھی کم از کم چند سال بچہ آزادی کی ہوا میں سانس لے سکتا ہے۔ یہاں استاد اس مالی کی طرح ہے۔ جس کا بلند تخیل ہمیں کنڈرگارٹن (بچوں کا باغ)، میں فروبل نے دیا تھا۔

استاد ایک تخلیقی مالی ہے۔ اس کے جماعتی باغ میں ہر قسم کے پودے ہیں۔ کچھ گہرے شوخ رنگ کے ہیں۔ کچھ ہلکے رنگ کے ہیں۔ بعض کا قد لمبا اٹھتا چلا گیا ہے۔ بعض کا میلان پھیلاؤ کی طرف بڑھتا چلا گیا ہے

جیسے باغ جہاں کے مالی نے ہر پھول کی خود آبیاری کی، ہر اچھا باغبان پودے کی انفرادیت کا خیال رکھتا ہے۔ اس کے لیے صحیح قسم کی غذا۔ دھوپ اور ہوا پہونچاتا ہے، تاکہ وہ زندگی کی تڑپ جو اس میں پنہاں ہے پوری آب وتاب سے پھوٹ کر نکلے مگر اس کے ساتھ ساتھ اسے یہ بھی دیکھنا ہے کہ یہ پودا باغ کے اس گوشے میں لگے جہاں اس کا رنگ دوسروں سے ہم آہنگ ہو۔ جہاں اس کی لہک سے پورا باغ زیرائی قالین کی بہار دے سکے۔

تو میرے عزیزو تمہیں بھی ایسا ہی بننا ہے۔ تمہیں بھی زندگیوں کی تعمیر کا کام کرنا ہے۔ ایسی زندگیاں جو اپنے آپ میں بھی پوری نشو ونما پائیں اور اس کے ساتھ ساتھ سماجی زندگی میں بھی پورا حصہ لیں۔ سماجی باغ میں ان کا رنگ دوسروں کے رنگ کو اور بھی چمکا دے۔ ان کی مہک کو اور بھی مہکا دے۔

اور یہ نہ سمجھ لینا کہ اس معاملہ میں تم سب کچھ دینے والے کھونے والے ہو۔ نہیں۔ تم پانے والے بھی ہو۔ کیا باغ کی رنگینی سے مالی کے دل پر اچھا اثر نہیں پڑتا؟ کیا ایک آرٹسٹ ایک نقش کی تکمیل کر کے خود بھی اخلاقی اور ذہنی لحاظ سے ترقی نہیں کر جاتا۔ کرتا ہے اور ضرور کرتا ہے۔ میرے عزیزو! معلمی بھی تمہاری زندگی پر ایسا ہی اثر کرے گی۔ علم تدریس میکانکی سائنس نہیں۔ یہ ایک آرٹ ہے اگر تم بچوں کو زندگی دوگے۔ اگر تم اپنے دہکتے ہوئے شعلے سے ان کے انفرادیت کے چراغ کو جلاؤ گے تو اس کے ساتھ ساتھ تمہارا شعلہ بھی اور بھڑکے گا۔ استاد کبھی بوڑھا نہیں ہوتا۔ اس کے پاس ازلی اور ابدی نوجوانی کا یہی گر ہے۔ میرے دوستو! آج بھی میں جب کبھی بچوں کو پڑھاتا ہوں تو بعد میں اکثر محسوس کرتا ہوں کہ میرا تخیل ضرور کچھ نہ کچھ پہلے سے بلند ہوگیا۔ ذہنی اور جذباتی زندگی کے بعض ایوان جو اب تک مجھ پر بند تھے کھل گئے۔ ہر سبق کے بعد میں محسوس کرتا ہوں کہ مجھ میں ضرور کوئی نہ کوئی بہتر تبدیلی آگئی ہے۔

میرے عزیزو! میری دعا ہے کہ تم کامیاب استاد بنو۔ تم ایک مزدور ملک کے مزدور استاد ہوگے، ایک مزدوروں کی تعلیمی اسکیم کے مزدور معمار ہوگے تمہاری ناکامی میں اسکیم کی ناکامی اور تمہاری کامیابی میں اسکیم کی نہیں ملک اور قوم کی کامیابی کا راز چھپا ہے۔

عبدالغفور
معلم ٹریننگ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

نئی تعلیم کے چند پہلو

(گذشتہ سے پیوستہ)

حساب کا لکھنا اور پڑھنا پرائمری اسکولوں میں خاص طور سے سکھایا جاتا ہے۔ اگر ہم اپنے خاکے کو غور سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ یہ تینوں ذریعے کل ذرائع کا صرف چوتھا حصہ ہیں اور اگر بڑے دائرے کے تمام ذریعے بھی اس میں شامل کر لیے جائیں، تو ان تینوں کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی۔ یہ میں نہیں کہتا کہ ان کی اہمیت کچھ نہیں۔ اہمیت بہت کچھ ہے اور ان پر عمل کیے بغیر بہت سے کام ادھورے رہ جاتے ہیں، لیکن اس پر ہی تمام وقت صرف کر دینا مناسب نہیں ہے۔ یہ غلط فہمی عام طور پر دیکھنے میں آئی ہے کہ استاد لکھنے پڑھنے اور حساب ہی کو تعلیم سمجھتے ہیں۔ ان کا سکھانا بجائے خود تعلیم نہیں ہے۔ بلکہ وہ تعلیم حاصل کرنے کے ذریعے ہیں۔ ہماری نشو ونما میں ہزاروں جبلی طاقتوں اور بہت سی غیر شعوری کیفیتوں کو دخل ہے اور ان کی بتدریج ترقی اور تسکین کے لیے ہم کو ہر ممکن ذریعہ عمل میں لانا چاہیے۔ کیا ضروری ہے کہ ہم اسی ڈھرے پر چلتے چلے جائیں، جو آج سے ایک صدی پہلے کسی اور ہی غرض سے ہمارے لیے تجویز کیا گیا تھا۔

تعلیم کے دوسرے ذریعے ہیں دیکھنا، سننا، ڈرامہ، انشا پردازی وغیرہ حصول علم کے لیے۔ ان ذریعوں کو عمل میں لانا بہت ضروری ہے اوپر کا سب سے بڑا دائرہ اندرونی دونوں دائروں سے زیادہ اہم ہے۔ انسانی زندگی پر ان امور کا زیادہ اثر پڑتا ہے

اشتراکِ عمل کی ضرورت بچوں کو شروع ہی سے محسوس کرانی چاہیے اور تعلیم کے دوران میں بہت سے ایسے مواقع بہم پہونچانا چاہئیں کہ اس کی مشق ہو جائے۔ ذیل میں ایک بچے کی تحریر مثال کے طور پر پیش کرتا ہوں جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اشتراکِ عمل نے بچے پر کیا اثر کیا۔ وہ لکھتا ہے۔ " گتے کا کام بھی عجب چیز ہے، دو گھڑی مل بیٹھتے ہیں۔ کچھ سیکھتے ہیں کچھ سکھاتے ہیں۔ آپس کا میل جول بھی بڑھتا ہے۔ کبھی کہا ابھی تمہاری قینچی لے رہا ہوں ابھی دے دوں گا۔ کبھی دو ملکر کام کو جلدی نپٹا لیتے ہیں "۔ بچوں کے اندر اس قسم کے احساسات اور جذبات کا پیدا کر دینا ہی صحیح تعلیم ہے

خاکے میں اشتراکِ عمل کے بعد بچے کا رویہ آتا ہے جس سے مراد اس کا طرز عمل ہے، یعنی بچہ جو کام بھی کرتا ہے آیا اس میں سوچ بچار سے بھی کام لیتا ہے؟ کیا وہ پیش بندی کے طور پر پہلے سے کچھ سوچتا ہے؟ کیا وہ اپنی مشکلات کو خود حل کرنے کی کوشش کرتا ہے

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابتدائی تعلیم جسکو اس سے پہلے ہم لوگوں نے ثانوی تعلیم کے لیے محض ایک زینہ قرار دے رکھا تھا۔ بذات خود نہایت اہم ہے اور حقیقت بھی

یہی ہے - ہندوستان میں زیادہ بچے ایسے ہوتے ہیں جو ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدرسہ چھوڑ دیتے ہیں۔ اور چونکہ ان کی تعلیم صحیح طریقے پر نہیں ہوتی ہے اس لئے بہت ہی کم عرصے میں پھر ویسے کورے رہ جاتے ہیں جیسے اسکول میں آنے سے پہلے تھے۔ اُن کو پڑھنا سکھایا جاتا ہے لیکن ان میں پڑھ کر سمجھنے اور پڑھائی کو اپنے طور پر جاری رکھنے کا شوق یا مذاق پیدا نہیں کیا جاتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ پڑھائی ختم کرنے کے تھوڑے عرصے بعد اُن کتابوں کو جو اُن کے اپنے معیار سے بھی پست ہوتی ہیں پڑھ کر سمجھنے کی استعداد نہیں رکھتے۔ گویا فہم و ادراک کی ترقی کو نظر انداز کرتے ہوئے پڑھنے کا مقصد فقط بے سمجھے عبارت کا پڑھنا رہا ہے۔ حساب اُن کی روزمرّہ زندگی سے تعلق نہیں رکھتا۔ ابتدائی تعلیم روز مرہ زندگی میں استعمال نہیں ہوتی، سب مضمون فنی نقطۂ نگاہ سے پڑھائے جاتے ہیں تاکہ مشین کے مانند کام کرایا جائے۔

وہ اشیا جو بڑے دائرے میں ظاہر کی گئی ہیں، سب کی سب پرائمری اسکولوں میں کام میں نہیں لائی جا سکتیں۔ کیونکہ گیارہ سال کی عمر میں بچہ اپنی تعلیم مکمل نہیں کر لیتا، بلکہ اُس کی تعلیم کی صرف ابتدائی منزل طے ہوتی ہے۔ لیکن اِس ابتدائی منزل کے ساتھ ساتھ اُن تمام چیزوں کو جن کا زندگی سے گہرا تعلق ہے عمل میں ضرور لانا چاہیے۔ مدرسین کو اکثر اعتراض ہوتا ہے کہ چھوٹے بچے اِن باتوں کو اچھی طرح سمجھ نہیں سکتے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو ان باتوں کے بتلانے میں عمر کی قید کوئی لازمی شے نہیں ہے۔ مثلاً یہ خیال کرنا کہ اشتراکِ عمل وغیرہ کی مشقیں بچہ ابتدائی مدرسے میں نہیں کر سکتا، بڑی بھری بات ہے بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کو بچے بہت جلد اپنے اردگرد کے ماحول میں سیکھ لیتے ہیں۔ مثلاً طبعی جغرافیہ جو بڑی جماعتوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے چھوٹے بچے بہت آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ اگر وہ بچوں کی ذہنی استعداد کے مطابق پڑھایا جائے اور استاد اپنی عالمانہ قابلیت کا اظہار نہ کرے۔

اِس حیثیت سے ہم تمام مضامین یا تعلیم کے تمام ذرائع کو پانچ حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(۱) صحت (صفائی ستھرائی کا ہر روز معائنہ کرنا، ڈرل اور کھیل کود کے مواقع بہم پہنچانا۔)

(۲) زبان (زبان میں لکھائی، پڑھائی، زبانی اور تحریری انشا پردازی گویا تقریر اور تحریر شامل ہے۔)

(۳) پریکٹیکل آرٹ یا دستکاری۔

(۴) ریاضی جس میں حساب اور جیومیٹری شامل ہے۔

(۵) عام معلومات (اس میں شہریت، روزمرّہ سائنس، تاریخ اور جغرافیہ سب کچھ شامل ہیں)

پہلی چیزیں تعلیم کے ذرائع ہیں۔ لیکن پانچویں یعنی عام معلومات بذاتِ خود ایک علم ہے، اور اس کو حاصل کرنے کے لیے بچوں کی ان بے شمار بڑھتی ہوئی قوتوں سے کام لیا جاسکتا ہے، جن کو نقشے میں دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

"نذیر تحمل"

ربط کا طریقہ

بنیادی تعلیم کو شروع ہوئے تقریباً تین سال ہونے آئے۔ اس دوران میں بنیادی ٹریننگ کالجوں میں کتنے ہی استادوں کو ٹریننگ دی گئی اور بنیادی جماعتوں میں کتنے ہی بچوں نے تعلیم حاصل کی، لیکن ربط کا طریقہ، جس پر کافی بحث و مباحثہ ہو چکا ہے، ابھی تک گرماگرم بحث کا موضوع بنا ہوا ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو سمجھ میں آنے والی چیز ہی نہیں ہے۔ اور کچھ لوگ اسے ہَوّا سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں، "ہم بنیادی تعلیم کو سمجھتے ہیں۔ اس کے مقاصد کو جانتے ہیں۔ نفع بخش دستکاری کے ذریعہ یا دستکاری کے ذریعے، تعلیم کا کیا مطلب ہے، یہ بھی سمجھتے ہیں، لیکن ربط کا طریقہ کیا ہے یہ بالکل نہیں سمجھتے" مجھے اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں معلوم ہوتی۔

نفع بخش دستکاری کے ذریعے تعلیم دینے کے تصور کو سمجھنا ایک چیز ہے اور اس تصور کو عمل میں لانے کی کوشش کرنا دوسری چیز ہے۔ وہ لوگ، جنہیں استادوں کو ٹریننگ دینی پڑتی ہے یا جنہیں تیس بچوں کی جماعت کو پڑھانے میں ربط کے طریقے کا استعمال کرنا پڑتا ہے، اپنے آپ کو ایسے دریا کے کنارے کھڑا ہوا پاتے ہیں، جس کا کنارا کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ لیکن اصل میں انہیں لوگوں کو اپنا کنارا ڈھونڈ کر اس طریقہ کو اچھی طرح سمجھنا ہے، تاکہ وہ اسے کام میں لاسکیں۔ اس طریقہ کو کام میں لانا کٹھن ضرور ہے، لیکن ناممکن نہیں کوری باتوں اور بحثوں کے ذریعہ اس کا علم نہیں ہو سکتا۔ اسے اچھی طرح جاننے اور سمجھنے کے لیے صبر و سکون اور ایمان کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت ہے۔

"ربط" تعلیم کے میدان میں کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ اور ایسا نہ ہونا ہی نئے طریقۂ تعلیم اور عام استاد کی سمجھ کے درمیان ایک دیوار بن گیا ہے۔ ربط کی ایک تعریف استاد کے دماغ میں پہلے ہی سے جڑ پکڑے ہوئے ہے، اس لیے وہ اسے نئی روشنی میں دیکھنے اور سمجھنے کی چاہے جتنی کوشش کرے، پرانی تعریف اس کے خیالات پر اثر ڈال کر سب معاملہ گڑبڑ کر دیتی ہے۔ بنیادی تعلیم کے ربط کو اگر کوئی دوسرا نام دے دیا گیا ہوتا، تو کم سے کم یہ خرابی نہ پیدا ہونے پاتی پرانی تعریف میں ربط کا مطلب سب سے زیادہ خیالات کا باہمی تعلق مانا جاتا تھا۔ خاص کر ابتدائی جماعتوں میں ― اور اس کا استعمال کسی سبق یا موضوع کو شروع کرنے کے لیے کیا جاتا تھا۔ جیسے، گائے کا سبق یا تو ایک جیتی جاگتی گائے کو ہی دکھلا کر پڑھایا جاتا تھا (حالانکہ ایسا بہت کم ہوتا تھا)

بھی ۔ ۔ کر کھلانے یا تصویر کو دکھلا کر کبھی کبھی کسی سبق کے ذریعے ایسی بات بھی سکھائی جاتی تھی، جو اس سبق کے موضوع سے نہ متعلق ہو یا اس سے متضاد ہو۔ کبھی کبھی کسی مضمون کے ایک موضوع سے کسی دوسرے مضمون کے موضوع کو سمجھایا جاتا تھا۔

کچھ لوگوں کا جو بنیادی تعلیم کو ایک نیا طریقہ سمجھتے ہیں، یہ خیال ہے کہ ربط (اپنے پرانے مطلب میں) بنیادی تعلیم میں بالکل کارآمد نہ ہوگا۔ لیکن ایسا خیال رکھتے ہوئے بھی، وہ لوگ استاد کے ہاتھ میں صرف تکلی، چرکھا، کپاس، سوت اور کھادی کی بحث چھیڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بنیادی تعلیم کا ربط یہی ہے۔ یہ بڑی خورانی ہے۔ بنیادی تعلیم میں یہ نیا کسی بھی تعلیم میں ربط کے پرانے مطلب کو بالکل رد کر دینا ممکن نہیں ہے، اور نہ ایسا کیا ہی جائیگا۔

چاروں طرف یہی سوال پوچھا جاتا ہے کہ آخر یہ نیا ربط ہے کیا؟ اس سوال کا سیدھا سادہ جواب یہ دیا جاتا ہے "یہ ربط ہے۔ پڑھائی کے مضمونوں کا دستکاری کے ساتھ، دستکاری کے عملوں کے ساتھ دستکاری کے کام کے ساتھ اور بچے کے طبعی اور سماجی ماحول کے ساتھ ربط" یہ بات ٹھیک تو ہے، لیکن پوری نہیں ہے ایسی موٹی باتوں سے استاد کی تسلی نہیں ہوتی۔ صرف یہ کہہ دینا کہ جب بچے اٹیرن پہ سوت لپیٹ رہے ہوں، تو انہیں گنتی سکھائی جائے اور جب وہ دو دو یا تین تین بچوں کی ٹولیوں کو دستکاری کا سامان بانٹ رہے ہوں، تو انہیں پہاڑے سکھائے جائیں، اس طریقے کے مطلب کو سمجھانے کے لیے کافی نہیں ہے کیونکہ ہمیں تو ہر روز، ہر گھنٹے اور ہر منٹ میں تیس تیس بچوں کی جماعت کو طرح طرح کے مضمون مختلف موقعوں پر پڑھانے کے لیے اس کا استعمال کرنا ہے۔

پڑھانا ایک آرٹ ہے لیکن تعلیمی نفسیات کی اتنی ترقی کے ساتھ یہ ایک سائنس بھی بن گیا ہے۔ اس لیے جب تک کسی طریقہ تعلیم کی نفسیاتی بنیاد مضبوط نہ ہو اور جب تک وہ سائنٹیفک نہ ہو اس وقت تک ہم اسے موزوں نہیں کہہ سکتے۔ اور کوئی بھی طریقہ ٹھوس اور سائنٹیفک تبھی ہو سکتا ہے، جب اس کے پیچھے کوئی اصول ہو۔ نئے طریقہ تعلیم کے بارے میں استاد کو ایسے ہی سائنٹیفک علم کی تلاش ہے اور جب اسی طرح کی کوئی توجیہ کرنے کی کوشش کی جائیگی، تبھی ربط کا اصل مطلب لوگوں کی سمجھ میں آسکے گا۔

عام طور پر ربط کے لیے دو چیزیں ہمیشہ ضروری ہیں۔ ایک تو وہ چیز جسے مربوط کیا جائے اور دوسری وہ چیز جس کے ساتھ مربوط کیا جائے۔ اسی طرح بنیادی تعلیم میں بھی ربط کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں۔ ایک چیز تو وہ جسے ربط دینا ہے، اور دوسری چیز وہ جس سے ربط کی ضرورت پیدا ہو۔ اس دوسری چیز کو بنیادی تعلیم میں موقع کہہ سکتے ہیں۔ بنیادی تعلیم میں موقع اور مربوط کی جانے والی چیز باہمی تعلق شاید اس تعلق سے مختلف نہ معلوم ہو۔ جو ربط کے پرانے طریقے میں اس کے دونوں حصوں میں ہوتا ہے۔ لیکن اصل میں اس ربط اور اس ربط میں فرق ہے۔ اگرچہ یہ فرق اتنا ظاہری شکل میں نہیں ہے جتنا دونوں کے درجے میں۔ بنیادی تعلیم میں یہ تعلق بہت قریبی اور گہرا ہوتا ہے اور لازمی ضرورت کی گانٹھ سے بندھا رہتا ہے۔ اگر بچہ ایک گائے دیکھتا ہے، تو یہ ضروری نہیں کہ اسے گائے کے بارے میں کچھ بتلایا بھی جائے۔ ربط کے پرانے طریقے میں شاید ایسا ربط ٹھیک سمجھا جاتے، لیکن بنیادی تعلیم میں نہیں۔ ہاں، اگر بچہ گائے کو چرا رہا ہو، یا اس کی کچھ سیوا کر رہا ہو، یا اسے مار بھی رہا ہو، تو یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ اسے گائے کے بارے میں کچھ باتیں بتلائی جائیں تاکہ اس کی معلومات بڑھے۔ جو استاد یہ سمجھتے ہیں کہ دستکاری یا بچے کے طبعی ماحول یا سماجی ماحول سے تعلق رکھنے والی ہر چیز تعلیم کا فطری موقع بہم پہنچاتی ہے، وہ غلطی کرتے ہیں۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ وہ اپنی ناسمجھی سے اپنے راستے میں غیر ضروری اور بلا وجہ مشکلیں پیدا کر لیتے ہیں۔ تعلیم کے میدان میں لامحدود ربط نہ تو ممکن ہے اور نہ پسندیدہ ہی۔ ربط موقع کے فطری ہونے پر منحصر ہے اور اس فطری موقع کا پتہ لگانے میں استاد کو اس قریبی اور گہرے تعلق سے مدد ملتی ہے، جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ موقع کا فطری ہونا اس بات میں نہیں ہے کہ کیا دکھائی دے رہا ہے، یا کیا ہو رہا ہے، بلکہ دکھائی دینے والی یا ہونے والی بات، بچے سے نفسیاتی تعلق رکھتی ہے۔ جو موقع بچے کے فکر، ذہن اور جمالیاتی احساس کو بیدار کرنے، وہی فطری کہا جا سکتا ہے۔ فطری موقعے میں یہ خوبی ہونی چاہیے کہ اس سے کچھ ہل چل پیدا ہو اور بچے کی ذہنی فعالی بروئے کار آئے۔

بہت لوگ کہیں گے کہ تعلیمی نفسیات کے لیے یہ بات نئی نہیں ہے۔ ٹھیک ہے۔ یہ نئی نہیں ہے۔ لیکن پھر کیا وجہ ہے کہ نئی نہ ہوتے ہوئے بھی یہ نئی معلوم ہوتی ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی تک اس کی شکل محض اصولی تھی، لیکن اب، جب کہ استاد کو اسے عملی شکل دینی پڑتی ہے، تو یہ اسے ایک بالکل نئی چیز دکھائی دیتی ہے۔ تمام تعلیمی نفسیات اور طریقہ تعلیم کا مقصد ہے "سچی تعلیم دینا"، لیکن عمل میں آج تک تعلیم کا مطلب ہے۔ مضمونوں کی اوپری اور لادی ہوئی تعلیم۔ اپنی جانکاری کی بہ نسبت اپنے کام کا اثر ہمارے اوپر زیادہ پڑتا ہے، اور اس فرق کا سبب ہے اصول اور عمل کے بیچ کھائی۔ لیکن بنیادی تعلیم ایک سچی تعلیم ہے اور پوری شخصیت کی تعلیم ہے۔ اس لیے اس کے اصولوں اور عمل میں کوئی فرق نہیں ہے۔

تعلیم کے اصول بچوں کی نفسیات کی بنیاد پر بنائے گئے ہیں۔ تعلیم کے کچھ طریقے عام ہیں اور کچھ خاص۔ لیکن ہر زمانے، ہر موقعے اور ہر استاد کے لیے موزوں کوئی ایک طریقہ ہو سکتا ہے، اس میں شبہ ہے۔ کسی مضمون کو کس طرح شروع کیا جائے اور کس طرح بچوں کے سامنے پیش کیا جائے یہی طریقہ ہے ہر ایک استاد کا کام کرنے کا اپنا الگ طریقہ ہوتا ہے۔ اس طریقے پر اس کی قابلیت کا، اس کے خیالات کا، اور اس کی معلومات کا اثر پڑتا ہے اور سب سے زیادہ اثر پڑتا ہے تعلیم کے اس مقصد کا، جسے حاصل کرنے کی وہ کوشش کرتا ہے۔

بنیادی تعلیم کا مقصد ہے بچے پر ایک خاص اثر ڈالنا۔ اس اثر کا اندازہ اس بات سے اتنا نہیں ہو سکتا کہ بچے نے بغیر خود تجربہ کیے اور بغیر سمجھے کیا پڑھا اور کیا سیکھا، بلکہ ان باتوں سے ہوتا ہے کہ بچہ کیا کام کرتا ہے، اس کی زندگی کس طرح کی ہے، سائنٹیفک طریقے سے اور صحیح طور پر کام کرنے کے لیے اور اچھی طرح ہنسی خوشی کے ساتھ رہنے کے لیے اسے کس طریقے سے اور کس ڈھنگ سے مدد دی جاتی ہے اور کس طرح اسے آگے بڑھایا جاتا

ہے ۔ جو استاد تعلیم کے اس تخیل میں رنگ گیا ہے اور جو بچے پر اچھا اثر ڈالتا ہے وہ دوسرے سب طریقوں کو چھوڑ کر یقینی طور پر ربط کے طریقے کا ہی سہارا لے گا ۔ یہ فطری طریقہ اس میں سے اس طرح بہہ نکلے گا، جیسے چشمے میں سے پانی بہتا ہے۔

عام ربط اور بنیادی تعلیم کے ربط میں دو صاف فرق ہیں ۔ عام ربط میں تعلیم کے خاص مضمون کی کسی بات کو سمجھانے کے لیے کوئی دوسری بات پڑھائی یا سمجھائی جاتی ہے ۔ لیکن بنیادی تعلیم کے ربط میں اگر کسی بات کو سمجھانا اس لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ اسے سمجھائے بغیر کسی دوسری بات کو سمجھانا ناممکن ہے، تو دونوں باتیں برابر کی اہمیت حاصل کر لیتی ہیں ۔ مثالوں سے یہ بات صاف ہو جائے گی ۔ مان لیجے کہ استاد قطبی علاقوں کا جغرافیہ پڑھا رہا ہے اور طالب علموں کو بتلاتا ہے کہ وہاں سمندر کی سطح پر برف کی پٹڑی جم جاتی ہے ۔ اور پھر یہ سمجھانے کے لیے کہ برف کی پٹڑی کے نیچے کا پانی کیوں نہیں جمتا ۔ وہ پانی کی خصوصیات سمجھاتا ہے ۔ یہاں استاد کیلئے صرف جغرافیے کا موضوع ہی اہمیت کی چیز ہے ، کیونکہ وہ جغرافیہ پڑھا رہا ہے ۔ طالب علموں کو پانی کی خصوصیات تو وہ صرف اسلیے بتاتا ہے کہ اس سے انہیں قطبی علاقوں کا جغرافیہ اچھی طرح سمجھنے میں مدد ملے یہ تو ہوا عام ربط لیکن بنیادی تعلیم کے استاد کی نظر میں جغرافیہ کا موضوع اور پانی کی خصوصیات یہ دونوں برابر کی اہمیت حاصل کر لیں گی ۔ اسی طرح مان لیجے کہ بچہ تکلی پر کات رہا ہے اور اس کا سوت گرمی کی وجہ سے بار بار ٹوٹتا ہے بنیادی تعلیم کا استاد صرف سوت ٹوٹنے کی بات کو ہی اہمیت نہیں دیتا بلکہ موسم کی حالتوں کے علم کو بھی اتنا ہی اہم سمجھتا ہے اور دونوں باتوں کو اس طرح پڑھاتا ہے جیسے ان میں بہت گہرا تعلق ہو

دوسرا فرق تو بہت ہی اہم ہے اور اسی میں بنیادی تعلیم کے ربط کا اصل مطلب چھپا ہوا ہے ۔ وہ یہ کہ بنیادی تعلیم کے اصولوں کے مطابق ربط میں اور عمل اور کام میں زیادہ فرق نہیں ہے ۔ اگر ہم اسے 'ربط' کے بجائے 'کام کر کے سیکھنا' کہیں تو بنیادی مطلب زیادہ اچھی طرح صاف ہو جاتا ہے ۔ کیونکہ ربط کا اصل مطلب تو بد قسمتی سے اب تک کچھ دوسرا ہی سمجھا جاتا رہا ہے ۔ لیکن 'کام کر کے سیکھنا' بھی استاد کے لیے ۔ ایک خاص مطلب رکھتا ہے ۔ اور اس سے بنیادی تعلیم کے ربط کا مطلب پوری طرح ظاہر نہیں ہوتا ۔ یہ تو اصل میں 'کام کر کے سیکھنا' اور کام کر کے سیکھنے میں ایسی کوشش کرتے رہنا ہے جس سے کام کرنے کے اچھے طریقے اور راستے معلوم ہوں اور پھر عملی استعمال کے ذریعے ان میں ہنر مندی حاصل ہو۔

اس بات کو صاف کرنے کے لیے میں کچھ مثالیں دیتا ہوں ۔ سبزی بونے کے لیے زمین کی تیاری کمرے میں سبق دے کر نہیں سکھائی چاہیئے ۔ بلکہ سیکھنے والے سے خود زمین تیار کرانی چاہیئے ۔ اس طرح زمین تیار کرنے میں وہ بہت سی باتیں سیکھے گا ۔ لیکن ساتھ ہی استاد اس کی رہنمائی اس طرح کرتا ہے کہ سیکھنے والے کی معلومات بڑھے اور اس معلومات کے ذریعہ وہ اور بھی نتیجے حاصل کر سکے ۔ اگر استاد خود ہی زمین تیار کر کے بتا دے ، یا صرف ایک ہی بار زمین تیار کی جائے ، تو اس کام سے جو تعلیم حاصل ہو سکتی ہے ، وہ پوری طرح نہ مل پائے گی ۔ کیونکہ یہ کام جتنے فطری موقعے پیش کر سکتا ہے ، اتنے اس حالت میں پیش نہ کر پائیگا ۔ اس لیے یہ ایک ہی کام بار بار فخر اور خودداری کے ساتھ اور سچے کام کی طرح قابلیت ، ہنر مندی اور کفایت کے ساتھ کیا جانا چاہیئے یہ کام اسی اسپرٹ سے کیا جانا چاہیئے ، جس اسپرٹ سے ایک مضمون لکھا جاتا ہے ۔ جسے لکھنے میں لکھنے والا اپنی پوری قابلیت استعمال کرتا ہے اور استاد ہوشیاری سے مشورہ دیتا ہے ۔

اسی طرح مان لیجئے کہ بچہ ایک ہفتہ کی لگاتار کتائی کے بعد یا بہت وقت تک ایک ہفتے میں ایک دن کتائی کر کے کتائی کے سامان اور اوزاروں کے نام سیکھ لیتا ہے ۔ لیکن اس سے نہ تو اس کو تعلیم کے لیے کافی موقعے ملیں گے اور نہ اسے سوچنے ، کام کرنے اور سیکھنے کے سارے مختلف موقعے حاصل ہو سکیں گے ۔ مطلب یہ ہے کہ اس سے بچے کو ہنر مندی اور کفایت کے ساتھ کتائی کا کام کرنے میں مدد نہ ملے گی ۔ اس کے سوا کتائی کے کام سے بچہ صرف یہی نہیں سیکھتا کہ سوت کس طرح نکالا جاتا ہے ۔ یہ چیز تو اس کی تعلیم کا صرف دکھائی دینے والا پہلو ہے اور اس تعلیم کا ایک بہت چھوٹا سا حصہ ہے ۔ کتائی کے کام کے ذریعے بچہ چوکنا رہنا سیکھتا ہے ، ہر کام کو قاعدہ کے ساتھ کرنا سیکھتا ہے ، چیزوں کو فضول برباد کرنا نہیں سیکھتا ۔ اپنے ذہن اور جسم کو کچھ دیر تک لگاتار کام میں لگانا سیکھتا ہے ، حساب کتاب رکھنا سیکھتا ہے ہر بات کو عقل کی کسوٹی پر رکھنا سیکھتا ہے اور ان سب باتوں کے علاوہ اور بھی بہت سی ایسی ہی اہم باتیں سیکھتا ہے لیکن یہ تمام اچھی باتیں وہ تبھی سیکھتا ہے جب وہ برسوں تک ہوشیاری کے ساتھ مختلف موقعوں پر اور ہنر مند استاد کی دیکھ بھال میں کتائی کا کام سیکھتا رہے ۔

ربط کے طریقے سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ استاد اپنے کام کے پروگرام کا ڈھانچہ دستکاری ، جماعت ، مدرسہ سماج اور قدرت سے تعلق رکھنے والی چیزوں کی بنا پر بنائے اور پھر اس کے مطابق قاعدے کے ساتھ خوب لگ کر کام کرے ۔ اگر تکلی سکھاتے وقت "تکلی" پر سبق دے دیا ، تو یہ بنیادی تعلیم کا ربط نہیں کہا جا سکتا ۔ تکلی کے بارے میں مربوط شکل میں بچہ وہی باتیں سیکھتا ہے ۔ جو خود تکلی چلاتے چلاتے اسے معلوم ہوتی ہیں ۔ اسی طرح دستکاری کا حساب لگاتے اور ضروری حساب کتاب رکھنے میں وہ جس حساب کا استعمال کرتا ہے ، صرف وہی حساب وہ مربوط طور پر سیکھتا ہے ، اپنے خیالات ظاہر کرنے کے لیے وہ جو زبان بولتا ہے اور استعمال کرتا ہے صرف اسی زبان کو وہ مربوط طور پر سیکھتا ہے ۔ دوسرے بچوں کے ساتھ وہ سماج کی سیوا کے جو کام کرتا ہے ، صرف وہی سماجی علم کی باتیں وہ مربوط شکل میں سیکھتا ہے ۔

دیکھنے میں تو یہ سب باتیں بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں ۔ لیکن بہت سے لوگ شاید پوچھ بیٹھیں "کیا یہ سب عملی ہیں ؟ دوسرے لوگ شاید پوچھنے لگیں "اگر یہی بات ہے تو بنیادی تعلیم کے نصاب کی ضرورت ہی کیا ہے ؟ اور اگر اس کی ضرورت ہے ، تو جماعتی تعلیم کے پرانے ڈھنگ سے اس کا میل کس طرح ملایا جائے ؟" وغیرہ

(باقی آئندہ)

اُستاد کی ڈائری

کچھ دن ہوئے بچوں نے چھوٹی چھوٹی کیاریوں میں بیج بوئے تھے وہ اپنی اپنی کیاریوں کی لگاتار دیکھ بھال کرتے رہے یہاں تک اب ان میں ہرے بھرے پودے لہلہا رہے ہیں اور پودوں میں رنگ برنگے پھول لگ رہے ہیں۔

میں۔ بچو! تمہاری کیاریاں کیسی بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ چلو! آج انہیں دیکھیں۔

ہری۔ ہاں ماسٹر صاحب! ضرور چلئے۔ دیکھئے ہماری کیاری میں سب سے اچھے پھول ہیں۔

سب بچے باغیچہ میں تیزی سے پہنچ گئے اور لگے اپنی اپنی کیاریاں مجھے دکھانے۔

میں۔ سب کیاریوں میں پودے خوب آگئے ہیں اور اوپر کی طرف خوب پھیلے ہیں۔ لیکن تم میں سے کسی نے یہ بھی دیکھا کہ وہ صرف اوپر کی طرف ہی نہیں بڑھے ہیں بلکہ زمین کے نیچے بھی بڑھ رہے ہیں۔

جگدیش۔ بھلا زمین کے نیچے کیسے بڑھ سکتے ہیں۔ زمین تو ٹھوس ہے۔

میں (ایک پودے کی جڑ کرید کر دکھاتے ہوئے) یہ دیکھو سُتلی جیسی پتلی پتلی چیزیں۔ زمین کے نیچے بڑھ گئی ہیں۔ یہ بھی تو پودے کا ایک حصہ ہیں۔

ہری۔ ہاں ماسٹر صاحب! یہ تو جڑ ہے۔

میں۔ (ایک بڑا پودا اکھاڑ کر دکھاتے ہوئے) دیکھو اس کی جڑ کیسی ہے؟

احمد۔ اس کی جڑ تو بہت لمبی اور پھیلی ہوئی ہے۔

میں۔ اچھا اب پودے کے اس حصے کو دیکھو جو جڑ کے اوپر ہے یہ کیسا لگتا ہے؟

مقبول۔ یہ پتلی چھڑی کی طرح سیدھا ہے۔

میں۔ اس حصے کو تنا کہتے ہیں۔ تمہارے باغیچے میں ایک نیم کا پیڑ ہے۔ اس کا تنا کیسا ہے؟

جگدیش۔ اس کا تنا بہت موٹا اور لمبا ہے۔

میں (تنے کا ایک حصہ دکھا کر جس سے کونپلیں نکل رہی تھیں)، یہ کیا نکل رہا ہے؟

ہری۔ یہ تنے میں سے ایک اور تنا پھوٹ رہا ہے۔

میں۔ ہاں یہ ٹھیک ہے۔ لیکن اسے تنا نہیں کہتے بلکہ شاخ کہتے ہیں (ایک اور بڑا پودا دکھا کر) اس تنے میں کے شاخیں ہیں؟

جگدیش۔ اس میں تین شاخیں نکل رہی ہیں۔

مقبول (کلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) ماسٹر صاحب! یہ گول گول کیا ہے؟

ہری۔ واہ تم یہ بھی نہیں جانتے، یہ کلی ہے۔ اس کے کھلنے تو پھول نکلتا ہے۔

میں۔ (ایک بڑا سا پھول لے کر) اچھا لو اس پھول کی پنکھڑیاں الگ الگ کرو۔ دیکھو اس میں سے کیا نکلتا ہے؟

ہری (پھول کی پنکھڑیاں الگ الگ کرتا ہے۔ نیچے سے ایک گول سی چیز نکلتی ہے)، ماسٹر صاحب! یہ کیا ہے؟

میں۔ اس پھول کا پھل ہے۔

احمد۔ پھر تو ہم اسے کھائیں گے۔

میں۔ نہیں بیٹا! یہ کوئی کھانے کی چیز ہے! اس سے اس پودے کا بیج بنے گا۔ بونے سے پھر پودا اگ آئیگا۔

ہری۔ پھر تو ہمیں یہ پھول حفاظت سے رکھنے چاہئیں۔ اگلے سال ان سے بیج نکالکر پھر بوئیں گے۔

میں۔ ہاں اسی طرح بیج اکٹھے کرتے ہیں۔ اچھا اب یہ بتاؤ کہ تم نے پودے کے کتنے حصے دیکھے؟

مقبول۔ پانچ حصے جڑ، تنا، شاخ، پھول اور پھل

میں۔ اب تم اپنی اپنی ڈرائنگ کی کاپیوں پر ایک پودے کی تصویر بناؤ۔ اور اس کے مختلف حصوں میں مناسب رنگ بھرو۔

سب بچے۔ اچھا صاحب

"کمال"

نوٹ۔ یہ سبق جنرل سائنس کے نصاب سے متعلق ہے

"مدیر"

اطلاع

۱۔ "نئی تعلیم" اردو ہر انگریزی مہینے کی پہلی تاریخ کو جامعہ نگر دہلی سے شائع ہوتا ہے

۲۔ "نئی تعلیم" اردو کا سالانہ چندہ ایک روپیہ چار آنہ ہے اور ایک پرچہ کی قیمت دو آنے ہے۔ سالانہ چندہ پیشگی لیا جاتا ہے

۳۔ ہر پرچہ شائع ہوتے ہی ہوشیاری سے خریداروں کے پاس بھیج دیا جاتا ہے اگر ایک ہفتہ کے اندر پرچہ نہ ملے، تو ڈاکخانے سے دریافت کرکے پھر دفتر کو لکھنا چاہئیے پرچہ نہ ملنے کی پرانی شکایتوں پر دھیان دینا مشکل ہوگا۔

۴۔ خریداروں کو چاہئیے کہ ریپر پر پتے کے ساتھ دیئے ہوئے خریداری نمبر کو ہمیشہ یاد رکھیں اور خط و کتابت کرتے وقت اسے ضرور لکھیں ورنہ ضروری کارروائی کرنا مشکل ہوگا۔

دفتر "نئی تعلیم" جامعہ نگر دہلی

(بسلسلہ صفحہ اوّل)

(۵) خود انحصاری اور خود اعتمادی
(۶) عام معلومات کی ترقی
(۷) سوچ بچار اور برتاؤ کے طریقوں میں تبدیلی
(۸) گھر کے کاموں میں والدین کی امداد کا خیال

ہم اپنے مدرسے کو پوری طرح خود پرور تو نہیں بنا سکے ہیں، لیکن اس سلسلہ میں جو کچھ ہوا ہے اس سے ہمارے دل میں امید کی روشنی پیدا ہوتی ہے اس بارے میں میں یہ صاف کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہمارا "خود پروری" کا تخیل ذاکر حسین کمیٹی کی رپورٹ کے تخیل سے بالکل مختلف ہے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہر ایک طالب علم اپنے کھانے اور پہننے کی ضرورتوں کو اپنی کمائی سے پورا کر سکے "خود پروری" کے اس کام میں ہمارے راستے میں جو جو رکاوٹیں آئیں وہ یہ ہیں

(۱) آندھیاں۔ ان کی وجہ سے سال میں چار مہینے کام بند رکھنا پڑا

(۲) پانی پر خرچ۔ کھیتوں کی سینچائی نل کے کنوئں TUBE WELLS سے ہوتی ہے، جن کے پمپ بجلی سے چلتے ہیں۔ ایک تو یہاں انجن چلانے کا تیل مہنگا ملتا ہے، دوسرے خشکی کی وجہ سے سینچائی بھی زیادہ کرنی پڑتی ہے۔

(۳) کچے مکان۔ ان کی مرمت اور لپائی پتائی میں کافی وقت اور محنت خرچ ہوتی ہے۔

(۴) باہر سے آنے والے مال پر بھاری ٹیکس
(۵) استادوں کی ناتجربہ کاری
(۶) بچوں کی غیر یقینی حاضری

بچوں کے کام اور کمائی کے اعداد و شمار

سال بھر میں دو سو ستر کام کے دنوں میں ستائیس ہزار نو سو گھنٹے ... آٹھ گھنٹے (غیر حاضری کے لیے دس فی صدی کاٹ کر) ۲۷,۹۰۰ گھنٹے

پچپن بیگھے جو یا گیہوں کی کھیتی کے لیے	۴,۰۱۵	"
" " باجرے " "	۴,۴۰۰	"
باغبانی کے کام کے لیے	۱,۹۲۰	"
کل	۱۰,۳۳۵	"
دستکاری کے کام کے لیے بچے	۱۷,۵۶۵	"
باجرے کی فصل سے آمدنی	۲۵۰	روپے
جو " "	۲۵۰	"
سبزی " "	۶۰۰	"
چھ پائی فی گھنٹے کے حساب سے باقی ۱۷,۵۶۵ گھنٹوں میں دستکاری کی ممکن آمدنی	۱۹۲۲	"
کل	۳۰۲۲	روپے
سو بچوں کا تین روپے پانچ آنے چھ پائی فی بچے کے حساب سے نو مہینے کا خرچ	۳۰۱۹	"

(نوٹ) دستکاری کے کام سے چھ پائی فی گھنٹہ آمدنی کا حساب لگایا گیا ہے لیکن ابھی صرف تین پائی فی گھنٹہ آمدنی ہو رہی ہے۔

جیون لال پنڈت

تنقید و تبصرہ

(تبصرہ کے لیے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

Urdu for Adults by S. Saiduzzafar khan — بالغوں کے لیے اردو — مصنف صاحبزادہ سعید الظفر خاں

صاحبزادہ سعید الظفر خاں صاحب ایک عرصہ سے بالغوں کے لیے اردو سکھانے کے طریقہ کا تجربہ کر رہے ہیں۔ یہ کتاب صاحبزادہ صاحب نے اپنی انہیں کوششوں کو انگریزی خواں طبقہ سے متعارف کرنے کے لیے لکھی ہے۔ پوری کتاب میں اردو زبان کے رسم خط، طریق ہجا، حرکات و سکنات اور مختلف صوتی باریکیوں سے اس قدر جزئی بحث کی گئی ہے کہ انگریزی داں تو اس کی واقفیت سے خوش ہوگا اور اردو داں کسی قدر شرمندہ، لیکن ناخواندہ بالغوں کے لیے ان کا علم کہاں تک مفید ہوگا، اس میں ہمیں شبہ ہے۔ اصل یہ ہے کہ زبان سکھانے کے معاملہ میں لوگ ابھی تک اس کے میکانکی طریقہ حصول کے خیال سے باز نہیں آئے ہیں، اور وہ اپنی زبان کا پڑھنا لکھنا سکھانے میں بھی وہی طریقہ اختیار کرتے ہیں، جو غیر زبان سکھانے کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ اپنی زبان جاننے والے کے لیے تو ضرورت ہے کہ ابتدا میں چند موٹے موٹے قواعد بتا دیئے جائیں، پھر انہیں ان لفظوں کا پڑھنا سکھایا جائے، جو وہ جانتے ہیں، اور ان کے جانے بوجھے لفظوں کی مدد سے فقرے اور جملے بتائے جائیں۔ صاحبزادہ صاحب نے اپنے قاعدے میں بہت سے ایسے الفاظ یا ان کے جوڑ استعمال کیے ہیں، جو بہت کم آتے ہیں یا بالکل نہیں آتے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ سب سے پہلے ان الفاظ کا ذخیرہ اکٹھا کیا جائے جو وہ جانتے ہیں اور پھر یہ معلوم کیا جائے کہ کون سے لفظ ان کے استعمال میں زیادہ آتے ہیں اور کون سے کم۔ پھر اس کے بعد بالغوں کی تعلیم کا مسئلہ بہت آسان ہو جائیگا۔ امید ہے کہ صاحبزادہ صاحب کچھ اس طرف بھی کوشش فرمائینگے

کتاب نہایت عمدہ کاغذ پر اور نہایت عمدہ چھپی ہے۔ اس میں کئی ایک چارٹ اور تصویریں بھی ہیں۔ کتاب کے ناشر کتابستان، الہ آباد ہیں۔ قیمت دو روپیہ آٹھ آنے ہے

Primary Education and its Problems — ابتدائی تعلیم اور اس کے مسائل

یہ پٹنہ ٹریننگ کالج بانکی پور کا ماہوار رسالہ ہے جو انگریزی میں نکلتا ہے اس رسالہ میں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے ، ابتدائی تعلیم کے مسائل سے بحث ہوتی ہے ، لیکن اگر یہ رسالہ اردو یا ہندی میں نکلتا تو ابتدائی تعلیم کے کام کرنے والوں کے لیے زیادہ مفید ہوتا ، اور خود رسالہ کو بھی (Neglected child) ہونے کی شکایت نہ ہوتی بسا اوقات خود بچہ میں بھی ایسی باتیں ہوتی ہیں جن سے لوگ اسے نہیں چاہتے رسالہ میں بعض بعض بہت اچھے مضمون ہیں ، مثلاً "ایک نمونے کے مدرسے کی ضروریات" یا "دو استاد والے مدرسے کا نظام اوقات" جس سے ابتدائی مدرسوں کے استاد بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

رسالہ کا سالانہ چندہ صرف عہ/ (دو روپیہ) ہے ، اور ملنے کا پتہ

ٹریننگ کالج ۔ بانکی پور

शिक्षक (معلّم)

یہ رسالہ علی گڑھ کے مشہور تاجر کتب پی ۔ سی ۔ دش شرمی اینڈ کو کے ہاں سے ماہوار ہندی میں نکلتا ہے ۔ اس کا جولائی نمبر تمام بنیادی تعلیم کے لیے وقف کر دیا گیا ہے جس میں مہاتما گاندھی ، ڈاکٹر ذاکر حسین اور بنیادی تعلیم کے دوسرے کام کرنے والوں کے مضامین درج ہیں ۔ اس میں بنیادی تعلیم کی دوسری کانفرنس اور نمائش کے حالات بھی جو جامعہ نگر ، دلی میں ہوئی تھی ۔ نہایت اچھے پیرائے میں درج کیے گئے ہیں ۔ امید ہے کہ اس خاص نمبر کے علاوہ بھی اس رسالہ میں اکثر بنیادی تعلیم کے اصولوں اور تجربوں سے بحث ہوا کرے گی۔

رسالہ کے بعض بعض ہندی مضامین کی زبان بہت مشکل ہے ، جو کاروباری اعتبار سے بھی رسالہ کے لیے مضر ہے ۔ کیا اچھا ہوتا اگر اس کے ساتھ اردو کا بھی حصہ ہوتا ، جو رسالہ کی مقبولیت کو اور زیادہ بڑھا دیتا۔

رسالہ کا سالانہ چندہ ایک روپیہ آٹھ آنے ہے اور ملنے کا پتہ

پی ۔ سی ۔ دواردش شرمی اینڈ کو ۔ علی گڑھ

تعلیم و تربیت :۔ یہ بچوں کا ماہوار رسالہ ہے جس میں کچھ صفحے بڑوں کے لیے بھی ہوتے ہیں۔ رسالہ پنجاب کے مشہور پبلشرز فیروز سنز کی طرف سے شائع ہوتا ہے اور خوش قسمتی یہ کہ اسے ایک لائق تعلیم سے واقف کار شخص ڈاکٹر عبدالوحید ۔ پی ۔ ایچ ڈی (لندن) کی ادارت کا شرف حاصل ہے ۔ عام طور سے بچوں کے رسالوں میں سوائے چند کہانیوں ، لطیفوں اور معموں کے کچھ نہیں ہوتا ، اور ان کا معیار بھی بہت گرا ہوا ہوتا ہے ۔ لیکن اس میں بچوں کی دلچسپی اور ان کے شوق کا ہر طرح سے خیال رکھا گیا ہے اور اس کے ہر ہر مضمون سے بچوں کی نفسیات اور تعلیم کے اصولوں سے پوری پوری واقفیت کا اظہار ہوتا ہے ۔ پرچے کی زبان نہایت صاف اور عمدہ اور انداز بیان بے حد دل پسند ہے ۔ امید ہے کہ اس کے آئندہ نمبر بھی ایسے ہی نکلتے رہیں گے

چندہ سالانہ دو روپے ، اور ملنے کا پتہ :۔

فیروز سنز پرنٹرز اینڈ پبلشرز ۔ لاہور

(س ۔ ا)

تعلیم پر چند قابلِ دید کتابیں

بنیادی قومی تعلیم کا نصاب

ذاکر حسین تعلیمی کمیٹی سے اگر آپ واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کتاب کو ضرور پڑھیے ۔ اصل اسکیم اور نصاب تعلیم انگریزی میں تھا ۔ یہ اس کا اردو ترجمہ ہے قیمت ۸/

ہندی ایڈیشن ۸/ انگریزی ایڈیشن ۸/

کامیاب مطالعہ

مصنفہ سید تجمل حسین ایم اے ۔ بی ٹی ۔ لکچرار ٹریننگ کالج مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

اکثر طلبا مطالعہ کے صحیح طریقے نہیں جانتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ محنت کرنے کے باوجود استاد کو تسلی بخش جواب نہیں دے سکتے ۔ اس میں مدرسین کا بھی قصور ہے کہ وہ طلبا سے یہ امید کرتے ہیں کہ وہ مطالعہ کرکے اور سبق یاد کرکے آیا کریں مگر ان کو مطالعے کے صحیح طریقے نہیں بتاتے ۔ اس میں طلبا کے لیے مطالعہ اور حصول علم کے صحیح اصول بیان کیے گئے ہیں قیمت ۱۲/

فہرست مضامین

بنیادی دستکاریاں اوٹنا دھننا

یہ کتاب دفتر نئی تعلیم دہلی سے شائع کی گئی ہے مصنف نے اختصار کے ساتھ اوٹنے اور دھننے کے بارے میں بہت مفید اور کام کی باتیں بتائی ہیں ۔ کتائی کرنے والوں کے لیے ان کا جاننا ضروری ہے۔

قیمت ۱/

مکتبہ جامعہ

دہلی ۔ نئی دہلی ۔ لاہور ۔ لکھنؤ ۔ بمبئی

پرنٹر و پبلشر حامد علی خاں — مطبوعہ جید برقی پریس — مدیر سلامت اللہ

نئی تعلیم

جلد ۳، نمبر ۹ | جامعہ نگر (دہلی) ستمبر ۱۹۴۱ء | قیمت سالانہ عہ

ٹیگور بہ حیثیت معلم

ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور کا بہ حیثیت شاعر اور ادیب کے آج ساری دنیا ماتم منا رہی ہے، لیکن بہت کم لوگوں نے شاید اس طرف توجہ کی ہو کہ وہ ایک بہت بڑے معلم اور فن تعلیم میں ایک بہت بڑے اصول اور طریقۂ کار کے موجد بھی تھے۔ کہتے ہیں کہ جب رابندر ناتھ ٹیگور نے اپنی عملی زندگی شروع کرنی چاہی تو ان کے والد نے ان سے پوچھا کہ تم کیا کام کروگے، انھوں نے بہت کچھ سوچ بچار کر کہا کہ میں ایک بچوں کا مدرسہ قائم کرنا چاہتا ہوں۔

ٹیگور کی طبیعت شروع ہی سے فطرت کے حسن کی دل دادہ تھی۔ اس کا تقاضا یہی تھا کہ وہ بچوں کی تعلیم کو اپنی زندگی کا شغل بناتے کیونکہ بچے فطرت سے بہت زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ شانتی نکیتن کا ابتدائی مدرسہ ان کی اس خواہش کا نتیجہ ہے جو آج اپنی خوبیوں اور ندرتوں کی وجہ سے تعلیم کے بہترین کام کرنے والوں کے لئے نمونہ اور مثال کا باعث ہے۔

شانتی نکیتن کے اس مدرسے میں بچے مدرسے کی مصنوعی زندگی سے الگ تھلگ فطرت کی آزاد فضا میں رہتے ہیں۔ وہ نہ جماعت کے تنگ و تاریک کمروں میں بیٹھتے ہیں، اور نہ ان کی نشست کے سامان میں شکنجہ نما ڈسک اور بنچیں ہیں، بلکہ اس کے بجائے وہ درختوں کے سائے تلے کھلی فضا میں بیٹھتے ہیں، اور ان کے بیٹھنے کے لئے صرف ایک آسنی ہوتی ہے اور بس۔ بچوں کے سامنے کریہ منظر تختۂ سیاہ کے بجائے ارد گرد پھول پھلواریاں، درخت اور سبزے ہوتے ہیں۔ ان کے لئے بیشتر علم کا ذریعہ ان کے اپنے مشاہدات اور تجربات ہوتے ہیں۔ ان کی تعلیم کا بڑا حصہ گانے، ناچ، آرٹ، سماجی کام اور تعلیمی سیروں پر مبنی ہوتا ہے۔ اظہار جمال بچوں کی تعلیمی زندگی کا سب سے مرغوب شغل ہے اور سماجی زندگی سے وابستگی ان کا سب سے بڑا کام۔ شانتی نکیتن میں بچے اکثر آس پاس کے دیہاتوں میں جاتے ہیں جہاں وہ فطرت کی زندگی سے قرب حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ سماج کی زندگی کا مطالعہ بھی کرتے ہیں۔ وہ اکثر ایسے میلے اور تیوہار مناتے ہیں جن میں اپنے انتہائی اظہار خودی کی نمائش کے پہلو بہ پہلو وہ گرد و نواح کے لوگوں کو بھی مدعو کرتے ہیں۔ اس طرح ٹیگور کا مدرسہ جہاں ایک طرف فطرت سے ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، وہاں دوسری طرف وہ انسانی زندگی سے بھی تعلق رکھتا ہے۔ فطرت اور زندگی کا یہی ملاپ ایک اچھی تعلیم کا سب سے بڑا آدرش یا نصب العین ہو سکتا ہے اور اس حیثیت سے ٹیگور ایک نئے اصول تعلیم اور ایک نئے طریقۂ کار کے بانی کہے جا سکتے ہیں، اور ان کا اس دنیا سے اٹھ جانا ایک بڑے معلم کا گذر جانا ہے۔ دنیائے تعلیم اس نقصان عظیم پر جس قدر ماتم کرے کم ہے۔ آیئے ان کی حیات جاودانی کے لئے ان کے اصولوں اور طریقۂ کار کو زندہ رکھنے کی کوشش کریں۔

سعید انصاری، استادوں کا مدرسہ

شہریت کی تعلیم

(خواجہ غلام السیدین صاحب کے مضمون "Education for Citizenship" سے اقتباس)

اگر کسی فرد کو سماج بہتر بنانے کے کام میں عملی اور تخلیقی حصہ لینا ہے تو اس میں ایک جمہوری حکومت کے آزاد شہری کی تمام خوبیاں ہونی ضروری ہیں۔ سب سے پہلے اسے سماجی ذمہ داریوں کا گہرا احساس ہونا چاہیئے یعنی اسے دوسروں کی بھلائی کا ہر وقت خیال ہونا چاہیئے اور اپنے گرد و نواح کے لوگوں کی زندگی بہتر بنانے کی عملی کوشش کرنی چاہیئے۔ جو شہری یا جو سماج قوم کے ایک بڑے طبقے کی غریبی، جہالت، بیماری اور ناکامی کو اطمینان سے برداشت کرتا ہے، اس میں نہ صرف اخلاقی احساس کی کمی ہے بلکہ وہ اپنے اندر خود اپنی تباہی کا تخم بو رہا ہے۔ دوسروں کی بھلائی کے لئے ہر وقت تیار رہنا اور اپنے ذاتی اور فرقہ وارانہ مفاد کو انسانیت کے عام مفاد پر قربان کر دینا حقیقی شہریت کی صحیح کسوٹی ہے۔ اس بات پر غور کرنا کہ ہمارے تعلیم یافتہ نوجوان اس کسوٹی پر پورا اترنے کے لئے کہاں تک تیار کئے جاتے ہیں، ایک تکلیف دہ امر ہے۔ دوسرے یہ کہ ہمارے اچھے شہری کو سستی کی وجہ سے یا اس لئے کہ وہ اپنے باپ دادوں کی جمع کی ہوئی دولت سے دوسروں کی محنت مشقت پر زندہ رہ سکتا ہے، سماج کے کاموں اور سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہوئے ہچکچانا نہیں چاہیئے۔ اگر ایک فرد سماجی اور تہذیبی ورثے سے جتنا حاصل کرتا ہے اتنا ہی اس میں اضافہ کرنے کی کوشش نہیں کرتا، تو وہ اچھا شہری نہیں کہا جا سکتا۔ اگر وہ ان خدمات اور سہولتوں کے عوض میں کچھ نہیں کرتا، جو اُسے منظم سماج کے ایک رکن کی حیثیت سے حاصل ہیں، تو اس کا وجود ایک طفیلی کیڑے کے مانند ہے اور اس صورت میں یا تو اس کا طبی اور نفسیاتی علاج کرانا چاہیئے یا پھر برنارڈ شا کے محاورے کے بموجب اس کا حساب بے باق کر دینا (liquidate) چاہیئے۔ تیسرے یہ کہ ہمارے اچھے شہری کو اپنی اور دوسروں کی آزادی کا شیدائی ہونا چاہیئے اور یہ صرف اسی وقت ممکن ہے جب کہ اس میں سچی رواداری ہو اور وہ دوسروں کے دیانت دارانہ اختلافات کو بجائے تشدد سے کچلنے کے ٹھنڈے دل سے سمجھنے کی کوشش کرے۔

لیکن آج کی پیچیدہ دنیا میں یہ خوبیاں جو خاص کر اخلاقی اور سماجی ہیں کافی نہیں سمجھی جا سکتیں۔ ان کے علاوہ کچھ ذہنی خوبیوں کی بھی ضرورت ہے۔ تعلیم کے ذریعے فرد میں صفائی سے سوچنے کی صلاحیت اور عادت پیدا ہو جانی چاہیئے کیونکہ بغیر اس کے آزادیٔ رائے ایک مضحکہ خیز چیز ہے، بلکہ کبھی کبھی تو یہ خطرے کا ذریعہ بھی ہو سکتی ہے۔ ہر تعلیم یافتہ شخص کو سماجی معاملوں پر اسی قدر صحت اور صفائی سے غور کرنا چاہیئے جس طرح کہ وہ علموں پر سوچ بچار کرتا ہے۔ اس میں کسی قسم کے تعصب کو جگہ نہیں دینی چاہیئے۔ اس کے علاوہ تعلیم سے فرد میں یہ عادت ہو جانی چاہیئے کہ وہ پروپیگنڈا کے اثرات سے محفوظ رہ سکے، جس نے اپنی موجودہ با اثر اور ہیبت ناک شکل میں سماجی اور سیاسی مسئلوں پر بے تعصبی سے سوچنا تقریباً ناممکن کر دیا ہے۔ ایک اچھے شہری کو پروپیگنڈا کے گہرے اور سرایت کن اثرات سے محفوظ ہونا چاہیئے، اور اس میں خود فیصلہ کرنے کی قوت ہونی چاہیئے۔ آخر میں اسے موجودہ دنیا کے اہم مسئلوں میں زندہ دلچسپی ہونی چاہیئے تاکہ وہ جدید سیاسی، مالی اور دوسری تحریکوں کے میلانات سے بخوبی واقف ہو سکے۔

شہریت کی تعلیم کے ان وسیع معنوں پر روشنی ڈالنے کے بعد جن کا تعلق مقصد سے ہے، اب میں طریقے اور ذریعے بیان کروں گا؛ یعنی یہ بتاؤں گا کہ مدرسے دیس سیوا کے لئے ذہین، ہمت ور اور ذمہ دار شہری پیدا کرنے میں کیا حصہ لے سکتے ہیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اچھے سے اچھا مدرسہ بھی اس معاملے میں ہماری کچھ زیادہ مدد نہیں کر سکتا، اگر اور دوسرے سماجی اداروں کی مجموعی طاقت اس کے خلاف کام کرتی رہے۔ ایسے ملک میں بھلا ہم کس قسم کی شہریت کی توقع کر سکتے ہیں، جہاں تنگ اور تشدد پسند قومیت، فوجی رنگ کا بے جا غلبہ، آزادیٔ خیال کی سرکوبی اور انسانیت کا تمسخر وغیرہ چیزیں روزمرہ کا قانون بن گئی ہوں؟ بھلا مدرسہ کس طرح بربادی اور تاریکی کی ان بے پناہ قوتوں کا مقابلہ کر سکتا ہے؟ لیکن اگر مدرسے کو معقول آزادی دی جائے تو وہ سماجی اور ذہنی خوبیاں پیدا کرنے میں بہت مدد دے سکتا ہے۔ اور مغرب کے ہی نہیں مشرق کے بھی بہت سے ترقی پسند مدرسوں نے اس معاملے میں بہت کامیاب تجربے کئے ہیں۔ لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے مدرسے کی زندگی اور نصاب کی پھر از سر نو تنظیم کی جائے، نیز اس کے کام کو شعوری طور پر ان قدروں کے حاصل کرنے کے قابل بنایا جائے، جن پر سطور بالا میں زور دیا گیا ہے۔ مدرسے کی تنظیم اس طرح کرنی چاہیئے کہ وہاں بچے کے سماجی رجحانات کے استعمال کے لئے کافی موقعے ہوں اور وہاں آزادی کے ماحول میں ذمہ داری کا احساس پیدا کرنے کے لئے کافی گنجائش ہو۔ یہ صرف اسی وقت ممکن ہے جب کہ مدرسے کی تنظیم کی بنیاد خود غرضانہ مقابلے اور میکانکی امتحانوں کے بجائے اشتراکِ عمل پر رکھی جائے۔ مدرسے کو چاہیئے کہ وہ مل جل کر کام کرنے کو اس کامیابی سے اچھا سمجھے جو مقابلے کے ذریعے حاصل کی جاتی ہے۔ رفتہ رفتہ بچوں میں یہ بات پیدا ہونی چاہیئے کہ وہ اجتماعی منصوبوں اور سماجی مقاصد کی تکمیل پر زیادہ خوشی محسوس کریں اور اپنی ذاتی قوت یا قابلیت کے مظاہرے پر کم، اور ثانی الذکر کی قدر و قیمت بھی اس طرح سمجھیں کہ وہ سماج کی سیوا میں کہاں تک استعمال کی جا سکتی ہے۔ مدرسوں میں خود اختیاری حکومت کا قیام جس میں تعاون، ضبطِ نفس اور قوم کا احسان ماننے کی اسپرٹ وغیرہ شامل ہیں، شہریت کی ضروری خوبیاں پیدا کرنے اور انہیں پروان چڑھانے میں بڑی مدد دے سکتا ہے۔ لیکن ان خوبیوں کو مدرسے کی چھوٹی دنیا سے، جو بہرحال کسی حد تک مصنوعی ضرور ہوتی ہے، بڑی

دنیا میں منتقل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ بچوں کو قومی زندگی کے اصلی مسائل اور حالات سے دوچار ہونے کے کافی موقعے دئے جائیں۔ اس مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے بعض مدرسوں نے اپنے طلبہ کی ہمت افزائی کی ہے کہ وہ سماج کا مطالعہ کریں، اپنے شہر، قصبے یا گاؤں کے سماجی، مالی، تعلیمی اور صحت وصفائی سے متعلق حالات کی چھان بین کریں اور مختلف طریقوں سے سماج کی سیوا کریں، مثال کے طور پر بالغوں کی تعلیم کے لئے رات کے مدرسے چلائیں، ہسپتالوں میں جاکر مریضوں کی دیکھ بھال کریں وغیرہ۔ اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ انھیں موجودہ دنیا کے حالات کا سمجھ بوجھ کر گہرا مطالعہ کرایا جائے۔ بحث و مباحثہ اور لیکچروں کے ذریعے بچوں میں ان مسائل سے دلچسپی پیدا کی جاسکتی ہے جو ان کے سامنے ایک شہری کی حیثیت سے بہت جلد آئیں گے۔ لیکن صحیح سمجھ بوجھ صرف اُسی وقت پیدا ہوسکتی ہے جب کہ پورے نصاب کے سارے امکانات جن سے طلبہ کو موجودہ دنیا کے متعلق معلومات حاصل ہوسکتی ہے اچھی طرح استعمال کئے جائیں۔ بعض مضمون اس مقصد کو حاصل کرنے میں خاص مدد کرسکتے ہیں۔ پس تاریخ اس طرح پیش کی جاسکتی ہے کہ اس سے صاف طور پر معلوم ہوجائے کہ انسانی تہذیب و تمدن نے کیونکر ترقی کی ہے۔ اسی طرح جغرافیہ اور خاص کر انسانی جغرافیہ کو ان حالات پر روشنی ڈالنا چاہیے جن کے ماتحت مختلف قومیں زندگی بسر کرتی رہی ہیں اور یہ بتانا چاہیے کہ قدرت کی طاقتوں نے کس طرح انسانی زندگی پر اثر ڈالا ہے۔ سائنس کی تعلیم اس طرح ہونی چاہیے کہ اس سے یہ ظاہر ہو کہ انسان قدرتی طاقتوں پر کس طرح حاوی ہوا، بلکہ اس سے ہر شہری کو صحت عامہ اور جسمانی صحت وصفائی کے متعلق بہت سی مفید معلومات حاصل ہونی چاہئیں۔ ادب، بشرطیکہ اچھا ہو سماجی خوبیوں کو اجاگر کرنے میں بڑی مدد دے سکتا ہے۔ یہاں تک کہ زبان کی پڑھائی بھی، جو خیالات کو صفائی کے ساتھ ظاہر کرنے پر زور دیتی ہے، شہریت کی تعلیم کے لئے بہت مفید ہوسکتی ہے۔

پس میں یہ کہہ کر ختم کرتا ہوں کہ تمام پابندیوں کے باوجود ہمارے مدرسے تندرست، ذہین اور سماجی احساس رکھنے والی نسل کی تربیت کے لئے مؤثر ذریعے ہیں۔ اس نسل کے افراد اپنی صلاحیتوں کے مطابق اپنے ملک اور نوع انسانی کی زیادہ سے زیادہ خدمت کریں گے۔ تہذیب کے سامنے آج ایک بہت نازک مرحلہ ہے۔ کیا تہذیب پھر طفلانہ قسم کے ابتدائی سماجی نظام میں تبدیل ہوجائے گی، جس میں فرد سماج کا ایک معذور اور مجبور رکن ہوگا؟ یا پھر تہذیب انفرادیت کو اس طرح بے لگام چھوڑ دے گی کہ سماجی ربط کی عدم موجودگی میں پھر اسے آخر کار کسی سخت استعمارانہ نظام کے سامنے سر جھکانا پڑے گا؟ ہمیں ان دونوں صورتوں میں سے کسی ایک کو بھی راہ نہ دینی چاہیے۔ میرا خیال ہے کہ شہریت کی صحیح تعلیم کے ذریعے یہ ممکن ہے کہ انفرادیت اور آزادی کی خوبیاں برقرار رکھتے ہوئے انھیں پھلنے پھولنے کا موقع دیا جائے، اور اس کے ساتھ ساتھ ہمارے نوجوانوں میں اتنا گہرا سماجی احساس بھی پیدا کردیا جائے کہ وہ اپنی زندگی سماج کی سیوا کے لئے کریں۔ (ماخوذ از علی گڈھ ٹریننگ کالج جرنل ۴۷-۱۹۴۶ء)

لڑکوں نے دستکاری سے کیا فائدہ اٹھایا؟

عالم باعمل اپنے اور دوسروں کے لئے ایک برکت ہوتا ہے اور عالم بے عمل سوسائٹی پر ایک بوجھ ہوتا ہے۔ سچی تعلیم جو طرفہ نشوونما کا نام ہے۔ ماحول سے یگانگت پیدا کرنا تعلیم کا مقصد ہے۔

خالص کتابی کیڑے پیدا کرنا ناقص تعلیم کا نتیجہ ہے۔ مکمل انسان بنانا نئی تعلیم کی کوشش ہے۔

کتابی کیڑے، یہ بے عمل ڈگری یافتہ نوجوان جو ہاتھ کا کام نہیں جانتے اور اس کی عظمت کو نہیں سمجھتے کس کام کے ہیں؟ وہ اپنی روزی آپ نہیں کما سکتے۔ وہ اپنے اور دوسروں کے اوپر بھاری بوجھ ہیں۔ وہ بے کاروں کی تعداد بڑھاتے ہیں۔ نوکریوں کے پیچھے مارے مارے پھرتے ہیں۔ آبائی پیشوں سے نفرت کرتے اور دور بھاگتے ہیں۔

مگر ہمارے طالب علم ابتدا ہی سے کتابی تعلیم کے ساتھ ساتھ دستکاریاں بھی سیکھ رہے ہیں۔ جو پڑھتے ہیں وہ کرتے ہیں اور جو کرتے ہیں وہ پڑھتے بھی جاتے ہیں۔ اس طرح ان کے ہاتھ اور دماغ دونوں کی ساتھ ساتھ ترقی ہوتی ہے۔ وہ پڑھتے پڑھتے تھک جاتے ہیں تو کام کرنے لگتے ہیں، کام کرتے کرتے اُکتاتے ہیں تو لکھنے پڑھنے لگتے ہیں۔

وہ کیسے اچھے کاریگر ہیں۔ انھوں نے تھوڑے ہی دنوں میں کمال کر دکھایا۔ سوت کاتتے ہیں تو اتنا اچھا کہ مائیں دنگ رہ جاتی ہیں۔ چرخا چلاتے ہیں تو اتنی دھن کے ساتھ کہ بہنیں ہار مان جاتی ہیں۔ کپڑے بنتے ہیں تو اتنے بڑھیا کہ جلاہے شرماتے ہیں۔ لکڑی چیرتے اور سامان بناتے ہیں تو اتنا خوبصورت کہ نجار عش عش کرکے رہ جاتے ہیں۔ کتابوں کی جلد باندھتے ہیں تو اتنی عمدہ کہ جلدساز تعریف کرتے ہیں۔ کپڑے دھوتے ہیں تو اتنے صاف کہ دھوبی واہ واہ کرتے ہیں۔ صابون بناتے ہیں تو اتنے نفیس کہ صابون سازی کے ماہر داد دیتے ہیں۔ غرض کہ ان کا ہر کام اچھا، خوبصورت اور پائدار ہوتا ہے۔

انھوں نے کیسی خوبصورت چیزیں تیار کی ہیں، کیسے عمدہ دستانے، بنیانیں، جرابیں، گلوبند، ازاربند، فیتے، نواڑ، ٹاٹ اور ٹوپیاں بنائی ہیں! صابن تیار کیا تو اپنے کپڑے دھو لئے، دستانے بنائے تو خود استعمال کرلئے۔ کوئی اچھی سی چیز بنائی تو دو چار آنے بھی کما لئے۔ فرصت ملی تو گھر کے کام کاج میں لگ گئے، بے کار وقت نہ گنوایا۔

وقت آنے والا ہے کہ لوگ اپنی ضروریات کی چیزیں بنا کر سماجی کارکردگی میں اضافہ کریں گے۔

لچھمن رینا، کشمیر

استاد کی ڈائری

پودے کے بڑھنے کے لئے ضروری چیزیں

ایک دن جب بچے اپنی کیاریوں میں کام کر رہے تھے تو اُن میں سے ایک لڑکا جمیل میرے پاس آیا اور کہنے لگا "ماسٹر صاحب، میرے ساتھیوں کی کیاریوں میں پودے خوب بڑھ رہے ہیں اور وہ ہرے بھرے دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن میری کیاری میں پودے کچھ مرجھائے ہوئے سے ہیں اور ان کی پتیاں پیلی پڑ رہی ہیں۔ نہ جانے میری کیاری کو کون سا روگ لگ گیا ہے۔"

ہری - واہ یار جمیل! تم اپنی کیاری میں پانی بھی دیتے ہو کہ پودے ہرے بھرے ہی ہوں؟

جمیل - کیوں نہیں۔ جب تم اپنی کیاری سینچتے ہو تو میں بھی سینچتا ہوں۔ دیکھو نہ، میری کیاری میں مٹی اب بھی گیلی ہے۔

میں - ہاں۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ تم اپنی کیاری میں پانی دیتے ہو لیکن صرف پانی دینے ہی سے کام نہیں چلتا۔ اگر تمھیں کوئی صرف پانی ہی پلاتا رہے اور کھانے کو کچھ نہ دے تو کیا تم زندہ رہ سکتے ہو؟

جمیل - نہیں، ہم کھانے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ لیکن ماسٹر صاحب پودوں کی خوراک کیا ہے؟

جگدیش - ماسٹر صاحب نے ایک دن بتایا تو تھا کہ پودوں کی خوراک کھاد ہے اور کہا تھا کہ بیج بونے سے پہلے مٹی میں اچھی طرح کھاد ملا دینا۔

جمیل - میں نے تو اپنی کیاری میں کافی کھاد ڈالی بھی اور اسے مٹی میں خوب ملا بھی دیا تھا۔ پھر میں نے اپنی کیاری بھی ایسی جگہ بنائی ہے جہاں سورج کی تیز دھوپ نہیں پڑتی کہ پودے سوکھ جائیں۔ اس کے ایک طرف دیوار ہے اور دوسری طرف نیم کا پیڑ۔ پھر کیا بات ہے کہ میرے پودے مرجھا رہے ہیں؟

میں - یہی تو تمھاری غلطی ہے کہ تم نے اپنی کیاری سائے میں بنائی ہے۔ جہاں سورج کی روشنی نہ پہنچے اور ہمیشہ سایہ رہے، وہاں پودا اچھی طرح اُگ بھی نہیں سکتا۔

جمیل - کیوں؟ میں تو سمجھتا تھا کہ سورج کی دھوپ سے پودے سوکھ جاتے ہیں۔

میں - یہ بات غلط ہے۔ سورج کی روشنی اور دھوپ پودے کے اُگنے اور بڑھنے کے لئے بہت ضروری ہے۔ جہاں سورج کی روشنی نہیں پہنچتی وہاں چھوٹے چھوٹے کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ پودوں کو کھا جاتے ہیں اور اگر کہیں پودے بچ بھی جائیں، تو وہ پیلے پڑ کر مرجھا جاتے ہیں۔

احمد - روشنی نہ ملنے سے پودے پیلے کیوں پڑ جاتے ہیں؟

میں - تم نے برسات کے دنوں میں آسمان پر دھنک دیکھا ہوگا۔ اس میں کئی رنگ ہوتے ہیں۔ دراصل یہ سارے رنگ سورج کی روشنی کے حصے ہیں۔ پتوں اور پھولوں کے رنگ بھی روشنی کی وجہ سے ہوتے ہیں اگر پودوں کو روشنی نہ ملے تو وہ ہرے نہیں رہ سکتے اور جلد مرجھا کر مر جاتے ہیں۔

جگدیش - پھر تو ہمیشہ کیاریاں کھلے میدان میں بنانی چاہئیں تاکہ پودوں کو کافی روشنی مل سکے۔

میں - صرف یہی نہیں، بلکہ کیاریوں کو کھلے میدان میں بنانے سے ایک اور فائدہ ہے۔ روشنی کی طرح ہوا بھی پودے کے زندہ رہنے اور بڑھنے کے لئے ضروری ہے۔ کھلے میدان میں پودوں کو ہوا بھی اچھی طرح مل سکتی ہے اور روشنی بھی۔

ہری - ماسٹر صاحب، پودے کے لئے ہوا کی کیا ضرورت ہے؟

میں - پرسوں صبح مقبول دھنکی کا کمرہ کھول کر اس میں یکدم گھس گیا تھا تو تم نے دیکھا ہوگا کہ اس کا کیا حال ہو گیا تھا!

ہری - وہ کہتا تھا کہ مجھے بڑی گھٹن سی معلوم ہو رہی ہے۔

میں - لیکن بند کمرے میں گھٹن سی کیوں معلوم ہوتی ہے؟

جگدیش - ہوا کی کمی کی وجہ سے۔ جب ہم اپنی ناک بند کرتے ہیں اس وقت بھی تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دم گھٹ رہا ہو، کیونکہ اُس وقت ہمیں سانس لینے کے لئے ہوا نہیں ملتی۔

میں - ہاں یہی بات ہے۔ جس طرح ہوا کے بغیر ہم زندہ نہیں رہ سکتے اسی طرح پودے بھی اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ پودوں میں بھی جان ہوتی ہے۔ انھیں بھی سانس لینے کے لئے ہوا چاہیئے۔ اچھا، تو اب یہ بتاؤ کہ پودے کے بڑھنے کے لئے کن کن چیزوں کی ضرورت ہے؟

احمد - مٹی، کھاد، پانی، روشنی اور ہوا۔

"کمال"

ربط کا طریقۂ تعلیم

۱۔ نفسیاتی بنیاد

ہر تعلیمی نظام کے دو بڑے حصے ہوتے ہیں، اول نصاب، دوم طریقہ۔ نصاب کا تعلق ماضی کی روایات، حال کی ضرورتوں اور مستقبل کے تقاضوں سے ہوتا ہے اور طریقۂ تعلیم کا انحصار نصاب کی نوعیت کے ساتھ نفسیاتی تحقیق و انکشاف پر۔ چنانچہ جب بھی زمانے کے ہاتھوں زندگی کا خاکہ بدلا تو بیدار قوموں نے نصاب میں بھی ترمیم و تنسیخ لازمی سمجھی، اور اسی طرح جیسے جیسے انسانی ذہن کے متعلق ہماری معلومات حقیقت سے قریب تر پہنچتی گئیں ہمارا طریقۂ تعلیم بھی بدلتا گیا۔ نصاب چونکہ ایک قوم کی تاریخ سے وابستہ ہوتا ہے اس لئے اس میں حدود کو بعض وقت کافی تنگ رکھنا پڑتا ہے۔ لیکن طریقۂ تعلیم کا تعلق انسانی فطرت سے ہے اور انسانی فطرت ہر جگہ ایک واقع ہوئی ہے، اس لئے تعلیمی طریقے بنیادی طور پر زمان و مکان کی قید سے بے نیاز عالمگیر اہمیت رکھتے ہیں۔

ایک زمانہ تھا کہ انسان کے جسم اور ذہن میں وہی رشتہ تصور کیا جاتا تھا جو انسان کے لباس اور جسم میں ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ نہ لباس

جسم کی حالت پر دلالت کر سکتا ہے اور نہ جسمانی حالت لباس کا تعین کر سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تپ دق کے ایک مریض کو ریشم کے کپڑے میسر ہوں اور ہو سکتا ہے کہ ایک اچھی صحت رکھنے والے کو جسم ڈھانکنے کے لئے چیتھڑے بھی نہ مل سکیں۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ جسم اور ذہن دونوں کی تربیت کے لئے الگ الگ تدبیریں اختیار کی جاتی تھیں۔ اور ان تدبیروں کی نوعیت خواہ وہ جسم کے لئے ہوں یا ذہن کے لئے، درزشی ہوتی تھی۔ ذہنی تعلیم کے لئے جو نصاب تھا وہ زندگی کی کسی غرض کو پورا نہیں کرتا تھا۔ اس کا مقصد ذہنی تربیت تھا۔ شعر و ادب کی تعلیم کا مدعا قوت متخیلہ و حافظہ کو اجاگر کرنا تھا اور ریاضی کا مقصد قوت استدلال کی نشو و نما۔ گویا طالب علم ان مضمونوں کو اسی طرح اختیار کرتا تھا جس طرح آپ اپنے جبڑوں کو مضبوط کرنے کے لئے ربڑ چبانا اختیار کر لیں۔

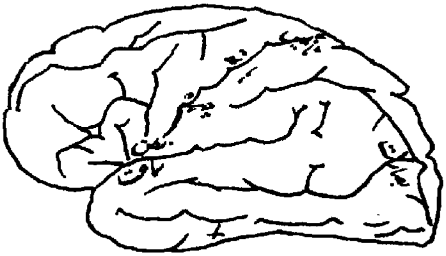
جسمانی تعلیم کا مقصد و مدعا وقت کے ساتھ ساتھ بدلتا رہا ہے لیکن پھر بھی ہمارے وقت سے پہلے اسے ذہنی نشو و نما میں مدد دینے کے خیال سے کبھی اختیار نہیں کیا گیا۔ چینیوں کے یہاں تو ساری تعلیم ذہنی تربیت کے لئے تھی اور وہ بھی یہ ادا لئے ہوئے کہ بچے بغیر سمجھے بوجھے عبارتیں رٹ لیتے تھے اور پھر کتاب بند کر کے استاد کے سامنے تیزی کے ساتھ انھیں دہرا دینا ہی اپنا بڑا ذہنی کمال سمجھتے تھے۔ گویا قوت حافظہ ان کے یہاں ذہانت و فراست کا پیمانہ تھی۔ یونانیوں کے یہاں البتہ نہ صرف ذہنی اور جسمانی تعلیم پر کسی قدر برابر کا زور دیا جاتا تھا۔ بلکہ ذہن اور جسم کے درمیان جو خلیج تھی، اسے بھی بعض وقت پُر کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ چنانچہ ناچ کی ساری اہمیت یہ تھی کہ اس میں ظاہری حرکات کو اندرونی احساسات اور ذہنی کیفیات کا ترجمان بنانے کا امکان تھا۔ لیکن ذرا آگے چل کر انھیں یونانیوں نے جسمانی تربیت کو ایک خالص جمالیاتی رخ دے دیا۔ یونانی نوجوان جسمانی تربیت سے "اخلاقی خوبیاں" پیدا کرنے کے بجائے یہ کوشش کرنے لگے کہ ان کے جسم ظاہری حسن و تناسب میں بس سانچے میں ڈھلی ہوئی چیز بن جائیں۔ ازمنۂ وسطیٰ میں تعلیم کی غرض و غایت "روحانی تربیت" تھی اور گو اس کے ساتھ سینٹ بینیڈکٹ کے احکام کے مطابق سات گھنٹے روزانہ ہاتھ کے کام کا التزام تھا لیکن اس ہاتھ کے کام سے جسمانی نشو و نما کے بجائے ذہن کو برائیوں سے محفوظ رکھنا مقصود تھا۔ نشاۃ ثانیہ میں جسمانی تربیت پر پھر زور دیا جانے لگا۔ پوپ ثانی کا فرمان تھا "تمھاری تعلیم کا یہ لازمی جزو ہوگا کہ تم کمان اور نیزے کا استعمال سیکھو، گھوڑے کی سواری، کودنا اور تیرنا جانو۔ یہ چیزیں نہایت باعزت ہیں اور معلم کے دائرۂ عمل سے باہر نہیں۔ چھوٹے بچوں کو کھیل بھی سکھائے جائیں اور یہ ان کے روزمرہ کے کام کا جزو ہونا چاہئیں۔" ہمارے زمانے سے قریب تر جان لاک یہ عقیدہ لے کر پیدا ہوئے تھے کہ "ایک صحیح ذہن، ایک سالم جسم کے اندر اس دنیا میں سب سے بہتر زندگی بسر کرنے کا مختصر مگر جامع اصول ہے۔" لاک کا یہ عقیدہ یقیناً تعریف کے قابل تھا۔ اگر وہ جسم اور ذہن کو ایک دوسرے سے اتنا بے تعلق نہ سمجھتے جتنا انھوں نے خود سمجھا اور دوسروں کو سمجھایا۔ ان کے پاس دونوں چیزوں کے لئے الگ الگ نسخے تھے۔ لاک کا خیال تھا کہ جسمانی طاقت سختیاں برداشت کرنے سے پیدا ہوتی ہے اور ذہن کی تربیت کا انحصار قوت استدلال پر ہے اور قوت استدلال کی تربیت کے لئے صرف ایک چیز ہے اور وہ ہے ریاضی۔ خود لاک کے الفاظ ہیں "میں نے ریاضی کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ اس سے ذہن میں قوت استدلال پیدا ہوتی ہے نہ اس لئے کہ ہر ایک کو بڑا ریاضی داں بناتی ہے۔ اس طرح اپنی قوت استدلال کو بڑھا کر جو اس مضمون سے پیدا ہوتی ہے وہ (طلبہ) دوسرے علوم میں بھی جب بھی اس کا موقع آئے اسے منتقل کر سکتے ہیں۔" لاک کو آج ہم سے رخصت ہوئے دو سو پینتیس سال گذر چکے۔ اس وقت سے اب تک زمانہ نہ جانے کتنی کروٹیں لے چکا، علم کی نہ جانے کتنی نئی شاہراہیں ہم پر کھل چکیں، لیکن یہ لاک کی خوش قسمتی کہیے یا بدقسمتی کہ اس کے معتقد نہ صرف آج تک زندہ ہیں، بلکہ بعض جگہ با اثر حیثیت رکھتے ہیں۔ [چنانچہ ایک ٹرننگ اسکول میں "انچارج طریقۂ تعلیم" اب بھی یہی پڑھاتا ہے کہ حساب کا مقصد قوت مدرکہ و متخیلہ و استدلالیہ کی نشو و نما ہے۔ یہ ضرور ہے کہ یہ ٹریننگ اسکول بہت دقیانوسی واقع ہوا ہے اور یہاں کا "انچارج طریقۂ تعلیم" آج سے پچیس تیس سال پہلے کا نارمل پاس ہے!]

ہاں تو میں کہنا یہ چاہتا تھا کہ ابھی ابھی جو حوالے دیے گئے ہیں ان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ پرانے لوگوں کے نزدیک جسم اور ذہن الگ الگ چیزیں تھیں چنانچہ تعلیم میں ایسے طریقوں کا فقدان نظر آتا ہے، جو بیک وقت جسم اور ذہن کی ہم آہنگ تربیت کے ضامن ثابت ہو سکیں۔ اس کے علاوہ ذہن کو مختلف قوتوں کا مجموعہ مانا گیا تھا جس کی رو سے نصاب کے مضامین کی تقسیم و تخصیص پیدا ہوئی۔ اور سب سے زیادہ خطرناک وہم جو پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ انسان کا ذہن پیدائش کے وقت ایک ورق سادہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ تعلیم بہر اعتبار اور بہر پہلو ایک خارجی اور مصنوعی عمل تھی۔ اور ایک دلچسپ بات یہ تھی کہ انسان کی ذہنی تربیت اور اس کی معقول پسندی کو لازم و ملزوم سمجھا جاتا تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو کسی شخص کو یہ کہنے کا موقع نہ ملتا کہ "شریف النفس انسان پیدا ہوتے ہیں بنائے نہیں جاتے" کیوں کہ ہر وہ شخص جو ریاضی کی مشق کے بعد قوت استدلال بڑھا لیتا معقول پسند اور اس لئے شریف النفس انسان بن جایا کرتا اور اس لئے، نہ کبھی میں آپ کو ستاتا، نہ آپ کو شکوہ ہوتا، نہ فرشتے میرا اعمالنامہ سیاہ کرتے، نہ حشر ہوتا، نہ آپ دادخواہی کرتے اور نہ مجھے ندامت ہوتی!

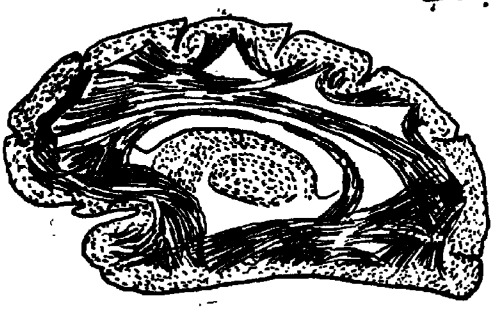
انسانی ذہن سے متعلق اس نظریات کے مقابلے میں جدید نفسیاتی تحقیق بالکل جداگانہ تصور پیش کرتی ہے۔ ہمارا موجودہ ماہر نفسیات بتاتا ہے کہ انسانی ذہن بنی بنائی قوتوں کا مجموعہ نہیں ہے، بلکہ وہ ایک سالم قوت ہے جو جسم کے ہر رگ و ریشے سے ظاہر ہو کر کام کرتی ہے۔ ہمارے جسم کی بالائی منزل اس قوت کا مرکز ضرور ہے لیکن اس کی ابتدا و انتہا نہیں ہے۔ اس لئے جسم اور ذہن کا رشتہ اس قدر قریبی سمجھا گیا ہے کہ ایک کی صحت دوسرے کی صحت اور ایک کی زندگی دوسرے کی زندگی مانی جاتی ہے۔ جو چیز ہمارے سر میں قریب تین پاؤنڈ کا وزن رکھ کر قائم ہے اور جو دماغ کہلاتی ہے، وہ ذہن کی مشین ہے اور ذہن اسی مشین کے ذریعے اپنا کام کرتا ہے۔ بجلی کو آپ دیکھ نہیں سکتے لیکن اس کی جلوہ گری ہر جگہ بے حجاب ہے۔ اسی طرح ذہن دیکھا نہیں جا سکتا لیکن اس کا عمل ہر وقت ہمارے سامنے ہے۔ بجلی کے نظام کے لئے مشین ضروری ہے۔ ذہن کے نظام کے لئے بھی دماغ ضروری ہے۔ خراب مشین سے بجلی کی پیداوار اور اس کے نظام میں رکاوٹ اور نقص پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح دماغ کی کمزوری ذہن کی کارکردگی پر اثر انداز ہوتی ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وراثتی اثرات کے علاوہ دماغ کی بہتر نشو و نما کے لئے کیا ذریعے ہو سکتے ہیں؟ سب سے پہلی چیز جو دماغ کی

نشو ونما کے لئے ضروری ہے وہ تو وہی ہے، جو باقی تمام جسم کے لئے ضروری ہے — یعنی اچھی غذا۔ جس طرح آپ لو کے مارے ہوئے درخت سے اچھے پھل حاصل نہیں کر سکتے، اسی طرح اس جسم میں اچھے ذہن کی تلاش بھی فضول ہے، جس پر غذا کی کمی کے صدمے گذر چکے ہوں یا گذرتے رہے ہوں۔ ایسے ذہن کی تربیت کے لئے، خواہ کتنے ہی اچھے موقعے فراہم کیوں نہ کئے جائیں لیکن وہ کسی صحیح معیار تک نہیں پہنچ سکتا۔ دو اور چیزیں جو ذہنی نشو ونما کے لئے ضروری ہیں، وہ بھی سامنے کی باتیں ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کرکٹ کھیلنے والوں کا دایاں ہاتھ ان کے بائیں ہاتھ سے کچھ زیادہ اچھا ہوتا ہے — اچھا اس معنی میں کہ اس میں طاقت تو زیادہ ہوتی ہی ہے، لیکن بناوٹ کے اعتبار سے بھی وہ زیادہ خوبصورت ہوتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر نشو ونما کے لئے استعمال لازمی شرط ہے۔ بالکل اسی طرح دماغ بھی اپنی نشو ونما کے لئے استعمال کا محتاج ہے۔ دماغ کے مختلف مرکز مختلف حواس اور جسم کے مختلف حصوں کی فعالی کا نظام قائم رکھتے ہیں۔



اس لئے مکمل طور پر نشو ونما پایا ہوا دماغ وہی ہو سکتا ہے جس پر حواس نے بے روک ٹوک کام کیا ہو اور جس نے جسمانی اعضاء سے بغیر تکلف کام لیا ہو۔ اور ایسا دماغ رکھنے والا انسان وہی ہو سکتا ہے، جس کی آنکھوں نے زمین کے پامال ذروں سے لے کر آسمان پر چمکنے والے تاروں تک ہر اس چیز کا جائزہ لیا ہو، جو نگاہ کو دعوت رنگ و نور دے سکتی ہے۔ ایسا دماغ رکھنے والا انسان وہی ہو سکتا ہے جس کے کان فطرت کے ساز میں مدھم سے مدھم ترنم پیدا کرنے والے آبشاروں سے لے کر سمندر پر ہیبت ناک انداز میں کروٹیں لینے والی موجوں کے سماعت پاش شور سے آشنا ہوں۔ ایسا دماغ رکھنے والا انسان وہی ہو سکتا ہے جس کی حس شامہ زیادہ سے زیادہ مختلف القسم خوشبوؤں اور بدبوؤں سے دوچار ہوتی رہی ہو۔ ایسا دماغ رکھنے والا انسان وہی ہو سکتا ہے جس کی زبان نے بے شمار چیزوں کا ذائقہ لیا ہو۔ اور دماغ کے یہ مختلف مرکز ہی مل کر اچھا ذہن پیدا کرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل شکل میں دماغ کے مختلف مرکزوں کا تعلق دیکھا جا سکتا ہے۔



مادی دنیا اور انسانی دماغ کے درمیان حواس ایک کڑی کا کام کرتے ہیں جس قدر مادی دنیا کے اثرات حواس کے ذریعے دماغ پر پڑتے رہیں گے، اسی قدر دماغ کی نشو ونما کے امکانات زیادہ ہوں گے۔ دماغ کی مکمل نشو ونما میں اسی قدر اہمیت آزاد جسمانی فعالی کی بھی ہے۔ (باقی آئندہ)

فضل الدین اختر

ایک معلّم کی زندگی

(گیارھویں سال کی کہانی کا ایک حصہ)

[اس کتاب میں عبدالغفار صاحب مدہولی (استاد ابتدائی مدرسہ جامعہ نگر، دہلی) نے آپ بیتی لکھی ہے۔ نیچے اس کے ایک باب کا کچھ حصہ دیا جاتا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ یہ ان استادوں کے لئے سبق آموز ثابت ہوگا جنھیں نئے مدرسے چلانے کا کام سپرد کیا گیا ہے۔ مدیر]

شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب کو علم ہو گیا تھا کہ میں کسی کمپنی کے چکر میں پھنس گیا ہوں۔ لیکن انھیں یقین تھا کہ لوٹوں گا ضرور۔ جب دہلی پہنچا، تو انھیں اطمینان ہوا۔ فرمانے لگے :-

"میں نے ایک کام ایسا سوچ رکھا ہے جو آپ کی طبیعت کے موافق ہے، جسے آپ رفتہ رفتہ بہتر بنا سکتے ہیں۔ پہلی چار جماعتیں (ابتدائی اول سے چہارم تک) آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ چھوٹی سی نئی عمارت جو بن رہی ہے، اس میں چند کمرے تیار ہیں۔ اپنا کام وہیں شروع کیجیے۔ جن جن لوگوں اور چیزوں کی ضرورت ہوگی، وہ آپ بتائیں گے۔ میں انتظام کر دوں گا۔"

جس وقت یہ چار جماعتیں ملی ہیں، ان میں چالیس کے قریب لڑکے تھے۔ سب سے زیادہ تعداد چہارم کی تھی۔ کچھ کرنے سے پہلے سامان کی لمبی چوڑی فہرست پیش کرنا اچھا نہ معلوم ہوا۔ اس زمانے میں ڈیسک نہیں تھے۔ ٹاٹ کے چند ٹکڑوں اور پھٹی پرانی دریوں پر کام شروع ہو گیا۔ "کہانی کا طریقہ" اور "منصوبی طریقہ" ان دونوں کو بہ یک وقت جاری کر دینے کو جی چاہتا تھا مگر اس کام کے سلسلے میں اکیلا ہی تھا۔ یہ ترکیب سوچی کہ آدھا وقت تو پہلی جماعت میں دوں اور آدھا چہارم میں۔ نئے طریقے سے پڑھانے والوں کی تعداد کو بڑھانے کے لئے احمد علی صاحب کو موگا بھیج دیا گیا۔ دوسری

جماعت محمد عثمان صاحب کے پاس تھی۔ تیسری شیخ مفتاح الدین صاحب نے لے رکھی تھی۔

پہلی جماعت میں میرے گھنٹے صبح صبح ہوتے تھے۔ تصویریں اور کھلونے دکھاتا، گھر اور رشتہ داروں کے بارے میں بچوں سے سوالات کرتا۔ باغیچہ تو تھا نہیں، جہاں نئے اور پرانے بچوں کو لے جا کر ان کا دل بہلاتا۔ البتہ باغیچے کی تصویریں جماعت میں لگا رکھی تھیں۔ انھیں کی سیر کراتا، کہانیاں سنتا سناتا، کچھ کھیل کھلاتا۔ اس طرح ایک ہفتہ گذر گیا۔ پھر قاعدے کی کہانی یاد کرائی۔ گتے کے ٹکڑوں پر کہانی کے جملے اور لفظ لکھ لیے تھے۔ طرح طرح کے کھیلوں کے ذریعے سے بچوں نے کوئی ایک مہینے میں کہانی کے سارے جملے اور لفظ پہچان لیے۔ پھر ان لفظوں کے ذریعے نئے نئے جملے بنائے گئے۔ تختہ سیاہ سے دیکھ دیکھ کر نقل بھی کرنے لگے تھے۔ جملوں اور لفظوں کے خاکے میں رنگ بھرنے لگے۔ "کوا" میں کالا رنگ، "طوطا" میں ہرا، "چڑیا" میں جس طرح کا جی چاہے۔ بچے کہتے تھے "بس ایسا کام زیادہ کروائیے۔" مگر میں بھی اپنا کچھ مطلب نکال کر ہی ایسا کام کراتا تھا۔ ان سے کہتا کہ فلاں فلاں لڑکے لفظ نہیں پہچانتے ہیں، انھیں رنگ بھرنے کا کام نہیں دیا جائے گا۔ لڑکے اس شوق میں سارے لفظ پہچان لیتے۔ غرض ڈیڑھ مہینے میں پڑھنے پڑھانے کے دھندے کو یہ لڑکے سمجھ گئے تھے۔ لیکن یہ لکھنا پڑھنا جھوٹ موٹ کا تھا۔ حرف تو پہچانتے نہیں تھے۔ لفظ کے ذریعے حرف کی شناخت کرائی، آوازوں کی اونچ نیچ بتائی۔ ا، و، ی کی مشق میں بہت دلچسپی لیتے تھے۔ اور دلچسپی کیوں نہ لیتے۔ کہہ دیا تھا کہ جب "ا" کی آواز نکالیں، تو لڑکے ہاتھوں کو اونچا کریں (جا۔ تا۔ دا میں)۔ جب "و" کی آواز نکالیں تو انگلیوں سے گول چیز کا اشارہ کریں (جو۔ تو۔ دو میں)۔ "ی" کی آواز کے وقت ہتھیلی کو نیچے لے جائیں (جی۔ تی۔ دی میں)۔ جب دو حروف صحیح کی ملی ہوئی آواز نکالنی ہو، تو دونوں ہتھیلیوں کو ملا کر بولنے کے ساتھ ساتھ ہتھیلیوں کو جوڑ کر نابیال بجائیں (سب، جب، تب وغیرہ میں)۔ اس وقت بڑا مزہ آتا تھا، جب جماعت کے سارے لڑکے مل کر ایسی آوازیں نکالتے تھے۔ "قاعدے" میں اصل چیز تو انھیں چیزوں کا سیکھنا ہے۔ جب یہ چیزیں آگئیں، تو زیر، پیش میں کیا رکھا تھا۔ کہہ دیا تھا کہ جب نیچے (ـِـ) نشان ہو، تو "ی" کی آواز ذرا سی نکالیں۔ اسی طرح (ـُـ) نشان پائے جانے پر "و" کی آواز تھوڑی سی نکالیں۔ بھلا لکھنے میں کہیں "زبر" کی ضرورت بھی پیش آتی ہے۔ اسے تو غیر ضروری سمجھ کر کبھی سکھایا ہی نہیں۔ مصعب سے پوچھ لو، جواب میٹرک میں پڑھتے ہیں، کہتے تھے مجھے تو "زبر" کا پتہ ہی نہیں چلا اور پتہ چل بھی جاتا تو کیا کر لیتے۔ کہاں استعمال کرتے! البتہ تشدید کے بارے میں تھوڑا سا اشارہ کرنا پڑا۔ نون غنہ تو مذاق مذاق میں ناک سے آواز نکال کر لڑکے خود ہی سیکھ گئے۔ کہتے تھے "من" کی ناک میں (ـٓ) نشان لگ جانے سے رکاوٹ ہوتی ہے اور آواز صاف نہیں نکلتی ہے۔" ان چیزوں کے سیکھنے کے بعد پھر کیا تھا۔ "جیب اور مینڈک کی کہانی"، "تصویروں کی کہانی"، "ہمارا بکرا" یہ سب چھوٹے چھوٹے سبق پڑھنے لگے۔ اور تو اور نظمیں پڑھنے کا شوق بھی ہوا۔ یہ سب کام چھ مہینے میں ہوگیا۔ ان کی ایک نظم یہ ہے:-

ایک تھی چڑیا ایک تھا کوا   دونوں نے اک دن یہ سوچا
آؤ آج پکائیں چاول   دونوں مل جل کھائیں چاول
دونوں کو یہ بات جو بھائی   چڑیا جا کر چاول لائی
کوا بیٹھا آگ جلانے   چاول پھر دونوں نے پکائے
کھانے کا جب موقع آیا   تو کوے نے شور مچایا
بولا چونچ ذرا دھو آؤ   کھانا اچھے ڈھنگ سے کھاؤ
چڑیا چونچ کو دھو کر آئی   اجلی اجلی ہو کر آئی
کوا تب لالچ کے مارے   کھا گیا چاول جھٹ پٹ سارے
پھر ہنڈیا بھی راکھ سے بھر دی   ڈوئی میں بھی کالک کر دی
پھر کونے میں چھپ گیا جا کر   چڑیا نے جب دیکھا آ کر
دیکھی ہنڈیا، ڈوئی، تھالی   یہ بھی خالی، وہ بھی خالی
اس نے اب کوے کو ڈھونڈا   پکڑا اور چونچوں سے مارا
کوے نے تب دھوم مچائی   رام دہائی، رام دہائی

چڑیا اس کو کیوں نہ ستائے
جس نے پرائے چاول کھائے

مدرسے کا کام دلچسپ ہو، تو ناممکن ہے کہ اقامت گاہ میں اس کا چرچا نہ ہو۔ جب میں چھوٹے لڑکوں کے بورڈنگ، خاکسار منزل میں جاتا تو پہلی جماعت کے لڑکے مجھے دیکھتے ہی اپنے ہاتھ اونچے کرتے ہوئے کہتے "ماسٹر صاحب! آ۔ جا۔ پا وغیرہ۔" میں بھی شاباشی دیتے ہوئے انگلیوں سے گول چیز کا اشارہ کرتے ہوئے کہتا "س۔ و" لڑکے کہتے "سو"، "ج۔ و"۔ لڑکوں کا جواب ہوتا "جو"۔ اسی طرح ذرا سی دیر میں سب چیزوں کی مشق ہو جاتی اور لڑکے بھی جمع ہو جاتے۔ مصعب اور نورالرحمٰن صاحب کے بیٹے کو گود میں لے کر استادوں کے پاس جاتا۔ ان سے کہتا "دیکھئے صاحب، یہ تماشے دکھائیں گے"۔ بس وہی مشق ہوتی جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

پہلی جماعت کی پڑھائی میں موگا والے جملے، لفظ اور حرف پہچاننے کا کام ساتھ ساتھ اس طرح کرتے ہیں کہ سال کے آخر میں حرف شناسی کا کام ختم ہوتا ہے۔ تم تعجب سے پوچھو گے کہ آخر سال بھر تک جملے لفظ بلکہ بعض چھوٹی چھوٹی کہانیاں لڑکے کس طرح پڑھتے رہتے ہیں!! اس کے لیے، انھوں نے خاص طرح کا مواد تیار کر رکھا ہے۔ ایسے جملے، عبارتیں، کہانیاں بنا رکھی ہیں جو حرف سیکھتے ہوئے حرفوں کی مدد سے پڑھی جا سکتی ہیں۔ سال بھر کا یہ کام دلچسپ تو ضرور ہے، لیکن اس میں بعض نقائص بھی ہیں مثلاً جو لڑکے پڑھنے کے دھندے کو جلدی سے سمجھ لیں اور تیزی کے ساتھ آگے پڑھنا چاہیں، ان کے لئے موقع نہیں رہتا ہے، جماعت کا ساتھ دینا پڑتا ہے۔ صاحبزادے اگلے حرف تو جانتے نہیں ہیں اس لئے ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مار ہی نہیں سکتے۔ سال کے آخر میں جا کر اپنے پیروں پر آپ کھڑے ہو سکتے ہیں۔ کوئی استاد کی تیاری کے بغیر سبق جاری نہیں رکھ سکتا۔ اگر استاد اپنے کام میں غفلت برتے تو لڑکے نئی نئی چیزیں سیکھ ہی نہیں سکتے ہیں۔ پھر ایک چیز جس کے متعلق میں ہمیشہ سے زور دیتا چلا آ رہا ہوں، ہر ایک کے سامنے اس کا ذکر کرتا ہوں اور جس پر موگا والوں نے توجہ کم دی ہے، وہ ہے حروف علت کا استعمال۔ تم اپنی کتاب کا کوئی ایک صفحہ لو اور یہ دیکھو کہ اس صفحے میں ا۔ و۔ ی کی آوازیں کتنی دفعہ استعمال میں آئی ہیں اور زیر، پیش کتنی دفعہ آیا ہے۔ میں نے ایک پیراگراف کا جو حساب دیکھا تو وہ اس طرح بیٹھا ا = ۵۲، و = ۱۸، ی = ۷۰، باقی زیر، پیش، تشدید، نون غنہ تو کہیں کہیں تھے

اس سے میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اگر ا۔و۔ی کی مشق اچھی طرح کرادیں تو پڑھنے پڑھانے کی بات اچھی طرح اور جلدی سمجھ میں آسکتی ہے۔ عام لوگ زیر، پیش کی علامتوں کو اہمیت دے کر پہلے پہل انھیں کی مشق کراتے ہیں۔ جو آوازیں استعمال میں زیادہ آنے والی ہیں (یعنی ا۔و۔ی) ان پر کوئی دھیان نہیں دیتا ہے۔ میں نے ان سب باتوں کو سامنے رکھ کر "بچوں کا قاعدہ" لکھا ہے۔ ایک علیحدہ کتاب میں "رہنمائے قاعدہ" کے نام سے پڑھانے کا طریقہ بھی لکھ دیا ہے۔ تم چاہو تو اس کا نام "جامعہ کا کہانی کا طریقہ" کہہ لو۔ میں نے تو سب چیزوں کا خیال رکھ کر لکھا ہے اور وہ ہماری جامعہ میں گیارہ سال سے رائج ہے۔ یہ ثانوی چہارم (میٹرک) والے لڑکے اسی طریقے سے تو پڑھے ہوئے ہیں۔ انھوں نے لوگوں کی دیکھا دیکھی حرفوں کے نام اب یاد کرلئے ہیں۔ ویسے تو انھوں نے سب کچھ حرفوں کی آوازوں کے ذریعے سیکھا ہے۔

باغبانی کا کام مدرسے کے دلچسپ مشغلوں میں سے ایک ہے۔ زمین کافی ہو تو بیک وقت بہت سے لڑکے مصروف رہ سکتے ہیں۔ جس زمانے میں پودے اُگے ہوئے ہوں، پانی دینے اور نرائی کرنے کے علاوہ اور کوئی کام نہ رہے تو طلبہ بوئی ہوئی چیزوں کے متعلق علمی معلومات حاصل کرسکتے ہیں، مضامین لکھ سکتے ہیں۔ باغبانی کا شغل سبھی کے لئے دلچسپ ہے۔

شروع میں ہمارے پاس اس کام کے لئے زمین نہیں تھی۔ لیکن جب وہ مل گئی تو میں نے بچوں کو جمع کرکے دریافت کیا "کیا بونا چاہیے؟"

"پھول، ترکاری، سبزی وغیرہ" لڑکوں نے جواب دیا۔ "میرے تینوں گھنٹے ختم ہوگئے ہیں۔ اب آپ یوں کیجئے کہ سبزیوں کے جتنے نام آپ لوگوں کو یاد ہیں یا کہیں لکھے ہوئے ہوں تو اسے دیکھ کر اپنی اپنی کاپیوں پر لکھ لائیے۔ پھر یہ دیکھیں گے کہ ان میں سے کون کون سی سبزیاں بونی مناسب رہیں گی۔"

دوسرے دن یہ کام لڑکوں نے دکھایا۔ سردیوں کا زمانہ آنے والا تھا۔ طے یہ ہوا کہ گاجر، مولی، شلجم، آلو، میتھی، پالک اور مٹر بوئی جائے۔

یہ ایک دن کا کام تھا۔ اس طرح مہینوں کام ہوتا رہا۔ روزانہ نئی نئی باتیں اور نئی نئی دلچسپیاں نکلتی رہیں۔ اگر ان سب پر دھیان دے کر لکھوں تو اسی کی ایک علیحدہ موٹی سی کتاب تیار ہو جائے گی۔ کچھ باتیں "باغبانی پروجکٹ" کے نام سے ایک کتاب میں چھاپ بھی دی ہیں لیکن اس زمانے میں فرصت نہ ہونے کی وجہ سے تفصیلی باتیں تو اس میں بھی نہیں لکھ سکا۔

فیتہ اور قدم سے ناپ ناپ کر زمین تقسیم کی گئی۔ ایک جگہ رحیم الدین خاں صاحب (جو اب بی۔اے میں پڑھتے ہیں) لکھتے ہیں:۔

"جب ہم لوگ باغیچہ میں گئے، تو ہمارا باغیچہ بالکل جنگل بیابان پڑا ہوا تھا اور تمام میں صرف جھاڑیاں ہی جھاڑیاں تھیں۔ انار کے، کانٹوں کے درخت تھے۔ انار کے درختوں پر بہت سی بیڑیں رہتی تھیں اور سارے باغیچے میں جنگلی درخت اُگے ہوئے تھے۔ ماسٹر صاحب ہم لوگوں کو باغیچے میں لے گئے (یہ غلط بات ہے، لڑکے مجھے باغیچے میں لے گئے تھے۔) وہاں جاکر سب سے پہلے لڑکوں کی پارٹی بنائی، پھر کھیت ناپے، تو ہر ایک لڑکے کو بارہ بارہ فٹ لمبا اور چھ فٹ چوڑا کھیت ملا۔ ہر ایک کھیت میں خوب بڑی بڑی جھاڑیاں تھیں۔ میرا ساتھی جمیل الدین تھا۔ جب ہم لوگوں کے جھاڑیاں کاٹنے کا وقت آیا اور ہم سب لوگ کاٹنے کو کھڑے ہوئے، تو ایسے ایسے کانٹے چبھے، جیسے کسی نے پیروں میں آگ لگادی ہو۔ ہم نے سب چیزیں کاٹ لیں۔ پھر زمین کو کھودا اور یہ چیزیں بوئیں — مولی، شلجم، میتھی، گاجر، چقندر وغیرہ۔"

رحیم الدین خاں صاحب نے ایک چیز کا تو ذکر ہی نہ کیا۔ مستری کی مدد سے پختہ نالی بنائی۔ پانی اور گارے میں لت پت ہو گئے۔ رہٹ لگوایا گیا، ایسا رہٹ جسے لڑکے بھی آسانی سے چلالیں۔ کدال اور پھاوڑے سے زمین کھود کر کھاد ڈالی گئی، پانی دیا گیا۔ "وتر" کی حالت میں ("وتر" ایسی حالت کو کہتے ہیں کہ پانی دینے کے بعد زمین نہ تو بالکل سوکھی ہو اور نہ اتنی گیلی کہ اس میں پیر رکھنے سے دھنس جائے) مٹی کو الٹ پلٹ کر بیج بوئے۔ کوئی ایک ہفتے میں پودے اُگنے لگے۔ دیکھتے دیکھتے ہر طرف سبزہ ہی سبزہ نظر آنے لگا۔ رحیم الدین خاں صاحب کے کہنے کے مطابق کہاں خاردار جھاڑیاں، اونچے نیچے ٹیلے تھے اور کہاں اب ہری بھری کیاریاں نظر آنے لگیں۔

بونے کے بعد فرصت ملی تھی۔ (۱) ہمارے باغیچے کی ابتدائی حالت (۲) زمین کی تقسیم (۳) زمین کی تیاری (۴) کھاد کی قسمیں (۵) بیج بونا (۶) پودوں کا اُگنا بڑھنا (۷) سبزیوں کا فروخت کرنا — ان پر مضامین لکھوائے گئے۔ باغبانی کے اوزاروں کا چارٹ بنوایا گیا جس میں اوزاروں کی کیفیت درج تھی — کس کام آتا ہے، کس قیمت کا ہے، کہاں ملتا ہے۔ سبزی کے تصویر والے اشتہارات تیار کئے گئے۔ جب میں نے پچھلے کام کی جانچ پڑتال کی، تو معلوم ہوا کہ اور بہت سے کام ایسے ہیں جو کرنے میں نہیں آئے، مثلاً موسموں کے لحاظ سے سبزیوں کا چارٹ، پھولوں کا چارٹ، اجناس کا چارٹ، اوزاروں کی تصویریں وغیرہ۔ سبزیوں کی تصویریں تو لڑکے ساتھ ہی ساتھ بنالے گئے۔

مضامین لکھے تقریباً سب ہی لڑکوں نے، لیکن جن لڑکوں کے مضامین سب سے اچھے تھے، وہ "باغبانی پروجیکٹ" میں چھاپ دئے گئے۔ اوپر کے سات مضمون ان سات لڑکوں کے تھے۔ (۱) رحیم الدین خاں (۲) قمرالدین خاں (۳) فضل الرحمٰن (۴) آفتاب احمد (۵) نور خاں (۶) محمد صدیق (۷) محمد ابراہیم۔

حساب کے کام کا ذکر کرنے کی گنجائش کہاں ہے۔ بس یوں سمجھو، ماسٹر برکت علی صاحب نے انھیں کاموں کو دیکھ دیکھ کر "بچوں کا حساب نمبر۴" میں سبزیوں سے متعلق روپے، آنے، پیسے کی جمع، تفریق، ضرب، تقسیم کے بہت سے سوالات بناڈالے۔ بعد میں حساب نمبر ۳، ۵، ۶ بھی تیار کرلیا۔

سبزیوں کا بونا اور ان کا بیچنا کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ لیکن جس مدرسے میں پہلے پہل یہ کام ہوا اور وہ بھی لڑکوں کے ہاتھوں، اُس کی جتنی قدر کی جائے کم ہے۔ استادوں نے بھی سبزی خریدنے میں بڑی آؤبھگت سے کام لیا۔ پہلی دفعہ کوئی تیس روپے جمع ہوئے۔ جتنے کے لین اور دین میں جو رقم وصول ہو، اُسے یوں ہی خرچ نہیں کردیتے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ ان روپیوں سے کوئی یادگار قائم کی جائے۔ باغبانی کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے کتابیں نہیں تھیں۔ طے ہوا کہ کتابیں منگوائی جائیں۔ ان کتابوں کا آنا تھا کہ بچوں کا کتب خانہ قائم کردیا گیا۔

ربط کا طریقہ

(گذشتہ سے پیوستہ)

بنیادی تعلیم کے استاد کے لئے یہ سب مسئلے اصلی اور عملی ہیں۔ لیکن کیا کوئی استاد نصاب کے بغیر کام چلا سکتا ہے؟ جب تک تمام استاد غیر معمولی قابلیت اور سوجھ بوجھ والے نہ ہوں، اس وقت تک نصاب کی ضرورت تو رہے گی ہی۔ غیر معمولی قابلیت والے استاد کو بھی نصاب کی ضرورت پڑے گی۔ یہ بات دوسری ہے کہ کس طرح کا نصاب وہ اپنے لئے خود بنالے، یا اس کے لئے کوئی دوسرا بنا کر دے دے۔ اسی طرح تعلیم میں جماعتوں کا نظام بھی ہمیشہ رہے گا اور اچھی تعلیم کے لئے یہ بڑی حد تک ضروری بھی ہے۔ کم سے کم حروف تہجی، پڑھائی، لکھائی وغیرہ کچھ مضمونوں کی مقررہ تعلیم سے بھی کبھی چھٹکارا انہیں مل سکے گا۔

یہ تمام باتیں جو مسئلے معلوم ہوتی ہیں بنیادی تعلیم کے استاد کے لئے مشکلیں ضرور پیش کرتی ہیں لیکن نہ تو بنیادی تعلیم کا طریقہ ان کے لئے ذمہ دار ہے اور نہ بنیادی تعلیم کا نصاب۔ مشکلیں تو خود اس استاد کی پیدا کی ہوئی ہیں جو دنیا بھر کی باتیں مربوط شکل میں سکھانا اور پڑھانا چاہتا ہے، جو اپنی جماعت کی پڑھائی میں ہر روز اور ہر دم ہر بات کا ربط فوراً بنیادی دستکاری کے ساتھ تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ عملی سبقوں تک میں وہ یہی ربط تلاش کرتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ پہاڑے تبھی سکھاتا ہے جب دو دو، تین تین کرکے چیزوں کا بٹوارہ کیا جاتا ہو اور ان پہاڑوں کو دہرانے کے لئے وہ پھر ایسے ہی موقع کا انتظار کرتا ہے۔ تکلی کے سلسلے میں وہ 'ت' حرف سکھاتا ہے اور جب تک 'ت' حرف سے شروع ہونے والا کوئی دوسرا لفظ نہ سکھایا جائے اس وقت تک پھر انتظار کرتا ہے۔ بچے کپاس صاف کر رہے ہیں اس لئے وہ انھیں بالوں کو صاف ستھرا رکھنے کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ سب باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ نہ تو وہ بنیادی تعلیم کے رنگ میں رنگا ہے اور نہ اس نے اس نئی تعلیم کی عظمت کو ہی ٹھیک سمجھا ہے۔ ہر بات کو مربوط شکل سے پڑھانے میں اور ہر چیز کے لئے فوری ربط تلاش کرنے کی کوشش میں وہ پڑھائی کے موضوع اور پڑھانے کے طریقے دونوں کو بناوٹی کر دیتا ہے۔

یہ دقتیں اس لئے پیدا ہوتی ہیں کہ استاد یہ سمجھتا ہے کہ دوسرے نصابوں کی طرح بنیادی تعلیم کے نصاب میں بھی ایسی باتیں ہیں جنھیں پڑھانا، وقت کے اندر پورا کرنا اور بچوں کو رٹانا ضروری ہے۔ جیسے اگر پہلی جماعت کے لئے تیس کہانیاں رکھی گئی ہیں، تو استاد سمجھتا ہے کہ بچوں کو یہ تیسوں کہانیاں پڑھانا اور یاد کرانا ضروری ہے اور ان کے سوا دوسری کوئی کہانیاں انھیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بنیادی تعلیم کے نصاب کو اس نظر سے دیکھنے کا مطلب ہے بنیادی تعلیم کے مقصد کو بھول کر نصاب کو اہمیت دینا اور بنیادی تعلیم کو نیچے گرا کر اسے مضمونوں کی رٹائی کی تعلیم کے درجے پر لے آنا۔ جب تک استاد کا زاویۂ نگاہ یہ رہے گا اس وقت تک اُسے بنیادی تعلیم کے اصولوں کے مطابق ربط کے طریقے کا استعمال کرنے میں دشواری ہوگی۔

تعلیم میں سب سے اہم چیز اس کا مقصد ہے۔ نصاب اور طریقے تو استاد کے لئے وہ اوزار ہیں جن کا ٹھیک استعمال کرکے وہ اس مقصد کو حاصل کر سکتا ہے۔ بنیادی تعلیم میں محض اوپر کی معلومات سے زیادہ اہم بات ہے بچے کی پوری شخصیت پر تعلیم کا اثر۔ اس لئے استاد کو سب سے پہلے بنیادی تعلیم کے نصاب کی ہر بات کے مقصد کو سمجھنا اور پھر اس کے مطابق اپنے کام کا ڈھانچا بنانا ضروری ہے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو اسے معلوم ہوگا کہ دستکاری کے ذریعے تعلیم بہت ضروری ہے اور اس کے ساتھ ربط کرنا بالکل کٹھن نہیں ہے۔

بنیادی قسم کی تعلیم کے لئے یہ لازمی نہیں ہے کہ اس کے سب کاموں اور پروگراموں کا ڈھانچا پہلے بنائے نصاب کے ہی مطابق بنایا جائے۔ نصاب تو صرف ایک اچھے راہ دکھانے والے کا کام کرتا ہے۔ بچہ، اس کا ماحول اور موقع زیادہ اہمیت کی چیزیں ہیں۔ بچے کی طاقت اور اس کے ماحول سے لگاؤ رکھنے والی تعلیم اور کام کی لگن، یہ دو بنیادی تعلیم کے خاص مقصد ہیں۔ اصل میں بنیادی تعلیم کیلئے کے پیڑ کی طرح ہے، جس میں فطری پروگراموں کے پرت ایک کے اوپر ایک سجے ہوئے ہیں۔ یہ پروگرام گھیرے میں، گہرائی میں اور وقفے میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں اور ان میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ کوئی پروگرام کم بار برتا جاتا ہے اور کوئی زیادہ بار۔ مثال کے لئے، بنیادی دستکاری برسوں سکھائی جائے گی، موسموں کی تبدیلی کے مشاہدے کا کام پورے ایک موسم بھر ہوتا رہے گا۔ سورج کی کرنوں کا مشاہدہ ایک سال میں پورا ہوگا، "آلو کی کھیتی کا کام فصل ختم ہونے تک کیا جائے گا" وغیرہ۔ اسی طرح سماجی کاموں کا بھی ڈھانچا بنایا جائے گا اور ہر استاد کو تعین کرنا پڑے گا کہ یہ کتنے وقت میں اور کس طرح پورا کیا جائے۔ نصاب کا مقصد اور اس کی اسپرٹ تو ہر جگہ وہی رہے گی لیکن اس کا عملی استعمال ہر مدرسے میں مختلف طور پر ہوگا، حالانکہ یہ فرق بہت زیادہ نہ ہوگا۔

پڑھائی، لکھائی، پہاڑے وغیرہ سکھانے کا سوال بھی استاد کو چکر میں ڈالنے والا ہے۔ لیکن یہ باتیں ضروری ہیں اور انھیں سکھانا بھی پڑے گا۔ "ل" حرف چاہے تو 'لڑکا' تلفظ کے سلسلے میں بتایا جائے یا 'لیٹیا' تلفظ کے سلسلے میں لیکن اسے پہچاننا اور لکھنا تو سکھایا ہی جائے گا اور اس کی مشق بھی کرائی ہی جائے گی۔ دستکاری کا سامان بانٹتے وقت پہاڑے سکھائے جا سکتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مشق کے لئے انھیں دہرایا نہ جائے۔ بغیر ربط کے کوئی بات رہ جائے اس ڈر سے استاد پڑھائی لکھائی جیسی ضروری چیزوں کی کافی مشق نہیں کراتے۔ وہ بھول جاتے ہیں کہ پڑھائی، لکھائی وغیرہ کی بھی تعلیم میں اتنی ہی اہمیت ہے جتنی اور کسی کام یا عمل کی۔ اس لئے پڑھائی اور لکھائی کے کام کا بھی مقررہ شکل میں ڈھانچا بنانا چاہئے۔ ہاں، یہ دھیان ضرور رہے کہ بچوں کے عملی تجربے سے باہر کی کوئی بات اس میں نہ آنے پائے۔ کچھ باتوں کو ضرورت کے مطابق خاص طریقے سے پڑھانے کے لئے بنیادی تعلیم کے طریقے میں کوئی رکاوٹ

نہیں ہے۔ وہ تو صرف اس بات پر زور دیتا ہے کہ پڑھائی، لکھائی اور جغرافیہ و تاریخ کی باتیں سکھانے کے لئے اچھے موقعے کا استعمال کرنا چاہئے اور انھیں موثر انداز میں پیش کرنا چاہئے۔

یہ سوال بھی اکثر پوچھا جاتا ہے "وہ تعلیم اس وقت دینی چاہئے جب بچے دستکاری کا کام کر رہے ہوں یا بعد میں؟" اوپر جو کچھ لکھا جا چکا ہے، اس میں اس سوال کا جواب مل جانا چاہئے۔ لیکن یہ سوال اتنا عام ہو گیا ہے کہ اس کا الگ جواب دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جب بچے دستکاری کا کام کرتے ہیں تو کام کرتے کرتے خود ہی تعلیم حاصل کرتے جاتے ہیں۔ کام کے دوران میں ہر بچے کو جو دقت پیش آئے، اسے اسی وقت حل کرنا چاہئے۔ کام شروع کرنے سے پہلے ہو تو مظاہرہ (Demonstration) کے ذریعے بچوں کو سب باتیں سمجھا دی جانی چاہئیں۔ کام ختم ہونے پر جو دقتیں سب بچوں کو اجتماعی طور پر پیش آئی ہوں، انھیں سمجھانا اور ضرورت ہو تو لکھوانا بھی چاہئے۔ بچوں کو اپنے تجربات، احساسات اور خیالات ظاہر کرنے کا موقع بھی دینا چاہئے۔ بچوں کو اپنے کام کے دوران میں جو حساب لگانے کی ضرورت پڑتی ہے وہی مربوط حساب ہے، لیکن اگر یہ کافی نہ ہو تو حساب کے اور بھی سبق دئے جانے چاہئیں۔ اس طرح کام اور اس سے تعلق رکھنے والے علم، حساب، زبانی مشق وغیرہ کے بیچ سچا ربط ہوگا۔ یہ مربوط تعلیم بڑی حد تک ہر ایک بچے کو الگ الگ دی جائے گی۔ ساری جماعت کے کام کا ربط اسی حد تک کیا جائے گا، جہاں تک پڑھائی کی باتیں سب بچوں کے یکساں تجربے کی ہوں تعلیم کا باقی سب کام معمولی ڈھرے پر چلتا رہے گا، لیکن اس کی بنیاد بچوں کے تخلیقی تجربے پر ہونے کی وجہ سے یہ زیادہ فطری اور دلچسپ ہوگا۔

دستکاری، قدرت، سماج، مدرسہ، جماعت اور معمولی مضمونوں کی پڑھائی سے متعلق کام کے منظم پروگرام کا جو اصول اوپر بتایا گیا ہے، اس سے استاد کے لئے یہ صاف ہو جانا چاہئے کہ ہر روز اور ہر دم "خیالات" کے باہمی تعلق" کی طرح کا ربط تلاش کرنا غلط بات ہے۔ اس سے یہ ڈر بھی دور ہو جانا چاہئے کہ بنیادی تعلیم میں کوئی قاعدہ اور نظام ہی نہیں ہے۔ برعکس اس کے استاد کو اب یہ یقین ہو جانا چاہئے کہ بنیادی تعلیم میں زیادہ قاعدہ اور نظام ہے اور اس کے لئے استاد کو زیادہ اچھی طرح تیاری کی ضرورت ہے۔ اسے اپنے کام کے سالانہ، سہ ماہی، ماہانہ، ہفتہ وار اور روزانہ ڈھانچا بنانا پڑے گا اور اس ڈھانچے کی ہر ایک بات ایک بڑی اکائی کا ضروری اور نفسیاتی حصہ ہوگی۔

ان تمام باتوں سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ بنیادی تعلیم میں ربط سے جس گہرے تعلق کا اظہار ہوتا ہے اتنا "خیالات کے باہمی تعلق" سے ظاہر نہیں ہوتا۔ یہ وہ تعلق ہے، جو کام اور اس کام کے کرنے سے حاصل ہونے والی تعلیم کے بیچ رہتا ہے۔ اس میں مضمونوں کو الگ الگ ڈبوں میں رکھنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اس میں علم کی سب باتیں برابر کی اہمیت رکھتی ہیں اور اسے کامیاب بنانے کے لئے ایسے ہوشیار، حاضر دماغ، مطمئن اور اچھی ٹریننگ پائے ہوئے استاد کی ضرورت ہے، جس میں کسان جیسی جفاکشی ہو، سائنس داں جیسی سوجھ بوجھ ہو، ماں جیسا دل ہو اور آرٹسٹ جیسی لگن ہو۔

آتم سنگھ تومر

بچے کا بچپن

بچے کا بچپن اس مکان کی طرح ہے، جس میں ہر چیز شیشے کی ہے۔ مکان کا مالک اگر ایک ہاتھ بھی لاپرواہی سے مار دے تو کچھ نہ کچھ ضرور ٹوٹ جاتا ہے۔ اگر ایک قدم غلط رکھ دے تو کسی نہ کسی چیز میں بال آجاتا ہے۔ اسی طرح بچے کے والدین بچے کے ساتھ اگر ایک بات بھی غلط کرتے ہیں، تو وہ اس کی ساری زندگی پر برا اثر ڈالے بغیر نہیں رہتی۔ چنانچہ والدین کو بچوں کے معاملے میں نہایت محتاط ہونا چاہئے۔ بچوں کے بچپن کا خیال نہایت ضروری ہے کیونکہ ؎

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

(اگر مکان کی پہلی اینٹ ٹیڑھی ہو جائے تو پوری دیوار ترچھی ہو جاتی ہے۔)

اگر آج ایک سماج برا ہے تو سمجھو اس کی برائی کی داغ بیل اس کے افراد کے بچپن میں ڈالی گئی تھی۔ اگر آج ایک قوم پستی میں ہے تو سمجھنا چاہئے کہ اس قوم کے لوگ اپنے بچپن کے زمانے میں ٹھیک طرح بڑھ نہ سکے ہوں گے۔ "تندرست بچے ہی تندرست نوجوان بن سکتے ہیں۔" ہماری جسمانی صحت کے متعلق اسے سب ٹھیک مانتے ہیں۔ مگر ایک بات جس کے متعلق لوگوں میں غلط فہمیاں ہیں یہ ہے کہ "صحیح الدماغ بچے ہی بڑی عمر میں صحیح الدماغ آدمی بن سکتے ہیں۔" نوجوانوں کی زندگی میں ہمیشہ ان کے بچپن کی جھلک ہوتی ہے۔

مگر بہت سی باتیں ہیں جو بچپن میں پیش آتی ہیں اور بچے کی ذہنی صحت پر اثر ڈال کر اس کی ساری زندگی کے پروگرام میں ہیر پھیر کر دیتی ہیں مختصر طور پر ان میں سے چند کا نیچے ذکر کیا جاتا ہے:-

(۱) بے جا دباؤ (Repression) — اپنی جبلت پھرت میں، اپنے کھیل کود میں اور اپنے اٹھنے بیٹھنے میں بچہ بھی اتنی ہی آزادی چاہتا ہے جتنی کہ ہم بڑے آدمی۔ جب ہم بچے سے کہتے ہیں "مت چھو، مت بول، مت چل، مت کھیل، باہر مت جا اور ادھر مت دیکھ وغیرہ" تو ہم اس پر ایک قسم کا بے جا دباؤ ڈالتے ہیں۔

بے شک ہم بڑوں کی سب باتیں ہماری اپنی مرضی کے مطابق نہیں ہوتیں، لیکن ہم تمام باتیں دوسروں کی مرضی کے مطابق بھی تو نہیں کرتے۔ تو پھر بچوں کو کیوں مجبور کیا جائے کہ وہ تمام باتیں ہماری مرضی کے مطابق کریں! بچے کو بعض باتیں محض اس لئے کرنے سے منع کرنا ٹھیک نہیں کہ وہ ہمیں اچھی نہیں لگتیں۔ ہمیں کوئی حق نہیں کہ ہم اپنی خوشی کے لئے بچے کی خوشی کا خون کریں۔

ایسی پابندی میں رہنے والا بچہ بہت ممکن ہے کہ پست حوصلہ ہو جائے، اسے اپنے تمام کام غلط، اپنی تمام باتیں بیہودہ اور اپنی تمام کارروائیاں مضحکہ خیز معلوم ہونے لگیں۔ وہ کوئی نئی بات کرنا چاہے تو اس ڈر کی وجہ سے نہ کر سکے کہ شاید اس کے والدین کو یہ بات بھلی نہ لگے۔ بھلا ایسے

بچے دنیا میں کیا کامیاب ہو سکتے ہیں؟

وہ کوئی تجربہ، اختراع یا ایجاد نہیں کر سکتے۔ انھیں اپنے آپ پر بھروسا نہیں رہتا۔ ایسے جبر و تشدد اور سخت نگرانی میں پلا ہوا بچہ، ہو سکتا ہے، ایک ایسا انسان بنے جو جھینپنے والا، شرمیلا، لوگوں کی عیب جوئی کا خائف اور نقصان یا ملامت کی وجہ سے زندگی میں کوئی بڑا کام کرنے سے ڈرنے والا ہو۔

یہ امکانات تو ہیں اس صورت میں جب بے جا دباؤ کی وجہ سے بچہ سہم جائے، لیکن بعض اوقات بچہ سہم جانے کے بجائے ایسی حالت میں گستاخ، بے باک اور نڈر ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی خواہش کا اظہار بجائے صحیح طریقے سے کرنے کے، جو والدین کی طرف سے منع ہے، غلط طریقے سے کرے اور کسی نہ کسی گناہ یا جرم میں پھنس جائے۔ جو والدین یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ پابندیاں بچوں پر برا اثر نہیں ڈالتیں وہ خود کو دھوکا دیتے ہیں۔

(۲) **لاڈ پیار** — جتنا نقصان جبر و تشدد اور دباؤ سے ہوتا ہے، اتنا ہی نقصان ماں باپ کے لاڈ پیار سے بھی ہو سکتا ہے۔ جو ماں اپنے بچے کو بہت زیادہ لاڈ پیار کرتی ہے، بچے کا بہت زیادہ خیال رکھتی ہے، اسے ذرا دیر کے لئے بھی اجازت نہیں دیتی کہ وہ باہر دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلے، وہ ماں، بچے کو بچپن کی چند معمولی تکلیفوں سے بچانے کے لئے زندگی کی بڑی تکلیفوں میں مبتلا کرنے کا سامان پیدا کرتی ہے۔

ہو سکتا ہے کہ ماں کے دل میں کسی خطرے کا ڈر ہو جس سے وہ بچے کو بچانا چاہتی ہے اور اسے باہر جانے نہیں دیتی، یا اسے کسی قسم کا اور فکر ہو۔ روکنے کو تو وہ بچے کو باہر جانے سے روک لے گی، لیکن وہ بچہ باہر جانے کی کوشش ضرور کرے گا۔ اسے اس بات کی تلاش رہے گی کہ اسے باہر جانے سے کیوں منع کیا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ بچے کے دماغ میں ماں کی محبت کے خلاف ایک شبہ سا پیدا ہو جائیگا اور وہ ہمیشہ اس ممنوع کام کرنے کی فکر میں رہ کر جھوٹ بولے گا، بہانے بنائے گا اور دھوکا دے گا۔

اگر ماں حفاظت کی خاطر بھی بچے کو باہر جانے سے روکتی ہے تو بھی برا ہے، اس لئے کہ اس سے بچہ دوسروں کا محتاج ہو جائے گا اور اپنے بل بوتے پر کسی کام کے کرنے کی ہمت نہ کرے گا۔

ہر شخص کی زندگی میں ہزاروں چھوٹے چھوٹے معاملات پیش آتے ہیں۔ اُن کا مقابلہ کرنا اس لاڈلے کے بس سے باہر ہوگا۔ جب کوئی مشکل ہوگی تو فوراً ماں یاد آئے گی اور وہ بے بس اور لاچار ماں کو یاد کرکے رونے کے سوا اور کچھ نہ کر سکے گا۔ اس سے بچے میں کمتری کا احساس پیدا ہو جاتا ہے جو ذہنی مرض ہے۔ بڑے ہو کر بھی یہ خیال اس پر حاوی رہتا ہے۔ کسی موقع پر بھی وہ اپنی آزاد رائے نہیں دے پاتا۔ وہ اپنے آپ کو چھوٹا، ذلیل اور حقیر سمجھتا ہے۔

(۳) **والدین کے باہمی تعلقات** — ماں باپ کے آپس کے جھگڑے اور نااتفاقی بھی بچوں کے جذبات کو پراگندہ کرنے اور ذہنی توازن کو بگاڑنے کا سبب بن جاتی ہے۔ جب بچہ دیکھتا ہے کہ اُس کے رہبر، محافظ، مشفق اور مددگار ماں باپ آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں اور ایک دوسرے سے محبت نہیں کرتے تو اسے اپنے گھر میں آرام محسوس نہیں ہوتا۔ وہ خود غرض سا ہو جاتا ہے۔ دوسروں کے ساتھ مل کر کام کرنے میں اسے لطف نہیں آتا، یکسوئی اور امن، جو بچے کی ترقی کے لئے ضروری ہیں، کافور ہو جاتے ہیں۔ بچے کے ذہن میں بداعتمادی، بے بسی، ڈر اور رنج و فکر گھر کر لیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ دوسروں سے ملتے ہوئے ڈرتا ہے اور اکثر سہما ہوا سا رہتا ہے۔

(۴) **خاندان کے بچوں کے باہمی تعلقات** — ایک کنبے کے بچوں کی آپس کی لڑائی بھی چھوٹے بچے پر بہت بڑا اثر ڈالتی ہے۔ ایک گھر میں بڑی بہن یا بڑا بھائی جب چھوٹے بچے کو ڈانٹتا ہے، مارتا ہے، یا نفرت کرتا ہے، تو بچے کے دل میں کینہ، حسد اور بدلا لینے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ چونکہ وہ اپنی کمزوری کی وجہ سے بے بس ہوتا ہے، اس لئے اس جذبے کا اظہار مختلف طریقوں سے ہوتا ہے — اس کا مزاج چڑچڑا ہو جاتا ہے، وہ بڑوں سے بات کرنے سے کتراتا ہے اور چھوٹوں پر ظلم کرتا ہے، وغیرہ۔

بعض دفعہ یہ باہمی نااتفاقی جسمانی امراض کا باعث بھی ہوتی ہے کیونکہ جسم ذہن کے اثر سے بچ نہیں سکتا ہے۔ ذہنی پریشانی جسم پر ضرور اثر ڈالتی ہے۔

ایک بچے کو پیشاب کا مرض تھا۔ اس کے والد نے مجھے بتایا کہ وہ دن میں کوئی پچیس مرتبہ پیشاب کرتا اور پاخانہ جاتا ہے۔ لڑکے نے جواب دیا "نہیں، پندرہ بار جاتا ہوں"۔ میں حیران تھا کہ آخر پندرہ مرتبہ کہنے میں کیا راز ہے! میں نے کہا "بچے کو اسکول میں چھوڑ جاؤ۔ اس کا دل دوسرے بچوں کے ساتھ بہل جائے گا اور اگر مرض کی شکایت ہوگی تو وہاں پاخانہ ہے۔ کوئی تکلیف نہیں ہوگی"۔ بچہ مدرسے آیا اور دوسرے بچوں میں ہل مل گیا۔ اس روز بچے "جاپانی بچے" کا حال پڑھ رہے تھے۔ کئی گڑیاں وہاں موجود تھیں۔ اس مریض بچے نے ایک گڑیا اُٹھالی اور اسے پھاڑ ڈالا۔ ایک ایک کپڑا، ٹانکا اور جوڑ الگ الگ کر دیا۔ باتوں باتوں میں معلوم ہوا کہ اس بچے کی ایک بہن ہے، جس کی عمر ٹھیک پندرہ سال ہے۔ یہ بچہ اس گڑیا کو اس کی ہم شکل سمجھ کر کینے کی وجہ سے پھاڑ رہا ہے۔ یعنی اگر اسے موقع ملے اور طاقت اجازت دے تو وہ اپنی بہن کے ساتھ بھی وہی سلوک کرے۔ بس اب مرض دور ہو گیا اور بچہ خوش رہنے لگا۔

(۵) **والدین کی بے انصافی** — بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ماں پہلے بچے کو زیادہ محبت کرتی ہے، دوسرے کو کم۔ یا لڑکی کو خاطر میں نہیں لاتی اور لڑکے کے لئے جان دیتی ہے۔ ایسی صورت میں ان بچوں کو احساس کمتری ہو جاتا ہے جن کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہے اور وہ شرمیلے، ڈرپوک، پست ہمت اور بے بس و لاچار نظر آتے ہیں اور وہ بچے جن کی بے جا طرفداری کی جاتی ہے، خود غرض، مغرور، گستاخ ہو جاتے ہیں۔

والدین کا فرض ہے کہ وہ بچوں کے ساتھ محبت کے معاملے میں یا کسی چیز کے لین دین میں انصاف سے کام لیں۔

(۶) **ڈر** — ماں اپنے آرام یا گھر کا کام کاج کرنے کی غرض سے بچے کو طرح طرح کے خوف دلاکر خاموش رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ وہ اسے اندھیرے میں لے جاکر بھوت پریت کا ڈر دلاتی ہے "آجا بابا، اصغر کو پکڑ لے جا!" "چپ، نہیں بابا تجھے اپنی جھولی میں ڈال لے گا!" "دیکھو باہر نہ جا، وہاں ہوّا بیٹھا ہے!" ایسی ایسی باتیں کرکے "ماتا کی ماری" ماں اپنے بچے کو خود اپنی ماتا سے مار دیتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچپن

سے یہ معمولی واقعات بچے کی ساری زندگی پر حاوی ہو جاتے ہیں۔ وہ بڑا ہو کر بھی اندھیرے کمرے میں اکیلا نہیں جا سکتا، رات کے وقت باہر نہیں نکل سکتا، کیونکہ رات کے وقت درخت بھی اسے چلتے پھرتے بھوت نظر آتے ہیں۔ ایسے ہی اور بہت سے واقعات ہیں جو کہنے اور دیکھنے میں معمولی معلوم ہوتے ہیں مگر وہ بچپن ہی سے بڑے بڑے گناہوں، بیماریوں اور ذہنی تفکرات کی داغ بیل ڈال دیتے ہیں۔

(۷) **مدرسے کا خوف** — مدرسے میں بچوں کے ساتھ جو برتاؤ استاد کرتے ہیں، اس کا صحیح نقشہ لفظوں سے نہیں کھینچ سکتا۔ لہذا اسے مکمل طور پر آئندہ نمبر میں "مدرسہ یا ذبح خانہ" کے عنوان سے پیش کروں گا۔ یہاں اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ اگر بچے کے والدین اپنی کم فہمی کی وجہ سے بچے کی زندگی خراب کرنے میں کوئی کسر چھوڑ دیتے ہیں تو مدرسہ اسے پورا کر دیتا ہے، مدرسہ اسے ڈرپوک، بدھو، بے بس اور غلام بنا دیتا ہے۔

مدرسے میں جہاں بچہ اپنے آپ کو دوسرے بچوں کے درمیان پاتا ہے، وہاں وہ دوسروں کے ساتھ اپنے رہن سہن کا مقابلہ کر کے بہت سی ذہنی پریشانیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ اگر ایک بچے کا باپ شرابی ہے، چوری کرنے یا بدمعاش ہونے کی وجہ سے بدنام ہے، تو وہ بچہ دوسرے بچوں کے سامنے اپنی نگاہ کبھی اونچی نہیں کر سکتا۔

غریب کا بچہ اپنے امیر ساتھی کو ٹھاٹ باٹ سے رہتا دیکھ کر اپنے کو کمتر سمجھنے لگتا ہے اور اپنے فطری جواہر کو چمکنے کا موقع نہیں دیتا۔ اس کی زندگی کا پھول بن کھلے مرجھا جاتا ہے۔ مدرسہ چاہے تو ان تمام خرابیوں کو دور کر سکتا ہے۔

مختصر طور پر ان چند سطروں میں میں نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ بچے کا بچپن سے ہی خیال رکھنا کس قدر ضروری ہے۔ اسے آزادی چاہئے، مطلق العنانی نہیں۔ اسے ہر طرح ابھرنے، بڑھنے اور ترقی کرنے کے موقعے دئے جائیں۔ والدین اس کی نہایت سمجھ بوجھ اور ہوشیاری سے دیکھ بھال کریں۔ کبھی محبت سے تو کبھی ڈانٹ سے، کبھی پیار سے تو کبھی جھڑکی سے، جیسا موقع ہو بچے کی رہنمائی کریں، اس کا ساتھ دیں تاکہ وہ دنیا کے پیچیدہ مسائل کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر طرح تیار ہو جائے اور اس طرح سماج کا ایک کار آمد رکن بن جائے۔

کشوری لال، بنیادی مدرسہ لدھیانہ

فہرست مضامین

ضروری اطلاع

رسالے کا چندہ ختم ہونے سے پہلے خریداروں کو اطلاع دے دی جاتی ہے کہ وہ ایک خاص تاریخ تک اپنا چندہ بھیج دیں تاکہ ان کے نام آئندہ رسالہ جاری رکھا جا سکے۔ اگر اس تاریخ تک ہمارے دفتر میں روپیہ نہیں آئے گا تو آئندہ مہینے کا پرچہ وی۔پی۔ سے بھیجا جائے گا۔ اگر کوئی صاحب آئندہ پرچہ نہ منگانا چاہیں تو مہربانی فرما کر اس کی اطلاع وقت کے اندر دے دیں تاکہ وی۔پی۔ کرنے کا خرچہ دفتر کو بلاوجہ برداشت نہ کرنا پڑے۔ بعض حضرات تساہل کی وجہ سے نہ تو وقت پر روپیہ بھیجتے ہیں اور نہ رسالہ بند کرنے کی اطلاع دیتے ہیں جس کی وجہ سے دفتر کو بلاوجہ وی۔پی کا خرچہ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ تعلیمی کام کرنیوالوں میں کم از کم اتنا احساس تو ہونا چاہیئے کہ وہ ہمیں نقصان سے بچائیں۔

دفتر "نئی تعلیم"، اوکھلا، دہلی

پرنٹر و پبلشر اسماعیل ... مطبوعہ جید برقی پریس، دہلی مدیر: سلامت اللہ

نئی تعلیم

جلد۳، نمبر۱۰	جامعہ نگر (دہلی)، اکتوبر سنہ ۱۹۴۱ء	قیمت سالانہ عہ

بچّہ اور مکھی

(مکالمہ)

[ہم نیچے ایک نظم دے رہے ہیں۔ یہ بچوں کے لئے دلچسپ بھی ہے اور سبق آموز بھی۔ اسے بچے بہت آسانی سے زبانی یاد کرسکتے ہیں اور لے اور دھن کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں۔ مدیر]

ایک لڑکے نے یہ مکھی سے کہا — کس لئے پھیلا رہی ہے تو وبا؟
تو ہی اک زہریلے کیڑوں کی ہے کان — تجھ سے ہے خطرے میں ہر انساں کی جان
گندگی پر بیٹھ کر تو پھر اٹھی — صاف ستھرے کھانوں پر آکر گری
پیچش و دق کرنا تیرا کام ہے — اصل میں امراض تیرا نام ہے
چھوت کی بیماریوں کا تو ہے گھر — تجھ سے ہیضہ پھیلتا ہے سربسر
جس کسی کے گھر میں تو مہمان ہے — موت کا گویا وہاں سامان ہے
مانتی ہوں ہے یہ سب سچ اے حضور — کچھ تمہارا بھی تو ہے اس میں قصور
مجھ سے ڈرتے ہو تو کیوں گندے رہو — گندے رہ کر مجھ کو کیوں الزام دو

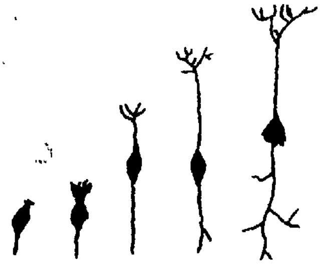
دوسرا ہے نام اجل کا گندگی
بات بس یہ کہہ کے مکھی اُڑ گئی

غفران احمد قریشی، نصرت،
متعلم استادوں کا مدرسہ،
جامعہ نگر، دہلی۔

ربط کا طریقۂ تعلیم

(گذشتہ سے پیوستہ)

انسانی دماغ کا وہ حصہ، جو تمام شعور کا مرکز ہے کورٹکس (Cortex) کہلاتا ہے۔ یہ دماغ کا سب سے اوپری حصہ ہے اور رنگ میں راکھ کی طرح کا ہوتا ہے۔ اس کی تہہ ۱/۱۲ سے ۱/۴ تک موٹی ہوتی ہے۔ ایک مکمل اور اچھے دماغ میں یہ تہہ پوری لمبائی چوڑائی میں یکساں موٹی ہوتی ہے۔ لیکن اگر ہم کسی ایسے شخص کے دماغ کا معائنہ کریں جو زندگی میں کسی ایک حس یا جسمانی فعالی کے کسی ایک مرکز کو استعمال نہ کرسکا ہو تو ہمیں اس کی کورٹکس کا وہ حصہ، جس کا تعلق اس حس یا جسمانی فعالی سے تھا، باقی کورٹکس کے مقابلے میں کم موٹا ملے گا۔ یہ دماغ نامکمل اور ناقص دماغ ہے اور اس کے ذریعے کام کرنے والا ذہن بھی ناقص ذہن ہے۔ پروفیسر ڈونلڈسن نے لورا برجمین ایک خاتون کے دماغ کا معائنہ کیا تھا۔ لورا عام بچوں کی طرح پیدا ہوئی تھی اور قریب تین سال کی عمر تک اس نے عام بچوں کی طرح زندگی بسر کی۔ اس کے بعد وہ ایک خطرناک بیماری کے باعث سماعت سے بالکل محروم ہوگئی اور اس کی بائیں آنکھ بھی جاتی رہی۔ بیماری کا اثر دائیں آنکھ پر بھی پڑا تھا اور آٹھ سال کی عمر میں اس کی یہ آنکھ بھی بے نور ہوگئی۔ لورا نے اس حالت میں زندگی کے ساٹھ سال گذارے۔ اس کی موت کے بعد ڈونلڈسن نے اس کے دماغ کا معائنہ کیا تو اول تو اسے لورا کی پوری کورٹکس عام دماغوں کی کورٹکس کے مقابلے میں بہت پتلی ملی اور اس میں بھی بائیں آنکھ سے تعلق کورٹکس کا حصہ، اس حصے سے اور بھی زیادہ پتلا ملا جس کا تعلق دائیں آنکھ سے تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ مادی دنیا اور حواس کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو اور ساتھ ہی ساتھ بچے کو ان حرکات و سکنات کی بھی آزادی موجود ہو جو وہ حواس کے سلسلے میں بطور جوابی عمل کرنا چاہتا ہے۔ بچوں کی زندگی میں قسم قسم کے رنگین کھلونوں کی، سیر و تفریح کی، میلوں تماشوں کی اور کھیل کود کی اہمیت صحت دماغی کی پہلی لیکن سب سے زیادہ مضبوط بنیاد ہے۔ دماغ کے مختلف حصے ریڈیو سٹ کے ویلوز (valves) کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر آپ کے ریڈیو سٹ کے سب ویلوز ٹھیک ہیں اور اپنی پوری قوت سے کام کر سکتے ہیں، تو آپ کا ریڈیو سٹ آپ کی بے شک بہت عمدہ خدمت کرے گا۔ لیکن اگر اس میں ایک ویلو بھی خراب ہے تو وہ پورے ریڈیو سٹ کی عمدگی پر داغ لگا دیتا ہے۔ فطرت ہمیشہ انسان پر اعتماد کرنے سے زیادہ اپنے انتظامات اپنے ہاتھ میں رکھتی ہے۔ چنانچہ جہاں تک حواس اور جسمانی فعالی کے ذریعے دماغ کی نشو و نما کا تعلق ہے، فطرت نے خود بچے میں چنچل پن، کھیل کود اور چیزوں کو بنانے بگاڑنے کا رجحان اور جبلت پیدا کی ہے۔ بچہ خود بخود اپنی نشو و نما کے لئے غیر شعوری اور جبلی طور پر کوشش کرتا رہتا ہے۔ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ بعض ماں باپ یا استاد بچوں کو ان کے اس بنیادی کام میں مدد دینے کے بجائے الٹی رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں۔ دماغ بہت باریک باریک ریشوں سے بنا ہوا ہے۔ یہ ریشے نشو و نما کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ نیچے کی شکل میں نشو و نما پائے ہوئے اور نشو و نما نہ پائے ہوئے ریشوں میں فرق دیکھا جا سکتا ہے۔



یہ گفتگو کچھ لمبی ہوگئی لیکن اس سے یہ ضرور واضح ہوگیا ہوگا کہ انسان کی صحیح نشو و نما میں کیا عناصر بنیاد کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ وہ عناصر ایک مرتبہ پھر مختصراً عرض کر دوں مندرجہ ذیل ہیں:-

(۱) اچھی غذا۔
(۲) حواس کے استعمال کا موقع اور
(۳) جسمانی فعالی کی آزادی۔

تعلیم کی آخری غرض و غایت چونکہ جسمانی اور ذہنی اعتبار سے صحیح اور مکمل قسم کا انسان پیدا کرنا ہی ہوسکتی ہے اس لئے بہترین نظام تعلیم بھی وہی ہے جو جسم، حواس اور ذہن کی ہم آہنگ تربیت کا ذریعہ بن سکے۔ اور حقیقتاً ہماری تعلیم کا بنیادی دور اسی وقت سے شروع ہوتا ہے جس وقت سے جسم، حواس اور ذہن کی ہم آہنگ تربیت کے نصب العین پر خیال و عمل کی قوتیں صرف ہونے لگی ہیں۔ جہاں پہنچ کر ہمیں یہ بات حاصل ہو جاتی ہے، وہیں ہماری منزل ہے۔ یہاں نصاب کے مضمون ایک دوسرے سے الگ الگ شمار ہونے کے بجائے ایک وحدت کی حیثیت رکھتے ہیں اور طریقہ ان مضامین کو پڑھانے کا کچھ ایسا ہوتا ہے جس میں جسمانی فعالی حواس کے استعمال اور ذہن کو سوچ بچار کا یکساں موقع ملتا ہے۔ جو طریقۂ تعلیم ہمیں یہ چیز مہیا کر دے وہی ربط کا طریقۂ تعلیم ہے۔ آج سنہ ۱۹۴۱ء میں ہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ ہم اس نصب العین سے بہت قریب پہنچ چکے ہیں اور گو ہمارے مدرسوں میں عام طور پر وہ سہولتیں ابھی میسر نہیں آئیں، جو ہمیں ہمارے ارادوں میں کامیاب بنا سکیں، تاہم ہمارے ذہن میں یہ چیز اب بالکل صاف ہے کہ ہم اس نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے کیا طریقے اختیار کر سکتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم اس نصب العین تک قدم بہ قدم اور منزل نہ منزل پہنچے ہیں۔ ایسا یقیناً نہیں ہوا [جیسا بعض لوگوں کا خیال ہے] کہ ہم کسی صبح اُٹھے ہوں اور یہ بات الہام کے ذریعے ہم میں سے کسی پر وحی کی شان لے کر نازل ہوگئی ہو۔

فضل الدین، اثر
متعلم ٹرننگ کالج،
علی گڑھ۔

استاد کی ڈایری

ابتدائی انسان کی کہانی

[اس کہانی کا تعلق جماعت اوّل کے سماجی علم کے نصاب سے ہے۔ اس میں استاد نے یہ بات ایک اچھے انداز میں پیش کی ہے کہ ابتدائی انسان کیا پہنتا تھا، کیا کھاتا تھا، کن ذریعوں سے وہ اپنی روزی حاصل کرتا تھا، کہاں رہتا تھا اور اس کے مددگار جانور کون سے تھے؟ اس سبق سے اس قول کی صداقت ثابت ہوتی ہے کہ "ضرورت ایجاد کی ماں ہے" یعنی اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کی زندگی میں جو تبدیلیاں ہوئی ہیں وہ بعض ضرورتوں کی بنا پر ہوئی ہیں۔

یوں تو یہ سبق بچوں کے لئے بہت دلچسپ ہے لیکن بہت بڑا ہونے کی وجہ سے ایک روز میں ختم نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اسے کئی حصوں میں تقسیم کر کے پڑھانا چاہئے۔ مدیر]

ایک روز جب بچے اپنی کیاریوں میں پانی دے رہے تھے تو پانچ سادھو اُدھر سے آنکلے۔ ان کے سر اور منہ پر لمبے لمبے بال تھے اور انھوں نے کمر سے رانوں تک ایک ایک کھال لپیٹ رکھی تھی۔ باقی بدن ننگا تھا۔ بچوں نے اس سے پہلے ایسے آدمی کبھی نہیں دیکھے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی وہ کچھ سہم سے گئے اور اپنا کام بند کر کے بھونچکے سے کھڑے ہو گئے۔

ہری - ماسٹر صاحب، یہ کیسے لوگ ہیں؟ ان کی شکل بڑی بھیانک ہے۔ ان سے ڈر لگتا ہے۔ یہ ننگے کیوں ہیں؟ ان کو کپڑے نہیں ملتے؟

میں - یہ لوگ جنگلوں اور غاروں میں رہتے ہیں۔ ان بے چاروں کے پاس کپڑا کہاں سے آئے! اور ہمارے باپ دادا کب کپڑا پہنتے تھے۔ وہ بھی تو جنگلوں میں ان سادھوؤں کی طرح رہتے تھے۔ پہلے پہل تو وہ کھال پہننا بھی نہیں جانتے تھے۔ بس بالکل ننگے رہتے تھے۔

احمد - ماسٹر صاحب، بالکل ننگے؟ تو پھر انھوں نے کھال پہننا کیسے سیکھا؟

میں - اس کی تو ایک بڑی اچھی کہانی ہے۔ اب سے بہت بہت پہلے کی بات ہے، ایک جنگلی ماں باپ کے بہت سے بچے تھے۔ وہ ایک غار میں رہتے تھے۔ سب سے بڑے بچے کا نام ان کی اپنی جنگلی جانوروں کی سی زبان میں دھا—ڑو تھا۔

جگدیش - یہ تو نرالا نام ہے دھاڑو۔

میں - ہاں۔ اس وقت ایسے ہی نام ہوتے تھے۔ کیا تم لوگوں میں سے کسی نے شیر دیکھا ہے؟

جمیل - ہاں۔ ایک بار میں اپنے ابا کے ساتھ چڑیا گھر دیکھنے گیا تھا، تو وہاں میں نے دو تین شیر دیکھے تھے۔

میں - تم نے شیر کی آواز بھی سنی ہے؟

جمیل - ہاں، وہ جب بولتا ہے تو بڑے زور سے گھڑ گھڑ گھڑ کی آواز پیدا ہوتی ہے اور اس سے دل دھڑکنے لگتا ہے۔

میں - شیر کی آواز کو دھاڑ کہتے ہیں۔ اب تم سمجھے کہ اس بچے کا نام دھاڑو کیوں تھا؟

جگدیش - ہاں وہ شیر کی طرح دھاڑتا ہوگا۔ اس لئے اس کے ماں باپ نے اس کا نام دھاڑو رکھ دیا تھا۔

میں - ہاں یہی بات ہے۔ غریب دھاڑو کے پاس تمہارے جیسے روئی یا اُون کے کپڑے نہیں تھے۔ جب جاڑا آیا تو دھاڑو اور اس کے چھوٹے چھوٹے بہن بھائیوں کو بڑی تکلیف ہوئی۔ بے چارے ساری رات اور سارا دن کانپتے رہتے۔ دھاڑو کے باپ نے اپنے بچوں کا یہ حال دیکھا تو وہ دھاڑو کی ماں کے پاس گیا اور اس سے کہا "غُر، غُر، غُر۔"

ہری - ماسٹر صاحب، اس کا کیا مطلب ہے؟

میں - اس کا مطلب یہ تھا کہ افسوس کیا ہمارے بچے اسی طرح ٹھٹھرتے رہیں گے؟ ہمیں ان کے لئے کچھ کرنا چاہئے۔ دھاڑو کی ماں نے اپنا سر جھکایا اور سوچنے لگی۔ اس کو ایک بات سوجھ گئی۔ اس نے کہا "چر، چر، چر۔" اس سے اس کا مطلب یہ تھا کہ "تم ان جنگلی جانوروں کی کھالیں کیوں نہیں لے آتے۔" پھر اس کی ماں نے اپنے دونوں ہاتھوں کو بدن پر پھیرا اور اس طرح دھاڑو کے ابا کو سمجھایا "میں بچوں کو ان کھالوں سے ڈھانپ دوں گی۔"

جگدیش - دھاڑو کی اماں بہت ہوشیار تھی۔

میں - ہاں، اگر وہ یہ ترکیب نہ سوچتی تو اس کے بچوں کو بڑی تکلیف ہوتی۔ دھاڑو کا باپ اس بات پر بہت خوش ہوا اور اس نے ایک آواز نکالی "خوں، خوں، خوں۔" بہت اچھا، بہت اچھا، بہت اچھا۔ میں ابھی جاتا ہوں۔ اس نے ایک بھاری سا نوکدار پتھر ہاتھ میں لیا اور اس سے تھوڑی دیر میں دو ہرن اور دو لومڑیاں مار لایا۔

ظفر - ماسٹر صاحب، دھاڑو کا باپ بڑا نشانہ باز تھا کہ پتھر سے شکار مار لایا۔

میں - ہاں، اگر وہ ایسا نہ ہوتا تو اس کا کام کیسے چلتا۔ دھاڑو کے ابا نے ان کی کھالیں کھینچیں۔ ان کو سکھا کر دھاڑو کی ماں نے وہ اپنے بچوں کو اڑھا دیں۔ جاڑا بڑے آرام سے کٹا۔ جاڑا گیا اور گرمی آئی۔ کھال کون پہنتا۔ اس میں گرمی لگتی تھی۔ دھاڑو اور اس کے ماں باپ غار کو چھوڑ کر جنگل میں چلے آئے۔ انھوں نے کھال کے لیڑے اتار دئے اور درختوں کے ہرے ہرے پتے اپنے بدن پر لپیٹ لئے۔ ایک دن دھاڑو

اور اس کے بہن بھائی ایک درخت پر باری باری چڑھ رہے تھے۔ دھاڑو جو پھسلا تو اس کے ناخنوں سے درخت کی چھال چِر سے اتر آئی۔ چھال بہت چوڑی تھی اور تپلی بھی تھی۔ اس پر دھاڑو اور اس کے بہن بھائی اچھلنے کودنے لگے اور گانے لگے "ہُو۔ ہُو۔ ہُو" ہم تو اس کو پہنیں گے۔ پھر وہ اس چھال کو اپنی ماں کے پاس لے گئے۔ اس نے چھال کے ٹکڑے کیے، ٹکڑوں کو کانٹوں سے جوڑا اور بچوں کو پہنا دئے۔ وہ سب خوش ہوئے۔

دھاڑو جب جوان ہوگیا تو وہ اپنے باپ کے ساتھ شکار کو جانے لگا۔ اس کے پاس ایک گول سا اور ایک لمبا سا نوک دار پتھر تھا اور ایک سینگ تھا جس کی نوک بہت تیز تھی۔ یہ اس کے شکار کے ہتھیار تھے۔ اس کے باپ کے پاس بھی ایسے ہی ہتھیار تھے۔ ایک دن دھاڑو اپنے باپ کے ساتھ شکار کو گیا۔ ان کے سامنے سے ایک چیتا نکلا۔ دھاڑو نے اس کا پیچھا کیا اور اس کے قریب جاکر اپنا نکیلا پتھر زور سے اس پر پھینکا۔ چیتا وہیں ڈھیر ہوگیا۔ دھاڑو اور اس کے باپ نے اس کی کھال کھینچی اور اس کا گوشت لے آئے۔ وہ گوشت سب نے بڑے مزے سے کھایا۔

احمد۔ کیا دھاڑو کچّا گوشت کھاتا تھا؟

میں۔ اور کیا؟ وہ آگ جلانا تو جانتا نہیں تھا کہ تمھاری طرح گوشت کو ابال کر یا بھون کر کھاتا۔ وہ اسی طرح کچّا گوشت مزے سے کھاتا تھا جیسے تمھارے کتے کھاتے ہیں۔ دھاڑو ہر روز صبح اٹھتا اور شکار کو چلا جاتا۔ جانوروں کی کمی نہ تھی، بہت جلد شکار مار کر گھر واپس آجاتا۔ رفتہ رفتہ اس نے اپنے آس پاس کے سب جانور مار ڈالے، جو بچ گئے وہ ڈر کے مارے وہاں سے بھاگ گئے۔ اب تو شکار ملنا مشکل ہوگیا۔ ایک دن دھاڑو اور اس کا باپ صبح سے شام تک جنگل میں گھومتے رہے لیکن انھیں کوئی شکار نہ ملا۔ جب وہ شام کو واپس آئے تو دھاڑو کے بہن بھائی مارے بھوک کے رو رہے تھے۔ دھاڑو کو بڑا افسوس ہوا۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا کیا جائے۔ وہاں آس پاس بہت سے درخت تھے۔ وہ ایک درخت پر چڑھ گیا اور اس کا ایک پتہ توڑ کر منہ میں رکھا۔ اس کو چبایا تو وہ بڑا مزے دار تھا۔ وہ مارے خوشی کے چلا اٹھا "او۔ او۔ او" پھر اس نے بہت سے پتے توڑے اور انھیں لے کر دوڑتا ہوا اپنے بہن بھائیوں کے پاس پہنچا اور ان سے کہا "کھو۔ کھو۔ کھو" کھاؤ، کھاؤ، کھاؤ۔ بڑے مزے دار ہیں۔ انھوں نے بھی کھائے۔ وہ انھیں بڑے اچھے لگے۔ پھر تو انھیں درختوں کے پتے کھانے کا چسکا پڑ گیا۔ انھوں نے رفتہ رفتہ بہت سے درخت ڈھونڈھ نکالے، جن کے پتے کھٹے میٹھے اور مزے دار تھے۔ جس روز شکار نہ ملتا وہ پتے کھا لیا کرتے۔

ایک دن کیا ہوا۔ دھاڑو ایک درخت کے پتے کھانے جا رہا تھا۔ اسے کیا خبر تھی کہ پاس ہی جھاڑی میں چھپا ایک شیر بیٹھا ہے۔ شیر نے دھاڑو کو دیکھا تو اس کی طرف لپکا۔ دھاڑو کے پاس اس وقت کوئی ہتھیار تو تھا نہیں کہ جس سے وہ شیر کی خبر لیتا۔ وہ اپنی جان بچانے کے لئے جھٹ ایک اونچے سے درخت پر چڑھ گیا۔ شیر اس کا کچھ نہ بگاڑ سکا اور ایک طرف کو چلا گیا۔ درخت کی چوٹی پر ایک چیل کا گھونسلا تھا۔ چیل دھاڑو کو دیکھ کر جھٹ اڑ گئی۔ دھاڑو گھونسلے کی طرف بڑھا۔ اس نے گھونسلا پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ اس پر جھک کر اسے دیکھنے لگا۔

اس نے اپنے دل میں کہا۔ میں بھی ایک ایسا گھر بناؤں گا۔ یہ سوچ کر اس نے چیل کا گھونسلا وہاں سے لے لیا اور نیچے اترنے لگا۔ ایک تپلی سی ٹہنی پر اس نے پاؤں رکھا ہی تھا کہ وہ کڑاک سے ٹوٹ گئی اور دھاڑو قلابازیاں کھاتا ہوا نیچے گرنے لگا۔ مگر بھئی تھا بڑا خوش قسمت۔ نیچے کھڑا تھا ایک گدھا، دھاڑو اس گدھے کی پیٹھ پر سیدھا آگرا۔ گدھا دوڑنے لگا۔ جنگلی گدھا تھا، بڑا تیز دوڑتا تھا۔ بس ہوا ہوگیا۔ دھاڑو اس سے بھی تیز نکلا۔ اس نے گدھے کی گردن کے بال مضبوطی سے پکڑ لئے۔ گدھا کبھی ادھر بھاگا کبھی ادھر دوڑا۔ جب وہ دوڑتے دوڑتے تھک کر چور ہوگیا تو وہ ایک جگہ کھڑا ہوگیا۔ دھاڑو کو اس کی سواری میں بڑا مزا آیا۔ وہ اسے اپنے ماں باپ کے پاس لے گیا اور ایک درخت سے باندھ دیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد دھاڑو اور اس کے بہن بھائیوں سے وہ گدھا ہل گیا۔ وہ اس کی پیٹھ پر بیٹھ کر اسے ادھر ادھر دوڑاتے پھرتے۔

یہ گرمی کے دن تھے۔ بارش بہت دنوں سے نہیں ہوئی تھی۔ آس پاس کے سب گڑھوں کا پانی خشک ہوگیا تھا۔ دھاڑو اور اس کے بہن بھائی پانی کہاں سے پیتے؟ دھاڑو اپنے باپ کے سامنے جاکر کھڑا ہوگیا اور پہلے اس نے اپنا ایک ہاتھ ایک طرف کو ہلایا، پھر دونوں ہاتھوں کا پیالہ سا بنا کر منہ سے لگایا۔ اچھا تم بتاؤ کہ اس کا مطلب کیا تھا؟

جگدیش۔ وہ پیاسا تھا۔ اس نے اس طرح اپنے باپ سے کہا "چلو ایسی جگہ رہیں، جہاں پانی ہو۔"

میں۔ ہاں ٹھیک ہے۔ دھاڑو کے باپ نے اس کے جواب میں اپنا سر ہلایا۔ اس کا مطلب تھا کہ "ہاں، ایسی جگہ [illegible] رہنا چاہیے۔"

پھر دھاڑو نے اپنے بہن بھائیوں کو گدھے پر بٹھایا اور وہ سب پانی کی تلاش میں نکلے۔ راستے میں دو گدھے اور ایک گھوڑا ملا۔ دھاڑو اور اس کے باپ نے انھیں گھیر کر پکڑ لیا۔ ایک گدھے پر دھاڑو کا باپ سوار ہوا اور دوسرے پر دھاڑو کی ماں اور گھوڑے پر دھاڑو خود بیٹھا۔ سب سوار چلے جا رہے تھے۔ چلتے چلتے ایک جگہ پہنچے تو خوشی کے مارے سب چلا اٹھے "ہُو، ہُو۔ ہُو۔" وہاں پانی کا ایک بہت بڑا تالاب تھا۔ بس وہ وہیں اتر پڑے۔ دھاڑو بڑا پھرتیلا تھا۔ وہ جھٹ درخت سے لمبی لمبی ٹہنیاں کاٹ لایا۔ پھر اس نے چیل کے گھونسلے کو نکالا جو اس نے ایک کھال میں لپیٹ کر اپنے پاس رکھ چھوڑا تھا۔ جس طرح چیل کے گھونسلے میں چھوٹی چھوٹی ٹہنیاں لگی ہوئی تھیں اسی طرح اس نے اپنی بڑی بڑی ٹہنیوں کو زمین پر لگایا۔ پہلے ایک ٹہنی کا ایک سرا زمین میں گاڑا پھر اسے کمان سا بنا کر اس کا دوسرا سرا زمین میں گاڑ دیا۔ اسی طرح دوسری ٹہنیوں کو بھی پاس پاس زمین میں گاڑ دیا۔ پھر ٹہنیوں کے بیچ کی جگہ کو پتوں سے ڈھانپ دیا۔ تالاب کے کنارے جھونپڑی تیار ہوگئی۔ وہ سب اس میں رہنے لگے۔ بارش ہوتی یا تیز ہوا چلتی تو سب اس جھونپڑی میں گھس جاتے۔

ایک رات جب وہ اس جھونپڑی میں سو رہے تھے، تو ایک شیر تالاب میں پانی پینے آیا۔ وہ شیر بھوکا بھی تھا۔ وہ پانی پی کر جھونپڑی کے پاس آیا اور جھونپڑی کے اندر گھس کر اس نے دھاڑو کی ایک بہن کو اپنے منہ میں دبا لیا۔ وہ بے چاری زور سے چلائی۔ وہ تو خیریت ہوئی کہ دھاڑو اور اس کا باپ فوراً جاگ گئے اور اپنے ہتھیاروں سے شیر کو بھگا دیا انھیں نے

شیر دھاڑو کی بہن کو اٹھا لے جاتا اور کھا جاتا۔

اچھا بتاؤ اب دھاڑو نے کیا سوچا ہوگا؟

احمد - اس نے سوچا ہوگا کہ جنگلی جانوروں سے بچنے کی کوئی ترکیب نکالنی چاہیئے۔

میں - صحیح ہے۔ ایسا ہی ہوا۔ دھاڑو نے اپنے باپ سے کہا "دھوں۔دھاں" شیر کو ہمارا پتہ چل گیا ہے۔ پھر اس نے کٹک کٹک اپنے دانت بجائے۔ شیر ایک دفعہ پھر آئے گا اور ہمیں کھا جائے گا۔ کیا کرنا چاہیئے؟

دھاڑو کے باپ نے ادھر اُدھر دیکھا۔ پھر تالاب کی طرف اشارہ کیا۔ اس کا مطلب کیا تھا؟

ظفر - وہ تالاب میں جھونپڑی بنانا چاہتا تھا۔

میں - ہاں اس کا یہی مطلب تھا۔ دھاڑو نے موٹی موٹی ٹہنیاں کاٹیں اور تالاب کے اندر ان کو گاڑا اور ایک مچان سا بناکر اس پر ایک جھونپڑی کھڑی کردی۔ اب انھیں کوئی ڈر نہیں تھا۔

ایک رات دھاڑو اپنی جھونپڑی سے نکل کر تالاب کے کنارے آیا۔ اس کے ہاتھ میں نوک دار پتھر تھا۔ اس نے دیکھا کہ کوئی جانور تالاب میں پانی پی رہا ہے۔ اس نے سمجھا کہ شیر کا بچہ ہے۔ اس نے اپنا پتھر زور سے اس پر پھینکا۔ پتھر اس کی ٹانگ پر پڑا۔ وہ جانور زمین پر دھڑام سے گر گیا۔ اس کی ٹانگ میں سے خون بہنے لگا۔ اور وہ "چاؤں چاؤں" کرنے لگا۔ اب دھاڑو کو پتہ چلا کہ وہ شیر کا بچہ نہیں ہے۔ وہ اس کے پاس گیا۔ اس نے دیکھا کہ وہ ایک بھولا بھالا جانور ہے۔ اُسے اس پر ترس آیا اور اپنی گود میں اٹھالیا۔ پھر اس کے زخم کو دھوکر اسے اپنی جھونپڑی میں لے گیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد وہ اچھا ہوگیا اور دھاڑو کے پاس رہنے لگا۔ جب دھاڑو اور اس کے بہن بھائی سوتے ہوتے تو وہ ان کی اور ان کے گھوڑے گدھوں کی رکھوالی کرتا۔ کوئی جانور آتا تو وہ اپنی آواز سے سب کو جگا دیتا۔ وہ دھاڑو کا دوست تھا۔ دھاڑو جہاں جاتا وہ اس کے ساتھ ہوتا۔ اب تو دھاڑو اور اس کا یہ ساتھی بڑے بڑے جانور مار لاتے اور ان کا گوشت مزے لے کر کھاتے۔

بتاؤ دھاڑو کا یہ دوست کون تھا؟

ہری - کتا۔

میں - ہاں ٹھیک ہے۔ اس طرح دھاڑو نے کتے سے اپنا کام لینا سیکھا۔

بس پوری ہوگئی کہانی۔

بچے - (چونک کر) بس ماسٹر صاحب! پوری ہوگئی کہانی؟

جگدیش - آپ نے یہ تو بتا دیا کہ دھاڑو اور اس کے بہن بھائیوں نے کھال اور چھال پہننا، شکار کرنا، جھونپڑے بنانا اور گھوڑے، کتے وغیرہ پالنا کیسے سیکھا، لیکن یہ تو بتایا ہی نہیں کہ انھوں نے ہمارے جیسے کپڑے پہننا اور ہماری طرح رہنا سہنا کیسے سیکھا۔ یہ بھی تو بتایئے۔

میں - دھاڑو اور اس کے بہن بھائی جب تک زندہ رہے کھال ہی پہنتے رہے اور گوشت ہی کھاتے رہے۔ کپڑا تو دھاڑو کے مدتوں بعد بنا ہے۔ اس کی کہانی پھر بتاؤں گا۔ اچھا آؤ اب ہم سب مل کر دھاڑو کے گھر کا ایک ماڈل بنائیں۔

سب بچوں نے مل کر ایک چھوٹا سا جھونپڑا تیار کیا۔ اس کے بعد ایک گڈھا کھود کر اس میں پانی بھر دیا اور اس میں ایک مچان بناکر اس جھونپڑے کو اس پر کھڑا کر دیا۔ اس کام میں بچوں نے بہت دلچسپی لی۔

"کمال"

(بہ سلسلہ صفحہ ۷)

(۱) مرکز کی چند ضروریات کی ایک فہرست تیار کی گئی مثلاً کتابیں تصویریں بورڈ، تعلیمی کتبے، قلم، روشنائی، تختی، کاغذ وغیرہ وغیرہ اور پھر اس فہرست کو لے کر مرکز کے منتظم نے بستی کا دورہ کیا اور مدد کی درخواست کی۔ متعدد لوگوں نے اس درخواست پر تیس چالیس چیزیں عطا فرمائیں اور حوصلہ افزائی کی لیکن مرکز کی مصروفیتوں کی وجہ سے مرکز کے منتظم زیادہ لوگوں تک نہیں پہنچ سکے، ورنہ کامیابی کی اور زیادہ امید تھی۔

(۲) اونچی جماعت کے طالب علموں اور نوجوانوں سے درخواست کی گئی کہ مرکز کے بڑے اخبار کے لئے مواد فراہم کریں اور اخبار تیار کرنے میں منتظم کی مدد کریں۔ چنانچہ کئی مصور نمبر اور متعدد روزنامہ نیز یورپ اور دنیائے اسلام وغیرہ کے چند دیواری نقشے ان لوگوں نے تیار کرکے مرکز کو ہدیۃً دئے۔

(۳) اس ضمن میں خود تعلیم یافتہ نوجوانوں میں بھی لکھنے پڑھنے کا شوق اور احساس پیدا ہوا۔ ان لوگوں نے اپنی ایک انجمن قائم کی اور اس کی طرف سے ایک قلمی رسالہ "خدمت" نکالنا شروع کیا۔ رسالے کے مضمون تمام تر انجمن کے رکن لکھتے تھے اور پرچہ تیار کرکے مرکز کے دارالمطالعے میں داخل کردیتے تھے۔ یہ رسالہ گذشتہ سال برابر شائع ہوتا رہا۔ ان لوگوں نے تقریر کی مشق کے لئے بھی جلسے کئے اور بستی کی خدمت کے لئے بھی ایک پروگرام تیار کیا لیکن وہ پورا نہ کرسکے۔ رسالہ "خدمت" کے تین پرچے مرکز میں اس انجمن کے علمی ذوق کی یادگار موجود ہے۔

(۴) اس انجمن نے کئی ڈرامے بھی بڑی تیاری سے کئے اور پھر ڈراموں کی ایسی ہوا چلی کہ ایک اور بھی انجمن بن گئی اور اس نے ڈراموں کی طرف خاص توجہ کی اور مہینے ڈیڑھ مہینے تک پوری بستی میں ڈراموں اور انجمنوں کا بڑا چرچا رہا۔ دونوں انجمنوں نے ایک دوسرے کے مقابلے میں اپنے ممبروں کی تعداد سو سو ڈیڑھ ڈیڑھ سو تک کرلی یہاں تک کہ انجمنوں کا انتظام سنبھالنا کارکنوں کے لئے مشکل ہوگیا۔

ان کوششوں میں جو تجربے ہوئے ہیں ان کی روشنی میں امید ہے کہ آئندہ جو کوششیں بستی کی تعلیم و ترقی کے لئے کی جائیں گی، وہ زیادہ کامیاب دیرپا اور مفید ثابت ہوں گی۔

عبدالملک جامعی

(بہ سلسلہ صفحہ ۱۰)

ہمارے تعلیمی اداروں کا فرض ہے کہ وہ جذبۂ نفرت، حقارت، احساس کمتری و برتری کو جلد از جلد دور کرنے میں کوشاں ہوں اس لئے کہ کسی فرقے، نسل، مذہب یا قوم کے خلاف جذبۂ تحقیر کا ہونا اقتصادی گتھیوں کو سلجھانے اور حالات کو بہتر بنانے میں سنگ راہ ثابت ہوتا ہے۔ ایک ہی منزل کی مختلف راہیں اور ایک ہی سوال کے ہزاروں حل ہوتے ہیں لیکن اچھی تعلیم ہی ایک ایسی چیز ہے جو مختلف خیال و مسلک رکھنے والے اشخاص کو ایک رشتے میں منسلک کرسکتی ہے، ان کے دلوں سے احساس دوئی کو مٹاکر انھیں متحد کرسکتی ہے اور اقتصادیات کی پیچیدہ گتھیوں کو سلجھا کر دنیا کو قتل و خون، لوٹ کھسوٹ اور غارتگری سے نجات دلا سکتی ہے۔

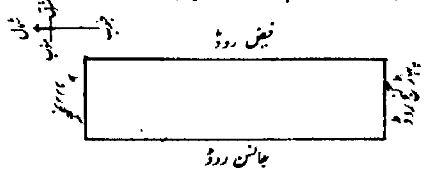
محمد علی مدراسی

تعلیم و ترقی کا مرکز

[گاؤں سدھار کے کام کا ایک اہم حصہ بالغوں کی تعلیم ہے۔ بنیادی تعلیم کی اسکیم میں گاؤں سدھار کے کام پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اس میں تجویز کیا گیا ہے کہ گاؤں کے مدرسے کو ان تمام کاموں کا مرکز ہونا چاہیئے جو وہاں کے رہنے والوں کی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے ضروری ہیں۔ بالغوں کی تعلیم کے بارے میں جامعہ ملیہ اسلامیہ نے قرول باغ، دہلی میں ایک تجربہ کیا ہے، جسے ہم نیچے درج کر رہے ہیں۔ گو کہ یہ تجربہ جن حالات میں ہو رہا ہے وہ گاؤں کے حالات سے بڑی حد تک مختلف ہیں تاہم ہمیں امید ہے کہ اس سے دیہات میں بالغوں کی تعلیم کا کام کرنے والے لوگ کچھ فائدہ ضرور اٹھا سکیں گے، کیونکہ یہ اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔ مدیر]

ادارۂ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نے تعلیم بالغاں کے تجربے کے لئے قرول باغ، دہلی میں ایک "مرکز تعلیم و ترقی" قائم کیا ہے۔ گذشتہ سال (سنہ ۱۹۴۰ء) اس مرکز نے جس طریقے پر بستی میں تعلیم و ترقی کے لئے کوشش کی اس کی یہ مختصر کیفیت اس غرض سے شائع کی جا رہی ہے کہ جو لوگ بالغوں کی تعلیم کا کام ادارے کی تجویزوں کے مطابق کرنا چاہیں وہ اس مرکز کے تجربوں سے بھی فائدہ اٹھا سکیں۔

ہمارا مرکز جانسن روڈ قرول باغ، دہلی میں دو سال سے قائم ہے۔ یہ مرکز جس بستی کی خاص طور پر خدمت کرنا چاہتا ہے اس کا نقشہ یہ ہے:-



اس بستی کا ایک نیا تعلیمی جائزہ مارچ سنہ ۴۱ء میں لیا گیا ہے اور کیفیت یہ ہے:-

گھروں کی تعداد ۴۳۳

بالغوں کی تعلیمی حالت

تعلیم یافتہ	۲۱۳
خواندہ	۴۴۹
ناخواندہ	۹۶۶
کل آبادی	۱۶۲۸

کاروباری حالت

ملازم	۱۳۷
دکان دار	۷۸
طالب علم	۷۷
معمار	۷۹
دست کار	۵۴
درزی	۲۶
بڑھئی	۳۷
تانگے والے	۳۴
مزدور	۲۳
لوہار	۱۹
بہشتی	۱۷

بچوں کی تعلیمی حالت

خواندہ	۱۵۳
ناخواندہ	۳۶۰

مرکز کی دلچسپیاں
اور
پچھلے سال کی مختصر کیفیت

کتب خانہ تعلیم و ترقی یہ کتب خانہ خاص بالغ مبتدیوں کے لئے قائم کیا گیا ہے۔ کتابوں کی تعداد دو ہزار ہے۔ جن لوگوں نے اس کتب خانے سے مستقلاً فائدہ اٹھایا ان کی تعداد ۲۵۰ تھی۔ یہ لوگ کتب خانے کے باقاعدہ رکن ہیں۔ رکنیت کی کوئی فیس نہیں لی جاتی صرف ایک فارم پر دستخط کرا لئے جاتے ہیں۔

کتب خانے کے ممبروں میں زیادہ تعداد بستی والوں کی ہے۔ کچھ لوگ دوسرے محلوں کے بھی ہیں۔ کتابیں روز بعد مغرب مرکز میں جاری کی جاتی ہیں اور دن میں مرکز کا چپراسی بستی کا گشت کر کے گھروں پر کتابیں جاری کرتا ہے۔ پچھلے سال ۵۷ گھروں پر ہماری کتابیں پہنچائی گئیں۔

دوران سال میں کتب خانہ کا جائزہ لینے کے لئے اور ان کتابوں کو وصول کرنے کے لئے جو کتب خانے کے ممبروں کے نام جاری تھیں تقریباً تین ماہ تک کتب خانہ بند رہا پھر بھی ان کتابوں کی کل تعداد چار ہزار رہی۔

اس کتب خانے سے فائدہ اٹھانے والوں میں زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہے جو ابتدائی تعلیم کے بعد کاروبار میں لگ چکے ہیں، یا وہ بچے ہیں جو اس وقت ابتدائی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ نئی نئی کتابوں کا تقاضا بہت زیادہ ہے اور کتب خانہ بند ہو تو شکایت ہوتی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کتابیں پڑھنے کا شوق پیدا ہو رہا ہے۔

تعلیمی حلقے یہ تعلیمی حلقے مختلف قسم کے درس کے لئے ہوتے ہیں۔ بعض حلقے روزانہ ہوتے ہیں بعض ہفتہ وار یا ہفتے میں دو بار۔ ان حلقوں کی مختصر کیفیت درج ذیل ہے:-

(۱) درس قرآن کا حلقہ۔ مقام: بستی کی جامع مسجد
اوقاتِ درس: ایک گھنٹہ روز بعد نماز فجر

درس کا آغاز: یکم رمضان ۱۳۵۹ھ

مدت تعلیم: ایک سال

اس حلقے کی اوسط حاضری گذشتہ سال ۱۵ رہی۔

(۲) پڑھنا لکھنا سکھانے کا حلقہ:- یہ درس روزانہ شام کو مرکز میں ہوتا ہے اور بستی کے جو لوگ پڑھنا لکھنا سیکھنا چاہتے ہیں مرکز کے اوقات میں اپنی سہولت سے آجاتے ہیں اور مرکز کے منتظم سے سبق لے کر چلے جاتے ہیں۔ اس حلقے کے لئے جماعت بندی نہیں کی جاتی۔ گذشتہ سال طلبا کو اس حلقے میں شامل کرنے کی کوئی خاص کوشش نہیں کی گئی۔ اس لئے حاضری بہت تھوڑی رہی۔ چندماہ روزانہ حاضری کا اوسط بیس بائیس رہا اور پھر گھٹ کر حاضری صرف دو چار رہ گئی۔

(۳) دنیا کے موجودہ حالات سمجھانے کا حلقہ:- یہ حلقہ عام طور پر روزانہ رات کو مرکز میں ہوتا ہے۔ اخبارات کی خبریں نقشوں کی مدد سے سمجھائی جاتی ہیں اور اس سلسلے میں دوسری بہت سی باتیں تبلانے اور سمجھانے کا موقع ملتا ہے۔ خواندہ اور ناخواندہ دونوں بڑی دلچسپی سے اس حلقے میں شریک ہوتے ہیں۔ اس حلقے کی اوسط حاضری گذشتہ سال بیس بائیس سے کم نہیں رہی۔

(۴) اسلامیات کے درس کا حلقہ:- یہ حلقہ ہر جمعہ کو بستی کی جامع مسجد میں بعد نماز جمعہ ہوتا ہے۔ درس کا موضوع اسلامیات سے متعلق ہوتا ہے۔ مسائل اور حالات سمجھانے کے لئے مختلف قسم کے جغرافی اور تمدنی نقشوں سے بھی مدد لی جاتی ہے۔ اس حلقے کی اوسط حاضری ہفتہ وار تیس رہی۔

بچوں کے پروگرام بستی میں غریب بچوں کی بہت بڑی تعداد ہے جو مارے مارے پھرا کرتے ہیں جن کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ یہ بچے مرکز میں گھس آتے تھے اور بڑا شور و غل کیا کرتے تھے۔ ان کی تعلیم کا معقول انتظام ممکن نہ تھا۔ اس لئے ان کو مشغول رکھنے کی تدبیریں نکالی گئیں اور ان کے لئے بھی شام کے وقت مرکز میں چھوٹے چھوٹے تعلیمی کھیلوں کے پروگرام شروع کئے گئے۔ بچوں پر اس کا بڑا اچھا اثر پڑا اور رفتہ رفتہ ان پر قابو حاصل کیا گیا۔ شروع میں بچوں کے لئے روزانہ آدھ گھنٹہ یا ۴۵ منٹ کا پروگرام ہوتا رہا لیکن کچھ عرصے بعد ہفتے میں صرف دو بار بچوں کے پروگرام کے لئے وقت نکل سکا۔ بچوں کی روزانہ حاضری کا اوسط کبھی ۲۵ سے کم نہیں ہوا۔

بڑا اخبار یہ اخبار روزانہ اخبارات کے تراشوں سے تیار کیا جاتا ہے۔ کارٹون، تصویروں اور نقشوں کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے اور اخبار کا ایک حصہ مرکز اور بستی کی خبروں کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔ یہ اخبار روزانہ صبح کو تیار کرکے بستی کے بازار میں ایک نمایاں جگہ پر آویزاں کردیا جاتا ہے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ روزانہ تین چار سو آدمی اس اخبار کو پڑھتے ہیں۔ دن بھر اخبار بازار میں رہتا ہے اور شام کو مرکز میں لگا دیا جاتا ہے۔ یہ اخبار ۴ فٹ لمبا اور تین فٹ چوڑا ہوتا ہے۔

اس اخبار کے خاص خاص نمبر بھی نکلتے ہیں مثلاً حج نمبر، محرم نمبر، ہندوستان نمبر وغیرہ وغیرہ۔ یہ خاص نمبر ہمارے روزانہ اخبار سے بھی بڑے ہوتے ہیں وہ کم از کم چھ فٹ لمبے اور ۴ فٹ چوڑے ہوتے ہیں۔

بڑا اخبار علاوہ جمعہ اور چند روز کی دوسری تعطیلوں کے سال بھر پابندی کے ساتھ نکلتا رہا اور اس کے مجلد فائل مرکز کے دارالمطالعے میں رہتے ہیں۔

تعلیمی جلسے مرکز کے پروگرام میں ہر مہینے ایک تعلیمی جلسہ بھی رکھا گیا ہے۔ گذشتہ سال ۵ا تعلیمی جلسے ہوئے جن کی تفصیل یہ ہے:-

۱۔ تعلیمی فلم اور تقریر کے دس جلسے ہوئے جس میں ۸ تعلیمی فلمیں دکھائی گئیں۔ جلسوں کی اوسط حاضری تنو رہی۔

۲۔ حسب ذیل چار ڈرامے ہوئے:-

(۱) دشمن پر اخلاق کا اثر

(۲) شمع حیات

(۳) ہمدرد اور

(۴) میرا فرض

ان جلسوں میں حاضری کا اوسط ۱۵۰ سے کم نہیں رہا۔ چاروں ڈرامے بستی کے لوگوں نے اپنے شوق سے کئے اور اداکاری کے لئے خاص تیاری کی۔

(۳) بستی کی دستکاریوں کی ایک نمائش بھی مرکز میں کی گئی۔ اس نمائش کے لئے بستی کی دستکاریوں کا ایک جائزہ بھی لیا گیا اور بڑی کوشش سے چالیس کے قریب اشیاء نمائش کے لئے فراہم کی گئیں۔ پیشہ ور دستکاروں کے علاوہ خواتین، طلباء اور شوقین دستکاروں نے بھی اپنی اپنی دستکاریوں کے نمونے دئے۔ نمائش تین دن رہی اور تقریباً پانچ سو مرد اور عورتوں نے نمائش کو دیکھا اور پسند کیا۔

ریڈیو ریڈیو کے خاص خاص پروگرام اور خبریں تقریباً روزانہ مرکز میں سنائی جاتی ہیں۔

تبلیغی مطبوعات مندرجہ ذیل تبلیغی مطبوعات پچھلے سال بستی اور مسجدوں میں مرکز کی طرف سے مفت تقسیم کی گئیں:-

(۱) ہمارا خط	۲۵۰	(۴) زکوٰۃ دیجئے	۳۰۰
(۲) قرآن پڑھئے	۳۰۰	(۵) نماز عید	۴۰۰
(۳) روزہ رکھئے	۳۰۰	(۶) ایک شکایت	۵۰

تعلیمی کتبات نہ صرف بستی بلکہ شہر کی بہت سی مسجدوں میں مرکز کی طرف سے ادارۂ تعلیم و ترقی کے تین سو تعلیمی کتبات پندرہ مسجدوں میں لگائے گئے۔

چند اور کوششیں

(۱)

ایک یہ کوشش کی گئی کہ کتب خانہ تعلیم و ترقی کے ممبروں میں مضمون نگاری کا ذوق اور کتابوں کے مطالعے کا شوق پیدا کیا جائے اور اس کے لئے ایک تحریری مقابلے کا اعلان کیا گیا۔ مضمون یہ تھا "کتب خانہ تعلیم و ترقی کی جو کتابیں تم نے پڑھی ہیں ان میں سے کونسی کتاب تم کو زیادہ پسند آئی اور کیوں؟" چھ امیدواروں نے اس مقابلے میں حصہ لیا۔

(۲)

یہ کوشش بھی کی گئی کہ بستی کے تعلیم یافتہ لوگوں کو بھی تعلیم و ترقی کی طرف متوجہ کیا جائے اور ان کو بستی کی خدمت کے لئے مرکز کے ساتھ شریک کیا جائے۔ اس کی تفصیل یہ ہے:-

(باقی صفحہ ۵ پر)

ایک بنیادی تعلیم کے استاد کی دشواریاں

بنیادی تعلیم کا کام کرتے ہوئے ہمیں اپنے حلقے میں ایسے لوگ بھی ملتے ہیں جنہوں نے تعلیم کا نام تک نہیں سنا ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ انسان کے لئے تعلیم کیوں ضروری ہے۔ وجہ یہ ہے کہ خود انھیں کبھی تعلیم ملی نہیں، نہ ان کے باپ دادوں کو کبھی کسی نے تعلیم دینے کی محنت کی۔ صدیوں سے ان کا یہی حال رہا ہے۔ ان کی زندگی ان کی اپنی چھوٹی سی دنیا میں شروع ہوتی اور وہیں ختم ہو جاتی ہے۔ اس سے باہر نکلنے کا کبھی انھیں موقع ہی نہیں ملا۔ چنانچہ تعلیم ان کو ایک نئی چیز، ایک نئی بلا سی معلوم ہوتی ہے۔ وہ اپنے بچوں کو اس سے دور رکھنے میں ہی اپنی خیر سمجھتے ہیں۔ گھر رہ کر بچے گھر کا بہت سا کام کر دیا کرتے ہیں۔ لڑکے مویشی چراتے ہیں، لڑکیاں ماں کی غیر حاضری میں اپنے چھوٹے بھائی بہنوں کی دیکھ بھال کر لیتی ہیں۔ گھر والوں کو اس سے بڑی مدد ملتی ہے۔ وہ کھیتوں، کھلیانوں یا کارخانوں میں اپنا کام بے فکری کے ساتھ کر سکتے ہیں۔ عورت مرد دونوں کمانے کے لئے باہر جا سکتے ہیں۔ ان کے لئے یہ ایک مالی سوال ہے۔ اس کے حل کئے بغیر ہم ان کو اور ان کے بچوں کو اپنی طرف کھینچ نہیں سکتے۔

میری رائے میں ہمارے بنیادی مدرسے اس سوال کو بہت کچھ حل کر سکتے ہیں۔ بچے ہمارے یہاں کاتنا دھنا سیکھتے ہی ہیں۔ اگر ان کو موقع دیا جائے، گھر پر بھی سوت کاتنے کے لئے ان کی ہمت بڑھائی جائے، اور اس سوت سے ان کے پہننے یا اوڑھنے بچھانے کے کپڑے تیار کرائے جائیں تو وہ کتائی میں کافی دلچسپی لیں گے اور گھر کا خرچ گھٹتے یا آمدنی بڑھتے دیکھ کر ان کے ماں باپ بھی خوشی سے ہمارے ساتھ تعاون کریں گے۔

چرخہ سنگھ کی مدد سے تعلیمی محکمہ اس سلسلے میں بہت کچھ کر سکتا ہے۔

بچوں کو اس سے کئی طرح کے فائدے ہو سکتے ہیں۔ ان میں خود اعتمادی بڑھ سکتی ہے، وہ اپنی چیز کی قدر کرنا سیکھ سکتے ہیں، ان کی تخلیقی قوت کی نشو و نما ہو سکتی ہے، وہ خوش اور مطمئن رہ سکتے ہیں، قاعدے اور اصول کے پابند بن سکتے ہیں، مدرسے میں اور مدرسے کے کاموں میں ان کی دلچسپی بڑھ سکتی ہے۔

دیہاتی بچوں کے ساتھ کام کرنے والے استادوں کو کئی طرح کی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایک بار میں نے اپنی ایسی مشکلوں کی ایک فہرست تیار کی اور ان میں سے جتنی بچوں سے تعلق رکھتی تھیں، وہ بچوں کے سامنے ان کی ایک عام مجلس میں پیش کی گئیں۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ بچوں نے بڑی دلچسپی کے ساتھ ان پر غور کیا اور نہایت مستعدی کے ساتھ اپنے حل پیش کئے۔ پہلی بات جو ان کے سامنے رکھی گئی تھی، وہ یہ تھی کہ "آپ لوگ روز بلاناغہ مدرسے کیوں نہیں آتے؟" ان کا جواب تھا "پتا جی ہمیں گھر یا کھیت کھلیان کے کام میں لگا دیتے ہیں، کبھی گھاس کاٹنے بھیج دیتے ہیں، کبھی بھینس چرانے، کبھی گنا بونے اور کبھی کھیت کی رکھوالی کرنے۔ ایسی حالت میں ہم لوگ بلاناغہ کیسے آئیں!" بات بالکل سچ تھی۔ اس دن ان لوگوں نے طے کیا کہ وہ گھر جا کر اپنے ماں باپ سے کہیں گے کہ مدرسے کا وقت چھوڑ کر باقی وقت میں وہ ان سے گھر یا کھیت کے کام کرائیں تاکہ ان کی پڑھائی میں ہرج نہ ہو۔ میں خود بھی لڑکوں کے ماں باپوں سے ملا اور ان سے کہا کہ وہ اس کام میں ہماری اور بچوں کی مدد کریں۔

دوسری مشکل مدرسے میں وقت پر نہ آنے کی ہے۔ مجلس میں اس پر بھی بحث ہوئی۔ بچوں کا کہنا تھا کہ "ہمارے پاس گھڑیاں نہیں ہیں۔ ہمیں وقت کا کوئی اندازہ نہیں رہتا۔" اس مشکل کو حل کرنے کے لئے ہم نے نیچے لکھی تدبیر کی ہے۔

ہر ایک گاؤں میں باری باری سے مدرسے کی گھڑی اور گھنٹی گھمائی جاتی ہے۔ ایک یا دو لڑکے اپنے گاؤں سے آ کر صبح ۶½ بجے گھڑی لے جاتے ہیں اور ۷ سے لے کر ۹½ تک ہر گھنٹے پر زور سے گھنٹی بجا دیتے ہیں۔ گاؤں کے سبھی لڑکوں کو ہدایت کر دی جاتی ہے کہ جب گھنٹی بجے وہ اپنے اپنے گھر کے سامنے دھوپ دیکھ کر نشانی بناتے جائیں اور اس پر گھنٹے گھنٹے سے ۷، ۸، ۹، ۹½ لکھتے جائیں۔ اس طرح ہر بچے کے گھر کے سامنے ایک گھڑی تیار ہو جاتی ہے، جس سے اُسے وقت کا پتہ چلتا رہتا ہے اور وہ اپنے سارے کام وقت پر کرنا سیکھتا ہے۔ ایک بار کا نشان دو مہینوں تک کام دیتا ہے۔ دو مہینے بعد جب اسے بدلنے کی ضرورت ہوتی ہے تو اسی طریقے سے نشان لگا دئے جاتے ہیں۔ اکثر بارش میں بادلوں کی وجہ سے یہ ترکیب کام نہیں دیتی لیکن روز روز وقت پر آنے کی عادت انھیں وقت پر آنے میں مدد دیتی ہے۔ ہر ایک گاؤں میں ایک ایک دھوپ گھڑی بنانے کی کوشش کی جا سکتی ہے اور یہ گھڑی چار آنے کی معمولی لاگت میں بنائی جا سکتی ہے۔

تیسری مشکل یہ ہے کہ بچے مدرسے میں پوری تیاری کے ساتھ نہیں آتے۔ یکشن مہرا کے پاس سلیٹ نہیں رہتی تو امبکا تواری کی پنسل کھو جاتی ہے۔ ننو میاں کا جھولا چھوٹ جاتا ہے تو پاٹھک جی کی کاپی غائب ہو جاتی ہے، گنگا مہرا کو کاپی خریدنے کے لئے پیسے نہیں مل رہے ہیں، پارس کماری کی دوات کھو گئی ہے، تو سندر رائے کی دوات میں سیاہی نہیں ہے۔ ادھر دستکاری کے سلسلے میں دیکھئے تو ہرکشن رائے کے پاس مال نہیں ہے، چپا کماری کا چرخا درست نہیں ہے۔ بابو صاحب کے پاس مال اتنی خراب یا کمزور ہے کہ بیچارے پوری رفتار سے کات نہیں پاتے اور نبی شاہ کا تکوا ٹیڑھا ہے۔

ان کے بھی حل سوچے گئے۔ کانچ کی دواتوں کے بجائے مٹی کی دواتیں بنائی گئیں۔ کمہار کے لڑکے انھیں اپنے آوے میں پکا لائے۔ کچھ بچوں نے اپنے گھر کے چولھوں میں پکا لیں۔ سلیٹ کی جگہ لکڑی کی تختیوں سے کام لینا شروع کیا گیا۔ سلیٹ پنسل کا کام بھٹے سے لیا جانے لگا۔ بھٹا بھی لڑکے خود ایک طرح کی پیلی مٹی سے بنانے لگے۔ روشنائی کا سوال بھی اسی طرح حل کیا گیا۔ لڑکوں نے رنگ بنانے کی ترکیبیں سیکھیں۔ اب وہ خود رنگ تیار کر لیتے ہیں۔

کچھ لڑکے اتنے غریب ہیں کہ وہ کاغذ تک خرید نہیں سکتے۔ خوشی کی بات ہے کہ انھیں سرکار کی طرف سے کاغذ ملنے لگے ہیں۔ ایک ہی جماعت میں چھوٹی بڑی عمر کے بچوں کو ایک ساتھ پڑھانے میں کافی مشکلیں پیدا ہوتی ہیں۔ پھر بھی میں مانتا ہوں کہ جب تک طالب علم اوپر کی جماعت میں جانے کے قابل نہ ہو جائیں، انھیں ترقی دینا مناسب نہ ہوگا۔

گھڑی نہ ہونے کی وجہ سے لڑکوں کو اپنی جماعتوں میں وقت کا ٹھیک ٹھیک پتہ نہیں چلتا۔ چار درجوں میں صرف ایک ہی گھڑی رہتی ہے۔ لڑکوں کو اپنی بہی میں منٹ منٹ حساب لکھنا اور کام کرنا ہے۔ اگر وقت کا خیال نہ رہا تو کام میں گڑبڑ ہوتی ہے۔ کسی کام میں زیادہ وقت لگ جاتا ہے تو کسی میں کم تعلیمی محکمے کی طرف سے اس کا کوئی انتظام ہونا چاہیئے استادوں کی اپنی گھڑیاں اس کام میں کسی حد تک کارآمد ہو سکتی ہیں۔

آج بنیادی مدرسوں کے بچوں کے پاس پڑھنے کے لائق کتابیں نہیں ہیں اور بغیر پڑھے انھیں تسلی نہیں ہوتی۔ لیکن جب سے انھیں یہ معلوم ہوا ہے کہ نئی تعلیم کے لئے ابھی کتابیں بنی نہیں ہیں، جو بنیں گی وہ انہیں کے گرانوں اور ریکارڈوں کی بنا پر بنیں گی، تب سے انھیں اپنے کام میں اعتماد پیدا ہونے لگا ہے۔ کتابوں کی کمی کھٹکتی نہیں ہے۔ اطمینان بڑھ رہا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ کتابیں تو وہ خود بناتے جا رہے ہیں۔

بہت سے لڑکے مدرسے میں بھوکے آتے ہیں۔ ان کے لئے بھوکے رہ کر کام کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کا کوئی حل نکالنا چاہیئے۔ مدرسے کے باغیچے میں قند، گاجر، کوئی، آلو وغیرہ بو کر بچوں کو ناشتے طور پر یہ چیزیں دینی چاہئیں۔ تعلیمی محکمے کے افسر اس طرف دھیان دے سکیں تو بہت اچھا ہو۔

دستکاری کے اوزاروں کی کمی بھی ایک حد تک کام کو مشکل بنا دیتی ہے۔ لڑکوں کو باری باری سے ٹولیوں میں کام کرانا پڑتا ہے۔ سب کو ایک سی سہولت نہیں ہوتی۔ جلدی ہی اس کا کوئی حل نکالنا چاہیئے۔

تعلیم کے کام میں سیر و سیاحت کی اپنی خاص قدر ہے۔ کبھی کبھی مدرسے کے بچوں کو آس پاس کی اچھی اچھی جگہیں دکھانے کا انتظام ہونا چاہیئے۔ اس میں گاؤں والے بھی کچھ مدد کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کی پوری ذمہ داری تو مدرسے کی ہونی چاہیئے۔ سیر و سیاحت مدرسے کی تعلیم کا ایک حصہ سمجھنا چاہیئے۔

بنیادی مدرسوں کے استادوں کی ایک مشکل یہ بھی ہے کہ کام کا بوجھ بہت زیادہ رہتا ہے۔ اکثر اسے سنبھالنا ان کے لئے مشکل ہو جاتا ہے۔ میری رائے میں یہ سب اس لئے ہے کہ کام نیا ہے اور نئے طریقوں سے کیا جاتا ہے۔ ابھی تجربی حالت میں ہے۔ ہمیں یقین ہونا چاہیئے کہ یہ حالت ہمیشہ نہیں رہے گی۔ جلدی ہی راستہ صاف اور آسان ہو جائے گا، شاہ راہ کھل جائے گی اور کام کرنے والے روز نئی ہمت اور جوش کے ساتھ کام کر کے دن دونی اور رات چوگنی ترقی کریں گے۔

ستت پرشاد،
استاد پانڈے ٹولہ بنیادی مدرسہ،
ضلع چمپارن

تعلیم اور تعلقات باہمی

ذیل کا مضمون ایک معتدر امریکی تعلیمی رسالے سے اخذ و ترجمے کے بعد پیش کیا جاتا ہے۔ تعلیمی ذریعے سے قومی اتحاد اور تعلقات باہمی کو سلجھانے کے سلسلے میں اس مقالے میں جو کچھ امریکہ کے متعلق کہا گیا ہے اس کا ایک بڑا حصہ ہندوستان پر بھی صادق آتا ہے۔ (مدراس)

یوں تو ممالک متحدہ امریکہ کے باشندے امریکی کہلاتے ہیں لیکن یہ قوم مرکب ہے ان بہت سی جماعتوں سے جو مختلف تہذیب و تمدن کی حامل ہیں۔ یہ اختلاف تہذیب یا تو سماجی ہے یا نسلی یا مذہبی۔ ہر تہذیبی و مدنی جماعت چند خاص عقائد، رسم و رواج، عادات و اخلاق اور مخصوص نظریہ پر کاربند ہے لیکن ان تمام تہذیبی جماعتوں (Cultural Groups) کا رشتہ قوم کے ساتھ ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک فرد کا رشتہ اس کے خاندان سے۔

چند خیالات ایسے ہیں جو ہر ترقی پذیر تہذیبی جماعت میں پائے جاتے ہیں اور جن کو ہم Cultural Behaviour یا عادت تہذیبی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں:-

(أ) ہر ترقی پسند تہذیبی جماعت یہ چاہتی ہے کہ اپنے نوجوانوں میں زندگی کی نئی روح پھونکے، ان میں اسلاف کا سا جذبۂ ایثار پیدا کرے اور ان کی بدولت خود زندہ رہے۔

(ب) ہر تہذیب زندہ رہنا چاہتی ہے، خودکشی کرنا نہیں چاہتی اس لئے جب وہ دیکھتی ہے کہ خطرات نے اسے گھیر لیا ہے تو وہ اپنی بقا کے لئے پوری جد و جہد کرتی ہے، بے جا و بجا معقول اور نامعقول، جائز و ناجائز غرض ہر طریق کار کو عمل میں لاتی ہے۔

(ج) آسودہ حال اور ترقی پذیر تہذیبی جماعت کا اقتضا یہ ہوتا ہے کہ دوسری تہذیبی جماعتیں نہ صرف اس کی خودداری کو تسلیم کر لیں بلکہ اس کے ہر مطالبے کو بلا چون و چرا کئے مان لیں۔

(د) ہر جماعت فطرتاً اپنے میں تبلیغی احساس پاتی ہے اور چاہتی ہے کہ دوسروں کو بھی اپنی تہذیب و کلچر سے متاثر کرے۔ اس لئے ان تمام مسائل کا حل چاہتی ہے جو اس کی ترقی کی راہ میں سدِ راہ بنتے ہوں۔

امریکہ کی پوری تاریخ اس بات کی ترجمانی کرتی ہے کہ مختلف تہذیبی و مدنی جماعتوں کے باہمی تصادم اور آپس کے مناقشات نے ملک کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ زمانۂ نوآبادیات سے جبکہ کواکرس پر ظلم شروع ہوا تھا کوکلس کلان والے واقعات تک مذہبی و نسلی اقلیتوں پر بے انتہا ظلم ڈھائے گئے، تشدد و تحقیر کا کوئی حربہ ایسا نہ تھا جو ان کے لئے روا نہ رکھا گیا ہو۔ مختصر یہ ہے کہ ظلم و جبر کے جوئے تلے حبشی آج تک پسے جا رہے ہیں۔

آج تین کروڑ نفوس امریکہ میں ایسے ہیں جو ماضی قریب میں آئے ہوئے مہاجر والدین کی اولاد ہیں لیکن ان کو زمانہ قدیم سے آباد شدہ طبقہ حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ ان کا ماحول غیر دلچسپ، ان کی اقتصادی حالت کمزور، ان کی سماجی حیثیت قابل رحم بنا دی گئی ہے۔ ان کو مختلف برے ناموں مثلاً ووپس، کولاسس وغیرہ سے پکارا جاتا ہے اور ان کو یہ محسوس کرایا جاتا ہے کہ وہ ہر حالت، ہر بات غرض ہر حیثیت سے اس ماضی بعید سے آباد شدہ

طبقے سے کمتر ہیں۔

اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ ان تین کروڑ نفوس کی زندگی کتنی اجیرن ہوگئی ہوگی۔ ان میں اچھے جذبات پیدا ہوں تو کیسے؟ وہ اپنے مہاجرین والدین (جو ایک خاص تہذیب کے حامل تھے) کے نقش قدم پر چل کر اپنے اسلاف کے کارناموں کو زندہ کریں تو کس طرح؟ اس حالت میں تو نہ وہ کسی تہذیب میں ضم ہوسکتے ہیں نہ کسی اور کو اپنی تہذیب سے متاثر کرسکتے ہیں۔ ان کا امریکی سے پس منظر تو جزائر الیس اور شہر کی گندہ و گنجان آبادی ہے، مکان کنی اور محنت و مشقت کی زندگی ان کا معمول۔ یہ مفلوک الحال، ستم رسیدہ اپنے والدین کی مہاجرانہ حماقت کا ماتم کرتے ہوئے امریکی اتفاقات و حادثات کے دھارے میں بہے چلے جارہے ہیں، بالکل غیر شعوری طور پر۔

ان غریب بستیوں کا مسئلہ تعمیری ممکنات کے نظریے سے غور طلب ہے۔ ان کی نئی پود مزاج اور قابلیت میں دوسروں سے بہتر ہوسکتی ہے۔ اگر ان کو اچھا پس منظر دیا جائے تو امریکہ کی قومی تہذیب میں چار چاند لگا سکتے ہیں۔ ان تین کروڑ نئے شہریوں کو ان کی گذشتہ تاریخ کو نظر انداز کرتے ہوئے تعلیم و تربیت کے زیور سے آراستہ کرنا ہوگا اور دوسرے امریکیوں کے برابر درجہ دینا ہوگا۔

امریکہ کو چاہیئے کہ وہ ایک خطرۂ عظیم سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے یعنی وہ یورپی "احساس کمتری" کو اپنے یہاں داخل نہ ہونے دے۔ یورپ پر شاؤنیئی[1] قومیت کا بھوت سوار ہے جو مختلف تہذیبی جماعتوں کو باہم دست و گریباں کئے ہوئے ہے۔ یورپ کی یہ متخاصم اقلیتیں اتحاد ملی کی ہر معقول و نامعقول آواز کے خلاف لڑنے کے لئے تیار رہتی ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہنا دو بھر ہوگیا ہے[2]۔

تدبر نام ہے اس فن کا جو حالات کو قابو سے باہر ہونے سے پہلے سنبھال لے۔ جمہوریت کو اگر زندہ رکھنا ہے تو لوگوں کی ذہنیتوں میں اور خیالات میں ایک انقلاب پیدا کرنا ہوگا اور یہ انقلاب پیدا ہوسکتا ہے صرف تعلیم سے۔ جمہوری نظام کار میں تعلیم کا مقصد ایک قسم کی تہذیبی اجتماعیت پیدا کرنا ہے۔ بعض حضرات تہذیبی اجتماعیت کے خیال ہی سے کانپ اٹھتے ہیں۔ انھیں خوف یہ ہے کہ تہذیبی جماعتوں کا دقیانوسی و قنوطی رد عمل بجائے اتحاد کے نفاق پیدا کرے گا۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ امریکی تہذیب مجموعہ ہے بہت سے کلچروں کا۔ اگر اختلاف و تخصیص ہی کسی تہذیب کی خصوصیات ہیں تو ماہرین تعلیم کا یہ فرض ہے کہ وہ امریکی بچوں کو ایک ایسے سماج میں سکون و اطمینان کی زندگی گذارنے کے لئے تیار کریں جس کی بنیادیں تہذیبی اجتماعیت کے اصول پر کھڑی کی گئی ہوں۔

جے۔ اے۔ رابنس نے اپنے مقالہ سیولائزیشن میں یہ تشریح واضح کیا ہے کہ فنون لطیفہ صنعت و حرفت اور سائنس وغیرہ میں ایک کلچر دوسرے کلچر سے کیا کچھ نہیں حاصل کرتا اور ایک تہذیبی جماعت کا دوسری تہذیبی جماعت کے احسان کرمان جانا ہی اتحاد ملی کے سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔ جمہوریت کا فرض ایک ایسے سماج کو جنم دینا ہے جس میں ہر قوم اور ہر جماعت کا فرد سکون اور اطمینان سے زندگی گذار سکے، ایک دوسرے سے پورا فائدہ اٹھا سکے، اپنی خوبیاں دوسروں کو دے اور دوسروں کے محاسن کو خود اختیار کرسکے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کوئی اسکول یا کالج ایک قوم کے مختلف النسل گروہوں میں ربط و اتحاد کیسے پیدا کرسکتا ہے؟ وہ ان کو یہ کیسے سمجھا سکتا ہے کہ ایک گروہ کی بعض ضروریات دوسرے گروہوں کی بعض ضروریات کے عین مطابق ہیں۔ اس لئے ایک دوسرے کا آپس میں لڑنا خلاف مصلحت ہے؟ ان تجربات کو کیسے وسعت دے سکتا ہے جن کے ذریعے تمام گروہ مل کر عام فائدے کے لئے مصروف کار ہوں۔

ہم جواباً یہ عرض کرسکتے ہیں کہ ہر اسکول و کالج کسی ملک و قوم کے عناصر ترکیبی کے مطالعے کے لئے ایک دار العمل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے ان میں ہم کلچری گروہوں کے اتحاد عمل کے نقشے تیار کریں اور سماجی ترقی کے لئے نئی نئی راہیں ڈھونڈھ نکالیں۔ مثلاً امریکی اتحاد ملی کے لئے ان نعروں کا نشر کرنا کہ "ہم سب امریکی ہیں اور مہاجر" بہت مفید ہوگا۔ دوسرے یہ کہ ایک قوم مختلف جماعتوں اور گروہوں کا مجموعہ ہوتی ہے اس لئے آپس کے میل جول کی وجہ سے قوم کا ہر فرد اپنی جماعت کے علاوہ دوسری جماعتوں کے حالات سے متاثر ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں تعلیم کا مقصد سماجی اصلاح کار کی حیثیت سے یہ ہونا چاہیئے کہ وہ ہر گروہ پر یہ بات ظاہر کردے کہ اس کا مستقبل پوری قوم کے مستقبل سے وابستہ ہے۔ وہ "کل" نہیں ہے بلکہ "جزو کل" وہ قوم کے پیتے کا ایک حصہ ہے۔ دوسرے گروہوں کے ساتھ اتحاد و رواداری سے کام لینے ہی میں اس کی ترقی کا راز مضمر ہے۔ تعلیمی نظام کار کو اس طرح ترتیب دیا جائے کہ اس سے وحدت ملی کے خوش گوار نتائج پیدا ہوں، ہر اسکول اور کالج میں یہ قابلیت پیدا کرنی چاہیئے کہ وہ اتحاد بین الملل کے تعلقات کے متعلق تجربات کرے۔ گول میز کانفرنس، مجلس اتحاد یا اسی قسم کی کوئی مجلس کسی نام سے بنائی جائے جس میں مختلف تہذیبی جماعتوں کے نمائندے ایک جگہ جمع ہوکر "تہذیبی جمہوریت" کا مطالعہ کریں۔ انسانی رشتوں کو استوار کرنے کے لئے جو بھی نصاب تعلیم مرتب کیا جائے اس میں ذہنی و جذباتی ہر طریقوں سے کام لینا ہوگا اس لئے کہ مذہبی و نسلی تہذیبی جماعتوں کا ماحول جذباتی ہوتا ہے وہ ایک شخص واحد کو اپنا نجات دہندہ قرار دے کر والہانہ اس کی پیروی کرتے ہیں، اس لئے ہمارے ادارہائے تعلیم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اتحاد بین الملل کے لئے سازگار فضا پیدا کریں، اسکولوں اور کالجوں میں جلسے کئے جائیں اور خاص طور پر ترتیب دادہ جلسوں کے موقع پر طلبا دوسری تہذیبی جماعتوں کے مدعو شدہ باقتدار اور قابل قدر ہستیوں سے شرف نیاز حاصل کریں اور خود بھی دوسری تہذیبی جماعتوں کے جلسوں میں شریک ہوں، اپنی خوبیاں ان پر روشن کریں اور ان کی خوبیوں سے خود مستفید ہوں۔

(باقی صفحہ ۵ پر)

[1] اس قسم کے والہانہ جذبۂ قومیت کو کہتے ہیں جو اپنی قوم کی برتری کے لئے دوسروں پر اشد ظلم و جبر روا رکھے۔

[2] قارئین ہندوستان کی نیم سیاسی اور نیم مذہبی جماعتوں کے اعمالنامے کو نظر کے سامنے رکھیں۔

فہرست مضامین

پرنٹر و پبلشر: حامد علی خاں — مطبعہ: جید برقی پریس، دہلی — مدیر: سلامت اللہ

جناب ۔ ...

نئی تعلیم

جلد ۳، نمبر ۱۱	جامعہ نگر (دہلی)، نومبر ۱۹۴۱ء	قیمت سالانہ عہ

مچھر اور بچہ

(ایک دلچسپ مکالمہ)

[اس قسم کی ایک نظم پچھلے مہینے کے پرچے میں چھپ چکی ہے۔ یہ بھی اُسی کی طرح سبق آموز ہے۔ بچے اسے آسانی سے زبانی یاد کر سکتے اور مناسب لَے اور دُھن کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں۔ — مدیر]

ایک مچھر نے یہ لڑکے سے کہا — "مجھ کو مچھر کہتے ہیں تم نے سُنا
رہتا ہوں ٹھیرے ہوئے پانی پہ میں — گندے پانی ہی سے خوش رہتا ہوں میں
بھیں بھیں کرتا کان میں آتا ہوں میں — گندے رہنے والوں سے لڑتا ہوں میں
گانے ہی گانے میں کر لیتا ہوں کام — کانپ جاتے ہیں دلاور سُن کے نام
کاٹ لیتا ہوں میں جس کو ایک بار — ہوکے رہتا ہے اُسے آخر بخار
گندے رہتے اور کُھلے سوتے ہیں جو — تختۂ مشقِ جفا بنتے ہیں وہ"

یوں دیا لڑکے نے مچھر کو جواب — "ساری باتیں سچ ہیں اے خانہ خراب
گرچہ سب لڑکوں سے میں ہی چھوٹا ہوں — پر بہت ہی صاف سُتھرا رہتا ہوں
اور ایسا ہی کُھلا ہے میرا گھر — تیرا مشکل ہے وہاں ہونا گذر
گندی نالی بھی وہاں بہتی نہیں — گندا پانی بھی وہاں سڑتا نہیں
گولیاں بھی ہیں وہاں کونین کی — اب مناؤ خیر اپنی جان کی
گندا پانی دیکھتا ہوں گر کہیں — تیل مٹی کا چھڑکتا ہوں وہیں
اور کُھلے سونے کا بھی ہے انتظام — شب کو مچھر دانی ہے اے بے لگام!
اب بتاؤ کس طرح کاٹو گے تم؟ — خون میرا کس طرح چاٹو گے تم؟
وہ ڈریں تم سے کہ جو گندے رہیں — صاف لڑکے کس طرح تم سے دبیں؟"

اپنا سا منہ لے کے مچھر اُڑ گیا
عقل پر لڑکے کی ششدر رہ گیا

عاجز صدیقی،
محاسب اُستادوں کا مدرسہ

استاد کی ڈائری

ابتدائی انسان کی کہانی

[اس کہانی کا ایک حصہ پچھلے مہینے کے پرچے میں چھپ چکا ہے۔ یہاں استاد نے بتایا ہے کہ انسان نے ریوڑ چرانا اور کپڑے پہننا کیسے سیکھا۔ مدیر]

جب بچے ابتدائی انسان کے رہنے کی جگہ کا ماڈل تیار کر چکے اور دوسرے روز جماعت میں آئے تو ان میں سے ایک بچے نے کہا:

جگدیش۔ ماسٹر صاحب، آپ نے کہا تھا کہ دھاڑو کی باقی کہانی پھر سناؤں گا کہ اس نے کپڑے پہننا کیسے سیکھا۔ آج سنائیے نہ وہ کہانی۔

میں۔ بے چارہ دھاڑو تو اپنی ساری عمر پیڑوں کی چھال، پتیاں اور جانوروں کی کھال ہی پہنتا رہا۔ اس کے مدتوں بعد لوگوں نے کپڑا پہننا سیکھا۔ وہ اس طرح کہ دھاڑو کا ایک پوتا تھا جھنگھاڑو ——— بہت ہٹا کٹا اور بہادر۔ ایک دن جھنگھاڑو اور اس کا کتا شکار کو گئے۔ سارا دن شکار کی تلاش میں گھومتے رہے لیکن انھیں کوئی شکار نہیں ملا۔ جھنگھاڑو اور اس کے بہن بھائیوں نے تو پتے کھا کر پیٹ بھر لیا مگر کتا کیا کھاتا۔ اس کی خوراک تو گوشت تھی۔ وہ بھوکا رہ گیا۔ وہ بھوک کے مارے بے تاب تھا۔ تالاب کے کنارے کبھی ادھر بھاگتا کبھی ادھر۔ جھنگھاڑو کو اس پر بہت ترس آرہا تھا۔ وہ ایک بار پھر کتے کو ساتھ لے کر جنگل میں گیا کہ شاید کوئی شکار مل ہی جائے۔ کتے کی اللہ میاں نے سن لی۔ ایک بڑ کے درخت کے نیچے کچھ جانوروں کا ایک جھنڈ دکھائی دیا۔ ان کے چھوٹے چھوٹے دانت تھے اور وہ گھاس اور پودوں کی پتیاں کھا رہے تھے۔ جھنگھاڑو کو بہت تعجب ہوا کہ یہ جانور گوشت کے بجائے گھاس کھا رہے ہیں۔

ہری۔ اس میں تعجب کی کیا بات تھی۔ وہ بھیڑ بکریاں ہوں گی۔

میں۔ ہاں، وہ جھنڈ بکریوں ہی کا تھا، لیکن بے چارے جھنگھاڑو نے اس سے پہلے اس قسم کے جانور کبھی نہیں دیکھے تھے۔ وہ تو صرف شیر، چیتے، بھالو اور بھیڑیے وغیرہ جانوروں کو جانتا تھا اور انھیں کو مار کر کھایا کرتا تھا۔ اسی لئے اسے تعجب ہوا کہ یہ جانور تو گھاس کھاتے ہیں۔

کتے نے جونہی انھیں دیکھا، جھٹ ان پر ٹوٹ پڑا اور اس نے دو تین بھیڑوں کو مار ڈالا۔ بچے والی ایک بکری اور دو بھیڑوں کو جھنگھاڑو نے پکڑ لیا۔ باقی بھاگ گئیں۔ کتے نے جن بھیڑوں کو مارا تھا وہ بھی بچے والی تھیں۔ ان کے تھنوں سے دودھ بہہ رہا تھا جھنگھاڑو نے دودھ پر ایک انگلی لگائی اور اس کو اپنے منہ میں رکھا۔ اس کو بڑا مزہ آیا۔ وہ چلا اٹھا "او، او، او!" وہ بہت خوش ہوا۔ پھر تو اس نے بھیڑ کا تھن منہ میں رکھ لیا اور لگا مزے لے لے کر دودھ پینے۔ اس کا کتا بھیڑ کا خون پی رہا تھا اور وہ اس کا دودھ پی رہا تھا۔ جب اس کے کتے کا پیٹ بھر گیا تو وہ پکڑی ہوئی بھیڑ بکریوں کو جھونپڑی میں لے آیا اور وہاں ان کو باندھ دیا۔ جھنگھاڑو اور اس کے بہن بھائی ہر روز ان کا دودھ پیتے۔ انھوں نے اور بہت سی بھیڑیں اور بکریاں پکڑ لیں اور رفتہ رفتہ ان کے پاس ایک بہت بڑا ریوڑ ہو گیا۔ وہ انھیں دن بھر گھاس چرایا کرتے اور بھوک لگنے پر ان کا دودھ پی لیتے۔ جب ایک جگہ ساری گھاس ختم ہو جاتی تو دوسری جگہ چلے جاتے اور وہیں اپنا جھونپڑا بنا لیتے۔ اس طرح ان کا گھر ان کے ساتھ ساتھ چلتا پھرتا رہتا تھا۔

جمیل۔ ماسٹر صاحب، اس سے تو جھنگھاڑو اور اس کے گھر والوں کو بڑی تکلیف ہوتی ہوگی کہ آج یہاں گھر ہے تو کل وہاں۔

ہری۔ واہ، اس میں تکلیف کی کیا بات ہے۔ ان کے پاس کچھ ایسا سامان تو تھا نہیں جسے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا مشکل ہو۔ تم نے نہیں دیکھا کہ ابھی حال میں ہمارے گاؤں میں کچھ کنجڑ آئے تھے۔ ان کے پاس بہت سے مویشی تھے، لیکن سامان بہت کم تھا۔ انھوں نے ایک چھوٹا سا کپڑا تان کر اپنا گھر بنا لیا تھا۔ وہ تین چار روز یہاں رہے اور پھر کسی دوسری جگہ چلے گئے۔ انھیں اپنا مکان بنانے اور بگاڑنے میں کچھ دیر ہی نہیں لگتی۔

میں۔ ہاں، یہ ٹھیک ہے۔ بے چارے جھنگھاڑو کے گھر میں تھا ہی کیا جسے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے میں تکلیف ہوتی۔ بلکہ وہ اور اس کے بھائی بہن تو اب پہلے سے زیادہ آرام میں تھے۔ پہلے تو کسی کسی دن کوئی شکار نہیں ملتا تھا اور وہ بالکل بھوکے رہتے تھے لیکن اب تو انھیں ہر روز پیٹ بھر دودھ پینے کو مل جاتا تھا۔

جھنگھاڑو کی ایک چھوٹی بہن تھی۔ وہ ہر روز ایک بھیڑ سے کھیلا کرتی تھی۔ وہ اس کی پیٹھ پر بیٹھ جاتی۔ اس کی اون ہاتھ میں پکڑ لیتی اور اس کو خوب دوڑاتی۔ ایک بار بھیڑ جو زور سے دوڑی، تو جھنگھاڑو کی بہن دھڑام سے نیچے گر پڑی۔ بھیڑ آگے نکل گئی اور اس کی اون کھسٹ کر جھنگھاڑو کی بہن کے ہاتھوں میں رہ گئی۔ وہ اس اون کو لے کر جھنگھاڑو کے پاس گئی۔ جھنگھاڑو نے اس سے پوچھا "کاں، کاں، کاں؟" یہ کہاں سے لائی؟ اس نے بھیڑ کی طرف اشارہ کیا۔ جھنگھاڑو بھیڑ کے پاس گیا اور اس کی سب اون نوچ ڈالی۔ پھر اس نے باقی بھیڑوں کی اون بھی نوچی اور اس کو اپنی جھونپڑی میں بچھا دیا۔ یہ ان کا گدا تھا۔ جھنگھاڑو اور اس کے بہن بھائیوں کو اون کے نرم نرم گدے پر بہت آرام ملا۔ ایک روز جھنگھاڑو نے سوچا کہ کھال اور چھال کی جگہ اون کیوں نہ پہنی جائے۔ یہ بڑی نرم چیز ہے اور اس سے بڑا آرام ملتا ہے۔ مگر وہ سوچنے لگا کہ اس کو پہنا

کیے جائے۔ تھوڑی دیر میں ایک بات اس کی سمجھ میں آگئی۔ وہ دوڑا دوڑا گیا اور ایک پیڑ سے گوند لے آیا۔ اون کے گالوں کو اپنے ہاتھوں سے تھپ تھپا کر جوڑا کیا۔ پھر ان کو گوند سے جوڑا۔ لے لو! کپڑا تیار ہو گیا۔ وہ مارے خوشی کے ناچنے لگا۔ اس کپڑے کا ایک ایک ٹکڑا جھنگھاڑو اور اس کے بہن بھائیوں نے اپنے اپنے بدن پر لپیٹ لیا۔

احمد۔ ماسٹر صاحب! جھنگھاڑو نے اس طرح کپڑا پہننا سیکھا؟

میں۔ ہاں شروع میں تو یہی کپڑا تھا۔ جھنگھاڑو اور اس کے ساتھی تمھاری طرح کپاس پیدا کرنا، سوت کاتنا اور کپڑا بننا نہیں جانتے تھے۔ یہ تو انسان نے بہت دنوں بعد سیکھا ہے۔

اس طرح جھنگھاڑو اور اس کے بھائی بہن اون کا کپڑا پہننے لگے لیکن گرمیوں میں انھیں ان کپڑوں میں بہت پسینہ آتا اور بڑی گرمی لگتی۔ ان کو پھر پتے ہی لپیٹنے پڑتے۔ اس لئے وہ ایسی چیز کی تلاش میں رہتے جو اون جیسی نرم ہو اور اس میں گرمی بھی نہ لگے۔ مگر جھنگھاڑو اور اُس کے بہن بھائیوں کو وہ چیز نہ ملی۔

جھنگھاڑو مر گیا۔ اس کے بعد کئی ہزار برس تک اس کے کنبے والے بھیڑ بکریاں چراتے رہے اور ان سے ویسے ہی کپڑے بنا کر پہنتے رہے۔

بہت سال بعد جھنگھاڑو کی نسل میں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اُس کے ماں باپ نے اس کا نام دانو رکھا۔ دانو بڑا دانا اور سمجھ دار تھا۔ اس کو نئی نئی چیزیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ اس کو کوئی نئے رنگ کا پھول مل جاتا یا کوئی خوب صورت پر مل جاتا تو اسے بہت خوشی ہوتی۔ اس نے رنگا رنگ کے بہت سے پھول اور طرح طرح کے پر جمع کر لئے تھے اور وہ ان سے کھیلا کرتا تھا۔ ایک دن وہ جنگل میں بھیڑ بکریاں چرانے گیا۔ بھیڑ بکریاں تو درختوں کے پتے کھانے لگیں اور دانو لگا پھولوں کی تلاش میں اِدھر اُدھر گھومنے۔ ایک جگہ اس نے ایک پودا اگا ہوا دیکھا۔ اس میں بڑے خوبصورت پیلے پیلے پھول لگے ہوئے تھے اور کچھ گول گول سے ہرے رنگ کے پھل تھے۔ ان پھلوں کے اندر دودھ جیسی ایک سفید سفید چیز چمک رہی تھی۔ اس نے جھٹ کچھ پھول اور ایک پھل توڑ لیا۔ اس نے پھل کے اندر سے سفید سفید چیز نکال لی۔ اُسے دیکھ کر وہ بہت ہی خوش ہوا اور خوشی میں اس نے تالی بجائی۔ تالی بجی تو وہ چیز پھیل گئی۔ اس کے ریشے اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ یہ اون جیسی چیز تھی۔ اس پر اس کی باچھیں کھل گئیں۔ ہا ہا، اس نے اپنے دونوں بازو اوپر اٹھائے اور وہیں ناچنے لگا۔ ہو ہو ہو، جیسے کوئی ایسی چیز مل گئی ہو جس کی اُسے مدت سے تلاش تھی۔ پھر وہ اسے ہاتھ میں لے کر اِدھر اُدھر دوڑا، اچھلا، کودا۔ اپنی بھیڑوں کے پاس گیا۔ ہر بھیڑ کو وہ چیز دکھائی، پیٹھ پر ہاتھ پھیرا۔ پیٹھ سے کچھ اون نوچ کر ایک ہاتھ میں لی اور وہ چیز دوسرے میں۔ پھر ہر بھیڑ کو گلے لگایا اور منہ چوما اور اسی وقت اپنی بھیڑ بکریوں کو ہانک کر گھر لایا۔ اور اپنے ماں باپ کو وہ چیز دکھائی۔ اور اپنے اون کے کپڑوں کی طرف بار بار اشارہ کیا۔ اور بولا "چیں چاں، چیں چاں، چیں چاں"۔ ویسی ہی ایک اور چیز کپڑا بنانے کو مل گئی ہے۔

بتاؤ یہ کیا چیز تھی؟

جگدیش۔ یہ تو کپاس ہو گی جو ہم نے اپنی کیاریوں میں بوئی ہے۔

میں۔ ہاں یہ کپاس ہی تھی۔ دانو نے کپاس کے بنولے اپنے ناخنوں سے الگ کئے۔ پھر اس کی تہ جمائی اور اسے گوند سے جوڑا۔ لباس تیار ہو گیا۔ دانو اسے اپنے بدن پر لپیٹ کر پھولا نہ سمایا۔ اس سے گرمی میں اتنی تکلیف نہیں ہوتی جتنی اون سے ہوتی تھی۔ پھر تو دانو کے سب ساتھی گرمی میں کپاس کے کپڑے پہننے لگے۔ لیکن کپاس سے سوت بنانا اور سوت سے کپڑے بُننا تو لوگوں نے بہت دنوں بعد سیکھا۔

ہری۔ ماسٹر صاحب، دانو کس دیس میں رہتا تھا؟

میں۔ دانو ہمارے دیس ہندوستان ہی میں رہتا تھا۔ کپاس سب سے پہلے ہمارے دیس میں معلوم ہوئی ہے۔ یہ جو گورے لوگ ہمارے دیس پر راج کرتے ہیں اور اب جن کے دیس سے کروڑوں روپے کا سوتی کپڑا ہمارے ہاں آتا ہے، تھوڑے دنوں کی بات ہے کپاس کا نام بھی نہیں جانتے تھے۔ ان کے دیس میں تو اون کے کپڑے پہنے جاتے تھے۔ ایک دفعہ ان کے دیس کا ایک آدمی ہمارے یہاں آیا۔ جب وہ اپنے دیس واپس گیا تو اس نے وہاں کے لوگوں کو بتایا کہ ہندوستان میں ایک قسم کا پودا ہوتا ہے جس کے پھل سے ہندوستان والے کپڑا بناتے ہیں۔ اس پر انھوں نے اس سے پوچھا "تو اس پودے میں بھیڑیں لگتی ہوں گی"۔

اس پر سب بچے ہنس پڑے۔

جمیل۔ وہ انگریز لوگ کیسے بے وقوف تھے۔ کہیں کپاس کے پودے میں بھیڑیں بھی لگتی ہیں!

میں۔ ہاں اس وقت وہ لوگ نہیں جانتے تھے کہ کپاس کیا چیز ہے۔ انگریزوں کے ملک میں اس وقت تک اون ہی کپڑے پہنتے تھے۔ اس لئے انھوں نے سوچا کہ شاید پودے میں بھیڑیں لگتی ہوں گی۔ لیکن اب تو دنیا بالکل بدل گئی ہے۔ اب تو وہاں بھی کپاس کے کپڑے بننے لگے ہیں، ہمارے ملک سے وہاں ہر سال لاکھوں من کپاس جاتی ہے اور وہاں کپڑا بنانے کے بڑے بڑے کارخانے ہیں۔

بس یہ ہے کپڑے کی کہانی۔

اچھا اب بتاؤ:-

(۱) جھنگھاڑو نے ریوڑ پالنا کیسے سیکھا؟

(۲) ان سے اُسے کیا فائدہ ہوا؟

(۳) اس نے کپڑے پہننا کیسے سیکھا؟

(۴) کپاس کا پودا کیسے معلوم ہوا؟

(۵) انگریزوں نے کپاس کے پودے کو "بھیڑ والا پودا" کیوں کہا؟

"کمال"

آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس
کا
سترھواں اجلاس

آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کا سترھواں اجلاس اس سال کشمیر جیسے خوب صورت اور پرفضا مقام پر منعقد ہوا تھا، جو شرکت کرنے والوں کے لیے ایک اور کشش کا باعث تھا۔ کشمیر کے انتخاب کی غالباً ایک اور وجہ بھی ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ بنیادی قومی تعلیم کی اسکیم کا یہاں اتنے بڑے پیمانے پر تجربہ ہو رہا ہے اور وہاں تعلیمی فضا پیدا کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ شرکت کرنے والوں کو ایک تعلیمی تجربے کے دیکھنے کا موقع ملے گا۔

اس سال کانفرنس کی صدارت کے فرائض پروفیسر امرناتھ جھا نے انجام دیے جو علاوہ ایک بہت بڑے ادیب اور فاضل ہونے کے ہندوستان کی ایک بہت بڑی یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی ہیں۔ کانفرنس کے ساتھ ایک تعلیمی نمائش بھی تھی جس میں زیادہ تر ریاست جموں اور کشمیر کے تعلیمی کاموں کی نمائش تھی اور اس کے علاوہ کسی اور ادارے نے اگر نمایاں طور سے حصہ لیا تھا تو وہ جامعہ ملیہ تھا۔ نمائش کا افتتاح شیخ الجامعہ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے فرمایا تھا جنھوں نے بنیادی قومی تعلیم کی تشکیل میں حصہ لے کر اس وقت سب سے زیادہ امتیاز حاصل کیا ہے۔ آپ نے اپنی افتتاحی تقریر میں ہاتھ کے کام کی اہمیت اور تعلیم میں اس کا کیا درجہ ہے، دونوں باتیں نہایت اچھے پیرایے میں ظاہر کی تھیں، اور پھر اس کے ساتھ بچوں کے کاموں کی وقعت پر زور دیا تھا۔

نمائش کا یہ افتتاح ۲۵ ستمبر کو ہوا، اس دن شام کو ورزشی کھیلوں کی نمائش کے علاوہ اور کوئی بات قابل ذکر نہ تھی۔ اگلے دن یعنی ۲۶ ستمبر کو کانفرنس کا افتتاح تھا جو ہز ہائی نس مہاراجہ کشمیر نے فرمایا۔ اس کے بعد صدر کانفرنس پروفیسر امرناتھ جھا نے اپنا خطبۂ صدارت پڑھا جو نہایت اچھی زبان اور نہایت اچھے پیرایۂ بیان میں لکھا گیا تھا۔ صدر کانفرنس نے اپنے خطبے میں جس چیز کا خصوصیت سے ذکر کیا تھا، وہ فرقہ وارانہ اور جماعت وارانہ اداروں کی مخالفت تھی جس کی بنا پر فرقوں اور جماعتوں میں آپ کے خیال سے روزانہ کشمکش بڑھتی جاتی ہے۔ آپ نے اپنے خطبۂ صدارت میں اس کے ساتھ یہ تجویز بھی پیش کی تھی کہ موجودہ تعلیم کے ساتھ دینی اور مذہبی تعلیم بھی ہونی چاہئے۔ یہ دونوں باتیں بظاہر جمع اضداد معلوم ہوتی ہیں لیکن ان کا حل تعلیم کے میدان میں کوئی عملی کام کرنے والا ہی بتائے تو قابل یقین ہو سکتا ہے۔ ان دو مسائل کے علاوہ خطبۂ صدارت میں بعض ایسے امور کا بھی ذکر تھا جسے صدر نے موجودہ نظام تعلیم کے خلا پُر کرنے سے تعبیر کیا تھا۔ ان مسائل میں چند ایک خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، مثلاً مدرسے کی باضابطہ تعلیم سے پہلے کی تعلیم یعنی کنڈرگارٹن اور نرسری اسکولوں کا قیام (جن پر جناب صدر نے خاص طور پر زور دیا تھا۔) پھر اس کے علاوہ بالغوں کی تعلیم جو کم و بیش اسی قدر اہمیت رکھتی ہے۔

کانفرنس کے اس عام اجلاس کے علاوہ دو اور عام اجلاس بھی ہوئے تھے یعنی ۲۷ر اور ۲۸ر کو جن میں دو نہایت اہم اور وقت کے مسائل پر بحث تھی۔ ان میں سے ایک مسئلہ تو یہ تھا کہ مختلف فرقوں اور تمدنوں میں تعلیم کے ذریعے کیوں کر اتحاد اور یگانگت پیدا ہو سکتا ہے، اور دوسرا یہ کہ اس جنگ کے ختم ہونے پر موجودہ نظام تعلیم کی ازسر نو تنظیم کیسے جا سکتی ہے؟ ان دونوں مسائل پر بہت سی تقریریں ہوئیں جن میں دوسرے مسئلے پر مسٹر سارجنٹ، حکومت ہند کے تعلیمی مشیر کی تقریر سب سے زیادہ قابل ذکر ہے۔ آپ نے اس مسئلے کو پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ ہماری ہر تعلیمی تنظیم کی اسکیم میں سب سے بڑا سوال روپے کا آتا ہے، اور روپیہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا ہے جب تک ہندوستان کا معیار زندگی بلند نہ ہو۔ ہندوستان کے معیار زندگی کے بلند ہونے کی صورت یہ ہے کہ یہاں کی معیشت جدید صنعتی اصولوں پر ڈھالی جائے۔ آپ نے یہ بھی کہا کہ صنعتی نظام معیشت میں کچھ خرابیاں بھی ہیں لیکن وہ خرابیاں ایسی نہیں جو اس کا لازمی جزو ہوں، بلکہ وہ روکی بھی جا سکتی ہیں۔ اس صنعتی نظام معیشت کو پیدا کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ ہندوستان کی تعلیم میں حرفہ اور دستکاری کا جزو شامل کیا جائے۔ اس لحاظ سے مسٹر سارجنٹ نے بتایا کہ بنیادی تعلیم کی اسکیم سب سے موزوں اور مناسب اسکیم ہے اور اس جنگ کے بعد اگر موجودہ تعلیم کی کوئی تنظیم شروع کی گئی تو وہ انھی اصولوں پر ہوگی۔

پہلے دن عام اجلاس ختم ہونے کے بعد کانفرنس مختلف شعبوں میں تقسیم ہوگئی جن میں خاص خاص شعبے یہ تھے، (۱) چھوٹے بچوں کی تعلیم و تربیت (۲) دیہی اور ابتدائی تعلیم (۳) ثانوی تعلیم (۴) یونیورسٹی کی تعلیم (۵) استادوں کی تعلیم (۶) حرفے اور پیشوں کی تعلیم (۷) تعلیم بالغان (۸) عورتوں کی تعلیم۔ ان میں چند ایک شعبوں کے جلسے اور مباحث نہایت دلچسپ تھے، مثلاً عورتوں کی تعلیم کے شعبے میں زیر بحث امر یہ تھا کہ موجودہ زندگی میں آیا عورتیں ـ ملک و سماج ـ میں یا مرد؟ اسی طرح ثانوی تعلیم میں ایک زیر بحث امر یہ تھا کہ آیا ثانوی مدارس میں فوجی تعلیم ہونی چاہیے یا نہیں؟

کانفرنس اور اس کے تمام شعبوں کی کارروائیوں کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہماری قومی زندگی کی تعمیر میں استادوں اور معلمین کی یہ جماعت کہاں تک اپنا حق ادا کر رہی ہے۔ گو یہ صحیح ہے کہ اس جماعت کو ابھی وہ آزادی حاصل نہیں ہے جو ہونی چاہیے، پھر بھی جو مسائل اس کے سامنے آئے اور جن پر اس نے بحث و گفتگو کی، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک دن آئے گا جبکہ ہماری قومی زندگی کی تعمیر میں اس کا بھی بہت بڑا حصہ ہوگا۔

سعید انصاری،
استادوں کا مدرسہ، جامعہ نگر

ابری سازی

[بنیادی مدرسوں میں بہت سی دستکاریاں جاری کی گئی ہیں ۔ ان میں سے گتے کا کام بھی ایک اچھی اور دلچسپ دستکاری ہے! ابری سازی اس کام کا ایک اہم جزو ہے ۔ ابری گتے کی چیزوں کے حسن کو دوبالا کر دیتی ہے ۔

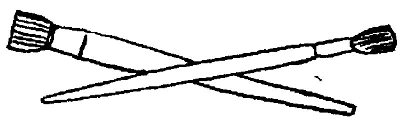
نیچے "ابری سازی" پر ایک مضمون دیا جا رہا ہے ۔ امید ہے کہ یہ ان استادوں کو اس کام کے سیکھنے پر آمادہ کرے گا جو اسے نہیں جانتے اور ان کے لئے بھی مفید ثابت ہوگا جو اسے جانتے اور کرتے ہیں ۔ مدیر]

ابری دو طرح سے بنتی ہے، ایک تو پانی کے رنگوں سے اور دوسری تیل کے رنگوں سے ۔ ہم یہاں یہ بتائیں گے کہ یہ دونوں قسم کی ابریاں کیسے بنائی جاتی ہیں ۔

پانی کے رنگوں کی ابری

اس قسم کی ابری بنانے کے لئے مندرجۂ ذیل چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے :-

(۱) لیئی پکانے کے لئے دھات یا مٹی کا ایک برتن ۔
(۲) رنگ گھولنے کے لئے مٹی یا چینی کے کچھ پیالے ۔
(۳) ایک انچ کے گول اور چپٹے برش ۔



(۴) لیئی لگانے کے لئے دو انچ کا برش ۔ اگر برش نہ ہو تو اس کا کام اسفنج یا کپڑے یا جوتے کے برش سے بھی لیا جا سکتا ہے ۔
(۵) مختلف قسم کے رنگ جو پانی میں گھل سکیں ۔
(۶) کاغذ جو پانی کو زیادہ جذب نہ کرے ۔
(۷) ردی اخبار اور بورڈ پن ۔
(۸) لیئی بنانے کے لئے گیہوں کا میدا یا چاول اور آلو کا نشاستہ ۔

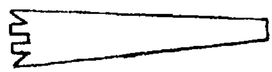
اس کام کے لئے سب سے پہلے لیئی بنانا سیکھنا چاہئے ۔ اس کا طریقہ یہ ہے ۔ کسی برتن میں تقریباً ڈیڑھ پاؤ پانی رکھ کر خوب پکائیں ۔ ایک پیالے میں گیہوں کا میدا گاڑھا گاڑھا گھول لیں، ایسا کہ اس میں گٹھلی نہ پڑے ۔ کھولتے ہوئے پانی میں اُسے ڈال دیں اور پھر اسے خوب پکائیں ۔ جس وقت اس میں کچھ چمک سی پیدا ہو جائے تو اُسے آگ پر سے اتار لیں ۔ اگر لیئی پتلی رکھنی ہو تو ڈیڑھ پاؤ پانی میں کھانے کے دو چمچے میدا ڈال دیں اور اگر درمیانی رکھنی ہو تو چار چمچے اور اگر سخت یا گاڑھی رکھنی ہو تو چھ چمچے میدا ڈال دیں ۔ ابری بنانے کے کام میں پتلی اور درمیانی لیئی استعمال کی جاتی ہے ۔

لیئی کے استعمال کے بارے میں بھی چند باتیں جاننا ضروری ہیں ۔ لیئی روزانہ تازہ تیار کرنی چاہئے ۔ اگر کسی مجبوری سے وہ روزانہ تیار نہ کی جا سکے تو اس میں پکاتے وقت ایک چمچہ پھٹکری ڈال دینی چاہئے تاکہ وہ جلد خراب نہ ہو جائے ۔ اگر اُسے دوسرے دن استعمال کرنا ہو تو اس میں ذرا سا پانی ڈال کر رکھ دینا چاہئے تاکہ اس پر پپڑی نہ جمنے پائے اور وہ ملائم رہے ۔

اس ابری میں ہر وہ رنگ استعمال ہو سکتا ہے جو پانی میں گھل جائے ۔ بازار میں اس قسم کے بہت سے رنگ ملتے ہیں ۔ لیکن سب سے سستے اور اچھے مٹی کے رنگ ہوتے ہیں ۔ ان میں ایک خوبی اور بھی ہے کہ وہ خالص دیسی ہوتے ہیں اور وہ کسی رنگ اور وارنش بیچنے والے کی دوکان سے مل سکتے ہیں ۔ کاجل، گیرو، نیل اور پیلی مٹی کے رنگ جو عام طور سے دیواروں کے رنگنے کے کام میں آتے ہیں، ابری بنانے میں استعمال کئے جا سکتے ہیں ۔ ان رنگوں کے میل سے اور بھی بہت سے رنگ بن جاتے ہیں مثلاً نیل اور پیلی مٹی کو ملانے سے سبز رنگ بن جاتا ہے ۔ ان رنگوں کو الگ الگ پیالوں میں گھول لیتے ہیں ۔

اس کے بعد میز پر یا زمین پر کوئی چوڑس تختہ رکھ کر اس کے اوپر ردی کاغذ بورڈ پن سے جما لیں تاکہ وہ ابری بناتے وقت خراب نہ ہو جائے ۔ پاس ہی دیوار پر دو کیلیں گاڑ کر ایک لمبی سی سُتلی یا ڈوری باندھ دیں جس پر بعد کو ابریاں سکھائی جا سکیں ۔ اپنے پاس ابری بنانے کے لئے کاغذ کاٹ کر رکھ لیں ۔ پھر میز یا تختے پر کاغذ رکھ کر اس پر لیئی لگائیں لیکن یہاں ایک بات یاد رکھنی چاہئے کہ لیئی لگانے میں جہاں تک ہو سکے جلدی کی جائے نہیں تو اس کے سوکھ جانے کا اندیشہ ہے جس سے ابری خراب ہو جائے گی ۔

اب جو رنگ پیالوں میں پہلے سے گھلے رکھے ہیں کاغذ پر برش سے لگائیں ۔ اس کے بعد اس پر مختلف قسم کے نقش و نگار انگلیوں، کنگھی



برش یا کسی اور چیز سے بنائے جا سکتے ہیں ۔ اگر ایک ابری میں کئی رنگ کرنے ہیں تو دو کاغذوں پر اسی طرح مختلف قسم کے رنگ لگا کر انھیں ایک دوسرے سے چپکا دیں اور تھوڑی دیر بعد کونے پکڑ کر انھیں الگ الگ کر دیں ۔ اس طرح بہت خوبصورت رنگ برنگ کے پھول بن جاتے ہیں غرض اس طریقے سے مختلف قسم کے نمونے تیار کئے جا سکتے ہیں ۔

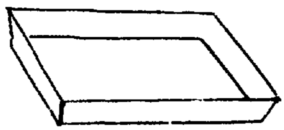
جب ابری بن کر تیار ہو جائے تو اسے سکھانے کے لئے ڈوری پر ٹانگ دیں ۔ پھر اس پر چکناہٹ اور چمک پیدا کرنے کے لئے یہ کرنا چاہئے کہ موم بتی کو پگھلا کر اس کا موم کپڑے کی ایک پوٹلی پر گرائیں اور اس کو سوکھی ہوئی ابریوں پر رگڑیں ۔ کپڑوں پر کرنے کا لوہا بھی اس کام میں آتا ہے ۔ اُسے ٹھنڈی حالت میں ابری کے اوپر پھیرتے ہیں، اس سے وہ صاف اور چکنی ہو جاتی ہے ۔

تیل کے رنگوں کی ابری

اس قسم کی ابری بنانے کے لئے جس سامان کی ضرورت ہوتی ہے، وہ

اس سامان سے بہت مختلف ہے جو پانی کے رنگوں کی ابری کے لئے ضروری ہے۔ اس کے لئے مندرجہ ذیل چیزوں کی ضرورت ہے:-

(۱) ایک کشتی جس کا سائز ۱½ × ۲



اور گہرائی ۲ ہو۔

(۲) رنگ بنانے کے لئے کم از کم چھ پیالیاں۔

(۳) مختلف قسم کی کچھ کنگھیاں۔

(۴) تیل کے رنگ (آئل کلر)۔

(۵) کاغذ۔

(۶) استر بنانے کے لئے لیئی۔

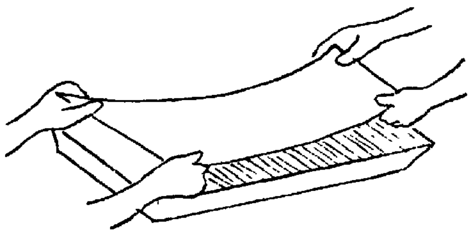
تیل کے رنگ کئی قسم کے ہوتے ہیں مثلاً ٹیوب کے رنگ، چھپائی کے رنگ، معمولی رنگ جو کسی تیل میں حل کر لئے گئے ہوں۔ ٹیوب کے رنگ سب سے اچھے ہوتے ہیں۔ ان کے بعد دوسرا درجہ چھپائی کے رنگوں کا ہے۔ لیکن یہ دونوں قسم کے رنگ مہنگے ہوتے ہیں۔ اگر یہ نہ مل سکیں تو معمولی رنگوں سے بھی کام چل سکتا ہے۔ ان کے استعمال کا طریقہ حسب ذیل ہے:-

معمولی رنگ کو صاف کئے ہوئے السی کے تیل میں ملائیں اور کھرل سے خوب رگڑ لیں کہ اس میں دانہ نہ رہے۔ پھر اُسے آگ پر رکھ کر گرم کر لیں۔

جب یہ سب سامان اکٹھا ہو جائے تو کشتی کو کسی ہموار جگہ پر رکھ کر اس میں اتنا پانی بھر لیں کہ اس کا ایک چوتھائی حصہ خالی رہے۔ اب اس میں لیئی ملائی جائے۔ اس کام میں گیہوں کے میدے کی لیئی، چاول کا نشاستہ یا چینی گھاس کا نشاستہ استعمال کیا جا سکتا ہے۔ چونکہ گیہوں کا میدا سستا ہے اور آسانی سے ہر جگہ مل سکتا ہے، اس لئے ابری بنانے کے کام میں ہم صرف اس کے استعمال سے بحث کریں گے۔ اس کی لیئی پتلی بنائی جائے اور اس کو کسی کپڑے میں رکھ کر کشتی کے پانی میں چھان لیا جائے۔ پانی میں لیئی کی مقدار جس قدر زیادہ ہوگی اسی قدر اس میں رنگ کم پھیلیں گے اور جس قدر کم ہوگی اسی قدر رنگ زیادہ پھیلیں گے۔ اس لئے پانی میں زیادہ لیئی گھولنے سے یہ فائدہ ہوگا کہ جہاں رنگ ڈالا جائے گا وہیں رہے گا اور پھر برش یا کنگھی سے جس طرح پھیلانا چاہیں پھیلا سکیں گے یعنی ابری کا جیسا ڈزائن بنانا چاہیں بنا سکیں گے۔ پانی میں لیئی کم ملانے سے یہ فائدہ ہوگا کہ رنگ ڈالنے کے بعد خود ہی پھیل جائے گا اور خود بخود مختلف قسم کے ڈزائن بن جائیں گے۔

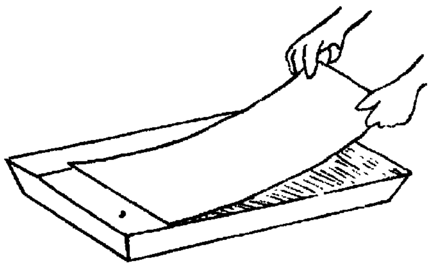
پانی میں لیئی ملانے کے بعد پیالیوں میں مختلف رنگ ڈالیں اور انھیں پتلا کرنے کے لئے مٹی کا تیل، تارپین کا تیل یا بنزین (Benzene) ملائیں تاکہ وہ آسانی سے برش کے ذریعے چھڑکا جا سکے۔ صاف اور خوبصورت ابری بنانے کے لئے بنزین سب سے بڑھیا چیز ہے اور مٹی کا تیل سب سے گھٹیا۔ لیکن بنزین بہت مہنگی چیز ہے اور ہر جگہ آسانی سے مل بھی نہیں سکتی، اس لئے یہ کام زیادہ تر مٹی کے تیل اور تارپین سے لیا جاتا ہے۔ اگر ہو سکے تو تارپین میں رنگ حل کرنے کے بعد اس میں تھوڑی سی بنزین بھی ملا لی جائے۔ اس سے ابری میں ایک خاص قسم کی صفائی اور چمک پیدا ہو جائے گی۔

اس طرح رنگ تیار کر لینے کے بعد اُسے ایک برش کے ذریعے کشتی میں چھڑک دیں۔ رنگ پانی اور لیئی میں نہیں ملے گا بلکہ اوپر تیرتا رہے گا۔ اب جتنے رنگ چاہیں اسی طرح قرینے سے الگ الگ چھڑکتے جائیں۔ پھر برش یا کنگھی سے آہستہ آہستہ اس میں جیسی لہریا چاہیں بنا دیں۔ ایسا کرتے وقت اس بات کا خیال رکھیں کہ پانی زیادہ نہ ہلنے پائے۔ اس کے بعد دونوں ہاتھوں سے کاغذ پکڑ کر اس طرح کشتی میں رکھیں



کہ پہلے اس کے بیچ کا حصہ پانی کو چھوئے اور پھر آہستہ آہستہ اس کے دونوں کنارے پانی کو چھوئیں۔ ایسا کرتے وقت کاغذ اور پانی کے درمیان ہوا نہیں رہنی چاہئے کیونکہ ہوا کے بلبلے کاغذ کو پانی میں اچھی طرح جمنے نہیں دیں گے اور ابری کے بیچ کہیں کہیں جگہ خالی رہ جائے گی جو بہت بدنما معلوم ہوگی۔ اس لئے مناسب ہوگا اگر اس کے بعد کاغذ کو ہتھیلی سے آہستہ آہستہ دبا کر پانی پر اور جما دیا جائے۔

اب کاغذ کے دو سرے پکڑ کر آہستہ آہستہ اُٹھائیں



پانی کی سطح پر جو کچھ رنگ سے بنا تھا وہ سب کاغذ پر اتر آئے گا اور وہ بہت خوشنما معلوم ہوگا۔"

عبدالحیٔ، استادوں کا مدرسہ،
جامعہ نگر، دہلی۔

بہار میں بنیادی تعلیم

[مئی ۱۹۴۱ء میں چمپارن کے بنیادی مدرسوں کا جو معائنہ کیا گیا تھا، اس کے بارے میں ایک چھوٹا سا مضمون جولائی کے پرچے میں چھپ چکا ہے۔ اب اس کی پوری رپورٹ شائع ہوگئی ہے اور بہار کے ایجوکیشن بورڈ کے سامنے پیش کی گئی ہے۔ اس کا ایک حصہ نیچے دیا جاتا ہے۔ مدیر]

معائنے کا ڈھانچا۔ پچھلے سال ۱۹۴۰ء میں مختلف درجوں یعنی اچھے، اوسط اور بہت معمولی درجوں کے چنے ہوئے مدرسوں کا معائنہ کیا گیا تھا۔ بعد میں پتہ لگا کہ جن مدرسوں کا معائنہ نہیں کیا گیا تھا ان کے استادوں، طالب علموں اور گاؤں کے لوگوں پر برا اثر پڑا۔ اس لئے اس سال مناسب سمجھا گیا کہ کچھ چنے ہوئے مدرسوں کا زیادہ وقت دے کر معائنہ کیا جائے، لیکن ساتھ ہی بچے ہوئے مدرسے بھی سرسری طور پر دیکھے جائیں۔ اس لئے اس سال معائنہ کرنے والوں نے الگ الگ ٹولیوں میں ۲۷ مدرسوں کا معائنہ کیا۔ کچھ مدرسوں کو زیادہ وقت دیا گیا اور کچھ کو کم۔ معائنے کے کام میں یکسانی رکھنے کے خیال سے سب معائنہ کرنے والوں نے پہلے اکٹھے ہو کر یہ طے کیا کہ معائنہ کس طرح کرنا چاہیئے اور کن باتوں پر زیادہ توجہ دینی چاہیئے۔ یہ بھی طے کیا گیا کہ کچھ مدرسے ایسے ہوں جنھیں سب کے سب مل کر ایک ساتھ دیکھیں اور پھر الگ الگ ٹولیوں میں کام کریں۔

معائنے کا طریقہ۔ معائنے کا طریقہ پچھلے سال جیسا تھا معائنہ کرنے والوں نے بچوں کے ریکارڈ، داخلہ، حاضری، دستکاری کا کام، استادوں کی ڈائری، بچوں کی کاپیاں اور ان کے ڈرائنگ کے نمونے وغیرہ سبھی باتوں کی جانچ کی۔ دستکاری کے کام میں بچوں کی قابلیت جانچنے کے لئے ان سے کام کروا کے دیکھا گیا۔ ان کی لکھائی پڑھائی کی بھی جانچ کی گئی۔ دستکاری کے کام کے حساب سے ان کے ریاضی کے علم کی جانچ کی گئی۔ بچوں کے اظہار ذات کی جانچ کے لئے سوال کئے گئے اور ان سے پورے جملوں میں جواب لئے گئے۔ یہ بھی معلوم کرنے کی کوشش کی گئی کہ بچوں میں تجسس کا مادہ پیدا ہوا ہے یا نہیں۔ بچوں سے کہا گیا کہ وہ معائنہ کرنے والوں سے اپنی دلچسپی کی کسی بھی چیز پر سوال کریں۔

کئی مدرسوں میں بچوں کے کھیل کود، قواعد، ڈراما وغیرہ دکھانے کا بھی انتظام کیا گیا تھا۔ اس سے یہ پتہ لگا کہ بچوں میں کس حد تک اظہار ذات کی صلاحیت، مل جل کر کام کرنے کی اسپرٹ، اپنے آپ ضبط کے ساتھ کام کرنے کی عادت اور ذہنی فعالی پیدا ہوئی ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا کہ بچے جماعت کے اندر اور باہر ایک دوسرے کے ساتھ کس طرح پیش آتے ہیں، کیسے بیٹھتے اٹھتے ہیں، کیسے بات چیت کرتے ہیں۔ استادوں کے دستکاری کے ریکارڈ جانچے گئے اور یہ بھی دیکھا گیا کہ وہ دوسرے رسم الخط کو کتنا جانتے ہیں اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کی گئی کہ انھیں جو کامیابی حاصل ہوئی ہے اور نصاب میں جو معیار تجویز کیا گیا ہے ان دونوں میں کتنا فرق ہے۔ خاص دھیان اس بات کو معلوم کرنے کی طرف دیا گیا کہ نئی تعلیم کا اثر بچوں کے دماغ اور سیرت پر کیا پڑتا ہے، کس حد تک ان کی جسمانی، ذہنی اور اخلاقی قوتوں کی ترقی ہو رہی ہے۔ دوسرے لفظوں میں، یہ معلوم کرنے کی کوشش کی گئی کہ کہاں تک ان کی شخصیت ابھر رہی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ کس حد تک سماج کے کارآمد رکن بن رہے ہیں۔

اس سال مدرسوں کے کام پر نظر ڈالنے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اگرچہ بہت سی سمتوں میں ترقی کی کافی گنجائش ہے، تو بھی تجربہ ٹھیک طور پر کیا جا رہا ہے اور اس کے نتیجے امید افزا ہیں۔ پچھلے سال استادوں اور بچوں کے کام کا جو معیار تھا، وہ ابھی قائم ہے۔ دستکاری کے کام میں قابلیت بڑھی ہے اور ربط کا کام پہلے سے اچھا ہو رہا ہے۔ ربط کے بارے میں یہ ہدایت دینا ضروری ہے کہ کہیں وہ فطری حدود کے باہر نہ نکل جائے، لیکن اس سے بھی بڑا خطرہ یہ ہے کہ بچوں کو تعلیم دینے کے لئے جو تین مرکز مانے گئے ہیں (یعنی دستکاری کا کام اور ان کے چاروں کا سماجی اور طبعی ماحول) ان سے شاید پورا پورا فائدہ نہیں اٹھایا جا رہا ہے۔ اس کا ایک ظاہری ثبوت یہیں ملا۔ بچے اپنے چاروں طرف کی طبعی زندگی سے اچھی طرح واقف ہیں لیکن اس کے بارے میں ان کی دلچسپی بڑھانے کی یا تجسس کا مادہ پیدا کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی ہے۔ اور اس طرح اس کے ذریعے جو مفید معلومات انھیں حاصل ہو سکتی تھی وہ حاصل نہیں ہوتی ہے۔

تعلیم کے کام کی اصلی جانچ تو یہی ہے کہ بچوں پر اس کا کیا اثر پڑا ہے؛ کیا وہ ٹھیک راستے سے آگے بڑھ رہے ہیں اور وہ زندگی کا کارآمد علم حاصل کر رہے ہیں؟ کیا ان میں وہ جسمانی اور اخلاقی عادتیں پیدا ہو رہی ہیں، سیرت، خیالات اور اسپرٹ کی نشو و نما ہو رہی ہے، جن سے وہ آگے چل کر سماج میں تندرست اور کارآمد زندگی گذار سکیں؟

بنیادی تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ دستکاری کے کام کے ذریعے اور بچوں کے چاروں طرف جو سماج اور قدرت کی زندگی ہے، اس کے ذریعے یہ خوبیاں بچوں میں پیدا کی جائیں۔ اس لئے ہمیں صرف یہی معلوم کرنا تھا کہ جو خوبیاں ہم نے اوپر بتلائی ہیں وہ بچوں میں ہیں یا نہیں؛ بلکہ یہ بھی معلوم کرنا تھا کہ کس حد تک یہ خوبیاں نئی تعلیم کی پیداوار ہیں؟

اس معائنے سے بچوں کی نشو و نما کے بارے میں ہمارا جو تجربہ ہے اس کا نچوڑ نیچے دیا جاتا ہے:-

(۱) بنیادی تعلیم کا پہلا نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ بچے دستکاری کے کام میں مہارت اور صفائی حاصل کریں۔ بچوں نے ایک حد تک یہ قابلیت حاصل کی ہے۔ پچھلے سال سے کام بہت آگے بڑھا ہے۔ ابھی خامیاں کافی ہیں۔ لیکن اتنا ضرور ہوا ہے کہ بچے سمجھ بوجھ کر دستکاری کا کام کر رہے ہیں۔

(۲) اس کا دوسرا نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ بچوں میں کام کے ذریعے ضبط نفس کا مادہ پیدا ہو نہ کہ یہ کہ ضبط خارجی طور پر قائم کیا جائے۔ یہاں بھی یہ دیکھا گیا کہ بچوں میں اپنے آپ ضبط قائم رکھنے کی کافی صلاحیت

پیدا ہوگئی ہے۔ اس چیز کا اندازہ ہم نے صرف جماعت کے کمرے میں نہیں لگایا بلکہ کھیلنے کے میدان میں، جلسوں اور سبھاؤں میں ان کا عام برتاؤ ہم نے دیکھا۔ کہیں بھی نہ ہم نے شور سنا اور نہ جگہ کے لئے لڑائی یا دھکا مکی دیکھی۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بنیادی مدرسے کے بچوں میں ضبط نفس کی اسپرٹ پیدا ہو رہی ہے۔ لیکن اس اسپرٹ کی نشو و نما کے لئے ابھی کافی گنجائش ہے۔ کہیں کہیں ہم نے یہ بھی دیکھا کہ بچے اوپر کے ضبط سے دبائے جا رہے ہیں اور کہیں کہیں تو ہم نے دیکھا کہ استاد بچوں کو ڈراتے اور دھمکاتے بھی ہیں۔ اسے روکنے کی ضرورت ہے۔ بچوں کو آزادی چاہیئے اور ساتھ ہی ان میں لگن سے اور منظم طور پر کام کرتے کرتے ضبط نفس کا مادہ بھی پیدا ہونا چاہیئے۔

(۳) بنیادی تعلیم کا تیسرا نتیجہ ہونا چاہیئے ذہنی ترقی۔ یہ ایک بڑی حد تک حاصل ہوا ہے۔ جب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ یہ علاقہ تعلیمی اور ذہنی نشو و نما کے اعتبار سے کس قدر گری ہوئی حالت میں ہے تو اس سلسلے میں حاصل کی ہوئی کامیابی سے ہماری ہمت بڑھتی ہے۔ ہمیں ایسے بہت سے بچوں کی مثالیں ملی ہیں جو پہلے بہت کند ذہن تھے اور کوئی بات جلدی سے نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن اب جو سوال ان سے پوچھے جاتے ہیں، وہ سمجھ جاتے ہیں۔ ان کے جواب بھی سمجھ داری کے ہوتے ہیں۔

(۴) چوتھا نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ بچوں میں چستی اور محنت کی عادتیں پیدا ہوں۔ اس میں بھی کافی کامیابی ہوئی ہے۔ چمپارن کے جس حصے میں ہمارا تجربہ ہو رہا ہے وہ اپنی سستی کے لئے مشہور ہے لیکن ہم نے دیکھا کہ بچوں میں جسمانی اور ذہنی پھرتی پیدا ہوگئی ہے۔

(۵) پانچواں نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ بچے جو کام کریں منظم طور پر کریں اور پورا پورا پکا کام کریں۔ اس سمت میں جتنی ترقی ہونی چاہیئے اتنی نہیں ہوئی ہے۔ ترقی کی کافی گنجائش ہے۔

(۶) چھٹا نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ بچے کام میں دلچسپی لیں، انھیں خوشی حاصل ہو اور یہ کسی خارجی نتیجے کے لئے نہیں بلکہ اس لئے کہ وہ کام بجائے خود اچھا ہے۔ ہمیں کچھ ایسی مثالیں ملی ہیں کہ بچے اپنے مدرسے سے باہر بھی خوشی سے کاتتے ہیں لیکن عام طور سے ابھی بچوں کے لئے اچھا کام خوشی کا ذریعہ نہیں بنا ہے۔

(۷) ساتواں نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ بچوں میں تجسس کا مادہ پیدا ہو اور مشاہدے کی قوت نشو و نما پائے۔ اس سلسلے میں کافی ترقی نہیں ہوئی ہے۔ ہم نے بچوں سے کہا کہ وہ کسی موضوع پر ہم سے سوال پوچھیں لیکن ہم نے دیکھا کہ اس میں انھوں نے مستعدی نہیں دکھائی جو سوال بھی انھوں نے پوچھے، ان سے ہمیں اس بات کا ثبوت نہیں ملا کہ ان کی جبلت تجسس کی صحیح تربیت ہوئی ہے۔ یہ ظاہر تھا کہ استادوں نے اس سمت میں کوئی کوشش نہیں کی ہے۔

(۸) آٹھواں نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ بچے اپنے سماجی اور قدرتی ماحول کے بارے میں باخبر ہوں۔ سماجی ماحول کے بارے میں بچوں کی معلومات بڑھتی جاتی ہے اور جو کچھ ان کے اردگرد ہوتا ہے، اسے وہ ٹھیک طرح سمجھ لیتے ہیں۔ لیکن قدرتی ماحول کی معلومات کے بارے میں ہم یہ بات نہیں کہہ سکتے۔ ان کی یہ معلومات بہت محدود ہے۔ اسے آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔

(۹) نواں نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ بچوں میں مل جل کر کام کرنے اور خدمت کا جذبہ بیدار ہو۔ ہماری رائے میں اس بات میں صاف ترقی نظر آتی ہے۔ بچے ایک دوسرے سے اور استادوں سے مل جل کر کام کرتے ہیں، جماعت کے اندر بھی اور باہر بھی۔ اس کے علاوہ ان کے عام برتاؤ سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بنیادی مدرسے کے بچوں نے مل جل کر کام کرنے اور خدمت کرنے کی اہمیت کو سمجھ لیا ہے۔

(۱۰) بنیادی تعلیم کا کام اگر منظم طور پر چلایا جائے، تو اس کا فطری نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ بچوں میں ذاتی صفائی اور چاروں طرف ایک عام خوشنمائی اور سلیقہ دکھائی دے۔ بنیادی مدرسوں کے بچے دوسرے مدرسے کے بچوں سے یقینی زیادہ صاف ستھرے تھے، تو بھی اس بات پر زیادہ دھیان دینے کی ضرورت ہے۔ ہم نے یہ دیکھا کہ کچھ بچے بغیر ہاتھ منہ دھوئے مدرسے چلے آتے ہیں۔ بچوں میں صفائی کی عادتیں ڈالنے کے لئے بھی خاص کر مدرسوں میں ٹیوب کے کنوؤں کا انتظام کیا گیا ہے۔ اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیئے تاکہ جب بچے بڑے ہوں، تو وہ گاؤں کی اور اس کے آس پاس کی صفائی میں پورا حصہ لیں۔ کچھ مدرسوں میں ہم نے ہاتھ منہ دھونے کی قواعد دیکھی۔ اچھا ہو اگر یہ قواعد سب مدرسوں میں جاری کی جائے۔ یہ معلوم کرکے ہمیں خوشی ہوئی کہ مدرسوں میں محنت کا ہفتہ منایا گیا تھا اور اس موقع پر بچوں نے گاؤں کا کوڑا کرکٹ نکال کر گڑھوں میں ڈال دیا اور دوسرے طریقوں سے گاؤں کی صفائی کی۔ بچوں نے اپنی کاپیوں میں بھی اس کا بیان لکھا ہے۔

گاؤں کی یہ صفائی سال میں ایک بار نہیں بلکہ بار بار ہونی چاہیئے۔ ہر موقع پر ایک ہفتہ پہلے نہ دیا جائے، لیکن اگر کبھی کبھی کچھ گھنٹے دیئے جائیں تو بچوں میں صفائی کی اسپرٹ ترقی پائے گی اور اس سے بھی بڑھ کر وہ اس اسپرٹ کو عملی جامہ پہنانا سیکھیں گے۔

(۱۱) سلیقہ اور تنظیم بھی اس تعلیم کا ایک نتیجہ ہونا چاہیئے۔ یہ نتیجہ کہاں تک حاصل کیا گیا ہے، اس کی بھی جانچ کی گئی۔ دو مدرسوں میں ہم نے اسٹور کی چیزیں جان بوجھ کر ادھر ادھر کردیں اور کچھ بچوں کو وہاں لے جاکر پوچھا کیا سب ٹھیک ہے؟ ہمیں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ بچوں کو اس بے ترتیبی کا پتہ فوراً لگ گیا اور انھوں نے چیزیں طریقے سے رکھ دیں۔

بعض مدرسوں میں ہم نے یہ بھی دیکھا کہ چیزیں بڑی بے ترتیبی سے ادھر ادھر پڑی ہیں۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ کام بچوں کا تھا یا استادوں کی غلطی تھی لیکن جن استادوں کا کام دوسری سمتوں میں اچھا نہ تھا، انھیں کے مدرسوں میں ہم نے یہ بے ترتیبی بھی دیکھی۔ سلیقے کی عادتیں جلد پیدا نہیں ہوتیں، ان کے لئے لگاتار مشق کی ضرورت ہے۔ نگرانوں اور استادوں کو چاہیئے کہ بچوں کو اس کی مشق کے لئے ہر ممکن موقع دیں۔

(۱۲) نئی تعلیم کا ایک اور نتیجہ ہونا چاہیئے، اظہار ذات کی نشو و نما۔ بنیادی مدرسوں کے بچوں نے اس سمت میں کافی ترقی کی ہے اور دوسرے مدرسوں کے بچوں سے کہیں اچھے ہیں۔ ان میں نہ وہ جھجک ہے اور نہ وہ ڈر ہی ہے، جو اس علاقے کے لوگوں کے لئے فطری ہے۔ ہمت سے بولتے ہیں اور اپنے خیال اچھی طرح ظاہر کرتے ہیں۔

کچھ مدرسوں کے بچوں نے معائنہ کرنے والوں کو کچھ ڈراما کرکے دکھائے۔ کچھ بچوں نے ڈراما کے آرٹ میں جو قابلیت دکھائی اس سے ہم پر خاص اثر پڑا۔ استادوں کو اس آرٹ کی طرف (بقیہ صفحہ ۱۰ پر دیکھئے)

بچہ اور جماعت

فروبل ایک بہت مشہور معلم ہوا ہے جس نے "کنڈر گارٹن" کا طریقۂ تعلیم وضع کیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ "انسان خدا کی ذات کا حصہ ہے اس لئے اس کو خدا کی طرح خالق ہونا چاہئے یعنی اسے نئی نئی چیزیں بنانی چاہئیں۔ ہم انسانی زندگی کو جس ترقی اور بلندی پر اس وقت دیکھتے ہیں، وہ انسان کی اسی قوت کا نتیجہ ہے جو اس کو نت نئی نئی باتیں سجھاتی رہتی ہے۔ اگر انسان میں یہ قوت نہ ہوتی تو تمدنی تاریخ کے مختلف دور قائم نہ ہوتے اور نہ ہی یہ ممکن تھا کہ وحشت کی بنیادوں پر تہذیب و تمدن کی عالیشان عمارت کھڑی ہوتی۔

ہر انسان کسی نہ کسی طریقے سے اپنے آپ کو ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ اس کی یہ خواہش اس طرح پوری ہوتی ہے کہ وہ کوئی نئی بات سوچتا ہے، کوئی نئی چیز بناتا ہے۔ ہر انسان اپنی اپنی جگہ پر یہی کرتا ہے۔ بس اسی میں سماج کی ترقی کا راز ہے۔ فنون لطیفہ، سائنس کی عجیب و غریب ایجادیں اور انکشافات، علمی و ادبی کارنامے، انسان کے کچھ نہ کچھ کرتے اور سوچتے رہنے کی نشانیاں نہیں تو کیا ہیں؟ گویا تمدنی دنیا کا سورج انسان ہے۔ انسان اپنی اس شان کو کیسے قائم رکھ سکتا ہے؟ اس کا جواب سوائے اس کے اور کچھ نہیں ملے گا کہ انسان کی یہ شان تبھی قائم رہ سکتی ہے جب اس کی پیدائشی صلاحیتوں کو پورے طور پر اُبھرنے کا موقع ملے۔ مگر اس سے پہلے کہ انسانی صلاحیتوں کو اُبھارنے کے موقعے تلاش کئے جائیں، یہ معلوم کرنا نہایت ہی ضروری ہے کہ وہ صلاحیتیں ہیں کیا۔ یہ ایک بہت ہی مشکل مسئلہ ہے۔ اول تو وہ صلاحیتیں سب میں ایک سی نہیں ہوتیں۔ پھر وہ اتنی نمایاں نہیں ہوتیں کہ یوں ہی بغیر چھان بین کے ان کا پتہ چل سکے۔ کسی بچے کو ایک نظر دیکھ کر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ بڑا محقق بنے گا، ادیب بنے گا، سائنس داں بنے گا، آرٹسٹ بنے گا، فنونِ لطیفہ کا ماہر بنے گا، ہاتھ کے کام کا ماہر بنے گا یا ایجاد کرنے والا بنے گا، مگر یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ ان اور دوسری اور صلاحیتوں میں سے ایک یا کئی اس کے حصے میں ضرور آئی ہوں گی۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اس کی ذات میں بدرجۂ اتم موجود ہو یا بہت کم۔

تعلیم کا اصل کام یہ ہے کہ وہ انسان کی ان صلاحیتوں کا کھوج لگائے اور ان کو اُبھارنے کے موقعے تلاش کرے۔ بچہ آدمی بنے گا اور آدمی بن کر اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ تمدنی عمارت کو سنوارے گا اور اُس کو اور اوُپر اُٹھائے گا۔ اس لئے آدمی بننے سے پہلے بچے کو اس بات کا علم ہو جانا چاہئے کہ اُسے تمدنی عمارت کے کس حصے میں کام کرنا ہے...... اور علم ہو جانے کے ساتھ ہی اس میں یہ اہلیت بھی پیدا ہو جانی چاہئے کہ وہ اپنے حصے میں آئے ہوئے کام کو اچھی طرح سنبھال سکے۔

بچے جب مدرسے میں داخل ہوتے ہیں، تو استاد کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کسی بچے کی طبیعت کا جھکاؤ کس طرف ہے۔ لیکن استاد پہلے سے یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کی جماعت کے بچے باتوں اور عادتوں میں ایک دوسرے سے مختلف ہوں گے۔ وہ سب بچوں سے ایک ہی طرح کے سوال کرتا ہے لیکن اس کو جواب مختلف ملتے ہیں۔ سب بچوں سے اس کا برتاؤ ایک سا ہوتا ہے مگر اس کے اس برتاؤ پر بعض بچے خوش ہوتے ہیں، بعض کو غصہ آتا ہے اور بعض ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ ایک بچے کا جوابی عمل دوسرے بچے کے جوابی عمل سے مختلف ہوتا ہے۔ اس سے استاد کو اس بات کا پتہ چل جاتا ہے کہ کونسا بچہ تیز ہے کونسا سست اور کونسا کند۔ اس موقعے پر استاد اگر اپنے برتاؤ میں تبدیلی نہیں کرتا، تو وہ بہت بڑی غلطی کرتا ہے۔ سست بچوں کا ہمدردی کے ساتھ کندھا ہلا کر ان کو ہوشیار کرنے کی ضرورت ہے، کند بچوں کو سہارا دینے کی ضرورت ہے اور تیز بچوں کو اور آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔ استاد یہ کام اپنے رویئے کو بدل کر ہی کرسکتا ہے ورنہ ڈر ہے کہ تیز بچوں کی تیزی سست اور کند بچوں کو نقصان پہنچائے گی یا سست اور کند بچے تیز بچوں کو آگے بڑھنے سے روک کر جماعت کے کمرے کو اُن کے لئے قید خانہ بنا دیں گے۔

بچوں کی صلاحیتیں کیسے معلوم ہوسکتی ہیں؟ اگر استاد نے اپنا کام صرف پڑھنا لکھنا سکھا دینا سمجھ لیا تو آپ یقین جانئے کہ بچوں کی صلاحیتوں پر پردہ پڑا رہے گا۔ اتنا تو ضرور ہوگا کہ تیز بچے پڑھنے لکھنے میں بہت ترقی کریں گے، سست اور کند بچوں کو بھی کسی حد تک پڑھنا لکھنا آجائے گا، مگر اُن کی صلاحیتیں ظاہر نہیں ہو پائیں گی۔ شاید تیز بچوں میں سے ایک دو بچے ایسے نکل آئیں جن کے متعلق یہ معلوم ہو جائے کہ وہ بڑے ہو کر اچھا بولنے والے یا اچھا لکھنے والے نکلیں گے، لیکن باقی بچوں کی صلاحیتیں تو چھپی رہیں گی۔ اس لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ کمرۂ جماعت میں اور ایسے کام بھی کرائے جائیں جن میں بچوں کو اپنے آپ کو ظاہر کرنے کا موقع ملے۔ وہ کام ایسے ہونے چاہئیں جن میں ذہن، ہاتھ، زبان اور آنکھوں سے کام لینے کی ضرورت پڑے اور بچے ان کاموں سے اکتائیں بھی نہیں۔ کاغذ تراشی، گِل کاری، ابری سازی یہ سب کام ایسے ہیں جن سے ان بچوں کا چناؤ بہترین طریقے سے ہوسکتا ہے جن کی طبیعت ہاتھ کے کام کے لئے خاص طور پر موزوں ہوتی ہے۔ مکالمہ، ڈراما، کہانی سننا اور جلسے کرنا اُن بچوں کی صلاحیتوں کو اجاگر کرے گا جو بہت اچھا بول سکتے ہیں۔ نظم، گیت اور بیت بازی سے ان بچوں کا پتہ لگے گا جن کی آواز اچھی ہوتی ہے اور جو شاید بڑے ہو کر فن موسیقی میں کمال حاصل کرسکتے ہیں۔ اپنی، اپنے گھر کی اور اپنے محلّے کی خبریں لکھنے میں وہ بچے بہت زیادہ شوق دکھائیں گے جو اپنے دل کی باتوں کو لکھ کر بہت اچھے طریقے سے ظاہر کرسکتے ہیں، اگرچہ ممکن ہے کہ وہ دوسرے کاموں میں بہت کمزور نظر آئیں۔ ان کو یہ کام سپرد کرکے اُن کی اس صلاحیت کو اُبھارا جاسکتا ہے۔ بعض لڑکے لکھنے پڑھنے کے کام سے بہت بھاگتے ہیں مگر ان کو ڈرائنگ اور سیر و سیاحت کا بہت شوق ہوتا ہے۔ وہ پھولوں، پرندوں اور جانوروں کا بہت غور سے مطالعہ کرتے ہیں اور ان کی تصویریں بناتے ہیں۔

بچوں کی ذاتی صلاحیتوں کا اندازہ کرنے کے لئے کھیل کا میدان بھی بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ جو بچے جماعت کے کمرے میں چُپ چُپ سے نظر آتے ہیں اکثر کھیل کے میدان میں اپنے دوسرے ساتھیوں سے بڑھے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن صرف ایسے کھیل جن میں دھیان اور

تخیل سے کام لینا پڑے اس مقصد میں کامیابی کی راہ دکھا سکتے ہیں۔

جماعت کے کمرے میں استاد کی توجہ کا مرکز عموماً وہی بچے ہوتے ہیں جو عام طور پر زیادہ ذہین ہوتے ہیں یا جن کو پڑھائی لکھائی اور حساب میں کمزور نہیں کہہ سکتے۔ لیکن جو بچے کسی ذہنی کمزوری یا جسمانی نقص کی وجہ سے جماعت کے اچھے لڑکوں کا ساتھ نہیں دے سکتے اُستاد ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا۔ جماعت میں دیر سے آنے والے بچے بھی اکثر استاد کی بے پروائی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بعض استاد ایسا تو نہیں کرتے کہ کمزور بچوں کی طرف کوئی توجہ ہی نہ دیں مگر ان سے یہ غلطی ضرور ہوتی ہے کہ اچھے بچوں کو بھی کمزور بچوں کے ساتھ چلانے کی کوشش کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اچھے بچوں کی ترقی کی رفتار رک جاتی ہے۔ اس لئے پہلی صورت میں جہاں کمزور بچوں کے ساتھ بے انصافی ہوتی ہے وہاں دوسری صورت میں اچھے بچوں کی حق تلفی ہوتی ہے۔ اس لئے استاد کو ان دونوں صورتوں سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اچھے لڑکوں کو آگے بڑھانا چاہئے اور کمزور بچوں کی کمزوریوں کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ لیکن اس کی صورت اور طریقہ کار کیا ہو؟ ایک صورت تو یہ ہوسکتی ہے کہ استاد اپنی جماعت کے ہر کمزور بچے کی انفرادی طور پر مدد کرے۔ لیکن اگر اُس کی جماعت میں کمزور بچوں کی تعداد بہت زیادہ ہو تو پھر اس طریقے پر عمل کرنا مشکل ہوگا۔ اس صورت میں یہ ہوسکتا ہے کہ کمزور بچوں کی ایک علیحدہ جماعت بنادی جائے اور اس کے لئے ایک علیحدہ استاد مقرر کردیا جائے۔ اور ایک اور تیسری صورت بھی ہے اگر چھوٹی عمر کے بچوں کے ساتھ وہ نہیں برتی جاسکتی۔ اور وہ یہ ہے کہ استاد ہر بچے کو سوالات اور کام کی ایک فہرست دے دیا کرے اور ایک وقتِ مقررہ کے اندر اندر بچہ ان سوالات کا جواب دے دیا کرے اور وہ کام کرلیا کرے۔ اس طرح ہر بچہ اپنی اپنی استعداد کے مطابق استاد کی بتائی ہوئی کتابوں کو پڑھ کر ان سوالات کا جواب دے گا اور بتائے ہوئے طریقوں سے کام کرے گا۔ اس طرح کمزور یا دیر سے آنے والے بچوں کے ساتھ نہ کسی قسم کی بے انصافی ہوگی اور نہ ہی اچھے بچوں کی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہونے کا اندیشہ ہوگا۔ اس طریقۂ کار کو تعلیمی اصطلاح میں طریقۂ تفویض (Assignment Method) کہتے ہیں۔

اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے اُس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ تعلیم میں ایسے طریقے اختیار کرنے چاہئیں جن سے ہر بچے کو اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق اُبھرنے کا موقع ملے۔ مگر تعلیم کا کام صرف یہیں ختم نہیں ہو جاتا۔ اگر تعلیم کا مقصد محض یہ سمجھ لیا جائے کہ انسان کی جداگانہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنا ہے اور بس، تو ڈر ہے کہ اس کا نتیجہ بجائے فائدے کے نقصان کی صورت میں ظاہر ہوگا اس سے لوگ خود غرض ہو جائیں گے اور اپنی اپنی جنت پکی کرنے کی کوشش کریں گے۔ جس سے سماج میں گڑبڑ پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے تعلیم کے لئے ضروری ہے کہ وہ نہ صرف انفرادی صلاحیتوں کو ترقی دے بلکہ وہ انسانوں کو ایک دوسرے کی صلاحیتوں کی قدر کرنا بھی سکھائے۔ ہوسکتا ہے ایک شخص اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے بہت اچھا ہو مگر اس میں مروت نام کو نہ ہو، خود غرض ہو، اپنے دوسرے بھائی بندوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہو۔ اس لئے تعلیم کے سامنے ہر انسان کی ذاتی صلاحیتوں کو ترقی دینے کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی رہنی چاہیے کہ انسان کی ذاتی صلاحیتیں سماج کی زمین اور آب و ہوا میں ترقی پائیں۔ اس لئے افراد کی صلاحیتیں سماج کے اوپر اٹھانے میں بھی کام آنی چاہئیں۔ پس استاد کا فرض جہاں یہ ہے کہ وہ ہر بچے کو اس کی صلاحیت اور طبیعت کے جھکاؤ کے مطابق آگے بڑھنے اور اوپر اُٹھنے کا موقع دے، وہاں اس کا فرض یہ بھی ہے کہ وہ بچوں کو ایک دوسرے کی قدر کرنا بھی سکھائے۔ وہ بچوں کے اندر ایسی عادتیں اور رُخ پیدا کردے جن سے وہ ایک دوسرے کے قریب تر آتے جائیں۔ ان کو ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع ملے، چھوٹوں کو بڑوں پر اس لئے غصہ نہ آئے کہ وہ چھوٹے ہیں اور چھوٹے بڑوں کی اس لئے عزت نہ کریں کہ وہ ماریں گے، بلکہ بڑوں اور چھوٹوں کے درمیان سچی عزت اور سچی محبت پیدا ہو جائے۔ استاد ایسے مشاغل چن سکتا ہے جن میں بچوں کو مل جل کر کام کرنا پڑے۔ مختلف منصوبے (Projects) اور کوئی آسان سی دستکاریاں اس مقصد کو حاصل کرنے میں بہت مفید ثابت ہوں گی۔

اس طرح تعلیم انفرادیت کو ترقی دینے کے ساتھ ساتھ سماجی فلاح و بہبود کا بھی ایک مؤثر ذریعہ بن سکتی ہے۔

محمد شفیع
استاد تعلیمی مرکز نمبر ۱، دہلی

(بقیہ صفحہ) خاص توجہ دینی چاہیئے۔ معمولی بچوں نے بھی اپنی عمر اور تعلیم کے لحاظ سے اچھی اداکاری کی۔ اگر ٹریننگ اسکول میں مفید عنوانوں پر ڈرامے تیار کئے جائیں اور پھر ان میں مقامی حالات کا رنگ دے کر یہ ڈرامے استادوں کو سکھا دیئے جائیں تو وہ ان بچوں کی مادری زبان اور آرٹ کی ترقی میں بہت مدد دے سکتے ہیں۔

(۱۳) آخر میں بنیادی تعلیم کا خاص مقصد تو یہ ہونا چاہیئے کہ بچوں کی شخصیت کی پوری پوری نشو و نما ہو۔ یہ مقصد کہاں تک حاصل ہو رہا ہے، اس بارے میں قطعی رائے دینے کا وقت نہیں آیا ہے۔ لیکن ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ الگ الگ سمتوں میں جو نتیجے نکلے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنے مقصد کی طرف آگے بڑھ رہے ہیں۔ بچوں کی ترقی ہر طرح سے ہو رہی ہے اور اگر ترقی کی رفتار یہی رہی (اس سے بھی تیز ہونے کی گنجائش ہے) تو ہم ایک بڑی حد تک اپنا مقصد حاصل کرسکیں گے۔

پرنٹر و پبلشر: حامد علی خاں
مطبوعہ: جید برقی پریس، دہلی
مدیرہ: سلامت اللہ

نئی تعلیم

جلد ۳، نمبر ۱۲ | جامعہ نگر (دہلی)، دسمبر ۱۹۴۱ء | قیمت سالانہ عہ

دُھنکی

دھوم مچاتی سردی آئی   دھنکی، دھنکی تیری دہائی
تیرے دم سے توشک پائی   تو نے ہی دی ہم کو رضائی
سردی، تیرے نام سے بھاگی
بھارت والے تجھ سے راضی

دُھن، دُھن، دُھن دُھن گانے والی   رُوئی کے گالے اُڑانے والی
کھدر کو بنوانے والی   دیس کی شان بڑھانے والی
ہندو کی بھی شان تو ہی ہے
مسلم کی بھی جان تو ہی ہے

یورپ تجھ سے کانپ رہا ہے   غیروں کا دم ہانپ رہا ہے
ہندی بھی اب بھانپ رہا ہے   داغِ غلامی ڈھانپ رہا ہے
کھدر کا پرچار کریں گے
غیروں کو لاچار کریں گے

آؤ بچو! دھنکی چلائیں   دُھنکی کے گن ہم سب گائیں
جھنڈا بھارت کا لہرائیں   آزادی کا شور مچائیں
رنج و الم کا بھولیں فسانہ
یاد کریں نصرت کا ترانہ

غفران احمد نصرت "قریشی"
ٹیچرز ٹریننگ کالج، جامعہ نگر (دہلی)

صوبہ متوسط میں بنیادی تعلیم

[ہندوستانی تعلیمی سنگھ کے سکریٹری آریانائکم صاحب نے اکتوبر میں سیونی (سی-پی) کے بنیادی اسکولوں کا معائنہ کیا تھا۔ اس کی رپورٹ ہم نیچے شائع کر رہے ہیں۔ اس سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ موجودہ حکومت کا اس قومی تعلیم کی اسکیم کے ساتھ کیا سلوک ہے۔ اس صورت میں ان اداروں کو اپنی ذمہ داری اور فرض کو اور زیادہ تیزی سے محسوس کرنا چاہیئے' جو اس اسکیم کی قومی اسپرٹ کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں اور جو بغیر سرکاری مدد اور مداخلت کے اس کے مطابق کام کر رہے ہیں۔ مدیر]

اگر جغرافی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو صوبہ متوسط ہی کو بنیادی تعلیم کی جنم بھوم سمجھنا چاہیئے۔ اسی لئے آج تک اس اسکیم کو عام لوگ وردھا اسکیم کے نام سے پہچانتے ہیں۔ بنیادی تعلیم کا پہلا تجربہ بھی صوبہ متوسط ہی میں شروع ہوا۔ اس لئے اس صوبے سے یہ امید رکھی جاسکتی تھی کہ بنیادی تعلیم کی ترقی میں وہ ایک خاص حیثیت حاصل کرے گا۔

لیکن دکھ کے ساتھ ماننا پڑتا ہے کہ اب تک ایسا نہیں ہوا ہے۔ صوبۂ متوسط کی ابتدائی تعلیم کی اور خاص کر بنیادی تعلیم کی پالسی اور پروگرام میں بار بار ایسی تبدیلیاں ہوتی گئیں کہ آج تک بنیادی تعلیم کا کوئی ٹھوس کام اس صوبے میں نہیں ہو پایا۔ پچھلے تین سال میں اس صوبے میں بنیادی تعلیم کا جو کام ہوا اگر یہاں اس کا ایک چھوٹا سا بیان دیا جائے تو بے موقع نہ ہوگا۔

مارچ ۱۹۳۸ء میں صوبہ متوسط کی سرکار کی طرف سے تعلیمی سدھار کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی گئی۔ اس نے اس صوبے کے پرائمری مدرسوں کے لئے بنیادی تعلیم کی تجویز کی سفارش کی۔ ستمبر ۱۹۳۹ء میں سرکار نے یہ اسکیم منظور کرلی۔ اسکیم کو جلدی سے جلدی عمل میں لانے کے لئے سرکار نے یہ طے کیا کہ صوبے بھر کے سب نارمل اسکولوں کے استادوں کو بنیادی تعلیم کی ٹریننگ دی جائے اور ایک سال کے اندر ہی اندر سب نارمل اسکول بنیادی ٹریننگ اسکولوں میں بدل دئے جائیں۔ اس کے بعد جوں جوں استاد تیار ہوکر بنیادی ٹریننگ اسکولوں سے نکلیں گے، اس کے ساتھ ساتھ موجودہ پرائمری مدرسوں میں بنیادی تعلیم کا تجربہ شروع کیا جائے گا۔

اس پروگرام کو پورا کرنے کے لئے جولائی ۱۹۳۹ء میں وردھا کے نارمل اسکولوں کے معلموں کو ٹریننگ دینے کے لئے وردھا میں ودیا مندر ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ نام سے ایک ٹریننگ کالج کھولا گیا اور نارمل اسکولوں سے کچھ چنے ہوئے معلم ٹریننگ کے لئے داخل کئے گئے۔ اکتوبر ۱۹۳۹ء میں وردھا ودیا مندر ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ میں مقامی اداروں کے نمائندوں کی ایک کانفرنس ہوئی۔ اس کانفرنس میں بنیادی تعلیم کے مالی پہلو پر اچھی طرح غور کرنے کے بعد سب کی رائے سے نیچے لکھی ہوئی دو تجویزیں منظور کی گئیں۔

چونکہ سرکار نے یہ مان لیا ہے کہ بنیادی تعلیم کا طریقہ سب سے اچھا ہے اور اس نے خود بھی اس طریقے کو اپنانے کا تہیہ کرلیا ہے اس لئے (۱) اس کانفرنس کی رائے ہے کہ اگر موجودہ طریقے میں کچھ تبدیلی کرنی ہے تو وہ بنیادی تعلیم کی سمت میں ہونی چاہیئے' کسی دوسری طرف نہیں۔ (۲) یہ کانفرنس صوبے کی تمام ضلع کاؤنسلوں سے درخواست کرتی ہے کہ وہ اوپر کی تجویز میں بیان کی ہوئی پالسی کو عمل میں لائیں۔

اس دوران میں دیس کی سیاسی حالت میں تبدیلی ہوئی اور کانگریسی وزارتوں نے استعفے دے دئے۔ اس کا اثر بنیادی تعلیم کے کام پر بھی پڑا۔ صوبے بھر میں بڑے پیمانے پر بنیادی تعلیم کو عمل میں لانے کی اسکیم ملتوی کی گئی۔ صوبہ متوسط کی سرکار نے اب یہ طے کیا کہ تجربے کے طور پر ہندی اور مراٹھی دو علاقوں میں وردھا اور سیونی تحصیلوں میں چھوٹے چھوٹے دو تجربے کے حلقے چنے جائیں اور جو مدرسے تجربے کے لئے چنے جائیں انھیں تجربے کے معینہ وقت کے لئے ڈسٹرکٹ کاؤنسل سے سرکار اپنے ہاتھوں میں لے۔ ان مدرسوں کے استادوں کو بنیادی تعلیم کی ٹریننگ دینے کے لئے وردھا اور سیونی کے پرانے نارمل اسکول بدل کر بنیادی ٹریننگ اسکول بنائے جائیں۔

اس نئی تجویز کے مطابق جون ۱۹۴۰ء میں وردھا اور سیونی کے بنیادی نارمل اسکولوں میں ڈسٹرکٹ کاؤنسل کے استادوں کی ایک سال کے لئے ٹریننگ شروع کی گئی۔ ساتھ ہی ساتھ دو سال کی ٹریننگ کے لئے کچھ نئے میٹرک پاس طالب علم داخل کئے گئے۔

وردھا ڈسٹرکٹ کاؤنسل کے کچھ استاد ۱۹۳۹-۴۰ء میں ودیا مندر ٹریننگ اسکول میں بنیادی تعلیم کی ٹریننگ حاصل کرچکے تھے۔ ان استادوں کی مدد سے اکتوبر ۱۹۴۰ء سے وردھا ضلع کاؤنسل کے بتیس مدرسوں میں بنیادی تعلیم کا تجربہ شروع کیا گیا۔

سیونی ضلع کاؤنسل کے کوئی بھی استاد اس سے پہلے نئی تعلیم کی ٹریننگ حاصل کئے ہوئے نہیں تھے۔ اس لئے ۱۹۴۰ء میں سیونی ضلع کے مدرسوں میں بنیادی تعلیم کا کام شروع نہیں کیا جاسکا۔ استادوں کی ایک ٹولی کی ٹریننگ پوری ہونے کے بعد سنہ ۱۹۴۱ء میں صوبۂ متوسط کی سرکار نے سیونی ضلع کاؤنسل کے تجربے کے لئے تیس مدرسے لئے ہیں۔ جون ۱۹۴۱ء سے ان مدرسوں میں کام شروع ہوا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ سیونی بنیادی نارمل اسکول میں استادوں کی دوسری ٹولی کی ٹریننگ شروع ہوئی ہے۔

صوبہ متوسط میں بنیادی تعلیم کا جو کام آج ہو رہا ہے اس کے ساتھ ہندوستانی تعلیمی سنگھ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ ایک پورا پورا سرکاری تجربہ ہے صرف سرکار کے ساتھ یہ سمجھوتا ہے کہ صوبے میں بنیادی تعلیم کی ترقی کے بارے میں پوری واقفیت رکھنے کے لئے ہندوستانی تعلیمی سنگھ کی طرف سے سکریٹری کو سال میں دوبار ان حلقوں میں کچھ نمونے کے مدرسے اور دو ٹریننگ اسکول دیکھنے کا موقع دیا جائے گا۔

اسی انتظام کے مطابق اکتوبر کے پہلے دو ہفتوں میں ہندوستانی تعلیمی سنگھ کی طرف سے میں نے سیونی اور وردھا ضلع کے کچھ نمونے کے بنیادی مدرسے اور دو ٹریننگ اسکول بھی دیکھے۔ جانے سے پہلے میں نے گاندھی جی سے

ایک پیغام کی درخواست کی۔ گاندھی جی نے اس کے جواب میں نیچے لکھا ہوا پیغام دیا :-

" مجھے خوشی ہے کہ آپ سیونی جا رہے ہیں۔ جیسے ایک انجینیر کی بنائی ہوئی اسکیم میں ردوبدل کرنے سے سارا مکان خطرے میں آسکتا ہے اسی طرح بنیادی تعلیم کی اسکیم میں تبدیلی کرنے سے اس کی بھی عمارت جوکھم میں آپڑے گی۔ اگر انسپکٹر لوگ اس بات پر دھیان دیں تو مجھے پورا یقین ہے کہ سب کام ٹھیک ہوگا۔"

اسی پیغام کو مدنظر رکھ کر میں نے بنیادی تعلیم کے کام کا معائنہ کیا۔ سیونی ضلع کے بنیادی مدرسوں سے میرا معائنہ شروع ہوا۔ میرے ساتھ سرکار کی طرف سے ان بنیادی مدرسوں کے نگراں تریاٹھی جی اور ڈسٹرکٹ کاؤنسل کی طرف سے خود کاؤنسل کے صدر جناب پی۔ ڈی۔ جٹار صاحب تھے۔ جٹار صاحب نے اپنا قیمتی وقت اس مطلب سے اس کام میں دیا کہ بنیادی تعلیم کے بنیادی اصولوں اور اصل کام کا خود تجربہ حاصل کرلیں۔ جس جوش اور لگن سے انھوں نے اس کا مطالعہ کیا اسے دیکھتے ہوئے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ ان کی نگرانی میں سیونی ضلع کے بنیادی مدرسوں میں کام ٹھیک ڈھنگ سے کیا جائے گا۔

یکم مئی سنہ ۴۱ء کو سرکار نے ڈسٹرکٹ کاؤنسل کے تیس پرائمری مدرسوں کا پورا انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ لیکن اس اختیار کو عمل میں لایا گیا یکم جون سنہ ۴۱ء سے جب کہ حلقے کے تنظیمی کام کے لئے اسسٹنٹ انسپکٹر کی جگہ پر ٹرننگ اسکول کے ایک معلم مقرر کئے گئے۔ ان مدرسوں میں اب وہاں اکتالیس استاد ہیں جنھوں نے سیونی کے بنیادی نارمل اسکول میں دس مہینے کی ٹرننگ حاصل کی ہے۔ ان تیار کئے گئے استادوں کو پہلے درجے کا کام سپرد کیا گیا اور یکم مئی سے ان درجوں میں بنیادی تعلیم کے نصاب پر عمل کیا گیا۔ لیکن حالت کچھ ایسی تھی کہ کئی مدرسوں میں دستکاری کا سامان اگست تک نہ پہنچ سکا۔ تقریباً تین مہینے تک کئی مدرسوں میں بنیادی تعلیم کا نصاب بغیر کسی دستکاری کے پڑھایا گیا۔

ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ تجربہ بہت ہی مخالف حالات میں شروع ہوا۔ تجربہ کرنے کے لئے ان تیس مدرسوں کو ڈسٹرکٹ کاؤنسلوں سے لے لینے کی کئی وجہیں سرکار نے بتائی تھیں جن میں سے ایک یہ تھی کہ استادوں کو ڈسٹرکٹ کاؤنسلوں کی طرف سے ٹھیک وقت پر تنخواہ نہیں دی جاتی اور نہ دستکاری کا سامان ہی ہر وقت وہاں پہنچایا جاتا ہے لیکن ان دونوں باتوں میں سرکار بھی تو اپنا فرض ادا نہیں کرسکی ہے۔ پورے پانچ مہینے تک ان استادوں کو تنخواہ ملی ہی نہیں جن کو سرکار نے ڈسٹرکٹ کاؤنسل سے اپنے ماتحت لے لیا تھا۔ ڈسٹرکٹ کاؤنسل کو جب اپنے استادوں کی تکلیفوں کا پتہ چلا تو انھوں نے خود بخود کہا کہ ہم ان کے لئے اتنے مہینوں کی تنخواہ سرکار کو پیشگی دینے کو تیار ہیں۔ لیکن سرکار نے اس کو بھی منظور نہیں کیا۔ ان بیچارے استادوں کی حالت کا اندازہ لگانا مشکل ہے کہ وہ کیوں کر اپنے کو قرض اور فاقے کی مصیبت سے بچائے رکھتے ہیں۔

دستکاری کے سامان کے بارے میں میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اکتوبر تک جب کہ میں نے ان مدرسوں کو دیکھا، کئی مدرسے ایسے تھے کہ جن کو دستکاری کا ضروری سامان نہیں پہنچایا گیا۔ جن انسپکٹر کو اس تجربے کے چلانے کا کام سپرد کیا گیا تھا ان کا زیادہ تر وقت تو دستکاری کے سامان کے پہنچانے کے بندوبست میں ہی گزرتا تھا اور ساتھ ہی ان غریب اور بے بس استادوں کو دلاسا دینا بھی انھیں کا کام تھا۔

ان تمام مشکلوں کے باوجود ان استادوں نے جس اطمینان، ہمت اور عقیدت سے کام کیا وہ ہر طرح قابل تعریف ہے۔ انھوں نے انتھک کوشش کی کہ گاؤں والوں کو بنیادی تعلیم میں دلچسپی ہوجائے اور وہ بھی اس کام میں مدد کریں۔ چونکہ یہ نئی تعلیمی اسکیم گاندھی جی کے نام سے تعلق رکھتی تھی لہذا گاؤں والوں نے اسے جوش سے اپنا لیا۔ وہ مدرسوں میں جانے لگے اور بڑے غور سے دیکھنے لگے کہ کس طرح بچوں کو کتائی کے ذریعے تعلیم دی جارہی ہے۔

جن جن مدرسوں میں میں گیا وہاں بڑی بڑی تعداد میں گاؤں والے جمع ہوجاتے تھے اور ان کو بنیادی تعلیم کے فائدے سمجھائے جاتے تھے۔

اس حلقے میں چند اردو مکتب بھی ہیں۔ ہم یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے کہ اردو مکتبوں کے استاد بھی بنیادی مدرسوں کے کام میں دلچسپی لے رہے تھے۔ اور انھوں نے اپنے اپنے مکتبوں میں کتائی شروع کردی تھی۔ مسلم باشندوں نے بھی اتنا ہی بنیادی تعلیم کو اپنا لیا ہے۔

گاؤں والوں میں بڑی امید پیدا ہوگئی ہے کہ بنیادی مدرسوں میں ان کے بچوں کو مفید تعلیم دی جائے گی جس سے وہ اپنے گاؤں اور سماج کے کارآمد رکن بن سکیں گے۔ مدرسوں کے ماحول میں اس تھوڑی مدت میں جو فرق ہوگیا ہے اس کی گاؤں والے دل سے قدر کرتے ہیں۔ مدرسوں کے داخلے اور حاضری میں تیزی سے اضافہ ہورہا ہے، بچوں کی صفائی پر دھیان دیا جارہا ہے لیکن اس حالت میں کام اتنا اچھا نہیں ہوا جتنا ہونا چاہیے۔

ویسے بھی جو ابتدائی مدرسے پرانے ڈھرے پر چلائے جارہے تھے، انھیں بنیادی بنانے میں کافی مشکلیں آتی ہیں، ان مدرسوں کا ماحول بھی بنیادی تعلیم کے بنیادی اصولوں کے موافق نہیں ہے اور اکثر ہیڈماسٹروں کو بنیادی نصاب کی تعلیم ملی ہی نہیں۔ مگر ہمیں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ زیادہ تر ہیڈماسٹروں کو اس نئی اسکیم سے ہمدردی تھی اور وہ اسے سمجھنے کی دلی کوشش کررہے تھے۔

ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ بنیادی تعلیم کا اصل کام ابھی سیونی میں شروع ہوا ہے۔ صرف اس کے لئے موافق ماحول تیار ہورہا ہے۔ بنیادی تعلیم کے موافق ماحول کے لئے دو باتوں کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے، ایک تو گاؤں والوں کی ہمدردی اور مدد، دوسری استادوں میں عقیدت اور تیاری۔ سیونی ضلع کے بنیادی مدرسوں میں جو چند دن میں نے گزارے مجھے یہ یقین ہوا کہ وہاں بنیادی تعلیم کے لئے زمین تیار ہورہی ہے۔ اس کے ساتھ میں نے یہ بھی دیکھا کہ ڈسٹرکٹ کاؤنسل کے عہدے داروں میں اس نئی اسکیم سے عقیدت ہے اور ان سے اس تجربے میں پوری پوری مدد ملے گی۔

ہم یہ امید کرتے ہیں کہ اس علاقے میں بنیادی تعلیم اچھی طرح پھیل سکتی ہے۔

ای۔ ڈبلیو۔ آریا نائکم،

سکریٹری ہندوستانی تعلیمی سنگھ،

وردھا (سی۔ پی)۔

استاد کی ڈائری

لباس سردی سے کیوں کر بچاتے ہیں؟

اب سردی شروع ہوگئی ہے۔ میری جماعت کا ایک بچہ جس کا نام جمیل ہے، ایک روز ایک روئی کی مرزئی اور اون کا ٹوپا پہن کر آیا۔ اس کے چہرے سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کچھ سوچ رہا ہے۔ جب جماعت کے سب بچے اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے تو اس نے کہا:-

جمیل:- ماسٹر صاحب! یہ کپڑے مجھے میری اماں نے دئے ہیں۔ وہ کہتی تھیں کہ یہ گرم کپڑے ہیں۔ میں نے جب انھیں چھو کر دیکھا تو وہ گرم نہیں معلوم ہوئے۔ میں نے اماں سے کہا "آپ تو کہتی ہیں کہ یہ گرم کپڑے ہیں، لیکن چھونے سے تو یہ گرم نہیں معلوم ہوتے۔ پھر آپ انھیں گرم کیوں کہتی ہیں؟" اس پر میری اماں ہنسنے لگیں اور کہا "بیٹا، تم بہت بھولے بھالے ہو۔ ان کپڑوں میں آگ تو ہے نہیں کہ یہ چھونے سے گرم معلوم ہوں۔ جب انھیں پہنو گے تو تھوڑی دیر بعد گرمی لگے گی اور یہ کپڑے گرم معلوم ہونے لگیں گے۔ پہن کر تو دیکھو۔ پھر کہنا کہ گرم ہیں یا نہیں۔" میں نے مرزئی پہنی اور ٹوپا لگایا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے گرمی معلوم ہونے لگی۔ میں نے کہا "ہاں اماں! آپ ٹھیک کہتی ہیں، کپڑے پہننے سے گرمی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن یہ تو بتائیے کہ کھادی کے کپڑوں میں اتنی گرمی کیوں نہیں معلوم ہوتی؟ مرزئی اور ٹوپا پہننے سے گرمی کہاں سے آجاتی ہے؟" اس پر میری اماں نے کہا "بیٹا یہ تو مجھے معلوم نہیں۔ اپنے استاد سے پوچھ کر آنا۔ وہ ضرور بتائیں گے۔" اب آپ بتائیے کہ یہ کپڑے پہننے کے بعد گرمی کہاں سے آجاتی ہے؟

جماعت کے سب بچے یہ باتیں بڑے دھیان سے سن رہے تھے۔ ان میں سے ایک تیز بچہ ہری بول اٹھا "ہاں ماسٹر صاحب، میں بھی یہی پوچھنے والا تھا کہ اون اور روئی کے کپڑوں میں گرمی کہاں سے آجاتی ہے؟"

میں:- اصل بات یہ ہے کہ روئی یا اون میں اپنی گرمی نہیں ہوتی۔ ہمارے جسم میں گرمی ہوتی ہے۔ اگر اس میں سے کچھ گرمی ہمارے جسم سے نکل جائے تو ہمیں سردی معلوم ہوتی ہے اور اگر یہ گرمی باہر نہ نکلنے پائے تو گرمی معلوم ہونے لگتی ہے۔ اون اور روئی کے کپڑے ہمارے جسم کی گرمی باہر نہیں نکلنے دیتے، اس لئے وہ گرم معلوم ہوتے ہیں۔ کھادی کے کپڑے اس گرمی کو جسم سے باہر نکلنے سے زیادہ نہیں روک سکتے، اس لئے سردی کے موسم میں کھادی یا سوت کے کپڑوں میں جاڑا لگتا ہے۔

ہری:- ہمارے جسم کی گرمی باہر کیوں نکلتی ہے؟

میں:- سردی میں ہوا ٹھنڈی ہوتی ہے اور ہمارا جسم اس سے زیادہ گرم ہوتا ہے۔ گرم چیز سے ٹھنڈی چیز گرمی لیتی ہے۔ اس لئے ٹھنڈی ہوا جسم کی گرمی لے کر خود گرم ہونا چاہتی ہے۔ اون اور روئی کے کپڑے ہوا کو جسم سے گرمی نہیں لینے دیتے، اس لئے وہ گرم معلوم ہوتے ہیں۔ سوتی کپڑوں کے اندر سے جسم کی گرمی نکل جاتی ہے اور باہر ہوا میں مل جاتی ہے، اس لئے وہ ٹھنڈے معلوم ہوتے ہیں۔

اچھا، اب بتاؤ:-

(۱) اون اور روئی کے کپڑے ہمیں سردی سے کیونکر بچاتے ہیں؟

(۲) کھادی یا سوت کے کپڑے سردی کے موسم میں کیوں ٹھنڈے معلوم ہوتے ہیں؟

کمال

نوٹ:- یہ سبق اول جماعت کے جنرل سائنس کے نصاب سے متعلق ہے۔ مدیر

(بسلسلہ صفحہ ۵) حاصل کرنے کے لئے نیچے لکھی ہوئی باتوں پر عمل کرنا چاہیے:-

(ل) دھاگا لپیٹتے وقت اس بات کا خیال رکھا جائے کہ سارا دھاگا تکلی پر نہ لپیٹ دیا جائے بلکہ اس میں سے آٹھ دس انچ ضرور چھوڑ دیا جائے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو بل ایک دم پونی میں آجائے گا اور نیا دھاگا کاتنا مشکل ہو جائے گا۔ یہ بات سیکھنے والے کی سمجھ میں اچھی طرح آجانی چاہیے۔ یہ سمجھانے کے لئے بہتر ہوگا اگر استاد خود ہاتھ کا دھاگا کم چھوڑ کر تکلی گھما کر دکھائے کہ پونی میں بل کس طرح رک جاتا ہے اور اس وجہ سے کاتنا کیسے مشکل ہو جاتا ہے۔

(ب) کتا ہوا سوت تکلی پر مناسب شکل کی ککڑی میں سخت لپیٹا جائے۔ سوت کو ڈھیلا لپیٹنے سے خطرہ ہے کہ وہ الجھ کر برباد ہو جائے گا۔

(ج) شروع میں رفتار کا زیادہ خیال نہ کیا جائے بلکہ ہموار اور مضبوط سوت کاتنے کی طرف دھیان دیا جائے۔

(د) جس ہاتھ میں پونی ہوتی ہے اس ہاتھ سے ریشے چھوڑتے ہوئے کاتا جائے اور جس ہاتھ سے تکلی گھمائی جاتی ہے اس سے دھاگا کھینچ کھینچ کر نہ کاتا جائے کیونکہ اس صورت میں دھاگا ناہموار نکلتا ہے۔

(۴) اس کے بعد وہ منزل آتی ہے جس پر پہنچ کر انسان اپنے کام میں ماہر ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس کام کو بار بار صحیح طریقے سے کیا جائے تاکہ وہ سہولت اور تیزی سے کیا جا سکے۔ یہاں یہ مقصد صرف اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب کہ کتائی کا کام روزانہ پابندی کے ساتھ کم سے کم آدھ گھنٹہ ضرور کیا جائے۔

(۵) کسی کام کے کرنے کے بعد اس کی جانچ بھی کرنی چاہیے۔ استاد کا فرض ہے کہ وہ دیکھے کہ جو کچھ طلبہ کو بتایا گیا ہے اس کے مطابق وہ کام کر رہے ہیں یا نہیں، نیز طلبہ کو ان کسوٹیوں سے واقف کرانا چاہیے جو انھیں خود اپنے کام کی قدر و قیمت پرکھنے میں مدد دیں گی۔

کتائی کے ماہروں نے تکلی چلانے کے چھ مختلف طریقے بتائے ہیں۔ یہ طریقے تھوڑے وقت میں نئے سیکھنے والوں کو نہیں بتائے جا سکتے۔ جب کم سے کم پندرہ روز تک تکلی چلانے کی مشق ہو جائے تو پھر ان سے کہا جائے کہ "اب تم تکلی چلانا سیکھ گئے ہو۔ تکلی چلانے کے اور بھی طریقے ہیں۔ اب ہم ایک ایک کر کے ان کی مشق کریں گے۔" درجے میں جس طریقے سے کتائی ہو رہی ہو، استاد کو چاہیے کہ وہ بھی اسی طرح سب کے ساتھ کاتے۔

نور محمد،
استاد کتائی، جامعہ نگر (دہلی)

تکلی سے کاتنا کیسے سکھائیں؟

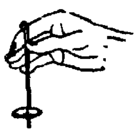
سبق تین قسم کے ہوتے ہیں (۱) معلومات کے سبق (Lessons of Knowledge)، (۲) مشقی سبق (Lessons of Skill) (۳) قدر و قیمت پرکھنے کے سبق (Lessons of Apprecia-tion)۔ دستکاری سکھانے کا تعلق دوسرے قسم کے سبقوں سے ہے۔

کسی دستکاری کے سکھانے میں چند منزلوں سے گزرنا ہوتا ہے:۔

(۱) پہلے تو سیکھنے والے کو اس کام کے سیکھنے پر آمادہ کرنا چاہئے۔ جہاں تک تکلی سکھانے کا تعلق ہے، بچے تو آسانی سے آمادہ ہو جاتے ہیں اس لئے کہ بچوں میں قدرتی طور پر کچھ نہ کچھ کرتے رہنے کی عادت ہوتی ہے۔ لیکن جہاں یہ کام بڑی عمر کے کچے استادوں کو سکھانا پڑتا ہے وہاں یہ اتنا آسان نہیں ہوتا۔ یہاں استاد کا فرض ہے کہ وہ انھیں اس کام کے سیکھنے پر دل سے آمادہ کرے۔ اگر سماجی ماحول موافق ہو یعنی مدرسے کے تمام لوگ کتائی کا کام کرتے ہوں اور عادتاً کھادی پہننے والے ہوں تو طلبہ بھی اس کام پر بہت جلد آمادہ ہو جاتے ہیں۔ ایسی جگہ استاد کا کام بہت آسان ہو جاتا ہے۔ لیکن جہاں ماحول اس کے لئے موافق نہ ہو، وہاں طلبہ میں آمادگی پیدا کرنا مشکل ہے۔ ایسی صورت میں طلبہ کو کتائی کے سماجی اور اقتصادی پہلوؤں سے واقف کرا کے کاتنے کی ترغیب دی جا سکتی ہے، یا پھر انھیں اس کی تعلیمی قدروں اور امکانات سے روشناس کرایا جا سکتا ہے کہ اس کے ذریعے نصاب کے بہت سے حصے بخوبی مربوط طریقے سے پڑھائے جا سکتے ہیں۔

(۲) آمادگی کے بعد دوسری منزل اصل عمل سکھانے سے متعلق ہے۔ ہر کام کے سکھانے کے کچھ گُر ہوتے ہیں، مثلاً "معلوم سے نامعلوم کی طرف چلو"۔ یہ ایک گُر ہے یعنی آپ تکلی چلانا سکھانے سے پہلے سیکھنے والے کو ایسی چند چیزوں کی یاد دلا دیجیے جو تکلی چلانے کے عمل سے ملتی جلتی ہوں اور جنھیں وہ پہلے سے جانتا ہو، مثلاً بچے لٹو اور پھرکی چلانا جانتے ہیں تو ان چیزوں کی مثال دے کر انھیں بتانا چاہئے کہ تکلی بھی لٹو کی طرح گھمائی جاتی ہے۔ پھر انھیں تکلی گھمانے کے لئے دینی چاہئے اور اُسے خود گھما کر دکھانا چاہئے کہ وہ کس طرح بائیں سے دائیں کو (clockwise) گھومتی ہے۔ پھر ان سے اسی طرح تکلی گھمانے کو کہنا چاہئے۔ یہاں سکھانے کے ایک اور گُر کو یاد رکھنا چاہئے "آسان سے مشکل کی طرف چلو"۔ ایک دم تکلی اور پونی دے کر سوت کاتنے کے لئے نہ کہا جائے بلکہ تکلی کیسے پکڑتے ہیں، کیسے چلاتے ہیں، یہ خود تکلی پکڑ کر اور چلا کر دکھایا جائے۔ شروع میں یہ کام طلبہ سے اس طرح کرایا جائے کہ وہ ایک ہاتھ کی ہتھیلی پر تکلی کو رکھیں اور دوسرے ہاتھ سے اسے حرکت دیں۔ اس سے گھومتی ہوئی تکلی کا توازن قائم رکھنے میں بڑی آسانی ہوگی۔ جب ہتھیلی پر تکلی گھمانا آجائے تو پھر ہتھیلی کے بجائے، زمین پر تکلی ٹیک کر گھمانا سکھایا جائے۔ یہ کام آدھ گھنٹے میں پورا ہو جانا چاہئے، لیکن اگر آدھ گھنٹے میں پورا نہ ہو تو زیادہ دیر بھی کرانا چاہئے۔

یہ دیکھا گیا ہے کہ سیکھنے والے تکلی ہاتھ میں آتے ہی خالی چلانا پسند نہیں کرتے بلکہ چاہتے ہیں کہ اسی روز کاتنے لگ جائیں۔ اس کی ایک نفسیاتی وجہ ہے وہ یہ کہ بامقصد کام کرنے سے ایک خاص قسم کی خوشی محسوس ہوتی ہے۔ اس لئے کچھ دیر تک صرف تکلی گھمانے کی مشق کرانے کے بعد طلبہ کو اپنی خواہش کے مطابق کام کرنے کا بھی موقع دینا چاہئے۔ یہاں انھیں بتانا چاہئے کہ پہلے وہ ایک ہاتھ کی ہتھیلی پر تکلی کے نچلے سرے کو رکھیں اور دوسرے ہاتھ سے تکلی کو انگوٹھے اور بیچ کی انگلی کے درمیان اس طرح پکڑیں کہ تکلی کا اوپر کا سرا ڈیڑھ انچ چھٹا رہے۔ پھر اسے گھمایا جائے۔ دائیں ہاتھ سے پھرانے کی صورت میں انگوٹھے کی حرکت اندر کی طرف ہوگی اور بائیں ہاتھ سے پھرانے کی صورت میں انگوٹھے کی حرکت اندر کی طرف ہوگی۔ اس طرح ہر صورت میں تکلی سیدھی چال ہی سے چلے گی، (clockwise)۔





اب پونی پکڑنے کا طریقہ بتانا چاہئے۔ پونی انگلیوں میں پکڑی جاتی ہے۔ انگوٹھا اور پہلی انگلی پونی کے اوپر اور باقی تین انگلیاں پونی کے نیچے رہتی ہیں۔ لیکن یہ پکڑ دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے (۱) پہلی اور بیچ کی انگلی سے اوپر کی پکڑ (۲) انگوٹھا اور باقی انگلیوں سے نیچے کی پکڑ۔

پونی کو اس طرح پکڑنے میں یہ فائدہ ہے کہ پونی آسانی سے اوپر یا نیچے کی جا سکتی ہے۔ یہ عمل استاد کو خود کر کے دکھانا چاہئے اور پھر لڑکوں سے کرانا چاہئے۔ اس مشق کے بعد اب کاتنے کا کام شروع کیا جا سکتا ہے۔ اگر تکلی پر پہلے سے کچھ کتا ہوا سوت موجود ہو تو اس سے جوڑ کر آگے کاتنا زیادہ مشکل نہیں ہے۔ اب سے کچھ سال پہلے لوگ اسی طرح کاتنا سیکھتے تھے۔ وہ کاتنے سے پہلے تکلی پر کچھ کتا ہوا سوت لپیٹ لیتے تھے اور پھر اس سوت کے چھٹے ہوئے سرے میں پونی کے ریشے پھنسا کر آگے کاتنا شروع کرتے تھے۔ لیکن اب ایسا نہیں کیا جاتا ہے بلکہ اب یہ طریقہ ہے کہ تکلی کے نلکے میں پونی کی ذرا سی روئی اٹکا دی جاتی ہے اور آہستہ آہستہ تکلی گھماتے ہوئے پونی والا ہاتھ اوپر کو اٹھایا جاتا ہے۔ اس طرح کچھ دھاگا کت جاتا ہے۔ شروع میں یہ بات مشکل ہوتی ہے کہ ایک ہی وقت میں تکلی کو گھماتے بھی جائیں اور پونی والا ہاتھ بھی اوپر کو اٹھاتے جائیں۔ اس لئے ہونا یہ چاہئے کہ پونی میں روئی اٹکانے کے بعد تکلی زمین پر رکھ کر گھمائی جائے اور ذرا گھما کر روک لی جائے اور پونی والا ہاتھ اوپر اٹھایا جائے۔ جب کچھ دھاگا پونی میں سے نکل آئے تو پونی والا ہاتھ روک کر پھر تکلی گھمائی جائے اور پھر تکلی روک کر پونی والا ہاتھ اٹھایا جائے۔ اس طرح جب تقریباً ایک گز دھاگا نکل آئے تو تکلی کے ناکے سے دھاگا نکال کر اسے ڈنڈی پر چکتی کے پاس لپیٹ دینا چاہئے اور پھر اسی طرح کتائی جاری رکھنا چاہئے۔ اس طرح تین چار روز تک مشق کرانے کے بعد یہ دونوں کام ایک ہی وقت میں کرانے کی مشق کرانی چاہئے۔ امید کہ آٹھ دس روز میں کاتنا آجائے گا۔

(۳) جب کاتنے کا کام معمولی طور پر آجائے تو اس میں مہارت

(دیکھئے صفحہ ۹، کالم ۲)

سماج سیوا

میرا پہلا تجربہ ــــــ سینٹ جانس اسکول آگرہ میں

[فضل الدین صاحب آثر جن کے مضمون اکثر "نئی تعلیم" میں شائع ہوتے رہتے ہیں، اب "سماج سیوا" کے عنوان سے مضمونوں کا ایک سلسلہ شروع کر رہے ہیں۔ اس سلسلے کا پہلا مضمون نیچے دیا جا رہا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ یہ استادوں اور دوسرے سماجی کام کرنے والوں کے لئے مفید ثابت ہوگا۔ مدیر]

جن اداروں میں میں نے تعلیم حاصل کی ہے، ان میں سے ہر ادارے میں مجھے سماج سیوا کے کام سے کچھ نہ کچھ تعلق رہا ہے۔ اس قسم کا میرا سب سے پہلا تجربہ سینٹ جانس اسکول آگرہ سے متعلق ہے جو نیچے درج کیا جا رہا ہے۔

میں سینٹ جانس ہائی اسکول میں چوتھی جماعت میں تھا کہ ریورنڈ ڈی۔ اے۔ اولیفنٹ، ایم۔ اے (آکسن) مدرسے کے پرنسپل بن کر آئے۔ موصوف گذشتہ جنگ عظیم کی تباہ کاریاں ایک سپاہی کی حیثیت سے دیکھے ہوئے تھے۔ اس لئے ضبط و تادیب اور نظام مدرسہ میں (استادوں کے لئے بالخصوص) حد درجے صداقت پسند اور سخت گیر واقع ہوئے تھے لیکن وہ سینے میں ایک درد بھرا دل بھی رکھتے تھے۔ جب انھیں مدرسے پر پورا قابو ہوگیا اور مدرسے والے بھی اس ساڑھے چھ فیٹ کی شخصیت سے کچھ مانوس ہوگئے تو انھوں نے مدرسے میں اپنے حسب منشا یکے بعد دیگرے تبدیلیاں شروع کیں۔ انھیں اچھی اور خوش گوار تبدیلیوں میں سماج سیوا کا پروگرام بھی تھا۔ موصوف نے کافی وقت گذر جانے کے بعد شاید اس وقت جب میں آٹھویں درجے میں تھا، اس کام کی بنیاد ڈالی اور وہ اس طرح کہ ہم آٹھویں جماعت کے تین چار ایسے طلبہ کو جن کے خلوص نیت پر انھیں پورا اعتبار ہو سکتا تھا ایک دن مدرسے کے بعد اپنے دفتر میں بلایا۔ ہم لوگ گئے۔ دفتر میں ہم سب کے لئے کرسیاں موجود تھیں۔ ہم لوگ بیٹھے اور یہ بالکل بھول گئے کہ ہم اپنے پرنسپل کے دفتر میں ہیں۔ پھر مسٹر اولیفنٹ نے ہمیں بتایا کہ شہر سے باہر تین چار میل کے فاصلے پر قندھاری نام کا ایک گاؤں ہے۔ یہاں چھوٹا سا مشن کا ایک مدرسہ ہے۔ انھوں نے دیکھا ہے کہ نہ تو اس مدرسے کے بچے صاف ستھرے رہتے ہیں اور نہ انھیں مدرسے سے کوئی خاص لگاؤ ہے۔ اس لئے ان کا ارادہ ہے کہ وہ ہر جمعے کو مدرسے کے بعد ہم لوگوں کو وہاں لے جایا کریں اور ہم دو گھنٹے کے وقت میں جو بچے مدرسے کے احاطے میں موجود ہوں ان کے منہ دھلائیں۔ ان کے بہتے ہوئے کان، ناک اور آنکھ کی صفائی کریں، پھوڑے پھنسی پر مرہم پٹی کریں اور پھر بچوں کو کچھ کھیل کھلائیں۔ ہم لوگ بخوشی تیار ہوگئے۔ اور اس گفتگو کے بعد جو پہلا جمعہ آیا تو ہم لوگ وہاں پہنچ گئے۔ گاؤں کے مدرس نے گو اپنے تمام بچوں سے کہہ رہا تھا کہ وہ سہ پہر کو خود بھی مدرسے آئیں اور اپنے چھوٹے بڑے بہن بھائیوں کو بھی لائیں لیکن پھر بھی بچوں کی تعداد تھوڑی تھی۔ لیکن ہم لوگوں نے تعداد سے متاثر ہوئے بغیر کام حسب ارادہ اور حسب تجویز شروع کر دیا۔ ترقی کی رفتار بہت سست تھی اور اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ گاؤں کے تمام مرد تو شہر میں کام کرنے گئے ہوئے ہوتے تھے اور عورتوں کو اپنا مقصد سمجھانا یا انھیں اپنا ہم خیال بنانا آپ خود سمجھ سکتے ہیں کتنا دشوار ہوتا ہے۔ لیکن ہم لوگوں نے استقلال کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ بالآخر ایک وقت وہ آیا جب کہ ہمیں اس مدرسے میں ایک چھوٹی سی ڈسپنسری قائم کرنی پڑی اور ہر جمعہ کو ہم اپنے مدرسے کے ڈاکٹر صاحب کو بھی کسی نہ کسی طرح ساتھ لے جانے لگے۔ بچوں کی تعداد کے ساتھ ان کے "ناز برداروں" کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا۔ اور اب ہم لوگ مسٹر اولیفنٹ اور ڈاکٹر صاحب کو چھوڑ کر تین کی بجائے چھ ہوگئے۔ شروع شروع میں ہم لوگوں نے خود کنویں سے پانی کھینچ کھینچ کر بچوں کو نہلایا دھلایا اور پھر ان کے بال وغیرہ بنا کر ان کی ماؤں کو دکھایا کہ وہ کس قدر خوبصورت اور خوش معلوم ہوتے تھے۔ عورتوں کا رشک و حسد تو آپ جانتے ہی ہیں، کچھ عرصے بعد گاؤں بھر کے بچوں کی صورتیں بدل گئیں۔ ماؤں میں آپس میں مقابلے کا ایک جذبہ پیدا ہوگیا۔ ہر جمعے کو بعض عورتیں اپنے بچوں کو فخریہ لا کر دکھاتیں۔ کپڑوں کی صفائی کے لئے ہم لوگ اپنے ساتھ کپڑے دھونے کا صابن لے جاتے تھے۔ پہلے تو کچھ کپڑے خود دھوئے پھر یہ کام بھی جن کا تھا وہ خود ہی کرنے لگے۔ بچوں کے ساتھ ساتھ گاؤں کے بوڑھے بھی کبھی دوا دارو کے سلسلے میں اور کبھی اپنے بچوں کا کھیل دیکھنے کے لئے آنے لگے۔ یہی ہمارے کام کی داد تھی۔

اس کام میں کچھ خرچ بھی ہوتا تھا، لہذا خرچ نکالنے کی صورت یہ کر دی گئی کہ مدرسے میں فیس جمع ہونے کی تاریخ سے ایک دن پہلے طلبہ کو ترغیب دی گئی کہ وہ اس کار خیر کے لئے جو کچھ دینا چاہیں دیں۔ ہم لوگ ہر جماعت کے چندے کا حساب رکھتے تھے اور یہ اعلان کر دیتے تھے کہ کس جماعت نے کتنا دیا۔ کسی طالب علم سے ایک آنے سے زیادہ کبھی نہیں لیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ مدرسے کے سارے خوش حال بچے چندہ دینے لگے بعض طلبہ یہ کرنے لگے کہ فیس کے دن دہی بڑے یا کچالو کھانے کے بجائے پیسے چندے میں دے دیتے تھے۔ بہرحال یہ سب کام راضی رضا کا تھا کسی پر کسی قسم کا دباؤ نہیں تھا۔ باہر سے چندے کی فراہمی میں بڑی احتیاط برتی جاتی تھی۔ انجمن امداد (School League of Help) کے نام سے چندے کی رسیدیں ضرور چھپ گئی تھیں لیکن نہ ہم عام چندہ مانگنے والوں کی طرح کسی سے چندہ مانگتے تھے اور نہ کسی کی سر سے پھینکی ہوئی خیرات قبول کرتے تھے۔ ہمیں رسید بک پرنسپل صاحب سے ملتی تھی اور وہ رسید بک اسی وقت ہمیں دیتے تھے جب کہ انھیں اطمینان ہو جاتا تھا کہ ہم اپنی اور اپنے مدرسے کی لاج کو ٹھیس لگائے بغیر یہ کام کر لیں گے۔

مدرسے کے اندر بھی ضرورت مند طلبہ تھے۔ ان کی سب سے بڑی ضرورت کتابوں کی ضرورت تھی۔ ہم لوگوں نے اپنی انجمن کی طرف سے درسی کتابوں کی ایک لائبریری الگ قائم کر لی۔ جو کتابیں ہم نے جمع کی تھیں ان میں سے اکثر مدرسے کے طلبہ ہی کا عطیہ تھیں۔ ضرورت مند طلبہ کو باضابطہ طور پر پورے سال بھر کے لئے ضروری کتابیں دے دی جاتی تھیں۔ (بقیہ صفحہ پر)

ایک استاد اور دو جماعتیں

ہر جگہ دیہاتی مدرسوں کے سامنے ایک خاص سوال یہ رہتا ہے کہ بچوں کی تعداد کم رہتی ہے اور بچے ٹھیک عمر سے مدرسے جانا شروع نہیں کرتے۔ اس لئے ایک ہی استاد کو ہر درجے اور ہر طرح کی قابلیت کے بچوں کو ایک ہی ساتھ پڑھانا پڑتا ہے۔ ہم یہ نہ سمجھیں کہ یہ صرف ہمارے دیس کے دیہاتی مدرسوں کا ہی مسئلہ ہے، امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک کے دیہاتی مدرسوں کے حالات جب ہم پڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ایسے بہت سے دیہاتی مدرسے ہیں جہاں ایک ہی استاد یا استانی ایک ہی کمرے میں ایک ساتھ آٹھ جماعتوں کو پڑھاتی ہے۔

آج تک تو یہ دیہاتی مدرسوں کی کمزوری سمجھی جاتی تھی، لیکن موجودہ زمانے میں تعلیم کے ماہر یہ کہنے لگے ہیں کہ بچوں کی ترقی کے لئے یہ نظام نقصان دہ نہیں بلکہ مفید ہے۔

انگلستان کے ایک انقلابی تعلیمی ماہر۔ ایس نیل صاحب اپنی 'Problem Teacher' نامی کتاب میں کہتے ہیں "جن بڑے بڑے مدرسوں میں ہر ایک مضمون کے لئے ایک ایک خاص استاد ہے اس سے جن دیہاتی مدرسوں میں ایک ہی استاد مختلف جماعتوں کے سب بچوں کو سب مضمون پڑھاتا ہے وہاں تعلیمی کام کہیں اچھا ہوتا ہے۔ کسی حد تک بچوں کو اپنے بھروسے پر چھوڑنا ہی پڑتا ہے۔ اس سے ان میں اپنے آپ علم حاصل کرنے کی قوت بڑھتی ہے اور یہی تعلیم کا اصل مقصد ہے۔

امریکہ کے دیہاتی مدرسوں میں ایک ایک درجے کے بچوں کو استاد یا استانی کا کتنا وقت ملتا ہے، اس کا حساب لگانے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس رپورٹ سے معلوم ہوا کہ امریکہ کے ایک اوسط دیہاتی مدرسے میں کسی درجے کے بچوں کو استانی کے وقت میں سے دو گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں ملتا۔ باقی وقت یعنی چار گھنٹے بچوں کو اپنے آپ کام کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے امریکہ میں ابھی کچھ دنوں سے اس بات کا تجربہ کیا جا رہا ہے کہ دیہاتی مدرسوں کا پروگرام کس طرح تیار کیا جائے جس سے:-

(۱) ہر ایک درجے کے بچوں کو استاد کے وقت کا برابر حصہ ملے۔

(۲) بچوں میں اپنے آپ مشق کرنے کی، وقت کا صحیح استعمال کرنے کی اور ایک حد تک خود اپنی تعلیم کی ذمہ داری لینے کی عادتیں پیدا ہوں۔

(۳) مضمونوں میں ان کی برابر ترقی ہوتی رہے۔

ہمارے دیس میں بھی بہت پرانے وقت سے ایک استاد ہی گاؤں کے سب بچوں کو پڑھاتے آئے ہیں۔ آج بھی بہت سے ابتدائی مدرسوں میں ایک ہی استاد چار درجوں کے بچوں کو پڑھاتا ہے۔ لیکن یہ پڑھائی کس طرح ہوتی ہے اور استاد کا وقت کس طرح استعمال ہوتا ہے، اس کے بارے میں ہماری تعلیمی دنیا میں آج تک کوئی ذکر نہیں ہوا کیوں کہ دیہات کے بچوں کی تعلیم آج تک ہمارے لئے کوئی سوچ بچار کی چیز نہیں رہی۔ لیکن بنیادی تعلیم کی اسکیم میں تو دیہاتی بچہ اور اس کی ترقی ہی مرکزی چیز ہے۔ اس لئے جب سے بنیادی تعلیم کا کام شروع ہوا اس وقت سے استاد اور تعلیمی افسروں کے سامنے بھی یہ سوال ہمیشہ رہا ہے کہ مختلف جماعتوں اور مختلف قابلیت کے بچوں کو ایک استاد کس طرح تعلیم دے سکتا ہے جس سے ان کی برابر ترقی ہوتی رہے۔

بہار کے بنیادی تعلیمی بورڈ کے ماتحت چمپارن ضلع میں جو بنیادی مدرسے چلائے جا رہے ہیں ان میں سے ایک خاص مدرسہ رام دُھروا اس تجربے کے لئے چنا گیا ہے۔ ہم نے اپنی ذمہ داری اچھی طرح سمجھ کر یہ تجربہ ٹھیک کرنے کی کوشش کی اور مختلف قسم کے پروگراموں پر عمل کیا۔ اس تجربے کو کرتے کرتے جس نتیجے پر ہم پہنچے، بنیادی تعلیم کے دوسرے استادوں کے غور و فکر کے لئے اس کا ایک خلاصہ نیچے دیا جا رہا ہے:۔

پہلے تو اس تجربے کی کچھ مشکلات کا ذکر کریں گے۔ اس تجربے میں کئی دشواریاں پیدا ہوئیں۔ ایک تو ایک ہی جماعت میں ہندی اور اردو رسم خط پڑھنے والے بچوں کی برابر تعداد تھی اور ان بچوں کی قابلیت جداگانہ تھی۔ اس طرح کی ایک جماعت کو چار جماعتیں کہا جا سکتا ہے اور دونوں جماعتوں کا مشترکہ تجربہ آٹھ جماعتوں کا تجربہ کہا جا سکتا ہے! استاد کی ہوشیاری اور تجربے کی کامیابی اسی بات میں ہے کہ ہر ایک جماعت کا ہر لڑکا برابر ترقی کرتا جائے۔ وہ ایک جماعت کو دستکاری کے کام میں لگا کر دوسری جماعت کو پڑھا سکتا ہے، لیکن اسے دستکاری میں بھی سدھار اور ترقی کرنی ہے۔ دستکاری کے کاموں کے بعد استاد کو کوئی نیا مضمون الگ سے جوڑنا نہیں ہے بلکہ دستکاری کے اندر چھپی ہوئی باتوں کو نکالنا ہے اور کام کرتے وقت کام میں سے نکلی ہوئی باتوں پر سبق کی بنیاد رکھنی ہے۔ دستکاری میں چرخہ چلانا بھی ہے اور چرخہ چلاتے وقت جماعت میں ایک قسم کی گونج پیدا ہوتی ہے۔ اس حالت میں وہ کیوں کر دوسری جماعت کو پڑھا سکتا ہے؟ اگر دو کمروں میں دونوں جماعتوں کو بٹھا کر کام کیا جائے تو استاد ٹھیک سے دیکھ بھال نہیں کر سکتا۔

اگر وہ ایک ہی کمرے میں یہ کام شروع کرتا ہے اور ایک درجے کو دستکاری کے کام میں لگا کر دوسرے درجے کو کوئی دلچسپ مضمون پڑھانے لگتا ہے تو کام کرنے والے بچوں کی بھی توجہ اس طرف کھنچ جاتی ہے، کیونکہ بچوں میں ایسا فطری رجحان رہتا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ ایسا دلچسپ مضمون دونوں جماعتوں میں ایک ساتھ پڑھا دیا جائے، لیکن میں اس سے متفق نہیں ہوں کیونکہ اس طرح پڑھائے گئے سبق کسی کے لئے گایا گیا گیت کسی کے لئے ضروری اور کسی کے لئے غیر ضروری ہوگا۔ مضمون کا خیال کرتے ہوئے دو جماعتوں کو بھی ایک ساتھ پڑھایا جا سکتا ہے، جیسے مشاہدہ، عملی تعلیم اور ورزش۔

اب ان دشواریوں کو حل کرنے کے لئے کیا ترکیبیں عمل میں لائی گئیں اس کا کچھ حال نیچے دیا جاتا ہے:۔

(۱) ہم کسی ایسے بچے سے مدد لے سکتے ہیں جو دستکاری کے کام میں ماہر ہے، وہ اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے اور جماعت کو قابو میں رکھ سکتا ہے۔ ایسا کرنے سے پہلے ہمیں بچوں کو عملی تعلیم دینی ہوگی جس سے وہ اپنی ذمہ داری سمجھیں اور اپنے مانیٹر کا کہنا مانیں۔ مانیٹر بھی اپنی ذمہ داری کو سمجھے اور ساتھیوں کے ساتھ برتاؤ کا ڈھنگ جانیں۔ مربوط مضمونوں کا پڑھانا اس کا کام نہیں ہے، وہ صرف جماعت کے ضبط اور امن کو قائم رکھے گا۔

وہ خود کام کرتے ہوئے جماعت کے بچوں کو کام میں لگائے رکھے گا۔ وہ ایسی جگہ پر بٹھایا جائے جہاں سے وہ سب بچوں کو دیکھ سکے۔ اتنا ہونے پر بھی استاد اس جماعت سے لاپروا نہیں رہ سکتا۔ وہ اپنی جماعت کو کسی قسم کے سوال حل کرنے کے لئے دے کر یہاں آسکتا ہے اور بچوں کے دستکاری کے کاموں میں کچھ سدھار کرتے ہوئے سدھار کی باتیں بتا سکتا ہے۔ یہ بھی تجربہ ہے کہ استاد کو ایسے بہت سے موقع ملتے ہیں

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ ایک ہی کمرے میں دو جماعتوں کے بچے مختلف سمتوں میں بٹھائے جائیں اور خاکہ نمبر ۱ کی طرح دونوں جماعتوں کے بچے کام شروع کریں۔ ایک درجہ ۳۵ منٹ تک کام کرتا رہے دوسرا ۱۵ منٹ کام کرنے کے بعد ۲۰ منٹ تک کئے ہوئے کاموں کے ذریعے کسی مضمون کو پڑھے۔ دوسرے کو پڑھانے کے بعد کام دے کر استاد پہلے والی جماعت میں جائے۔ اسی طرح ایک کے بعد دوسرا ــــ جیسا کہ خاکہ نمبر ۱ میں دیا گیا ہے۔

اب سوال اٹھتا ہے کہ ایسا کرنے پر آخری گھنٹے میں ایک جماعت دستکاری میں لگی ہوئی پائی جاتی ہے اور دوسری جماعت مربوط مضمون پڑھتی ہے۔ اس وقت جیسا کہ خاکے میں بتایا گیا ہے۔ دوسرے پڑھانے کے بعد دن بھر کے کاموں اور ان کے ذریعے سیکھی ہوئی باتوں پر گفتگو کر کے بچوں کو ان پر اپنے طور پر نوٹ لکھنے کے لئے کہہ دیا جائے۔ جب یہ بچے لکھنے لگیں، تو استاد پہلے والی جماعت میں جائے اور سوالوں کے ذریعے دن بھر کے کئے ہوئے کاموں اور ان کے ذریعے سیکھی ہوئی باتوں پر گفتگو کرے اور بچوں کو اس پر اپنی طبیعت سے نوٹ لکھنے کو کہے۔ اس دوران میں استاد باری باری سے سب بچوں کے پاس جائے گا اور ان خامیوں کو دور کرنے کی کوشش کرے گا جو ان کے کام میں ملیں۔ غلطیاں ٹھیک ہو جانے کے بعد بچے اسے اپنے روزنامچے میں خوشخط لکھ لیں۔

اگر ایک جماعت ۲۵ منٹ پہلے اور دوسری ۲۵ منٹ بعد شروع ہو تو یہ کام بہت اچھے ڈھنگ سے ہو سکتا ہے جیسا کہ خاکہ نمبر ۲ میں دکھایا گیا ہے۔

اگر کسی جماعت میں دھنائی اور بہار چرخے سے کتائی کرنی ہے تو اس کے لئے خاکہ نمبر ۳ بہت کارآمد ثابت ہوگا۔

خاکہ نمبر ۱

جماعت	پہلا گھنٹہ ۳۵ منٹ	دوسرا گھنٹہ ۱ گھنٹہ	تیسرا گھنٹہ ۱ گھنٹہ	۳۰ منٹ	چوتھا گھنٹہ ۳۵ منٹ	پانچواں گھنٹہ ۱ گھنٹہ	چھٹا گھنٹہ ۱ گھنٹہ	ساتواں گھنٹہ ۱۰ منٹ
سوم	۱۵ منٹ دستکاری، ۲۰ منٹ ربط	۳۵ منٹ دستکاری، ۲۵ منٹ ربط	۳۵ منٹ دستکاری، ۲۵ منٹ ربط	[illegible]	۳۵ منٹ دستکاری	۲۵ منٹ ربط، ۳۵ منٹ دستکاری	۲۰ منٹ ربط، ۱۵ منٹ دستکاری، ۲۰ منٹ روزنامچہ	〃 〃 〃
دوم	۳۵ منٹ دستکاری	۲۵ منٹ ربط، ۳۵ منٹ دستکاری	۲۵ منٹ ربط، ۲۵ منٹ دستکاری، ۱۰ منٹ ربط		۱۵ منٹ دستکاری، ۲۰ منٹ ربط	۳۵ منٹ دستکاری، ۲۵ منٹ ربط	۳۵ منٹ دستکاری، ۵ منٹ ربط، ۲۰ منٹ روزنامچہ	چھٹی

خاکہ نمبر ۲

جماعت	۱۰ سے ۱۱ تک	۱۱ سے ۱۲ تک	۱۲ سے ۱ تک	۳۰ منٹ	۱½ سے ۲½ تک	۲½ سے ۳½ تک	۳½ سے ۴½ تک	کیفیت
سوم	۳۵ منٹ دستکاری، ۲۵ منٹ ربط	۳۵ منٹ دستکاری، ۲۵ منٹ ربط	۳۵ منٹ دستکاری، ۲۵ منٹ ربط	[illegible]	۳۵ منٹ دستکاری، ۲۵ منٹ ربط	۳۵ منٹ دستکاری، ۲۵ منٹ ربط	۲۰ منٹ روزنامچہ	۲۵ منٹ پہلے چھٹی
دوم	۳۵ منٹ دستکاری	۲۵ منٹ ربط، ۳۵ منٹ دستکاری	۲۵ منٹ ربط، ۳۵ منٹ دستکاری		۲۵ منٹ چھٹی کھانے کی، ۳۵ منٹ دستکاری	۲۵ منٹ ربط، ۳۵ منٹ دستکاری	۲۵ منٹ ربط، ۲۰ منٹ روزنامچہ	۲۵ منٹ بعد چھٹی

خاکہ نمبر ۳

جماعت	۱۰ سے ۱۱ تک	۱۱ سے ۱۲ تک	۱۲ سے ۱ تک	۱ گھنٹہ	۲ سے ۳ تک	۳ سے ۴ تک	۴ سے ۴-۲۰ تک	کیفیت
سوم	چرخہ کتائی یا دھنائی	ربط دستکاری	۳۵ منٹ ربط، ۱۵ منٹ دستکاری، ۱۰ منٹ ربط	[illegible]	۳۵ منٹ دستکاری، ۲۵ منٹ ربط	۳۵ منٹ دستکاری، ۲۵ منٹ ربط	روزنامچہ	
دوم	دستکاری ربط	دستکاری ربط	۳۵ منٹ دستکاری، ۱۵ منٹ ربط، ۱۰ منٹ لکھنا		کتائی یا دھنائی	۲۵ منٹ ربط، ۲۵ منٹ دستکاری، ۱۰ منٹ ربط	روزنامچہ	

عزیز الحسن، ہیڈ ماسٹر،
رلسئے دھروا، بنیادی مدرسہ،
ضلع چمپارن (بہار)

تعلیمی خبریں اور رائیں

ہاتھ کا کام اور تعمیری یا تخلیقی سرگرمیاں

حکومت پنجاب کی مقرر کی ہوئی نصاب کمیٹی نے تعمیری سرگرمیوں (Creative Activities) کے بارے میں اپنے خیال ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"ہم نہایت شدت سے اس امر کے حامی ہیں کہ پرائمری مدرسے کے نصاب میں ہاتھ کے کام یا تعمیری اور تخلیقی سرگرمیوں کو زیادہ سے زیادہ اہمیت حاصل ہو۔ لیکن نصاب میں انھیں تربیتی یا پیشہ ورانہ لحاظ سے یہ مقام حاصل نہ ہو۔ بلکہ اس تعلیمی افادیت کے اعتبار سے ہو۔ جو عام طور سے فنون کو حاصل ہوتی ہے ایسی سرگرمیوں کی اصل قدر و قیمت کا اندازہ کسی کام کے تجویز کرنے اور اسے پورا کرنے سے یا اس تربیت سے لگایا جا سکتا ہے جس سے ہاتھ کا کام کرنے کی رغبت پیدا کی جائے۔ اگر ایسی سرگرمی بچوں کی سمجھ بوجھ اور عقل میں خاطر خواہ اضافہ یا صحیح خوشی پیدا نہ کرے تو اسے نہ کوئی قدر و قیمت حاصل ہوگی اور نہ اس کی افادیت تسلیم کی جائے گی۔ اس لئے ہم سرگرمی کی اصطلاح کا اطلاق صرف لکڑی، لوہے اور برتن بنانے کے کام وغیرہ جیسی معمولی قسم کی سرگرمیوں تک محدود نہیں رکھتے بلکہ ہم اس میں وہ تمام سرگرمیاں شامل کرتے ہیں جن میں بچے کی ہنرمندی، شعور، احساس، مشاہدہ اور قوت اندازہ درکار ہو اور کسی تعمیری کام میں ان تمام کے ذریعے یا ان میں سے چند ایک کے ذریعے ایسا مقصد حاصل کیا جائے، جس کے حاصل کرنے کے لئے خود بچہ بھی مشتاق ہو۔ ممکن ہے کہ پیش نظر مقصد کے ذریعے کوئی ایسی چیز تیار کی جا رہی ہو جسے بچہ خود حاصل کرنا چاہتا ہو یا دوسرے کو دینے کی خواہش رکھتا ہو۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ کسی سرگرمی کے ذریعے حساب، سائنس یا جغرافیے کے کسی مسئلے کو مرئی اور مادی صورت میں پیش کیا جا رہا ہو۔ کسی چیز کا تیار ہونا اس قدر اہم نہیں ہے جس قدر کہ اس چیز کی تیاری میں مختلف حصوں کا ایک جگہ اکٹھا کیا جانا اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ تعلیمی لحاظ سے اس سرگرمی کو بے حد قدر و قیمت حاصل ہے۔ اس قسم کی سرگرمیوں کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ان کے ذریعے مختلف مضمونوں کو ایک جگہ اور ایک نقطے پر اکٹھا کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ ان کے ذریعے اظہار خیال کا بھی مناسب موقع ملتا ہے۔"

اس بیان میں حکومت پنجاب کی مقرر کی ہوئی کمیٹی نے ہاتھ کے کام کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے تعلیمی فائدوں کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ہاتھ کا کام کس طرح بچے کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کر سکتا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ کمیٹی کے اس مشورے پر کب اور کس طرح عمل کیا جائے گا۔ مدیر

ہندوستان کی روحانی جمہوریت

ابھی حال میں سر رادھا کرشنن نے بنارس یونیورسٹی میں پوسٹ گریجویٹ طلبہ کو مخاطب کرتے ہوئے جو تقریر کی تھی وہ ایسی ہے جس پر ہر تعلیم یافتہ کو اور خصوصاً استادوں کو بہت غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ان کے ہاتھ میں آئندہ بننے والے سماج کا مسالہ ہے۔

اس تقریر سے اس مسئلہ پر کافی روشنی پڑتی ہے کہ موجودہ دنیا کی حکومتوں کے مختلف نظام چاہے وہ استعماریت (Totalitarianism) کے نام سے مشہور ہوں یا جمہوریت (Democracy) کے نام سے سب کے سب انسان کی ترقی اور امن کے لئے نہ صرف ناموزوں ہیں بلکہ معذور ہیں۔ ہمیں ایک نئے سماجی نظام کی ضرورت ہے جس کی بنیاد انصاف اور مساوات کے اصولوں پر رکھی جائے گی اور جو ہر قسم کی لوٹ کھسوٹ کو پاک ہوگا۔ اس تقریر کے کچھ حصے نیچے دئے جا رہے ہیں۔ مدیر

"دنیا کے موجودہ نظام نے انسانیت کو قربان کر دیا ہے اور اس کا دار و مدار لالچ، خودغرضی، وحشیانہ لوٹ کھسوٹ اور انسان کے ابتدائی حقوق کی پامالی پر ہے۔ "جمہوریت" اور "استعماریت" میں امتیاز پیدا کرنا ایک بے کار سی بات ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ استعماری قوتیں جنگ کے درندانہ طریقے استعمال کر رہی ہیں، وہ جارحانہ اقدام کر رہی ہیں۔ یقینی یہ بہت بڑی ہیبت ناک جرم ہیں۔ لیکن ہم اس بات کو بھی نظرانداز نہیں کر سکتے کہ "جمہوریت" کی نام لیوا قوتیں بھی کم و بیش اسی قسم کے جرائم میں مبتلا ہیں۔ جمہوریت کا دامن بھی نفس پرستی، ہوس رانی، عیاشی اور عوام کی تکالیف سے بے حسی جیسے بدترین روحانی گناہوں سے پاک نہیں ہے۔

اس وقت جو مسئلہ تمام دنیا کے سامنے ہے وہ یہ ہے کہ کس طرح جسم کی نشوونما کے ساتھ ساتھ روحانی آرزوؤں اور تمناؤں کو زندہ رکھتے ہوئے ان کو بر لایا جائے۔ ہمارے لئے یہ کیونکر ممکن ہے کہ ہر فرد کو انسانی روح کی عظمت کا احساس کرا دیا جائے تاکہ وہ اپنے کارناموں سے صحیح اور بے لوث خوشی حاصل کر سکے اور اپنے روحانی قلعہ کو اتنا مضبوط بنا سکے کہ باہر کی کوئی بھی طاقت اس پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ ایسا سماج کیسے بنایا جا سکتا ہے جس کے تمام افراد میں یہ خوبیاں موجود ہوں۔ اس مسئلے کا صحیح حل دنیا سے ہر قسم کی لوٹ کھسوٹ ختم کر دے گا۔

ہندوستان کے لئے ہندوستانی تعلیم

"جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے، تعلیم کے دو خاص مقصد ہونے چاہئیں۔

نوجوان ہندوستانی شہری - لڑکا یا لڑکی - کو اس قابل بنا دیا جائے کہ (۱) وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر سادہ زندگی گزار سکے۔ ایسی زندگی جس میں تہذیب و تمدن کی خوبیاں پائی جاتی ہوں جو خوف اور ڈر سے پاک ہو اور جس میں عدم تشدد کی اسپرٹ موجود ہو (۲) وہ اپنے ان دوسرے ساتھیوں کی عزت کر سکے، جو عادات رسوم اور مذہب کے اعتبار سے اس سے مختلف ہیں۔

"موجودہ تعلیم کی ایک بڑی نحوست یہ ہے کہ ہمارے نوجوان شہری اپنی زندگی کے بہترین دور میں اسکول اور کالجوں سے دنیا میں بالکل دیوالیے ہو کر نکلتے ہیں ان میں نہ تو یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ کسی پیشے کے ذریعے اپنی روزی کما سکیں اور نہ ہی وہ سادہ اور کارآمد زندگی بسر کر سکتے ہیں۔

"صحیح تعلیم کے لئے ضروری ہے کہ اسے سب سے پہلے "گھر" کی ضرورتوں کا خیال رکھنا چاہیئے جہاں سے طالب علم آتا ہے کیونکہ اسکول اور کالج کی تعلیم کا ایک ضروری جز و یہ ہے کہ "گھر" ایک ایسی جگہ بن جائے جس میں ہر فرد خوشی، امن اور ترقی حاصل کر سکے۔ جس ملک کی گھریلو زندگی میں خوشی اور اطمینان ہے وہ ملک بھی آسودہ حال اور مطمئن ہے۔

"ہندوستانی اسکول اور کالج استادوں اور طالب علموں کے لئے صحیح

تنقید و تبصرہ

(اس کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنی چاہئیں)

بچوں کے لئے نئی کتابیں

ہم نے نئی تعلیم کے کسی گزشتہ پرچہ میں "تعلیم و تربیت" نامی ایک رسالہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ یہ بے شک رسالہ کس قدر بچوں کی ضروریات کا خیال کرتے ہوئے نکالا گیا ہے۔ اب اسی رسالہ کے لایق مدیر کی زیر نگرانی اور اسی پرنٹرز و پبلشرز کی طرف سے ذیل کی یہ بے نظیر کہانیاں بچوں کے لئے چھاپی گئی ہیں جس پر ہم ایک ایک کر کے مختصر لفظوں میں تبصرہ کریں گے۔

١۔ قصے اور کہانیاں یہ پونے دو سو صفحوں کا ایک مجموعہ ہے جس میں ایشیا (Asia) کے وہ تمام چھوٹے چھوٹے قصے اور کہانیاں آگئی ہیں جو قریب قریب دنیا کی ہر زبان میں ملیں گی۔ ان قصوں کی زبان نہایت سادہ اور انداز بیان بالکل گھریلو ہے۔ ہر قصہ کا انجام کسی سبق آموز نتیجہ پر ختم ہوتا ہے، یہ کہنا بڑا مشکل ہے کہ بچہ کے لئے نصیحت کشش کا باعث ہوتی ہے یا اصل کہانی۔ اگر کہانی یا قصے کو پند و نصائح سکھانے کے ذریعہ کے طور پر استعمال کیا جائے۔ تو یہ بات ویسی ہی ہے جیسے کہ کونین کی گولیوں کو شکر میں لپیٹ کر دیا جائے۔ اور ہماری رائے میں کہانیوں کا یہ استعمال ٹھیک نہیں ہے۔ ہمارے خیال سے قصے اور کہانیاں خود بچے کی ذہنی اور فکری استعداد کے نشو و نما کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اس کتاب میں یہ پہلو نظر انداز نہیں کیا گیا ہے، بلکہ یہ قصے اور کہانیاں دنیا کے ادب کے ایک بیش بہا خزینہ کے طور پر پیش کی گئی ہیں۔

٢۔ وفادار کتا یہ ایک ۷۵ صفحہ کا رسالہ ہے جس میں تانا شاہ حاکم گولکنڈہ کے شہزادے کے کتوں کا حال ہے لیکن مصنف کا مقصد کتوں کے اس تاریخی اہمیت سے زیادہ بچوں کے لئے خصائص اور عادات بیان کرنا ہے جسے انھوں نے مدرجہ اولیٰ پورا کیا ہے۔

٣۔ بھالو یہ بھی ایک ہی ضخامت کا رسالہ ہے جس میں ایک بچہ کی سراغ رسانی کے سلسلہ میں ریچھ کے مختلف خصوصیتیں نہایت اچھے انداز میں بیان کی گئی ہیں اس طرح کہ کہیں سے کہانی کا سلسلہ نہیں ٹوٹتا ہے اور ریچھ کے متعلق جملہ ضروری معلومات آگئی ہیں۔ قیمت ۸ر

٤۔ نرالا چور کوئی ۵۰ صفحوں کا ایک رسالہ ہے، اس میں بڑے دلچسپ انداز میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کس طرح چوہوں نے ایک گھر کے رہنے والوں کو اس طرح پریشان کیا کہ کبھی یہ گمان ہی نہ ہوا کہ یہ پریشان کرنے والے بھلا چوہے ہو سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں بھی کہانی کے ساتھ ساتھ چوہوں کی مختلف خصوصیتیں اس طرح بیان کی گئی ہیں کہ بچہ ایک مرتبہ کتاب ہاتھ میں لینے کے بعد اسے کسی طرح چھوڑنا پسند نہیں کرے گا۔ قیمت ۶ر

٥۔ بھیڑوں کی برکت یہ بھی اسی ضخامت کا ایک رسالہ ہے اور اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کس طرح ایک غریب بچہ بھیڑوں کی برکت سے امیر بن گیا اور اس سلسلہ میں بھیڑ کی خصوصیات اور اون کی قدر و قیمت اس طرح بیان کی گئی ہے کہ کسی جغرافیہ یا معلومات عامہ کے سبق میں بھی اس سے بہتر نہیں آ سکتی ہے۔

٦۔ ہوائی سواریاں یہ کوئی ۷۰ صفحوں کا ایک رسالہ ہے جس میں ہوائی جہاز کی ایجاد اور اس کی موجودہ ترقیاں نہایت سہل اور دل پسند انداز میں اس طرح بیان کی گئی ہیں کہ بچے اسے خشک اور روکھے پھیکے سمجھ کر تھوک نہ دیں بلکہ انھیں اس شوق اور دلچسپی سے پڑھیں جس طرح ریچھ، چوہے، اور بھیڑوں کے کہانیاں پڑھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں اپنے بچوں کو ان جدید ایجادات کے متعلق بھی ضروری معلومات دینی ہیں جس کے لئے یہی زبان اور یہی انداز بیان ہو سکتا ہے۔ قیمت ۵ر

ان کتابوں اور رسالوں میں بعض بعض جگہ نادر اور غریب محاورے بھی آ گئے ہیں جو بچوں کی زبان کے لئے ہمارے خیال میں مناسب نہیں ہیں۔ بچوں کی زبان عموماً سادہ اور بے تکلف ہونی چاہیئے۔

اس طرح بعض بعض تصویریں عبارت کے نیچے آگئی ہیں جس سے سطریں کٹ گئی ہیں۔ ہمارے خیال میں بچوں کی کتابوں میں تصویریں اس طرح نہ دینی چاہئیں۔

پھر بھی زبان کی دلآویزی اور تصویروں کی خوشنمائی نے ان کتابوں کے معیار کو اس قدر بلند کر دیا ہے کہ پنجاب کی اکثر چھپی ہوئی کتابیں اس کی گرد پا کو بھی نہیں پہنچ سکتی ہیں۔

ان کتابوں کے ملنے کا پتہ: فیروز سنز پرنٹرز و پبلشرز لاہور ہے۔

(س - ا)

(بسلسلہ صفحہ ٦)

اسی طرح جاڑے کے موسم میں غریب طلبہ کے لئے کپڑوں کا بھی ہم لوگ کچھ ایسا ہی انتظام کر لیتے تھے۔

جمعہ کے علاوہ ہم میں سے کچھ طلبہ ہمارے ایک اور شفیق اور سادھو سیرت استاد مسٹر اے ایم۔ ڈین کے ساتھ ہر اتوار کو صبح کے وقت ہسپتال جایا کرتے تھے اور مریضوں کے خط وغیرہ لکھ آتے تھے۔ جن مریضوں کے پاس خط کے پیسے نہیں ہوتے تھے ان کا خط ہم لوگ اپنے پاس ہی سے لکھا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ ہمارے مدرسے کا ہسپتال سے ایک مستقل تعلق ہو گیا اور اگر ہسپتال والوں کے سامنے کبھی کوئی ایسا مرحلہ آتا جہاں ہم لوگ ان کے لئے مفید ثابت ہو سکتے تھے تو وہ بلا تامل ہمارے پرنسپل کے پاس اطلاع بھیج دیا کرتے تھے۔

سماج سیوا کا یہ میرا پہلا اور سب سے شاندار تجربہ تھا۔ اب میں مختصراً یہ دکھانا چاہوں گا کہ یہ تجربہ اپنی جگہ اس قدر کامیاب کیوں تھا۔

(١) اس کا محرک ایسا شخص تھا جو ہر اچھے کام کی پہلی مثال اپنے عمل سے پیش کر سکتا تھا۔ ایک دن چلچلاتی دوپہر میں اس شخص نے کھانے کے لئے مکان جاتے ہوئے دیکھا کہ چڑھائی پر کچھ ٹھیل والے باوجود کوشش کے اپنی ٹھیل آگے نہیں بڑھا پاتے۔ یہ شخص اپنی موٹر سے اترا اور ایک

آن واحد میں اس کا کندھا شیل والوں کے کندھے سے لگ گیا!

(۲) ہم میں سے اس نے صرف ایسے طلبہ کو منتخب کیا تھا جن کے سلسلے پرنسپل کی قربت حسد اور جلن کا سبب نہ ہو۔ ہم میں سے ہر لڑکا جماعت میں چوتی کے طلبہ میں سے تھا اس لئے اگر پرنسپل اس پر شفقت کرتا تھا تو حق دار کو حق پہنچتا "نوازش بے جا" کی قسم کی کوئی چیز اسے نہیں ملتی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ ہم سب طلبہ جنھوں نے انجمن امداد کی کمیٹی بنائی تھی ایک ہی جماعت کے تھے اس لئے تعاون اور اشتراک کا مسئلہ پیدا ہی نہیں ہوتا تھا۔ پھر موصوف ہم لوگوں کی جماعت کو خود پڑھاتے بھی تھے۔

(۳) کام کے بعد موصوف ہمیں بڑی عجیب طرح خوش کرکے گھر بھیجتے تھے۔ وہ ہم لوگوں کو اپنے ساتھ ہی موٹر میں گاؤں لے جاتے تھے اور پانچ بجے اپنے ساتھ ہی موٹر میں اپنے بنگلے واپس لے آتے تھے۔ یہاں اُن کی میم صاحبہ خانہ باغ میں چائے تیار لئے بیٹھی ہوتی تھیں۔ چائے کے بعد ہم لوگ سائیکلوں پر گھر واپس چلے آتے تھے۔

(۴) چندہ جمع کرنے میں کبھی ہم لوگوں نے جذبات سے کام نہیں لیا اور خرچ کرتے وقت ہمیشہ اپنی پونجی کو نگاہ میں رکھا۔

(۵) جس کی مدد کی اس میں پستی کا احساس بالکل پیدا نہ ہونے دیا اور نہ اپنی مدد کو اس کے لئے بھیک بنایا۔ ایک مرتبہ مدرسے کے پڑوس میں ایک غریب بہشتی کی مشک پھٹ گئی۔ ہم لوگوں نے اس کے لئے مشک فراہم کردی اور جب اس نے پیسے پس انداز کرکے ہمیں دئے تو اس سے ہم لوگوں نے احتراز بھی نہیں کیا۔ اس طرح گاؤں کے لوگوں کو مفت چیزیں بانٹ بانٹ کر انھیں کبھی کسی چیز کی ترغیب نہیں دی۔

(۶) ہمارے رہنما کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ اکثر ہم لوگوں کی سفارش پر لوگوں کی مدد کردیا کرتے تھے۔ ہم لوگوں سے بعض غلط ضرورتمندوں کی سفارش بھی ہو جاتی تھی لیکن ان کے تجربے نے ہم لوگوں کو بہت جلد غلط اور صحیح ضرورت مند میں تمیز کرنا سکھا دیا۔

(۷) کام ہمیشہ تھوڑے مگر معتبر ہاتھوں میں رہا اور جو کچھ کیا گیا اُس کو پہلے سے بہت سوچ سمجھ کر کیا۔ اس لئے ہم لوگوں نے کبھی فوری نتائج دیکھنے کی خوشی میں عقل اور خودداری کا ساتھ نہیں چھوڑا۔

(۸) مدرسے سے رخصت ہونے کے بعد انجمن امداد سے ہم لوگوں کا باضابطہ کوئی تعلق نہیں رہا لیکن ہم میں سے جس نے بھی اور جس وقت بھی دلچسپی کا اظہار کیا مسٹر اولیفنٹ نے بڑی خوشی سے اُسے اپنے ساتھ رکھا اور اس کی تجویزوں کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا۔

یہی وجہ ہے کہ گو مسٹر اولیفنٹ اور ان کے اہل و عیال آج ہم لوگوں سے بہت دور انگلستان میں ہیں (خدا کرے ہمیشہ بعافیت رہیں) لیکن ہم انھیں اب بھی اپنے بہت قریب پاتے ہیں اور ان کا کام اب بھی کچھ اسی طرح جاری ہے جس طرح انھوں نے آج سے چودہ برس پہلے شروع کیا تھا۔

فضل الدین آذر

متعلم ٹریننگ کالج
علی گڈھ

فہرست مضامین

رجسٹرڈ نمبر: ایل ۴۴۴۴۷

ضروری اطلاع

ہمارے مہربان سرپرستوں اور خریداروں پر غالباً یہ مخفی نہ ہوگا کہ یہ رسالہ اب تک خسارے سے چل رہا ہے اور باوجود متعدد مالی دشواریوں کے ہم اس کا معیار قائم رکھنے میں کامیاب رہے ہیں لیکن اب کچھ تو کاغذ کی کمیابی اور کچھ چھپائی وغیرہ کے اخراجات میں اضافہ ہو جانے سے ہمارے لئے یہ امر زیادہ دشوار ہوگیا ہے۔ اس لئے مجبوراً اس کا سالانہ چندہ یکم جنوری سنہ ۴۲ء سے بجائے ہمہ کے عہ کرنا پڑا۔ اگرچہ یہ قلیل اضافہ کاغذ کی روزافزوں گرانی کو مدنظر رکھتے ہوئے کچھ زیادہ نہیں ہے لیکن ساتھ ہی اپنے مہربان سرپرستوں اور خریداروں کی خاطر اس کی ضخامت میں بھی اضافہ کیا جا رہا ہے۔

اس لئے التماس ہے کہ جو حضرات یکم جنوری کے بعد اس کے خریدار بننا چاہیں وہ عہ کے حساب سے چندہ ارسال کریں۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارے قدیم سرپرست اسی دریادلی کے ساتھ معاونت فرماتے رہیں گے۔

دفتر
نئی تعلیم،
جامعہ نگر، دہلی

پرنٹر و پبلشر: حامد علی خاں | مطبوعہ: جید برقی پریس   مدیر: سلامت اللہ